

فیوض الترویہ  
فے  
تشریحات الحلیہ

فہرست فیوض الترویہ  
کی جامعہ شریعت اسلامیہ

المعروف

# شرح حدیث

جلد 2

تألیف

امام ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل القزغانی

ترجمہ و شرح

علاء محمد لیاقت علی ضوی

کتاب  
الصلوة

# خوشخبری

علماء اہلسنت کی کتب PDF میں  
حاصل کرنے کیلئے  
تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن  
کریں

<https://t.me/tehqiqat>  
گوگل سے ڈاؤن لوڈ کرنے کے

[https://  
archive.org/details/  
@zohaibhasanattari](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

نور بیج حسن عطاری

مجلس خصوصی اسلامی جهانی

Ph: 055  
4237699 مکتبہ قادریہ  
میلاد منہ طفہ چوک سرکلر روڈ گوجرانوالہ

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند شرح

فیوض الرضویہ فی تشریحات الحدیث

المعروف

جلد دوم

# شرح حدیث

کتاب الصلوٰۃ

ترجمہ

علامہ محمد لیاقت علی خاں

استاذ الفقه، جامعہ شہابیتہ انجمنہ لاہور

تصنیف

امام ابو الحسن علی بن ابی بکر بن عبد اللہ بن عثمان

زبیہ سنٹر، ۴۰، اروپا بازار لاہور

فون: 042-37246006

شبیر برادرز





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلہ حقوقِ ملکیت سے بحق نامہ محفوظ ہے

نثر جدید 2

با اہتمام ملک شعیب حسین

اگست 2011ء / رمضان 1432ھ

طابع اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

کپیٹرنگ ورڈز میکر

لے آؤٹ ایس ایڈیٹورز لاہور  
0322-7202212

قیمت 350/- روپے



### ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

## ﴿فہرست مضامین﴾

36	وقت زوال کا فقہی معنی	22	مقدمہ رضویہ
37	زوال آفتاب کے ڈھلنے کو کہتے ہیں	22	فقدنی کے اصول
	ہمارے عرف میں دو پیر ڈھلنے کو کہا جاتا ہے	22	احادیث صحیحہ میں ترجیح
38	نماز ظہر کا آخر وقت اور نماز عصر کے اول وقت میں	23	امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے درمیان علمی گفتگو اور فقدنی کی صداقت
	اثر و فقہاء کا اختلاف	24	تقریظ مقتدر علمائے اہل سنت و جماعت
39	حدیث بخاری سے امام اعظم کے استدلال میں قوت	26	کتاب الصلوٰۃ
40	نماز عصر کے وقت کا بیان	26	کتاب الصلوٰۃ کی کتاب الطہارات سے تقدم کی وجہ
40	عصر و فجر کے وقت میں اذکار رکعت کا بیان	27	صلوٰۃ کا معنی و مفہوم
42	عصر و فجر کے اذکار رکعت میں فرق کا بیان	28	لفظ صلوٰۃ کی وجہ تسمیہ
43	نماز مغرب کے وقت کا بیان	28	نماز کی تعریف
44	شفق کا فقہی معنی و مفہوم	28	نماز کب فرض ہوئی
44	نماز عشاء کے اول و آخر وقت کا بیان	29	معجزہ معراج سے پہلے نمازوں کی کیفیت
45	نماز عشاء کے وقت کے بارے میں احادیث	30	پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز
45	عمرہ کہنے کی ممانعت اور نماز عشاء میں تاخیر کا بیان	31	نماز چھوڑنے پر وعید کا بیان
47	فصل فی الاوقات المستحبہ	32	باب المواقیت
47	مستحب اوقات والی فصل کی مطابقت کا بیان	32	باب اوقات کی مطابقت کا بیان
47	تاخیر مستحب کا فقہی مفہوم	32	قرآن مجید سے نمازوں کے اوقات کا بیان
47	نماز فجر کا مستحب وقت	34	نماز فجر کے وقت کا بیان
47	احناف کے نزدیک نماز فجر کا مستحب وقت تاخیر ہے	34	صحیح صادق اور صبح کا ذب
48	امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک فجر غلٹ میں پڑھنا	35	فجر کا ذب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا
49	نماز ظہر سردیوں میں جلدی جبکہ گرمیوں میں ٹھنڈی کرو	35	نماز ظہر کے وقت کی ابتداء و اختتام
49	سخت گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈ کر کے گرمی جہنم کی بھاپ		

62	تخصیص مکہ سے ملت ممانعت کا معدوم ہونا	50	روزِ خ کے سانسوں پر اشکالات و جوابات
63	جمع کے دن وقتِ نوافل پڑھنے میں امام ابو یوسف و امام شافعی علیہما الرحمۃ اختلاف و دلائل	53	نمازِ ظہر کو گرمیوں میں جلدی پڑھنے میں غیر مقلدین
64	اوقاتِ ممنوعہ میں نمازِ جہاز و اور سجدہ تلاوت کا حکم	51	فقہ شافعی و حنفی کے مطابق "اُردوا" کا مطلب
64	اوقاتِ ممنوعہ میں سجدہ تلاوت کرنے کی ممانعت میں	54	عصر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے
	مذاہب فقہاء کا بیان	55	قرص کی تعریف
65	فجر اور عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی ممانعت کا بیان	55	نمازِ عصر کے نام کی وجہ تسمیہ
66	جن وقتوں میں نمازِ جہاز نہیں اور جن میں مکروہ ہے	55	عصر میں تاخیر مستحب میں حضرت علی الرضیٰ کی روایت پر جرح و تعدیل کا بیان
67	ممنوعہ اوقات کی دوسری قسم کا بیان	56	نمازِ مغرب میں جلدی مستحب ہے
68	فرائضِ مغرب سے پہلے نوافل پڑھنے کی ممانعت کا بیان	56	نمازِ مغرب کے بعد اندھیرے کی کیفیت
69	مکروہ وقتوں میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے	57	نمازِ مغرب میں تاخیر مکروہ ہے
69	غروب آفتاب کے بعد اور مغرب سے قبل نفل پڑھنا	57	عدم دلیل کراہت سے اثباتِ استحباب کا بیان
70	نمازِ مغرب سے قبل نوافل کا حکم منسوخ ہو گیا ہے	58	عشاء کی نماز میں تاخیر مستحب ہے
70	مغرب سے قبل دو رکعتوں کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے	58	نمازِ عشاء کا استحباب تہائی رات تک ہے
		59	نماز وتر کا مستحب وقت
76	<b>باب الاذان</b>	60	بادلوں کے ایام میں مستحب اوقات کا بیان
76	باب الاذان کی مطابقت کا بیان	60	بادلوں کی وجہ سے حکم تاخیر و قبل میں تبدیلی کا بیان
76	اذان کے مغایم	61	<b>فصل فی الاوقات التي تكثر فيها الصلاة</b>
77	اذان کے اسرار و رموز	61	اوقاتِ مکروہ و اہل فصل کی مطابقت فقہی کا بیان
79	حکم شرعی کے مطابق اذان کی شرعی حیثیت	61	نماز کے اوقاتِ ممنوعہ کا بیان
80	اذان کی ابتداء کیسے ہوئی تھی	62	تین اوقات میں نہ نماز اور نہ تہن کی جائے
81	امام شافعی کے نزدیک ترجیح کرنی چاہیے	62	اوقاتِ ممنوعہ میں صلوٰۃ تخصیص مکہ میں امام شافعی
82	فقہ حنفی کے مطابق ترجیح نہ کی جائے	62	کا استدلال و جواب

97	اذان و اقامت کے درمیان وقفہ کرنے میں فقہی بیان	84	اذان فجر میں الصلوٰۃ غیر من النوم کا اضافہ
98	تم میں سے بہترین لوگ اذان پڑھیں	84	علت غفلت حکم نص کے ساتھ خاص ہے
98	فوت ہونے والی نمازوں کیلئے حکم اذان	85	کلمات اقامت اذان کے کلمات کی طرح ہیں
99	نکاح نمازوں کیلئے اذان کہنے میں فقہی بیان	85	کلمات اذان و اقامت میں فقہاء احناف و شوافع کا اختلاف و دلائل
100	حالت طہارت میں اذان و اقامت پڑھنے کا بیان	86	کلمات اذان میں فقہ جعفریہ کا اختلاف اور کتب شیعہ کی روشنی میں دلائل
102	اذان و اقامت کیلئے وضو کرنے کا حکم	88	اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں
103	وقت سے پہلے اذان پڑھنے کے بارے میں حکم	89	اقامت میں اللہ اکبر کہنے کے ساتھ کھڑا ہونا مکروہ
103	اذان فجر کا قبل از وقت پڑھنے میں امام ابو یوسف اور امام شافعی کا موقف و جواب	90	اذان و اقامت کے کلمات کا بیان
104	مسافر کیلئے اذان و اقامت کا بیان	90	اذان میں ترسیل جبکہ اقامت میں حد رکابیان
106	<b>باب الشروط التي الصلوة تتقدمها</b>	91	اذان کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں صلہ شرعی کا بیان
106	باب شرائط کی مناسبت کا بیان	91	وقت اذان کا نوس میں انگلیاں ڈالنے کا بیان
106	نماز پڑھنے سے پہلے طہارت کا مکملہ کا بیان	92	محدوم غلت کے باوجود حکم پر عمل جاری ہونا
107	مساجد میں پاک و صاف ہو کر جانے کا حکم	92	مسئلہ تھویب میں فقہی احکام و دلائل
107	نماز کیلئے مفہوم زینت کے عموم کا بیان	93	تھویب کے بارے میں فقہی آراء
108	گھٹنے اور ناف کے ستر ہونے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف و جواب	94	فقہاء احناف کے کتب سے مسئلہ تھویب کی اباحت
108	مساجد میں جاتے ہوئے زینت اختیار کرو	95	اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام
109	ستر سے متعلق احادیث کا بیان	96	اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنے میں حدیث کا بیان
109	آزاد عورت کے ستر کا بیان و حکم	95	صلوٰۃ و سلام کا مطلب
110	ستر عورت میں کف و وجہ کے استثناء کا فقہی مفہوم	96	اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنے میں دلیل
111	آزاد عورتوں کے تمام بدن کے ستر ہونے کا بیان		ممانعت کا محدود ہونا
112	اکشاف ستر فساد نماز یا عدم فساد نماز کا بیان	95	اذان و اقامت کے درمیان وقفے کا بیان

127	بچے کا فیصلہ	113	عورت کے اعضاء ستر کے بارے میں جامع بیان
128	چار رکعت چار سمتوں کی طرف	115	کپڑے سے جب زوال نجاست کا ذریعہ نہ رکھتا ہو
128	انتہاء	116	کپڑوں سے ازالہ نجاست کے اعتبار و عدم اعتبار
128	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے اجتہاد کو منسوخ نہیں کیا		میں فقہاء کی تصریحات
129	تین جہت کعبہ کیلئے عہد کے استعمال میں فقہی تصریحات	116	بغیر کپڑوں کے نماز پڑھنے کا طریقہ و حکم
130	جہت کعبہ کی مثال سے تحری کے قیاس کا حکم	117	نماز میں ستر عورت کے بارے میں فقہی تصریحات
131	<b>باب صفۃ الصلوۃ</b>	117	نیت اور تکبیر کے درمیان فاصلے کا بیان
131	باب صفۃ الصلوۃ کی مطابقت کا بیان	118	نیت کیلئے تین ضروری ہے لسانی کا محتاج نہیں
131	نماز کے چھ فرض کا بیان	119	ثواب کا دار و مدار نیت پر کا قاعدہ فقہیہ
131	فرض کی تعریف	119	نیت کا معنی
132	تکبیر تحریر کی وجہ تسمیہ	119	نیت کے شروع ہونے کی وجہ
132	تکبیر تحریر کی فرضیت کا بیان	119	قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے کا بیان
132	قیام کی فرضیت کا بیان	120	پہلے حکم شرعی کے منسوخ اور جہت قبلہ میں نماز کا حکم
133	قرأت کی فرضیت کا بیان	122	قبلہ کی طرف متوجہ ہونے میں احادیث
134	رکوع کی فرضیت کا بیان	123	جہاں کہیں ہو نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری
134	سجدہ کی فرضیت کا بیان	123	قاعدہ فقہیہ
135	قعدہ آخرہ کی فرضیت کا بیان	124	استقبال قبلہ کے چند مسائل
135	واجبات نماز کا بیان	125	تحری میں غلطی کرنے والے کیلئے اعادہ نماز کا حکم
136	سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے وجوب کا بیان	125	تحری کی صورت میں امام شافعی کا موقف و جواب
136	نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے مسئلے میں ائمہ کے مذاہب	126	ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد کو منسوخ نہ کرنے کا
136	واجبات نماز کی بیان کردہ فقہی تعداد کا بیان		قاعدہ فقہیہ
139	قعدہ آخرہ میں تشہد پڑھنے کے وجوب کا بیان	127	اجتہاد کا شرعی معنی
139	وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کے وجوب کا بیان	127	اجتہاد کا ثبوت

151	ہاتھ سینے پر باندھنے میں غیر مقلدین کے دلائل کا تجزیہ	139	تکبیرات عیدین کے وجوب کا بیان
153	ہاتھ چھوڑ کر نماز میں پڑھنے میں اہل تشیع کے دلائل اور ان کا تجزیہ	139	جہر میں جہر اور اخفاء میں اخفاء کے وجوب کا بیان
155	امام مالک سے عدم ارسال کی روایات کا بیان	140	نماز کو تکبیر تحریر سے شروع کیا جائے
156	نماز میں ہاتھ باندھنے کے فقہی دلائل	140	نماز کی تحریم تکبیر اور قلیل سلام ہے
157	نماز میں ہاتھ باندھنا قیام کی صفت ہے	140	تکبیر تحریر کے وقت ہاتھ اٹھانے کا بیان
157	امام مالک کے نزدیک ارسال عزیمت جبکہ اعتماد خست ہے	141	ہاتھوں کو اٹھانے کے ساتھ ہی تکبیر تحریر کہنے کا حکم
157	نماز میں ثناء پڑھنے کا بیان	141	وقت تکبیر کندھوں تک ہاتھ اٹھانے میں امام شافعی کا
158	تکبیر کے بعد نماز میں ثناء پڑھنے کے متعلق احادیث	142	موقوف و دلیل
159	نماز میں تعوذ و تسمیہ پڑھنے کا بیان	143	تکبیر تحریر سے پہلے ہاتھ اٹھانے چاہئیں
160	نماز میں تعوذ و تسمیہ پڑھنے کا سنن میں بیان	144	ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانے میں احمدی حنفی کے
161	نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے فقہی احکام	144	موقوف میں احادیث
161	نماز میں قرأت تسمیہ کا حکم سری	145	ادائے تکبیر میں فقہی احکام
163	بسم اللہ کا فاتحہ کا جز ہونے یا نہ ہونے میں فقہی مذاہب	146	نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہنے کا سنن سے ثبوت
164	نماز میں قرأت کرنے کے دلائل	146	غیر عربی میں قرأت سے متعلق فقہی احکام
164	اسرہ فقہ کے نزدیک قرأت کی مقدار کا بیان	147	قرأت میں کلام کی دلیل
165	نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے مسئلہ میں اسرہ کے مذاہب	147	قرآن مجید کی غیر عربی میں قرأت کرنے سے متعلق
166	آمین امام اور مقتدی دونوں یا صرف مقتدی پڑھیں	148	امام صاحب اور صاحبین کا موقوف و دلائل
166	جہر و سر میں ترجیح حدیث کا بیان	148	فقہی احکام میں ترجیح دلائل کو دی جاتی ہے نہ کہ
167	نماز میں آمین کا مسئلہ	148	شخصیت و امام فقہ کو
168	آمین آہستہ کہنے کے دلائل میں احادیث	149	نماز میں ہاتھ باندھنے پر اختلاف فقہاء
169	فقہ شافعی کے مطابق امام کے پیچھے قرأت کرنے کا طریقہ	149	ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں احادیث
170	ولا الضالین کے بعد خاموشی اور غیر مقلدین کا شور	149	ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق احادیث
		150	نماز میں ہاتھ باندھنے کی دو صورتوں میں ترجیح کا بیان

202	ترک رفع یدین والی حدیث کو جن محدثین نے صحیح قرار دیا ہے	170	رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کا حکم
202	حدیث ابن مسعود کو صحیح قرار دینے والے محدثین	172	رکوع و سجود میں کمر سیدھی رکھنے کا حکم
202	عدم رفع یدین میں فقہاء و محدثین سے روایات کی کثرت	176	تومہ کرنے کا شرعی بیان
202	حضرت ابراہیم نخعی	176	سجدہ کرنے کا حکم شرعی
202	حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ	176	تعدیل ارکان کے بارے میں احکام شرعیہ کا بیان
203	امام سفیان ثوری علیہ الرحمہ	179	تعدیل ارکان سے نماز کے بعد دعائے گننے کا حکم
204	امام ابو یعلیٰ القوسی علیہ الرحمہ	179	شب و روز کے نوافل میں فقہی مذاہب کا بیان
205	رفع یدین کی منسوخیت کے دلائل میں احادیث کا بیان	180	سجدہ کرنے کا طریقہ
207	امام اعظم اور امام اوزاعی کا رفع یدین والی روایت میں سند میں قوت کا اعتبار	181	سجدے میں ہاتھوں اور کہنیوں کو رکھنے کا طریقہ
209	رفع یدین کے بارے میں امام مالک کے مذہب کی تحقیق	182	حالت سجدہ میں اعضاء کو زمین پر لگانے میں فقہی دلائل
211	ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ سات طرح ہیں	183	سجدہ میں اعضاء زمین پر لگانے میں اختلاف ائمہ
211	منکرین فقہ نے انوکھی فقہ گھڑ والی	185	سجدہ کرنے کی فضیلت کا بیان
212	رکوع میں جاتے ہوئے دوم سجدہ رفع یدین کرنے میں غیر مقلدین کا غیر ثابت رفع یدین و استدلال	186	سجدہ مسنونہ کا طریقہ
213	سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھنے والی تکبیر میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟	187	سجدے میں تسبیح پڑھنے کا بیان
214	قعدہ میں بیٹھنے کی صورت کا بیان	189	اطمینان کے ساتھ جلسہ کرنے کا بیان
215	احتیاط میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ	189	جلسہ میں اطمینان کا فقہی مفہوم
215	احناف کے نزدیک شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ	190	نماز میں طہانیت کی شرعی حیثیت میں ائمہ کے مذاہب کا بیان
216	فقہاء مالکیہ اور شہد میں انگلیوں کا بند کرنے کا حکم	191	سجدے سے اٹھنے کا بیان
		192	جلسہ استراحت میں فقہی مذاہب کا بیان
		191	جلسہ استراحت کا مفہوم و مطلب
		193	دوسری رکعت شروع کرنے کا بیان
		194	ترک رفع یدین کے متعلق احادیث

233	نماز میں سلام پھیرنے اور اس میں نیت کا بیان	217	تعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ اور ان کے اختلاف
234	سلام پھیرنے میں سنت کا بیان	218	امام اعظم کے نزدیک تشہد میں بیٹھنے کی دلیل کا بیان
235	نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منکر کے بیٹھنے	218	عقرب شیطان کا مطلب
236	نماز کے سلام میں مقتدی منفرد کا بیان	218	نماز میں تشہد پڑھنے کا بیان
237	نماز میں سلام، نیت اور بھلائی کے احکام	220	تشہد میں سپاہ اٹھانے کا بیان
238	نماز کے اختتام پر بلند آواز سے ذکر کرنا	221	سپاہ کی تحقیق
240	<b>فصل فی القرات</b>	222	سپاہ کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات
240	فصل قرأت کی مطابقت کا بیان	223	تشہد میں انگشت سے اشارہ کرنے میں احادیث
240	نماز میں قرأت کے بارے میں فقہی مذاہب کا بیان	224	تشہد آہستہ پڑھنا چاہیے
240	جہری نمازوں میں قرأت کرنے کے حکم کا بیان	224	تعدہ کے وسط نماز میں ہونے کا بیان
241	جہری و سری نمازوں میں جہر و اخفاء کی وجہ	225	تعدہ اولیٰ میں جلدی اٹھنے سے صرف تشہد کا استدلال
241	قرأت کے متعلق اہم مسائل	225	فرض کی آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھنے کا حکم
247	بعد و عیدین میں قرأت کرنے کا بیان	226	تعدہ آخریہ میں تعدہ اولیٰ کی طرح بیٹھنے کا حکم
248	جس نے اولین میں فاتحہ پڑھی	226	تشہد کے وجوب کا بیان
249	ترک واجب کی قضاء میں طرفین اور امام ابو یوسف کے اختلاف کا بیان	227	تشہد میں درود پڑھنے کی فرضیت میں فقہاء شوافع کا موقف اور احناف کے دلائل
249	جہری و خفی قرأت کی تعریف کا بیان	228	نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے کا بیان
250	قرأت کی کم از کم مقدار کا بیان	228	رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کی فضیلت کا بیان
251	سفر کی حالت میں حکم قرأت کا بیان	229	تشہد میں درود پڑھنا فرض ہے یا سنت
251	علت سفر کی وجہ سے قرأت میں تخفیف کرنے کا بیان	230	آل کی تعریف و تحقیق
252	نماز فجر میں قرأت کرنے کا بیان	231	فرضیت امتیوں کے درود رسول اللہ ﷺ تک پہنچانے ہیں
253	ظہر، عصر، مغرب و عشاء میں قرأت کرنے کا بیان	232	درود کے بعد مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے
254	فقہاء کی جانب سے نمازوں میں تعین قرأت کی دلیل	232	نماز میں دعا مانگنے کا بیان



278	باب الامامت کی مطابقت کا بیان	256	نماز فجر میں پہلی رکعت میں قرأت کو لمبا کرنے کا بیان
278	امامت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟	257	پہلی رکعت کو لمبا کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان
279	شرف علم کی بنیاد پر امامت کا حقدار ہونا	258	قرأت کیلئے سورتوں کو معین کرنے کا بیان
279	شرف قرأت کی وجہ سے امامت کا حقدار ہونا	258	نمازوں میں تعین قرأت میں فقہاء شوافع و احناف کے اختلاف کا بیان
279	شرف عمر کی وجہ سے امامت کا حقدار ہونا	259	نفس قرأت میں تمام قرآن کی سورتوں کا برابر ہونا
280	امامت کا تحقق کون ہے؟	260	مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے
280	فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ امامت کا حقدار کون	261	جب امام نماز میں قرآن پڑھے تم چپ کر جاؤ
282	فضیلت علم پر امامت کے بارے میں صاحب ہدایہ کی	262	صحابی قرأت خلف الامام کرنا چھوڑ گئے وہابی نہیں
	بیان کردہ حدیث پر غیر مقلدین کا تبصرہ و جواب		چھوڑتے
282	ضعیف حدیث پر عمل کرنے کیلئے شرائط کا بیان	264	فاتحہ کی قرأت میں ائمہ کے مذاہب کا بیان
282	ضعیف حدیث پر عمل کرنے کیلئے تین شرائط ہیں	264	سورۃ فاتحہ کے بارے میں ائمہ کی اسما کا بیان
283	فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں فرق	265	امام محمد علیہ الرحمہ کے مذہب کی تحقیق
284	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور حافظہ ابن جوزی	266	امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کے دلائل میں احادیث
284	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور حافظہ منذری	271	قاعدہ فقہیہ سے قرأت خلف الامام کی ممانعت
285	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور امام نووی	272	تین دن کے بعد قرآنی کے گوشت کا حکم
287	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور ابن حجر عسقلانی	272	امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کے حق میں وعید
287	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور حافظہ سیوطی	273	قرأت خلف الامام اور منازعت کا بیان
288	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور ابن قیم	273	جماعت فرض، واجب ہے یا نہیں
289	ضعیف حدیث باب احکام میں	274	جماعت کے احکام و مسائل
289	احناف کے ہاں ضعیف حدیث کی اہمیت	275	جماعت کی حکمتیں اور فوائد
290	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور فقہاء شوافع	276	ترک جماعت کے انداز
290	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور فقہاء مالکیہ	278	باب الامامۃ
291	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور فقہاء حنابلہ		

312	محاذات مضدہ کی شرائط کا بیان	292	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور فرقہ ظاہریہ
312	عورت کے محاذات سے مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے	293	ضعیف حدیث باب احکام کے علاوہ میں
314	عورتوں کیلئے جماعت کرانے کا بیان	294	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور امام بخاری
314	عورت کی جماعت کی شرعی حیثیت	295	صحیح بخاری میں مستحکم فیہ رجال کی احادیث
320	تراویح میں خواتین کی امامت کا بیان	296	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور امام مسلم
320	ادنیٰ کی اقویٰ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بیان	297	ایک غلط فہمی کا ازالہ
321	تیمم کرنے والا وضو کرنا والا کا امام بن سکتا ہے	298	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور یحییٰ بن معین
321	ملح کی اقتداء میں وضو والوں کی نماز کا بیان	298	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور ابو بکر بن عربی
322	قاعدہ فقہیہ	299	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور ابوشامہ مقدسی
322	ملح کی اقتداء میں غاسلین کی نماز کا بیان	299	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور شیر عثمانی
322	قاعدہ کے پیچھے قائم کی نماز کا حکم	299	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور ابن تیمیہ
323	امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ جائیں	300	ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور شوکانی
324	نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنے کی ممانعت	300	امامت کے عدم اباحت کے اعداد
324	نفل پڑھنے والا فرض والے امام کی اقتداء کر سکتا ہے	301	ناہی آدمی کی امامت میں جواز و نراہیت
326	حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے دو مرتبہ نماز پڑھنے کی حقیقت	301	فاسق اگر امام بنا دیا جائے تو امامت جائز ہے
		302	فاسق کی تعریف و حکم
327	محدث امام کے پیچھے مقتدی کی نماز کا حکم	302	قرأت کرنے کیلئے لوگوں کیلئے آسانیاں پیدا کرو
327	مسئلہ ظیفی فی الصلوٰۃ میں دشواری کا بیان	303	عورتوں کی جماعت کے مکروہ ہونے کا بیان
328	ان پڑھ امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ممانعت	306	اکیلے نمازی کیلئے جماعت میں کھڑے ہونے کا بیان
328	امام کی نماز کا فساد مقتدیوں کی نماز کے فساد کو سترم ہے	307	صرف ایک مقتدی ہو یا دو ہوں تو حکم جماعت
328	پہلی دو رکعتوں میں قرأت کے بعد ای کا امام ہونا	308	عورتوں اور بچوں کی اقتداء میں مردوں کی نماز کا حکم
330	<b>باب الحدیث فی الصلوٰۃ</b>	308	نابالغ کی امامت میں فقہی احکام کا بیان
330	باب الحدیث کی مطابقت کا بیان	310	نماز میں صفوں کی ترتیب کا بیان

348	مقتدی کا اپنے امام کو قہر دینے کا بیان	331	نماز میں خلیفہ بنانے کا حکم فقہی ۔
349	مفسد نماز کے بیان میں احکام شرعیہ	331	نماز میں حدت لاحق ہو جائے اور بناء کی شرائط
351	کاہن کی تعریف	330	جب امام کو نماز میں حدت لاحق ہو جائے
351	عراف کے کہتے ہیں	332	اجتناب اختلاف کیلئے سرے سے نماز پڑھنا
351	عمل رمل	333	جب محدث امام نے خلیفہ بنایا پھر عدم حدت ظاہر ہوا
351	اگر نماز میں "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ جواب دیا تو حکم نماز	334	دوران نماز جنون یا احکام وغیرہ کے حکم کا بیان
352	ایک رکعت کے بعد دوسری رکعت کو شروع کرنے کا بیان	335	حالت نماز میں انزال سالم نہ ہوا تو حکم
353	اگر نمازی نے لکھا ہوا کچھ لیا تو حکم نماز	335	اگر حجر قرأت کفایہ کے بعد واقع ہو گیا
360	نماز میں مصحف کو پڑھنے کے بارے میں فقہی احکام	336	جب تیمم والے نماز میں پانی دیکھا تو حکم
360	حالت نماز میں قرآن ہاتھ میں پکڑ کر قرأت کی تو حکم	337	دوران نماز تیمم والے کو پانی حاصل ہونے کا بیان
355	حالت نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرأت کرنا منوع	338	اثنا عشری مسائل کی وضاحت کا بیان
355	حاکمین کے دلائل اور ان کا تجزیہ	338	مستوبق کی بہ جائے مد رک کی خلافت اولیٰ ہے
359	دیکھ کر قرأت کے بارے میں صحابہ و تابعین کا موقف	339	تشہد میں بیٹھنے کے بعد تہجد لگایا تو حکم نماز
361	اگر نماز کے سامنے سے عورت گزرے تو حکم نماز	340	رکوع بخود میں حدت لاحق ہونے کا بیان
361	نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کیلئے دمید کا بیان	341	امام اولیٰ محدث کا دوسرے امام کی اقتداء کرنا
362	نمازی کے سامنے سے گدھی وغیرہ گزرے تو حکم نماز	343	<b>باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ</b>
363	میدان میں سترہ قائم کرنے کا بیان	343	فساد صلوٰۃ والے باب کی مطابقت کا بیان
363	احکام سترہ کے متعلق احادیث کا بیان	344	کلام کے مفسد نماز ہونے میں اصل کا بیان
364	سترہ کو قریب کھڑا کرنا چاہیے	344	تعدد فقہیہ
364	سترہ پیشانی کے عین سامنے کھڑا نہیں کرنا چاہیے	344	نماز میں سلام کو جواب دینا منع ہے
	سترہ نماز کی حفاظت کرتا ہے	346	نماز میں رونے کا بیان
364	امام و مقتدی کیلئے احکام سترہ	346	نماز میں کھانسنے سے حکم نماز
365	سترے اور نمازی کے درمیان گزرنے سے منع	347	نیم امام کو جب ائمہ یا تو حکم نماز

378	جب امام کا سجدہ حجاب میں ہو	366	نماز کی سامنے سے گزرنے نماز کو باطل نہیں کرتا
379	تصویر والے بچھونے پر نماز پڑھنے کا بیان	367	سترے کیلئے لکیر کھینچنے میں علماء کا اختلاف
381	نماز میں سانپ اور بچھو مارنے کا بیان	368	<b>فصل فی المکروہات الصلوٰۃ</b>
381	دو کالوں کو مارنے کا حکم اور اس کا فقہی مفہوم	368	نماز کے مکروہات والی فصل کی مطابقت کا بیان
382	نماز میں تسبیحات کو کٹا کر کرنے کا بیان	368	نماز میں عبت کا مومن کی کراہت کا بیان
383	<b>فصل فی المکروہات خارج الصلوٰۃ</b>	369	نماز میں کھیلنے کی ممانعت و کراہت کا بیان
383	قضائے حاجت کی حالت میں استقبال و استدبار	369	نماز میں تشہیک کی کراہت کا بیان
384	مسجد کی محبت پر دلی وغیرہ کی ممانعت کا بیان	370	نماز میں کلام کرنا منع ہے
385	مساجد کے دروازوں کو بند کرنے کے حکم میں وجود	370	نماز میں اختصار کرنا منع ہے
	علت و معدوم علت کا بیان	370	وائیں بائیں گردن موزنے کی کراہت کا بیان
386	مسجد حرام کے دروازوں کو تال لگانے اور کھولنے کا بیان	371	نماز میں نظر پھیرنے والی روایت کی سند کا بیان
387	<b>باب صلوٰۃ الوتر</b>	371	نماز میں ادھر و ادھر دیکھنا کیسا ہے
387	صلوٰۃ وتر والے باب کی مطابقت کا بیان	372	نماز میں کتے کی طرح پیٹنے کی کراہت کا بیان
387	لفظ وتر کے معنی کا بیان	372	نماز میں اتھاہ کرنے کی ممانعت کا بیان
387	وتر واجب ہے یا سنت	372	نماز میں سلام کے جواب دینے کا بیان
388	وتر کے واجب ہونے میں دلائل کا بیان	373	نماز میں سلام و کلام کا ممنوع ہونا ثابت ہے
388	اگر وتر دیا جائے تو اس کی قضاء کا حکم	373	نماز کے مکروہات کا بیان
389	قاعدہ فقہیہ	374	کف ثوب اور سدل ثوب کا بیان
390	وتر کی تین رکعات ہیں	374	کف شعر کے بارے میں دلائل شرعیہ کا بیان
390	ایک رکعت وتر پڑھنے کی ممانعت	376	کف شعر اقوال فقہاء کی روشنی میں
391	نماز وتر ایک رکعت ہے یا تین رکعات	377	نماز میں کھانے پینے کی ممانعت کا بیان
391	نماز وتر کا طریقہ	377	نماز میں کھانے پینے کی علت عمل کثیر ہے
392	نماز وتر کی رکعات میں فقہی اختلاف کا بیان	377	عمل کثیر کی تعریف و حکم

412	جامع صغیر کی تعریف کے بعد امام محمد و امام ابو یوسف کا تکرار	393	دعائے قوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے
413	اگر کسی نے پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت کی	394	رمضان کے آخری نصف میں دعائے قوت پڑھنے
414	قیام قدرت کے باوجود نفل بیٹھ کر پڑھنا		میں امام شافعی کی دلیل اور اس کا جواب
414	بیٹھ کر نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے	397	ایک ماہ غیر قوت پڑھی گئی پھر منسوخ ہوگئی
	نصف ثواب ہے	398	<b>باب النوافل</b>
415	بغیر عذر کے نفل کو بیٹھ کر پڑھنا	398	نوافل والے باب کی مطابقت کا بیان
416	شہر سے باہر جانوروں پر نفل پڑھنے کا بیان	398	سنن و نوافل نماز کی رکعت و تعداد کا بیان
416	سواری پر نماز پڑھنے کے متعلق احادیث کا بیان	399	نماز مغرب کے بعد دو سنتوں کا بیان
416	سواری پر نماز پڑھنے میں فقہاء احناف کا نظریہ	399	فقہ حنفی کے مطابق سنتوں کی تفصیلی تعداد
418	سواری اور کشتی میں نماز پڑھنے کے مسائل	400	شب و روز کے نوافل کا بیان
419	سواری پر نفل شروع کرنے والی کی بناء کا بیان	401	دن اور رات میں نوافل کی تعداد رکعت میں فقہی
421	<b>فصل فی قیام شہر رمضان</b>		تصریحات
421	قیام رمضان والی فصل کی مطابقت کا بیان	403	<b>فصل فی القرات</b>
421	نماز تراویح باعتبار لغت	403	قرأت کے بیان والی فصل کی مطابقت کا بیان
422	نماز تراویح باعتبار اصطلاح	403	فرض نماز میں قرأت کا بیان
422	فقہاء کے مطابق تراویح کی تعداد کا بیان	404	احادیث سے حکم قرأت کا بیان
422	نماز تراویح میں لوگوں کو جمع کرنے کا بیان	404	نماز سفر سے قرأت اولین کا استدلال
424	نماز تراویح کی شرعی حیثیت کا بیان	405	نماز کی رکعتوں میں قرأت کے فقہی اختلاف کا بیان
424	تراویح میں رکعات ہیں	406	آخری رکعتوں میں قرأت کے بارے میں فقہی مذاہب
424	فقہ حنفی کے مطابق میں رکعات تراویح کے دلائل	407	نوافل کی تمام رکعتوں میں قرأت کے وجوب کا بیان
430	نماز تراویح کے وقت کا بیان	407	پارونامہ پڑھنے والے نے جب دوسری دو کو قاسد کیا
431	<b>باب ادراك الفریضہ</b>	409	چار سنتوں میں سے کسی میں بھی قرأت نہ کرنا
431	باب ادراک فریضہ کی مطابقت کا بیان	411	بہن وادار آخری میں سے ایک میں قرأت کی تو حکم

448	ظہر نہ پڑھنے والے کی نماز عصر کا بیان	431	دوران نوافل جماعت کے شروع ہونے کا بیان
449	عصر پڑھنے والا جبکہ اسے وتروں کی قضاء یاد ہے	432	جماعت کھڑی ہونے سے پہلے وہ تین رکعات پڑھ
449	اقضاء نمازوں کی ترغیب بھولنے میں فقہی مذاہب کا بیان		چکا ہے
451	<b>باب سجود السهو</b>	432	عصر کو سنتوں کو پڑھنے اور جماعت سے ملنے کا حکم
451	باب سجود سہو کی مطابقت کا بیان	433	فرض نماز کی تکبیر ہو جائے تو کوئی نماز نہ پڑھی جائے
451	سجدہ سہو کرنے کا حکم	434	اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کا بیان
451	سجدہ سہو کے وجوب و ادائیگی کا طریقہ	434	فقد غفل کے مطابق کن نمازوں میں نقلی اقامت اور دست نہیں
452	امام شافعی کے نزدیک سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنے کا حکم	435	جماعت فجر کے دوران سنن پڑھنے کا بیان
452	احناف کے نزدیک بعد سجدہ سہو کے تشہد و رد و سلام	436	نماز فجر کی سنتوں کی قضاء کا حکم
453	سہو کے دو سجدوں کے بارے میں فقہی مذاہب کا بیان	437	فجر کی سنتوں کی قضاء میں فقہاء احناف کا مذہب
454	تعدہ سہو میں تشہد و رد و پڑھنے کا بیان	438	مدرک ایک رکعت ظہر میں شمار ہو گا یا نہیں
455	ترک فاتحہ و قنوت کی صورت میں سجدہ سہو کا بیان	438	ادراک جماعت سے متعلق احکام فقہیہ
456	سر میں جبر اور جبر میں سر کی وجہ سے وجوب سجدہ کا بیان	439	فرض نماز کی ادائیگی کے بعد نوافل کا بیان
457	سہو امام کی وجہ سے مقتدی پر پڑوم سہو کا بیان	440	ظہر کی سنتوں کی قضاء فرائض والی سنتوں کے بعد ہوگی
457	سہو مقتدی سے امام کے بری الذمہ ہونے کا بیان	440	رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت ہو جاتی ہے
459	اگر وہ تعدہ آخرہ میں بھول جائے تو حکم	441	امام سے پہلے سر اٹھانے میں وعید
462	چھٹی رکعت ملا کر دو نقل بنانے کا بیان	442	مخ صورت کا ایک جہر تباک واقعہ
461	بھول کر پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے کا بیان	443	<b>باب قضاء الغواٹ</b>
462	تعدہ آخرہ میں مقدار تشہد جیسے کا بیان	443	باب قضاء الغواٹ کی مطابقت کا بیان
463	سہو کے دو سجدوں کا بطور امتحان ہونے کا بیان	443	فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنے کا بیان
464	نفل میں بھولنے والے کے سجدہ سہو کا بیان	444	نیند کی وجہ سے جس کی نماز رگھی
465	جب سلام پھیرنے والے امام پر سجدہ سہو تو اس کا بیان	445	فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کا بیان
466	جب نماز سلام پھیرا حالانکہ سجدہ سہو واجب تھا	447	فوائت و قبیہ وحدہ کا بیان

482	نماز میں بار بار سہو پیش آنے کا بیان	466	فقہاء احناف و شوافع کی سورۃ غنم میں سجدہ نہ کرنے کی
482	نماز میں خشک کی صورت میں کم پر ہنا کرنے میں	467	توجیہ کا بیان
482	فقہی مذاہب کا بیان		سورۃ ص کا سجدہ
483	<b>باب صلوٰۃ المریض</b>	470	قرآن میں کھل سکتے سجدے ہیں
486	مریض کی نماز والے باب کی مطابقت کا بیان	470	سجدہ تلاوت کی تعداد میں فقہی مذاہب کا بیان
487	قیام پر عدم قدرت کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا	470	سجدہ تلاوت کے وجوب کا بیان
488	قعود کی عدم قدرت پر لیٹ کر نماز پڑھنا	471	سجدہ تلاوت کے وجوب میں فقہ حنفی و شافعی کا حکم
488	معذوری کی حالت میں بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنا	471	سامع و تالی دونوں پر سجدہ تلاوت واجب ہے
488	سر کے اشارے سے بھی نماز پڑھنے والے کی نماز	472	سجدہ کے وقت صرف بگیر کھنی چاہیے
489	قدرت قیام پر قادر جبکہ رکوع و سجود پر عدم قدرت	473	مستندی کے سجدہ تلاوت میں امام اس کی اتباع نہ کرے
490	مریض کا دوران نماز قدرت پالنے کا بیان	474	نماز سے باہر آیت سجدہ سننے والے کا حکم
491	نوافل کھڑے ہو کر یا لیٹ کر پڑھنے کا بیان	475	خارج نماز سننے والے پر وجوب سجدہ کا بیان
492	سکشی میں بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا بیان	475	بار بار پڑھنے پر وجوب سجدہ کا بیان
492	پانچ نمازوں میں بے ہوشی رہی تو حکم نماز	477	ایک ہی مجلس میں تکرار آیت کے سجدے کا بیان
493	<b>باب فی سجدۃ التلاوة</b>	471	تبدیلی مجلس کی صورت میں آیت سجدہ کا حکم
494	باب سجدہ تلاوت کی مطابقت کا بیان	478	درمیان قرأت آیت سجدہ کو چھوڑنا مکروہ ہے
495	سجدہ تلاوت کے احکام شرعیہ		<b>باب صلوٰۃ السفر</b>
495	قرآن میں سجدوں کا بیان	478	باب نماز سفر کی مطابقت کا بیان
495	سورۃ غنم کا سجدہ	479	سفر کے عذر شرعی ہونے کا بیان
496	سورۃ انفشاق اور علق کا سجدہ	480	مسافت کے بارے میں فقہی مذاہب کا بیان
497	دو سجدوں کی وجہ سے سورۃ حج کی فضیلت	480	میل کی مسافت کا بیان
597	سورۃ المیزیل السجدہ کا سجدہ	481	مسافت قصر کا بیان
497	رسول اللہ ﷺ کا سورۃ غنم میں سجدہ نہ کرنا	482	حد قصر کا بیان

517	جامع شہر کی تعریف	497	مدت اقامت میں فقہاء احناف و شوافع کا فقہی استدلال
517	جہاں جواز جمعہ میں شک ہو تو کیا کرنا چاہیے	500	حالت سفر میں پوری نماز پڑھنے میں فقہ شافعی و حنبلی
517	فتائے شہر کی تعریف	501	فقہاء شوافع کی دوسری دلیل اور اس کا جواب
517	مٹی میں جمعہ کا بیان	501	قصر صرف چار رکعت والی نمازوں میں جائز ہے
518	جمعہ کیلئے سلطان کی شرط کا بیان	502	حالت سفر میں سنن و نوافل پڑھنے کا بیان
518	سلطان و نائب سلطان نہ ہونے کی وجہ سے قیام جمعہ میں ممانعت کا بیان	504	بغیر نیت اقامت کی ماہِ ٹھہرنے کی صورت میں حکم قصر میں مذاہب فقہاء
519	جمعہ کیلئے خطبہ کی شرط کا بیان	505	خیمہ بزدار لوگوں کی نیت اقامت کا بیان
519	جمعہ کیلئے جماعت ہونے کی شرط کا بیان	506	مسافر فقہ کی اقداء میں پوری نماز پڑھے
520	غیر مدرک جمعہ والوں کی ظہر کا حکم	506	جب مسافر اقامت والوں کا امام ہو
521	جن لوگوں پر جمعہ کی فرضیت عملی اثر انداز نہیں	507	شہر میں داخل ہو گیا تو پوری نماز پڑھے
521	جمعہ کے دن ظہر کی کراہت کا بیان	508	حالت سفر میں سواری پر نماز ادا کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان
523	ظہر کی طرف جانے والا جمعہ کی طرف جائے تو حکم فقہی	509	مسافر کی دو شہروں میں نیت کا بیان
523	مغذوری جمعہ کے دن ظہر کی نماز کا بیان	510	حالت سفر میں حضری قضاء مکمل پڑھی جائے گی
524	جس نے امام کو جمعہ میں پایا اس کی بناء کا حکم	510	سفر و رخصت شرعیہ میں عموماً کا بیان
525	مدرک رکعت مدرک جمعہ ہونے میں شیخین کے موقف	511	سفر اطاعت و معصیت میں فقہ شافعی و حنبلی کا اختلاف
526	کی تاخیر میں احادیث کا بیان	512	<b>باب صلوٰۃ الجمعة</b>
528	جمعہ کے بعد سنتوں کا بیان	512	باب نماز جمعہ کی مناسبت کا بیان
528	خطبہ کے وقت خاموشی کا حکم	512	لفظ جمعہ کی وجہ تسمیہ اور معنی و مفہوم کا بیان
528	خطبہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کا کلام اور اس کی وضاحت	512	جمعہ پڑھنے والوں کو جمعہ کے دن انعام
530	جمعہ کے وقت سعی کا بیان	515	نماز جمعہ کی فرضیت
531	<b>باب العیدین</b>	516	نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط کا بیان
531	باب نماز عیدین کی مناسبت کا بیان		



545	باب کسوف کی مطابقت کا بیان	531	عید کا معنی
545	سورج گرہن کے وقت رسول اللہ ﷺ کی نماز	531	انسان اور تصور عید
545	سورج گرہن کا حقیقی سبب	532	نماز عید ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جہد واجب
547	سورج گرہن کی نماز	533	وجوب عید کو وجوب جہد پر قیاس کرنے کی علت
548	نماز کسوف میں سری قرأت کرنے میں فقہاء احناف کی دلیل کا بیان	533	عید الفطر کی سن کا بیان
548	نماز کسوف میں طوالت کا بیان	534	نماز عید کے وقت کا بیان
549	امام کے شافعی کے نزدیک کسوف میں دو رکوع کرنے کا بیان	534	نماز عید کا طریقہ
549	فقہاء احناف کی مؤید رکوع واحد کی دلیل	535	فقہ حنفی کے مطابق تکبیرات تشریق کی تعداد کا بیان
550	چاند گرہن میں نماز کا بیان	536	تکبیرات عیدین میں رفع یدین کرنے کا بیان
550	نماز خسوف کی قرأت کا بیان	537	نماز عید کے قضاء کرنے کا طریقہ
551	باب الاستسقاء	537	رویت ہلال کے بیان میں
551	باب استسقاء کی مناسبت کا بیان	538	چاند کی شہادت زوال کے بعد آئے تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے گی
551	استسقاء کا فقہی مفہوم	540	عید اٹھنی کے دن سن کا بیان
551	ائمہ فقہ کے نزدیک نماز استسقاء میں مذاہب	541	اگر یوم اول مانع عید ہو تو نماز عید کا حکم شرعی
552	نماز جہد والی دعا سے استسقاء کے عدم نماز ہونے کا استدلال	542	عرفہ والوں کے ساتھ استسقاء کا بیان
552	صاحبین کے نزدیک استسقاء نماز ہے	542	فصل فی تکبیرات التشریق
553	نماز استسقاء میں فقہاء احناف کا اختلاف	542	تکبیرات تشریق والی فصل کی مطابقت کا بیان
553	روائے قلب کا بیان وطریقہ	542	ان کلمات کو تکبیرات تشریق کہا جاتا ہے
555	نماز استسقاء میں خطبہ دعا کے بیان میں مذاہب فقہاء	544	نمازوں کے بعد تکبیرات تشریق پڑھنے کا بیان
556	نماز استسقاء میں بلند آواز سے قرأت کرنے کا بیان	543	تکبیرات تشریق کی تعداد میں فقہی مذاہب کا بیان
		545	باب صلوۃ الکسوف

568	کافور پانی میں ملایا جائے یا پانی	557	<b>باب صلوة الخوف</b>
569	بیری کے پتوں اور کافور کی غاصبت	557	نماز خوف کے باب کی مطابقت کا بیان
569	حصول برکت کیلئے بزرگوں کا کوئی کینرا شامل کرنا	557	نماز خوف کا بیان
570	میت کیلئے کلی و ناک میں پانی نہ ڈالنے کا بیان	557	نماز خوف پڑھنے کا طریقہ
570	میت کے جسم پر پانی بہانے کا طریقہ	558	نماز خوف ادا کرنے میں مذہب احناف کا بیان
571	غسل میت کا طریقہ	560	نماز خوف کا طریقہ و احکام
572	<b>فصل فی التکفین</b>	561	اگر امام قہم ہو تو نماز خوف کا طریقہ
573	کفن اچھا دینا چاہیے	561	حالت سواری میں نماز پڑھنے کا حکم
573	کفن پہنانے کا طریقہ	562	<b>باب الجنائز</b>
574	کفن لپٹنے کا طریقہ	562	باب جنازہ کی مطابقت کا بیان
574	کفن پہنانے میں فقہی بیان	562	لفظ جنازہ کا معنی
575	عورت کے کفن سنت کا بیان	562	جب کسی شخص کے پاس موت حاضر ہو
576	مرد کے کفن مکروہ کا بیان	563	شہادتین میں کلمہ تو حید و رسالت ﷺ و قول کی تلقین کی جائے
579	<b>فصل فی الصلوة علی المیت</b>	564	فوت ہونے والے شخص کو سنبھالنے کا بیان
579	نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون	565	تلقین کے بارے میں احادیث کا بیان
579	جنازہ پڑھانے کے حق و لایت کا فقہی مفہوم	565	میت کی آنکھوں کو بند کرنے کا حکم
580	دوبارہ جنازہ پڑھانے کے بارے میں احکام شرعی	566	<b>فصل فی الغسل</b>
580	دوبارہ جنازہ پڑھانے کے عدم جواز پر دلیل	566	فصل غسل میت کی مطابقت فقہی کا بیان
582	عائیانہ نماز جنازہ	566	میت کے وجوب غسل کی اصل کا بیان
582	کیا ہر میت پر عائیانہ نماز جنازہ پڑھنا مشروع ہے	566	میت کو غسل دینے کا بیان
582	عائیانہ نماز نہ پڑھانے میں ابن تیمیہ کا نظریہ	567	میت کو نہلانے اور کفنانے کا بیان
583	عائیانہ جنازہ کے عدم جواز پر فقہی تصریحات	568	بیری کے پتوں اور کافور کے پتوں سے غسل میت
583	عائیانہ جنازہ منع ہے		

609	حکم جنازہ میں بچے کو خیر کے تابع کیا جائے گا	585	تدفین کے بعد قبر پر جنازہ
610	مسلم ولی اپنی کافر میت کو غسل و کفن اور دفن بھی کرے گا	587	نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ
610	کافر میت کے غسل و کفن کا حکم	587	نماز جنازہ کی تکبیرات
611	<b>فصل فی حمل الجنائز</b>	588	فقہ حنفی کے مطابق جنازہ میں چار تکبیرات کے دلائل
611	جنازہ کی چار پائی اٹھانے کا بیان	588	نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ
612	جنازہ کو جلدی مگر درمیانی پال کے ساتھ لے کر چنا	589	نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے علاوہ بیچ میں نہ کرنا
613	جنازے کے پیچھے چلنا چاہیے	590	جنازہ میں قرأت فاتحہ نہیں ہے
613	جنازے کو اٹھانے کا بیان	593	نماز جنازہ کے بعد دعائے گنتے کے شرعی احکام
613	جنازے کو کندھا دینا میت کے حق کی ادائیگی ہے	595	کتاب فقہ کی عبارت سے نماز جنازہ کے بعد دعا کے
614	<b>فصل فی الدفن</b>		عدم جواز پردلائل اور ان کے جوابات
614	میت کیلئے قبر بنانے کا حکم	596	بدعت کا مفہوم
615	قبر شرق کی تعریف	596	بدعت حسنہ کا ثبوت
615	قبر لحد کی تعریف	596	بدعت سیئہ
615	میت کو جانب قبلہ قبر میں داخل کیا جائے	597	بدعت کے مفہیم
616	میت کو قبر میں کس طرح اتارا جائے	599	بدعت کا گمراہانہ استدلال
616	تیرہ سو برس بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجسام مبارک صحیح وسلامت دیکھے گئے	602	نماز جنازہ میں بعد ملنے والا جنازہ کیسے پڑھئے
616	کیا قبروں کو اکھاڑنا جائز ہے	603	امام کا میت کے سینے کے مقابل کھڑے ہونے کا بیان
617	مسلمانوں کی قبروں کی تقسیم و ادب کرنے کا حکم	604	جنازہ میں امام کا میت کے سامنے کھڑے ہونے میں
617	میت کو قبر میں داخل کرنے سے متعلق لفظی استدلال کا واقعہ	605	فقہ حنفی و حنفی کے اختلاف کا بیان
618	میت کو قبر میں رکھنے والا کیا کہے	607	سورہ کی حالت میں نماز جنازہ پڑھنے کا بیان
619	عورت کی قبر پر پردہ کرنے کا حکم	608	کیا ایک ہی قبر میں خاوند و بیوی کو دفن کرنا جائز ہے
		607	مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ
		608	پیدائش میں استدلال کے اعتبار کا حکم شرعی

634	کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کا بیان	619	مشائخ بخارا کے نزدیک کچی تیریں بنانے کا سبب
634	کعبہ میں نماز کے متعلق فقہی اختلاف	620	قبر کو بان نما بنانے کا بیان
635	کعبہ میں باجماعت نماز پڑھنے کا بیان	620	بصرہ شام کے نزدیک قبر اونٹ کی کو بان کی طرح ہو
637	جب امام مسجد حرام میں لوگوں کو نماز پڑھائے	620	قبر کو زیادہ اونچا بنانے کی کراہت -
638	کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا بیان	621	<b>باب الشہید</b>
	<b>ضمیمہ فہرست</b>	621	باب شہید کی مطابقت کا بیان
639	فقہ حنفی اسلامی تعلیمات کی کچی ترجمان ہے	621	شہید کی حیات برزخی کا بیان
166	نماز میں آمین پڑھنے کا مسئلہ	623	شہید کی تعریف و احکام
171	برکوع کرنے کا طریقہ اور اس کی تسبیح کا بیان	624	شہید کا معنی و مفہوم
174	ربنا لک الحمد آہستہ آواز میں صرف مقتدی پڑھے	624	اہل حرب و اہل بغاوت یا دشمنی میں قتل ہونے والا
175	ربنا لک الحمد میں اسلوب کا بیان	625	حضرت خطلہ کی شہادت سے استدلال فقہ
184	مجدے میں ٹاک یا پیشانی میں سے کسی ایک پر اکتفاء	626	شہید کے غسل و خون کا بیان
184	عمامہ پر نجدہ کرنے کا بیان	626	ارتاث کی تعریف و احکام کا بیان
229	التحیات کے بعد درود پڑھنے کا طریقہ	627	حدود و قصاص میں قتل ہونے والے کا بیان
250	نماز میں قرأت کی مقدار کا فقہی مفہوم	628	قصاص کا معنی و فقہی مفہوم
252	حالات حضرت میں فجر کی نماز میں طویل قرأت کرتا	628	عمرہ کے نزدیک غلام کے قصاص کا مسئلہ
273	جماعت کی شرعی حیثیت	630	بیعت کی لغوی تعریف
284	ضعیف حدیث کو پڑھنے پر ایسی کس کس نے دی	632	<b>باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ</b>
286	حافظ ذہبی اور ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا بیان	632	باب کعبہ میں نماز پڑھنے کی مطابقت کا بیان
302	امام کمزوروں اور ضرر مندوں کی رعایت کرے	632	کعبہ میں فرض و نفلی نماز کے جواز کا بیان
303	عورتوں کی جماعت کرانے کا حکم	632	کعبہ میں فرض و نفلی پڑھنے میں امام شافعی کے
422	تعداد و تراویح میں فقہی مذاہب		اختلاف میں اس کا بیان
		633	فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ کا کعبہ میں نماز پڑھنا

## مقدمة الرضویہ

الحمد لله الذي جعل العلماء ورثة الأنبياء، وخلاصة الأولياء، الذين يدعوا لهم ملائكة السماء، والسمك في الماء، والطير في الهواء. والسلام الأتمان الأعمان على زبدة خلاصة الموجودات، وعمدة سلالة المشهورات، في الأصفياء الأركياء، وعلى آله الطيبين الأطهار الأنقياء، وأصحابه الأبرار نحوم الاقتداء والاهتداء. اما بعد فيقول العبد الضعيف الى حرم ربه الباري، محمد لباقت على الحنفية الرضوي البريلوي غفرله والوالديه، الساكن قرية سنتيكا من مضافات بهاولنجر۔ اعلم ان الفقه اساس من سائر العلوم الدينية وامور الدنياوية۔ احمر شرح الهداية باسم "فیوضات الرضویہ فی تشریحات الهدایہ" بتوفيق الله تعالى وبوسيلة النبي الكريم ﷺ۔

### فقدنی کے اصول

حضرت سیدنا امام اعظم امام حنفیہ کے نزدیک مصادر و استنباط کی ترتیب اس طرح تھی۔ پہلے قرآن پھر حدیث پھر صحابہ کرام کے حنفی فتاویٰ، (یعنی اجماع) اگر صحابہ کرام کے مابین کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو کسی بھی ایک صحابی کی رائے کو ضرور اختیار فرماتے، سب سے ہٹ کر اپنی کوئی رائے نہیں رکھتے، البتہ تابعین کے اقوال کو اس بناء پر ترک فرما دیتے کہ وہ آپ کے ہم مرتبہ لوگ تھے۔ آپ کے خاص شاگرد امام محمد فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ کے علاوہ قیاس کے باب میں کھل کر بحث و مباحثہ کرتے ہیں لیکن جب آپ دلیل استحسان پیش کرتے تو سب لوگ خاموش ہو جاتے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ تمام اصحاب ابوحنیفہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحب کا مذہب یہ تھا کہ ضعیف حدیث بھی اگر مل جائے تو اس کے مقابلہ میں قیاس اور رائے کو چھوڑ دیا جائے گا۔ فقہائے احناف نص میں علت مشترکہ کے ثبوت کے بعد قیاس سے استنباط کرتے ہیں۔

### احادیث مجتہدین

فقدنی کے مسائل انصوحی شرعیہ کے زیادہ قریب ہیں۔ جب ایک مسئلہ میں بہت سی احادیث جمع ہو جاتی ہیں تو امام صاحب ان میں جو روایت دیرینا قوی ہوتی ہے اس کو اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً ایک مشہور مسئلہ، مسدفع یدین کو لے لیجئے۔ مثلاً امام اوزاعی جو ملک شام کے امام اور فقد میں مذہب مستقل کے بانی تھے، مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہ سے ملے اور کہا کہ عراق و اہل سے نہایت تعجب ہے کہ روک روک اور روک سے سر اٹھانے کے وقت دفع یدین نہیں کرتے حالانکہ میں نے نہایت سے انہوں نے سلم بن عبداللہ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان موقعوں پر دفع یدین فرماتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے اس کے مقابلہ میں حماد، امیر اہم تھقی، علقمہ اور عبداللہ بن مسعود کے سلسلہ سے حدیث روایت کی کہ نبی

کہ **ابو حنیفہ** ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ امام اوزاعی نے یہ سن کر کہا بھان! اللہ! میں تو ہر بی، سالم، عبداللہ بن عمر کے ذریعے حدیث بیان کرتا ہوں آپ اس کے مقابلہ حماد، حنفی، علقمہ کا نام لیتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ نے کہا میرے رواد آپ کے راویوں سے زیادہ فقیہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا رجبہ تو خود معلوم ہی ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ (تذکرۃ النعمان، از علامہ محمد بن یوسف دمشقی)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے درمیان علمی گفتگو

حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حج کیا تو ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی ابی طالبؑ کی زیارت کی۔ امام ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ نے امام صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم وہی ہو جو عقل، قیاس کے ذریعے حدیثوں کی مخالفت کرتے ہو؟ امام اعظم ابو حنیفہ نے فرمایا اللہ کی پناہ تشریف رکھیے۔ آپ کی تعظیم ہم پر واجب ہے کیونکہ آپ سادات میں سے ہیں۔ ابو جعفر محمد بیٹھ گئے، امام صاحب نے باادب عرض کیا حضرت! آپ سے صرف تین مسئلے دریافت کر رہا ہوں جواب عنایت فرمائیں۔ اول یہ کہ مرد زیادہ کمزور ہے یا عورت؟ فرمایا عورت۔ امام صاحب نے عرض کیا مرد اور عورت کے کیا کیا حصے وراثت میں ہوتے ہیں؟ امام ابو جعفر صادق علیہ الرحمہ نے فرمایا عورت کا حصہ مرد کے حصہ کا آدھا ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے عرض کیا اگر میں قیاس سے کہتا اور عقل کا استعمال کرتا تو اسکے برعکس کہتا کیونکہ عورت مرد سے کمزور ہے لہذا اس کیلئے دو حصے ہونے چاہیں۔

دوسرا مسئلہ عرض یہ ہے کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ فرمایا نماز تب امام صاحب نے عرض کیا اگر میں قیاس سے کہتا تو دوسرا حکم دیتا اور کہتا کہ حائضہ عورت نماز کی قضاء کرے، روزہ کی نہیں، کیونکہ نماز روزہ سے افضل ہے۔

تیسرا مسئلہ امام صاحب نے دریافت کیا کہ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ فرمایا پیشاب زیادہ نجس ہے۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میں قیاس سے کہتا تو یہ حکم دیتا کہ پیشاب سے غسل واجب ہے، منی سے نہیں کیونکہ پیشاب زیادہ نجس ہے۔ اللہ کی پناہ کہ میں حدیث کے خلاف کوئی بات کہوں میں تو حدیث کے چاروں طرف پھرتا ہوں۔ یہ سن کر ابو جعفر محمد کمزور ہو گئے اور امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی پیشانی کو چوم لیا۔

امام عبدالنواب شعرانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ اور حضرت جعفر صادقؑ امام ابو حنیفہ کے پاس آئے اور ان سے اس پروپیگنڈے کی حقیقت معلوم کی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں، اس کے جواب میں امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں تو قیاس کو قرآن و حدیث ہی نہیں، آثار و صحابہ کے بھی بعد استعمال کرتا ہوں اور صبح سے زوال تک امام ابو حنیفہ ان حضرات کو اپنا موقف سمجھاتے رہے آخر میں یہ چاروں حضرات یہ کہہ کر تشریف لے گئے کہ آپ تو علماء کے سردار ہیں، ابتدا ہم نے، منی میں آپ کے بارے میں صحیح علم کے بغیر جو بدگمانیاں کی ہیں ان پر آپ ہمیں معاف فرمائیے۔

(المیزان الکبریٰ) (تذکرۃ النعمان، از علامہ محمد بن یوسف دمشقی) (محمد لیاقت علی رضوی حنفی علی عنہ)

تقریر و تثنیٰ

جامع المعقول والمنقول مناظر اسلام محقق اہل سنت استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا

مفتی غلام محمد بندیا لوی شری پوری دامت فیوضہم العالیہ

شیخ الحدیث: جامعہ نبویہ شری پور روڈ لاہور

نحمد اللہ الذی ہذا الی السبیل القویم و ارسل الینا رسلہ والقی علینا فیوضات الرضویہ و فہمنا  
تشریحات الہدایہ و لمع خواطرنا بشریۃ النبویۃ والصلوۃ والسلام علی رسولہ خیر البریۃ و علی آلہ المہدیۃ  
واصحابہ الموضیۃ اما بعد

اللہ تعالیٰ بعض نفوس کو بشری کدورتوں سے بڑیہ اور نظیف فکر اور بیوی اور صورتہ جسمیہ کی فطری و جبلی خواہشات  
سے منزہ فرما کر ان پر رشددہ ہدایت کے ابواب مفتوح فرمادیتا ہے۔ اور ان کے اچانک واذ بان کو گلستان شریبہ نبویہ کے گلستانوں  
سے معطر فرمادیتا ہے۔

الختصر، الفاضل المحترم مولانا علامہ محمد لیاقت علی رضوی زید مجدہ کی شرح پر ادبیہ دیکھنے کا لائق ہوا۔ بعض مقامات کا  
طائرانہ نظر سے مطالعہ کرنے کا موقع میسر ہوا۔ ظاہر و باطن، انساٹ اور اغتباط سے متعلذ ہوا۔ اور شرح کو حج لا معہ اور  
براہین رافعہ سے مفتق پایا۔

الحمد للہ الفاضل موصوف کو اللہ قدوس نے جو ہر ملکہ عبارات کی تخریج سے مترشح فرمایا ہے۔ اور شرح کی عبارات فصیح و بلیغ  
سے ترشح ورمیس کر دینے کا حاسر و حوافر و عطا فرمایا ہے۔ "الحمد لله على ذلك حمدا كثيرا" قضیہ معقولہ و نقوش متلونہ  
سے مشکل کر کے انہیں وجوہ کتابی سے قراطس کو اسالیب بدیعہ سے رشتیق و انیق کرنا ان کی مویہ ہے۔

مباحث مکثرہ کو اس طریق انیق سے جامعیت کے جوہر سے مبعج کیا اور ایجاز و اطناب کے اطراف سے کنارہ کشی  
کرتے ہوئے قصور و جہرہ کو جامعیت کے دائم سے وشتیق کیا۔

شرح ممدوح نے علم نقد کی شاہراہ میں استقرار کی فوائس اور تمثیل کے مصابیح روشن کر کے جزئیات فقہیہ کو استنباہ  
و استخراج فرما کر مسلک اہل سنت حنفی بریلوی کے ارتقا و ارتقاء کیلئے سبل مسطع فرمادیے۔

تشریحات تلمیذہ و تحقیقات فریدیہ و تحقیقات عالیہ کو فیوضات رضویہ کی طرف منسوب کر کے گلستان رضویت کی تشارع  
میں اضافہ فرمایا ہے۔

شارح موصوف شرح میں علمی گھنٹیوں کو سلجھانے میں متفرد ہیں اس پر مستزاد یہ کہ تقضایا جیدہ کو تقضایا حزیبہ سے تمیز کر کے ان میں فکری خطا سے مصون رہ کر نتائج کی تحصیل میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

حبیب الدعوات کی بارگاہ میں انتہائی عاجزی و انکساری سے دعا ہے کہ فاضل موصوف کی شرح کو عوام و خواص میں مقبول فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین و بحرمت خاتم المرسلین ﷺ۔

بالاخر ان شاء اللہ تعالیٰ شرح موصوف کی شرح علماء و طلباء کو جزا دیکر شروع سے مستغنی کر دے گی۔ واللہ الحمد۔

العبد الضعیف غلام محمد ہندیالوی شرقپوری

خویدم الشریعة النبویة علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دالعا ابدًا

مدینة العلوم الجامعة النبویة شرقپور روڈ لاہور

تقریظ

حضرت علامہ مولانا مفتی مشتاق احمد نوری صاحب دامت فیوضہم العالیہ

ریس الجامعہ و شیخ الجامعہ: جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

میں نے ”فیوضات رضویہ فی تشریحات ہدایہ“ کو مختلف جگہ سے دیکھا ہے۔ جس قدر میں نے پڑھا آفندہ مستندہ کتب سے گئے ہیں یہ کتاب فقہ کے موضوع پر ہے۔ بہت سے دوسرے علمی مسائل کی طرح فقہی مسائل میں بھی مختلف راہ پائی جاتی ہیں۔ مگر مصنف کا انداز بیان سلیس اور عام فہم ہے۔ جگہ جگہ الجھن کا حل پیش کرنے کی بھرپور سعی کی گئی ہے۔

فقہ سے دلچسپی رکھنے والے دین دار طبقہ کیلئے خصوصاً اور عوام کیلئے عموماً یہ تالیف نافع ہوگی۔ مصنف علامہ محمد ریاض علی رضوی ایک باہل عالم، صوفی منش اور قابل فخر سیوت ہیں۔ علم و فضل کا ذاتی کمال ان کی ذاتی سعادت مندی کی دلیل ہے۔ علم کے بارے میں خوش نصیب ہیں۔ ایک طرف قدیم درس نظامی کی تکمیل کی تو دوسری طرف رائج الوقت تعلیم حاصل کر کے پنجاب یونیورسٹی سے ایم، اے کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ دینی مدرسہ کے معلم اور مصنف بن جانے کے باوجود ہنوز وہ جستجوئے تحقیق بھی ہیں۔

ان کی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پڑھ کر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

مشتاق احمد نوری

مہتمم جامعہ شہابیہ شیر شاہہ لاہور، چیئر مین تحریک فروغ اسلام





## ﴿یہ کتاب نماز کے بیان میں ہے﴾

کتاب الصلوٰۃ کی ماقبل و مابعد کتب سے مطابقت:

مصنف نے کتاب الطہارات کے بعد اور کتاب الزکوٰۃ و صوم و حج سے پہلے کتاب الصلوٰۃ کو ذکر کیا ہے۔ جبکہ تمام کتابوں میں یہ اسلوب مصنف کا ہے کہ کتاب کے تحت ابواب قائم کیے ہیں اور ان کے ابواب کے تحت فصول ذکر کر کے مسائل کی تفہیم میں نہایت اہل کار نامہ سرانجام دیا ہے۔ کتب فقہ کی ترتیب کتابیں باہم نوع کے درجے میں ہیں۔ کیونکہ تمام کتابوں کی خواہ وہ کتاب الطہارات ہو یا کتاب الصلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ ہوں ان کی حقیقت متفق ہے اور وہ عبادت ہے اسی طرح کتاب النکاح، بیوع وغیرہ میں اگرچہ معاملات ہیں تاہم ان میں بھی احکام شرعیہ کے مطابق عمل کرنا عبادت ہے۔ ہذا تمام فقہی کتابوں میں جو ترتیب فقہی ہے وہ نوع کے درجے میں ہے۔

مصنف کے اسلوب ابواب و فصول میں جو ترتیب ہے وہ جن فصول اور کسی بھی فصل کے آخر جو استثنائی مسائل بیان کیے جاتے ہیں وہ خاصہ کے درجے میں ہوتے ہیں جن میں بعض خاصہ شاملہ اور بعض خاصہ غیر شاملہ کے درجے میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح فقہی ترتیب نہایت جامع و محقق انداز میں بیان کی گئی ہے۔ تاہم محدثین نے اسی ترتیب کو پسند کیا اور فقہی ترتیب کے مطابق کثیر کتب احادیث کا ذخیرہ بھی ملتا ہوا ہے۔

کتاب الصلوٰۃ کے ماقبل کتاب یعنی کتاب الطہارات سے مناسبت یہ ہے کہ اس کتاب کا حصول اس پر موقوف ہے کیونکہ جب تک طہارت معتبر نہیں ہوگی اس وقت تک نماز کی ادائیگی ممکن ہی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح دوسری وجہ یہ ہے کہ طہارت ذریعہ ہے جس سے نماز کو ادا کیا جائے۔ ذرائع اکثر مقاصد سے مقدم ہوتے ہیں۔ اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ طہارت کے عہد کا حکم، حکم شرعی ہے لہذا جس حکم کو عملی طور پر شریعت نے مقدم کیا ہوا ہے مقدم ہی سمجھا جائے گا۔

کتاب الصلوٰۃ کے بعد مصنف نے کتاب الزکوٰۃ وغیرہ کو ذکر کیا ہے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اسلوب قرآن کی اتباع ہے کیونکہ قرآن مجید میں کثیر مقامات پر نماز کے حکم کو مقدم اور اسی پر عطف ڈالتے ہوئے زکوٰۃ کے حکم کو مؤخر ذکر کیا گیا ہے اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی میں کثرت ہے کیونکہ وہ دن میں پانچ مرتبہ جبکہ زکوٰۃ سال میں صرف ایک مرتبہ دی جاتی ہے۔ اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ نماز میں نصاب وغیرہ کوئی شرط ہی نہیں کہ بر غریب و امیر اس کو پڑھ سکتا ہے۔ جبکہ زکوٰۃ میں نصاب کا ہونا ضروری ہے اور وہ صرف صاحب نصاب پر فرض ہوتی ہے۔ اس کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ نماز کا سبب دن میں پانچ مرتبہ مکلف کو پہنچنے والا ہے۔ جبکہ زکوٰۃ کا سبب نصاب کے بعد بھی ایک سال کی طویل مسافت کے بعد پہنچتا ہے۔

(محمد ابراہیم علی رضوی)

کتاب الصلوٰۃ کی کتاب الطہارت سے تقدم کی وجہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف جب طہارات سے فارغ ہوئے تو نماز کا بیان شروع کر دیا ہے کیونکہ طہارت نماز کیلئے شرط ہے۔ اور نماز شرط ہے۔ اور شرط طبعاً مقدم ہوا کرتی ہے۔ اور حکم شرط اس کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد یعنی اس کے ساتھ ہی ملا ہوا ہوتا ہے۔ (البنائے شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۳، تھانیہ بلقان)

صلوٰۃ کا معنی و مفہوم:

عربی لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر اس پر شاہد ہیں۔ پھر شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز کے لئے ہونے لگا جو رکوع و سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط و صفات اور اقسام کے ساتھ بجالائی جاتی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ صلوٰۃ کو نماز اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو دو رکعتیں پڑھنے سے لے کر پڑھنے کی پڑی کی دونوں طرف آتی ہیں انہیں عربی میں صلوٰۃ کہتے ہیں چونکہ صلوٰۃ میں یہ پڑتی ہیں اس لئے اسے صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں بعض نے کہا یہ ماخوذ ہے صلی سے، جس کے معنی ہیں جبک جانا اور لازم ہو جانا۔ جیسے قرآن میں آیت (لا یصلحا) الخ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بد بخت۔

بعض علماء کا قول ہے کہ جب کلزی کو درست کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب تصلیہ کہتے ہیں چونکہ مصلی بھی اپنے نفس کی کچی کو نماز سے درست کرتا ہے اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے آیت (ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء و الممکر) الخ یعنی نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ ۴۰)

صلوٰۃ کے لغوی معنی رحمت کا نازل ہونا، دعا کرنا، نماز و عبادت کرنا ہے اور کسی کے لئے اللہ سے رحمت کی دعا کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَوْمَئِذٍ يَصْلَحُ الْأَمْرَ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبَتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتُ الرَّسُولِ (التوبہ)

اور بعض دیہاتی ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسی سے اللہ کا قرب چاہتے ہیں اور اس کی دعاؤں کا ذریعہ جانتے ہیں۔

یہاں صلوٰۃ کی جمع صلوات ہے جو دعا کے لئے استعمال ہوا ہے مدینہ کے اطراف کے دیہاتی آپ کے پاس آتے تھے اور اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ کی دعا کی سعادت نصیب ہوتی تھی چونکہ نماز بھی اللہ کے لئے

ہے جس میں قیام و رکوع و سجود و کرا کا ذکر ہے جو اللہ کے لیے خاص ہیں اس لیے اس کو صلوٰۃ نماز کہتے ہیں۔

اور ہم نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے ہیں کہ اللھم صل علی محمد و آل محمد و رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین  
 پر اور آپ کی آل پر! (درود و سلام جیسے صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم)  
 ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (الاحزاب ۵۶)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔  
 اس لیے صلوٰۃ کے معنی رحمت کی دعا کرنا بھی ہے ایسی بہت سی مثالیں قرآن کریم میں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَلَّمَنَّا أَعْمَالَهُمْ صَدَقَةٌ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلَّاهُمْ عَلَيْنَا إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (التوبہ)

آپ ان کے مالوں سے صدقات (و زکوٰۃ) قبول کیا کریں اور اس کے ذریعہ ان کو پاک و صاف کر دیں اور ان کے لیے دعا کریں انہیں آپ کی دعا ان کے لیے سکون کا باعث ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔  
 لفظ صلوٰۃ کی وجہ تسمیہ:

نہ زار و زبان کا لفظ ہے اور شریعت اسلامی میں اس کا مطلب ہے ایک خاص ترتیب سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ نماز کو عربی میں صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اس کے حروف اصلی تین ہیں (ص، ل، الف) عربی لغت کے اعتبار سے نماز کا معنی ہے۔ دعا کرنا، تنظیم کرنا، آگ جلانا، آگ میں جانا، آگ پر گرم کر کے میز میز کو سیدھا کرنا وغیرہ۔

عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ کسی لفظ کے لغوی معنی اور شرعی معنی میں مناسبت ضرور ہونی چاہئے۔ پس جس قدر صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں وہ شرعی اعتبار سے صلوٰۃ کے عمل میں موجود ہیں مثلاً نماز میں اپنے لئے، والدین کیسے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا ہے۔ تنظیم کی تین صورتیں، کھڑے ہونا، جھکنا، سجدہ کرنا یہ سب نماز میں موجود ہیں۔ نماز کے ذریعے انسان کے دل میں عشق الہی کی آگ بھڑکتی ہے۔ نمازی کے گناہوں کا جل کر خاک ہو جانا احادیث سے ثابت ہے۔ نمازی کے میزھے اور برے اخلاق کا درست ہونا اظہر من الشمس ہے۔

نماز کی تعریف:

نماز کی نیت سے نماز کی شرائط کے ساتھ نماز کے ارکان کو ایسے طریقہ کے ساتھ ادا کرنا جیسا کہ آپ ﷺ نے ادا کی تھی، نماز کہلاتی ہے۔

نماز کو فرض ہوئی:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں حضرت سیدنا انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے

تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ایک شب) میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں کہ میں تھا، پھر جبریل اترے اور انھوں نے میرے سینہ کو چاک کیا، پھر اسے زم زم کے پانی سے دھویا، پھر ایک ٹشت سونے کا کلمہ دایمان سے بھرا ہوا لائے اور اسے میرے سینے میں ڈال دیا، پھر سینے کو بند کر دیا۔ اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے آسمان پر چڑھالے گئے تو جب میں آسمان دنیا پر پہنچا تو جبریل نے آسمان کے داروغہ بے کہا کہ (داروازہ) کھول دو تو اس نے کہا یہ کون ہے؟ وہ بولے کہ یہ جبریل ہے۔ پھر اس نے کہا کیا تمہارے ساتھ کوئی (اور بھی) ہے؟ جبریل نے کہا ہاں! میرے ہمراہ محمد ﷺ ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ وہ بلائے گئے ہیں؟ جبریل نے کہا ہاں پس جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم آسمان دنیا کے اوپر چڑھے۔ پس ایک ایک میری ایک ایسے شخص پر (نظر پڑی) جو بیٹھا ہوا تھا، اس کی دائیں جانب کچھ لوگ تھے اور اس کی بائیں جانب (بھی) کچھ لوگ تھے۔ جب وہ اپنے دائیں جانب دیکھتے تو ہنس دیتے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو رو دیتے۔ پھر انھوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا مرحبا (خوش آمدید) نیک پیغمبر اور نیک بیٹے میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ آدم ہیں اور جو لوگ ان کے دانے اور بانئیں ہیں، ان کی اولاد کی رو میں ہیں۔ دائیں جانب جنت والے ہیں اور بائیں جانب دوزخ والے۔ اسی سبب سے جب وہ اپنی دائیں جانب نظر کرتے ہیں تو ہنس دیتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھے دوسرے آسمان تک لے گئے اور اس کے داروغہ سے کہا کہ دروازہ کھولو تو ان سے داروغہ نے اسی قسم کی گفتگو کی جیسے پہلے نے کی تھی۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ سیدنا انس کہتے ہیں پھر سیدنا ابو ذرؓ نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے آسمانوں میں آدم، اوریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم کو پایا اور (اور ان کے ٹھکانے بیان نہیں کیے، صرف اتنا کہا کہ آپ ﷺ نے) آدم کو آسمان دنیا پر اور ابراہیم کو چھٹے آسمان پر پایا۔ سیدنا انس کہتے ہیں کہ جب جبریل نبی ﷺ کو لے کر اوریس کے پاس سے گزرے تو انھوں نے کہا خوش آمدید نیک پیغمبر اور نیک بھائی۔ (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) (میں نے) جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو جبریل نے کہا یہ اوریس ہیں، پھر میں موسیٰ کے پاس سے گزرا تو انھوں نے مجھے دیکھ کر کہا خوش آمدید نیک پیغمبر اور نیک بھائی میں نے (جبریل سے) پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جبریل نے کہا کہ یہ موسیٰ ہیں، پھر میں عیسیٰ کے پاس سے گزرا تو انھوں نے کہا خوش آمدید نیک پیغمبر اور نیک بھائی میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جبریل نے کہا کہ یہ عیسیٰ ہیں، پھر میں ابراہیم کے پاس گزرا تو انھوں نے کہا خوش آمدید نیک پیغمبر اور نیک بیٹے میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبریل نے کہا کہ یہ ابراہیم ہیں۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۰، بقدمی کتب خانہ گراچی)

معجزہ معراج سے پہلے نمازوں کی کیفیت:

اور مواہب کی فصل اول میں جہاں اولین ایمان لانے والوں کا ذکر ہے، اس سے تھوڑا پہلے مذکور ہے کہ مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی صرف دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں رات کو فرض تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور تسبیح کہو اپنے رب کی

حمد کے ساتھ رات کو اور سویرے۔ فتح الباری میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے نماز تو یقیناً پڑھتے تھے اور اس طرح آپ کے صحابہ بھی پڑھتے تھے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے کوئی نماز فرض بھی تھی یا نہیں! تو کہا گیا ہے کہ ایک نماز طلوع سے اور ایک غروب سے پہلے فرض تھی اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اور شیخ کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے۔ (شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ لہ علیہ وسلم، مطبوعہ المطبعة العامرة مصر)

پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز:

امام ابو جعفر طحاوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ وقت فجر قبول ہوئی انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں وہ نماز صبح ہوئی۔ اور اثنیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا فدیہ وقت ظہر آیا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار پڑھیں وہ ظہر مقرر ہوئی۔ عزیر علیہ السلام سویرے کے بعد عصر کے وقت زندہ کئے گئے انہوں نے چار پڑھیں وہ عصر ہوئی۔ داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کی توبہ وقت مغرب قبول ہوئی چار رکعتیں پڑھنے کھڑے ہوئے تھک کر تیسری پر بیٹھ گئے، مغرب کی تین ہی رہیں۔ اور عشاء سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔

جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے اسی کے مطابق اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے کہ قاسم ابن جعفر نے بحر ابن حکم کیسانی سے، اس نے ابو عبد الرحمن عبد اللہ ابن محمد ابن عائشہ سے سنا اس کے بعد سابقہ روایت بیان کی ہے۔

(شرح معانی الآثار باب الصلاۃ الوسطیٰ مضبوطہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ حکایت ایک لطیف کلام پر مشتمل ہے لہذا اس کا خلاصہ لکھتے ہوئے امام زندقہ فرماتے ہیں میں نے امام ابو الفضل سے پوچھا صبح کی دو رکعتیں ظہر و عصر و عشاء کی چار مغرب کی تین کیوں ہوئیں۔ فرمایا حکم۔ میں نے کہا مجھے اور ابھی اقادہ کیجئے۔ کہا ہر نماز ایک نبی نے پڑھی ہے، آدم علیہ الصلوۃ والسلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے دنیا آنکھوں میں تاریک تھی اور ادھر رات کی اندھیری آئی، انہوں نے رات کہاں دیکھی تھی بہت خوف ہوئے، جب صبح چمکی دو رکعتیں شکر الہی کی پڑھیں، ایک اس کا شکر کہ تاریکی شب سے نجات ملی دوسرا اس کا کہ دن کی روشنی پائی انہوں نے نفس پڑھی تھیں ہم پر فرض کی گئیں کہ ہم سے گناہوں کی تاریکی دور ہو اور طاعت کا نور حاصل ہو۔ زوال کے بعد عشاء سے پہلے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار رکعت پڑھیں جبکہ اسحاق علیہ الصلوۃ والسلام کا فدیہ آٹرا ہے پہلی اس کے شکر میں کہ میں نے غم دور ہو اور دوسری فدیہ آنے کے سبب، تیسری اللہ تعالیٰ کی رضا کا شکر، چوتھی اس کے شکر میں کہ اللہ عزوجل کے حکم پر اسحاق علیہ الصلوۃ والسلام نے تسلیم نے گردن رکھ دی، یہ ان کے نفس تھے ہم پر فرض ہوئیں کہ کوئی عتقانی ہمیں قتل نفس پر قہر دے

جیسی انہیں ذبح و پر قدرت دی اور ہمیں بھی غم سے نجات دے اور یہود و نصاریٰ کو ہمارا فدیہ کر کے نارتے ہمیں بچے لے اور ہم سے بھی راضی ہو۔ (تو بی رضویہ، ج ۵، کتاب الصلوٰۃ۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نماز چھوڑنے پر وعید کا بیان:

امام مسلم علیہ الرحمۃ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کا چھوڑنا بندہ مومن اور کفر کے درمیان (کی دیوار کو گرا دیتا) ہے۔ (صحیح مسلم)

یہاں غلط فہم کا متعلق مجذوف ہے یعنی اس حدیث میں یہ عبارت مقدر ہے کہ تَرْكُ الصَّلَاةِ وَضَلَّةٌ بِهِنَّ لَعْنَةُ الْمُسْلِمِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ جس کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ مومن اور کفر کے درمیان نماز بخیر دیوار کے ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے کفر تک نہیں پہنچ سکتا مگر جب نماز ترک کر دی گئی تو گویا درمیان کی دیوار اٹھ گئی لہذا نماز چھوڑنا اس بات کا سبب ہوگا کہ نماز چھوڑنے والا مسلمان کفر تک پہنچ جائے گا بہر حال۔ اس حدیث میں نماز چھوڑنے والوں کے لیے سخت تہدید ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز کا چھوڑنے والا ممکن ہے کہ کافر ہو جائے۔

کیونکہ جب اس نے اسلام و کفر کے درمیان کی دیوار کو ختم کر دیا تو یہ کفر کی حد تک پہنچ گیا ہے اور جب وہ کفر کی حد تک پہنچ گیا تو ہو سکتا ہے کہ یہی ترک نماز اس کو فسق و فجور اور اللہ سے بغاوت و سرکشی میں اس حد تک دلیہ کر دے کہ وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جائے یہ شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ تارک نماز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں چنانچہ اصحاب فلو اہر تو یہ کہتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ کافر ہو جاتا ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز چھوڑنے والا اگرچہ کافر نہیں ہوتا مگر وہ اس سرکشی و طغیانی کے پیش نظر اس کو قتل ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جو آدمی نماز چھوڑ دے اس کو اس وقت تک جب تک کہ نماز نہ پڑھے مارنا اور قید خانہ میں ڈال دینا واجب ہے۔

## بَابُ النَّسْرِ الرَّبِّ

﴿یہ باب نماز کے اوقات کے بیان میں ہے﴾

باب اوقات کی مطابقت کا بیان:

علامہ ابن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کتاب الایمان کے بعد کتاب الصلوٰۃ تمام کتابوں سے مقدم ہے۔ اور لغت میں ”صلوٰۃ“ کا معنی دعا ہے۔ جبکہ اصطلاح میں افعال مخصوصہ معبودہ کا نام نماز ہے۔ اور اس کو نماز اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے اندر لغوی معنی جو شریعت سے منقول ہو کر آیا اس میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کے وجوب کا سبب وقت ہے۔ (اسی وجہ سے مصنف نے اوقات کے باب کو مقدم ذکر کیا ہے کیونکہ سبب وجود میں مقدم ہوتا ہے)۔ (عنا یہ: ج ۱ ص ۳۵۱، بیروت)

قرآن مجید سے نمازوں کے اوقات کا بیان:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (سورۃ نساء)

بے شک نماز مسلمانوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ سورۃ دوم میں ”جبکہ نماز کے وقتوں کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

فَلْيُسَبِّحُوا اللَّهَ حِينَ نُسَبِّحُونَ وَحِينَ يُصْبِحُونَ (۱۷) وَلَهُ الْحُكْمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ (۱۸) سورۃ دوم)

تو اللہ کی پاکی بلو جب شام کرد اور صبح ہو۔ اور اسی کی تعریف ہے آسمانوں اور زمینوں میں اور کچھ دن رہے جب تمہیں دوپہر ہو۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی نور العرفان میں اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں کہ شام میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آگئی اور صبح میں نماز فجر۔ تین نمازیں یہ ہوئیں۔ تمام آسمان وزمین والے خصوصیت سے ان اوقات میں تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ عشیّا میں نماز عصر اور ظہر اور ظہر میں نماز ظہر مراد ہے کیونکہ ظہر ظہر سے بنا ہے یعنی دوپہر۔ خیال رہے کہ عربی میں صبح سے دوپہر تک عصر اور دوپہر سے رات تک کے اول حصہ تک عشاء اور نصف رات کے بعد کو عصر کہتے ہیں۔

ایک اور جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيْ النُّهَارِ وَرُفُقًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ يَحْكُمُونَ

(۱۱۳) (پ، ہود)

ترجمہ اور نماز دو طرفہ نہرودن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں۔

حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی تفسیر خزائن العرفان میں لکھتے ہیں کہ دن کے دونوں کناروں سے صبح اور شام مراد ہے زوال سے قبل کا وقت صبح میں اور بعد کا شام میں داخل ہے صبح کی نماز فجر اور شام کی نماز ظہر و عصر ہیں اور رات کے حصوں کی نمازیں مغرب و عشاء ہیں۔

امام بخاری و مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کسی (غیر) عورت کا بوسہ لے لیا پھر (احساس ندامت و شرمندگی کے ساتھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر صورت و اتقہ کی خبر دی (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ وحی کے ذریعہ حکم خداوندی کے منتظر رہے اس اثناء میں اس آدمی نے نماز پڑھی جب ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: آیت (وَاتَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَى الشَّاهِدِ وَزُلْفَاهُ مِنَ الْقَبْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُكَفِّرُنَ الشَّيْئَاتِ) 11۔ (ہود: 114) اور نماز و دن کے وقت اول و آخر اور رات کی چند ساعات میں پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں (یعنی نمازیں) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ آیت کے نازل ہونے کے بعد اس آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم میرے لیے ہے (یا پوری امت کے لیے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نہیں) ایہ حکم (میری امت کے لیے ہے۔ ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اس طرح مذکور ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میری امت میں سے جو آدمی اس آیت پڑھ کر اس کے لیے (یعنی حکم ہے، یعنی جو آدمی بھی برائی کے بعد بھلائی کرے گا اسے یہی سعادت حاصل ہوگی کہ اس بھلائی کے نتیجے میں اس کی برائی ختم ہو جائے گی)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جس صاحب کا یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک غیر عورت کا بوسہ لے لیا تھا ان کا نام ابو ایسز تھا۔ جامع ترمذی نے ان کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ خود روایت ہیں کہ، میرے پاس ایک عورت مجھ پر خیر کرنے کے لیے آئی میں نے اس سے کہا کہ میرے گھر میں اس سے زیادہ اچھی مجھ پر رکھی ہوئی ہیں (اس لیے تم وہاں چل کر دیکھ لو) چنانچہ وہ میرے ہمراہ مکان میں آگئی (وہاں میں شیطان کے بہکانے میں آ گیا اور جذبات سے مغلوب ہو کر) اس اجنبی عورت سے بوسہ و کنار کیا۔ اس نے (میرے اس غلط اور نازیبا رویے پر مجھے تنبیہ کرتے ہوئے) کہا کہ بندہ خدا! اللہ (کے قہر و غضب) سے ڈرو چنانچہ (خوف خدا سے میرا دل تھرا گیا اور) میں نہایت ہی شرمندہ و شرمسار ہو کر بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا۔ چنانچہ بارگاہ رسالت ﷺ میں ان کے ساتھ جو معاملہ ہوا وہی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے آیت کریمہ میں طرفی الشہاد یعنی دن کے اول و آخر سے دن کا ابتدائی حصہ اور انتہائی حصہ مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دن کے اول یعنی ابتدائی حصہ سے فجر کی نماز اور آخری حصہ سے ظہر و عصر کی نمازیں مراد ہیں اسی طرح زلغما من اللیل یعنی رات کی چند ساتھوں سے مغرب و عشاء کا وقت مراد ہے۔ اس طرح اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھا کرو، کیونکہ نیکیاں (نمازیں)



برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

نماز فجر کے وقت کا بیان:

﴿أَوَّلُ وَلَّتِ الْفَجْرُ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِي وَهُوَ الْبَيَاضُ الْمُعْتَرِضُ فِي الْأَفْقِ، وَآخِرُ وَلَّتِهَا مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ﴾ (لِحَدِيثِ) (إِسْمَاعِيلَ جَبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، لِأَنَّهُ أَمَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ رَجَمَ طَلَعَ الْفَجْرُ، وَلِي الْيَوْمِ الثَّانِي حِينَ أَسْفَرَ جِلْدًا وَكَانَتْ الشَّمْسُ تَطْلُعُ)، ثُمَّ قَالَ فِي آخِرِ الْحَدِيثِ: مَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ وَقْتُ لَكَ وَلَا لِمَنْكَ .

ترجمہ:

جب فجر ثانی طلوع ہو اس وقت نماز فجر کا وقت اول ہے۔ اور وہ سفیدی ہے جو جو افق پر پھیلی ہو اور اس کا آخر وقت جب تک سورج طلوع نہ ہو۔ کیونکہ وہ حدیث جس میں جبرائیل امین نے رسول اللہ ﷺ کی امامت کرائی تھی۔ اس میں پہلے دن انہوں نے طلوع فجر کے وقت امامت کرائی اور دوسرے دن جب خوب اجالا ہو گیا۔ اور قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ پھر حدیث کے آخر میں انہوں نے کہا کہ ان دو وقتوں کے درمیان کا وقت آپ اور آپ کی امت کیلئے ہے۔

امام ابو داؤد اور امام ترمذی اپنی استاد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے (نماز کی کیفیت اور اوقات بتانے کے لیے) امام بن کر خانہ کعبہ کے نزدیک مجھے دوسرے (دوروز) نماز پڑھائی چنانچہ (پہلے روز جس وقت سورج ڈھل گیا اور سایہ کسی مانتہ تھا تو مجھے ظہر کی نماز پڑھائی اور جب ہر چیز کا سایہ (علاوہ سایہ اصلی کے) اس کے برابر ہو گیا تو مجھے عصر کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار روز افطار کرتا ہے (یعنی سورج چھپنے کے بعد) تو مجھے مغرب کی نماز پڑھائی اور شفق غائب ہونے کے وقت مجھے عشاء کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے (یعنی صبح صادق کے بعد) تو مجھے فجر کی نماز پڑھائی۔ اور جب اگلا روز ہوا تو انہوں نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ سایہ ایک مثل (کے قریب ہو گیا اور مجھے عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو جاتا ہے اور مجھے مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے اور مجھے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ تہائی رات ہو گئی تھی اور مجھے فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ خوب روشنی ہو گئی اور پھر (جبریل علیہ السلام نے) میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے کے نبیوں (کی نماز) کا ہے اور نماز انہیں دو وقتوں کے درمیان ہے۔

(ابوداؤد، جامع ترمذی، ج ۱، ص ۲۱، فاروقی کتب خانہ لاہور)

صبح صادق اور صبح کا وظ:

صبح صادق ایک روشنی ہے جو مشرق کی جانب آسمان کے کنارے میں دکھائی دیتی ہے اور بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے۔ اور زمین پر اجالا ہوتا جاتا ہے اور اس سے پہلے آسمان پر ایک سفیدی ستون کی طرح ظاہر ہوتی ہے جس کے نیچے سارا افق سیاہ ہوتا ہے۔ اور صبح صادق کے وقت یہ دراز سپیدی غائب ہو جاتی ہے اس کو صبح کاذب کہتے ہیں۔

بحر کاذب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا:

وَلَا مُغْتَسِرٌ بِالْفَجْرِ الْكَاذِبِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِي يَتْلُو حُلُوْلَهُ ثُمَّ يَقَعُهُ الظُّلُمُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ( لَا يَغُتَّسِرُكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَعِيلُ ، وَإِنَّمَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيرُّ فِي الْأَفْقِ ) . أَيُّ الْمُسْتَشْرِ

بِهِ .

ترجمہ:

اور فجر کاذب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ سفیدی ہے جو لبائی میں ظاہر ہوتی ہے پھر اس کے فوراً بعد اندھیرا آ جاتا ہے اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے بلال کی اذان تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ ہی دراز فجر۔ اور بیشک جو فجر افق میں پھیلی ہوئی ہو وہی فجر (صادق) ہے۔

شرح:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سرہ ابن جبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلال کی اذان تمہیں تمہاری حرکی کھانے سے نہ روکے (کیونکہ وہ رات کو اذان دیتے ہیں) اور نہ فجر دراز (یعنی صبح کاذب) البتہ افق پر پھیلی ہوئی فجر (یعنی صبح صادق) مودار ہو جائے تو کھانا پینا چھوڑ دو (صبح مسلم، ج ۱، ص ۳۵۰، تہذیبی کتب خانہ کراچی) الفاظ جامع ترمذی کے ہیں۔

قَالَ التِّرْمِذِيُّ قَالَ مُحَمَّدٌ : بِمَعْنَى الْبَعَارَى : حَدِيثُ نَجَابِرٍ أَصْحَبُ شَيْءٍ فِي الْمَوَاقِيتِ . وَالْخَبِيثُ النَّبِيُّ زَاوُ مُسْلِمٍ وَأَبُو ذَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ كُلُّهُمْ فِي الصَّوْمِ ، وَاللَّفْظُ لِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ سُرَّةِ بْنِ خَذَبٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ( لَا يُمْسَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُورِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَعِيلُ وَلَكِنْ الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيرُّ فِي الْأَفْقِ ) .

نماز کھرم کے وقت کی ابتداء و انتہاء:

( وَأَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ ) لِإِسْمَاعِيلَ جَبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ حِينَ زَالَتْ الشَّمْسُ ( وَآخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ أَبِي حَوِيْفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَ ظِلِّهِ يَوْمَ قِيَامِ الزَّوَالِ وَقَالَ



زوال آفتاب کے ڈھلنے کو کہتے ہیں ہماری طرف میں دو پہر ڈھلنا کہا جاتا ہے:

سایہ اصلی اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال کے وقت باقی رہتا ہے۔ یہ سایہ ہر شجر کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی جگہ بڑا ہوتا ہے، کسی جگہ چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں بالکل نہیں ہوتا، جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں زوال اور سایہ اصلی کے پیچھے کی آسمان ترکیب یہ ہے کہ ایک سیدھی ٹکڑی ہموار زمین پر گاڑی جائے اور جہاں تک اس کا سایہ پہنچے اس مقام پر ایک نشان بنادیا جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ سایہ اس نشان کے آگے بڑھتا ہے یا پیچھے ہٹتا ہے۔ اگر آگے بڑھتا ہے تو سمجھ لیتا جائے کہ ابھی زوال نہیں ہوا اور اگر پیچھے ہٹے تو زوال ہو گیا۔ اگر یکساں رہے نہ پیچھے ہٹے نہ آگے بڑھے تو ٹھیک دو پہر کا وقت ہے اس کو استواء کہتے ہیں ایک مثل سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے دو مثل۔ سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس سے دو گنا ہو جائے ان اصطلاحی تعریفات کو سمجھنے کے بعد اب حدیث کی طرف آئیے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات نماز کے سلسلے میں سب سے پہلے ظہر کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وقت نماز کی تعلیم کے سلسلے میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی نماز پڑھائی تھی، یہی وجہ ہے کہ نماز ظہر کی نماز کو پیشین کہا جاتا ہے نماز ظہر کا اول وقت اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب کہ درمیان آفتاب مغرب کی طرف تھوڑا سا مائل ہوتا ہے جس کو زوال کہتے ہیں اور اس کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب کہ آدنی کا سایہ اس کے طول کے برابر علاوہ سایہ اصلی کے ہو جاتا ہے۔ سایہ اصلی کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ وہ سایہ ہوتا ہے جو زوال کے وقت ہوتا ہے یعنی اکثر مقامات پر جب کہ آفتاب سمتِ راست پر نہیں آتا وہاں ٹھیک دو پہر کے وقت ہر چیز کا تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس سائے کو چھوڑ کر جب تک کسی چیز کے طول کے برابر سایہ رہے گا ظہر کا وقت باقی رہے گا مالم یحضر العصر (عصر کا وقت آنے تک) یہ جملہ دراصل پہلے جملہ کی تاکید ہے کیونکہ جب ایک مثل تک سایہ پہنچ گیا تو وقت ظہر ختم ہو گیا۔ اور عصر کا وقت شروع ہو گیا چونکہ اس جیسے کا مطلب پہلے ہی جملے سے ادا ہو گیا تھا اس لیے یہی کہا جائے گا کہ یہ جملہ پہلے جملے کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے ہاں اتنی بات اور کہی جا سکتی ہے کہ یہ جملہ اس چیز کی دلیل ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک نہیں ہے جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک ہے۔ عصر کے وقت کی ابتداء تو معلوم ہو گئی کہ جب ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔ آخری وقت کی بات یہ ہے کہ جب تک آفتاب زرد نہیں ہو جاتا عصر کا وقت باقی رہتا ہے، اگر ایست باقی رہتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آفتاب کی زردی سے کیا مراد ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ آفتاب کے زرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب اتنا بدل جائے کہ اس کی طرف نظر اٹھانے سے آنکھوں میں خیر کی نہ ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب کی جو شعاعیں دیوار وغیرہ پر پڑتی ہیں اس میں تغیر ہو جائے۔

نماز ظہر کے آخر وقت اور نماز عصر کے اول وقت میں ائمہ فقہاء کا اختلاف:

حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم نیز حضرت امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک باقی رہتا ہے اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے چنانچہ ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کا آخری وقت ایک مثل تک رہتا ہے۔

جہاں تک اہل اہل البصر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تعلق ہے تو ایک روایت کے مطابق ان کا بھی وہی مسلک ہے جو جمہور علماء کا ہے بلکہ بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ امام اعظم کا فتویٰ بھی اسی مسلک پر ہے۔ چنانچہ در مختار میں بہت سی کتابوں کے حوالوں سے اسی مسلک کو ترجیح دی گئی ہے۔ مگر ان کا مشہور مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے ان کے دلائل ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہیں بہر حال علماء نے اہل سلسلہ میں ایک صاف اور سیدھی راہ نکالی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ ظہر کی نماز تو ایک مثل کے اندر اندر پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہو جائیں۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جب تک سایہ ظل اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہو جائے وقت عصر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد آ جاتا ہے اگرچہ بعض کتب فتاویٰ وغیرہ تصانیف بعض متاخرین مثل برہان طرابلسی و فیض کرکی و در مختار میں قول صاحبین کو مرجع بتایا مگر قول امام ہی احوط واضح اور از روئے دلیل ارجح ہے، عموماً متون مذہب قول امام پر جزم کیے ہیں اور عامہ اجلہ شارحین نے اسے مرضی و مختار رکھا اور اکابر ائمہ ترجیح و افتا بلکہ جمہور تالیف و بیان مذہب نے اسی کی تصحیح کی، امام (۱) ملک العلماء ابوبکر مسعود نے بدائع اور امام (۲) مرضی نے محیط میں فرمایا: هو الصحيح و (یہی صحیح ہے)۔ امام (۳) اجل قاضی خان نے اسی کو تقدیم دی اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو اظہر من حیث الشمس اور اشہر من حیث النور ہے۔ (البحر الرائق بحوالہ بدائع کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی فتاویٰ قاضی خان مقدمۃ الکتاب مطبوعہ نولکیشور لکھنؤ انڈیا)

کماض علیہ فی خطبۃ الخالدیہ (جیسا کہ خانہ کے خطبہ میں یہ بات صراحتہً مذکور ہے۔ ت) اور وہی قول معتد ہوتا ہے کہ کافی الخطاوی و اشامی (جیسا کہ شامی اور خطاوی میں ہے۔ ت) یونہی (۳) امام طاہر بخاری نے خلاصہ میں اسے تقدیم دی۔ امام اجل (۵) برہان الدین صاحب ہدایہ نے ہدایہ اور امام (۶) اجل ابوالبرکات نسفی نے کافی اور امام (۷) زیلعی نے تبیین الحق میں اسی کی دلیل مرجع رکھی، امام (۸) اجل محبوبی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ امام (۹) صدر الشریعہ نے اسی پر اعتماد کیا وہ چند متاخرین یعنی مصنفین برہان و فیض و در مختار ان اکابر میں ایک کی بھی جلالہ شان کو نہیں پہنچتے۔ فتویٰ (۱۰) غیر تیرہ

وجاہہ (۱۱) اغلاطی میں فرمایا: **هو المختار** (یعنی مختار ہے) علامہ (۱۲) کا سم نے صحیح قدوری میں اسی کی تحقیق کی، امام (۱۳) سماعی نے خزائن المختصین میں اسی پر اقتصار فرمایا قول خلاف کا نام بھی نہ لیا، امام (۱۴) محمود عینی نے اسی کی تائید فرمائی، ملتقی (۱۵) الانحر میں اسی کو مقدم رکھا اور وہ اسی کو تصدیم دیتے ہیں جوارج ہوکا ذکر فی خطبہ (جیسا کہ اس کے خطبے میں ذکر کیا گیا ہے۔ ت) اور وہی مختار للخطوی ہوتا ہے کما فی شرح مجمع الانهر (جیسا کہ اس کی شرح مجمع الانهر میں ہے ت) (۱۶) مجمع الانهر شرح ملتقی الانهر خطبہ کتاب مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت مرقا (۱۶) الفلاح میں ہے **هو الصحيح** وعلیہ حل المشایخ و المتون (یہی صحیح ہے اور اسی پر بزرگ مشایخ و متون مذهب ہیں، مرقا الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب کراچی، علی المرقا میں ہے صحیحہ جمہور اہل المذہب (جمہور ائمہ مذهب نے اسی کی تصحیح فرمائی، مرقا الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب کراچی)

حدیث بخاری سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استدلال میں قوت:

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس تھے مؤذن نے اذان ظہر دینی چاہی، فرمایا: **ابرد** (وقت ٹھنڈا کر) دیر کے بعد مؤذن نے اذان دینی چاہی، فرمایا: **ابرد** (وقت ٹھنڈا کر) دیر کے بعد مؤذن نے سہ بارہ اذان کا ارادہ کیا، فرمایا: **ابرد** (وقت ٹھنڈا کر) اور یونہی تاخیر کا حکم فرماتے رہے یہاں تک کہ سایہ نیلوں کے برابر ہو گیا۔ اُس وقت اذان کی اجازت فرمائی اور ارشاد فرمایا: "گرمی کی شدت جہم کی سانس سے ہے تو جب گرمی سخت ہو تو ٹھنڈے وقت پڑھو۔" (صحیح البخاری باب الاذان للشافعی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مشاہدہ شاہد اور قواعد علم و مسائل گواہ اور خود ائمہ شافعیہ کی تصریحات ہیں کہ دو پہر کو نیلوں کا سایہ ہوتا ہی نہیں محدود شخص ہوتا ہے خصوصاً اقلیم ثانی میں جس میں حریمین طہیین اور ان کے بلاد ہیں۔ امام نووی، شافعی و امام قسطلانی شافعی نے فرمایا: **تیلے زمین پر نصب کی ہوئی اشیاء کی مانند نہیں بلکہ زمین پر پھیلے ہوئے ہیں تو زوال کے بہت زمانے کے بعد ان کا سایہ شروع ہوتا ہے جب ظہر کا اکثر وقت گزر جاتا ہے ظاہر ہے کہ جب آغاز اُس وقت ہوگا تو نیلوں کے برابر ہرگز نہ پہنچے گا** گر مثل ثانی کے بھی اخیر حصہ میں اُس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان نہ دینے دی تو نماز تو یقیناً اور بھی بعد ہوئی تو بلاشبہ مثل ثانی بھی وقت ظہر ہوا اور اس حدیث کو ارادہ جمع بین الصلااتین پر حمل کرنا خود اسی حدیث کے اغاظ سے باطل ہے حضور یہاں ابراد کا اظہار فرما رہے ہیں کہ نماز اپنے وقت کے ٹھنڈے حصے میں پڑھی جائے نہ یہ کہ وقت نکال دینے کے بعد دوسری نماز کے وقت میں ادا کی جائے، حضور یہاں حکم عام ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب گرمی سخت ہو یوں ہی وقت ٹھنڈا کر دینے میں نہیں فرماتے کہ جب مسافر ہو تو ظہر کو عصر سے ملا کر پڑھو اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ حدیث امامت

جبریل جس کے بھروسے پر برہان و درختار نے مثل اول اختیار کیا اصل جہت نہیں ہو سکتی کہ وہ دنیا میں سب سے پہلی حدیث اوقات ہے نماز شب اس میں فرض ہوئی اور اسی کے دن میں وقت ظہر کو آ کر جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان اوقات کے لئے امامت کی توجہ دیتے اُس کے خلاف ہے اُس کے بعد اور اُس کی تاریخ ہے اور قول دوشل سے امام کا رجوع فرمانا برگز صحیح نہیں بلکہ اُس کا خلاف ثابت ہے کہ تمام متون مذہب وہی نقل فرما رہے ہیں اور متون ہی نقل مذہب کیلئے موضوع ہیں، امام محمد نے کتاب الاصل یعنی مبسوط میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے وہی قول امام لکھا۔ نہایہ میں ہے امام سے وہی ظاہر الروایۃ ہے، غایۃ البیان میں ہے یہی امام کا مذہب مشہور و ماخوذ ہے۔ محیط میں ہے قول امام سے یہی صحیح ہے۔ ینایع میں ہے امام سے یہی روایت صحیح ہے۔ شرح مجمع میں ہے مذہب امام یہی ہے۔ یہ سب بحر میں ہے۔

(البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ المجمع السعید کتب کراچی)

نماز عصر کے وقت کا بیان:

(وَأَوَّلَ وَقْتِ الْعَصْرِ إِذَا عَوَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا تَمَّ تَغَرُّبُ الشَّمْسِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا)

ترجمہ:

اور جب نماز ظہر کا وقت نکل جائے دونوں اقوال کے مطابق وہی عصر کا اول وقت ہے۔ اور اس کا آخری وقت جب تک سورج غروب نہ ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی پس اس نے عصر کو پایا۔

شرح:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت جب تک ہے کہ آدنی کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے عصر کے آنے کے وقت تک۔ اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے اور مغرب کی غمزدگی کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے اور نماز عشاء کا وقت ٹھیک آدھی رات تک ہے اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے اس وقت تک ہے جب تک سورج نہ نکل آئے اور جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں بیٹوں کے درمیان نکلتا ہے۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۲۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

عصر و فجر کی نماز کا وقت میں اور ایک رکعت کا بیان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس آدمی نے آفتاب طلوع ہونے

سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کی نماز کو پایا اور جس نے آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز کو پایا (یعنی اس کی نماز ضائع نہیں ہوگی لہذا اسے چاہئے کہ بقیہ رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کر لے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی عصر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھنے کھڑا ہوا، ابھی اس نے ایک ہی رکعت نماز پڑھ پائی تھی۔ کہ سورج ڈوب گیا اسی طرح ایک آدمی فجر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھنے کھڑا ہوا حتیٰ کہ ایک رکعت پڑھنے کے بعد سورج نکل آیا تو اس حدیث کی رو سے دونوں کی نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

مگر اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک اس حدیث کے مطابق آفتاب کے طلوع و غروب کی بناء پر فجر عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے تبعین فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز میں تو یہ شکل صحیح ہے کہ غروب آفتاب کی بناء پر عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن فجر کے بارے میں معاملہ بالکل مختلف ہوگا بایں طور کہ طلوع آفتاب کے بعد فجر کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس طرح یہ حدیث چونکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف ہوگی اس لیے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث اور ان احادیث میں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز خواہ نفل ہوں یا فرض پڑھنا ممنوع ہے۔ تعارض واقع ہو رہا ہے اس لیے ہم نے اصول فقہ کے اس قاعدے کے مطابق کہ جب دو آیتوں میں تعارض ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس کا سہارا لینا چاہئے، قیاس پر عمل کیا ہے چنانچہ قیاس نے اس حدیث کے حکم کو تو نماز عصر میں ترجیح دی اور احادیث نبوی کو فجر کی نماز میں ترجیح دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فجر میں طلوع آفتاب تک پورا وقت کامل ہوتا ہے لہذا طلوع آفتاب سے پہلے پہلے جب نماز شروع کی جاتی ہے تو وہ اسی صفت کمال کے ساتھ واجب ہوتی ہے جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جس طرح ابتداء صفت کمال سے ہوئی ہے اسی طرح اختتام بھی صفت کمال کے ساتھ یعنی وقت کے اندر اندر ہو۔ مگر جب ایک رکعت کے بعد آفتاب طلوع ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے نماز میں نقصان پیدا ہو گیا لہذا یہ نماز جس طرح صفت کمال کے ساتھ واجب ہوئی تھی اس طرح ادا نہیں ہوئی اور جب صفت کمال کے ساتھ ادا نہیں ہوئی تو گویا پوری نماز باطل ہو گئی۔

اس کے برعکس عصر میں دوسری شکل ہے وہ یہ کہ عصر میں غروب آفتاب تک پورا وقت کامل نہیں ہوتا یعنی جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے اس وقت تک تو وقت مختار یا وقت کامل رہتا ہے مگر آفتاب کے زرد ہو جانے کے بعد آخر میں وقت مکروہ ہو جاتا ہے لہذا عصر کی نماز جب بالکل وقت آخر یعنی ناقص میں شروع کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی ابتداء چونکہ وقت ناقص میں ہوئی اس لیے اس کا وجوب بھی صفت نقصان کے ساتھ ہو لہذا اس کا اختتام جب غروب آفتاب پر ہوگا تو کہا جائے گا کہ غروب آفتاب سے نماز میں نقصان پیدا ہوا جانے کی وجہ سے نماز ناقص نہیں ہوئی۔ کیونکہ جس طرح اس کی ابتداء



وقت ناقص میں ہوئی تھی اسی طرح اس کی انتہاء بھی وقت ناقص میں ہوئی گویا جس صفت کے ساتھ نماز واجب ہوئی تھی اسی صفت کے ساتھ (یعنی ناقص سے) ادا ہوئی۔

جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب اور نصف النہار کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے ان کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق نوافل کے ساتھ ہے یعنی اگر کوئی آدمی ان تینوں اوقات میں نفل نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لیے یہ جائز نہ ہوگا البتہ فرض نماز میں ان تینوں اوقات میں بھی جائز ہوں گی لیکن احادیث کے الفاظ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کی تائید نہیں کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں فرض و نفل کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی بلکہ عمومی طور پر تمام نمازوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔ لہذا اگر اس بارے میں کسی نماز کی تخصیص کی جاتی ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ حدیث کے ظاہری منشاء اور مفہوم کے سراسر خلاف ہے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی نے طلوع آفتاب سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو بے شک اس نے نماز کا وقت پایا اگرچہ وہ وقت نماز کے مناسب نہیں تھا لیکن پھر وہ وقت نماز کے مناسب اس لیے ہو گیا کہ ایک رکعت کی مقدار وقت بہر حال باقی رہا تھا لہذا وہ نماز اس آدمی کے لیے لازم ہوگی۔

نماز عصر اور فجر کے ادا کرنا فی الوقت میں فرق کا بیان:

اگر کسی شخص نے نماز فجر شروع کی اور ایک رکعت ادا کی کہ اس نے میں سورج طلوع ہو گیا اور وقت فاسد ہو گیا جو ادائے نماز کیلئے مناسب تھا۔ اور طلوع سورج کے بعد وقت مع اور اس کے بعد وہ وقت آیا جو نماز کی قضاء کا وقت ہو سکتا ہے ادا کیلئے سبب بننے کی ہرگز صلاحیت نہیں رکھتا۔

اسی طرح نماز عصر کا آخری وقت جس میں نماز کی ادائیگی مکروہ ہوتی ہے کہ سورج کا رنگ سرخ ہونے کی وجہ سے اور قریب غروب ہونے کی وجہ سے حکم رکایت شریعت نے بیان کیا ہے اگر کسی شخص نے وقت مکروہ میں نماز عصر کو شروع کیا حتیٰ کہ اس نے دو رکعت پڑھی تھیں کہ سورج غروب ہو گیا اور وقت مکروہ جس میں وہ نماز ادا کر رہا تھا وہ وقت جاتا رہا اور وقت ممانعت شروع ہو گیا تو ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

ان دونوں مسائل میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جو نماز جس صفت پر ادا کی جا رہی تھی اسے اسکی ادائیگی پر ہی رکھا گیا تو وہ نماز ہو جائے گی اور اگر صفت تبدیل ہوگئی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور فجر کی نماز اسی وجہ سے فاسد ہوگی کیونکہ اسکی ابتداء ہی رکعت صفت ادا کے ساتھ ہوئی جبکہ دوسری رکعت صفت قضاء کے ساتھ ہوئی جبکہ ان دونوں رکعات میں صفت کے اعتبار سے اتحاد ہونا چاہیے تھا۔ اور ایسا بالکل جائز ہی نہیں کہ ایک رکعت ادائیگی کے صفت کے ساتھ متصف ہو اور دوسری رکعت صفت قضاء کے ساتھ متصف ہو۔

جبکہ نماز عصر کے جس کی پہلی دو رکعتیں ہی صفت قضاء یعنی وقت مکروہ میں شروع ہونے کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ وقت کمال اور صفت ادا کے ساتھ ہے بلکہ وقت مکروہ میں شروع ہو کر اسکی ابتداء ہی وقت ناقص میں ہوئی ہے لہذا غروب آفتاب کی وجہ سے وہ نماز قاسد نہ ہوگی۔ (قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ، ص ۲۹۰، شبیر برادرزلاہور)

نماز مغرب کے وقت کا بیان:

(وَأَوَّلَ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: بِمَقْدَارِ مَا يُصَلِّي فِيهِ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ لِأَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ آمَنَ لِي الْيَوْمَ مَن لِي وَقْتُ وَاحِدٍ. وَلَمَّا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَوَّلَ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِينَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا حِينَ يَغِيبُ الشَّفَقُ) وَمَا رَوَاهُ كَانَ لِلصَّحَرَةِ عَنِ الْكُوهَةِ (قَدْ) الشَّفَقُ هُوَ الْبَيَاضُ الَّذِي فِي الْأَفْقِ بَعْدَ الْخُمْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ: هُوَ الْخُمْرَةُ وَهُوَ رَوَانَةٌ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (الشَّفَقُ الْخُمْرَةُ) وَلَا بِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَآخِرُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا اسْوَدَّ الْأَفْقُ) وَمَا رَوَاهُ مَرْقُوفٌ عَلَى ابْنِ عَمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ذِكْرُهُ مَا لَكَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْمَوْطَأِ، وَفِيهِ اخْتِلَافُ الصَّحَابَةِ.

ترجمہ:

اور نماز مغرب کا اول وقت وہ ہے جس وقت سورج غروب ہو اور اس کا آخر وقت جب تک شفق غائب نہ ہو۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرماتے ہیں اتنی مقدار وقت ہے جس میں تین رکعات پڑھی جاسکتی ہوں۔ کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے دونوں دنوں میں اسی وقت امامت کرائی تھی۔

اور ہمارے نزدیک نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ نماز مغرب کا اول وقت جب سورج غروب ہو اور اس کا آخری وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے۔ اور جس روایت کو (امام شافعی نے بیان کیا ہے) کہ کراہت سے بچتے کیے ہیں۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک شفق اس سفیدی کو کہتے ہیں جو افق میں سرخی کے بعد آئے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک شفق سرخی کو کہتے ہیں۔ اور ایک روایت امام اعظم اور ایک قول کے مطابق امام شافعی سے بھی یہ روایت ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا شفق سرخی ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نماز مغرب کا آخری وقت شفق کے یہ پڑنے تک ہے۔

اور پہلی روایت حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ نے اس کو "الموطأ" میں ذکر کیا ہے اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے۔

شفق کا فقیہی معنی و مفہوم:

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو مغرب میں سرخی ڈوبنے کے بعد صبح صادق کی طرح پھیلی ہوئی رہتی ہے۔

مغرب کا وقت آفتاب چھینے کے بعد شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہو جانے کے وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک شفق اس سرخی کو کہتے ہیں جو آفتاب چھینے کے بعد ظاہر ہوتی ہے چنانچہ اہل لغت کا کہنا بھی یہی ہے۔

مگر حضرت امام اعظم اور علماء کی ایک دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سرخی ختم ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے اہل لغت و دیگر ائمہ کے قول کے مطابق حضرت امام اعظم کا بھی ایک قول یہ ہے کہ شفق سرخی کا نام ہے چنانچہ شرح وقایہ میں فتویٰ اسی قول پر مذکور ہے۔ لہذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مغرب کی نماز تو سرخی غائب ہونے سے پہلے پڑھی جائے اور عشاء کی نماز سفیدی غائب ہونے کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہوں عشاء کے بارے میں مختار مسلک اور فیصلہ یہ ہے کہ اس کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور ٹھیک آدھی رات تک بلا کراہت باقی رہتا ہے البتہ وقت جو طلوع فجر سے پہلے تک رہتا ہے فجر کا وقت طلوع صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ بظاہر تو حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلوع صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک تمام وقت نماز فجر کے لیے مختار ہے۔

نماز عشاء کے اول و آخر وقت کا بیان:

(وَأَوَّلُ وَفَيْتِ الْعِشَاءَ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ، وَآخِرُ وَفَيْتَهَا مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ الْغَائِي) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَآخِرُ وَفَيْتِ الْعِشَاءَ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ). وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي تَقْدِيرِهِ بِكَعَابِ لَيْلِ اللَّيْلِ.

(وَأَوَّلُ وَفَيْتِ الْوُتْرَ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَآخِرُهُ مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْوُتْرِ لِمَصْلُوحَا مَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: بَعْدًا عَنْهُمَا، وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَفَيْتِ الْعِشَاءَ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَقْلَمُ عَلَيْهِ عِنْدَ التَّكْرِيرِ لِلتَّزْيِيدِ.

ترجمہ:

اور نماز عشاء کا اول وقت جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخری وقت جب فجر طلوع نہ ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا عشاء کا آخری وقت جب تک فجر طلوع نہ ہو۔ اور یہی حدیث امام شافعی کا تہائی رات گزرنے کے ساتھ اندازہ لگانے میں جہت ہے۔

اور نماز عشاء کے بعد وتر کا اول وقت ہے اور اس کا آخری وقت جب تک فجر طلوع نہ ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے وتر کے بارے میں ارشاد فرمایا تم اس کو عشاء سے طلوع فجر تک کے درمیانی وقت میں پڑھو۔ اور مصنف رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں یہ صاحبین کے نزدیک ہے جبکہ امام اعظم کے نزدیک اس کا وقت، وقت عشاء ہی ہے۔ لیکن یاد ہونے کی صورت میں وتر کو عشاء پر مقدم نہ کیا جائے کیونکہ ترتیب ضروری ہے۔

نماز عشاء کے وقت کے بارے میں احادیث سے بیان:

امام بخاری و مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیار بن سلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد (ہم دونوں) حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میرے والد نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کس طرح (یعنی کس کس وقت) پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز جسے پہلی نماز کہا جاتا ہے سورج ڈھلنے کے وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی نماز پڑھ کر مدینہ کے کنارے اپنے مکان پر جا کر سورج روشن ہوتے ہوئے (یعنی اس کے ختم ہونے سے پہلے) واپس آ جاتا تھا۔ سیار فرماتے ہیں کہ مغرب کے بارے میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں بھول گیا اور (ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ عشاء کی نماز جسے تم عتمة کہتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر سے پڑھنے کو بہتر سمجھتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد (دنیاوی) باتیں کرنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکروہ سمجھتے تھے اور صبح کو نماز ایسے وقت پڑھ (کہ قارغ ہو) لیتے تھے کہ ہر آدمی اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور (نماز میں) ساتھ آتوں سے لے کر سوا آتوں تک پڑھ لیا کرتے تھے، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہائی رات تک عشاء میں دیر کرنے میں تاہل نہ فرماتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری، ج ۱ ص ۸۰، قدیمی کتب خانہ کراچی و صحیح مسلم)

عتمة کہنے کی ممانعت کا حکم اور نماز عشاء میں تاخیر کا بیان:

عتمة اس تاریکی کو کہتے ہیں جو شفق غائب ہونے کے بعد ہوتی ہے چنانچہ پہلے مغرب میں عتمة عشاء کو کہتے تھے مگر بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع کر دیا کہ عشاء کو عتمة نہ کہا جائے۔ یہاں تاخیر سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

عشاء کی نماز تہائی رات تک تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد دنیا کی باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اعمال کا خاتمہ عبادت اور ذکر اللہ پر ہونا چاہئے کیونکہ خیر بخیر لہ موت ہے شرح السنہ میں منقول ہے کہ عشاء سے پہلے سونے کو اکثر علماء نے مکروہ کہا ہے اور بعض حضرات نے سونے کی اجازت دی ہے چنانچہ حضرت عرفہ روق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عشاء سے پہلے سوتے اور بعض علماء کے نزدیک صرف رمضان میں عشاء سے پہلے سونا جائز ہے۔ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیند کا غلبہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ عشاء کی نماز کا وقت سونے کی نذر ہو جائے گا تو سونا مکروہ نہیں ہے عشاء کے بعد باتوں میں مشغول ہونے کو علماء کی ایک جماعت نے مکروہ کہا ہے چنانچہ حضرت سعید بن مسیب کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میرے نزدیک بغیر عشاء کی نماز پڑھنے سونا ہمارے سے بہتر ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد کوئی آدمی گفتگو کام اور دنیاوی باتوں میں مشغول ہو بعض علماء نے عشاء کے بعد عم کی باتیں کرنے کی اجازت دی ہے اسی طرح ضرورت اور حاجت کے سلسلے میں یا گھر والوں اور مہمان کے ساتھ باتیں کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔ (ملا علی قاری)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں جائز ہیں، یعنی اگر کوئی آدمی عشاء کی نماز سے پہلے سستی اور کابلی کو دور کرنے اور نشاء و تازگی حاصل کرنے کے لیے سونا چاہے تو اس کے لیے سونا جائز ہے، اسی طرح عشاء کی نماز کے بعد ایسی باتیں کرنا جو ضروری ہوں اور بے معنی نہ ہوں جائز ہے۔

## فصل فی الوکالات المستحبہ

﴿یہ فصل نماز کے مستحب اوقات کے بیان میں ہے﴾

مستحب اوقات والی فصل کی مطابقت:

اس سے پہلے مصنف نے ان احادیث سے مسائل کے استنباط ذکر کیا ہے۔ جس سے نمازوں کے اول اوقات اور ان کے آخری اوقات ثابت ہوتے ہیں۔ جس سے یہ واضح ہو گیا۔ ان اوقات ابتداء و انتہاء سے نمازوں کے مکمل اوقات کا علم حاصل ہو جائے۔ لہذا وہ معلوم ہوا۔ اب اس کے بعد مصنف تمام نمازوں کے مستحب اوقات بیان کریں گے۔ احکام شرعیہ میں فرائض کا مقام مقدم اور مستحبات کا مقام مؤخر لہذا اسی مناسبت سے اس فصل کو مصنف نے مؤخر ذکر کیا ہے۔

احکام شرعیہ میں فرائض کے احکام متعین و مستحکم ہوتے ہیں جبکہ احتیاب ای عمل میں زائد اجر کا باعث بنتا ہے۔ جو نظر کے درجے میں ہوتا ہے۔ لہذا اسی وجہ سے مصنف نے احکام فرائض کو مقدم اور زائد اجر والے احکام کو مؤخر ذکر کیا ہے۔

تاخیر مستحب کا تقبی مفہوم:

علامہ ابن قیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ تاخیر کا معنی یہ ہے کہ وقت کے دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور اول نصف کو چھوڑ کر نصف ثانی میں پڑھیں تو اسے تاخیر کہا جائے گا۔ (المحرر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ راجہ ایم سعید کمپنی کراچی)

لہذا فجر کا مستحب وقت:

(وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ) يَقُولُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَكْبَرُ لِلْأَجْرِ) وَقَالَ النَّافِعُ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُسْتَحَبُّ التَّعَجُّلُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ، وَالْحَجْعَةُ عَلَيْهِ مَا دُونَ بَإَاءٍ وَمَا تَرَوِيهِ.

ترجمہ:

فجر کی نماز میں اجالا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فجر کے ساتھ اجالا کرو کیونکہ اس میں بہت بڑا اجر ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہر نماز میں جلد ہی مستحب ہے۔ اور ان پر حجت وہی حدیث ہے جسے ہم نے روایت کیا ہے۔ اور جسے ہم روایت کریں گے۔

احناف کے نزدیک نماز فجر کا مستحب وقت تاخیر ہے:

امام ابو داؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کو روشن کرو۔ اس میں زیادہ ثواب ہے (صبح کی نماز روشنی میں پڑھو)۔

(سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۴۱، دارالحدیث لبنان)

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو خفی مسلک کے ایک جلیل القدر امام ہیں، فرماتے ہیں کہ ابتداء تو غس (اندھیرے) میں ہونی چاہئے اور اختتام اسفار میں، اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ قرأت اتنی حویل کی جائے کہ پڑھتے پڑھتے اجالا پھیل جائے۔ چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ تاویل اولیٰ اور احسن ہے کیونکہ اس طرح ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض تو غس میں نماز پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنا افضل ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

ان احادیث میں ایک دوسری تطبیق کی وجہ خود ایک حدیث بھی ہے جو شرح السنہ میں منقول ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں موسم کا اعتبار ہوگا یعنی جائزے کے موسم میں تو غس میں نماز پڑھنا بہتر ہوگا اور گرمی کے موسم میں اسفار کرنا بہتر ہوگا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

(قَالَ مَعَاذَ بَنِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى التَّيْمَنِ فَقَالَ إِذَا كَانَ فِي الشِّتَاءِ فَغَسَّ بِالْفَخْرِ وَالطَّلِ الْبِزْرَاءَ ثُمَّ قَلَزَ مَا يُطَيِّقُ النَّاسَ وَلَا يُبَلِّغُهُمْ وَإِذَا كَانَ فِي الصَّيْفِ فَاسْفَرَ بِالْفَخْرِ فَإِنَّ اللَّيْلَ قَصِيرٌ وَالنَّاسُ يَنَامُونَ فَا مُبَلِّغُهُمْ حَتَّى أَتَوْكُمُ ابْنِي الصَّلَاةُ) (شرح السنہ، کتاب الصلوٰۃ)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تو یہ (بھی) فرمایا کہ جب سردی کا موسم ہو تو فجر کی نماز غس (اندھیرے) میں پڑھنا اور قرأت طویل کرنا (مگر اتنی کہ) لوگوں پر بیماری نہ ہو کہ وہ تنگ ہو جائیں اور جب گرمی کا موسم ہو تو فجر کی نماز اسفار (اجالے) میں پڑھنا کیونکہ (گرمی) میں رات چھوٹی ہونے کی وجہ سے لوگ سوئے رہتے ہیں اسی لیے انہیں اتنا موقع دو کہ وہ نماز میں شریک ہو سکیں۔

بہر حال علماء احناف کے نزدیک اسفار کی حد یہ ہے کہ طلوع آفتاب میں اتنا وقت رہے کہ اس میں قرأت مسنون (جو چالیس سے ساٹھ یا سو آیتوں تک ہے) ترتیل کے ساتھ پڑھی جاسکے۔ اور نماز کے بعد اگر طہارت میں کوئی غلل معلوم ہو تو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے وضو اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز کا اعادہ ممکن ہو سکے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک فجر غس میں پڑھی جائے گی:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز (ایسے وقت میں) پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہو کر جب عورتیں چادریں لپیٹے ہوئے واپس ہوتیں تو اندھیرے کی بنا پر پہچانی نہ جاتی تھیں۔ (سنن ابوداؤد)

مگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کا وقت مختار اسفار تک ہے اس کے بعد وقت جواز رہتا ہے نماز کے اوقات کی تفصیل جان لینے کے بعد اب حدیث کے آخری جملہ کا مطلب بھی سمجھ لیجئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب کہ سورج نکل آئے تو نماز سے باز ہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں پیگوں کے درمیان سے نکلتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سورج نکلنے کی جگہ





بھی ہیں کہ) کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے اور (دوزخ کی) آگ نے اپنے رب سے شکایہ عرض کیا کہ میرے پروردگار! میرے بعض (شعلے) بعض کو کھائے لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوساں لینے کی اجازت دے دی ہے۔ اب وہ ایک ساںس جاڑے میں لیتی ہے اور ایک ساںس گرمی میں۔ گرمی میں جس وقت تمہیں زیادہ گرمی معلوم ہوتی ہے اور جاڑے میں جس وقت تمہیں زیادہ سردی معلوم ہوتی ہے (تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ وہ ایک ساںس گرمی میں اور ایک ساںس سردی میں لیتی ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور صحیح البخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس وقت تم گرمی کی شدت محسوس کرتے ہو تو اس کا سبب دوزخ کا گرم ساںس ہوتا ہے اور جس وقت تم سردی کی شدت محسوس کرتے ہو تو اس کا سبب دوزخ کا ٹھنڈا ساںس ہوتا ہے۔

دوزخ کے ساںسوں پر اشکالات و جوابات:

پروردگار سے دوزخ کی آگ کی نے یہ شکایت کی کہ، میرے بعض (شعلے) بعض کو کھائے لیتے ہیں۔ کیا یہ ہے اجزاء۔ آگ کی کثرت سے اور آپس کے اختلاط سے یعنی آگ کے شعلے اتنے زیادہ ہوتے ہیں اور اس شدت سے بھڑکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے شعلے کو کفر لگاٹ اتار کر اس کی جگہ بھی خود لے لے۔ چنانچہ پروردگار نے اسے ساںس لینے کی اجازت دے دی یعنی ساںس سے مراد شعلے کو دیا اور اس کا دوزخ سے باہر نکلتا ہے۔ جس طرح کہ چاند ساںس لیتا ہے تو ہوا باہر نکلتی ہے۔ ہر حال ایسے وقت باوجود یہ کہ مشقت بہت ہوتی ہے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ایسے سخت وقت میں جب کہ گرمی اپنی شدت پر ہوتی ہے دل و دماغ تپش کی وجہ سے بے چین ہوتے ہیں نیز خشوع اور سکون و اطمینان حاصل نہیں ہوتا جو نماز کی روح ہیں اس موقع پر عقلی طور پر چند اشکال پیدا ہوتے ہیں ان کی وضاحت کر دینی ضروری ہے پہلا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ گرمی اور سردی کی شدت، عرض الہد اور آفتاب کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے یہاں یہ کیسے کہا گیا کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے؟

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں دوزخ کی بھاپ کو گرمی کی شدت کا سبب بتایا گیا ہے نہ کہ اصل گرمی کا۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ گرمی اور سردی کی شدت بھی آفتاب کے قریب و بعد کی بناء پر ہوتی ہے کیونکہ اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ دوزخ کا ساںس اس میں حریر شدت پیدا کرتا ہو لہذا اس کا انکار تجرصادق کی خبر کے ہوتے ہوئے طریقہ اسلام کے منافی ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو طے ہے کہ زمین میں حرارت کی علت سورج کا مقابلہ اور اس کی شعاع میں پڑتا ہے اور یہ کہیں ثابت نہیں ہوا ہے کہ سورج دوزخ نہیں ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ ہمارے نظام کی دوزخ یہی ہو جسے ہم سورج کہتے ہیں کیونکہ سورج میں ناریت کا تمویج اور اشتعال اس قدر ہے کہ دوزخ کی تمام صفات اس پر مطبق ہوتی ہیں اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ سورج دوزخ نہیں ہے تو یہ بالکل بعید اور ناممکن نہیں ہے کہ دوزخ علیحدہ ہو اور اس کی گرمی کا اثر زمین پر پڑتا ہو دوسرا

اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوزخ نے شکایت کیسے کی کیونکہ دوزخ بے زبان ہے اور بے زبان اظہار عا کیسے کر سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح زبان کے لیے تلفظ ضروری نہیں ہے اسی طرح تلفظ کے لیے زبان بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر جانوروں کی زبان ہوتی ہے مگر وہ تلفظ نہیں کرتے ایسے ہی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے زبان نہیں ہوتی مگر وہ بات کرتی ہیں۔ لہذا یہ اشکال پیدا کرنا کہ بغیر زبان کے بات کرنا ناممکن ہے کم فہمی کی بات ہے۔ کیونکہ اگر کوئی یہ پوچھنے بیٹھ جائے کہ زبان سے بات کیوں کی جاتی ہے اس سے سننے کا کام کیوں نہیں لیا جاتا؟ آنکھ سے دیکھتے اور کان سے سنتے کیوں ہو ان سے بات کیوں نہیں کرتے جب کہ یہ سب اعضاء بظاہر ایک ہی مادہ سے بنتے ہیں جو تلفظ ہے تو ہر ایک قوت کی تخصیص کی ہر ایک خاص چیز سے کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ یہ صانع مطلق کی قدرت ہے کہ بولنا زبان سے مختص کیا، دیکھنا آنکھ سے اور سنانا کان سے ورنہ یہ سب اعضاء گوشت کا ایک حصہ ہونے میں برابر ہیں۔ ٹھیک اسی طرح یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ کیا صانع مطلق کی یہ قدرت نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی ایک مخلوق کو گویائی کی قوت دے دے اور جب کہ حکماء کی ایک جماعت تو یہ بھی کہتی ہے کہ اجرام فلکیہ میں نفوس ہیں اور ان میں احساس و ادراک کی قوت ہے تو اس صورت میں بولنا بعید ہے؟ تیسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوزخ جو عذاب نہیں ہے وہ سانس کیسے لیتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ میں نفس ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جب مذکورہ بالا بحث کی رو سے اس سے تکلم ثابت ہو سکتا ہے تو سانس لینے میں کیا اشکال باقی رہ جائے گا! چوتھا اشکال یہ ہے کہ آگ کے خشتہ سانس لینے کے کیا معنی؟ اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ آگ سے مراد اس کی جگہ یعنی دوزخ ہے اور اس میں ایک طبقہ زمہریر بھی ہے پانچواں اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم کے مطابق تو یہ چاہئے تھا کہ سخت سردی کے موسم میں فجر کو بھی تاخیر سے پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے حالانکہ ایہ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سردی میں صبح کو سورج نکلنے تک اسی شدت کے ساتھ رہتی ہے اگر طلوع آفتاب تک نماز میں تاخیر کی جاتی ہے تو وہاں سرے سے وقت ہی جاتا رہتا بہر حال۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود صحابہ بھی گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔

فقد شافعی وحنفی کے مطابق اہرام کا مطلب:

چنانچہ صحیح البخاری کی ایک روایت میں منقول ہے کہ صحابہ ظہر کی نماز (تاخیر سے) ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے یہاں تک کہ نیوں کے سائے زمین پر پڑنے لگتے تھے۔ اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ ٹیلے چونکہ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اس لیے ان کے سرے زمین پر بہت دیر کے بعد پڑتے ہیں بخلاف دراز چیزوں مثلاً مینار وغیرہ کے ان کے سائے جلد ہی پڑنے لگتے ہیں

بعض روایتوں میں منقول ہے کہ صحابہ ظہر کی نماز کے لیے دیواروں کے سائے میں ہو کر جاتے تھے۔ اور دیواروں کے بارے میں تحقیق ہو چکی ہے کہ اس وقت دیواریں عام طور پر سات سات گزی ہوتی تھیں۔ لہذا ان کے سائے میں چلنا اس وقت کار آمد ہوتا ہوگا جب کہ سورج کافی نیچے ہوتا ہو۔ بعض حضرات نے تاخیر کی حد آدھا وقت مقرر کی ہے یعنی کچھ علماء یہ فرماتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز آدھے وقت تک مؤخر کر کے پڑھنی چاہئے۔ بعض شوافع حضرات حدیث سے ثابت شدہ ابراد (یعنی نماز کو ٹھنڈا کر کے) کا محمول وقت زوال کو بتاتے ہیں یعنی ان کا کہنا یہ ہے کہ اس ابراد کا مقصد نماز ظہر میں اتنی تاخیر نہیں ہے۔

جو احناف بتاتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت استواء کی شدید گرمی سے بچنے کے لیے زوال کے وقت ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے ان حضرات کی یہ تاویل نہ صرف یہ کہ بیدار مفہوم ہے بلکہ خلاف مشاہدہ بھی ہے کیونکہ وقت استواء کے مقابلہ میں زوال کے وقت گرمی کی شدت میں کمی آ جانے کا خیال تجربہ و مشاہدہ ہے ہدایہ میں مذکور ہے کہ جن شہروں میں گرمی کی شدت آفتاب کے ایک مثل سے بچنے کے وقت ہوتی ہے وہاں تو ابراد کا مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ نماز ایک مثل سایہ ہونے کے بعد پڑھی جائے الیٰ صل۔ ظہر کی نماز کو ابراد میں یعنی ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے بارے میں بہت زیادہ حدیثیں وارد ہیں جن سے متفقہ طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈا کر کے پڑھنا ہی افضل و اولیٰ ہے۔ جہاں تک حدیث حباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق ہے جس میں مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرمی کے موسم میں دو پہر کی شدت کے بارے میں شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری درخواست قبول نہیں کی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کو پورے وقت تک مؤخر کرنے کی درخواست کی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہیں فرمایا کہ اگر اتنی تاخیر کی جائے گی تو نماز کا وقت بھی نکل جائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ابراد رخصت ہے اور وہ بھی سب کے لیے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لیے ہے جو جماعت کے لیے مسجدوں میں جانے کے لیے مشقت و محنت کا سامنا کرتے ہیں۔ جو لوگ تنہا نماز پڑھتے ہوں یا اپنے پڑوس و محلہ کی مسجد میں نماز کے لیے آتے ہوں ان کے لیے میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے کہ وہ اول وقت سے تاخیر نہ کریں، یہ قول ظاہر حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس کی اتباع نہیں کی جاسکتی۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک حدیث نقل کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی باوجود یہ کہ سب بیکار تھے تھے ابراد کا حکم فرمایا کرتے تھے، نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے ظہر کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کے لیے کہتا ہے اس مسلک کی اتباع سنت کی وجہ سے اولیٰ و افضل ہے۔

ظہر کے وقت کے سلسلے میں احادیث میں جو تعارض ہے کہ بعض حدیثوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دیر (لیٹ) کر کے پڑھتے تھے اور بعض حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلدی پڑھ لیتے تھے۔ اس حدیث سے یہ تعارض ختم ہو جاتا ہے بایں طور کہ گرمی کے موسم میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھا کرتے تھے اور سردی کے موسم میں جلدی پڑھتے تھے۔

نماز ظہر کا گرمیوں میں بھی جلدی پڑھنے میں غیر مقلدین کا جاہلانہ استدلال:

غیر مقلد مولوی زبیر زئی لکھتا ہے۔ نماز ظہر کا وقت

"عن انس بن مالك قال : كما اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم بالطهائر سجدا على ثيابنا انقاء الحر"

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نمازیں پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔

(صحیح البخاری روح واللفظ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۲۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۱) اس روایت اور دیگر احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز ظہر کا وقت زوال کیساتھ شروع ہو جاتا ہے، اور ظہر کی نماز اول وقت پڑھنی چاہئے۔

(۲) اس پر اجماع ہے کہ ظہر کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔ (الانصاف لابن مہرۃ)

(۳) جن روایات میں آیا ہے کہ جب گرمی زیادہ ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، ان تمام احادیث کا تعلق سفر کیساتھ ہے جیسا کہ صحیح بخاری ج ۳ ص ۸ کی حدیث سے ثابت ہے، حضر (گھر، جائے سکونت) کے ساتھ نہیں۔ جو حضرات سفر والی روایت کو حدیث بالا وغیرہ کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں، ان کا موقف درست نہیں۔ انہیں چاہئے کہ ثابت کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھی ہے۔

(۴) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو ظہر کی نماز ادا کرو اور جب دوشل ہو جائے تو عصر پڑھو۔ (موط امام مالک و سندہ صحیح)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز زوال سے لیکر ایک مثل تک پڑھ سکتے ہیں، یعنی ظہر کا وقت زوال سے لیکر ایک مثل تک ہے اور عصر کا وقت ایک مثل سے لیکر دوشل تک ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی اعلیٰ المجدد حاشیہ میں اس موقف اثر کا یہی مفہوم لکھا ہے۔ یہاں بطور تنبیہ عرض ہے کہ اس "اثر" کے آخری حصہ "فجر کی نماز ماند میرے میں ادا کر"

(۵) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ظہر کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: جب دو پہر کو سورج ڈھل جائے اور سایہ

تسبیح ہو جائے تو ظہر قائم ہوگئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، سندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے قائل تھے کہ ظہر کا وقت سورج کے زوال کیساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔  
 (6) نوید بن غفلقہ رحمہ اللہ نماز ظہر اول وقت ادا کرنے پر اس قدر ڈٹے ہوئے تھے کہ مرنے کے لئے تیار ہو گئے، مگر یہ گوارا نہ کیا کہ ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھیں اور لوگوں کو بتایا کہ ہم ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے اول وقت میں نماز ظہر ادا کرتے تھے۔  
 (مصنف ابن ابی شیبہ، سندہ حسن) (نماز نبوی، مولوی زبیر علی زئی)

فقہاء احناف نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس حدیث میں ”اہر دو“ جو امر کا صیغہ ہے۔ جو غیر مقلدین کی متدل احادیث کے قرینے پر استحباب کے حکم میں ہے۔ یہی فقہاء احناف نے کہا ہے کہ گریسون میں ظہر کا مستحب وقت تاخیر سے پڑھنا ہے۔ غیر مقلدین پر قیوب ہے کہ وہ اس قدر مضبوط اسناد والی احادیث کو چھوڑ کر کتنی تیزی سے اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ قرآن کا حکم ہے کہ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔ تو یہ لوگ کیونکر قرآن کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے کثیر احادیث پر عمل نہیں کرتے۔

حدیث ”اہر دو“ صیغہ امر کے ساتھ صحیح، مرفوع اور قوی حدیث ہے اصول حدیث میں ہے کہ قوی حدیث کو نفعی حدیث پر ترجیح دی جاتی ہے۔ لہذا اظہر گریسون میں تاخیر کر پڑھو۔

دور حاضر میں یہ کتنی عجیب مثال ہے کہ جو لوگ کلام و احکام کے قرآنی ذرائع جاننے سے معذور ہیں وہ لوگوں کو اسلام سیکھنے کے فکیردار بن بیٹھے ہیں۔ یہ بھی قیوب ہے کہ قرآن و سنت کو چھوڑ کر انصاح کے حوالے یاد آ گئے۔

انصاح کا حوالہ ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ کتنی دورنگی ان لوگوں کے اندر رسالت کر چکی ہے کہ ایک طرف تو تقلید کو ترک بتائیں اور دوسری طرف خود تقلید کے سمندر میں غوطہ زن رہیں۔ ابن ذہب العقل عصر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے:

(وَتَأْخِرُ الْمَضْمُونُ مَا لَمْ تَتَّخِذِ الشَّمْسُ فِي الشَّعَارِ وَالصَّبْفِ) لِمَا فِيهِ مِنْ تَكْثِيرِ النَّوَائِلِ لِكُرْاهَتِهَا بَعْدَهُ، وَالْمُعْتَبَرُ تَغْيِيرُ الْفَرْصِ وَهُوَ أَنْ يَصِيرَ بِحَالٍ لَا تَحَارِلُهُ الْأَعْيُنُ هُوَ الصَّحِيحُ، وَالتَّأْخِيرُ إِلَيْهِ مَكْرُوهٌ.

ترجمہ:

گرمیوں اور سردیوں میں نماز عصر کو اس وقت تک مؤخر کرنا جب سورج متغیر نہ ہو کیونکہ عصر کے بعد نوافل کی کثرت مکروہ ہے۔ اور اس میں قرص کی تبدیلی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور قرص یہ ہے کہ سورج کا اس حالت میں ہونا کہ آنکھیں اسے ٹٹکی بانہ نہ کرند کچھ نہیں۔ یہی صحیح روایت ہے۔ (تغییر خمس) تک تاخیر مکروہ ہے۔

امام ابو الدرداء علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے (ہم نے دیکھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز میں تاخیر کرتے تھے آفتاب کے سفید اور صاف رہنے کی حد تک۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۵۹، دارالحدیث ملتان)

قرص کی تعریف:

سورج کا رنگ سفیدی سے زردی کی طرف اتنا تبدیل ہو جائے کہ دیکھنے والے کی نظر آسانی سے مسلسل ٹنگی باندھ کر اسے دیکھ سکے۔

نماز عصر کے نام کی وجہ تسمیہ:

نماز عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہئے، نہ آتی کہ وقت سے پیشتر ہو جائے۔ باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے۔ اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا لانہا تعصر (یعنی وہ نچر کے وقت پڑھی جاتی ہے)۔

حاکم و دارقطنی نے زیاد بن عبد اللہ نخعی سے روایت کی "ہم امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ مسجد جامعہ میں بیٹھے تھے مؤذن نے آ کر عرض کی: یا امیر المؤمنین نماز۔ امیر المؤمنین نے فرمایا بیٹھو۔ وہ بیٹھ گیا۔ دیر کے بعد پھر حاضر ہوا اور نماز کیلئے عرض کی۔ امیر المؤمنین نے فرمایا ہذا الکلب یعلننا السنۃ (یہ کتا ہمیں سنت سکھاتا ہے) پھر اٹھ کر ہمیں نماز عصر پڑھائی۔ جب ہم نماز پڑھ کر وہاں آئے جہاں مسجد میں پہلے بیٹھے تھے فحسبنا للرب لنزول الشمس مغروب نترہا ہم زمانوں پر کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے کہ وہ غروب کے لئے نیچے اتر گیا تھا۔

(سنن الدارقطنی باب ذکر بیان المواقیت الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

عصر میں تاخیر مستحب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت پر جرح و تعدیل:

حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اما ان زیاد الم یرو عن غیر العباس، یعنی یہ بات کہ زیاد سے سوائے عباس کے کسی نے روایت نہیں کی، (سنن الدارقطنی باب ذکر بیان المواقیت المطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

فانہ الدارقطنی، وافوق: عباس ثقہ، وغایتہ جہالة عین، فلا تضر عدلنا، لاسیما فی اکابر التابعین۔ قال فی المسلم، لا جرح بان له راویا فقط وهو مجهول العین باصطلاح۔

جیسا کہ دارقطنی نے کہا ہے۔ عباس ثقہ ہے، زیادہ سے زیادہ اس میں "جہالت عین" پائی جاتی ہے اور یہ ہمارے نزدیک معتبر نہیں ہے، خصوصاً اکابر تابعین میں۔ مسلم میں ہے کہ یہ کوئی جرح نہیں ہے کہ فلاں سے ایک ہی راوی ہے اور وہ اصطلاحی طور پر "مجهول العین" ہے، (مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت مسئلہ مجهول الحال مطبوعہ منشورات الشریف ارضی قم، ایران) فواتح میں ہے کہ بعض نے کہا کہ ایسا راوی قابل قبول نہیں ہے، لیکن یہ بد دلیل بات ہے۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ مجهول الحال)

اگر یہ مولیٰ علی کا صرف اپنا فعل ہوتا جب بھی حجت شرعی تھا نہ کہ وہ اسے صراحت سے بتا رہے اور مؤذن پر جو جلدی کا تھا ضا کرتا تھا ایسا شدید غضب فرما رہے ہیں، اسی کی مثل امیر المؤمنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے نماز جمعہ میں مروی امام طحاوی بطریق داود بن یزید الاودعی عن ابیہ روایت فرماتے ہیں۔

قال کان علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصلیٰ بفناء الفجر ونحن نترائی الشمس محافۃ ان تکون قد طلعت۔

مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہمیں نماز جمعہ پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں طلوع نہ کر آیا ہو۔ (شرح معانی الآثار باب الوقت الذی یصلیٰ فیہ الفجر بمطبووعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

مناقب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعل امام حافظ الدین الکردری میں ہے۔

ذكر الامام الديلمي عن زهير ابن كيسان قال صليت مع الرضا في العصر ثم انطلقت مسجد الامام لما اخر العصر حتى خفت فوات الوقت ثم انطلقت الى مسجد سفين فاذا هو لم يصل العصر فقلت رحم الله ابا حنیفة ما اعرها مثل اخر سفین۔ یعنی امام دیلمی نے زہیر بن کيسان سے روایت کی۔

کہ میں رضائی کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر مسجد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گیا امام نے عصر میں اتنی تاخیر فرمائی کہ مجھے خوف ہوا کہ وقت جاتا رہے گا پھر میں مسجد امام سفین ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف گیا تو کیا دیکھوں کہ انہوں نے ابھی نماز پڑھی بھی نہیں میں نے کہا اللہ ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے انہوں نے تو اتنی تاخیر کی بھی نہیں جتنی سفیان ثوری علیہ الرحمہ نے کی ہے۔ (مناقب امام اعظم ابوحنیفہ للکردری الفصل الثانی فی اصول بنی علیہ مذہب مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

نماز مغرب میں جلدی مستحب ہے:

(و) نَسْتَعِثُّ (تَفْجِيلُ الْمَغْرِبِ) لِأَنَّ قَائِمَهَا مَكْرُوهٌ لِمَا فِيهِ مِنَ النَّفْسِ بِالْيَهُودِ. وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تَزَالُ أُمَّتِي يَخْتَارُ مَا عَجَّلُوا الْمَغْرِبَ وَأَخَّرُوا الْعِشَاءَ).

ترجمہ:

اور مغرب میں جلدی مستحب ہے کیونکہ اس میں تاخیر مکروہ ہے اسی وجہ سے کہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت ہمیشہ بھلائی پر رہے گی جب تک انہوں نے مغرب میں جلدی کی اور عشاء کو مؤخر کیا۔ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد اندھیرے کی کیفیت:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے پھر ہم تیر اندازی کرتے تھے اور ہم کو تیر کرنے کی جگہ

دکھائی دیتی تھی۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۶۰، دارالحدیث ملتان)

نماز مغرب میں تاخیر مکروہ ہے:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابویوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے لوگ اگر مغرب کی نماز کو (اس قدر) دیر کر کے نہ پڑھا کریں کہ ستارے جھمکائے لگیں تو ہمیشہ بھلائی، یا فرمایا کہ، فطرت (یعنی اسلام کے طریقے) پر رہیں گے، (سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۶۰، دارالحدیث ملتان) اور اس روایت کو داری نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت فقط ستارے نظر آ جانے سے کراہیت نہیں آتی البتہ ستارے منجانب ہو کر جھمکائے لگتے ہیں تو تب وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھی تھی اور وہ بھی بیان جواز کے لیے ورنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اول وقت ہی مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے۔

عدم دلیل کراہت سے اثبات استحباب میں غلطی و جواب:

علامہ ابن محمود الباہرٹی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ مغرب میں جلدی اس لئے مستحب ہے کہ اس میں تاخیر مکروہ ہے۔ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ جس طرح نماز عشاء کو رات کے نصف اخیر تک مؤخر کرنا مکروہ ہے حالانکہ اس کے ترک سے استحباب لازم نہیں آتا۔ کیونکہ نصف رات تک مؤخر کرنا مباح ہے۔

علامہ الباہرٹی علیہ الرحمہ کی عبارت کا حاصل اعتراض یہ ہے کہ ترک مکروہ سے استحباب ثابت نہیں ہوتا۔ لہذا مغرب میں غفلت کا استحباب ترک مکروہ سے کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے۔

اس کو جواب یہ ہے کہ یہاں نماز مغرب کی غفلت کا استحباب ترک مکروہ کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ استحباب یہود سے مشابہت چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔ اور جس میں کچھ باہبود ہو کہ اس کا ترک کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ اس میں اباحت تسامح کی طرف لے جانے والی ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱، ص ۱، بیروت)

علامہ الباہرٹی علیہ الرحمہ کے اس سوال و جواب کا مقصد یہ ہے کہ فقہاء احناف نے نماز مغرب میں تعیل ترک کراہت کی وجہ سے نہیں بلکہ کچھ باہبود کی وجہ سے ہے۔

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں۔ لا یلزم من ترك المستحب ثبوت الکراهة اذ لا بدلها من دلیل خاص۔

ترک مستحب سے کراہت کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ اس کیلئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔

(البحر الرائق، باب العیدین، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، ص ۱۰۰، مدینہ منورہ)



عشاء کی نماز میں تاخیر مستحب ہے:

قَالَ (وَتَأَخِيرُ الْعِشَاءَ إِلَى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ) وَلَآنَ فِيهِ قَطْعُ السَّمَرِ الْمَنْهِيُّ عَنْهُ بَعْدَهُ، وَقِيلَ فِي الصَّنِيفِ لَتَعْجَلَ نَحْيُ لَا تَقْلَلُ الْجَمَاعَةُ، وَالتَّأَخِيرُ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ مَبَاحٌ لِأَنَّ ذَلِيلَ الْكَرَامَةِ وَهُوَ تَقْلِيلُ الْجَمَاعَةِ عَارِضُهُ ذَلِيلُ السُّذُوبِ وَهُوَ قَطْعُ السَّمَرِ بِوَاحِدَةٍ لَقِئْتُ الْإِبَاحَةَ وَإِلَى النِّصْفِ الْأَخِيرِ مَكْرُوهٌ لِمَا فِيهِ مِنْ تَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ وَقَدْ انْقَطَعَ السَّمَرُ قَبْلَهُ.

ترجمہ:

نماز عشاء کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اُمیر میری امت پر مشقت نہ ہوتی تو میں نماز عشاء کو تہائی رات تک مؤخر کرتا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ قصہ کہانی کو ختم کرنا ہے کیونکہ عشاء کے بعد اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گرمیوں میں جلدی کی جائے تاکہ جماعت تھوڑی نہ ہو۔ اور دوسری رات تک تاخیر کرنا مباح ہے۔ کیونکہ دلیل کراہت قلت جماعت ہے جس کا معارضہ صرف دلیل ندب ہے اور کسی سے باتیں کرنے کو ختم کرنا ہے۔ لہذا نصف رات تک اباحت ثابت ہوگئی۔ اور رات کے آخری نصف تک مؤخر کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے قلت جماعت ہوگی۔ جبکہ قصہ کہانی اس سے پہلے ختم ہو چکی ہے۔

شرح:

امام ابو داؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عشاء کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیر ہوگئی یہاں تک کہ کسی نے سمجھا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حجرہ سے) باہر تشریف نہ لائیں گے اور کسی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو چکے ہیں ابھی ہم اسی مجلس میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ سے باہر تشریف لائے وگ جیسا آپس میں کہہ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کہہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس نماز میں تاخیر کرو کیونکہ تمام امتوں پر تم کو اسی نماز کی بنا پر فضیلت بخش گئی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔

(سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۶۰، دارالحدیث ملتان)

عشاء کی نماز میں احتیاج تہائی رات تک ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

انتظار میں بیٹھے رہے پس جب تہائی رات یا اس سے کچھ زائد رات بیت گئی تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تاخیر کسی کام میں مشغولیت کی بنا پر کی یا کسی اور وجہ سے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حجرہ سے باہر) تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھی اس نماز کا انتظار کرتے ہو (پھر فرمایا) اگر مجھے اپنی امت پر اس نماز کے بار ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اس نماز کو ہمیشہ اس وقت پر پڑھایا کرتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مؤذن کو حکم دیا پس اس نے نماز قائم کی (یعنی تکبیر کر لی)۔ (سنن ابوداؤد)

نماز کا مستحب وقت:

(وَيُسْتَحَبُّ فِي التَّوْبَتِ لِمَنْ يَأْتِلُ صَلَاةَ اللَّيْلِ أَنْ يُؤَخِّرَهَا إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِإِلَانِيَاءٍ أَوْ تَرَقَّلَ النَّوْمَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُؤَيِّزْ أَوَّلَ اللَّيْلِ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُؤَيِّزْ آخِرَ اللَّيْلِ) "

ترجمہ:

اور وتر میں اس شخص کیلئے جو رات کی نماز سے محبت رکھتا ہے وتر کو آخری رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ اگر اسے نیند سے بیدار ہونے کی امید نہ ہو تو وہ سونے سے پہلے ہی وتر پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو خوف ہو کہ وہ رات کے آخری وقت میں نہیں اٹھ سکے گا تو وہ پہلے وقت میں ہی وتر پڑھے۔ اور جس کو شوق ہو کہ وہ رات کے آخر میں قیام کر لے گا تو وہ وتر کو آخر رات میں پڑھے۔

شرح:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو قرار دو۔ (صحیح مسلم)

بجریہ جان لیجئے کہ اس حدیث میں جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ استحباب کے طور پر ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح (آٹارنایاں ہونے پر) وتر میں جلدی کرو۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بات کی غماندہ دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ (ایک رکعت) پہلی پڑھنی ہوگی نماز کو طاق کر دے گی۔

(صحیح البخاری صحیح مسلم)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات کو پڑھی جانے والی نفل نمازیں دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں چنانچہ حضرت امام شافعی، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ افضل یہی ہے کہ رات میں نفل نمازیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔  
 بادلوں کے ایام میں مستحب اوقات کا بیان:

(لَمَّاذَا كَانَ يَوْمٌ غَنِمَ فَأَلْمَمْتُ حَبْثَ فِي الْفَجْرِ وَالظَّهْرِ وَالْمَغْرِبِ تَأْخِيرَهَا، وَلِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ تَعَجِّلُهَا) لِأَنَّ فِي تَأْخِيرِ الْعِشَاءِ تَقْلِيلَ الْجَمَاعَةِ عَلَى اغْتِيَابِ الْمَطَرِ، وَلِي تَأْخِيرِ الْعَصْرِ تَوْهَمُ الْوُقُوعِ فِي الْوَقْتِ الْمَكْرُوهِ، وَلَا تَوْهَمُ فِي الْفَجْرِ لِأَنَّ بَلَدَ الْمَدِينَةِ مَدِيدَةٌ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ التَّأْخِيرُ لِي الْكُلِّ لِلَاخْتِيَابِ لَا تَوَى اللَّهُ يَجُوزُ الْإِدَاءُ بَعْدَ الْوَقْتِ لَا قَبْلَهُ.

ترجمہ:

اور جب بادلوں کا دن ہو تو فجر، ظہر اور مغرب کی نماز میں تاخیر مستحب ہے جبکہ عصر اور عشاء میں جلدی پڑھنا مستحب ہے۔  
 کیونکہ عشاء میں تاخیر بارش پر قیاس کرتے ہوئے قلت جماعت کا سبب ہوگا۔ اور عصر میں تاخیر وقت مکروہ کے وقوع کا وہم ہوگا جبکہ فجر میں کوئی وہم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا وقت لہا ہے اور امام اعظم علیہ الرحمہ سے تمام نمازوں میں احتیاط کے طور پر تاخیر روایت کی گئی ہے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ نماز کو وقت کے بعد ادا کرنا جائز ہے جبکہ وقت سے پہلے جائز نہیں۔  
 بادلوں کی وجہ سے حکم تاخیر و تعیل میں تبدیلی کا بیان:

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بادلوں کے دنوں میں نمازوں بطور احتیاط تاخیر کی جائے گی۔  
 کیونکہ کسی بھی نماز کی ادائیگی وقت سے پہلے نہ ہوگی۔ البتہ وقت کے بعد وہ ادا ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر وقت میں تاخیر کی تو نماز ادا ہو جائے گی۔ یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ شاید امام اعظم نماز کو اس کے وقت کے بعد ادا کرنے کے قائل ہیں۔ ایسا بر غرض نہیں بلکہ انہوں نے احتیاط کے طور پر صرف تاخیر کا حکم دیا۔

دور حاضر میں سائنسی ترقی کے پیش نظر اب گھڑیوں کا نظام رائج ہے جس سے بہ آسانی اوقات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اور اس کے مطابق نمازوں کو ادا کیا جاسکتا ہے۔

## فصل فی الاوقات التي تكرر فيها الصلاة

﴿یہ فصل ان اوقات کے بیان میں ہے جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے﴾

اوقات مکروہ والی فصل کی مطابقت فقہی کا بیان:

علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ فصل ان اوقات کے بیان میں ہے جس میں نماز مکروہ ہے۔ اس فصل کا نام مکروہ اس لئے رکھا ہے کیونکہ اس میں نماز کا عدم جواز غالب ہے۔ یا بجز عدم جواز کراہت کو مستلزم ہے۔ جب مصنف وقت کی اقسام سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اوقات میں سے اسی ایک یہ قسم بھی بیان فرمائی ہے۔

(البنائے شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۵۵، حنفیہ ملتان)

نماز کے اوقات منوعہ کا بیان:

( لَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظُّهْرِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا ) لِحَدِيثِ ( عَنْ عَبْدِ بْنِ عَمِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : ثَلَاثَةُ أَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُصَلِّيَ فِيهَا وَأَنْ نَقْرَأَ فِيهَا مَوْثِقًا : عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ حَتَّى تَرْتَفِعَ ، وَعِنْدَ زَوَالِهَا حَتَّى تَزُولَ ، وَحِينَ يَصْغَبُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ ) وَالْمَرْأَةُ بِقَوْلِهِ وَأَنْ نَقْرَأَ : صَلَاةُ الْجَنَازَةِ لِأَنَّ اللَّعْنَ غَيْرُ مَكْرُوهٍ ، وَالْحَدِيثُ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي تَخْصِصِ الْفَرَائِضِ ، وَبِمَنْكَةِ فِي حَقِّ النَّوَائِلِ ، وَحُجَّةٌ عَلَى أَبِي يُوسُفَ فِي إِبَاحَةِ النُّفْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقْتُ الزَّوَالِ .

ترجمہ:

طلوع آفتاب، دوپہر (وقت زوال) اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو تین اوقات میں نماز سے اور مردوں کو دفن کرنے سے روکا۔ ایک تو جب سورج طلوع ہو رہا ہو، یہاں تک کہ بلند ہو جائے دوسرے اس وقت ٹھیک دوپہر ہو، جب تک کہ زائل نہ ہو جائے اور تیسرے جس وقت سورج ڈوبنے لگے، جب تک پورا ڈوب نہ جائے۔ اور آپ کے فرمان "ان نقبر" سے ہر نماز جنازہ ہے۔ کیونکہ اس وقت دفن کرنا مکروہ نہیں ہے اور حدیث مطلق ہے اسی کے اطلاق کی وجہ سے امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ وہ فراموش اور کم کو خاص کرتے ہیں۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے خلاف بھی دلیل ہے کیونکہ وہ جمعے کے دن زوال کے وقت نفل کو مباح قرار دیتے ہیں۔

تین اوقات میں نہ نماز پڑھی جائے اور نہ میت کو دفنایا جائے:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی بن رباح کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عقبہ بن عامرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تین اوقات میں نماز سے اور مردوں کو دفن کرنے سے روکتے تھے۔ ایک وقت جب سورج صبح ہو رہا ہو، یہاں تک کہ بلند ہو جائے، دوسرے جس وقت ٹھیک دوپہر ہو، جب تک کہ زوال نہ ہو جائے اور تیسرے جس وقت سورج ڈوبنے لگے، جب تک پورا ڈوب نہ جائے۔ (صحیح مسلم، 219، ص 1)

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اے لوگو!) تم اپنی نمازیں طلوع آفتاب کے وقت نہ ادا کرو اور نہ غروب آفتاب کے وقت۔ (صحیح بخاری، رقم، ۳۵۸)

حضرت سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب آفتاب کا کنارہ نکل آئے تو نماز موقوف کر دو یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو جائے اور جب آفتاب کا کنارہ چھپ جائے تو نماز موقوف کر دو یہاں تک کہ (پورا آفتاب) چھپ جائے۔ (صحیح بخاری، رقم، ۳۵۹)

اوقات ممنوعہ میں صلوات تخصیص مکہ میں امام شافعی کا استدلال وجواب:

شارح حاوی امام شافعی علیہ الرحمہ کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک طلوع سورج، قیام شمس اور غروب شمس کے وقت مکہ میں فرائض پڑھنا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سبب مقدم ہوتا ہے یا وہ سبب نماز سے ماہوا ہوتا ہے۔ لہذا ان اوقات میں نماز مکروہ نہ ہوگی کیونکہ فوت شدہ نمازوں کے بارے میں یہ حدیث عام ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز سے سو گیا یا اس کو نماز بھول گئی تو جب اسے یاد آئے وہ اس کو پڑھے۔ یہ حدیث فرائض، سنن اور نوافل سب کی قضاء میں برابر ہے۔

اور اسی سے نماز جنازہ کا ذکر بھی ہے کہ جب وہ حاضر ہو۔

اسی طرح نماز تحیۃ المسجد بھی اسی حکم میں ہے کہ جب کوئی شخص اتفاق سے ان اوقات میں مسجد میں داخل ہوا۔ اگرچہ اس کا تحیۃ المسجد کا ارادہ نہ بھی ہو بلکہ نماز کے انتظار کیلئے داخل ہوا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ دو رکعتیں نماز پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔ البتہ جب کوئی شخص ان اوقات میں تحیۃ المسجد کے ارادے سے مسجد میں داخل ہوا تو اس کیلئے مکروہ ہے۔

تخصیص مکہ سے علت ممانعت کا معدوم ہونا:

فتحا و شوافع کی یہ بھی دلیل ہے۔ کہ حدیث میں اوقات ممنوعہ کی جو علت بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ان اوقات میں مشرکین

سے اشتباہ ہوتا ہے۔ جبکہ مکہ میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اشتباہ لازم نہ آئے گا۔ کیونکہ حرمین شریفین پوری دنیا کی نظروں میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ مسلمان تو مسلمان حتیٰ کہ غیر مسلم بھی بخوبی جانتے ہیں۔ کہ وہاں جانے والے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

امام شافعی نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کیلئے احادیث میں بیان کردہ علت سے استدلال کیا ہے۔ کہ مشرکین سے اشتباہ علت کے معدوم ہونے کی وجہ سے مکہ میں نماز جائز ہے۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ اصول ہمارے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ کسی حکم نص کے ہوتے ہوئے وجود علت یا عدم وجود علت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ احادیث میں اس کی علت بیان ہوئی ہے تاہم یہ احادیث ثبوت حکم کیلئے نص ہیں۔ لہذا ان پر عمل کرتے ہوئے یہ کہیں گے ان اوقات میں ہر جگہ و ہر مقام پر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

ہمارا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز پڑھنے کی اباحت اس مقام پر اس لئے بھی جائز نہیں کہ ماخذ شرعی میں کہیں اس کی اباحت کا بھی ثبوت نہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مواظبت کے ساتھ مکہ میں انہی اوقات میں نماز پڑھی ہو۔

جمعہ کے دن وقت زوال و اقل پڑھنے میں امام ابو یوسف و امام شافعی علیہما رحمہما اختلاف و دلائل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ آفتاب ڈھل نہ جائے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے البتہ جمعہ کے دن (جائز ہے)۔ (شافعی)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تو یہی مسلک ہے کہ جمعہ کے روز ٹھیک دوپہر کے وقت بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جمعہ کے روز بھی نصف النہار کے وقت نماز پڑھنی درست نہیں (امام اعظم کا مسلک تو یہی ہے جو یہاں نقل کیا گیا ہے مگر امام ابو یوسف کا قول صحیح ہے اور مستند کذا فی الاشباہ)۔ ہے اس لیے کہ وہ احادیث جن میں مطلقاً نفی ثابت ہے اس حدیث کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے ان احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی یا پھر یہ کہا جائے گا کہ قاعدے کے مطابق کسی چیز کے بارے میں حرام از مراح دونوں کے دلائل ہوں تو حرام۔ کے دلائل کو ترجیح دی جائے گی۔

حضرت ابو انیل حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ سورج نہ ڈھل جائے نماز پڑھنے کو کراہت دیتے تھے علاوہ جمعہ کے دن کے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علاوہ جمعہ کے دن کے روزانہ (دوپہر کے وقت) دو زخ جھوکی جاتی ہے۔ اسی روایت کو امام ابو داؤد نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابو قتادہ سے ابوالخلیل کی ملاقات ثابت نہیں ہے (لہذا اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے)۔ (سنن ابوداؤد)

اوقات ممنوعہ میں نماز جنازہ اور جحدہ تلاوت کا حکم:

قَالَ ( وَلَا صَلَاةَ جَنَازَةٍ ) لِمَا رَوَيْنَا ( وَلَا سَجْدَةَ بَلَاوَةٍ ) لِأَنَّهَا فِي مَعْنَى الصَّلَاةِ ( إِلَّا عَصْرَ يَوْمِهِ عِنْدَ الْغُرُوبِ ) لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْجُزْءُ الْقَدِيمُ مِنَ الْوَلْتِ ، لِأَنَّهُ لَوْ تَعَلَّقَ بِالْكَلِّ لَوَجِبَ الْإِدَاءُ بَعْدَهُ ، وَلَوْ تَعَلَّقَ بِالْجُزْءِ الْمَاضِي لَمْ يُؤْذَى فِي آخِرِ الْوَلْتِ قَاضٍ ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لَقَدْ أَذَاعَا كَمَا وَجِبَتْ ، بِخِلَافِ غَيْرِهَا مِنَ الصَّلَوَاتِ لِأَنَّهَا وَجِبَتْ كَامِلَةً فَلَا تَسْأَلُ بِالْبَالِصِ .

قَالَ وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَالْمُرَادُ بِالْبَالِصِ الْمَذْكُورُ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَسَجْدَةِ التَّلَاوَةِ الْكَرَاهَةُ ، حَتَّى لَوْ صَلَّاهَا فِيهِ أَوْ تَلَا سَجْدَةً فِيهِ لَمْ يَجْزَ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ نَاقِصَةٍ كَمَا وَجِبَتْ إِذَا الْوُجُوبُ بِمَحْضُورِ الْجَنَازَةِ وَالتَّلَاوَةِ .

ترجمہ:

اور نماز جنازہ بھی نہ پڑھے اس روایت کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور جحدہ تلاوت بھی جائز نہیں کیونکہ جحدہ تلاوت بھی نماز کے معنی میں ہے۔ سوائے اس دن کی عصر کے جو غروب کے وقت پڑھی کیونکہ سب وقت کا وہ جز ہے جو قائم ہے کیونکہ سب اگر کل وقت کے ساتھ متعلق ہو تو ادا کرنا وقت کے بعد واجب ہوگا۔ اور اگر سب اس کے جز کے ساتھ متعلق ہو جیسا کہ گذرنا تو آخر وقت میں ادا کرنے والا قضاء کرنے والا ہی ہوگا۔ اور جب ایسا ہی ہے تو تحقیق اس نے ایسے ہی ادا کی جس طرح اس پر واجب ہوئی تھی۔ جبکہ دوسری نمازوں میں ایسا نہیں کیونکہ وہ کامل وقت کے ساتھ واجب ہوئی ہیں۔ لہذا وہ ناقص وقت کے ساتھ ادا نہ ہوں گی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ اور جحدہ تلاوت کی جو ٹہنی مذکور ہے اس سے مراد کہبت ہے کیونکہ اگر اس نے مکروہ وقت میں نماز جنازہ پڑھا یا آیت جحدہ تلاوت کی اور جحدہ کیا تو جائز ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ اور جحدہ تلاوت ناقص اور ٹہنی ہو گئی جس طرح وہ واجب ہوئے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جنازے کا واجب حضور کی وجہ سے اور جحدہ سے کا وجوب تلاوت کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

اوقات ممنوعہ میں جحدہ تلاوت کرنے کی ممانعت میں مذاہب فقہاء:

احناف کے مذہب میں یہ نہی فرض اور قفل دونوں کو شامل ہے چنانچہ پہلے تینوں اوقات یعنی طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور استواء کے وقت نماز جائز نہیں ہے خواہ ادا ہو یا قضا البتہ اسی دن کی عصر کی نماز جائز ہے اسی طرح نہ جنازہ کی نماز جائز ہے اور نہ تلاوت کا جحدہ جائز ہے ہاں اس جنازے کی نماز جائز ہوگی جو انہیں اوقات میں پڑھا گیا ہو اسی طرح وہ جحدہ تلاوت جائز ہوگا جب آیت جحدہ انہیں اوقات میں پڑھی گئی ہو۔ تاہم ان اوقات سے مؤخر کرنا اولیٰ ہوگا۔

نہ جہز و جدہ ۱۳ اوقات اور قضا نماز فجر کے پورے وقت میں اور صبح کی نماز کے بعد بھی جائز ہے نفل نماز ان اوقات میں بھی کر دے اگر کوئی آدمی ان اوقات میں نفل نماز شروع کر دے گا وہ نماز ہو جائے گی یعنی اس وقت سے اسے نماز توڑ دینی چاہیے اور پھر وقت شروع ہونے کے بعد اس کی قضا پڑھنی چاہیے اور اگر کوئی آدمی نماز کوڑ سے نہیں بلکہ اسی وقت پوری کرے تو اس سے جہز و جدہ ہو جاتا ہے مگر نماز توڑ دینی جائز ہے۔

حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ خلاف ہیں کہ اگر ایک ایسا وقت میں قضا نماز پڑھ لے جو نماز کے پورے وقت سے پہلے ہو جائے تو اسے نماز کے پورے وقت میں بھی جائز ہے اگر اتفاق سے مسجد میں داخل ہو جائے اور اگر کوئی آدمی قضا آچہ اس مسجد کی نماز پڑھنے کی خاطر مسجد میں اس اوقات میں آئے ہر قضا نماز میں پانچ اس وقت سے کہ اس وقت میں پڑھے تو اس صورت میں پانچ نہیں کیونکہ ان اوقات میں قصہ پڑھنا حدیث کے بموجب منع ہے اسی طرح ان کے نزدیک ان اوقات میں سب سے صحیح اور اہم احوال کی روایت نماز نیز جہز و جدہ ۱۳ اوقات جس کی آیت انہیں اوقات میں پڑھنی چاہیے ہے۔

ان اوقات میں نہ پڑھنے کی روایت صحیح ہے۔ یہ وقت اور یہ جہز و جدہ احادیث امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان علماء کے نزدیک جو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں صحیح ہے۔ اور ان اوقات میں نماز پڑھنا نیز ان اوقات میں نہ پڑھنے میں بھی ہے۔

اقی بات سمجھ لیجئے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان مسئلے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (یعنی امتیاز نہ دینی پائی) ہے کیونکہ جب کسی چیز کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلاف ہو تو امت سے پہلو ہر تینوں ہی جاتی ہے۔

پھر یہ صریح ہے کہ ان اوقات میں نماز کی ممانعت کا بیان:

(وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْتَهَى عَنْ تَطْلُعِ الشَّمْسِ وَيَتِمُّ الْفَضْلُ حَتَّى تَغْرُبَ) لِمَا رَوَى اللَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُلِكَ نَهَى عَنْ ذَلِكَ .

(وَلَا يَأْتِيَنَّ إِلَى مَلَكَيْنِ فَرَقَيْنِ فَتَوَكَّبَا عَلَى الْجَنَازَةِ) لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ كَقَوْلِهِ لِمَنْ رَمَى بِسَوْءٍ فَوَلَّى كَلِمَتُهُمْ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ فِي الْوَلَّى لَمْ تَنْهَ فِي عَنِ الْقَرَارِ . وَلَيْسَ وَجِبَ يَقْبُضُ كَسَلَةِ الْفَلَاةِ . وَطَهَرَتْ فِي عَنِ الْمَلَكَيْنِ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ وَخَوَّاهُ بِسَبِّ بْنِ جَهْمٍ . وَفِي عَنِ رَحْمَتِي الطَّوَابِ . وَفِي الْإِلَى خَرَعَ فِيهِ ثُمَّ أَتَتْهُ لِأَنَّ الْوُجُوبَ لِقَبْرِهِ وَهُوَ حَتَمَ الطَّوَابِ وَجِبَانَهُ لِمَنْ رَوَى عَنْ الْبُخَارِيِّ .

(وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْتَهَى عَنْ تَطْلُعِ الشَّمْسِ بِأَكْثَرِ مِنْ رَحْمَتِي الْقَبْرِ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَرِدْ



عَلَيْهِمَا مَعَ حَرْصِهِ عَلَى الصَّلَاةِ -

ترجمہ:

فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ اور ان دونوں اوقات میں قضاء نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور عیدہ تلاوت کرے اور نماز جنازہ پڑھے۔ اس لئے کہ کراہت تو فرض کے حق کی وجہ سے تھی کہ سارا وقت ہی فرض میں مصروف ہو۔ جبکہ ایسے معنی کیلئے ہرگز نہیں جو وقت فرائض کے حق میں پایا جائے۔ لہذا یہ کراہت فرائض کے حق میں ظاہر نہ ہوئی۔ اور جو چیزیں بالذات واجب ہیں جس طرح عیدہ تلاوت ہے ان کے حق میں کراہت ظاہر ہوگی۔ اور اسی طرح نذر رکھنے کی نماز ہے کیونکہ اس کا وجوب بھی نذر رکھنے والے سے متعلق ہے۔ کیونکہ اس کا سبب وہی ہے۔ اسی طرح طواف اور ایسی نماز کے حق میں کراہت ثابت ہوگی جس کو شروع کر کے اس نے فاسد کر دیا ہو۔ کیونکہ یہ وجوب لغیرہ ہے اور دوسرا ختم طواف ہے جو مودعی کو باطل کرنے بچانے والا ہے۔

طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعات کے سوا انکو نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ ان دو رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے حالانکہ آپ ﷺ کو نماز کا بہت شوق تھا۔

جن وقتوں میں نماز جائز نہیں اور جن میں مکروہ ہے :

نماز کے اوقات مکروہ دوم قسم کے ہیں۔ قسم اول۔ یہ تین وقت ہیں۔

۱. سورج ٹپکتے وقت، یعنی سورج کا کنارہ ظاہر ہونے سے سورج کے انداز ایک نیزہ بلند ہو جانے تک (اندازاً بیس منٹ)

۲. استواء یعنی ٹھیک دوپہر کا وقت اور وہ نصف النہار شرعی سے زوال تک ہے، طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہر روز ہوتا وقت ہو اس کے پہلے نصف اول کے قسم پر نصف النہار شرعی شروع ہوتا ہے اس کو صفحہ کبریٰ بھی کہتے ہیں

۳. سورج غروب ہوتے وقت یعنی جب دھوپ کمزور اور چلی پڑ جائے اور سورج پر نظر ٹھہرنے لگے اس وقت سے آفتاب غروب ہونے تک کا وقت (اندازاً بیس منٹ)۔ ان تین وقتوں میں کوئی نماز خواہ ادا ہو یا قضا جائز نہیں اور شروع کرنے سے شروع نہیں ہوتی اور اگر پہلے سے شروع کی ہوئی نماز کے ختم ہونے سے پہلے ان تین وقتوں میں سے کوئی وقت داخل ہو جائے تو وہ نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن عیدہ تلاوت اور پانچ نمازیں شروع ہو جاتی ہیں۔

(۴) اس جنازہ کی نماز جو ان تین وقتوں میں سے کسی وقت میں تیار ہو یا کراہت جائز بلکہ افضل ہے اور تاخیر مکروہ ہے۔

(۵) جو عیدہ والی آیت ان تین وقتوں میں سے کسی وقت میں تلاوت کی گئی ہو اس کا عیدہ اس وقت جائز ہے مگر مکروہ تخریبی ہے

اور کراہت کا وقت نفل جانے تک تاخیر کرنا بہتر و افضل ہے۔

(۶) اسی دن کی عصر کی نماز اگر چہ اتنی تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر اتنا وقت تک ہو گیا ہو اور کسی نے اپنی تکبیر نہیں پڑھی تو وہ اس وقت ضرور پڑھ لے اور اگر وقتی عصر کی نماز سورج غروب ہونے سے پہلے شروع کر دی تو اس کا تو زنا جائز نہیں خواہ سورج غروب ہو رہا ہو اور یہ - فرض ادا ہو جائیں گے۔

(۷) نفل نماز خواہ سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ کہ بہت تحریمہ کے ساتھ شروع ہو جائے گی اور اس کو تو ذکر کامل وقت میں ادا کرنا واجب ہے۔

(۸) نماز نذر مقید یعنی وہ نماز جسکی انہی تین وقتوں میں سے کسی وقت میں ادا کرنے کی نظر کی گئی ہو۔

(۹) وہ سنت و نفل نماز جو ان تین وقتوں میں سے کسی وقت میں شروع کر کے فاسد کر دی گئے ہو - یہ دونوں یعنی نماز نذر مقید اور مندرجہ بالا بھی ان وقتوں میں کراہت تحریمی کے ساتھ شروع ہو جائیں گی اور ان کو تو ذکر کامل وقت میں ادا کرنا واجب ہے کہ ان تین وقتوں میں ہر قسم کی نماز و سجدہ ادا کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے سوائے اس دن کی عصر اور اس جنازہ کی نماز کے جو اسی وقت لایا گیا ہو۔

معمومات کی دوسری قسم کا بیان:

یہ وہ اوقات ہیں جن میں صرف نوافل کا قصد اپڑھنا اور نماز واجب لغیرہ کا ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے جس سوائے سنت فجر کے ہر قسم کی سنتیں اور نفل اگرچہ تحسینۃ المسجد اور تحسینۃ الوضوئی ہوں اور نماز نذر مقید ہو یا مطلق، ہر دو گنا نطف اور سجدہ ہو جو ان نمازوں میں پیش آئے جن کا ادا کرنا ان وقتوں میں مکروہ ہے جس نفل نماز یا واجب لغیرہ کو مستحب یا مکروہ وقت میں شروع کر کے پھر توڑ دیا ہو اگرچہ وہ صبح کی سنتیں ہوں ان سب کا ان وقتوں میں ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور ان کو توڑ دینا اور دوسرے غیر مکروہ وقت میں ادا کرنا واجب ہے اور ان کے علاوہ باقی سب نمازیں یعنی بیچ وقتہ فرض نمازیں، نماز واجب لعیدہ یعنی نماز وتر، نماز جنازہ، سجدہ تلاوت اور اذقضا بلا کراہت جائز ہیں وہ اوقات یہ ہیں۔

(۱) طلوع فجر یعنی صبح صادق سے نماز فجر ادا کرنے سے پہلے کا وقت اس میں صبح کی دو رکعت سنت مؤکدہ کے سوا ہر قسم کی نفل نماز اور واجب لغیرہ قصد ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) فجر کے فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے لفظ بھر پہلے تک کا وقت۔

(۳) عصر کی فرض نماز کے بعد سورج کے بتغیر ہونے سے لفظ بھر پہلے تک کا وقت۔

(۴) سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی فرض نماز شروع ہونے سے پہلے کا وقت، تاکہ مغرب کی نماز میں تاخیر نہ ہو جائے، جو تری تاخیر یعنی دو رکعت سے کم قاصد مکروہ نہیں اور دو رکعت کی مقدار یا اس سے زیادہ لیکن ستاروں کے غمتے سے پہلے تک تاخیر مکروہ تری نہیں ہے اور اس کے بعد ستاروں کے غمتے (بکثرت نمودار ہونے) تک تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۵) جب جمعہ کے روز امام خطبہ کے لئے حجرہ سے نکلے یا جہاں حجرہ نہ ہو اپنی جگہ سے خطبہ کے منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہو اس وقت سے فرض جمعہ ختم ہونے تک یعنی جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو اس وقت سے لیکر عین خطبہ کے وقت خواہ پہلا خطبہ ہو یا دوسرا یا ان کا درمیانی وقفہ ہو، اور فرض نماز جمعہ شروع ہونے سے ختم ہونے تک کا وقت اس وقت جمعہ کی سنتیں پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہی البتہ اگر سنتیں امام کے کھڑے ہونے سے پہلے شروع کر دی تھیں تو ان چار رکعتوں کو پورا کرے یہی صحیح ہے۔ جمعہ کے علاوہ ہر خطبے کا بھی یہی حکم ہے۔

(۶) جب فرض نمازوں کی تکبیر و اقامت ہو جائے لیکن صبح کی دو رکعت سنتوں کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر جماعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو اگرچہ قعدہ ہی میں شریک ہو جائے تو سنت فجر پڑھنا جائز ہے۔ لیکن جماعت کی صف سے دور پڑھے اور اگر جماعت میں شامل ہونا ممکن نہ ہو تو ان سنتوں کو ترک کر کے جماعت میں شامل ہو جائے۔

(۷) جب کسی نماز کا وقت تنگ ہو جائے تو اس وقت کے فرض کے سوا اور سب نمازیں مکروہ تحریمی ہیں وقت کی تنگی سے مراد مستحب وقت کی تنگی ہے۔

(۸) عیدین کی نماز سے پہلے گھر و مسجد و عید گاہ میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اور عیدین کی نماز کی بعد مسجد و عید گاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے گھر میں پڑھنا مکروہ نہیں یہی اجماع ہے۔

(۹) عرفات میں جب شرائط کے ساتھ ظہر اور عصر دو نمازوں کو جمع کرے تو ان کے فرضوں کے درمیان میں نفل و سنت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور بعد میں بھی مکروہ ہے اس لئے کہ عصر کی نماز کے بعد نفل مکروہ ہیں، اسی طرح جب مزدلفہ میں نماز مغرب و عشاء کو جمع کرے تو ان کے درمیان میں بھی نماز نفل و سنت مکروہ تحریمی ہے لیکن یہاں بعد میں مکروہ نہیں اس لئے مزدلفہ میں مغرب و عشاء کی سنتیں دو تر عشاء کے فرضوں کے بعد پڑھے۔

(۱۰) پیشاب یا پاخانہ یا دونوں کی حاجت کے وقت یا رگ کے غلبہ کو روک کر کوئی نماز پڑھنا خواہ فرض ہو یا نفل مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح جب کھانا حاضر ہو اور نفس اس کی طرف راغب ہو، اس وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح اگر کوئی اور سب پایا جائے جس کی وجہ سے نماز کے افعال کی طرف سے دل ہٹے اور شوش میں غفل پڑے اور وہ اسے کو دفع کر سکا ہو تو اس کو وہ رکے بغیر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر وقت جاتا ہو تو نماز پڑھ لے اور پھر دوسرے وقت میں لوٹا لے۔

(۱۱) دو وقت ایسے ہیں جن میں صرف وقتی نماز کا ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اول مغرب کی فرض نماز میں بلا عذر رستارے گھٹنے) خوب نمودار ہونے) تک تاخیر کرنا، دوم عشاء کی فرض نماز بلا عذر آدھی رات کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

فرائض مغرب سے پہلے داخل پڑھنے کی ممانعت کا بیان:

(وَلَا يَسْتَفْتَلُ بَعْدَ الْغُرُوبِ قَبْلَ الْقَرَضِ) لِمَا فِيهِ مِنْ تَأْيِيدِ الْمُتَغَوِّبِ (وَلَا إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ لِلْعُطْيَةِ يَوْمَ

الْجُمُعَةِ إِلَى أَنْ يَفْرُغَ) مِنْ خُطْبَتِهِ لِمَا لِيَهُ مِنَ الْأَشْفَاقِ عَنْ اسْتِمَاعِ الْخُطْبَةِ.

ترجمہ:

اور غروب آفتاب کے بعد فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ اس طرح مغرب میں تاخیر لازم آتی ہے اور جمعہ کے دن امام خطبہ کیلئے نفل تکبیر بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے حتیٰ کہ وہ خطبہ سے فارغ ہو جائے اس دلیل کی بنیاد پر کہ خطبہ توجہ سے سننے کی بجائے دوسرے کام میں مشغول ہونا لازم آتا ہے۔ (جو جمع ہے)۔

گیارہ وقتوں میں نوافل پڑھنا منع ہے:

طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک سوا دو رکعت سنت فجر کے کوئی نفل نماز جائز نہیں۔ جب اپنے مذہب کی جماعت کے لیے اقامت ہے۔ نماز عصر کے بعد۔ غروب آفتاب سے فرض مغرب تک۔ جب امام اپنی جگہ سے خطبہ جمعہ کے لیے کھڑا ہو۔ عین خطبہ کے وقت۔ نماز عید سے پہلے۔ نماز عید کے بعد جبکہ عید گاہ یا مسجد میں پڑھے۔ گھر میں پڑھنا مکروہ نہیں۔۔۔ عرقات میں ظہر و عصر کے درمیان۔ جبکہ فرض کا وقت تنگ ہو تو ہر نماز، یہاں تک کہ سنت فجر و ظہر بھی مکروہ ہے۔ جس بات سے دل بے اور دفع کر سکا ہو اسے دفع کئے بغیر ہر نماز مکروہ ہے۔ مثلاً زور کا پیشاب و پاخانہ آتے وقت۔ غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ:

حضرت مختار ابن قفل فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک دن) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے بارے پر چھا تو انہوں نے فرمایا کہ (اس معاملے میں) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کا قول اتنا سخت رویہ تھا کہ وہ) عصر کے بعد نفل نماز کی نیت باندھنے والے کے ہاتھ پر مار تے تھے (یعنی انتہائی سختی اور شدت سے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے) اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں آفتاب غروب ہونے کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں (نفل نماز کی) پڑھا کرتے تھے۔ (یہ سن کر) میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑتے دیکھتے تھے لیکن ہمیں اس کے پڑھنے کا نہ تو حکم ہی دیتے تھے اور نہ ہمیں اس کے پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول نہ تو ہمیں حکم ہی دیتے تھے اور نہ منع فرماتے تھے، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت کی۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھنے کو درست سمجھتے تھے کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ضرور منع فرماتے، لیکن خلفائے راشدین کے بارہ میں ثابت ہے کہ وہ حضرات اس وقت نماز پڑھنے کو درست نہیں سمجھتے تھے لہذا اس سلسلے میں خلفائے راشدین کی اقتداء کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے مغرب کی نماز کی تاخیر لازم آتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے (اس وقت یہ حال تھا کہ) جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو (بعض صحابہ یا تابعین) مسجد کے ستونوں کی طرف دوڑتے اور دو رکعت نماز پڑھنے لگتے، یہاں تک کہ کوئی (مسافر) آدی اگر مسجد میں آتا تو اکثر لوگوں کو (تہناتھا) دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ گمان کرتا کہ نماز ہو چکی ہے (اور اب لوگ سنتیں پڑھ رہے ہیں۔) (صحیح مسلم)

علامہ طیبی شافعی فرماتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز کے اثبات کی یہ حدیث ظاہری دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں ملا علی قاری حنفی کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ یہ حدیث اس وجہ سے ان دونوں رکعتوں کے اثبات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ اس طریقہ کے تار ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً طور پر مغرب کی نماز کی ادائیگی میں جلدی فرماتے تھے جب کہ ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے سے نہ صرف یہ کہ مغرب کی ادائیگی میں تاخیر لازم آتی ہے بلکہ بعض علماء کے قول کے مطابق تو نماز کا اپنے وقت سے خروج ہی لازم آ جاتا ہے۔

لہذا اس حدیث کی تاویل یا تویہ کی جائے گی کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہمیشہ کا طریقہ نقل نہیں کر رہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی ایک دن بعض لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہو کہ مغرب کی اذان سننے ہی مسجد آگئے ہوں اور وہاں نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نقل پڑھ لی ہو یا پھر اس کی سب سے بہتر تاویل جیسا کہ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ پہلے یہ نماز پڑھی جاتی تھی مگر پھر بعد میں اسے چھوڑ دیا گیا، لہذا اب اس نماز کا پڑھنا مکروہ ہے۔

نماز مغرب سے قبل نوافل کا حکم منسوخ ہو گیا ہے:

فقہاء احناف کے نزدیک ان نوافل کی منسوخیت کی دلیل ”تعمیل المغرب“ والی حدیث ہے۔ جبکہ فقہاء شافعی کے مذہب کا اگر مطالعہ کیا جائے تو خود امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب کے مطابق بھی ان نوافل کا منسوخ ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک نماز مغرب کا وقت صرف تین رکعات فرائض کی ادائیگی ہے۔ اور اگر دو رکعت نقل پڑھ لیے تو باقی صرف ایک رکعت نماز کا وقت باقی رہ جائے گا۔ جس میں تین رکعتوں کو ادا نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا افتہ شافعی کے مطابق بھی نماز مغرب سے قبل نوافل کو منسوخ سمجھا جائے گا۔

مغرب سے قبل کی دو رکعتوں کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں دو قول منقول ہیں۔

(۱) احتیاب، امام شافعی کا یہ قول امام نووی نے شرح المہذب میں نقل کیا ہے۔ (۲) جواز، امام شافعی کا یہ قول شرح مسلم میں منقول ہے۔

امام احمد بن حنبل سے بھی اس مسئلہ میں دو قول منقول ہیں، (۱) احتیاب، یہ قول امام ترمذی رحمہ اللہ نے جامع الترمذی میں

قل کیا ہے۔ (۲) جواز امام احمد بن حنبل کا یہ قول علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں نقل کیا ہے۔

بالکلیہ وہ حد میں خفیہ کے نزدیک مغرب سے پہلے کی دو رکعتیں مکروہ ہیں، جبکہ متاخرین خفیہ کے نزدیک مغرب سے پہلے دو رکعت لوافل کا ترک افضل ہے۔  
فتاویٰ شوافع و حاشیہ کی دلیل کا بیان:

حدثنا هناد بن كعب عن كهيم بن الحسين عن عبد الله بن بريدة عن عبد الله بن مفضل عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال بين كل اذانين ركعتين ما خلا صلوة المغرب.

(جامع ترمذی، ج ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی الصلوٰۃ قبل المغرب)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر دو اذانوں (یعنی ہر اذان و اقامت) کے درمیان نماز ہے، ہر اس شخص کیلئے جو پڑھنا چاہے۔  
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان عند كل اذانين ركعتين ما خلا صلوة المغرب

(سنن دار فطنی، ج ۱، کتب الصلوٰۃ، باب البحث علی الركوع بین الاذانین فی کل صلوة و الركعتین قبل المغرب و الاختلاف فیہ، سنن بیہقی، ج ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب من جعل قبل صلوة المغرب ركعتين، مسند الزکری)

(ترجمہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر دو اذانوں (یعنی ایک اذان اور ایک اقامت) کے درمیان نماز ہے سوائے مغرب کی نماز کی۔

یہ حدیث احناف کی دلیل بھی ہے اور اختلاف کرنے والوں کا جواب بھی۔

(اعتراض اول) اس پر بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ماعلا صلوة المغرب (سوائے مغرب کی نماز کی) یہ استدلال ضعیف ہے، حتیٰ کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے تو اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے،

(لیکن یہ رد ہے کہ علامہ ابن الجوزی اس حدیث پر موضوع (من گھڑت) ہونے کا حکم نہیں لگایا، صرف اس حدیث کو صحیح نہیں کہا، چنانچہ تحریر ہے کہ سکتا ہے بحکم علیہ بالوضع و انما قال هذا حديث لا يصح (موضوعات ابن ابی شیبہ)

محقق نہ کہنے کی اور اعتراض کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس روایت کی سند کا مدار حیان پر ہے، جنہیں فلاس نے کذاب قرار دیا ہے۔

(جواب) ممکن بات تو یہ کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا جرح کے معاملہ میں تشدد معروف ہے، اور دوسرے اس روایت کی کھلم

تحقیق علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اللہ کی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعة میں کی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت حیان نام کے دو راوی ہیں (حیان بن عبداللہ الداری) (حیان بن عبید اللہ البصری) اور حیان بن عبداللہ الداری کو بلاشبہ فلاس نے کذاب قرار دیا ہے، لیکن حیان بن عبید اللہ البصری صدوق ہیں اور یہ روایت انہما سے مروی ہے۔

قال فیہ ابو حاتم صدوق و قال اسحق بن راہویہ کان رجلاً صدوق و ذکرہ ابن حبان فی الثقات و قال ابن حزم مجهول فلم یصب۔ (اللائی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة، ص ١٢٢) بقلاً عن المیزان ابو حاتم نے حیان بن عبید اللہ البصری کے بارے میں فرمایا کہ وہ صدوق ہیں، اسحق بن راہویہ نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ بچے آدمی ہیں، اور ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو ثقہ روایت میں ذکر کیا ہے، اور ابن حزم ظاہری نے مجهول کہا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔

(اعتراض ثانی) امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس بات پر اعتراض کیا ہے، جسے علامہ سیوطی نے بھی نقل کیا ہے کہ راوہ حیان بن عبید اللہ عن عبد اللہ بن بریدۃ و اخطأ فی اسنادہ و اتی بزیادۃ لم یتابع علیہا (بیہقی ترجمہ) حیان بن عبید اللہ نے عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کیا، اور اپنی سند میں غلطی کی، اور ایسے اضافہ کو لائے، جس کا کوئی متابع بھی نہیں۔ پھر امام بیہقی نے امام ابن خزیمہ کا بھی قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں۔

بان هذه الرواية خطأ ان ابن المبارك قال فی حدیثہ عن کھمس فکان ابن بریدۃ یصلی قبل المغرب رکعتین فلو کان ابن بریدۃ قد سمع من ابيه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم هذا الاستثناء الذی زاد حیان بن عبید اللہ فی الخبر مما عدلاً صلوة المغرب لم یکن یخالف خبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم (سنن کبریٰ بیہقی، ج ١، ص ١٢٢، باب من جعل قبل صلوة المغرب رکعتین)

یہ روایت غلط ہے، عبد اللہ بن مبارک رحمہ نے اپنی حدیث (کی سند) میں عن کھمس فرمایا، پس ابن بریدہ تو مغرب سے قبل دو رکعت پڑھتے تھے، چنانچہ اگر ابن بریدہ نے اپنے والد سے سنا ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ استثناء مروی ہے، جو حیان بن عبید اللہ نے اپنی روایت میں زیادہ کیا ہے کہ سوائے مغرب کی نماز کے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے مخالف عمل نہیں کرتے۔

(جواب اعتراض ثانی) اس کا جواب علامہ علاء الدین رحمہ نے دیا ہے، جو درج ذیل ہے،

وقال علاء الدین المہار دینسی فی الجوہر النقی قلت اخرج البزار هذا الحديث (ای حدیث حیان بن

عبداللہ (المصری) ثم قال حیان رجل من اهل البصرة مشهور ليس به بأس وقال فيه ابو حاتم صدوق و ذكره اس حسان في الثقات من اتباع التابعين و اخرج له الحاكم في ابواب الزنا حديثا و صحح اساده فهداه زياده من ثقة فيحمل على ان لابن بريده فيه سندين سمعه من ابن

مغل تلك الزيادة و سمعه من ابيه بالزيادة (في ذیل سنن کبریٰ بھیقی ج، ص، )

علامہ علاء الدین الساروینی نے الجوهرائی میں فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ بڑا ہے اس حدیث کی تخریج کی ہے (یعنی حیان بن عبد اللہ البصری والی حدیث کی)، پھر فرمایا کہ حیان بصرہ کا مشہور آدمی ہے، اس سے حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں، ابو حاتم نے حیان بن عبد اللہ البصری کے بارے میں فرمایا کہ وہ صدوق ہیں، ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو تابعین کی اتباع کرتے ہوئے ثقہ روایات میں ذکر کیا ہے، اور امام حاکم نے بھی ابواب زنا میں ان کی ایک حدیث درج کی ہے، اور اسکی سند کو صحیح قرار دیا ہے، لہذا یہ اضافہ ایک ثقہ روای کی طرف سے ہے، چنانچہ اس بات کو اس پر محمول کیا جائے گا، کہ ابن بریدہ کی اس روایت کی دو سندیں ہیں، ایک یہ کہ انہوں نے ابن مغل سے اس اضافہ کیساتھ اس حدیث کو سنا، اور ایک یہ کہ انہوں نے اپنے والد سے اس حدیث کو بغیر اضافہ اور استثناء کے سنا۔ (جواب ثانی للشفوع والحنابلہ)

بعض علماء نے فرمایا کہ بین کل اذانین صلوٰۃ بہ حکم تغلیبہ، لاکثر حکم الكل کے طور پر، یعنی باقی سب فرض نمازوں سے قبل سنتیں ہیں، تو اکثر نمازوں کا جو حکم ہے، اس حکم کو سب کا حکم شمار کر کے کہہ دیا گیا ہے، حاصل یہ ہے کہ بین کل اذانین صلوٰۃ یہ اکثر نمازوں کا حکم ہے، (تمام کا نہیں ہے) جسے تمام نمازوں کے حکم کے طور پر بیان کیا گیا ہے،

جیسا کہ بین کل اذانین صلوٰۃ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے (یہاں دو اذانوں سے مراد ایک تو اذان ہے اور دوسری اقامت ہے، لیکن تغلیباً اذانین فرمایا گیا، جیسا کہ کہا جاتا ہے شمسین، قرین وغیرہ، گویا اس حدیث میں دو تغلیبیں ہیں، ایک من حیث اللفظ والتعہیر اور دوسری من حیث الکلم۔

عن طائس قال سئل ابن عمر عن الركعتين قبل المغرب فقال ما رأيت احداً على عهد رسول الله صلى عليه وسلم يصلها۔

(ابو داؤد ج، ص، باب الصلوٰۃ قبل المغرب، سنن کبریٰ بھیقی ج، ص، ، باب من جعل قبل صلوٰۃ المغرب رکعتین)

طاؤس سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مغرب سے پہلی کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو ان دو رکعتوں کو پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔



جن علماء نے رکعتین قبل المغرب کو مستثنیٰ کیا ہے، وہ اس روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ یہ عیدِ رؤیتِ عدمِ وجود کو مستلزم نہیں، یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مغرب سے قبل کسی کو دو رکعت پڑھتے ہوئے نہ دیکھنا، ان دو رکعت کے نہ ہونے کو لازم نہیں، نیز قاعدہ ہے کہ ثبوتِ نافی سے اولیٰ ہوتا ہے (کافی الکوکب)

لیکن شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ اس قاعدہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، چنانچہ جس مقام پر نفی من جنس مایعرف بدلیلہ (یعنی ایسی نفی جو جو دلیل سے جانی جاتی ہو، وہاں وہ نفی اثبات کے مساوی ہوتی ہے، اس لئے کہ اثبات کو نفی پر ترجیح اس لئے ہے کہ ثبوت کے پاس زیادہ علم ہوتا ہے، بخلاف نفی کے، کہ نفی بھی صرف ظاہرِ حال کو دیکھ کر بغیر دلیل کے بھی کر دی جاتی ہے، لیکن جو نفی من جنس مایعرف بدلیلہ کے قبیل سے ہو، وہ صرف ظاہرِ حال کے اعتبار سے نہیں ہوتی، وہاں نفی کرنے والے کے پاس دلیل بھی ہوتی ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات کہ میں نے کسی کو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، گویا وہ اپنا مشاہدہ بیان کر رہے ہیں، لہذا یہ بلا دلیل کے نہیں ہے، تو بتا چکا کہ نفی اثبات کے مساوی والی نفی ہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ کا مقصد اس وضاحت سے صرف قاعدہ اصولیہ پر مشتبہ کرنا ہے۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ قال لم یصل ابو بکر ولا عمر ولا عثمان رضی اللہ عنہم قبل المغرب رکعتین (بہیقی ج، ص، باب من جعل قبل صلوٰۃ المغرب رکعتین)

وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مغرب سے قبل کی دو رکعت نہیں پڑھی۔

سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے مغرب سے قبل کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی فقیہ کو ان دو رکعتوں کو پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے سعد بن مالک کے،

ابوسعید اجد ری کا فرمان ہے کہ میں نے کوئی ایسا صحابی نہیں پایا جو ان دو رکعتوں کو پڑھتے ہوئے سعد بن مالک کے،

ام احمد سے مروی ہے کہ جب میں نے لوگوں کا اس پر عمل نہیں پایا تو میں نے اسے ترک کر دیا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان روایات سے سنیّت کی نفی تو ثابت ہوتی ہے، لیکن عدمِ جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان روایات میں پڑھنے کی نفی ہے، نفی نہیں، جبکہ جواز پر شافعیہ کے پاس مضبوط دلائل ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں،

عبد اللہ المرینی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: صلوا قبل صلوٰۃ المغرب قال فی الثانیۃ: لیس شاء کرامیہ ان ینخذھا الناس سہ - (صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب الصلوٰۃ قبل المغرب، ابو داؤد، باب الصلوٰۃ قبل المغرب)

عبد اللہ بن مغفل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب سے پہلے دو رکعت

پڑھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار یوں فرمایا کہ جو چاہے وہ پڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے، پسند فرمایا کہ لوگ اسے سنت سمجھ لیں۔

اس روایت میں صلاۃ قبل المغرب کا اسرار وار ہے، لیکن ساتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ لمن شاء کہ جس کا جی چاہے پڑھے، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب و فضیلت کا ذکر اور ترغیبی، کوئی پہلو اختیار نہیں فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رکعت پڑھنے کی تو رخصت ہے، البتہ یہ مندوب اور مرغوب فی نہیں ہیں۔

عن انس بن مالك قال: المأذون اذا اذن قدام ناس من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يبتدرون السواري حتى يخرج النبي صلى الله عليه وسلم وهم كذلك يصلون ركعتين قبل المغرب ولم يكن بين الاذان والاقامة شيء - (صحيح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۰، باب کم بین الاذان والاقامة)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) جب مؤذن اذان دیتا تو صحابہ میں سے کچھ لوگ ستونوں کی طرف پلٹتے تھے (تاکہ نماز کڑی ہوئے سے قبل دو رکعت پڑھ لیں) یہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (حجرہ مبارک) سے نکل آتے، اور وہ اسی طرح نماز پڑھتے رہتے، مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے رہتے، اور اذان اور تکبیر میں کچھ زیادہ فاصلہ نہ ہوتا۔

اس حدیث کے سیاق سے پتا چلتا ہے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا نہیں کرتے تھے، جیسا کہ لفظ ناس (کچھ لوگ) سے مترشح ہوتا ہے۔

عن انس بن مالك قال صليت الركعتين قبل المغرب على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم قال قلت لانس اراكم رسول الله صلى الله عليه وسلم قال نعم زانا فلم يامرنا ولم ينهنا۔

(ابو داؤد، ج ۱، ص ۱۰۰، باب الصلوة قبل المغرب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مغرب (کے فرائض) سے پہلے دو رکعت پڑھی ہیں، اس پر شاگردوں نے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ دو رکعت پڑھنے دیکھا ہے؟ حضرت انس نے فرمایا کہ ہاں دیکھا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ہمیں اس کا حکم فرمایا اور نہ ہی اس سے روکا۔

## باب الاذان

### ﴿یہ باب اذان کے بیان میں ہے﴾

باب الاذان کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔ مصنف جب باب الاوقات سے فارغ ہوئے تو اس باب کا ذکر شروع کیا ہے کیونکہ وہ اوقات اسباب میں سے ہے۔ اور اذان حقیقت میں اعلام سے ہے۔ لہذا اس کا ذکر اس کے ساتھ متصل ہوگا کیونکہ یہ اسی کی عداوت یعنی وقت کے شروع ہونے اور نماز کی اطلاع ہے۔ اور باب الاوقات کو مقدم اس لئے کیا ہے کہ وہ سبب ہے اور سبب ہمیشہ اپنی علامت پر مقدم ہوا کرتا ہے۔ (الہدایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۷۷، حنفانیہ ملتان) اذان کے مفہیم:

لفظ میں اذان کا معنی خبر دینا ہیں اور اصطلاح شریعت میں چند مخصوص الفاظ کے ساتھ اوقات مخصوصہ میں نماز کے وقت آنے کی خبر دینے کو اذان کہتے ہیں۔ اس تعریف سے وہ اذان خارج ہے جو نماز کے علاوہ دیگر امور کے لیے ہے مسنون کی گئی ہے جیسا کہ پہلے کی پیدائش کے بعد اس کے دائیں کان میں اذان کے کلمات اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہے جاتے ہیں اور اسی طرح اس آدمی کے کان میں اذان کہنا مستحب ہے جو کسی رنج میں مبتلا ہو یا اسے مرگی وغیرہ کا مرض ہو یا وہ غصے کی حالت میں ہو، یا جس کی عادتیں خراب ہو گئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور۔

چنانچہ حضرت دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ راوی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ایک دن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے غمگین دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن ابی طالب: میں تمہیں غمگین دیکھ رہا ہوں لہذا تم اپنے اہل بیت میں سے کسی کو حکم دو کہ وہ تمہارے کان میں اذان کہے جس سے تمہارا غم ختم ہو جائے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد کے مطابق عمل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صحیح ثابت ہوئی نیز اس روایت کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک نقل کرنے والے ہر راوی نے کہا ہے کہ ہم نے اس طریقے کو آزمایا تو مجرب ثابت ہوا۔ ایسے ہی حضرت دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی عادتیں خراب ہو گئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور تو اس کے کان میں اذان کہو۔

یاد رہے کہ فرائض نماز کے لیے اذان کہنا سنتِ موکدہ ہے تاکہ لوگ نماز کے وقت مسجد میں جمع ہو سکیں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں۔ اذان کی مشروعیت کے سلسلے میں مشہور اور صحیح یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت کی ابتداء عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خواب ہے جس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آئے گی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اذان کا خواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دیکھا تھا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دس صحابہ کرام کو خواب میں اذان کے کلمات کی تعلیم دی گئی تھی بلکہ کچھ حضرات نے نہ کہا ہے کہ خواب دیکھنے والے چودہ صحابہ کرام ہیں۔

بعض علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے نتیجے میں ہوئی ہے جس کی طرف شب معراج میں ایک فرشتے نے رہنمائی کی تھی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں جب عرش پر پہنچے اور سدرۃ المنتہی تک جو کبریائی حق جل جہدہ کا مکمل خاص ہے پہنچے تو وہاں سے ایک فرشتہ نکلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ فرشتہ کون ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اس اللہ کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے تمام مخلوق سے زیادہ قریب ترین درگاہ عزت سے میں ہوں لیکن میں نے پیدائش سے لے کر آج تک اس وقت کے علاوہ اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا ہے چنانچہ اس فرشتے نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر یعنی اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی کہ میرے بندہ نے حج کہا نا اکبر اکبر اکبر (یعنی میں بہت بڑا ہوں میں بہت بڑا ہوں) اس کے بعد اس فرشتے نے اذان کے باقی کلمات ذکر کئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان کے کلمات صحابہ کرام کے خواب سے بھی بہت پہلے شب معراج میں سن چکے تھے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں محقق فیصلہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے کلمات شب معراج میں سن تو لیے تھے لیکن ان کلمات کو نماز کے لیے اذان میں ادا کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اذان کے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ تشریف لائے اور یہاں صحابہ کرام سے مشورہ کیا چنانچہ بعض صحابہ کرام نے خواب میں ان کلمات کو سنا اس کے بعد وحی بھی آگئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے گئے تھے اب وہ زمین پر اذان کے لیے مسنون کر دیے جائیں۔ (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح)

اذان کے اسرار و رموز:

جب اذان میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے تو یہ بیٹا دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت آگ پانی ہوا اور مٹی کو یا ہر چیز کی طاقت سے زیادہ ہے پس اس پروردگار کی طرف آج وہ جنہیں اسکے گھر میں بلایا جا رہا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی کہ چاروں اطراف میں پیغام پہنچانے کیلئے چار مرتبہ اللہ اکبر کہا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب اذان کی اللہ اکبر سنتے تو اتنا روتے کہ چادر بھگ جاتی۔ کسی نے پوچھا تو بتایا کہ میں اللہ اکبر کے الفاظ سنتا ہوں تو عظمت الہی اور جہت الہی کی ایسی کیفیت دل پر طاری ہوتی ہے کہ گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ اذان میں جی علی اصلوٰۃ اور جی علی الفلاح کے الفاظ سے یہ بتایا گیا کہ نماز میں فلاح ہے۔ یہی پیغام قرآن مجید میں دیا گیا کہ فذ

اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوةٍ خٰشِعُونَ (المؤمنون :-) (کامیاب ہو گئے ایمان والے، جو اپنی نماز میں جھکنے والے تھے) پس اذان اور نماز کے بیٹام میں مطابقت موجود ہے۔

مؤذن اللہ اکبر کے الفاظ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت کی گواہی دے رہا ہوتا ہے لہذا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مؤذن کو عزت و شرافت سے نوازے گا۔ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن مؤذن کا چہرہ منور ہوگا اور اس کی گردن دوسروں کی نسبت اونچی ہوگی۔ یہ اعزاز اسے اذان دینے کی وجہ سے ملے گا۔

عمار نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کافر اپنے ارادے سے اذان دے تو اسکے مسلمان ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا۔

ایک متبرہ نبی علیہ السلام نے مردوں اور عورتوں کی مغنوں کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا کہ مؤذن اذان دے تو سننے والے کو چاہئے کہ وہی الفاظ کہے جو مؤذن کہتا ہے البتہ جی علی الصلوٰۃ اور جی علی الفلاح کے جواب میں "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہئے۔ اسی طرح فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہے تو جواب میں یوں کہا جائے صَلَّيْتَ وَ بَرَزْتَ (تو نے صبح کہا اور توبہ بری ہو گئی)۔

جب بچہ پیدا ہو تو اسکے ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت کہی جاتی ہے۔ اس کا مقصد اصلی اس بچے کے کان میں اللہ رب العزت کی عظمت کو پہنچانا ہوتا ہے۔

زبیدہ خاتون ایک نیک ملکہ تھیں۔ اس نے نہر زبیدہ بنوا کر مخلوق خدا کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اپنی وفات کے بعد وہ کسی کو خواب میں نظر آئی۔ اس نے پوچھا کہ زبیدہ خاتون! آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ زبیدہ خاتون نے جواب دیا کہ اللہ رب العزت نے بخشش فرمادی۔ خواب دیکھنے والے نے کہا، آپ نے نہر زبیدہ بنوا کر مخلوق کو فائدہ پہنچایا آپ کی بخشش تو بونی ہی تھی۔ زبیدہ خاتون نے کہا نہیں، نہیں۔ جب نہر زبیدہ والا معاملہ پیش ہوا تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ کام تو تم نے خزانے کے پیسوں سے کروایا۔ اگر خزانہ نہ ہوتا تو نہر بھی نہ بنی۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے میرے لئے کیا عمل کیا۔ زبیدہ نے کہا کہ میں تو تھیرا آگئی کہ اب کیا بنے گا۔ مگر اللہ رب العزت نے مجھ پر مہربانی فرمائی۔ مجھے کہا گیا کہ تمہارا ایک عمل ہمیں پسند آ گیا۔ ایک مرتبہ تو بھوک کی حالت میں دسترخوان پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی کہ راستے میں اللہ اکبر کے الفاظ سے اذان کی آواز سنائی دی۔ تمہارے ہاتھ میں تھمہ تھا اور سر سے دو پیشہ سر کا ہوا تھا۔ تم نے لقمے کو واپس رکھا، پیبل دوپٹے کو ٹھیک کیا، پھر لقمہ کھایا۔ تم نے لقمہ کھانے میں تاخیر میرے نام کے ادب کی وجہ سے کی چلو ہم نے تمہاری مغفرت کر دی۔

حضرت امام احمد بن حنبل کے مکان کے سامنے ایک لوہار ہوتا تھا۔ بال بچوں کی کثرت کی وجہ سے وہ سارا دن کام میں لگا رہتا۔ اسی حادثہ تھی کہ اگر اس نے جھٹوڑا ہوا میں اٹھایا ہوتا کہ لوہا کوٹ سکے اور اسی دوران اذان کی آواز آ جاتی تو وہ جھٹوڑا وجہ پر مارنے کی بجائے اسے زمین پر رکھ دیتا اور کہتا کہ اب میرے پروردگار کی طرف سے بلاوا آ گیا ہے میں پہلے نماز

بڑھوں کا پھر کام کروں گا۔ جب انکی وفات ہوئی تو کسی کو خواب میں نظر آیا۔ اس نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ مجھے امام احمد بن حنبل کے نیچے والا درجہ عطا کیا گیا۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا علم و نسل تو اتنا نہیں تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں اللہ کے نام کا ادب کرتا تھا اور اذان کی آواز سنتے ہی کام روک دیتا تھا تاکہ نماز ادا کروں اس ادب کی وجہ سے اللہ رب العزت نے مجھ پر مہربانی فرمادی۔

امام ابن سیرینؒ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا کہ میں نے دیکھا کہ خواب کی حالت میں اذان دے رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا تجھے عزت نصیب ہوگی۔ کچھ عرصے کے بعد اس شخص کو عزت ملی۔ دوسرے شخص نے خواب دیکھا کہ اذان دے رہا ہوں۔ ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ تجھے ذلت ملے گی وہ شخص کچھ عرصے بعد چوری کے جرم میں گرفتار ہوا اسکے ہاتھ کاٹے گئے۔ ابن سیرینؒ کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ حضرت دونوں نے ایک جیسا خواب دیکھا مگر تعبیر مختلف کیوں ہوئی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب پہلے نے اذان دیتے ہوئے دیکھا تو میں نے اس شخص میں نیکی کے آثار دیکھے تو مجھے قرآن میں یہ آیت سامنے آئی ”وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (الحج)“ اور پکارو دے لوگوں کو حج کے واسطے ”میں نے تعبیر دی کہ اسے عزت ملے گی۔ جب دوسرے نے خواب سنا تو اسکے اندر فسق و فجور کے آثار تھے۔ مجھے قرآن مجید کی یہ آیت سامنے آئی۔ ”ثُمَّ أَذِّنْ مُنْذِرًا لِّلْمُجْرِمِ ۖ يَتْلُمُ ظُفُرَهُ ۚ لَلنَّارِ الْوَاثِقَةُ ۚ وَالَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ زَكَاةً ۖ وَسَيُجَنَّبُونَ يَوْمَئِذٍ ۖ ثُمَّ يُؤْتَوْنَ عَلَيْهَا حَصَرًا ۚ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ“ پھر پکارا پکارنے والے نے، اسے قافلہ والو! تم توابتہ چور ہو! پس میں نے یہ تعبیر لی اس شخص کو ذلت ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ میں بے وقت اذان دے رہا ہوں تو انکی تعبیر یہ ہے کہ اسے ذلت ملے گی۔ اگر عورت خواب میں دیکھے کہ اذان دے رہی ہے تو وہ بیمار ہوگی۔

ایک شخص نے ابن سیرینؒ سے خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میں مردوں کے منہ پر اور عورتوں کی شرمگاہوں پر مہر لگا رہا ہوں۔ انہوں نے فرمایا لگتا ہے کہ تم مؤذن ہو اور ماہ رمضان میں وقت سے پہلے فجر کی اذان دیتے ہو۔ تحقیق کرنے پر تعبیر صحیح نکلی۔ چونکہ اذان کی آواز سن کر لوگ روزے کی نیت کر لیتے تھے لہذا وہ لوگوں کو کھانے پینے اور جماع سے روک تھا حالانکہ انکی اذان کا وقت نہیں ہوتا تھا۔

عمر شریؒ کے مطابق اذان کی شرعی حیثیت:

(الْأَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَاةِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ ذَوْنِ مَا يَوْمَئِذَا) لِلتَّقْلِيلِ الْمُتَوَاتِرِ (وَصِفَةُ الْأَذَانِ مُرَوَّلَةٌ) وَهُوَ كَمَا أَذَّنَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ .

(وَلَا تَرْجِعْ فِيهِ) وَهُوَ أَنْ يَرْجِعَ قِرَافَعُ صَوْتُهُ بِالشَّهَادَتَيْنِ بَعْدَ مَا خَفَضَ بِهِمَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: فِيهِ ذَلِكَ لِحَدِيثِ أَبِي مَعْدُودَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ

بِالتَّوَجُّعِ) وَلَقَدْ أَنَّهُ لَا تَرْجِعُ فِي الْمَشَاهِيرِ وَكَانَ مَا رَوَاهُ تَعْلِيمًا فَلَقْنَهُ تَرْجِعًا.

ترجمہ:

نماز ختم اور جمعہ کیلئے اذان سنت ہے۔ جبکہ ان کے سوا کسی کیلئے نہیں۔ کیونکہ اگر اترے یہی حکم نقل کیا گیا ہے۔ اور اذان ان کا طریقہ وہی معروف طریقہ ہے جس طرح آسمان سے نازل ہونے والے فرشتے نے پڑھی تھی۔

اور اس میں ترجیع نہیں ہے اور ترجیع یہ ہے کہ شہادتین کے ساتھ اپنی آواز پست کرنے کے بعد بلند کرے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اذان میں ترجیع ہے۔ اس حدیث کی بناء پر جو ابو محمد روہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ترجیع کا حکم دیا تھا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے احادیث مشہورہ میں ترجیع بیان نہیں ہوئی۔ اور ابو محمد روہ والی حدیث بطور تعمیم تھی جبکہ ابو محمد روہ نے اس کو ترجیع خیال کر لیا۔

اذان کی ابتداء کس طرح ہوتی تھی:

حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا نرسنگ بجوانے کا اور حکم دیدیا ناقوس کی تیاری کا۔ پس وہ تلاش کیا تو عبداللہ بن زید کو خواب دکھائی دیا کہتے ہیں میں نے دیکھا ایک مرد دوبر کپڑے پہنے ہوئے ناقوس اٹھائے ہوئے ہے میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے! کیا یہ ناقوس بچو گے؟ کہنے لگا تم اس کو کیا کرو گے؟ میں نے کہا میں اس کے ذریعہ نماز کا اعلان کروں گا کہنے لگا میں تمہیں اس سے بھتر چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا اس سے بہتر کیا ہے؟ کہنے لگا تم یوں کہو (اذان مکمل) کہتے ہیں میں (بیدار ہونے پر) نکلا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب سنایا، عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے دو بزر کپڑوں میں ملیوں ایک مرد دیکھا جس نے ناقوس اٹھایا ہوا ہے اور سارا خواب بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھی نے ایک (اچھا) خواب دیکھا تم بلال کے ساتھ مسجد جاؤ اور بلال اذان دے کیونکہ اس کی آواز تم سے بلند ہے۔ کہتے ہیں میں بلال کے ساتھ مسجد گیا، میں ان کو سکھاتا ہوتا اور وہ پکارتے جاتے کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے یہ آواز سنی تو آئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول! بخدا میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا جیسا اس نے دیکھا۔ امام ابن ماجہ کے استاذ ابو سعید کہتے ہیں مجھے ابو بکر صلی نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے اس بارے میں یہ اشعار کہے میں بزرگی اور احسان کرنے والے اللہ کی حمد و تعریف کرتا ہوں اور بہت تعریف اذان سکھانے پر جب خوشخبری دیتے والا فرشتہ اللہ کی جانب سے میرے پاس اذان لایا، میرے نزدیک کیسا عزت والا خوشخبری سنائے والا ہے، تین رات مسلسل میرے پاس آیا اور جب بھی آیا میری عزت اور وقار میں اضافہ کر گیا۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نماز فجر کی اطلاع دینے کے لئے





کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے مجھے مکہ میں اذان پر مامور فرمایا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جی ہاں میں نے تمہیں مامور کیا، اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفرت میرے دل سے نکل گئی اور وہ سب نفرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں بدل گئی میں وہاں سے مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عامل حضرت عتاب بن سید کے پاس گیا اور ان کے ساتھ میں نے نماز کے لئے اذان دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق، عبدالمعز بن عبد الملک بن ابی مخزومہ کہ ایک اور صاحب جو ابوبکر زورہ رضی اللہ عنہ سے ملے تھے نے اسی طرح حدیث بیان کی جس طرح عبد اللہ بن مجیر نے بیان کی: (سنن ابن ماجہ)

فقہ حنفی کے مطابق ترجیح کی جائے:

حضرت عبد اللہ ابن زید بن عبد ربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بتائے جانے کا حکم دیا تو نمازی جماعت میں لوگوں کے حاضر ہونے کے لیے اسے بجایا جائے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے (جاتا) ہے میں نے اس آدمی سے کہا کہ بندہ خدا! کیا تم یہ ناقوس پیو گے؟ اس آدمی نے کہا کہ تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ ہم اسے بجا کر لوگوں کو نماز (کی جماعت) کے لئے بجایا کریں گے۔ اس نے کہا کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ میں نے کہا کہ ہاں ضرور بتاؤ! اس آدمی نے کہا کہ کہو اللہ اکبر تک اس نے اذان بتا کر پھر اسی طرح اقامت بھی بتائی، جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خواب سن کر) فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ خواب سچا ہے، اب تم بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھڑے ہو کر جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتائے جاؤ اور وہ اذان کہیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ چنانچہ میں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھڑا ہو کر انہیں سکھاتا گیا اور وہ اذان دیتے رہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ، حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنے مکان میں اذان کی آواز سنی تو (جلدی کی بنا پر) اپنی چادر کھینچتے ہوئے مکان سے باہر نکلے اور یہ کہتے ہوئے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحمد للہ (یعنی سب شرفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں) یہ حدیث ابوداؤد، دارمی، اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے مگر ابن ماجہ نے تکبیر کا ذکر نہیں کیا اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن انہوں نے ناقوس کے قصے کی تصریح نہیں کی۔

حدیث کے پہلے جزو کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بجانے کا حکم دے دیا تھا۔ بلکہ یہاں حکم کا مطلب یہ ہے کہ جب اس سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے مشورہ کیا اور کوئی مناسب تجویز ذہن میں نہیں آئی تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بجانے کا حکم دینے کا ارادہ فرمایا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ ابن زید کے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب کے ذریعے اس کی نوبت نہ آنے دی۔

یہ حدیث احناف کے مسلک کی موید ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بکیر اور اذان کے کلمات میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح اذان کے کلمات کو سوائے شروع میں اللہ اکبر اور آخر میں لا الہ الا اللہ کے دو دمرتبہ کہا جاتا ہے اسی طرح بکیر کے کلمات کو بھی دو مرتبہ کہا جاتا ہے البتہ بکیر میں صرف قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ ہے جو اذان میں نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی کہ یہ خواب سچا ہے اب اس تصدیق کا تعلق یا تو وحی سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس خواب کے سچا ہونے کی خبر دے دی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے حق کہا یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کیا بناء پر اس خواب کو سچا مانا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انشاء اللہ کبارت اور اظہار طمانیت کے طور پر تھا۔ نہ کہ شک کے لیے۔ اذان کی آواز سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو یہ کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ بات اس وقت کہی ہو جب انہیں معلوم ہو گیا ہو کہ یہ اذان حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب کے نتیجے میں کہی گئی ہے یا پھر انہیں اس خواب کا علم رکھتے تھے کہ یہ اذان حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب کے نتیجے میں کہی گئی ہے یا پھر انہیں اس خواب کا علم رکھتے تھے کہ یہ اذان حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب کے نتیجے میں کہی گئی ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک اذان میں ترجیع یعنی شہادتین کو دو مرتبہ کہنا سنت ہے۔ ترجیع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ پہلے شہادتین کو دو مرتبہ پست آواز سے کہا جاتا ہے پھر دو مرتبہ بلند آواز سے ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے۔

علمائے احناف فرماتے ہیں کہ یہ نکرار حضرت ابو محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم کے لیے تھا نہ کہ تشریع کے لیے۔ یعنی پہلی مرتبہ ابو محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شہادتین کو پست آواز سے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ان کلمات کو پھر ادا کرو اور بلند آواز سے ادا کرو چنانچہ اس سلسلے میں حضرت ابو محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو ایک دوسری روایت منقول ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بھی جو اذان کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے ترجیع نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مودوں کے سردار ہیں، نہ ان کی اذان میں اور نہ ابن ام کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان میں جو مسجد نبوی میں اذان کہتے تھے اور نہ ہی حضرت سعد قرطام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان میں جو مسجد بکاء کے موزن تھے ترجیع منقول ہے۔ پھر یہ کہ اس سلسلے میں حضرت ابی محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس سے

بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ گہرا شہادتین کی تعلیم کے لیے تھا۔

اذان فجر میں ”الصلوة خیر من النوم“ کا اضافہ:

(وَيَزِيدُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ) (لَأنَّ بِلَالًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ حِينَ وَجَدَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ وَاللَّذَاءُ، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: مَا أَحْسَنَ هَذَا يَا بِلَالُ اجْعَلْهُ فِي أَذَانِك) وَخَصَّ الْفَجْرَ بِذَلِكَ وَفَتْ نَوْمَ وَغَفْلَةٍ.

ترجمہ:

اور فجر کی اذان میں ”حی علی الفلاح“ کے بعد ”الصلوة خیر من النوم“ کو دوبار پڑھ کر زیادہ کرے۔ کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کو سزا سخت دیکھا تو ”الصلوة خیر من النوم“ دو مرتبہ کہا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلال! یہ کتنا اچھا ہے اس کو اپنی اذان میں داخل کرو۔ اور اس کو فجر کی اذان کے ساتھ خاص کر دیا گیا کیونکہ غفلت و نیند کا یہی وقت ہوتا ہے۔

شرح:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو فجر میں تھوہیب (الصلوة خیر من النوم کہنے) کرنے کا حکم دیا اور عشاء میں تھوہیب (الصلوة خیر من النوم کہنے) سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ) ۵  
علت غفلت حکم نص کے ساتھ خاص ہے:

اس حدیث میں جو ”الصلوة خیر من النوم“ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حکم کی علت صاحب ہدایہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ وقت لوگوں کیلئے نیند و غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ لہذا اسی وجہ سے شریعت نے ان کیلئے تھوہیب کا حکم دیا ہے۔ جبکہ باقی نمازوں میں فجر کی طرح نیند و غفلت کا وقت نہیں ہوتا لہذا ان میں یہ کلمات ”الصلوة خیر من النوم“ نہیں کہے جائیں گے۔ اگر کسی نے دور حاضر میں کسی قسم کی علت ثابت کرنے کی کوشش کی تو اسے ہرگز اجازت نہ دی جائے گی۔ کیونکہ یہ طریقہ بہ اجماع مسلمین چلا آ رہا ہے۔ اسی کی پابندی ضروری ہوگی۔

کلمات اقامت اذان کے کلمات کی طرح ہیں:

(وَالْبَاقِيَةُ مِنْ الْأَذَانِ إِلَّا أَنَّهُ يَزِيدُ فِيهَا بَعْدَ الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ مَرَّتَيْنِ) هَكَذَا فَقَالَ الْمَلَكُ السَّائِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَهُوَ الْمَشْهُورُ ثُمَّ هُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ إِنَّهَا فُرَادَى فُرَادَى إِلَّا قَوْلَهُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ.

ترجمہ: اقامت اذان کی طرح ہے۔ لیکن اقامت میں ”حی علی الفلاح“ کے بعد ”قد قامت الصلوة“ کو دو

مرتبہ بڑھ کر بڑھایا جائے گا۔ کیونکہ آسمان سے نازل ہونے والے فرشتے نے ایسا ہی کیا تھا۔ اور یہی مشہور ہے اور یہی روایت امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اقامت ”قدم قامت الصلوٰۃ“ کے سواء اکیسا، اکیسا کلمہ ہے۔ کلمات اقامت و اذان میں فقہاء احناف و شوافع کا اختلاف دلائل:

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو درود اور تکبیر کے کلمات ایک ایک دفعہ (کہے جاتے) تھے البتہ (تکبیر میں) قد قامت الصلوٰۃ بے شک نرزی رہے مؤذن دو مرتبہ کہتا تھا۔ (ابوداؤد، سنن نسائی، دارمی)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں اذان کے کلمات دو مرتبہ کہے جاتے تھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے تھے اور آخر میں لا الہ الا اللہ بیٹھ کر کہتے تھے ان دونوں کلمات کے علاوہ باقی کلمات دو مرتبہ کہے جاتے تھے۔

اقامت میں جس طرح قد قامت الصلوٰۃ کا استثناء کیا گیا ہے اسی طرح تکبیر یعنی اللہ اکبر کو بھی مستثنیٰ کرنا منسب تھا کیونکہ تکبیر بھی بلا اختلاف اول و آخر میں کر رہے۔

حضرت ابو محمد زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان کے انہیں کلمات اور تکبیر کے سترہ کلمات سکھائے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، ابوداؤد، سنن نسائی، دارمی، سنن ابن ماجہ)

فدائی کے مطابق اذان کے پندرہ کلمات ہیں مگر اس حدیث میں انہیں ذکر کئے گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں کلمات ترجیع سمیت ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک ہے اور یہ یاد رہے کہ۔ احناف کے نزدیک ترجیع تعلیم پر محمول ہے وہ شروع نہیں ہے۔

تکبیر کے سترہ کلمات بتائے گئے ہیں بایں طور کہ ترجیع کے چار کلمات الگ کر کے اور دو کلمات قد قامت الصلوٰۃ کے بڑھا کر تکبیر کے کلمات سترہ ہوئے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے لہذا یہ حدیث۔ اذان کے بارے میں تو شوافع کے مسلک کی تائید کرتی ہے کہ ان کے ہاں اذان کے کلمات انہیں ہوتے ہیں۔ اور تکبیر کے بارے میں حنفیہ کے مسلک کے موافق ہے کہ ان کے یہاں تکبیر کے کلمات سترہ ہوتے ہیں چنانچہ تکبیر کے کلمات کی تعیین میں احناف کی جانب سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے۔

اس سے پہلے والی حدیث میں جس میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے مطابق تکبیر کے کلمات کی تعداد گیارہ ثابت ہوتی ہے اگر صحیح ہے تو اس حدیث سے منسوخ ہے۔

کلمات اذان میں فقہ جعفریہ کا اختلاف و دلائل کا تجزیہ کتب شیعہ کی روشنی میں:

اذان شعائر اسلام میں ہے ان کے الفاظ وہی درست ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ اذان میں نہ اپنی طرف سے اضافہ جائز ہے اور نہ کسی جو شخص اذان میں بعض کلمات کا اضافہ کرتا ہے۔

اگرچہ ابو محمد رضی اللہ عنہ سے اذان میں ترجیع بھی ثابت ہے یعنی شہادتین کے کلمات کو دوبارہ کہنا۔ پہلی بار آہستہ دوسری بار اس سے اونچی آواز میں۔ مذکورہ بالا صحیح احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اذان کے مذکورہ کلمات ہی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ ان میں نہ اضافہ جائز ہے اور نہ ہی کسی۔ اس اذان میں اشہد ان علیا ولی اللہ وغیرہ کے کلمات نہیں ہیں جو لوگ ان کلمات کا اضافہ کرتے ہیں، وہ احداث فی الدین کے مرتکب ہیں اور بدعتی ہیں۔ فقہ جعفریہ میں بھی ان کلمات کا اذان میں کہنا ثابت نہیں ہے بلکہ فقہ جعفریہ کی رو سے یہ کلمات اذان میں کہنا گناہ ہے اور کہنے والا لعنت کا مستحق ہے۔

فقہ جعفریہ کے اصحاب اربعہ وغیرہ میں مرقوم اذان اور اہل سنت کی اذان میں فرق صرف یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فقہ جعفریہ کی طرف سے ”حی علی خیر العمل“ دو مرتبہ کہنا ہے۔ باقی اذان کے الفاظ وہی ہیں جو اہل سنت کی اذان کے ہیں شیعہ مذہب کی معتبر کتاب ”الفقہ من لا یحضرہ اعلیٰ ص ۱۰۸۱ پر ابن بابویہ قسماً نے اذان کے الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

”یٰ اذان صحیح ہے نہ اس میں زیادتی کی جائے گی اور نہ کمی اور مفوض فرقہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ انہوں نے بہت سی روایات گھڑیں اور اذان میں ”محمد و آل محمد خیر البریہ“ دو مرتبہ کہنے کیلئے بڑھا دیئے اور ان کی بعض روایات میں ”اشہد ان محمداً رسول اللہ کے بعد اشہد ان علیہ ولی اللہ“ دو دفعہ ذکر کیا گیا۔ ان مفوضہ میں سے بعض نے ان الفاظ کی بجائے یہ افلاطون روایت کیے ہیں ”اشہد ان امیر المؤمنین حقاً“ یہ بات یقینی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اللہ کے ولی اور سچے امیر المؤمنین ہیں اور ”محمد و آل محمد خیر البریہ“ میں لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں ہیں۔ میں نے یہ الفاظ اس لئے ذکر کیے ہیں تاکہ ان کی وجہ سے ہو لوگ پہچانے جائیں جو مفوضہ ہونے کی اپنے اور تہمت لئے ہوئے ہیں۔ اس کے ابو جود پناہ اور آپ کے اہل تتبع میں شمار کرتے ہیں۔ ”اتقی ابن بابویہ“ یہ شیعہ محدث کی اس صراحت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ محمد ابن علی ہادی اللہ وغیرہ کلمات اصل اذان کے گلے نہیں بلکہ اس لعنتی فرقہ مفوضہ نے یہ گھڑے ہیں اور اذان میں داخل کر دیئے ہیں۔ ائمہ محدثین کے ہاں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ الفقہ من لا یحضرہ الفقہ کے حاشیہ میں مفوض فرقے کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے

مفوضہ ایک گمراہ فرقہ ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیار کیا۔ اس کے بعد دنیا

کی پیدائش کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر کر دیا لہذا آپ ہی خلاق (بہت زیادہ پیدا کرنے والے) ہوئے اور ان کے عقائد میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کا معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ مقوضہ ایک لغتی فرقی ہے۔ اس نے یہ کلمات اذان میں بڑھائے ہیں۔ سنت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب لامبوسطہ تہران لابی جعفر بن محمد حسن الطوسی میں لکھا ہے کہ:

”بہر حال اذان میں اشہد ان علیا امیر المؤمنین وال محمد خیر البریہ کہنا جیسا کہ شاذ روایات میں آیا ہے ان کے کہنے پر کوئی کار بند نہیں ہے اور اگر کوئی شخص اذان میں یہ کلمات کہے تو وہ گناہ گار ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ کلمات اذان کی فضیلت اور کمال میں سے نہیں ہیں۔“

اس طرح شیعہ مذہب کی معتبر کتاب المذمۃ المستعینہ میں لکھا ہے: ”مذکورہ اذان (جو کہ اہل سنت کے مطابق ہے) بی شرع میں منقول ہے۔ اس کے علاوہ زائد کلمات کا شروع طور پر درست سمجھتا جائز نہیں ہے خواہ وہ اذان کے اندر ہوں یا اقامت میں۔ جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کی گواہی کے الفاظ اور محمد و آل محمد کے خیر البریہ یا خیر البشر ہونے کے الفاظ ہیں۔ اگرچہ جو کچھ ان الفاظ میں کہا گیا ہے، وہ واقعی درست ہے (یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ولی اللہ ہونا اور محمد و آل محمد کا بہترین مخلوق ہونا) لیکن بروہ بات جو واقعہ درست اور حق ہو، اسے ایسی غیادات میں داخل کر لینا جو شرعی وظیفہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حد بندی کی گئی ہو، جائز نہیں ہو جاتا ہے۔ لہذا ان کلمات کا اذان میں کہنا بدعت ہے اور ایک نئی شریعت بنانا ہے۔“

اسی طرح شیعہ کی کتاب فقہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ جو ادایران میں لکھا ہے۔

تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اشہد ان علیا ولی اللہ کلمہ اذان اور اس کے اجزاء میں سے نہیں ہے اور اس پر بھی کہ جو شخص ان الفاظ کو اس نیت سے کہتا ہے کہ یہ بھی اذان میں شامل ہیں تو اس نے دین میں نکالی اور وہ بات دین میں داخل کر دی جو اس سے خارج تھی۔“

اس طرح شیعہ محدث و مفسر شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی نے اپنے فتاویٰ النہایہ میں مجرد منفہ و الفتاویٰ ص ۶۹ طقم ایران میں لکھا ہے۔

شاذ روایات میں یہ ”قول اشہد ان علیا ولی اللہ آل محمد خیر البریہ“ جو مروی ہے، یہ ان کلمات میں سے ہے جن پر اذان اور اقامت میں عمل نہیں کیا جاتا جس شخص نے اس پر عمل کیا وہ غلطی پر ہے۔“

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات تحقیق ہوتی ہے کہ اذان کے کلمات شعائر اسلام میں سے ہیں اور یہ اللہ کے رسول صلی

اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیے ہیں۔ کسی شخص کو ان میں نہ اضافہ کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی کسی کی۔ جو شخص اذان میں اضافہ کی کرتا ہے، وہ بدعتی ہے اور موجب لعنت ہے۔ فقہ جعفریہ کی امہات الکتاب میں بھی یہی اذان جو اہل سنت کے ہاں شروع ہے، نقل کی گئی ہے سوائے ”حسب علی بنیر العمل“ کے اور فقہ جعفریہ کی رو سے ”انہد ان عبدا ولی اللہ“ کے کلمات کا اذان میں درج کرنا گناہ ہے اور بعد صحت ہے بلکہ یہ الفاظ لعنتی فرقہ عقوفہ نے گھڑے ہیں اور اذان میں داخل کر دیئے ہیں حالانکہ یہ کلمات اذان نہیں ہیں۔ ہم دعوے کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، علی زین العابدین وغیرہ جو شیعہ کے ہاں ائمہ اہل بیت، معصوم عن الخطا شمار ہوتے ہیں۔ ان سے صحیح سند کے ساتھ تو کیا ضعیف سند کے ساتھ بھی ان کلمات کا اذان میں کہنا درست ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی نماز کیلئے اذان دی جاتی تھی تو کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات اذان میں کہوائے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو لوگ اذان میں کلمات نہیں کہتے، ان کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت نہیں ہے۔ یہ بات سراسر غلط ہے اگر محبت کی یہ علامت ہے کہ جس کے ساتھ محبت ہو، اس کا نام اذان میں لیا جائے تو حضرات کی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی تمام اولاد، اسی طرح ان کے بارہ امام اور ان کے اولاد کا نام بھی اذان میں لینا چاہئے۔ تاکہ کھل کر محبت کا اظہار ہو اور اس طرح اذان شروع کر دی جائے تو ہو سکتا ہے جتنے میں اذان بھی مکمل نہ ہو اور نہ زکاوت ہی نہ ملے۔ اور شیعہ مجتہدین سے صراحت کے ساتھ نقل کر دیا ہے جو بات امر واقع میں درست ثابت ہو، اس کو اذان میں اپنی طرف سے داخل کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اذان کے کلمات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور متعین ہیں۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ جو اذان اہل تشیعہ پڑھتے ہیں وہ اذان بارہ اماموں میں سے کسی نہیں پڑھی اور نہ کسی نے کبھی ہے ہذا ایک طرف ائمہ معصومین سے محبت کا دعویٰ اور دوسری طرف عمل ان کی بیان کردہ شریعت کے خلاف ہے۔ اور اسی طرح اہل تشیعہ کی امہات الکتاب میں کہیں ان کی اذان مرقوم نہیں ہے۔

اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں:

اس مسئلہ میں لوگوں نے ایک من گھڑت دلیل کو عوام الناس میں پھیلانے کی کوشش کی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسے ہی اللہ کا نام لیا جائے تو تم اس کے احترام کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی بھی خلاف سنت کام کسی قسم کے ثواب یا اجر کا حامل نہیں ہوتا۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے مسجد میں تشریف لانے سے پہلے اٹھ جاتے اور آپ کے آنے سے پہلے ہی اپنے کھڑے ہونے کی جگہوں کو سنہال لیتے تھے تب آپ ﷺ نے ان پر تخفیف دینی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: نماز کیلئے جلدی کھڑے نہ ہو کرو مجھے دیکھ کر کھڑے ہو کرو۔

(سنن کبریٰ، ج ۲، ص ۲۰، مطبوعہ بیروت)

امام بیہقی علیہ الرحمہ کی یہ روایت بڑی واضح طور پر بتا رہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے تو نبی کریم ﷺ

نے انہیں منع کر دیا۔ لہذا جو لوگ اقامت کے وقت ابتداء ہی میں کھڑے ہو جائیں انہیں کھڑے ہونے سے منع کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔

ایک جماعت کے بہت بڑے عالم سے ہمارا جب اس مسئلہ میں مباحثہ ہوا تو ہم نے ان سے اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے صحیح بخاری سے حدیث پیش کی، جس میں یہ تعین موجود تھا کہ نبی کریم ﷺ نے ابتداء اقامت کے وقت کھڑے ہونے سے منع کیا۔ اور اس طویل مباحثہ کے آخر وقت تک ہم اس سے مطالبہ کرتے رہے کہ ہمیں صحیح بخاری کی حدیث میں بیان کردہ قیام کی نفی کا تعین آپ اپنے موقف کے مطابق بیان کر دیں، لیکن آخر کار وہ عالم صاحب عاجز آکر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اس مسئلہ کی کچھ مزید تحقیق کے بعد وہی موقف اپناؤں گا جو آپ کا موقف ہے۔ لیکن انھوں نے وہ عالم عاجز آکر بھی اس مسئلہ کو ماننے کیلئے تیار نہ ہوا۔ حالانکہ اس عالم صاحب نے مسجد میں بیٹھ کر ہمارے سامنے اس بات کا اقرار کیا تھا۔ اب ہم قارئین کے سامنے صحیح بخاری کی وہی حدیث بیان کر رہے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے کہ اقامت کے شروع میں کھڑے نہ ہوں۔

عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقيمت الصلوة فلا تقوموا حتی ترونی۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۸۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کیلئے اقامت کہی جائے تم

کھڑے نہ ہو جاؤ جب تک مجھے نہ دیکھ نہ لو۔

اس حدیث مبارکہ میں لفظ ”اذا“ موجود ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کھڑا ہونا اس وقت منع ہے جس وقت اقامت کہی جائے، کیونکہ اقامت سے پہلے تو کھڑے ہونے کا معنی و معلوم بنتا ہی نہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابتداء اقامت کے وقت کھڑے ہوئے تھے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرما دیا۔ نبی کریم ﷺ بھی حجرہ مبارکہ سے ”حی علی الصلوہ“ کے وقت تشریف لاتے اور آپ ﷺ کا عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ ”قد قامت الصلوہ“ کے وقت کھڑے ہوتے تھے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہے۔

حضرت عطیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جیسے ہی مؤذن نے اقامت کہنا شروع کی، تو ہم اٹھ کھڑے ہوئے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ جب مؤذن ”قد قامت الصلوہ“ کہے تب کھڑے ہونا۔

(المصنف، باب قیام الناس عند الاقامة، ج ۱، ص ۵۰۶، دار الفکر، بیروت)

اقامت میں اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ہی کھڑا ہونا مکروہ ہے:

فتحنی کے چھ مستفہ علماء کے بورڈ سے مرتب کیا جانے والا فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔ جب کوئی شخص اقامت میں داخل ہوتا تو اس کیسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے لیکن وہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن ”حی علی الفلاح“ کہے تو کھڑا



ہو جائے۔ (مضمرات، عالمگیری، ج ۱ ص ۵۷، بولاق مصر)

اب یہ عقیدہ لوگوں کو یا تو فقہ حنفی کا پرچار کرنا چھوڑ دینا چاہیے یا پھر صحیح معنوں میں اس پر عمل کریں۔ ایسے عوام میں بڑے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ یہ لوگ فقہ حنفی کا نام استعمال کرتے ہیں لیکن ایک وہ عمل جس کو فقہ حنفی نے مکروہ لکھا ہے اس پر انتہائی سختی سے عمل کرتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ صرف اسے ہی اپنائے ہوئے ہیں جس میں اہل سنت و جماعت کی مخالفت لازم آئے۔

اذان و اقامت کے کلمات:

اس مسئلہ کو لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی جا رہی ہے کہ بعض لوگ اذان میں جتنے کلمات پڑھتے ہیں اقامت میں اتنے کلمات نہیں پڑھتے۔ اس لئے ہم صحاح ستہ کی حدیث صحیح سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ جو کلمات اذان میں پڑھے جاتے ہیں ”قد قامت الصلوٰۃ“ کو دوبار کہنے کے سوا باقی وہی کلمات اقامت میں کہنا سنت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اذان اور اقامت دونوں میں کلمات اذان اور اقامت دو، دو بار پڑھے جاتے تھے۔ (جامع ترمذی، ص ۵۵، نور محمد ص ۱۵۷، جامع کراچی)

اذان میں ترسیل جبکہ اقامت میں حد درجہ کا بیان:

(وَيَسْرُسِلُ فِي الْأَذَانِ وَيَعْدِلُ فِي الْإِقَامَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِبَلَالٍ (إِذَا أَذْنَتْ لِقَرْسَلٍ، وَإِذَا أَقَامَتْ فَأَخَذَ) وَهَذَا بَيَانٌ لِإِسْتِحْبَابِ .

(وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ) لِأَنَّ الْمَلَكَ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ أَذَّنَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، وَلَوْ تَرَكَ الْإِسْتِقْبَالَ جَزَاءً لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ، وَكُفْرَةٍ لِمُخَالَفَتِهِ السُّنَّةَ (وَيُحَوِّلُ وَجْهَهُ بِالصَّلَاةِ وَالْفَلَاحِ بِمَنْةٍ وَبَسْرَةٍ) لِأَنَّهُ عِطَابٌ لِلْقَوْمِ فَيُؤَاجِهُهُمْ بِهِ (وَإِنْ اسْتَدَارَ فِي صَوْمَعِيهِ فَحَسَنٌ) مُرَادُهُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِيعْ تَحْوِيلَ الْوُجُوهِ يَمِينًا وَشِمَالًا (مَعَ كِبَابٍ فَلَمَعَتِ) مَكَانَهُمَا كَمَا هُوَ السُّنَّةُ بَأَن كَانَ الصَّوْمَعَةُ مُتَّصَةً، فَلَمَّا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ فَلَا .

ترجمہ:

اور اذان میں ترسیل جبکہ اقامت میں حد درجہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تو اذان پڑھے تو ترسیل کر اور جب اقامت کہہ تو حد درجہ۔ اور یہی استحباب کا بیان ہے۔

اذان اور اقامت قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھے کیونکہ آسمان سے نازل ہونے والے فرشتے نے بھی قبلہ رخ ہو کر اذان پڑھی تھی۔ اور اگر کسی نے استقبال قبلہ ترک کیا تو مقصود حاصل ہو جانے کی وجہ سے جائز ہے۔ اور خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔ اور جس وقت ”حی علی الصلوٰۃ“ اور ”حی علی الفلاح“ کہے تو دائیں اور بائیں جانب اپنا چہرہ سے پھیرے۔ اس

لئے کہ اس کا یہ قول کو خطاب ہے۔ لہذا وہ ان کے سامنے ہوگا۔ اور اگر مؤذن اپنے منارے میں گھوم گیا۔ تو اچھا ہے۔  
اور ام محمد علیہ الرحمہ کے قول کی مراد یہ ہے کہ جب وہ اپنے قدموں کو سنت طریقے پر جما کر دائیں و بائیں اپنے چہرے کو نہ  
پھیر سکتا ہو جبکہ منارہ بھی کشادہ ہو۔ لہذا بغیر ضرورت کے اپنی جگہ سے قدم اٹھانا مناسب نہیں۔  
اذان کو ظہر ظہیر کر پڑھنے میں حکم شرعی کا بیان:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا  
کہ جب تم اذان کو ظہر ظہیر کر کہہ کر دو اور جب تکبیر کو تو جلدی جلدی کہا کرو اور اذان و تکبیر کے درمیان اتنا وقفہ کیا کرو کہ  
کھانے والا اپنے کھانے سے، پینے والا پینے سے، قضائے حاجت والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے اور اس وقت تک نماز  
کے لیے کھڑے نہ ہو جب تک مجھے (نماز پڑھانے کے لیے آتا ہوں) نہ دیکھ لو۔ اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے  
کہ ہم اس حدیث کو سوائے عبدالمعمر کے اور کسی سے نہیں جانتے اور اس کی سند مجہول ہے۔  
اذان کو ظہر ظہیر کر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کلمات کو ایک دوسرے سے جدا جدا کر کے اور خفیف سے سکتے کے ساتھ  
ظہر ظہیر کر ادا کرو۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مؤذن تکبیر کے لیے کھڑا ہو تو مجھے مسجد میں آتا ہوں نہ دیکھ لو تو نماز کے  
لیے کھڑے نہ ہو، کیونکہ ام کی آمد سے پہلے ہی کھڑے ہو جانا خواہ مخواہ کی تکلیف اٹھانا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔  
ابو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے اپنے حجر مبارک سے اس وقت نکلتے ہوں گے جب کہ مؤذن تکبیر شروع  
کر دیتا ہوگا اور جب مؤذن تکبیر کہتے ہو اسی علی الصلوٰۃ پر پہنچتا ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت محراب میں داخل ہوتے ہوں  
گے۔ اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم نے کہا ہے کہ جب مؤذن تکبیر شروع کر دے اور جی علی الصلوٰۃ پر پہنچتے تو  
امام اور مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے اور جب مؤذن قدامت الصلوٰۃ پر پہنچے تو نماز شروع کر دینی چاہئے۔  
وقت اذان کا نوں میں اٹھیاں ڈالنے کا بیان:

(وَالْأَفْضَلُ لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يَجْعَلَ أَصْبُعَهُ فِي أَذُنِهِ) بِإِلَافٍ أَمَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِكَافِلَا  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَلَا تَنْتَبِهُ لِي الْإِعْلَامِ (فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَتَحَسَّنْ) لِأَنَّهَا كَيْسَتْ بِسَبْئَةِ أَصْلَابِيَّةٍ  
ترجمہ:

اور اذان کہنے والے کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال  
رضی اللہ عنہ کو اسی طرح حکم دیا تھا۔ کیونکہ اعلان میں یہی طریقہ ہے اگر اس نے ایسا نہ کیا تب بھی اچھا ہے کیونکہ یہ سنت اصلیہ سے  
نہیں۔

شرح:

حضرت عبدالرحمن بن سعد بن عثمان بن سعد، مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کانوں میں انگلیاں ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا اس کی وجہ سے تمہاری آواز بلند رہے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

ابو جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اٹح (منیٰ میں ایک جگہ) میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سرخ قدہ میں تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور اذان دی تو اذان میں (کے وقت) گھوٹے اور دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں ڈالیں۔ (سنن ابن ماجہ)

معدوم علت کے باوجود حکم پر عمل کا جاری ہونا:

مذکورہ احادیث و ہدایہ کے متن سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی علت یہ ہے کہ اس سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے۔ جبکہ موجودہ دور میں لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ آواز لاؤڈ سپیکر کے ذریعے بلند ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ احکام شرع میں جس قدر بھی احکام مشروع ہیں ان میں اگر بعض اوقات علت نہ بھی ہو تب بھی عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی حکم نص سے ثابت ہو جائے تو اس میں وجود علت یا معدوم علت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ خواہ وہ حکم کسی علت کی بناء پر شریعت میں جاری ہوا ہو۔

اسی طرح اگر کسی نے یہ کہا کہ نماز اصلاح نفس یا تذکیہ نفس کیلئے پڑھی جاتی ہے۔ اور میں تذکیہ نفس کر چکا ہوں اس لئے اب میں ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہو گیا لہذا مجھے نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ تو اس کے اس عقیدے کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ انسان خواہ تذکیہ نفس کے کتنے بڑے درجے پر فائز کیوں نہ ہو جائے نماز اس سے کسی صورت میں بھی ساقط نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس کا ثبوت قطعی سے حاصل ہو چکا ہے۔ اس سے وہ جہلاء نام نہاد لوگ سبق حاصل کریں یہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم دل کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ جن کا ظاہر نماز پڑھنے سے گھبرائے وہ دل میں کسی طرح نمازیں پڑھ سکتے ہیں؟ مسئلہ صحیح میں فقہی احکام و دلائل:

(وَالْتَوَيْبُ فِي الْفَجْرِ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ مَوَكِّينَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ حَسَنَ) لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ (وَحُكْمُهُ فِي صَلَاتِهِ الصَّلَوَاتِ) وَتَعْنَاهُ الْعَزْوَ إِلَى الْإِعْلَامِ بَعْدَ الْإِعْلَامِ وَهُوَ عَلَى حَسَبِ مَا تَعَارَفُوا، وَهَذَا التَّوْبُ أَخَذَهُ عُلَمَاءُ الْكُوفَةِ بَعْدَ عَهْدِ الصَّحَابَةِ وَحَسِبَ اللَّهُ عَنْهُمْ لَتَغْيِيرِ أَحْوَالِ النَّاسِ، وَحَصَرُوا الْفَجْرَ بِهِ لِمَا ذَكَرْنَا، وَانْتَاخَرُونَ اسْتَعْسَنُوا فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا لِيُظْهِرَ التَّوَالِي فِي الْأُمُودِ الدِّيَّةِ.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، لَا أَرَى بَأْسًا أَنْ يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا السَّلَامَ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْإِمَامُ وَرَحِمَهُ اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ، حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ، الصَّلَاةُ بِرَحْمَتِ اللَّهِ، وَاسْتَبْعَدَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ النَّاسَ سَوَّيَسِيَةً فِي أَمْرِ الْجَمَاعَةِ، وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ خَصَّهُمْ بِذَلِكَ لِإِتِّفَاقِهِ عَلَيْهِمْ بِأُمُورِ الْمُسْلِمِينَ كَمَا لَا تَقُولُهُمُ الْجَمَاعَةُ، وَعَلَى هَذَا الْقَاضِي وَالْمُفْتَى.

ترجمہ:

اور فجر کی اذان میں "حَسْبِيَ عَلَى الصَّلَاةِ" اور "حَسْبِيَ عَلَى الْفَلَاحِ" کے ساتھ اذان و اقامت کے درمیان بہتر ہے کیونکہ وہ غنڈ اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ اور باقی نمازوں میں تحویب مکروہ ہے۔ اور تحویب کا معنی "اعلام کی طرف دوبارہ متوجہ کرنا" اور یہ لوگوں کے عرف کے مطابق ہے۔ اور یہ وہی تحویب ہے جس کو علماء کوفہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد لوگوں کے حالات کے مطابق بدل دیا تھا۔ اور علماء کوفہ نے اس تحویب کو فجر کے ساتھ اسی دلیل کی وجہ سے خالص کیا ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ جبکہ متاخرین فقہاء نے تمام نمازوں میں تحویب کو اچھا سمجھا ہے۔ کیونکہ دینی معاملات میں سستی زیادہ ہو چکی ہے۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اذان دینے والا ساری نمازوں میں امیر کو کہے "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْإِمَامُ وَرَحِمَهُ اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ، حَسْبِيَ عَلَى الصَّلَاةِ حَسْبِيَ عَلَى الْفَلَاحِ، الصَّلَاةُ بِرَحْمَتِ اللَّهِ" جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے اس کو بعید (از قیاس) سمجھا ہے کہ جماعت کے حکم میں سب برابر ہیں۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے حکام کو تحویب کے ساتھ اس لئے خالص کیا ہے کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان کی مصروفیت زیادہ ہو تی ہے۔ لہذا ان سے جماعت فوت نہ ہو اور اسی حکم میں قاضی و مفتی بھی ہیں۔

تہذیب کے بارے میں فقہی آراء:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ فجر کی نماز کے علاوہ اور کسی نماز میں تحویب نہ کرو۔ (جامع ترمذی، سنن ابن خلد، اور حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ) اس حدیث کے راوی (ابو اسرار بن محمد بن عیسیٰ) ایک قوی (یعنی قابل اعتبار) نہیں ہیں۔

تہذیب وہ اعلام ہوتا ہے جس سے پہلے کوئی اعلام ہو چکا ہو اور اس کی غرض اور اس سے پہلے کے اعلام کی غرض ایک ہو۔ مثلاً پہلے اعلام سے لوگوں کو نماز کے لیے بلانا مقصود ہو تو اس اعلام سے بھی یہی مقصود ہو۔ تحویب کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ فجر کی اذان میں الصلوة خیر من النوم کہنا، یہ تحویب اس لیے ہے کہ ایک مرتبہ تو حی علی الصلوٰۃ کہہ کر لوگوں کو نماز کے لیے بلایا گیا پھر دوبارہ الصلوة خیر من النوم سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔ یہ تحویب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رائج

تھی اور مستنون یہی ہے پھر اس کے بعد کوفہ کے علماء نے اذان و کبیر کے درمیانی وقفے میں جی سی الفصاح کہنا رائج کیا، اس کے بعد ہر فرقہ و طبقہ کے لوگوں نے اپنے اپنے عرف کے مطابق کچھ نہ کچھ طریقہ تحویب کے طور پر رائج کیا مگر یہ تمام شے سب سے آخر کی نماز ہی کے لیے رائج کی گئیں، کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔

پھر آخر میں متاخرین علماء نے تمام نمازوں کے لیے تحویب رائج کی اور اسے بنظر استحسان دیکھا حالانکہ متقدمین کے نزدیک یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ احداث ہے اور بدعت ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اس کا انکار پائے طور منقول ہے کہ ایک آدمی تحویب کہتا تھا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارہ میں فرمایا کہ ”اخصر حواہذا مبتدع من المسجد“ یعنی اس بدعتی آدمی کو مسجد سے نکال باہر کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک دن جب کہ وہ مسجد میں موجود تھے موزن کو غیر فخر میں کھویب کرتے ہوئے سنا تو مسجد سے باہر نکل آئے اور دوسروں سے بھی کہا کہ اس آدمی کے سامنے نہ رہو، باہر نکل آؤ کیونکہ یہ بدعتی ہے۔ (ترمذی بمقرف)

فقہ حنفی کی کتب سے مسئلہ عویب کی اباحت:

فقہ میں تھو بیب اسے کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کو نماز کی اطلاع اذان سے دے کر پھر دوبارہ اطلاع دینا اور وہ شہروں کے عرف پر ہے جہاں جس طرح اطلاع کر رائج ہو وہی تھو بیب ہے خواہ عام طور پر ہو جیسے "صلاۃ" کہی جاتی ہے یا خاص طریقہ پر، مثلاً کسی سے کہن اذان ہوگئی یا جماعت کھڑی ہوتی ہے یا امام آگئے یا کوئی قول یا فعل ایسا جس میں دوبارہ اطلاع دینا ہو وہ سب تھو بیب ہے اور اس کا اور صلاۃ کا ایک حکم ہے یعنی جائز، جس کی اجازت سے عام کتب مذہب متون مثل تنویر۔

- (۱) الابصار وقایہ (۲) ونقایہ (۳) وغرر الاحکام (۴) وکنز (۵) وغرر الاذکار (۶) ووافی (۷)

و (۷) واصل (۸) -

نورالابصار (۱۰) و شرو حانند در مختار (۱۱) و رد المحتار (۱۲) و طحطاوی (۱۳) و عیابہ (و) و نہایہ (۱۴) و غنیہ (۱۵) شرح منیہ و صغیری (۱۶) و بحر الرائق (۱۷) و نہر الفائق (۱۸) و تبیین الحقائق (۱۹) و سرحدی (۲۰) و قہستانی (۲۱) و درر (۲۲) و ابن ملک (۲۳) و کافی (۲۴) و محتسبی (۲۵) و ایضاح (۲۶) و امداد المفتاح (۲۷) و مرقاۃ الفلاح (۲۸) و حاشیہ مرقاۃ للعلامة الضحطاوی (۲۹) و فتاویٰ مثل صہریہ (۳۰) و غنائیہ (۳۱) و خلاصہ (۳۲) و خزائنہ المحققین (۳۳) و جواہر احاطی (۳۴) و علمگیری (۳۵) و غیرہا مالا مال ہیں، و هو الذی علیہ عامۃ الائمة المتأخرین و الخلاف خلاف زمان (۳۶) و ہر ماہ عام ائمہ متأخرین اسی پر ہیں اور یہ اختلاف زمانی اختلاف ہے برہانی ہیں۔

مختصر الوقایہ میں ہے: التثویب حسن فی کل صلاۃ (تثویب ہر نماز کے لئے بہتر ہے۔

(مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ فصل الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کراچی)

اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی سنت کا بیان:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم مؤذن کی اذان سنو تو وہی کہو جو مؤذن کہتے ہیں، پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ مانگو۔ اور وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ کو دیا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ اور جو کوئی میرے لئے وسیلہ (مقام محمود یعنی جنت کا ایک محل) طلب کرے گا تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم، 198)

اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں حدیث کا بیان:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب: ۵۶)

اے ایمان والو! تم اپنے نبی (ﷺ) پر خوب صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو۔

اس آیت میں درود اور سلام کا حکم علی الاطلاق وارد ہوا ہے۔ اور اسے مطلق حکم پر رکھنا چاہیے۔

صلوٰۃ وسلام کا مطلب:

یاد رہے یہاں پر ہم تفصیل میں جائے بغیر یہ بیان کر رہے ہیں کہ یہ بات تمام فقہاء اسلام اور جمہور علمائے اسلام کے نزدیک متفق ہے کہ آپ (ﷺ) کیلئے صلوٰۃ وسلام کا مطلب دعا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ جب ہم صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اللہ آپ (ﷺ) پر نزول رحمت فرمائے۔ (جلا الاقانام ص ۷۸، مدار الکتاب العربی بیروت)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بنی نجاری ایک عورت سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میرا گھر اونٹنی گھروں میں سے تھا اور مسجد کے گرد و نواح میں تھا، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان کیلئے عسری کے وقت آتے اور میرے مکان پر بیٹھ جاتے اور فجر کا انتظار کرتے تھے اور جب وہ دیکھتے: 'تو وہ یہ کہتے، اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں اور تجھے مدد دیتا ہوں اس بات کی کہ قریش آپ (ﷺ) کے دین پر قائم رہیں انہوں نے کہا پھر وہ اذان پڑھتے۔ (بنی نجاری کی اس عورت نے کہا) خدا کی قسم! میں نہیں جانتی کہ کسی بھی رات آپ نے یہ کلمات پڑھنے ترک کئے ہوں۔ (ہجرات کو اذان سے پہلے پڑھتے تھے)۔

(نسخ ابو داؤد ص ۷۷، مطبوعہ دارالحدیث بیروت)

نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد نفل نماز پڑھنا مباح ہے اگر کوئی شخص اس وقت میں بیٹھنے کے ساتھ نفل پڑھے تو کیا اس پر مقیدہ کا الزام

لگاتے ہوئے اسے نماز سے منع کرو گے۔ حاشا للہ

تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کیا آپ ﷺ کیلئے دعا کرنا اذان سے پہلے جائز ہے یا نہیں تو اس کا ثبوت ہم فرام کر رہے ہیں۔  
کیونکہ قاعدہ کلیہ کے طور پر تو حکم نص سے ثابت ہے تاہم قلی کیلئے ہم اس کی جزی کا بیان بھی کر دیتے ہیں۔

مفسرین صلوٰۃ و سلام کے شیخ الحدیث زکریا صاحب اپنی کتاب فضائل اعمال میں لکھتے ہیں کہ نماز کے فارغ ہونے پر، اذان کا جوہر دینے کے بعد، جمعہ کے دن صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے گا (فضائل اعمال، ص ۸۳۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

اس حکم کے باوجود یہ لوگ نہ تو اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اور نہ نماز جمعہ کے بعد صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اب جوہر قرآن و سنت کے علاوہ اپنے اسلاف کی بھی پیروی نہیں کرتے، انہیں ہمارے دلائل سے شاید ہی نفع ملے؟  
اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنے میں دلیل ممانعت کا محذور ہوتا:

تمام بدعتیہ فرقے یہ دلیل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ کہ قرآن و سنت اجماع و قیاس میں کسی بھی مقام پر یا اسلاف میں سے کسی فقیہ، محدث، امام، علامہ نے یہ دلیل پیش کی ہو کہ اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام پڑھنا منع ہے۔ دلیل ممانعت کا محذور ہونا خود اس کی اباحت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اصول و قانون شرعی یہ ہے کہ احکام میں اصل اباحت ہے۔ حتیٰ کہ ان کی ممانعت پر حرمت کی کوئی دلیل آجائے۔

اذان و اقامت کے درمیان وقفے کا بیان:

(وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ إِلَّا فِي الْمَغْرِبِ ، وَهَذَا عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَ : يَجْلِسُ فِي الْمَغْرِبِ أَيْضًا جَلَسَةً خَفِيفَةً ) لَأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْفَضْلِ إِذَا الْوَضَلُ مَكْرُوءٌ ، وَلَا يَقَعُ الْفَضْلُ بِالسُّكْنَةِ لِوُجُودِهِمَا بَيْنَ كَلِمَاتِ الْأَذَانِ فَيَقُصِلُ بِالْجَلَسَةِ كَمَا بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ ، وَلَا أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ التَّأْخِيرَ مَكْرُوءٌ لِيُخْتَفَى بِأَذْنَى الْفَضْلِ اخْتِزَازًا عَنْهُ وَالْمَكَانُ فِي مَسَاجِدَ مُتَخَلِّفٌ ، وَكَذَا النِّعْمَةُ فَيَقَعُ الْفَضْلُ بِالسُّكْنَةِ وَلَا تَكْذِبُكَ الْخُطْبَةُ ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَفْصِلُ بَرَكَتَيْنِ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الصَّلَوَاتِ ، وَالْقُرْآنُ لَقَدْ ذُكِرَتْهُ ( قَالَ يَتَعَوَّبُ : رَأَيْتُ أَبَا حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُؤَذِّنُ فِي الْمَغْرِبِ وَيَقِيمُ وَلَا يَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ ) وَهَذَا يُهْمَدُ مَا قُلْنَا ، وَأَنَّ الْمُسْتَحَبَّ كَوْنُ الْمُؤَذِّنِ عَالِمًا بِالسُّنَنِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ( وَيُؤَذِّنُ لَكُمْ خَيْرًا وَنَحْمُ ) ☆

ترجمہ:

نماز مغرب کے سوا اذان اور اقامت کے درمیان بیٹھے۔ یہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین کے فرماتے ہیں کہ مغرب میں معمولی سا جگر کرے۔ کیونکہ فاصلہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس میں ملانا مکروہ ہے۔ اور یہ فاصلہ چپ رہنے سے نہیں ہوتا کیونکہ سکتے تو کلمات اذان کے درمیان بھی پایا جاتا ہے۔ لہذا وہ بیٹھ کر فاصلہ کرے۔ جس طرح دو

فعلوں کے درمیان کیا جاتا ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ مغرب میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ لہذا اس تاخیر سے بچنے کیلئے تھوڑے سے تھوڑا فصل پر اکتفاء کرے۔ لہذا ہمارے اس مسئلہ میں مکان، مختلف ہے اور آواز بھی مختلف ہے اس لئے کہتے ہیں کہ تھوڑا فصل کیا جائے گا۔ جبکہ خطبہ میں ایسا نہیں کیا جائے گا۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دو رکعات کے ساتھ فاصلہ کیا جائے گا۔ وہ دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے ایسا کہتے ہیں۔ جبکہ فرق ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

امام یعقوب (امام ابو یوسف علیہ الرحمہ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم علیہ الرحمہ کو دیکھا ہے کہ مغرب کی اذان پڑھتے اور اقامت کہتے اور اذان و اقامت کے درمیان نہیں بیٹھتے۔ یہ قول دو باتوں کا فائدہ دیتا ہے۔ ایک وہی جو ہم نے کہہ دی ہے جبکہ دوسری بات یہ ہے کہ مستحب ہے اذان دینے والا سنت کا عالم ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے لئے وہ اذان دے جو تم میں سے بہتر ہو۔

شرح:

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین لوگ اذان دیا کریں اور عمدہ قرأت والے نماز پڑھایا کریں۔ (سنن ابن ماجہ)

اذان و اقامت کے درمیان وقفہ کرنے میں فقہی بیان:

علامہ محمد بن محمود الباقری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اذان اور اقامت میں وصل یعنی ان دونوں کو ملانا مکروہ ہے۔ کیونکہ اذان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ وقت نماز شروع ہو چکا ہے اور وضو کرتے ہوئے مسجد میں حاضر ہو جائیں جبکہ اقامت کا مقصد یہ ہوتا ہے جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ اور اگر اذان و اقامت دونوں کو ملایا جائے تو مقصود ختم ہو جائے گا۔ لہذا وہ نمازیں جن سے پہلے فوافل پڑھے جاتے ہیں یا سنن پڑھی جاتی ہیں۔ خوان کا پڑھنا مستحب ہی کیوں نہ ہو ان کے درمیان فصل (وقفہ) کیا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے آپ نے یہ ارشاد تین بار فرمایا ہے۔ اور تیسری مرتبہ فرمایا: جس قدر وہ چاہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر چہ وہ لمبا وصل نہ کرے البتہ تھوڑا وصل ضرور کرے تاکہ مقصود حاصل ہو جائے۔

اسی طرح مغرب کی اذان و نماز میں فصل کرنے پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ البتہ اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ وہ ایک سکتہ کی مقدار ٹھہرے جس میں وہ تین آیات خواہ وہ قصار مفصل سے ہوں یا حواں مفصل سے ہوں ان کی قرأت کر سکے۔

اور آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ تین قدموں کی مقدار ٹھہرے اور پھر اقامت کہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک دو



خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار فصل کرے۔ اور ان کے دلائل واضح ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱، ص ۴۰۳، بیروت)  
حضرت سیدنا عبد اللہ بن مغفل المروئی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر دو اذانوں کے مابین نماز ہے۔  
آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی: تیسری بار فرمایا جو چاہے پڑھ لے۔ (صحیح مسلم، رقم، ۳۷۱)  
تم میں سے بہترین لوگ اذان پڑھیں:

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز سب سے زیادہ لمبی (اور عزت کی وجہ سے) اونچی گردن والے مؤذنین ہوں گے۔

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین لوگ اذان دیا کریں اور عمدہ قرأت والے نماز پڑھایا کریں۔ (سنن ابن ماجہ)  
علامہ محمد بن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

قال مُحَمَّدٌ فِي السَّامِعِ الصَّغِيرِ أَبَا يُوْسُفَ بِاسْمِهِ ثُوْبٌ كُنِّيَتْهُ دُعَاؤُهُمْ التَّسْبِيحُ فِي التَّعْظِيمِ بَيْنَ الشَّيْخَيْنِ، وَكَانَ مُحَمَّدٌ ثَمُورًا مِنْ جِهَةِ أَبِي يُوْسُفَ أَنْ يَذْكُرَهُ بِاسْمِهِ حَيْثُ ذَكَرَ أَبَا خَيْفَةَ .  
قَوْلُهُ : ( وَإِنَّ الْمُسْتَحَبَّ ) مَعْطُوفٌ عَلَى مَا قُلْنَا بِمَعْنَى يُعْبَذُ مَا قُلْنَا، وَيُعْبَذُ اسْتِحْبَابٌ ( كَوْنُ الْمُؤَذِّنِ عَلِيمًا بِالسُّنَّةِ ) أَيْ بِأَحْكَامِ الشَّرْعِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ( وَيُؤَذِّنُ لَكُمْ عِبَارَتُكُمْ ) ( وَبِحَبَارَتِهِمْ مَنْ كَانَ عَلِيمًا بِأَحْكَامِ الشَّرْعِ، وَهَذَا يَرُدُّ عَلَى مَنْ قَالَ : الْأَحْسَنُ لِلْإِمَامِ أَنْ يَقْوَضَ الْأَذَانُ وَالْإِقَامَةُ إِلَى غَيْرِهِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ يُبَاهِرُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ بِنَفْسِهِ وَكَانَ إِمَامًا لَهُمْ فِي الصَّلَاةِ .  
قُلْنَا : أَذَّنَ وَأَقَامَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَانًا . رَوَى عَفِيَّةُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ : ( كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ أَذَّنَ وَأَقَامَ وَصَلَّى الظُّهْرَ ) .  
فوت ہونے والی نمازوں کیلئے حکم اذان:

( وَيُؤَذِّنُ لِلْعَاتِيَةِ وَيُحْمِلُ ) ( لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَقِيَ النَّجَرَ عِدَّةَ لَيْلَةٍ التَّغْرِيسِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ ) ، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى السَّامِعِ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي اخْتِلَافِهِ بِالْإِقَامَةِ ( فَإِنَّ لِقَاتَهُ صَلَوَاتُ أَذْنٍ لِلْأَرَلَى وَأَقَامَ ) لَمَّا رَوَيْنَا ( وَكَانَ مُخْتَارًا إِلَى النَّبِيِّ ) إِنْ شَاءَ أَذَّنَ وَأَقَامَ ) لِيَكُونَ الْقَضَاءُ عَلَى حَسَبِ الْأَدَاءِ ( وَإِنْ شَاءَ اقْتَصَرَ عَلَى الْإِقَامَةِ ) لِأَنَّ الْأَذَانَ لَا يَسْتَحْضَرُ وَهُمْ حُضُورًا .

قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَنْهُ : وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُحْمِلُ لَمَّا بَعَثَهَا وَلَا يُؤَذِّنُ، قَالُوا : يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ

هَذَا قَوْلُهُمْ جَمِيعًا .

ترجمہ:

اور وہ فوت شدہ نماز کیلئے اذان و اقامت کہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ لیلۃ التعریس کے روز سورج نکلنے پر فجر کی نماز کو اذان و اقامت کے ساتھ قضاء کیا تھا۔ اور یہی حدیث امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل بھی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف اقامت کافی ہوگی۔

اگر کسی شخص کی چند نمازیں فوت ہو جائیں تو وہ اذان و اقامت کہے اسی حدیث کی وجہ سے جسے ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ جبکہ باقی نمازوں میں اس کیلئے اختیار ہے وہ چاہے تو اذان و اقامت کہے تاکہ اس کی قضا اس کی اداء کے مطابق ہو جائے۔ اور اگر وہ شخص چاہے تو صرف اقامت ہی کہے۔ اس لئے کہ اذان تو لوگوں کو حاضر کرنے کیلئے کہی جاتی ہے۔ حاکم نگہ تو موجود ہیں۔ اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ بعد والی نمازوں کیلئے صرف اقامت کافی ہے اور مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ بھی کا قول ہو۔

وقت کے چلے جانے کے بعد (قضا نماز کے لیے بھی) اذان کہنا:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابو قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک شب نبی ﷺ کے ہمراہ سفر کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ کاش آپ ﷺ اخیر شب میں مع ہم سب لوگوں کے آرام فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اذیتا ہوں کہ کہیں تم نماز (فجر) سے (غافل ہو کر) سو جاؤ۔ چنانچہ سیدنا بلالؓ بولے کہ میں تم سب کو جگا دوں گا۔ لہذا سب بیٹے رہے اور سیدنا بلالؓ اپنی پیٹھ اپنی اونٹنی سے ٹیک کر بیٹھ گئے مگر ان پر بھی نیند غالب آ گئی اور وہ بھی سو گئے۔ پس نبی ﷺ ایسے وقت بیدار ہوئے کہ آفتاب کا کنارہ نکل آیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بلالؓ! تمہارا کہنا کہاں گیا؟ انھوں نے عرض کی کہ ایسی نیند میرے اوپر کبھی نہیں ڈالی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تمہاری جانوں کو جس وقت چاہا قبض کر لیا اور جس وقت چاہا واپس کیا، اے بلالؓ! اٹھو اور لوگوں میں نماز کے لیے اذان دے دو۔ پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور جب آفتاب بلند ہو گیا اور سفید ہو گیا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری، رقم ۳۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر چلتے رہے، جب آپ کو اوجھ آنے لگی تو اتر بیٹے اور بلالؓ سے کہا ہمارے لئے تم رات کا خیال رکھو۔ بلالؓ نے جتنا مقدور میں تھا نفل ادا کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی سو گئے، جب فجر قریب ہوئی تو بلالؓ نے اپنی اونٹنی کے ساتھ ٹیک لگا دی فجر (شرق) کی طرف نہ کر کے، پس بلالؓ پر اسی اونٹنی پر ٹیک کی حالت میں نیند غالب آ گئی نہ ان کی آنکھ کھلی نہ کسی اور صحابی کی، یہاں تک کہ ان کو دھوپ محسوس ہوئی تو سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگے اور گھبرا کر فرمایا:

ارے بلال! (یہ کیا ہوا؟) بلال نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول ﷺ میری جان کو اسی نے روک رکھا جس نے آپ کی جان کو روک رکھا، آپ نے فرمایا اونٹوں کو چلاؤ لوگوں نے تھوڑی دور تک اپنے اونٹوں کو چلا دیا (آپ اس جگہ سے چلے گئے کیونکہ وہاں شیطان تھا جیسے دوسری روایت میں ہے) پھر آپ نے وضو کیا اور صبح کی نماز پڑھ لی جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قائم کر نماز کو میری یاد کی خاطر اور ابن شہاب اس آیت کو یوں پڑھتے۔ (وَأَقِمِ الصَّلَاةَ بِحُسْرَىٰ ۖ ۱۴) 20- ط 14:۔ (سنن ابن ماجہ)

علامہ محمد بن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

(حُجَّةٌ عَلَى السَّامِعِ فِي اخْتِفَائِهِ بِالْإِقَامَةِ) لَا يُقَالُ: قَدْ رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِأَنْ لَا تَأْتِمَارَ بِسُوءِ ذِكْرِ الْأَذَانِ، لِأَنَّ الْقِصَّةَ وَاحِدَةً، فَالْعَمَلُ بِالزَّيَادَةِ أَوْلَىٰ، وَفِيهِ نَظَرٌ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ إِنَّمَا يَكُونُ بِإِذْنِ مَنْ رَأَوْهُمَا وَاجِدًا وَلَمْ يَنْتُهِ هَاهُنَا ذَلِكَ.

وَالْحَوَاسُّ أَنَّ الرَّوَاةَ إِذَا كَانَ مُتَعَدِّدًا إِنَّمَا يُعْمَلُ بِالتَّخْيِيرِ إِذَا امْتَنَعَ الْعَمَلُ بِهِمَا، وَهَاهُنَا لَا يُمَكِّنُ ذَلِكَ، لِأَنَّ الْقِصَّةَ وَاحِدَةً (فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتُ أَكْثَرِ الْأَوَّلَىٰ وَأَقَامَ لِمَا رَوَيْنَا) مِنْ حَدِيثِ لَيْلَةَ النَّعْرِيسِ (وَكَانَ مُخَيَّرًا فِي الْبَقِيَّةِ إِنْ شَاءَ أَكْثَرُ وَأَقَامَ) لِيَكُونَ الْقَضَاءُ عَلَى حَسَبِ الْأَذَانِ (وَإِنْ شَاءَ ائْتَصَرَ عَنِ الْإِقَامَةِ)؛ لِأَنَّ الْأَذَانَ يَلَاحِظُ حُضُورَ قَلْبِ حَاجَةٍ إِلَيْهِ.

فَإِنْ قِيلَ: إِذَا كَانَ الرَّفْقُ مُتَعَيِّنًا فِي أَحَدِ الْأَمْرَيْنِ فَلَا تَخْيِيرَ بَيْنَهُمَا كَمَا فِي قِصْرِ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ وَهَاهُنَا الرَّفْقُ مُتَعَيِّنٌ فِي الْإِقَامَةِ وَمَا وَجَّهَ التَّخْيِيرَ؟ أُجِيبُ بِأَنَّ ذَلِكَ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ الْوَاجِبَيْنِ لَا فِي الْبَشْنِيِّ وَالنَّطَلِ عَابَ. قَالَ (وَعَنْ مُحَمَّدٍ) رَوَى فِي غَيْرِ رِوَايَةِ الْأَصُولِ عَنْ مُحَمَّدٍ: إِذَا فَاتَتْ صَلَوَاتُ نَقْصِ الْأَوَّلَىٰ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، وَالْبَقِيَّةُ بِالْإِقَامَةِ ذِكْرُ الْأَذَانِ.

قَالَ أَبُو نَكْرِ الرَّبْزِي (يَحْذَرُ أَنْ يَكُونَ هَذَا قَوْلُهُمْ جَمِيعًا) وَالْمَذْكُورُ فِي الْكِتَابِ مَحْمُولٌ عَلَى الصَّلَاةِ الْوَاحِدَةِ فَيَرْفَعُ الْجُلُوفَ بَيْنَ أَصْحَابِنَا (عنه) شرح الهدایہ، (1/407)

حالت طہارت میں اذان و اقامت پڑھنے کا بیان:

(وَيَتَّبِعِي أَنْ يُؤَذَّنَ وَيُحْمَدَ عَلَى طَهَرٍ، فَإِنْ أَذَّنَ عَلَى غَيْرِ وَضُوءٍ جَازٍ) لِأَنَّهُ ذِكْرٌ وَلَيْسَ بِصَلَاةٍ فَكَانَ الْوَضُوءُ لَهُ اسْتِجَابًا كَمَا فِي الْفَرَاءِ  
(وَيُكْرَهُ أَنْ يُحْمَدَ عَلَى غَيْرِ وَضُوءٍ) لِمَا فِيهِ مِنَ الْفَضْلِ بَيْنَ الْإِقَامَةِ وَالصَّلَاةِ، وَيُرْوَى أَنَّهُ لَا تُكْرَهُ

إِلْقَائِهِ أَيْضًا لِأَنَّهَا أَحَدُ الْأَذَانَيْنِ ، وَيُرْوَى أَنَّهُ يُكْرَهُ الْأَذَانُ أَيْضًا لِأَنَّهُ يَصِيرُ دَاعِيًا إِلَى مَا لَا يُجِيبُ بِنَفْسِهِ (وَيُكْرَهُ أَنْ يُؤَذَّنَ وَهُوَ مُجْتَبٍ) رَوَايَةٌ وَاحِدَةٌ . وَوَجْهُ الْقَرْنِ عَلَى اخْتِدَايِ الرَّوَاتِبَيْنِ أَنَّ لِلْأَذَانِ شَبَهًا بِالصَّلَاةِ فَتَشْتَرِكُ الطَّهَارَةُ عَنْ أَغْلَظِ الْحَدَثَيْنِ ذَوْنِ أَخْفَاهُمَا عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ .

وَلِى الْجَامِعِ الصَّحِيحُ : إِذَا أَذَّنَ وَأَقَامَ عَلَى غَيْرِ وَضوءٍ لَا يُعِيدُ وَالْمُجْتَبِ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيدَ (وَلَوْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ) أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِخَفَةِ الْحَدِيثِ ، وَأَمَّا الثَّانِي لَفِي الْإِعَادَةِ بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ رَوَاتِبَيْنِ ، وَالْأَشْبَهُ أَنْ يُعَادَ الْأَذَانُ ذَوْنِ الْإِقَامَةِ لِأَنَّ تَكَرُّارَ الْأَذَانِ مَشْرُوعٌ ذَوْنِ الْإِقَامَةِ .

وَقَوْلُهُ وَلَوْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ : يَفْخِي الصَّلَاةَ لِأَنَّهَا جَائِزَةٌ بِذَوْنِ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ . قَالَ (وَكَذَلِكَ الْمَرْءُ يُؤَذِّنُ) مَعْنَاهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُعَادَ لِيَقَعَ عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ

ترجمہ:

اور مناسب ہے کہ اذان و اقامت کہنے والا طہارت کی حالت میں ہو۔ لہذا اگر اس نے وضو کے بغیر اذان پڑھی تو جائز ہے اس لئے کہ اذان ذکر ہے اذان نماز نہیں ہے۔ لہذا اس کیلئے وضو مستحب ہے۔ جس طرح قرآن پڑھنے کیلئے ہے۔

وضو کے بغیر اقامت کہنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس طرح اقامت اور نماز کے درمیان فصل لازم آئے گا اور ایک یہ بھی روایت ہے کہ اقامت بھی مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بھی دو اذانوں میں سے ایک اذان ہی تو ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اذان بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ وہ ایسی شے کی طرف دعوت دینے والا ہے جسے وہ خود قبول نہیں کرتا۔

اور جنابت والے کی اذان مکروہ ہے یہ ایک ہی روایت ہے۔ اور دونوں روایات میں سے ایک روایت کا فرق یہ ہے کہ اذان نماز کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ جبکہ زیادہ غلیظ حدیثوں سے طہارت حاصل کرنا شرط ہے نہ خیف حدیثوں سے طہارت حاصل کرنا۔ اور ایب دونوں مشابہتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔

اور جامع صغیر میں ہے کہ جب کسی نے بغیر وضو اذان و اقامت کہی تو ان کو لوٹنا ضروری نہیں۔ اور رضی نے ایسا کیا تو مجھے لوٹنا پسند ہے۔ اور اگر کسی نے اعادہ نہ کیا تو تب بھی جائز ہے۔ اور پہلا حکم تو اس لئے کہ حدیث خفیف ہے جبکہ دوسرا اس لئے کہ اس میں جنابت سبب ہے۔ اور اس کے اعادہ میں دو روایات ہیں۔ اور اس میں فقہ کے زیادہ قریب یہ ہے کہ اذان کا اعادہ کیا جائے گا جبکہ اقامت کا اعادہ نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اذان کا تکرار مشروع ہے اقامت کا تکرار شرعاً جائز نہیں۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ”وَلَوْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ“ نماز ہے اس لئے کہ نماز اذان و اقامت کے بغیر بھی جائز ہے۔ اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عورت کی اذان کا بھی یہی حکم ہے لہذا اس کا اعادہ مستحب ہے تاکہ حکم سنت کے مطابق مکمل ہو۔

اذان و اقامت کیلئے وضو کر کے کا حکم:

علامہ محمد بن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

قَالَ ( وَيَنْبَغِي أَنْ يُؤَدَّ وَيُقِيمَ عَلَى طَهْرٍ ) ؛ لِأَنَّ لَهُمَا شَبَهًا بِالصَّلَاةِ عَلَى مَا سَبَقَ ، فَإِنْ أَذَّنَ بَعِيرٌ وَضُوعَ حَازٍ بِلا كَرَاهَةٍ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ ؛ لِأَنَّهُ ذَكَرَ فَكَانَ الْوُضُوءُ فِيهِ مُسْتَحَبًّا كَالْقِرَاءَةِ ( وَيُكْرَهُ أَنْ يُقِيمَ عَلَى غَيْرِ وَضُوعٍ ) لِمَا فِيهِ مِنَ الْفَصْلِ بَيْنَ الْإِقَامَةِ وَالصَّلَاةِ بِالشَّغَالِ بِأَعْمَالِ الْوُضُوعِ ، وَالْإِقَامَةُ شُرِعَتْ مُتَّصِلَةً بِالشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ ( وَيُرْوَى أَنَّهُ ) أَيْ الشَّانَ ( لَا تُكْرَهُ الْإِقَامَةُ أَيْضًا ) ؛ لِأَنَّهَا أَخَذَ الْأَذَانَيْنِ ، وَالْآخِرُ وَهُوَ الْأَذَانُ لَا يُكْرَهُ بِلا وَضُوعٍ فَكَذَا الْإِقَامَةُ ( وَيُرْوَى بِكُرْهِ الْأَذَانِ أَيْضًا ) وَهُوَ رِوَايَةُ الْكُرْخِيِّ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ ذَائِعًا إِلَى مَا لَا يُجِيبُ بِنَفْسِهِ .

( وَيُكْرَهُ أَنْ يُؤَدَّ ) وَهُوَ حُثُّ رِوَايَةٍ وَاحِدَةٍ وَوَجْهَ الْفَرْقِ عَلَى إِحْدَى الرَّوَايَتَيْنِ ( أَيْ بَيْنَ أَذَانِ الْحُثِّ وَالْمُحْدِثِ عَلَى الرَّوَايَةِ الَّتِي لَا يُكْرَهُ أَذَانُهُ ) أَنَّ لِلْأَذَانِ شَبَهًا بِالصَّلَاةِ فِي أَنَّهُمَا يُفْتَتَحَانِ بِالتَّكْبِيرِ وَيُؤَدَّانِ مَعَ الْإِسْتِغْبَالِ وَيُرْتَّبُ كِلِمَاتِ الْأَذَانِ كَأَرْكَانِ الصَّلَاةِ وَيَخْتَصِنُ بِالْوَقْفِ وَلَا يَتَكَلَّمُ فِيهِمَا إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ بِصَلَاةٍ عَلَى الْحَقِيقَةِ ، وَلَوْ كُنَّا صَلَاةً عَلَى الْحَقِيقَةِ لَمْ يَجُزْ مَعَ الْحَدِّثِ وَالْحَنَابَةِ فَإِذَا كَانَ مُشَبَّهًا بِهَا كَرِهَ مَعَ الْحَنَابَةِ اغْتِيَارًا لِلشُّبْهِ وَلَمْ يُكْرَهُ مَعَ الْحَدِّثِ اغْتِيَارًا لِلْحَقِيقَةِ وَلَمْ يُمْكُسْ ؛ لِأَنَّا لَوْ اغْتَبَرْنَا فِي الْحَدِّثِ حَاجِبَ الشُّبْهِ لَرَمْنَا اغْتِيَارَهُ فِي الْحَنَابَةِ بِطَرِيقِ الْأَوَّلِي ؛ لِأَنَّ الْحَنَابَةَ أَعْلَطَ الْحَدِّثَيْنِ فَكَانَ يَتَعَطَّلُ حَاجِبُ الْحَقِيقَةِ .

وَذَكَرَ رِوَايَةَ الْحَاجِبِ الصَّغِيرِ لِاشْتِمَالِهَا عَلَى الْإِعَادَةِ وَعَدِيدِهَا ، وَقَوْلُهُ : ( أَمَّا الْأَوَّلُ ) يُعْنَى عَدَمَ إِعَادَةِ أَذَانِ الْمُحْدِثِ وَإِقَامَتِهِ ، وَقَوْلُهُ : ( وَأَمَّا الثَّانِي ) يُعْنَى اسْتِحْبَابِ (عناہ شرح الہدایہ ص 1/409 ج)

الْإِعَادَةُ بِسَبَبِ الْحَنَابَةِ ، وَقَوْلُهُ : ( زَوَاتَانِ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ يُسْتَحَبُّ ، وَفِي رِوَايَةِ الْكُرْخِيِّ يُجِبُّ ) وَالْأَشْبَهُ إِعَادَةُ الْأَذَانِ نَقْطُ ) ؛ لِأَنَّ تَكَرُّرَ الْأَذَانِ مَشْرُوعٌ فِي الْحُمْلَةِ كَمَا فِي الْحُمْمَةِ بِحُلَاكِ الْإِقَامَةِ ، وَقَوْلُهُ : ( يَعْنِي الصَّلَاةَ ) إِنَّمَا فُسِّرَ بِهَذَا ؛ لِأَنَّهُ قَالَ فِي الْإِبْطَاحِ : وَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ مِنَ الْحَوَازِ أَصْلُ الْأَذَانِ ؛ لِأَنَّهُ رَفَعَ الصَّوْبَ زَائِدًا فِي الْبَابِ .

وَقَوْلُهُ : ( وَكَذَلِكَ الْمَرْءُ تَوَدَّدَ ) عَطَفَ عَلَى قَوْلِهِ ، وَالْحُثُّ أَحَبُّ أَنْ يُعِيدَ ، وَقَوْلُهُ ( لِيَقْعَ ) أَيْ الْأَذَانُ ( عَلَى وَجْهِ السَّنَةِ ) فَإِنَّ أَذَانَ الْمَرْءِ لَا يَكُونُ عَلَى وَجْهِ السَّنَةِ بَلْ عَلَى وَجْهِ الْيَدْعَةِ ؛ لِأَنَّهَا إِنْ رَفَعَتْ صَوْتَهَا فِي أَعْلَى مَوْضِعٍ ارْتَكَبَتْ يَدْعَةً وَإِلَّا لَمْ تَوَدَّدْ عَلَى وَجْهِ السَّنَةِ وَتَرَكَ وَجْهَ هَذِهِ السَّنَةِ يَدْعَةً ، وَلَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ

أَذَانَ وَلَا إِقَامَةً؛ لِأَنَّهُمَا سُنَنَاتُ الصَّلَاةِ بِالْجَمَاعَةِ وَجَمَاعَتُهُنَّ مُنْسُوخَةٌ وَإِنْ صَلَّيْنَ بِجَمَاعَةٍ صَلَّيْنَ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ لِخَبَرِ رَافِعَةَ قَالَتْ: كُنَّا جَمَاعَةً مِنَ النِّسَاءِ أَتَيْنَا عَائِشَةَ بِمَا أَذَانَ وَلَا إِقَامَةَ (1/410)

وقت سے پہلے اذان پڑھنے کے بارے میں حکم:

(وَلَا يُؤْذَنُ لِمَا قَبْلَ دُخُولِ وَقِيتِهَا وَيُعَادَى فِي الْوَقْتِ) لِأَنَّ الْأَذَانَ لِلْإِعْلَامِ وَقَبْلَ الْوَقْتِ تَجْهِيلٌ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ) وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَرَحِمَهُ اللَّهُ (يَجُوزُ لِلْفَقِيرِ فِي النِّصْفِ الْأَيْحِرِ مِنَ اللَّيْلِ) يَتَوَأْتِ أَغْلَى الْحَرَمَيْنِ.

وَالْمَحْجَّةُ عَلَى الْكُلِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِبَلَالٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (لَا تُؤْذَنُ حَتَّى يَسْتَبِينَ لَكَ الْقَبْرُ هَكَذَا) وَمَنْ يَدْرِي عَرَفَا.

ترجمہ:

اور وقت سے پہلے بھی نماز کیلئے اذان نہ دی جائے اور وقت کے اندر ہی اس کا اعادہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اذان تو دخول وقت کی خبر دینے والی ہے۔ اور وقت سے پہلے لوگوں کو جہالت میں دکھیلانا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف اور یہی قول امام شافعی کا ہے کہ فجر کیلئے رات کے آخری نصف میں اذان جائز ہے۔ کیونکہ یہ اہل حرمین سے توارثاً نقل کیا گیا ہے۔ اور تمام ائمہ کے خلاف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اذان نہ دو حتیٰ کہ فجر تمہارے لئے اس طرح ظاہر ہو جائے اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک چوڑائی میں پھیلائے۔

اذان فجر کا قبل از وقت پڑھنے میں امام ابو یوسف و امام شافعی کا موقف و جواب:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ وقت سے پہلے اذان دینا مکروہ ہے اور اس کا اعادہ کیا جائے۔ جبکہ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک بھی وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں البتہ فجر کی اذان دینا جائز ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں تم کھاؤ بیو حتیٰ کہ ابن ام کثوم کی اذان سن لو۔ جبکہ ہماری دلیل وہ حدیث جس کو امام ابو داؤد نے شداد سے بیان کیا ہے جو عیاض بن عامر کے غلام ہیں وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا: تم اذان نہ کہو حتیٰ کہ فجر اس طرح ظاہر ہو جائے پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک کو چوڑائی کی جانب لہا کیا۔ امام ابو داؤد نے اس حدیث کا ضعف بیان نہیں کیا۔

امام بیہقی نے اس حدیث کی سند میں تعلیل کی اور فرمایا کہ شہادہ نے حضرت بلال کو نہیں پایا۔ ہذا یہ منقطع ہے۔ ان قطعان نے کہا ہے کہ شہادہ مجہول ہے۔ وہ جعفر بن برقان کے سوا کسی روایت سے پہنچائے نہیں جاتے۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے بلال! فجر کی اذان نہ دو حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جائے۔ اور امام بیہقی فرماتے ہیں اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال نے فجر سے قبل اذان دی تو رسول اللہ ﷺ ان سے ناراض ہوئے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے ناراضی کی سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں بیدار ہوا حالانکہ میں وسان میں عواستراحت تھا۔ پس نے خیال کیا کہ فجر طلوع ہوگئی۔ پس نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو بیدار کر لیا کریں مگر بندہ چونکہ سویا ہوتا ہے۔ (یعنی دوسروں کو بیدار نہ کریں کیونکہ وہ نقلی عبارت کے مکلف نہیں ہیں)۔ (فتح القدیر، ج ۱، ص ۲۸۲، بیروت)

علامہ ابن ہمام شفی علیہ الرحمہ کے مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف اور امام شافعی علیہما الرحمہ کے نزدیک فجر کی اذان سے وقت سے پہلے دینے کا حکم جواز صحیح نہیں ہے۔

مسافر کے لیے اذان و اقامت کا بیان:

(وَالْمَسَافِرُ يُؤْذَنُ وَيُقِيمُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا بُدَّ لِيْ اَبِيْ مُلَيْكَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا (اِذَا سَافَرْتُمَا فَادْعَا وَاقِيْمَا)۔

(فَإِنْ تَرَكَهُمَا جَمِيعًا يَكْفُرُهُ) وَلَوْ اُكْتَفِيَ بِإِلِاقَةِ جَارَةٍ لِأَنَّ الْأَذَانَ لَا مَحْضَرَّ الْقَائِمِينَ وَالرُّفُقَةَ حَاضِرُونَ وَالْإِقَامَةُ لِإِعْلَامِ الْإِفْتِيَا حَ وَهُمْ إِلَيْهِ مُخْتَلِفُونَ۔

(وَإِنْ صَلَّى فِي بَيْتِهِ فِي الْمَضَرِّ يُصَلِّي بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ) لَيَسْكَونَ الْأَذَاءُ عَلَى هَيْئَةِ الْجَمَاعَةِ (وَإِنْ تَرَكَهُمَا جَارَ) لِقَوْلِ ابْنِ مَسْرُورٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَذَانُ الْبَيْتِ يَكْفِيْنَا۔

ترجمہ:

مسافر اذان و اقامت کہے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ابو ملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا: جب تم دونوں سفر کرو تو تم دونوں اذان دو اور اقامت کہو۔ لہذا اگر دونوں نے ترک کیا تو مکروہ ہے۔ اگر اقامت پر اٹھا کر تو بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ اذان

غیر موجود لوگوں کیلئے کہی جاتی ہے تاکہ وہ حاضر ہوں۔ اور سفر کے سارے ساتھی تو حاضر ہوتے ہیں۔ جبکہ اقامت نماز کے شروع کرنے کیلئے کہی جاتی ہے اور اسی کے سارے محتاج ہوتے ہیں۔

اگر کسی نے اپنے گھر میں شہر کے اندر نماز پڑھی تو وہ اذان و اقامت کے ساتھ پڑھے۔ تاکہ اس کی ادائیگی جماعت کی صورت پر ہو جائے۔ اور اگر اس نے اذان و اقامت دونوں کو چھوڑ دیا تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو مکہ کی اذان ہی کافی ہے۔

مسافر کا اذان و اقامت کو ترک کرنا مکروہ ہے:

مسافر آبادی سے باہر خواہ اکیلا نماز پڑھتا ہو اس کو اذان و اقامت دونوں کا چھوڑ دینا مکروہ ہے، اگر اذان کہی اور اقامت چھوڑ دی تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے اور اگر اذان چھوڑ دی اور اقامت کہی تو بلا کراہت جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ دونوں کہے، اسی طرح اگر مسافر کے تمام ساتھی موجود ہوں تو اذان کا ترک بلا کراہت جائز ہے اور اقامت کا ترک مکروہ ہے اور دونوں کا کہنا مستحب ہے سنت منوکہ نہیں، جس گاؤں میں ایسی مسجد ہو جس میں اذان و اقامت ہوتی ہو، اس گاؤں میں گھر کے اندر نماز پڑھنے والے کا حکم وہی ہے جو شہر کے اندر گھر میں نماز پڑھنے والے کا ہوتا ہے اور اگر اس گاؤں میں ایسی مسجد نہیں ہے تو وہ مسافر کے حکم میں ہے۔

اگر شہر یا گاؤں کے باہر باغ یا نکیت وغیرہ ہے اور وہ جگہ قریب ہے تو گاؤں یا شہر کی اذان کافی ہے پھر بھی اذان دے لینا اولیٰ ہے اور اگر وہ جگہ دور ہے تو شہر کی اذان اس کے لئے کافی نہیں اور قریب کی حد یہ ہے کہ شہر کی اذان وہاں سنائی دیتی ہو اگر جنگل میں جماعت سے پڑھیں اور اذان چھوڑ دیں تو مکروہ نہیں اور اقامت چھوڑ دیں تو مکروہ ہے۔

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت زیاد بن حارث صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے اذان دی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہنا چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صدیق بھائی نے اذان دی ہے اور جو اذان دیتا ہے وہی اقامت کہتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

ابن ماجہ کی بیان کردہ مذکورہ حدیث سے مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ سفر کی حالت میں اذان و اقامت کہی جائے گی۔



## بَابُ شُرُوطِ الْاِسْتِثْنَاءِ الَّتِي تَقْتَضِيهَا

﴿یہ باب نماز کی ان شرائط کے بیان میں ہے جو نماز سے مقدم ہیں﴾

باب شرائط نماز کی مناسبت کا بیان:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب ان شرائط کے بیان میں ہے جو نماز سے مقدم ہیں۔ شرائط شرط جمع ہے۔ اور وہ علامت ہے۔ جبکہ اصطلاح میں شرط اسے کہتے ہیں جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو اگرچہ وہ اس میں داخل نہ ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ انقائے شرط انقائے شرط کو لازم ہے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وجود شرط ہی وجود شرط ہے۔ امام سرخسی علیہ الرحمہ نے اصول میں لکھا ہے۔ کہ جب حکم کی اضافت شرط کی طرف کی جائے گی تو اس کا وجود شرط کے ساتھ پایا جائے گا اور بغیر شرط کے نہ پایا جائے گا۔ اور جب حکم کی اضافت علت کی طرف کی جائے تو وہ اس کے ساتھ ہوگا شرط اور بن دونوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ باہم ساتھ ہوں اور وہ دونوں عام خاص کی طرح الگ بھی ہو جاتے ہیں۔ لہذا ہر رکن کیلئے وجود شرط ضروری ہے۔ اس سے یہ لازم نہ آئے گا کہ انقائے شرط کی وجہ سے رکن مستغنی ہو جائے۔

(الہدایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۱۲۵، حنفیہ ملتان)

نماز پڑھنے سے پہلے طہارت کا ملکہ کا بیان:

(يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّي أَنْ يَتَقَدَّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْأَخْدَاثِ وَالْأَنْجَاسِ عَلَى مَا قَلَّمْنَاهُ) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَلَبَّاسَكَ لَطَهَّرْ) وَقَالَ تَعَالَى: (وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا).

ترجمہ:

نماز پر واجب ہے کہ وہ سب سے پہلے نجاستوں اور حدثوں سے طہارت حاصل کرے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور آپ اپنے کپڑے کو پاک رکھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر تم جنبی ہو جاؤ تو طہارت حاصل کرو۔ شرح:

وَلَبَّاسَكَ لَطَهَّرْ۔ (المعدثر، ۴) اور اپنے کپڑے کو پاک رکھو۔ (کنز الایمان فی ترجمہ القرآن)۔

ہر طرح کی نجاست سے کیونکہ نماز کیلئے طہارت ضروری ہے اور نماز کے سوا اور حالتوں میں بھی کپڑے کو پاک رکھنا بہتر ہے یا یہ معنی ہیں کہ اپنے کپڑے کو تازہ کیجئے، ایسے دراز نہ ہوں جنسی کہ عریوں کی عادت ہے کیونکہ بہت زیادہ دراز ہونے سے چلنے پھرنے میں محسوس ہونے کا احتمال رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور

زمین پر چلنے (کی وجہ سے وضو نہ کرتے تھے)۔ (جامع ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ ہم نماز پڑھنے کے لیے اپنے مکان سے وضو کر کے چلتے تھے اور مسجد آتے ہوئے ننگے پاؤں چلنے کی وجہ سے پاؤں پر پاؤں جوتے اور موزوں پر جو نجاست و گندگی لگ جایا کرتی تھی اسے دھویا کرتے تھے۔

اس ارشاد کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ اس کا تعلق خشک نجاست سے ہے، کہ اگر خشک گندگی مثلاً سوکھا گوشت وغیرہ بیروں پر جو تے و موزے پر لگ جاتا تو اس کو دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کیونکہ صاف زمین پر چلنے کی وجہ سے وہ پاک ہو جایا کرتا تھا اس سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ مراد ہے کہ راستہ چلتے وقت جو گرد و غبار پاؤں کو لگ جایا کرتی تھی اسے دھوتے تھے۔

مساجد میں پاک و صاف ہو کر جانے کا حکم:

(وَيَسْتَعِزُّ عَوْرَتَهُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (خُذُوا زِينَتَكُمْ حِينَ كُلِّ مَسْجِدٍ) أَيْ مَا يُؤَدِّي عَوْرَتَكُمْ حِينَ كُلِّ صَلَاةٍ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا صَلَاةَ لِحَالِضٍ إِلَّا بِحِجَابٍ) أَيْ لِإِلَاقَةٍ (وَعَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا تَحْتَ الشُّرَّةِ إِلَى الرُّكْبَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (عَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ) وَتَوَدَّى (مَا دُونَ سُرَّتِهِ حَتَّى تُحَاوِرَ رُكْبَتَهُ) وَهَذَا يَبَيِّنُ أَنَّ الشُّرَّةَ لَيْسَتْ مِنَ الْعَوْرَةِ بَلْ بَلَّغًا لِمَا يَقُولُهُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَالرُّكْبَتَانِ مِنَ الْعَوْرَةِ) بَلَّغًا لَهُ أَنْفَصًا، وَتَحْمِلُهُمَا عَلَى كَلِمَةٍ مَعَ عَمَلًا بِكَلِمَةٍ حَتَّى أَوْ عَمَلًا بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الرُّكْبَتَانِ مِنَ الْعَوْرَةِ).

ترجمہ:

اور وہ اپنے ستر کو چھپائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تم ہر مسجد میں جاتے وقت زینت کیا کرو۔ اس سے مراد جو کچھ تمہارے ستر میں داخل ہے ہر نماز کے وقت اس کا چھپانا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حائض کی نماز نہیں مگر شمار کے ساتھ یعنی بالذمور کیلئے حکم ہے۔

اور مرد کا ستر ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنے تک ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مرد کا ستر اس کی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ناف کے سوا جبکہ گھٹنے سمیت ستر ہے۔ اسی روایت سے واضح ہو گیا کہ ناف ستر نہیں ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ گھٹنا ستر ہے۔ اور ہم کلمہ ”الی“ کو ”مع“ کے معنی محمول پر کرتے ہیں۔ تاکہ کل کر عمل پر عمل ہو جائے۔ یا اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ گھٹنا ستر ہے۔ اس پر عمل کرتے ہیں۔

نماز کیلئے مغموم زینت میں مغموم کا بیان:

علامہ ابن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ہر نماز کیلئے ستر کو چھپانے کا حکم جو بیان ہوا ہے۔ یہ حکم نماز کی وجہ سے ہے

لوگوں کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ لوگ اکثر بازاروں میں ہوتے ہیں اور قرآن میں مسجد پاس حکم زینت بیان ہے۔ اور اگر کوئی لوگوں کیلئے ہوتا ہے تو زینت کے حکم میں بازاروں کا لفظ استعمال ہوتا۔ اور زینت خود مصدر ہے لہذا اس کا اطلاق عام ہے۔ یہاں حال سے مراد اکل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت طواف والوں کے حق میں نازل ہوئی ہے نمازیوں کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زینت کا اطلاق عام ہے جس میں کسی قسم کی تخصیص نہ کی جائے گی۔ کیونکہ صحت عام ہے جس میں کسی بھی سبب خاص کے ساتھ تخصیص نہ کی جائے گی۔ لہذا اس حکم کو مسجد حرام کے ساتھ خاص نہیں کیا جاتا بلکہ اپنے عموم پر جاری رہے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱، ص ۳۱۶، بیروت)

گھنے اور ناف کے ستر ہونے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف اور اس جواب:

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ گھنے کا عطف ناف پر ہے لہذا یہ دونوں ستر میں داخل نہیں ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہاں پر کلمہ ”الی“ غایت کے استعمال ہوا ہے جو حکم کو وضع تک سمجھنے کیلئے آیا ہے لہذا اس میں مغنیہ شامل نہ ہوگی۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہاں کلمہ ”الی“ مع کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”(وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ بَعْدَ ذَلِكُمْ)“ لہذا یہ بھی اسی معنی میں ہے۔ اور

اسی طرح کلمہ ”حتی“ پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ ”حتی“ جب فعل پر داخل ہو تو اس کو ”الی“ کے معنی میں کر دیتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱، ص ۳۱۶، بیروت)

اسی طرح حدیث مبارکہ میں لفظ ”الْمَرْخَبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ“ استعمال ہوا ہے جس کے اندر صراحت موجود ہے کہ گھنا ستر ہے اور فقہ کا قانون ہے کہ جب کسی مسئلہ کی صراحت نص سے حاصل ہو جائے تو استدلال یا قیاس باطل ہو جاتا ہے کیونکہ حکم صریح میں استدلال یا کسی قسم کی تاویل نہیں کی جاتی۔ لہذا گھنا ستر میں داخل ہے۔ علامہ ابن عابدین شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:-

مرد کا ستر آٹھ اعضاء ہیں: (۱) عضو مخصوص اور ارد گرد (۲) خصیتیں اور ان کا ارد گرد (۳) دُبر اور ارد گرد (۵، ۴) دونوں سرین کے حصے (۶، ۷) دونوں رانیں گھٹنوں سمیت (۸) ناف تا زیر ناف سمیت پشت پیٹ اور دونوں پہلوؤں کے اس حصہ کے جو اس کے مقابل دھماڑی ہے۔ (رد المحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفیٰ ابراہیمی مصر)

مساجد میں جاتے ہوئے زینت اختیار کرو:

اور اس آیت میں شرکین کا رد ہے وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے جیسے کہ پہلے گزرا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ

نیچے مردوں کو طواف کرتے اورنگی عورتیں رات کو اس وقت عورتیں کہا کرتی تھیں کہ آج اس کے خاص جسم کا کل حصہ یا کچھ حصہ گونہ ہو لیکن کسی کو وہ اس کا دیکھنا جائز نہیں کرتیں۔ پس اس کے برخلاف مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا لباس پہن کر مسجد میں جائے، اللہ تعالیٰ زینت کیلئے حکم دیتا ہے اور زینت سے مراد لباس ہے اور لباس وہ ہے جو اعضا، مخصوصہ کو چھپالے اور جو اس کے سوا ہر مثلاً اچھا کپڑا وغیرہ۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ آیت جو تیوں سمیت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن ہے پر غلط اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے واللہ اعلم۔ یہ آیت اور جو کچھ اس کے معنی میں سنت میں وارد ہے اس سے نماز کے وقت زینت کرنا مستحب ثابت ہوتا ہے۔ خصوصاً جمعہ کے دن اور عید کے دن اور خوشبو لگانا بھی مسنون طریقہ ہے اس لئے کہ روز زینت میں سے ہی ہے اور سواک کرنا بھی۔ کیونکہ وہ بھی زینت کو پورا کرنے میں داخل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سب سے افضل لباس سفید کپڑا ہے۔ جیسے کہ مسند احمد کی صحیح حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں سفید کپڑے پہنو وہ تمہارے تمام کپڑوں سے افضل ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ سب سروں میں بہتر سرسائد ہے وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اکٹھا ہے۔ سنن کی ایک اور حدیث میں ہے سفید کپڑوں کو ضروری جانو اور انہیں پہنو بہت اچھے اور بہت پاک صاف ہیں انہی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ طبرانی میں مروی ہے کہ حضرت تمیم داری نے ایک چادر ایک ہزار کو خریدی تھی نمازوں کے وقت اسے پہن کر تھے۔

اس آیت کی تفسیر میں مسجد حرام کے طواف کے حکم میں زینت کو خاص نہ کیا جائے گا اس کا جواب ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔  
مزے حقیقی احادیث کا بیان:

امام ابوداؤد رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خمار کے بغیر جانفشانی کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱ ص ۴۹، دارالحدیث ملتان)  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی نماز بغیر دوپٹے کے قبول نہیں فرماتا۔ (سنن ابن ماجہ)  
آزاد عورت کے ستر کا بیان و حکم:

(وَلَمَنْ الْحُرَّةِ كُنْهَافَ عَوْرَةٍ إِلَّا وَجْهَهَا وَتَحْفَتَهَا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْمَرْأَةُ عَوْرَةُ مَسْفُورَةٌ) وَأَسْتِثْنَاءُ الْغَضُونِ لِلانْتِدَاءِ بِإِذْنِ اللَّهِ.

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَهَذَا تَقْصِصٌ عَلَى أَنَّ الْقَتْمَ عَوْرَةٌ. وَيُرْوَى أَنَّهَا كَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ وَهِيَ الْأَصْحَقُ لِأَنَّ مَسْفُورَةً وَنُوعَ سَائِلَهَا أَوْ لَكِنَّهُ مَكْشُوفٌ يُعَدُّ الصَّلَاةَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَإِنْ كَانَ أَقْلٌ مِنَ الزُّبْعِ لَا يُعِيدُ.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يُعَدُّ إِنْ كَانَ أَقَلُّ مِنَ النُّصْفِ (لَأَنَّ الشَّيْءَ أَلَمَّا يُوصَفُ بِالْكَفْرِ إِذَا كَانَ مَقَابِلَهُ أَقَلُّ مِنْهُ إِذْ هُمَا مِنْ أَسْمَاءِ الْمُقَابَلَةِ) وَلَهُ النُّصْفُ عَنْهُ (وَالِتَّيَانِ) فَاعْتَبِرُوا الْخُرُوجَ عَنْ حِلَّةِ الْقِبْلَةِ أَوْ عَدَمَ الدُّخُولِ فِي حِلَّتِهِ وَلَهُمَا أَنَّ الرَّبْعَ يَخْجِي حِكْمَةَ الْكَمَالِ كَمَا فِي مَسْحِ الرَّأْسِ وَالْعَلْفِ فِي الْإِخْرَامِ، وَمَنْ رَأَى وَجْهَ غَيْرِهِ يُغَيِّرُ عَنْ رُؤْيِيهِ وَإِنْ لَمْ يَزَلْ أَحَدُ جَوَائِبِهِ الْأَرْبَعَةَ.

ترجمہ:

آزاد عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا سارا بدن ستر ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ عورت چھپانے کیلئے ہے۔ اور دونوں کا استثناء اس لئے ہے کیونکہ ان کو ظاہر کرنے میں ابتلاء ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا: یہ نص ہے کہ عورت کا قدم بھی ستر ہے اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ قدم عورت نہیں اور یہی روایت صحیح ہے۔

اگر آزاد عورت نے نماز پڑھی اس حالت میں اس کی پٹنڈی کا چوتھائی حصہ کھل گیا یا تہائی تو وہ نماز کا اعادہ کرے گی۔ یہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک ہے اور اگر چوتھائی سے کم کھلی ہو تو وہ نماز کا اعادہ نہ کرے گی۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ اگر نصف سے کم کھلی ہو تو نماز کا اعادہ نہ کرے گی۔ کیونکہ کوئی چیز کفرت کے ساتھ اس وقت متصف ہوتی ہے جب اس کا مقابل اس سے کمتر ہو۔ کیونکہ وہ دونوں اسامہ مقابلہ میں سے ہیں۔ اور نصف کے بارے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے دو روایات منقول ہیں۔ لہذا انہوں نے حد قلت سے نکلنے کا اعتبار کیا ہے یا انہوں نے عدم دخول کا اعتبار اس کی خدمت سے کیا ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ چوتھائی بھی پوری کی ترجمانی کرتا ہے جس طرح سر کے مسح اور احرام کی حالت میں چوتھائی ہر منڈوانے میں ہے۔ اور جس نے دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ اس کے دیکھنے کی خبر دیتا ہے۔ اگرچہ اس نے ایک ہی طرف کے سوا باقی چاروں کی طرف دیکھا ہی نہیں۔

ستر عورت میں کف وجہ کے استثناء کا فقہی مفہوم:

علامہ ابن ہمام شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ہدایہ کے بعض نسخوں میں ”کحلہ“ ہے۔ اور یہ دونوں بدن کی تاکید کیلئے ہیں کیونکہ جب اس کی اضافت عورت کی طرف کی جائے تو اس سے مؤنث مراد لینا صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مضاف کو حذف کرتے ہوئے حکم کی اضافت مضاف الیہ کی طرف کیا جائے۔ لہذا یہ کہنا صحیح ہے۔ ”الْمَرْأَةُ عَوْرَةً إِلَّا كَذًا وَلَا كَذًا تَحْمَا يَصْبُحُ بِذَلِكَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةً إِلَّا كَذًا“۔

ظہیر یہ میں ہے۔ جب عورت بہت ہی چھوٹی ہو جی کہ ان کو دیکھنا اور چھونا جائز ہو جس طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ ”الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ مَسْتُورَةٌ“ اس کو امام ترمذی نے رضاع میں نقل کیا ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث ۱۱۷۳) اور حضرت عبد

اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو کہتا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ اور اس میں ”مستورۃ“ کا لفظ معروف نہیں ہے۔

(فتح القدیر، ج ۱، ص ۴۰۵، بیروت)

آزاد عورتوں کے تمام بدن کے ستر ہونے کا بیان:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ مَنَاسِبٌ مِّمَّنْ لِّلرِّجَالِ مَنَاسِبُهُنَّ وَلَا يَجْزِينَ غُرُوبًا وَلَا يَبْلُغْنَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا لِيُضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يَبْلُغْنَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِيُعْرَفْنَ أَوْ أَهْلَهُنَّ أَوْ أَكْنَافَهُنَّ أَوْ أَهْلَهُنَّ أَوْ إِخْوَانَهُنَّ أَوْ نِسَاءَهُنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوْ أَشْيَاءَهُنَّ غَيْرَ أُولَئِكَ مِنَ الرِّجَالِ أَوْ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا إِنَّهُ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (النور، ۳۱)

اور مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی پاریں اور اپنی پار سائی کی حفاظت کریں اور اپنا پناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور وہ دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شوہت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگھار اور اللہ کی طرف توبہ کروائے مسلمانوں سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔ (کنز الایمان)

اور غیر مردوں کو نہ دیکھیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے بعض اہمات المؤمنین سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھیں، اسی وقت ابن اُم کتوم آئے حضور نے ازواج کو پردہ کا حکم فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو ناجیہاں فرمایا تو تم تو ناجیہاں نہیں ہو۔ (ترمذی و ابوداؤد) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو بھی تاخر مہر کا دیکھنا اور اس کے سامنے ہونا جائز نہیں۔

اظہر یہ ہے کہ یہ حکم نماز کا ہے نہ نظر کا کیونکہ ترکہ کا تمام بدن عورت ہے، شوہر اور خرم کے سوا اور کسی کے لئے اس کے کسی حصہ کا دیکھنا ضرورت ہے نہ نہیں اور معالحد وغیرہ کی ضرورت سے قدر ضرورت جائز ہے۔ (تفسیر احمدیہ)

اور انہیں کے حکم میں ہیں چچا ماسوں وغیرہ تمام محارم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوعبیدہ بن جراح کو لکھا تھا کہ لفظ اہل کتاب کی عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ تمام میں داخل ہونے سے منع کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمہ عورت کو کافر عورت کے سامنے اپنا بدن کھولنا جائز نہیں۔

مسئلہ: عورت اپنے غلام سے بھی مثل اجنبی کے پردہ کرے۔ (مدارک وغیرہ)

ان پر اپنا سنگار ظاہر کرنا ممنوع نہیں اور غلام ان کے حکم میں نہیں، اس کو اپنی مالکہ کے مواضع زینت کو دیکھنا جائز نہیں۔ مثلاً ایسے بوڑھے ہوں جنہیں اصلاً شہوت باقی نہیں رہی ہو اور ہوں صالح۔

مسئلہ: اگر خفیہ کے نزدیک خفیہ اور عین حرمت نظر میں اجنبی کا حکم رکھتے ہیں۔

یعنی عورتیں گھر کے اندر چلنے پھرنے میں بھی پاؤں اس قدر آہستہ رکھیں کہ ان کے زیور کی جھکنا نہ سنی جائے۔

مسئلہ: اسی لئے چاہئے کہ عورتیں ہالے دار جماعت میں نہ بہنیں حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کی دعا نہیں قبول فرماتا جن کی عورتیں جماعت میں نہ ہوتی ہوں۔ اس سے سمجھنا چاہئے کہ جب زیور کی آواز عدم قبول دعا کا سبب ہے تو خاص عورت کی آواز اور اس کی بے پردگی کسی موجب غضب الہی ہوگی، پردے کی طرف سے بے پردائی جاہلی کا سبب ہے۔

(تفسیر احمدیہ، خزائن العرفان)

اکشاف حرف نماز یا عدم نماز کا بیان:

علامہ علاء الدین حصکلی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب ربع عضو کا اداء رکن کی ادائیگی سے کم کھلا رہے تو بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ قلیل وقت میں اکشاف کثیر معاف ہے، یہ اس اکشاف کا معاملہ ہے جو دوران نماز عارض ہو، اگر وہ اکشاف ابتداء نماز سے عارض ہو اور کھلنے والی جگہ عضو کی چوتھائی ہو تو ایسا اکشاف بالاتفاق مطلقاً انعقاد نماز سے مانع ہے یہ اس وقت ہے جبکہ یہ کشف عورت قصد مصلیٰ کے بغیر ہو (پس اگر ایسا کشف عورت قصد مصلیٰ کے باعث ہو تو فقہاء کے ہاں نماز فی الغور فاسد ہو جائے گی تنبیہ، چلی نے کہا یعنی اگر چہ اداء رکن کی ادائیگی سے کم میں ہو مگر یہ کہ وہ فعل مصلیٰ کسی ضرورت کی بنا پر ہو جیسے مصلیٰ کا اپنے جوتوں کو ضائع ہونے کے خوف سے اٹھالینا جتنے وقت میں وہ رکن نماز ادا نہ کر سکے۔ خلاصہ میں ایسے ہے۔) اور مکشوف اجزاء کو جمع کیا جائے گا (اور وہ اجزاء مثلاً نصف، چوتھائی اور تہائی ہیں) اگر ایک عضو میں کئی کشف ہوں ورنہ مقدار یعنی پیمائش کے ساتھ اندازہ کیا جائے گا پھر اگر (وہ پیمائش کے ساتھ مجموعہ) ادنیٰ عضو کے ربع کو پہنچ جائے (یعنی وہ اعضاء جو جزو دور پر مکشوف ہیں ان میں کہ ادنیٰ عضو کے ربع کو پہنچ جائے) تو ایسا کشف نماز سے مانع ہے، (مثلاً عورت کی ران کے آٹھویں حصے کا نصف اور کان کے آٹھویں حصے کا نصف اگر کھل جائے تو پیمائش کے اعتبار سے ان دونوں کا مجموعہ ران دونوں کھلنے والے اعضاء میں سے مجموعہ عضو کان کے چوتھائی سے زیادہ بنتا ہے۔

(درمختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مجتہائی دہلی)

جب کسی بال، پیٹ اور ران کا ٹکٹ کھل جائے تو حکم نماز:

(وَالشَّعْرُ وَالْبَطْنُ وَالْفَخْذُ كَذَلِكَ) يَغْيِبُ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ عُضْوٍ عَلَى حِدَةٍ،

وَالْمُرَادُ بِهِ السَّائِلُ مِنَ الرَّأْسِ هُوَ الصَّحِیحُ ، وَآلَمَّا وَضَعَ غَسَلَهُ فِي الْجَنَابَةِ لِمَكَّانِ الْحَرْجِ وَالْعَوْرَةِ الْقَلِیْلَةَ عَلَى هَذَا الْاِخْتِلَافِ ، وَالذَّكْرُ یُعْتَبَرُ بِالنِّفَازِ وَكَذَا الْاُنْثَیَانِ ، وَهَذَا هُوَ الصَّحِیحُ ذَوْنَ الصُّمِّ .  
(وَمَا كَانَ عَوْرَةً مِنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْاُنْثَى ، وَیُطْنَهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَمَا یَسُوْیْ ذَلِكَ مِنْ بَدَنِهَا لَیْسَ بِعَوْرَةٍ) لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : اَلْقِیْ عَنْكَ الْخِمَارُ یَا ذَلَّالَ اَتَشْهَبُ بِالنَّحْرِ الْیَمِیْنِ ، وَلَآئِذَا تَخْرُجُ لِتَعْبَادَةِ مَوْلَاكَ فِیْ یَسَابِ مَهْنَتِهَا عَادَةً فَاَعْبِرْ حَالَهَا بِلَوَاتِ الْمَحَارِمِ فِیْ حَقِّ جَمِیْعِ الرِّجَالِ ذَقْنَا لِلْحَرْجِ .

ترجمہ:

بال، غیث اور ران کا بھی یہی حکم ہے یعنی اسی اختلاف پر ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک عضو ہے۔ اور بالوں سے مراد یہ ہے جو سر سے نیچے کی طرف لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی صحیح روایت ہے۔ جبکہ غسل جنابت میں ان کو دھونے کا سقوط حرج کو دور کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور عورت غلیظہ بھی اسی اختلاف پر مبنی ہے۔ جبکہ ذکر کو علیحدہ اور نصیجان کو الگ الگ عضو شمار کیا جائے گا۔ اور صحیح روایت یہی ہے ایسا نہیں ہے کہ ان دونوں کو مل کر ایک عضو شمار کیا جائے۔

اور جس قدر مرد کا جسم ستر ہے وہی باندی کا ستر ہے جبکہ اس کا پیٹ اور پیٹھ بھی ستر ہے۔ اور اس کے سوا سارا بدن ستر نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس فرمان کی وجہ سے جب انہوں نے ایک باندی سے کہا اے وہیات! کیا تو آزاد عورتوں سے مثلاً بہت اختیار کرتی ہے۔ کیونکہ باندی بطور عادت اپنے آقا کی ضرورتوں میں خدمت کرنے والے کپڑوں میں لٹکی۔ لہذا اتمام مردوں کے حق میں باندی کی حالت کو ذوات محارم پر قیاس کریں گے۔ تاکہ حرج کو دور کیا جائے۔

عورت کے اعضاء ستر کے بارے میں جامع بیان:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ زن آزاد کا سارا بدن سر سے پاؤں تک سب عورت ہے مگر منہ کی ہانگی اور دونوں ہتھیلیاں کہ یہ بالا جماع اور عبارت غلامہ سے مستفاد کہ ناخن پائے ٹخنوں کے نیچے جوڑ تک پشت قدم بھی بالاتفاق عورت نہیں، ہنود اور پشت کف دست میں اختلاف صحیح ہے اصل مذہب یہ کہ وہ دونوں بھی عورت ہیں تو اس تقدیر پر صرف پانچ ٹکڑے متعین ہوئے، منہ کی ہانگی، دونوں ہتھیلیاں، دونوں پشت پا۔ ان کے سوا سارا بدن عورت ہے اور وہ تیس عضووں پر مشتمل کہ ان میں جس عضو کی چوتھائی کھلے گی نماز کا وہی حکم ہوگا جو ہم نے پہلے فتوے میں اعضاء عورت مرد کی نسبت لکھا وہ میں عضو یہ ہیں۔

(۱) سر یعنی طول میں چیشانی کے اوپر سے گردن کے شروع تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک جتنی جگہ پر عادتاً بال جتے ہیں۔

(۲) بال یعنی سر سے نیچے جو لٹکے ہوئے بال ہیں وہ جدا عورت ہیں۔ (۳) دونوں کان (۴) گردن جس میں گلابھی



شامل ہے۔ (۵) دونوں شانے یعنی جانب پشت کے جوڑے شروع بازو کے جوڑ تک۔ (۶) دونوں بازو یعنی اس جز سے کہنیوں سمیت کلائی کے جوڑ تک۔

(۷) دونوں کلائیوں یعنی کہنی کے اس جوڑے کھوں کے نیچے تک۔ (۸) دونوں ہاتھوں کی پشت۔ (۹) سیدہ یعنی گٹے کے جوڑے دونوں پستان کی زیریں تک۔

(۱۰) دونوں پستانیں جبکہ اچھی طرح اٹھ چکی ہوں یعنی اگر ہنوز بالکل نہ اٹھیں یا خفیف خواستہ ہیں کہ ٹوٹ کر سینہ سے جدا عضو کی صورت نہ بنی ہوں تو اس وقت تک سیدہ ہی کے تابع رہیں گی الگ عورت نہ بنی جائیں گی اور جب ابھار کی اس حد پر آجائیں کہ سینہ سے جدا عضو قرار پائیں تو اس وقت ایک عورت سیدہ ہوگا اور دوسری نہیں یہ، اور وہ جگہ کہ دونوں پستان کے بیچ میں خالی ہے اب بھی سیدہ میں شامل رہے گی۔

(۱۱) پیٹ یعنی سیدہ کی حد مذکور سے ناف کے کنارہ زیریں تک، ناف پیٹ ہی میں شامل ہے۔

(۱۲) پیٹھ یعنی پیٹ کے مقابل پیچھے کی جانب محاذات سیدہ کے نیچے سے شروع کر تک بھتی جگہ ہے۔

(۱۳) اس کے اوپر جو جگہ پیچھے کی جانب دونوں شانوں کے جوڑوں اور پیٹ کے بیچ سیدہ کے مقابل واقع ہے خبر آجدا عورت ہے، ہاں بغل کے نیچے سیدہ کی زیریں حد تک دونوں کرٹوں میں جو جگہ ہے اس کا اگلا حصہ سیدہ میں شامل ہے اور پچھلا اسی ستر ہو جس عضو یا شانوں میں اوپر زبرد سیدہ سے شروع کر تک جو دونوں پہلو ہیں ان کا اگلا حصہ پیٹ اور پچھلا پیٹھ میں داخل ہوگا۔

(۱۴) دونوں سرین یعنی اپنے بالائی جوڑے رانوں کے جوڑ تک۔

(۱۵) فرج۔ (۱۶) ذہر۔ (۱۷) دونوں رانیں یعنی اپنے بالائی جوڑے سے زانوؤں کے نیچے تک دونوں زانو بھی رانوں

میں شامل ہیں۔ (۱۸) زہر ناف کی نرم جگہ اور اس سے متصل و مقابل جو کچھ باقی ہے یعنی ناف کے کنارہ زیریں سے ایک سیدہ دائرہ کر کے نیچے اس دائرے کے اوپر اور تو سیدہ تک اگلا حصہ پیٹ اور پچھلا پیٹھ میں شامل تھا اور اس کے نیچے نیچے دونوں سرین اور دونوں رانوں کے شروع جوڑ اور ذہر بالائی کنارے تک جو کچھ حصہ باقی ہے سب ایک عضو ہے عانہ یعنی ہال جنے کی جگہ بھی اسی میں داخل ہے۔ (۱۹) دونوں پنڈلیاں یعنی زیر زانو سے ٹخنوں تک۔ (۲۰) دونوں ٹکڑے۔

(فتاویٰ رضویہ، کتاب الاصلۃ، ج ۶، رد خافا و تذللہ لاہور، فی توبیر الا بصار و الدرا الخیر) (توبیر الا بصار اور رخصت)۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں

وہ جو پستانوں کے درمیان جگہ ہے تو اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ پستانوں کے ڈھلکنے سے پہلے پستانوں کی جگہ اور پستان کے درمیان کی جگہ سینے ہی کا حصہ تھے پھر پستان ڈھلکنے سے جدا عضو بن گئے تو پستانوں کے درمیان کی جگہ جس طرح

پہلے میں شامل تھی ویسے ہی سینہ میں داخل رہے گی یہ بات تو ظاہر ہے، باقی ناف یمن کے تابع اس لئے ہے کہ وہ ستر اور عدد ستر کے حکم میں شامل ہونے میں پیٹ کے تابع ہے، تو یمن مرد جب ستر میں شامل نہیں تو مرد کی ناف بھی ستر میں شامل نہ ہوگی لیکن لوہی کی پشت اور یمن ستر میں شامل ہیں جیسا کہ اس بارے میں شامی نے تصریح کی ہے یمن (پیٹ) وہ ہے جو آگے کی طرف نرم حصہ ہے اور ظہر (پشت) اس کے مقابل پچھلا حصہ ہے کذا فی الخرائج۔ شیخ رحمہ نے کہا ظہر (پشت) سے مراد جسم کا وہ حصہ جو سینے سے نیچے ناف تک پیٹ کے مقابل ہے، جو ہرۃ۔ یعنی جسم کا وہ حصہ جو سینے کے مقابل ہو وہ اس پشت کا ایسا حصہ نہیں جو ستر میں شامل ہے۔ حاشیہ لطو علی مراقی الفلاح میں ہے جانب پہلو یمن کے تابع ہے تنہ میں اسی طرح ہے، اور وجہ (بہتر) یہ ہے کہ جو حصہ پہلو کا یمن کے ساتھ متصل ہے وہ یمن کے تابع ہے۔ یعنی جو پشت کے ساتھ ملنے والا حصہ ہے وہ پشت کے تابع ہے کما فی تحفۃ الاخیار۔ (رد المحتار باب شروط الصلوٰۃ، مطبوعہ مصطفیٰ البابائی مصر)

کپڑے سے جب زوال نجاست کا ذریعہ نہ رکھتا ہو حکم:

قَالَ (وَمَنْ لَمْ يَجِدْ مَا يَرْبِطُ بِهِ النَّجَاسَةَ صَلَّى مَعَهَا وَلَمْ يَغْدُ) وَهَذَا عَلَى وَجْهَيْنِ إِنْ كَانَ رَنْجُ النَّوَْبِ أَوْ اخْتَصَرَّ مِنْهُ طَاهِرًا مُصَلًّى لَيْسَ وَلَوْ صَلَّى غُرْبَانًا لَا يَجُزُّ لَهُ لِأَنَّ رَنْجَ الشَّيْءِ يُغَوِّمُ مَقَامَ كَلْبِهِ، وَإِنْ كَانَ الطَّاهِرُ أَقْلَ مِنَ الرَّنْجِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَهُوَ أَخَذَ قَوْلِي الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ فِي الصَّلَاةِ فِيهِ تَرْتُّبٌ وَاحِدٌ. وَلِی الصَّلَاةِ غُرْبَانًا تَرْتُّبُ الْفُرُوضِ.

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ يَتَغَيَّرُ بَيْنَ أَنْ يُصَلِّيَ غُرْبَانًا وَبَيْنَ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ، وَهُوَ الْأَفْضَلُ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَالِعٌ جَوَازِ الصَّلَاةِ حَالَةَ الْإِخْتِيَارِ، وَتُسَوِّبَانِ فِي حَقِّ الْمَقْدَارِ فَكُسُوبَانِ فِي حُكْمِ الصَّلَاةِ، وَتَرْتُّبُ الشَّيْءِ إِلَى خَلْفٍ لَا يَكُونُ تَرْتُّبًا وَالْأَفْضَلُ لِعَدَمِ اخْتِصَاصِ السَّعْرِ بِالصَّلَاةِ وَاخْتِصَاصِ الطَّاهِرَةِ بِهَا.

ترجمہ

اور اگر نمازی نے کوئی ایسی چیز نہ پائی جس سے وہ نجاست کو زائل کرے تو وہ اسی نجاست والے کپڑے میں نماز پڑھے اور نماز کا اعادہ نہ کرے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ کپڑا چوتھائی پاک ہو یا اس سے زیادہ پاک ہو تو اسی میں نماز پڑھے اور اگر بغیر کپڑوں کے پڑھی تو جہیز ہوگا۔ کیونکہ چیز کا چوتھائی اس کے کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور اگر چوتھائی سے کم پاک ہو تو امام محمد عیوبہ الرحمہ کے نزدیک یہ حکم ہے اور امام شافعی کے دو اقوالوں میں سے ایک قول اسی کے موافق ہے۔ یونکہ جس کپڑے میں نماز پڑھنے میں ایک فرض کا چھوڑنا ہے۔ اور بنگے نماز پڑھنے سے چند فرضوں کا چھوڑنا لازم آتا ہے۔ جبکہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک اسے اختیار حاصل ہے خواہ وہ بغیر کپڑے کے نماز پڑھے یا ای نجس کپڑے

میں نماز پڑھے۔ افضل قول یہی ہے کیونکہ ہر حالت اختیار کی اس کیلئے جواز نماز کو مانع ہے۔ جبکہ مقدار کے حق میں دونوں برابر ہیں۔ اور کسی چیز کا جب غلیظ موجود ہو تو اس چیز کا ترک لازم نہیں آتا۔ اور فضیلت اس لئے ہے کہ ستر نماز کے ساتھ نہ نہیں بلکہ طہارت نماز کے ساتھ خاص ہے۔

کپڑوں سے ازالہ نجاست کے اعتبار و عدم اعتبار میں فقہاء کی تصریحات:

علامہ بدرالدین یعنی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مصنف کی عبارت میں کلمہ ”ما“ کو جب قصر کے ساتھ پڑھیں تو اس وقت یہ تمام مانع چیزوں کو شامل ہوگا۔ ایسے ہی شارحین نے بیان کیا ہے۔ اور اس کو وہ کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے لیکن عموم کیلئے پہلا اونی ہے۔

احناف کے نزدیک نماز کا اعادہ نہ کیا جائے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ اور ننگے نماز پڑھنے میں ان کا مذہب ظاہر ہے۔

اور امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک جب کسی نے نجس کپڑے میں نماز پڑھی تو اس کا اعادہ نہ کیا جائے گا۔ جبکہ ہمارے نزدیک نجاست کا ازالہ کپڑوں سے، بدن سے اور جگہ سے کرنا نماز کی صحت کیلئے بہ قدر قدرت شرط ہے۔ فرض، نفل، نماز جنازہ، عہدہ تلاوت اور شکر میں علم و جہل اور نسیان کے درمیان فرق نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح امام شافعی اور سلف و خلف سے جمہور فقہاء نے کہا ہے۔ امام نووی شافعی نے کہا ہے کہ امام مالک سے اس سلسلہ میں تین روایات مشہور ہیں۔ ایک یہ ہے اگر اسے علم ہے تو پھر نماز صحیح نہیں۔ البتہ نسیان اور جہل کے ساتھ جائز ہے۔ اور امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے۔ اور ان کا دوسرا قول ہمارے ساتھ ہے۔ اور تیسرے قول کے مطابق ان کے نزدیک نجاست کا ازالہ سنت ہے۔

(الہدایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۴۳، مکتبہ تحفانیہ ملتان)

بغیر کپڑوں کے نماز پڑھنے کا طریقہ حکم:

(وَمَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْبًا صَلَّى غُرْبَانًا فَأَعَادَ يَوْمَهُ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ) هَكَذَا فَعَلَهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فَبِإِنْ صَلَّى لَمْ يَأْتِ أَجْرُهُ) لِأَنَّ فِي السُّجُودِ سِتْرَ الْعَوْرَةِ الْقَلِيلَةَ، وَلِي الْقِيَامِ آدَاءَ عَلَيْهِ الْأَرْكَانَ فَيُعْمَلُ إِلَى أَنْ يَهْمَا شَاءَ (إِلَّا أَنْ الْأَوَّلَ فَالْفَضْلُ) لِأَنَّ السِتْرَ وَجِبَ لِحَقِّ الصَّلَاةِ وَحَقِّ النَّاسِ، وَلَئِنَّهُ لَا خَلْفَ لَهُ وَالْإِبْمَاءُ خَلْفٌ عَنِ الْأَرْكَانِ.

ترجمہ:

اور جو شخص کپڑا نہ پائے تو بیٹھ کر رکوع و سجود کے اشارے کے ساتھ نماز پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اگر اس نے ننگے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تب بھی جائز ہے۔ لیکن بیٹھ کر پڑھنے میں عورت غلیظ کا ستر

زیادہ ہے۔ جبکہ کھڑے ہو کر ان ارکان کو ادا کرتا ہے۔ لہذا جس پر چاہے عمل کرے لیکن افضل پہلا طریقہ ہے۔ کیونکہ ستر نماز کے حق اور لوگوں کے حق کی وجہ سے واجب ہوا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ ستر کا کوئی خلیفہ نہیں جبکہ اشارہ ارکان نماز کا خلیفہ ہے نماز میں ستر عورت کے بارے میں فقہی تصریحات:

علاء ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا یعنی کپڑے نہ ہونے کی صورت میں بیٹھ کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کشتی پر سوار تھے کہ وہ ٹوٹ گئی۔ پس جب وہ سمندر سے باہر نکلے تو لباس سے عاری تھے تو انہوں نے بیٹھ کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھی۔ سبط بن جوزی نے کہا ہے کہ اس کو خیال نے بھی روایت کیا ہے۔

تجبی میں ہے کہ وہ اکیلے اکیلے ایک دوسرے سے دور نماز پڑھیں۔ اور اگر وہ جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہیں تو امام درمیان میں کھڑا ہوگا۔ اور اگر امام کو مقدم کریں تب بھی جائز ہے۔ اور وہ ارسال کریں گے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرح رکھیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھیں۔ اور اشارے سے نماز پڑھیں اور اگر کھڑے ہو کر رکوع و سجود کا اشارہ کیا تو بھی جائز ہے۔ یہ تمام صورتیں اس وقت جائز ہیں جب وہ گھاس و چوں سے ستر ڈھانچنے پر قادر نہ ہوں۔

اور حسن مردی سے روایت ہے کہ جب وہ کچھ پائیں تو اس سے ستر عورت کریں اور اسی کے ساتھ نماز پڑھیں جس طرح نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور اگر وہ بغض ستر عورت پر قادر ہوئے تو ان پر اس کا استعمال لازم ہے۔ اور اس سے وہ قبل و دبر کا ستر کریں۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۴۰، بیروت)

نیت اور تکبیر کے درمیان فاصلے کا بیان:

قَالَ (وَيَنْبِى الصَّلَاةُ الَّتِي يَدْخُلُ فِيهَا يَنْبِى لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّخْرِيمَةِ بِعَمَلٍ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْأَعْمَالُ بِالْأَيَّاتِ) وَلَآ أَنْ يُكَلِّمَ الصَّلَاةَ بِالْقِيَامِ وَهُوَ مُتَرَدِّدٌ بَيْنَ الْعَادَةِ وَالْعِبَادَةِ وَلَا يَفْعَلُ التَّمْيِيزَ إِلَّا بِالنِّيَّةِ، وَالْمُقَدِّمُ عَلَى التَّكْبِيرِ كَالْقَائِمِ عِنْدَهُ إِذَا لَمْ يُوَجِّدْ مَا يَقْطَعُهُ وَهُوَ عَمَلٌ لَا يَلِيقُ بِالصَّلَاةِ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالنَّمَاةِ غَيْرِهَا مِنْهَا عَنْهُ لِأَنَّهُ مَا مَعْنَى لَا يَفْعَلُ عِبَادَةً لَعَلَّامَ النِّيَّةِ، وَلِى الصَّوْمِ جُوزَتْ لِلضَّرُورَةِ، وَالنِّيَّةُ هِيَ الزَّادَةُ، وَالشَّرْطُ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِقَلْبِهِ أَيْ صَلَاةً يَصَلِّي.

اُمَّا الذِّكْرُ بِالسَّلَامِ فَلَا مُعْتَبَرُ بِهِ، وَيَحْسُنُ ذَلِكَ لِأَجْمَاعِ عَزَمَتِهِ. ثُمَّ إِنْ كَانَتْ الصَّلَاةُ نَفْلًا تَكْفِيهِهِ مُطْلَقُ النِّيَّةِ، وَكَذَا إِنْ كَانَتْ مُنَّةً لِي الصَّحِيحِ، وَإِنْ كَانَتْ فَرَضًا فَلَا بُدَّ مِنْ تَعْيِينِ الْفَرَضِ

كَالظَّهْرِ مَثَلًا لِاخْتِلَافِ الْقُرُوضِ

(وَإِنْ كَانَ مُقْتَدِرًا بِغَيْرِهِ نَوَى الصَّلَاةَ وَمَتَابَعَتَهُ) لِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ قَسَادُ الصَّلَاةِ مِنْ جِهَتِهِ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّيَازِيهِ

ترجمہ:

اور جس نماز میں داخل ہوا ہے اسی کی نیت کرے۔ اور وہ نیت اس طرح کرے کہ اس نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی فاصلہ نہ کرے۔ اور اس میں دلیل نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ اعمال کے ثواب کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ نماز کی ابتداء اقام سے ہوتی ہے۔ اور قیام ہی عبادت و عادت کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ اور یہ فرق نیت ہی کے ذریعے واقع ہوگا۔ اور جو نیت تکبیر سے پہلے کر لی وہی تکبیر کے وقت قائم ہوگی اس شرط کے ساتھ کہ ان کے درمیان کوئی عمل پایا جائے۔ جو ان کو ختم کرنے والا ہو جو نماز کے شیان شان نہ ہو۔ اور جو تکبیر نیت کے بعد کی اس کا اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ جو اس سے پہلے گزر گیا وہ عبادت شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں نیت معدوم ہے۔ جبکہ روزے میں یہ نیت ضرورت کی وجہ سے جائز کی گئی ہے۔ اور نیت ارادے کا نام ہے اور نیت میں شرط یہ ہے کہ وہ دل کے ساتھ جانتا ہو۔ کہ وہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے۔

بہر حال زبان کے ذکر کرنے کا حکم تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اگر زبان کے ساتھ ذکر کرے تو یہ نیت و زبان کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے اچھا ہے۔ اگر وہ نفل نماز ہے تو اس کیلئے مطلق نیت ہی کافی ہے۔ اور اگر سنت ہو تو بھی صحیح قول کے مطابق یہی حکم ہے۔ اور اگر نماز فرض ہو تو فرض معین کرنا ضروری ہے جیسے نماز ظہر ہے کیونکہ فرض مختلف ہیں۔

اور اگر نماز کسی دوسرے کی اقتداء کرنے والا ہے تو اس کیلئے اس نماز اور دوسرے کی اتباع کی نیت کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ مقتدی کو امام کی طرف سے بھی نساؤ لازم آتا ہے لہذا اس کی اتباع کا التزام ضروری ہے۔

نیت کیلئے تعین ضروری ہے لسانی فصل محتاج نہیں:

علامہ فخر الدین عثمان بن علی بن زبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ جو شخص نماز وقتی میں یہ بتا دے گا کہ مثلاً نماز ظہر کا ارادہ وہ یہ بھی بتا دیکے کہ آج کی ظہر شاید یہ صورت کبھی واقع نہ ہو کہ نیت کرتے وقت دریافت کرنے سے یہ تو بتا دے کہ ظہر پڑھتا ہوں۔ اور یہ سوچتا رہے کہ کب کی تو قصد قلب میں تعین نوعی نماز کے ساتھ تعین شخصی بھی ضروری ہوتی ہے اور اسی قدر کافی ہے، ہاں اگر کوئی شخص بالقصد ظہر غیر معین کے نیت کرے یعنی کسی خاص ظہر کا قصد نہیں کرتا بلکہ مطلق ظہر پڑھتا ہوں چاہے وہ کسی دن کی ہو تو بلاشبہ اس کی نماز نہ ہوگی۔ (تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۵۵۲، بیروت)

علامہ ابن قیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب کوئی نماز عصر کی نیت بغیر کسی قید کے کرے تو اس میں اختلاف ہے، ظہیر میں ہے اگر کسی نے ظہر کی نیت کی تو جائز نہیں، بعض کے نزدیک جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ نماز ادا کر رہا ہو (یعنی قضا والا نہ ہو) اگر نماز قضا پڑھنے والا ہو تو اگر وقت کے نکلنے کے بعد اس حال میں پڑھی ہے کہ اسے

خروج وقت کا حکم نہیں ہوا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ اور شخص الائمہ کہتے ہیں اتنی نیت کافی ہے کہ میں وہ نماز پڑھتا ہوں جو مجھ پر واجب ہے اب اور ابویا قضاء و یقیناً اس پر لازم تھی۔ اسی طرح فتح القدیر میں فتاویٰ عثمانی کے حوالے ہے اس کی تصحیح کی ہے، لیکن خلاصہ میں عدم جواز پر جزم کا اظہار کیا گیا ہے اور سراج ہندی نے شرح المغنی میں اسی کو صحیح کہا جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ تصحیح مسئلہ میں اختلاف ہے۔ رد المحتار میں نہر کے حوالے سے ہے کہ ظہیر یہ کی عبارت سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ رائج قول پر جوازی ہے۔ (انحرارائق شرح کنز الدقائق باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ الحجیم سعید کتبخی کراچی)

ثواب کا دارودار نیت پر ہے قاعدہ فقہیہ:

حضرت عرفان روق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال (کے ثواب کا دار و مدار) نیتوں پر ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

لا ثواب الا بالنیۃ - (الاشیاء و الاشیاء) ثواب کا دار و مدار نیت پر ہے۔

نیت کا معنی:

قاموس میں ہے کہ نیت کا معنی ہے ارادہ کرنا یا کسی چیز کا ارادہ کرنا۔

دلیل قاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے کسی کام کی طرف دل کو متوجہ کرنا نیت کہلاتا ہے (مرقاۃ، ج ۱، ص ۳۰، مکتبہ المدینہ دہلی)

علامہ ابن قیم المصریؒ لکھی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اہل حق فقہاء نے یہ تفسیر کی ہے کہ مذکورہ حدیث میں اعمال سے پہلے ”حکم“ مضاف مقدر مانیں گے اور معنی یہ ہوگا کہ نیت کی قبولیت یا مردودیت کا حکم نیت کے ساتھ ہے یعنی اگر نیت اچھی ہے تو نیک عمل مقبول باعث ثواب ہوگا اور اگر نیت بری ہوگی تو عمل مردود باعث عذاب ہوگا۔ (الاشیاء)

نیت کے مشروع ہونے کی وجہ:

عبادات کو عادات سے ممتاز کرنا اور اسی طرح بعض عبادات کو بعض عبادات پر امتیاز و فوقیت کا ظاہر ہونا۔ جس طرح مسجد میں بیٹھنا اگر عادت کے طور پر ہو تو صرف آرام حاصل ہوگا اور اگر مسجد میں بیٹھنے والا ثواب کے حصول کا قصد و ارادہ کرے تو اسے آرام اور ثواب دونوں چیزیں حاصل ہوگی۔ (الاشیاء)

قلیدرز ہو کر نماز پڑھنے کا بیان:

لَا تَلَّ وَتَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (قُولُوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ) ثُمَّ مَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَفَرَضَهُ إِصَابَةً غَيْرَهَا، وَمَنْ كَانَ غَيْرًا فَفَرَضَهُ إِصَابَةً جِهَتَهَا هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ التَّكْلِيفَ بِحَسَبِ الْوُسْعِ.

(وَمَنْ كَانَ عَائِلًا يَصَلِّ إِلَىٰ أَىِّ جِهَةٍ قَلَّوْا) لِحَقِّقِ الْعُذْرَ فَاقْبِطْهُ حَالَةَ الْإِفْتِيَاءِ (فَإِنْ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ مَنْ يَسْأَلُهُ عَنْهَا اجْتَنَبْهُ وَصَلَّى) (لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمْ تَحَرَّوْا وَصَلُّوا وَلَمْ يُنْكِرُوا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) ، وَلِأَنَّ الْعَمَلَ بِالذَّلِيلِ الظَّاهِرِ وَاجِبٌ عِنْدَ الْإِعْلَامِ ذَلِيلٌ لِقَوْلِهِ ، وَالْأَسْبَغُ خَبَارٌ لِقَوْلِ النَّحْوِيِّ .

ترجمہ:

اور وہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: پس تم اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ اور جو شخص مکہ میں ہو اس کیلئے فرض یہ ہے کہ وہ عین کعبہ کو پائے۔ اور جو شخص غائب ہے اس کیلئے فرض یہ ہے کہ وہ قبلہ کی جہت کو پائے۔ یہی قول صحیح ہے۔ اس لئے کہ تکلیف طاقت کے مطابق دی جاتی ہے۔

اور جس شخص کو خوف لاحق ہو وہ جس سمت چاہے نماز اسی طرف پڑھ لے۔ کیونکہ اشتباہ کی وجہ سے اس کا عذر متحقق ہو گیا ہے۔ اگر کسی شخص پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور صورت حال یہ ہے کہ اسے کوئی بتانے والا بھی موجود نہیں جس سے وہ پوچھ سکے تو وہ اجتہاد کرے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تحری کی تھی اور نماز پڑھی تھی۔ اور نبی کریم ﷺ نے ان کو منع نہیں کیا تھا۔ اور یہ بھی ہے کہ عمل، دلیل ظاہری کے مطابق کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس سے بڑھ کر کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ لہذا پوچھنا اجتہاد سے بڑھ کر ہے۔

شرح:

عبارات کا مطلب یہ ہے کہ غیر کی کو ہرگز ضروری نہیں کہ اس کی توجہ عین کعبہ معظمہ کی طرف ہو بلکہ اسی جہت کی طرف منہ ہونا کافی ہے جس میں کعبہ واقع ہے تکلیف بقدر وسعت اور طاعت بحسب طاقت ہے اس سے خود ثابت ہوا کہ غیر مکہ مکرمہ میں اتنا انحراف کہ جہت سے خارج نہ کرے معتبر نہیں اور اس کی تصریح نہ صرف ہدایہ بلکہ عام کتب مذہب میں ہے پھر مسافت بعیدہ میں ایک حد تک، کثیر انحراف بھی جہت سے باہر نہ کرے گا اور در حق نماز قلیل ہی کہلائے گا اور جتنا بُعد پڑھتا جائے گا انحراف زیادہ معجزاںش پائے گا۔

پہلے حکم شرعی کے منسوخ اور جہت قبلہ میں نماز پڑھنے کا حکم شرعی:

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ قرآن میں قبلہ کا حکم پہلا نسخ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم دیا۔ یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی رخ نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی آپ اللہ سے دعائیں مانگ کر تھے اور لگاؤ میں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے بالآخر آیت (قد نرى) الخ نازل ہوئی اس پر یہود کہنے

گئے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں بہت گئے جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا چہرہ تہرہ منہ وادھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ اٹھا قبلہ اٹھنا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف کعبہ کی طرف میزاب کی طرف منہ کر دو جبرائیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت پاک کی تلاوت کی اور فرمایا میزاب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ کعبہ کی جہت ہونا کافی ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ کرام کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مرد اس کی طرف ہے ابو العالیہ مجاہد مکرہ سعید بن جبیر قتادہ ربیع بن انس وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے ابن جریج میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیت اللہ مسجد حرام والوں کا قبلہ اور مسجد اہل حرام کا قبلہ اور تمام زمین والوں کا حرام قبلہ ہے خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ ابو نعیم میں بروایت برادر مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند امر یہ تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں چنانچہ اللہ کے حکم سے آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عصر کی نماز ادا کی پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا وہ رکوع میں تھے اس نے کہا میں حلیفہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی یہ سن کر وہ جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۱، سورۃ البقرہ)

عبدالرزاق میں بھی یہ روایت قدرے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے سنائی میں حضرت ابوسعید بن معنی سے مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے ایک دن ہم گئے تو دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر بیٹھے ہوئے ہیں میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے میں بھی بیٹھ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (قدری) تلاوت فرمائی میں نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوں گے اور منبر سے اترنے سے پہلے ہی ہم اس نئے حکم کی تعمیل کریں اور اول فرمانبردار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نماز ظہر ادا کی گئی۔

ابن مرویہ میں بروایت ابن عمر مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف ادا کی وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوٰۃ وسطیٰ ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا کی ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے



وقت اطلاع پہنچی۔

ابن مردویہ میں روایت نویلہ بنت مسلم موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ہوئے ادا کر رہے تھے دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آ کر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی، اس گھومنے میں مرد و عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں، آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے۔

ابن مردویہ میں بروایت عمارہ بن اوس مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ہوئی اور ہم سب مرد و عورتیں پہنچ اسی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم گئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق مغرب شمال یا جنوب میں ہر صورت نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کر لیا کرو۔ ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری چارہائی ہو اور وہی نفل ادا کرنے کیلئے اس کے دل کی توجہ کعبہ کی طرف ہونی کافی ہے۔

اسی طرح میدان جنگ میں نماز پڑھنے والا جس طرح اور جس طرف بن پڑے نماز ادا کر لے اور اسی طرح وہ شخص نے قبلہ کی جہت کا قطع غلط نہیں وہ اندازہ ہے جس طرف زیادہ دل مانے نماز ادا کر لے۔ پھر اگر اس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔

مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نماز کی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے کہ شافعی، احمد اور ابو حنیفہ کا مذہب ہے اس لیے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ منہ مسجد الحرام کی طرف کر دو اور اگر سجدے کی جگہ نظر بٹھانا چاہے گا تو قدرے جھکتا پڑے گا اور یہ تکلیف کمال خشوع کے خلاف ہوگا بعض مالکیہ کا قول یہ بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے قاضی شریک کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور جماعت کا قول ہے اس لئے کہ یہ پورا پورا خشوع خضوع ہے اور اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی وارد ہوئی ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ نہ نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور اہتیاات کے وقت اپنی گود کی طرف پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں اللہ بھی ان کی ان کوتاہیوں سے بے خبر نہیں۔

قبلہ کی طرف متوجہ ہونے میں احادیث کا بیان:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔ اس کے بعد پوری حدیث بیان کرتے

ہوئے آخر میں فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ رو کھڑے ہو اور اس کے بعد تکبیر کہو۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث 261)

جہاں کہیں ہونماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے:

حضرت سیدنا جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی سواری پر، جس سمت بھی وہ رخ کرتی (اسی سمت نفل) نماز پڑھتے رہتے اور جب فرض (نمز پڑھنے) کا ارادہ فرماتے تو اتر پڑتے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیتے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھی، ابراہیم راوی ہیں علقمہ سے اور علقمہ راوی ہیں سیدنا ابن مسعودؓ سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ نے (نماز میں کچھ) زیادہ کر دیا تھا یا کم کر دیا تھا، پھر جب آپ ﷺ سلام پھیر چکے تو آپ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نئی بات ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس قدر نماز پڑھی۔ پس آپ ﷺ نے اپنے دونوں پاؤں کو سمیٹ لیا اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور دو جہدے کیے، بعد اس کے سلام پھیرا۔ پھر جب ہماری طرف منہ کیا تو فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم ہو جاتا تو میں تمہیں (پہلے سے) مطلع کرتا، لیکن میں تمہاری طرح ہی ایک بشر ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو، میں بھی بھول جاتا ہوں۔ لہذا جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلاؤ اور جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شک کرے تو اسے چاہیے کہ ٹھیک بات سوچ لے اور اسی پر نماز تمام کرے، پھر سلام پھیر کر دو جہدے (سہو کے) کرے۔ (بخاری، ج ۱، ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

احکام میں ظاہر پر عمل کیا جاتا ہے قاعدہ فقہیہ:

احکام میں ظاہر پر عمل کیا جاتا ہے اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

اس کا ثبوت یہ مائل ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا، میں صحابہ کی قبیلہ حبشہ کی بستیوں میں پہنچ گئے میں نے ایک آدمی پر حملہ کیا اس نے کہا ”لا ادری اللہ“، لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا، پھر مجھے اس فعل کے بارے میں کچھ تردد ہوا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس شخص سے کلمہ پڑھنے کے باوجود تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے اپنی بان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا؟ جس سے تم کو پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں، رسول اللہ ﷺ بار بار یہی کلمات دہراتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کاش! میں اس وقت اسلام لایا ہوتا۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۶۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس قاعدہ سے بہت سے مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ مثلاً خاص کر حدود کے بارے میں کہ جب گواہوں کی شہادت پہنچ نہ ہو، حالانکہ اگر تین گواہوں نے قسم کھا کر بھی کہا کہ ہم نے زنا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو حد ثابت نہ ہوگی اگرچہ اسے نزدیک حقیقت یہی ہے کہ زنا ہوا ہے لیکن چونکہ گواہی کا نصاب چار گواہوں کا ہے اس لئے حکم حد ثابت نہ ہوگا بلکہ حد کا معامد اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔

استقبال قبلہ کے چند مسائل:

پوری نماز میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنا نماز کی شرط اور ضروری حکم ہے لیکن چند صورتوں میں اگر قبلہ کی طرف منہ نہ کرے پھر بھی نماز جائز ہے مثلاً

مسئلہ :- جو شخص دریا میں کسی تختہ پر بہا جا رہا ہو اور صبح اندیشہ ہو کہ منہ پھیرنے سے ڈوب جائے گا اس طرح کی مجبوری سے وہ قبلہ کی طرف منہ نہیں کر سکتا تو اس کو چاہیے کہ جس رخ بھی نماز پڑھ سکتا ہو پڑھ لے۔ اس کی نماز ہو جائے گی اور بعد میں اس نماز کو دہرانے کی بھی ضرورت نہیں۔ (بہار شریعت)

مسئلہ :- بیمار میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر سکے اور وہاں دوسرا ایسا کوئی آدمی بھی نہیں جو کعبہ کی طرف اس کا منہ کراوے۔ تو وہ اس مجبوری کی حالت میں جس طرف بھی منہ کرے نماز پڑھ لے گا اس کی نماز ہو جائے گی اور اس نماز کو بعد میں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (بہار شریعت و رد المحتار)

مسئلہ :- چلتی ہوئی کشتی میں اگر نماز پڑھے تو تکبیر تحریرہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز شروع کرے اور جیسے جیسے کشتی گھومتی جائے خود بھی قبلہ کی طرف منہ پھیرتا رہے چنانچہ فرض نماز ہو یا نفل۔ (فتنیہ)

مسئلہ :- اگر یہ نہ معلوم ہو کہ قبلہ کدھر ہے اور وہاں کوئی نشانہ نہ والا بھی نہ ہو تو نمازی کو چاہیے کہ اپنے دل میں سوچے اور چند مرتبہ قبلہ ہونے پر دل جم جائے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ اس کے حق میں وہی قبلہ ہے۔ (مدیہ المصلیٰ وغیرہ)

مسئلہ :- جس طرف دل جم گیا تھا اور منہ کر کے نماز پڑھ رہا تھا پھر درمیان نمازی میں اس کی یہ رائے بدل گئی کہ قبلہ دوسری طرف ہے یا اس کو اپنی غلطی معلوم ہو گئی تو اس پر فرض ہے کہ فوراً ہی اُس طرف مھوم جائے اور پہلے جتنی رکعتیں پڑھ چکا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں آئے گی اس طرح اگر نماز میں اس کو چاروں طرف بھی گھومنا پڑا پھر بھی اس کی نماز ہو جائے گی اور اگر رائے بدلتے ہی یا غلطی ظاہر ہوتے ہی دوسری طرف نہیں گھوما۔ اور تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے برابر دیر لگا دی تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ (رد المحتار و رد المحتار ج 1 ص 491)

مسئلہ :- نمازی نے اگر بلا قصد اُجاں بوجھ کر قبلہ سے سینہ پھیر دیا اور اگرچہ فوراً ہی اُس نے قبلہ کی طرف سینہ پھیر لیا پھر بھی اس کی نماز ٹوٹ گئی اور وہ پھر سے نماز پڑھے اور اگر نماز میں بلا قصد و ارادہ قبلہ سے سینہ پھیر گیا اور فوراً ہی وہ قبلہ کی طرف سینہ

کریا تو اس کی نماز ہوگئی۔ (منیہ المصلیٰ)

مسئلہ :- اگر صرف من قبلہ سے پھیر لیا اور سینہ قبلہ سے نہیں پھیرا تو اس پر واجب ہے کہ فوراً ہی وہ قبلہ کی طرف منہ کرے۔ اس کی نماز ہو جائے گی مگر بلا عذر ایک سیکنڈ کیلئے بھی قبلہ سے چہرہ پھیر لینا مکروہ ہے۔ (منیہ المصلیٰ)

مسئلہ :- اگر نماز نے قبلہ سے نہ سینہ پھیرا نہ چہرہ بلکہ صرف آنکھوں کو پھیر پھیر کر ادھر ادھر دیکھ لیا۔ تو اس کی نماز ہو جائے گی مگر ایسا مکروہ ہے۔

حزبی میں غلطی کرنے والا کیلئے اعادہ نماز کا حکم:

(لَبَّانْ عَلِمَ أَنَّهُ اِغْطَا بَعْدَهَا صَلَّيْ لَا يُعِيدُهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُعِيدُهَا إِذَا اسْتَدْبَرَ لِتَقْيِيهِ بِالْغَطَا، وَلَمْ يَحْزَنْ يَقُولُ: لَيْسَ فِي وَسْعِهِ التَّوَجُّهُ إِلَى جِهَةِ التَّحَوُّلِ وَالْتَكْلِيفُ مُقْتَدِرٌ بِالْوُسْعِ (وَأَنَّ عَلِمَ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَدَارَ إِلَى الْقِبْلَةِ وَبَنَى عَلَيْهِ) لِأَنَّ أَهْلَ قَبَاوَلَمَا سَمِعُوا بِتَحَوُّلِ الْقِبْلَةِ اسْتَدَارُوا كَهَيْئَتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ، وَاسْتَحْسَنَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَتَحَدَّثُوا إِذَا تَحَوَّلَ رَأْيُهُ إِلَى جِهَةِ الْغُرَى تَوَجُّهُ إِلَيْهَا لَوْ جُوبِ الْعَمَلُ بِإِلَاحِثَتِهَا فِيمَا يَسْتَقْبِلُ مِنْ غَيْرِ نَقْضِ الْمُؤَدَّى قَبْلَهُ.

ترجمہ:

اگر کسی شخص کو نماز پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ غلط سمت میں تھا تو وہ نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اگر وہ دوران نماز پھرا ہے تو پھر وہ اعادہ کرے گا۔ کیونکہ اس کو غلطی کا یقین ہو گیا ہے۔ جبکہ فقہاء احناف کہتے ہیں کہ جہت قبلہ کی طرف متوجہ ہونے میں اس کی وسعت کے سوا اس پر کچھ لازم نہیں۔ اور تکلیف وسعت کے ساتھ مقید ہے۔ اور اگر اس شخص کو نماز کے اندر ہی معلوم ہوا کہ وہ غلطی پر ہے تو وہ نماز کے اندر ہی قبلہ کی طرف پھر جائے۔ اس لئے کہ اہل قباوہ نے جب تحویل قبلہ کا حکم سننا تو وہ نماز ہی میں پھر گئے تھے۔ اور ان کے اس فعل کو نبی کریم ﷺ نے اچھا کہا تھا۔ اور اسی طرح نماز میں اس کے رائے دوسرے طرف تبدیل ہوگئی تو وہ اسی جانب پھر جائے کیونکہ اس کا وہ نماز والے حصے کو اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ جبکہ پہلے اجتہاد کو بھی پس توڑا جائے گا۔ کیونکہ وہ اجتہاد سے ادا کیا گیا تھا۔

حزبی کی صورت میں تبدیلی جہت میں امام شافعی نے موقف اعادہ نماز کا جواب:

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک جب اسے پہلی جانب نماز پڑھنے کی صورت میں یقین ہو گیا کہ وہ غلطی پر ہے تو وہ دوسری جانب پھر جائے جبکہ پہلی پر ہی ہوئی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ وہ غلط جہت پر تھی۔ لہذا وہ اس کا اعادہ کرے گا۔ لیکن احناف کے نزدیک اس پر اعادہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے پہلی بھی اجتہاد کے مطابق پڑھی اور دوسری جہت بھی اجتہاد کے مطابق ہے۔ اور اگر اجتہاد میں خطا بھی ہو تو اس پر اگر مرتب ہوتا ہے۔ جس طرح حدیث مبارکہ میں ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب حاکم سوچ کر کوشش سے فیصلہ کرے پھر صحیح کرے تو اس کے لئے دوا جر ہیں اور جو سوچ کر فیصلہ دے اور غلطی کر بیٹھے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ (صحیح مسلم، رقم ۱۰۵۶)

قبلہ کے متعلق کیا وارد ہوا ہے اور جس نے اس شخص کے لیے جو بھول کر قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف نماز پڑھے نماز پر ہرانا ضروری نہیں سمجھا؟

امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے پروردگار سے تین باتوں میں موافقت کی میں نے (ایک مرتبہ) کہا کہ یا رسول اللہ! کاش ہم مقام ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ بنالیں پس یہ آیت نازل ہوئی اور مقام ابراہیمؑ پر نماز ادا کرو۔ (البقرہ: ۱۲۵) اور حجاب کی آیت بھی میری خواہش کے مطابق نازل ہوئی۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کاش آپ ﷺ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دے دیں، اس لیے کہ ان سے ہر نیک و بد گفتگو کرتا ہے۔ پس جب آپ کی آیت نازل ہوئی اور (ایک مرتبہ) نبی ﷺ کی بیویوں آپ ﷺ پر جوش میں (آ کر) جمع ہوئیں تو میں نے ان سے کہا کہ اگر وہ (نبی ﷺ) تم کو طلاق دے دیں تو عنقریب ان کا رب انھیں تم سے اچھی بیویاں تمہارے بدلے میں دے دے گا۔ (التحریم: ۱) پس یہی آیت نازل ہوئی۔ (بخاری، رقم ۲۶۲۸)

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عامر بن ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آسمان پر بادل چھا گیا اور ہم پر قبلہ مشتبہ ہو گیا ہم نے نماز پڑھ لی اور (جس طرف نماز پڑھی تھی اس طرف) نشانی لگادی جب سورج نکلا تو معلوم ہوا کہ ہم نے قبلہ کے علاوہ اور طرف نماز پڑھ لی ہے تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پس تم جہر بھی منہ کر داور حق الہی کی جہت ہے۔ یعنی وہ جہت جس طرف تمہیں نماز کا حکم ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھی اور ان کا منہ قبلہ کے بائیں طرف تھا (جب وہ نماز پڑھ چکے) تو پوچھا گیا کہ آپ نے خلاف قبلہ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں (کبھی) ایسا نہ کرتا۔ (بخاری، ۵۸۴۲)

ایک اجتہاد کا دوسرے اجتہاد کو منسوخ نہ کرنے کا قاعدہ عظیم:

الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد (الاشیاء ص ۵۳)

ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد کے ذریعے منسوخ نہیں ہوتا کیونکہ دوسرا اجتہاد پہلے اجتہاد سے قوی نہیں ہوتا۔

اس قاعدہ کا ثبوت اجماع ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سارے ایسے مسائل کا فیصلہ فرمایا ہے جبکہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے کئی مسائل میں ان سے اجتہاد اختلاف کیا ہے مگر انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حکم و فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا۔ (ارشاد)

اجتہاد کا شرعی معنی:

۱۔ مد سید شریف لکھتے ہیں: کہ اجتہاد کا لغوی معنی ہے کوشش کرنا، جبکہ اصطلاح شرع میں کسی مسئلہ شرعیہ میں کتب و سنت سے استدلال میں ذاتی و فکری قوت کو تعارف میں لانا اجتہاد کہلاتا ہے۔ (کتاب فقہیات ص ۴، مطبوعات انتشار، ایران)

۲۔ اجتہاد کا ثبوت:

قرآن مجید میں: تا ہے۔ ترجمہ: اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو یاد کیجئے جب وہ ایک کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت کو چرایا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے پس ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکومت اور علم عطا فرمایا تھا۔ (الانبیاء ص ۷۸، ۷۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے ان میں سے ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا مالک تھا کھیت کے مالک نے کہا: اس آدمی نے اپنی بکریاں میرے کھیت میں ہانک دیں اور میرے کھیت میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ یہ ساری بکریاں تیری ہیں۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تھا۔ پھر بکریوں والا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا کیا ہوا فیصلہ بتایا۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے نبی: آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے سوا ایک اور فیصلہ ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: وہ کیا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کھیت والے کو تو معلوم ہے کہ ہر سال اسکی کتنی فصل ہوتی ہے وہ اس فصل کی قیمت بکریوں والے سے وصول کرے اور بکریوں والا بکریوں کے ہل، اون اور ان کے بچوں کو بیچ کر وہ قیمت ادا کرے۔ جبکہ بکریوں کی نسل تو ہر سال چلتی رہتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: تم نے صحیح فیصلہ کیا اور فیصلہ یہی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۱۸۶۵۶)

بچے کا فیصلہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو عورتیں تمہیں اور ان کے ساتھ دو بچے تھے بھڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بچے کو کھایا گیا۔ ایک نے دوسری سے کہا کہ بھڑیے نے تمہارے بچے کو کھایا اور دوسری نے کہا بھڑیے نے تمہارے بچے کو کھایا ہے پھر ان دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ پیش کیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے بیوی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ پھر وہ دونوں عورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گئیں اور اپنے مقدمہ پیش کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: مجھے چھری لا کر دو۔ میں اس بچے کو کاٹ کر دو گلوے کر دیتا ہوں پھر اس کو تم

دونوں کے درمیان تقسیم کروں گا۔ جب چھوٹی عورت نے کہا کہ نہیں! اللہ آپ پر رحم کرے یہ اسی کا بچہ ہے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چھوٹی عورت کے حق میں بچے کا فیصلہ کر دیا۔ (مسلم ج ۲ ص ۷۷، اللہ ہی کتب خانہ کراچی)

قرآن سنت سے مذکورہ دونوں مسائل سابقہ شریعتوں سے ذکر کئے گئے ہیں اب ہم اجتہاد کا بوث موجودہ شریعت یعنی شریعت مصطفیٰ ﷺ سے اجتہاد کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے کہا میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے لئے اس قدر کوفت دی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے اور وہ صحیح ہو تو اس کو دواجر ملتے ہیں اور جب وہ فیصلہ کرنے میں خطا کرے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

(جامع ترمذی ج ۵ ص ۵۹، ۱۵۸، اللہ ہی کتب خانہ کراچی)

### ۳۔ چار رکعات چار ستونوں کی طرف:

اگر نمازی کو قبلہ کی سمت میں اجتہادی رائے سے تبدیلی آجائے تو وہ اپنے دوسرے اجتہاد کے مطابق عمل کر سکتا ہے لیکن اس صورت میں اس کا پہلا اجتہاد بھی درست رہے گا حتیٰ کہ اگر اس نے اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق چاروں رکعات مختلف چار ستونوں کی طرف رخ کر کے ادا کر لیں تو اس کی نماز جو جائے گی اور اس پر ان کی قضاء نہیں ہے۔ (الاشاہ ص ۵۱)

اجتہاد:

اگر حاکم نے کوئی حکم دیا اور اس کے بعد انکی اجتہادی رائے تبدیل ہوگئی ہو تو اس کا پہلا حکم برقرار رہے گا مگر آئندہ وہ اپنے دوسرے اجتہاد کے مطابق حکم دیا کرے گا۔

### ۴۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلے اجتہاد کو منسوخ نہیں کیا:

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سلطنت کا کام بہت ہو گیا تو انہوں نے عدالت کا کام، حضرت ابوالارداء رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اسی دوران ایک مرتبہ دو آدمیوں کا مقدمہ ان کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت ابوالارداء نے ایک کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ تو وہ شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ فیصلہ تو میرے خلاف ہوا ہے۔ تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں انکی جگہ پر ہوتا تو میں تمہارے حق میں فیصلہ کرتا تو اس شخص نے کہا کہ اب آپ کو فیصلہ کرنے میں کون سی چیز مانع ہے آپ نے فرمایا: کیونکہ اس معاملہ میں کوئی نص شرعی وارد

نہیں۔ اس لئے اجتہاد اور رائے دونوں برابر ہیں۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے پہلے سال میراث کے ایک مسئلہ میں جو حجر یہ یا شتر کہ کے نام سے مشہور ہے کہ سنگے بھائی کو کچھ نہ دیا جائے۔ جب دوسرا سال آیا تو انہوں نے پھر ایسا فیصلہ کرنا چاہا تو سنگے بھائی نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اخیانی بھائی اپنی والدہ کی طرف سے جو کہ میری بھی ماں ہے وارث بنے ہیں، غرض کریں کہ ہمارا باپ گدھا تھا یا ایک پتھر تھا جسے سمندر میں پھینک دیا گیا تو کیا ہم سب کی ماں ایک نہیں؟ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی بھائیوں کے ساتھ شریک کر دیا لوگوں نے کہا۔ آپ نے گذشتہ سال اس کے خلاف فیصلہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: وہ مسند اس فیصلہ کے مطابق تھا جو ہم کر چکے ہیں اور یہ مسئلہ اس فیصلہ کے مطابق ہے جو ہم اب کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے باطل یا منسوخ نہیں ہوتا۔ (الطریق النکلیہ ص ۳۷، دائرۃ المکتب الاسلامیہ، بیروت)

تین جہت کعبہ کیلئے عراب کے استعمال میں قیمتی تصریحات:

جہت کعبہ دلیل کے ذریعہ پہچانی جاسکتی ہے اور دلیل شہروں اور دیہاتوں میں وہ محراب ہیں جو صحابہ کرام دینا عین رضی اللہ عنہم اجماع نے قائم کئے، صحابہ نے جب عراق کا علاقہ فتح کیا تو انہوں نے وہاں کے لوگوں کیلئے مشرق و مغرب کے درمیان جہت کعبہ مقرر کی اس لئے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عراقی مغرب کو اپنی دائیں طرف اور مشرق کو اپنی بائیں طرف کر لے۔

اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی اتباع میں کہا ہے جس میں ہے کہ جب تم مغرب کو اپنی دائیں طرف اور مشرق کو اپنی بائیں طرف کر لے تو ان کے درمیان اہل عراق کا قبضہ ہے۔ اور جب صحابہ نے خراسان فتح کیا تو وہاں کے رہنے والوں کے لئے موسم گرما کے مغرب اور موسم سرما کے مغرب کے درمیان کو قرار دیا۔ پس ہم پر ان کی اتباع لازم ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے اہل رے کے لئے قبلہ کا تعین کرتے ہوئے فرمایا: جدی (ستارہ) کا اپنے بائیں کانڈھے پر کرو۔ ان کے علاوہ دیگر شہروں کے بارے میں مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ جب بنات نقش صغریٰ کو اپنے دائیں کان پر کرتے ہوئے تھوڑا سا اپنی بائیں طرف پھر جاؤ یہی تمہارا قبضہ ہے۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ جدی (ستارہ) کو جب اپنے بائیں کان کے پیچھے کر لے تو یہ تیرا قبضہ ہے اور حضرت عبداللہ ابن مبارک، ابو مطیع، ابو معاذ، سلم بن سالم اور علی بن یونس رحمہم اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہمارا قبلہ عقب (ستارہ) ہے۔ اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ سورج نرج جوزا میں ہو تو ظہر کے آخری وقت میں جب تو سورج کی طرف اپنے چہرے کو پھیر لے تو یہی تمہارا قبلہ ہے۔

اور فقیر ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم چہرہ مغارب کے سامنے کی طرف کرو تو سر واقع تمہارے دائیں کانڈھے کے برابر اور سر طائر چہرے میں تمہاری دائیں آنکھ کے مقابل ہوگا جو ان کے درمیان ہو وہ قبلہ ہے۔ فرمایا اور بخبراکا



قبلہ ہرے کی قبلہ پر ہے اور امام قاضی صدر الاسلام کا قول ہے کہ قبلہ دونوں سرورں کے درمیان ہے۔

شیخ الاسلام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تم سال کے بڑے دنوں میں سورج کے مغرب کی طرف دیکھو اس طرح سال کے چھوٹے دنوں میں دیکھو پھر اپنی دائیں جانب سے دو تہائی اور بائیں جانب سے ایک تہائی چھوڑ دو تو یہ سمت قبلہ ہے۔ یہ تمام اقوال ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصلوٰۃ، ج ۱، ص ۳۳ بکھنڈ)

اندھیری رات میں پڑھائی جانے والی نماز میں تحری کا حکم:

قَالَ ( وَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَتَحَرَّى الْقِبْلَةَ وَصَلَّى إِلَى الْمَشْرِقِ وَتَحَرَّى مَنْ خَلْفَهُ فَصَلَّى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ إِلَى جِهَةٍ وَكُلُّهُمْ خَلْفَهُ وَلَا يَتَلَمَّحُونَ مَا صَنَعَ الْإِمَامُ أَجْزَأُ لَهُمْ ) يَوْجُودُ التَّوَجُّعُ إِلَى جِهَةِ التَّحَرَّى ، وَهَلِيلُهُ الْمُتَخَالَفُ غَيْرُ مَنَافَةٍ كَمَا فِي جَوَافِ الْكُفَيَّةِ ( وَمَنْ عَلِمَ مِنْهُمْ بِحَالِ إِمَامِهِ تَفُسَّدَ صَلَاتُهُ ) لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ إِمَامَهُ عَلَى الْخَطِإِ ( وَكَذَلِكَ لَوْ كَانَ مُتَعَدِّيًا عَلَيْهِ ) لَيَرْكَبُهُ قُرْصُ الْمَقَامِ

ترجمہ:

اور جس شخص نے لوگوں کو اندھیری رات تحری کے ساتھ نماز پڑھائی۔ اور اس نے تحری کی کہ قبلہ جانب مشرق ہے۔ اور امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں ہر ایک نے نماز میں تحری کی۔ لہذا ان میں سے ہر ایک نے الگ طرف نماز پڑھی۔ حالانکہ وہ سب ہی امام کے پیچھے تھے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ امام نے کیا عمل کیا ہے۔ تو ان کی نماز چار بڑے۔ کیونکہ تحری کی جانب ان کی توجہ پائی گئی ہے۔ اور تحری کی مخالفت مانع نماز نہیں ہے۔ جس طرح جوف کعبہ کے مستند میں ہے۔ اور ان مقتدیوں میں سے جس نمازی نے اپنے امام کی حالت معلوم کر لی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنے امام کو غلطی پر گمان کیا ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ شخص امام سے آگے بڑھا تو بھی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس مقام فرض ترک کیا ہے۔ جہت کعبہ کی مثال سے مسئلہ تحری کے قیاس کا حکم:

صاحب طحطاوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غیر کی کو ہرگز ضروری نہیں کہ اس کی توجہ میں کعبہ معظمہ کی طرف ہو بلکہ اس کی جہت کی طرف منہ ہونا کافی ہے جس میں کعبہ واقع ہے تکلیف بقدر وسعت اور طاعت بحسب طاقت ہے اس سے خود ثابت ہوا کہ غیر مکہ مکرمہ میں اتنا انحراف کہ جہت سے خارج نہ کرے معترضین اور اس کی تصریح نہ صرف ہدایہ بلکہ عامہ کتب مذہب میں ہے پھر مسافت بیدہ میں ایک حد تک کثیر انحراف بھی جہت سے باہر نہ کرے گا اور درحق نماز قبیل ہی کہلانے گا اور جتنے بعد بڑھتا جائیگا انحراف زیادہ گنجائش پائے گا۔ بحر الرائق و طحطاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: المسامحة المتفرقة هو ان يكون منحرفا عن القبلة لانحراف الاذنول به المقابلة بالكلية، والمقابلة اذا وقعت في مسافة بعيدة لانزول مسانزلول به من الانحراف لو كانت في مسافة قريبة۔

مسافت تقریبی یہ ہے کہ انحراف عن القبلة اس طرح ہو کہ جہت کعبہ نے مقابلہ بالکل یہ ختم نہ ہو اور مقابلہ جب مسافت بیدہ کی صورت میں ہو تو وہ اتنے انحراف سے ختم نہیں ہوتا جتنے سے مسافت قریب میں مقابلہ ہو۔ ختم ہوتا ہے۔ (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

## باب صفۃ الصلوۃ

یہ باب نماز کی صفات کے بیان میں ہے ﴿

باب مفت الصلوۃ کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب نماز کی صفات کے بیان میں ہے۔ مصنف جب ان وسائل کے بیان سے فارغ ہوئے جو نماز کیلئے شرائط و اسباب تھے۔ تو اب یہاں سے مقصود کا بیان شروع کیا ہے۔ اور صفت نماز، صفت وصف کو کہتے ہیں۔ اور صفت مصدر ہے۔ جس طرح ”زعدہ وزن بزنہ“ ہیں۔ اور باب ”ضرب ضرب“ سے ہے۔

(البناتین شرح الہدایہ ج ۲ ص ۱۶۳، تھانیہ ملتان)

نماز کے چھ فرائض کا بیان:

(لَمَّا رَأَى الصَّلَاةَ مَسَّةً: التَّحْوِيمُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَرَبُّكَ فَكَبِّرْ) وَالْمُرَادُ تَكْبِيرُهُ الْإِلْفَاحُ، وَالْقِيَامُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَتَوَمَّؤْا لِلَّهِ قَائِمِينَ)،

(وَالْقِرَاءَةُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَاقْرَءُوا مَا تَسْرِمْنَ الْقُرْآنَ) (وَالرُّكُوعُ وَالسُّجُودُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا) (وَالْقُعُودَةُ فِي آخِرِ الصَّلَاةِ بِمَقْدَارِ الشَّهَادَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا نَبِيَّ مَسْمُودٍ رَجِئِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ عَلَّمَهُ الشَّهَادَةَ إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ قُلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ (عَلَّقَ الصَّلَامُ بِالْفِعْلِ قَرَأَ أَوْ لَمْ يَقْرَأَ).

ترجمہ:

نماز کے چھ فرائض ہیں۔ (۱) تکبیر تحریر، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ اس سے مراد تکبیر افتتاح ہے (۲) قیام، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے اور تم کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔ (۳) قرأت، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے پس تم پڑھو جس قدر قرآن سے آسان ہو۔ (۴-۵) رکوع و سجود، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے اور تم رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ (۶) نماز کے آخر میں تشهد کی مقدار بیٹھنا۔ کیونکہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تشهد سکھایا تو فرمایا جب تم نے یہ کہہ لیا یا کر لیا تو تمہاری نماز پوری ہوگئی۔ لہذا آپ ﷺ نے تکمیل نماز کو فرائض پر معلق کیا ہے۔ اگرچہ کچھ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو۔

فرض کی تعریف:

وہ کام جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کا ترک بالکل لازم مع ہو۔ اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس سے فعل کا لازم بھی قطعی ہو اور

اس کا انکار کفر ہو اور اس کو ترک کرنے والا عذاب کا مستحق ہو۔ چاہے ہمیشہ ترک کرنے والا ہو یا کبھی کبھی۔  
(رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

بکبیر تحریرہ کی وجہ تسمیہ:

علامہ ابن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بکبیر تحریرہ نماز کا فرض ہے اس کا رکن نہیں ہے۔ اور اسیت کے تحقق کیلئے اس کے آخر میں تا کو لاحق کیا گیا ہے۔ اور اب یہ نام اس بکبیر کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ بکبیر ہر اس چیز کو حرام قرار دیتی ہے جو اس سے پہلے حلال تھی۔ (جیسا مباح کاموں کا مثلاً کھانا، پینا اور کلام کرنا وغیرہ ہیں)۔ اور باقی تمام بکبیرات میں سے کوئی بکبیر بھی اشیاء مباحہ کو حرام کرنے والی نہیں۔ (عنا یہ شرح الہدایہ ج ۱ ص ۱، بیروت)

بکبیر تحریرہ کی فریضیت کا بیان:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تو بکبیر سے شروع فرماتے تھے اور قرأت کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے۔ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ آہستہ سے پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

کیونکہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی و عظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال و اخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہیے۔ بہر حال اس کے کمالات و انعمات پر نظر کرتے ہوئے نماز میں اور نماز سے باہر اس کی بڑائی کا اقرار و اعلان کرنا تمہارا کام ہے۔

کبیرہ کی صرف اللہ کے لیے ہے اس لیے اسی کی کبریائی کا ذکر تمہاری زبان پر ہونا چاہیے اور اسی کا چرچا لوگوں میں کرنا چاہیے۔ نماز کا آغاز بکبیر یعنی اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کے کلمات ہی سے ہوتا ہے اور اذان میں بھی بار بار اس کلمہ کو دہرایا جاتا ہے تاکہ فضا اللہ کی بکبیر سے گونج اٹھے۔ بکبیر کا حکم سورۃ بنی اسرائیل کی آیت میں بھی دیا گیا ہے:

وَسُبِّحَہُ تَنْکَبِیرًا اور اس کی بڑائی بیان کرو جیسی بڑائی بیان کرنا چاہیے۔

اللہ کی بڑائی بیان کرنے میں شرک کی تردید بھی ہے اور توحید کا اثبات بھی۔ مشرکین نے کسی کو مہاد یو بنادیا ہے اور کسی کو مہاتما جن کی وہ پرستش کرتے ہیں لیکن یہ صرف دعوے ہیں حقیقت یہ ہے کہ کبریائی اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اور نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے جس کی پرستش کی جائے۔

قیام کی فریضیت کا بیان:

علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نماز کا دوسرا فرض قیام ہے۔ اور قیام فرض نماز میں فرض ہے نفی نماز فرض نہیں ہے۔ اور نماز میں اس کی فریضیت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”وقوموا للہ قانتین“ اس سے استدلال یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے قیام کو حکم دیا ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔ جبکہ نماز کے باہر قیام واجب نہیں ہے۔ لہذا نماز کے اندر قیام کا وجوب بطور ضرورت واجب ہو گیا۔ اور "قانتین" قوموا، "میں اتم ضمیر سے حال ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم نہ موش رہنے والے ہو اور تم کلام کو ترک کرنے والے ہو۔ اور اس پر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ ہم نماز میں کلام کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا "وقوموا للہ قانتین" اس حدیث کو امام ابن ماجہ کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ (البنائۃ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۱۶۵، تھانیہ ملتان)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

حَافِظُوا عَنِيَ الصَّلَواتِ وَالصَّلَاةَ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ فَإِنِ بَخِفْتُمْ فَأُولَٰئِكَ نَبُذْنَاهُمْ قَدْ أَفْسَدُوا

فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمْتُمْ مَا لَمْ يَكُنُوا يَعْلَمُونَ (البقرہ، ۲۳۸، ۲۳۹)

سب نمازوں کی حفاظت کرو اور (خاص طور پر) سچ والی نماز کی۔ اور اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے رہا کرو۔ پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار جس حال میں ہو (نماز پڑھ لو)۔ پھر جب امن ہو جائے تو اللہ کو اسی طریقے سے یاد کرو جس طریقے سے اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

علماء نے اس آیت کی روشنی میں فرض نماز میں قیام کے لازمی ہونے پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ فرض نماز پڑھنے والے امام ہو یا مقتدی یا منفرد (یعنی اکیلے نماز پڑھنے والا) کسی کے لیے بھی عذر کیغیر فرض نماز بیٹھ کر ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ اگر امام کسی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھانے پر قادر نہ ہو تو مقتدی بھی اس کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھیں گے۔ فرمان رسول ہے۔

وَإِذَا صَلَّى قَابِمَا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ (صحیح بخاری کتاب الاذان

باب اتما جعل الامام لیتم بہ)

جب (امام) کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور جب وہ (کسی عذر کی بنا پر) بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی (اس کے پیچھے) بیٹھ کر نماز ادا کرو۔

قرأت کی فرضیت کا بیان :

علامہ بدر الدین عینی رضی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نماز کا تیسرا فرض قرأت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "فَأَقْوَ وَا مَّا نَكْتَسِرَ مِنَ الْقُرْآنِ" اس سے استدلال یہ ہے کہ اس میں قرأت کا امر ہے جو وجوب کیلئے آتا ہے۔ جبکہ نماز سے باہر ایسے قرأت واجب نہیں ہے۔ لہذا اسی وجہ سے قرأت کا وجوب نماز میں متعین ہو گیا۔

(البنائۃ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۱۶۵، تھانیہ ملتان)

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابوبریرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے کہ اس میں سے ایک آدمی آیا، اس نے نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے واپس ہو کر پہلے کی طرح پھر نماز پڑھی اور لوٹ کر آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے ولیم السلام کہتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز ادا نہیں کی۔ حتیٰ کہ تین دفع ایسے ہی کیا تو آدمی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو رسول پر حق بنایا ہے کہ میں اس طریقہ کے علاوہ مزید کسی چیز سے ناواقف ہوں، براہ کرم آپ ﷺ ہی مجھے ارشاد فرمائیے۔ فرمایا اور پھر جنت قرآن تم با آسانی پڑھ سکتے ہو وہ پڑھو، اس کے بعد اطمینان سے رکوع کرو اور پھر یہ آرام بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ، اس کے بعد اطمینان جگہ کرو اور پھر اطمینان قعدہ میں بیٹھو اور اسی طرح اپنی پوری نماز میں کیا کرو۔ (اس حدیث سے یہ چیز معلوم ہوئی کہ نماز میں تعدیل ارکان بہت ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اور جمہور علماء کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے)۔ (صحیح مسلم ۲۸۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے اور مسافر بھی جو ملک میں روزی یا علم وغیرہ کی تلاش کرتے پھر رہے گے اور وہ مرد و عورت بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے ان حالات میں شب بیداری کے احکام پر عمل کرنا سخت دشوار ہو گا۔ اس لیے تم پر تخفیف کردی کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں فرض نماز میں نہایت اہتمام سے باقاعدہ پڑھتے رہو۔

رکوع کی فرضیت کا بیان:

نماز کا جو تھا فرض رکوع ہے۔ اس کی فرضیت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”لَوْ كُفِّرُوا وَاسْتُعْذِرُوا“ اس میں امر کا میخ ہے جس کی دلالت وجوب پر ہے۔ جبکہ غیر نماز میں کسی قسم کا رکوع شروع ہی نہیں۔ جس کی وجہ سے یہ حکم نماز والے رکوع کیلئے متعین ہو گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الحج- ۷۷)

اے ایمان والو! رکوع اور عبادت کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو اس امید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو۔ (کنز الایمان)

ہدایہ کے متن میں ”واؤ“ استعمال ہوا ہے جبکہ آیات میں ”واؤ“ کی قرأت نہیں ہے۔ لہذا یہ کتابت کا سہو ہے۔

(البنائے شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۱۶۵، حقایق مکتان)

عبدہ کی فرضیت کا بیان:

نماز کا پانچواں فرض عبدہ ہے اس کی فرضیت کا استدلال دو دلیل رکوع والے حکم میں گزر چکی ہے کیونکہ رکوع و سجود آیت میں

دونوں کا بیان ہے۔

تعدہ آخرہ کی فرضیت کا بیان:

نماز کا چھ فرض تعدہ آخرہ ہے۔ اس کی فرضیت کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت سے ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ" اس حدیث سے استدلال کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ خبر واحد ہے لہذا کسی خبر واحد سے فرضیت کو کیسے ثابت کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ خبر واحد مفید ظن ہے۔ اور ثبوت فرضیت کیسے قطعی الدلالت کا ہونا ضروری ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ روایت اس کی فرضیت کو ثابت کرنے والی نہیں ہے بلکہ یہ حدیث قرآن کریم میں حکم نماز کا بیان ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ" اور جب نبی کریم ﷺ نے تکمیل نماز اس کو اس فعل قعود یا فعل قرأت تشہد کے ساتھ معلق یہ تو یہ تکمیل نماز کیلئے ضروری ہو گیا۔ اور فقہ کا قاعدہ ہے جو چیز واجب کے بغیر پوری نہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ لہذا اس حدیث نے قرآن کے حکم "قِمِرُ الصَّلَاةِ" کے اجمال کو بیان کیا ہے لہذا آخری تعدہ کی فرضیت اس حکم قرآنی سے بذریعہ بیان حدیث کے طور پر ثابت ہو گئی۔

واجبات نماز کا بیان:

قَالَ ( وَمَا يَرَى ذَلِكَ فَهُوَ مُنْتَهَى ) أَطْلَقَ اسْمَ السُّنَّةِ ، وَفِيهَا وَاجِبَاتٌ كَقِرَاءَةِ الْقَائِمَةِ وَطَمِ السُّوْرَةِ إِلَيْهَا وَمُرَافَعَةِ التَّرْتِيبِ لِمَا خُصِرَ مَكْرُورًا مِنَ الْأَفْعَالِ ، وَالْقَعْدَةُ الْأُولَى وَقِرَاءَةُ الشَّهَادَةِ فِي الْقَعْدَةِ الْآخِرَةِ وَالْقُسُوتِ فِي الْوُتْرِ وَكَبِيرَاتِ الْوَعْدَيْنِ وَالْجَهْرُ فِيمَا يُجْهَرُ فِيهِ وَالْمُخَافَةُ فِيمَا يُخَافُ فِيهِ ، وَلِهَذَا تَجِبُ عَلَيْهِ سَجْدَتَا السُّهُوِّ بَتَرَكَمَا ، هَذَا هُوَ الصَّوْحُحُ ، وَتَسْمِيَتُهَا مُنْتَهَى فِي الْكِتَابِ لِمَا أَنَّهُ تَبَيَّنَ وَجُوبُهَا بِالسُّنَّةِ .

ترجمہ:

فرمایا اور جو اس کے علاوہ ہیں وہ سب سنت ہیں۔ ان پر سنت کا اطلاق کیا ہے حالانکہ ان میں واجبات بھی ہیں جیسے فاتحہ کا پڑھنا ہے۔ اور اس کے ساتھ سورت ملانا ہے اور انہی افعال میں ترتیب کی رعایت کرنا ہے۔ جس طرح شریعت نے جاری کی ہے۔ اور پہلا تعدہ اور آخری تعدہ میں تشہد پڑھنا، اور وتر میں قنوت کا پڑھنا اور عیدین کی تکبیریں اور جن میں جہر واجب ہے ان میں جہر کرنا اور جن میں اخفاء واجب ہے ان میں اخفاء کرنا واجب ہے۔ اسی دلیل کی بناء پر نماز پر ان میں سے کسی ایک بھی ترک پر سہو کے دو جہدے واجب ہو جاتے ہیں۔ یہی صحیح روایت ہے اور کتاب میں ان کا نام سنت اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ ان کا ثبوت وجوب سنت سے ہے۔

سورۃ فاتحہ اور قسم سورۃ کے وجوب کا بیان:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آٹھ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے (نماز میں) سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی۔ (صحیح البخاری، مسلم) اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اس آدمی کی نماز نہیں ہوئی جو سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔ صحیح مسلم کی آخری روایت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی کوئی اور سورۃ یا اور کچھ آیتیں پڑھنا بھی ضروری ہے۔

نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے مسئلے میں آخر کے مذاہب:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اگر کوئی آدمی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہو گی۔ چنانچہ اسی حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ حدیث نے صراحت کے ساتھ ایسے آدمی کی نماز کی نفی کی ہے جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ اس حدیث کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی کمال مراد ہے یعنی سورۃ فاتحہ کے نماز ادا تو ہو جاتی ہے مگر مکمل طور پر ادا نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے (فَاقْرَءُوا مَا تَسِيرُ مِنَ الْقُرْآنِ) 73 (احمل 20) (یعنی قرآن میں سے جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ مطلق قرآن کی کوئی بھی سورۃ یا آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک اعرابی کی نماز کے سلسلے میں یہ تعلیم فرمائی تھی کہ فَاذْكُرُوا مَا تَسِيرُ مِنْ الْقُرْآنِ (یعنی تمہارے لیے قرآن میں سے جو کچھ پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو)۔

احناف کے مسلک کے مطابق نماز میں فرض قرات ہے کہ جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی قرآن کی ایک آیت یہ تین آیتوں کا پڑھنا ہے خواہ سورۃ فاتحہ ہو یا دوسری کوئی سورۃ اور سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر نماز ناقص ادا ہوتی ہے۔ واجب نماز کی بیان کردہ فقہی تعداد کا بیان:

نماز کے کچھ واجبات ہیں اگر ان میں سے کوئی بھولے سے چھوٹ جائے تو سجدہ سکبرہ کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے اگر بھولے سے چھوٹ جانے پر سجدہ سکبرہ کیا یا قصد کسی واجب کو چھوڑ دیا تو اس نماز کو لوٹانا واجب ہو جاتا ہے پس اگر نہیں لوٹناے گا تو فاسد و گناہگار ہوگا کیونکہ ترک واجب سے نماز پکڑوہ تحریمی ہوتی ہے اور اس کا لوٹنا واجب ہوتا ہے جب امام ترک واجب کی وجہ سے نماز کا اعادہ کرے تو اگر اس دوسری دفعہ کی جماعت میں کوئی نیا مقتدی شریک ہو جائے تو صحیح یہ ہے کہ اس کی

نماز درست ہے واجبات نماز اکتیس (۳۱) ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱. تکبیر تحریر کا خاص اللہ اکبر کے لفظ سے ہونا۔

۲. قرأت واجبہ یعنی سورۃ فاتحہ اور کوئی چھوٹی صورت یا چھوٹی تین آیتیں یا ایک بڑی آیت کی مقدار قیام کرنا لیکن اتنی یا گو تکے یا اس مقتدی کے لئے جو امام کو رکوع میں پائے قیام کی کوئی مقدار واجب نہیں ہے۔

۳. تین چار رکعت والی فرض نماز میں قرأت فرض کے ادا کرنے کے لئے پہلی دو رکعتوں کا متعین کرنا۔

۴. فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور باقی نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا۔

۵. فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور باقی نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی چھوٹی صورت یا چھوٹی تین آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھنا۔

۶. سورۃ فاتحہ قرأت سورۃ یا آیت سے پہلی پڑھنا۔

۷. سورۃ ملانے سے پہلے سورۃ فاتحہ ایک ہی دفعہ پڑھیں اس سے زیادہ نہ پڑھنا۔

۸. جو فصل ہر رکعت میں کرر (دو دفعہ) ہوتا ہے یعنی عجدہ یا تمام نماز میں مقرر ہوتا ہے جیسا کہ عدد رکعت ان میں ترتیب ہونا یعنی کوئی فیصلہ نہ ہو تا پس قرأت و رکوع و سجود اور رکعتوں میں ترتیب قائم رکھنا واجب ہے یعنی الحمد اور سورۃ کے درمیان کسی اجنبی کا فاصلہ نہ ہونا (آمین سورۃ الحمد کے تابع ہے بسم اللہ سورۃ کے تابع ہے اس لئے یہ اجنبی و فاصلہ نہیں ہو) اور قرأت کے بعد مصلو رکوع کرنا ایک عجدہ کے بعد دوسرا عجدہ مصلو ہونا کہ دونوں کے درمیان کوئی رکن فاصلہ نہ ہو واجب ہے۔

۹. قومہ کرنا یعنی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا۔

۱۰. عجدہ میں پیشانی کے اکثر حصہ کا لگانا (کچھ پیشانی کا لگانا فرض ہوا اگرچہ قلیل ہو)۔

۱۱. جلسہ یعنی دونوں سجود کے درمیان میں سیدھا بیٹھنا۔

۱۲. تعدیل ارکان یعنی رکوع و سجود و قومہ و جلسہ کو اطمینان سے اچھی طرح ادا کرنا یعنی ان میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار غرضاً تعدیل اعضا کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ ان کے سب جوڑ کم سے کم سبحان اللہ کہنے کی مقدار بشمار جائیں۔

۱۳. پہلا قعدہ یعنی تین یا چار رکعت والی فرض نماز اور چار رکعت والی نفل نماز میں دو رکعتوں کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھنا۔

۱۴. برقعہ میں پورا تشہد یعنی انتہیات آخر تک پڑھنا اگر ایک لفظ بھی چھوڑ دے گا تو ترک واجب ہوگا۔

۱۵. فرض واجب (وتر) اور سنن مؤکدہ کے قعدہ ادائی میں تشہد (تشہد کے بعد کچھ نہ پڑھنا) پر کچھ نہ پڑھنا اللہم صلی علی محمد یا اس کی مقدار ہو پڑھانے سے ترک واجب ہوگا اگرچہ اتنی دیر خاموش رہے اور کچھ نہ پڑھے اس سے کم مقدار ہو تو ترک واجب نہیں ہوگا۔



۱۶. سلام کے لفظ کے ساتھ نماز سے باہر ہونا۔

۱۷. دوبار لفظ السنۃ کہنا واجب ہے علیکم واجب نہیں، پہلے سلام پر نماز سے باہر ہو جاتا ہے اس کے بعد امام کی اقتداء درست نہیں۔

۱۸. نماز وتر میں دعائے قنوت کے لئے اللہ اکبر کہنا۔

۱۹. نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنا۔

۲۰. دونوں عیدوں کی نماز میں چھ زائد تکبیریں کہنا یعنی ہر رکعت میں تین بار اللہ اکبر کہنا ہر تکبیر جدا گانہ واجب ہے ایک تکبیر بھی چھوڑ دے گا تو ترک واجب ہوگا۔

۲۱. دونوں عیدوں کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر لفظ اللہ اکبر سے کہنا اگر کسی اور لفظ سے کہے گا تو ترک واجب ہو گا جیسا کہ ہر نماز میں تکبیر تحریمہ کا حکم ہے۔

۲۲. امام کو جہری نمازوں میں جہر کرنا یعنی مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اور نماز فجر و جمعہ و عیدین اور ترویج و رمضان المبارک کے وتروں کی ہر رکعت میں جہر یعنی آواز سے پڑھنا جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی آواز قریب والے سن سکیں اگر اکیلا نماز پڑھے تو جہری نمازوں میں جہر کرنا اس پر واجب نہیں البتہ افضل ہے اگر جہری نمازیں قضا ہو جائیں ان کو جماعت سے قضا کرے تو امام ان کو بھی جہری سے پڑھے اور منفرد کو اختیار ہے خواہ جہر کرے یا آہستہ پڑھے۔

۲۳. امام کو دوسری نمازوں یعنی نماز ظہر و عصر کی کل رکعتوں میں اگرچہ عرفات میں ہو اور نماز مغرب کی تیسری رکعت اور نماز عشاء کی آخری دو رکعتوں اور دن کے نوافل مثلاً کسوف و استسقاء میں آہستہ قرأت کرنا آہستہ پڑھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی آواز وہ خود سن سکے یا اس کے قریب کا ایک دو آدمی سن لیں صرف خیال دوڑا لینے سے نماز نہیں ہوئی بلکہ زبان سے پڑھنا ضروری ہے۔

۲۴. نماز کے اندر ہر فرض یا واجب کا اس کے مقام پر ادا کرنا یعنی دو فرض یا دو واجب یا فرض و واجب کے درمیان تین تسبیح تین یا سبحان اللہ کہنے کی مقدار تاخیر نہ کرنا۔

۲۵. پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے بندے کے بعد قعدہ نہ کرنا یعنی ایک رکن کی مقدار دیر نہ کرنا۔

۲۶. ایک رکعت میں رکوع دو دفعہ نہ کرنا یعنی ہر رکعت میں رکوع ایک ہی بار ہونا۔

۲۷. ہر رکعت میں دو ہی بندے کرنا تین بندے نہ کرنا۔

۲۸. نماز میں آیت تہجد پڑھی تو تہجد تلاوت کرنا۔

۲۹. نماز میں سو ہوا تو تہجد سو کرنا۔

۳۲. آیت جہد پڑھی تو جہد و تہاد ادا کرنے میں تین آیت یا اس سے زیادہ تاخیر نہ کرنا۔

۳۱. قرأت کے سوا تمام واجبات میں امام کی متابعت کرنا۔

در میں دعائے قنوت پڑھنے کے وجوب کا بیان:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر پڑھتے تو قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۸۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

بکیرات عیدین کے وجوب کا بیان:

حضرت سعید ابن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ و حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید و بقر عید کی نماز میں کتنی بکیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ میں چار بکیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار بکیریں کہا کرتے تھے حضرت حذیفہ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ 'ابوموسیٰ نے سچ کہا' (ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں چار بکیریں کہا کرتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں بھی ہر رکعت میں چار بکیریں کہا کرتے تھے اس طرح کہ پہلی رکعت میں تو قرأت سے پہلے بکیر تحریمہ سمیت چار بکیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع کی بکیر سمیت چار بکیریں کہتے تھے۔

جہر میں جہر اور اخفاء میں اخفاء کے وجوب کا بیان:

علامہ ہدردین یعنی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہاں جہر سے مراد یہ نمازیں ہیں۔ فجر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور اخفاء سے مراد یہ نمازیں ہیں۔ جس طرح نماز ظہر اور عصر کی نماز ہے۔ اور یہ حکم امام کے حق میں ہے جبکہ اس میں منفر و شامل نہیں ہے۔ (البنائے، ج ۲، ص ۱۷۷، تھانیہ مکتبہ)

نماز کو بکیر تحریمہ سے شروع کیا جائے گا:

قَالَ (وَإِذَا شَرَعَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ) لِمَا تَكُونُوا، وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ) " وَمَوْضِعُهُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، حَتَّى أَنْكَرَ تَحَرُّمَ الْقُرْضِ كَانَ لَهُ أَنْ يُؤَدَّى بِهَا التَّطَوُّعُ عِنْدَنَا.

وَهُوَ يَقُولُ: وَإِنَّهُ يُشْرَطُ لَهَا مَا يُشْرَطُ لِسَائِرِ الْأَرْكَانِ وَهَذِهِ آيَةُ الرَّحْمَنِ. وَلَكِنَّهُ عَطَفَ الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى) وَمَقْصُودُهَا الْمَقَابِرَةُ، وَهَذَا لَا يَتَكَوَّرُ كَتَكْوَرِ الْأَرْكَانِ،

وَمُرَاعَاةِ الشَّرَائِعِ لِمَا يَنْصِلُ بِهِ مِنَ الْقِيَامِ -

ترجمہ:

اور جب کوئی شخص نماز شروع کرے تو نماز میں تکبیر کہے اسی دلیل کی بنیاد پر جو ہم نے تلاوت کی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نماز کی تحریم تکبیر ہے۔ اور یہ ہمارے نزدیک شرط ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ہمارے نزدیک اگر کسی تکبیر تحریر فرض کیلئے کہی تو وہ اسی تکبیر تحریر کے ساتھ نفل ادا کر سکتا ہے۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: تکبیر تحریر کیلئے ہر وہ چیز شرط ہے جو تمام اراکین کیلئے شرط ہے۔ اور یہی چیز اس کے رکن ہونے کی علامت ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”وَذَكَرُوا اسْمَ رَبِّهِمْ فَصَلُّوا“ میں تکبیر تحریر کا عطف مرد پر ڈالا گیا ہے۔ اور عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور اسی دلیل کی بنیاد پر تکبیر میں تکرار نہیں ہوتا جس طرح دوسرے اراکین میں تکرار ہوتا ہے۔ اور شرائط کی رعایت اس قیام کی بناء پر ہے جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

نماز کی تحریم تکبیر اور تحلیل سلام ہے:

امام ابو داؤد علیہ الرحمہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز کی کجی طہارت ہے اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام ہے۔ (سنن ابو داؤد)

امام ابن ماجہ کہتے ہیں۔

ابو حیدر ساعدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے نئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف منہ کرتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور کہتے لَعْنَةُ الْكُفْرِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز شروع کر کے کہتے پاک ہے (سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ) تو یا الٰہی اور پاکی بیان کرتے ہیں ہم ساتھ تیری اور تعریف کے اور بابرکت ہے نام تیرا اور بلند ہے بزرگی تیری اور نبی کوئی معبود سوائے تیرے۔ (سنن ابن ماجہ)

تکبیر تحریر کے وقت ہاتھ اٹھانے کا بیان:

(وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيرِ وَهُوَ سُنَّةٌ) (لَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاعْتَبَرْنَا عَلَيْهِ) ، وَهَذَا اللَّفْظُ يُشِيرُ إِلَى اشْتِرَاطِ التَّمَاثُلِ ، وَهُوَ الْمُرُوءِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَالْمَحْكِيُّ عَنِ الطَّحَاوِيِّ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ أَوْ لَا نَمَّ يَجْزِي لَإِنَّ لَفْظَهُ نَقَى الْكِبْرِيَاءَ عَنْ غَيْرِ اللَّهِ وَالنَّفْسِ مُقَدِّمًا عَلَى الْإِنْبَاءِ .

(وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِثَ بِأَيْدِيهِ هَضْمَتِي أَذْنِيهِ) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَرْفَعُ إِلَى مَنْكِبَيْهِ ، وَعَلَى هَذَا تَكْبِيرَةُ الْقُنُوتِ وَالْأَعْيَادِ وَالْجَنَازَةِ لَهُ حَدِيثٌ أَبِي حَمْدٍ السَّاعِدِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ "قَالَ كَانَ

النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ( إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى مَنْكِبَيْهِ ) " وَلَمَّا رَوَّاهُ وَإِلَى بْنِ مَجْنَرٍ وَالْبَرَاءِ وَالْأَسِ  
رَضِيِّ اللَّهُ عَنْهُمْ " ( أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ جِذَاءً أَذْنِيهِ ) " وَلَا يَرْفَعُ  
الْيَدَ لِإِعْلَامِ الْأَصَمِّ وَهُوَ بِمَا قُلْنَا ، وَمَا رَوَّاهُ يُحْمَلُ عَلَى حَالِهِ الْمَذْرُوبِ ( وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا جِذَاءً مَنْكِبَيْهَا  
( وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ أَسْتَرْ لَهَا

ترجمہ

اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھائے کیونکہ یہی سنت ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے اسی پر پیش فرمائی ہے۔ اور  
یہی لفظ مقارنت کی شرط کی طرف اشارہ کرنے والا ہے۔ اور امام ابو یوسف سے یہی روایت کی گئی ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ  
سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ اور صحیح روایت یہ ہے کہ پہلے وہ دونوں ہاتھ اٹھائے اور پھر وہ تکبیر کہے۔ کیونکہ اس کا یہ  
عمل اللہ تعالیٰ کے سوا کی بڑائی کی نفی کرنا ہے اور نفی مثبت پر مقدم ہوتی ہے۔

اور اپنے دونوں ہاتھوں کا اٹھانے حتیٰ کہ اپنے دونوں انگوٹھوں کا دونوں کانوں کی لو کے برابر لے جائے۔ جبکہ امام شافعی  
کے نزدیک اپنے دونوں ہاتھوں کا کندھوں تک اٹھائے۔ اور اسی اختلاف کے مطابق قنوت کی تکبیر عیدین کی تکبیر اور جنازہ کی  
تکبیر ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ صلی  
اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے۔

اور ہارمی دلیل حضرت وائل بن حجر، براء اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے  
دونوں ہاتھوں کا دونوں کانوں کے برابر تک اٹھایا کرتے تھے۔ کیونکہ ہاتھوں کا اٹھانا بہرے کو خبر دینے کیلئے ہے۔ اور اسی  
طریقے کے مطابق ہو سکتا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور جس روایت کو ابو حمید ساعدی نے روایت ہے اس کو عذر کی حالت پر  
محمول کیا جائے گا۔

اور عورت اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھائے گی۔ یہ صحیح روایت ہے اس لئے کہ اس کیسے یہی طریقہ زیادہ  
پر دے کے لئے بہتر ہے۔

ہاتھوں کا اٹھانے کے ساتھ ہی تکبیر کہنے کا حکم:

عاصم بن علی بن عثمان زبلی عنی رضی اللہ عنہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب وہ نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو وہ تکبیر ہے  
اسی حدیث کے پیش نظر جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تو نماز کیلئے اٹھے تو اچھی طرح وضو کر اور تکبیر کہہ اور دونوں ہاتھوں  
کو کانوں کے برابر تک اٹھا۔ یہ حدیث نیت ان کے خلاف بھی حجت ہے جو کہتے ہیں صرف نیت مشرور ہے۔ اس حدیث میں  
"واو" استعمال ہوئی ہے جس کا تقاضہ نہ تو رفع یدین کے ساتھ تکبیر کو مقارنت کا ہے اور نہ مفارقت کا ہے۔ کیونکہ علی الاطلاق

”واؤ“ جمع کیلئے آتی ہے۔ جبکہ خواہر زادہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔ یہاں واؤ مقارنت کے معنی میں ہے اور اسی طرح امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت کی گئی ہے۔ کیونکہ رکوع و سجود کی تکبیرات میں بھی مقارنت ہوتی ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں بڑائی کی کنفی ہے لہذا جس طرح کلمہ طیبہ میں نفی مقدم ہے اسی طرح ہاتھوں کو پہلے اٹھایا جائے تاکہ کنفی کے قدم پر دلالت کرے۔ اور ہاتھوں کو اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں کانوں تک اٹھائے حتیٰ کہ انگلیوں کو کانوں سے مائے۔

(تیسرین الحقائق ج ۱، ص ۱۰۹، بیروت)

وقت تکبیر ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانے میں امام شافعی کا موقف و دلیل:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت میں فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ نماز کو تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جاتے تھے تو اپنے دونوں زانوں کو ہاتھوں سے مضبوط پکڑتے تھے اور اپنی پیٹھ جھکا دیتے تھے (تاکہ گردن کے برابر ہو جائے) اور جب اپنا سر (رکوع سے) اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ سارے جوڑا اپنی اپنی جگہ پر آ جاتے تھے اور جب سجدے میں جاتے تو دونوں ہاتھ زمین پر (منہ کے تل) رکھ دیتے تھے اور انہیں نہ پھیلاتے تھے اور نہ (پہلو کی طرف) بیٹھتے تھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلی کی طرف سامنے رکھتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے اور جب آخری رکعت پڑھ کر بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں کو آگے نکال دیتے اور دوسرے (یعنی دائیں) پاؤں کو کھڑا کر کے کولھے پر بیٹھ جاتے تھے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۰۲، مدنی کتب خانہ کراچی)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تھے تو اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں کی و کے مقابل تک اٹھانا چاہئے کیونکہ دیگر احادیث میں اسی طرح مروی ہے اور چونکہ بعض روایات میں ان دونوں سے الگ ایک تیسرا طریقہ یعنی ہاتھوں کو کانوں کی اوپر کی جانب تک اٹھانا بھی آیا ہے۔ اس لیے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہ تو کانوں کے نیچے یعنی کندھوں تک اٹھانے کے طریقہ کو اختیار کیا اور نہ کانوں کے اوپر کی جانب تک اٹھانے کے طریقہ کو اختیار کیا بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان روایات کی تطبیق کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اس طرح

اٹھانا چاہئے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں تو کاندھوں کے مقابل میں انگلیوں کے مقابل اور انگلیوں کے سرے کان کے اوپر کے حصے پر رکھے جائیں تاکہ اس طریقے سے تمام احادیث میں عمل ممکن ہو جائے اور روایتوں میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہ رہ جائے اور ان احادیث میں ایک دوسری تعلق یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ احادیث مختلف اوقات سے متعلق ہیں یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہوں گے اور کبھی اس طرح۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں سے دونوں زانوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے تھے اور انگلیوں کو کشادہ رکھتے تھے اور پھر گردن مبارک کو جھکا کر بالکل پیچ کر برابر کر دیتے تھے۔ ملام نے لکھا ہے کہ رکوع میں تو انگلیاں کشادہ رکھنی چاہئیں اور سجدے میں ملی ہوں نیز تکبیر تحریمہ اور تشہد میں ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے۔

سجدے میں زمین پر ہاتھ رکھنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدے کی حالت میں انگلیاں اور ہتھیلیاں زمین پر پھیلا دینی چاہئیں اور پیچنے اٹھنے ہوئے اور پہلو اس طرح الگ رکھنے چاہئیں کہ اگر گہری کا پچھ چاہے تو پیچھے سے گزر جائے۔

اس حدیث میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا کہ قومہ سے سجدہ میں جانے کے وقت زمیں پر پہلے زانوں رکھے جائیں یا ہاتھ تو اس سلسلہ میں صحیح مسند یہ ہے کہ درست تو دونوں طریقے ہیں لیکن اکثر ائمہ کے نزدیک افضل اور مختار یہی ہے کہ زمین پر پہلے زانوں رکھے۔

تکبیر تحریمہ سے پہلے ہاتھ اٹھانے چاہئیں :

حدیث کے الفاظ رفع یدہ حتیٰ بحاذی بھما منکیبہ ثم یدکبر سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو پہلے رفع یدین کرتے اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے چنانچہ امام اعظم کا مسلک بھی یہی ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہی جائے۔ سجدے کی تکبیل زمین پر ناک اور پیشانی دونوں رکھنے سے ہوتی ہے : فامکن افہ وحبنتہ الارض سے معلوم ہوا کہ سجدہ پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر رکھ کر کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستقل طور پر سجدہ اسی طرح کرتے تھے اور احادیث بھی اس کے موافق وارد ہیں لہذا سجدہ مکمل تو جب ہی ہوتا ہے کہ ناک اور پیشانی دونوں کو زمین پر رکھا جائے۔ اگر کسی مجبوری اور عذر کی بناء پر سجدے میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو زمین پر نہیں رکھا تو مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر بغیر کسی عذر اور مجبوری کے ایسا کیا تو اس میں یہ صورت ہوگی کہ اگر زمین پر پیشانی رکھی ہے ناک نہیں رکھی تو یہ متفقہ طور پر جائز ہوگا البتہ سجدہ مکروہ ہوگا اور اگر پیشانی نہیں رکھی بلکہ ناک رکھی تو امام اعظم کے نزدیک یہ بھی بکراہت جائز ہے مگر حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانے میں اگر احتیاف کے موقع میں اعادة یث:

حضرت مالک بن حویث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو ہاتھ کانوں تک اٹھاتے۔  
(صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۶۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو دونوں ہاتھوں کو بند کرتے حتیٰ کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کے برابر ہو جاتے۔ (مسند احمد، ج ۳، ص ۳۰۳، مکتب اسلامی بیروت)

حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ انہوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اٹھائے کہ کندھوں کے برابر پہنچ گئے اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں تک لے گئے پھر تکبیر کہی۔ (سنن ابوداؤد) اور سنن ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کو کانوں تک اٹھاتے تھے۔

یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم کے مسلک کی تائید کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہتے تھے اور انگوٹھوں کو کانوں کی نوک تک اٹھاتے تھے۔  
ادائے تکبیر میں قیمی احکام:

(قَبْلَ أَنْ يَكُونَ التَّكْبِيرُ اللَّهُ أَجْبَلُ أَوْ أَكْبَرُ، أَوْ الرَّحْمَنُ أَكْبَرُ أَوْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَوْ غَيْرُهُ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى) أَجْوَدُ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .

وَقَالَ أَبُو يُسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: إِنْ كَانَ يُحْسِنُ التَّكْبِيرَ لَمْ يُجْزِئَهُ إِلَّا قَوْلُهُ اللَّهُ أَكْبَرُ أَوْ اللَّهُ الْأَكْبَرُ أَوْ اللَّهُ الْكَبِيرُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالْأَوَّلَيْنِ .

وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالْأَوَّلِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَنْقُولُ وَالْأَصْلُ فِيهِ التَّوَكُّفُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ: إِذْ خَالَ الْأَلْفَ وَالْأَلَامُ فِيهِ أَبْلَغُ فِي الشَّاءِ لِقَامَ مَقَامَهُ .

وَأَبُو يُسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ: إِنْ أَعْمَلَ وَقَعِلًا فِي صِفَاتِهِ تَعَالَى سَوَاءٌ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ لَا يُحْسِنُ لِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ إِلَّا عَلَى الْمَعْنَى. وَلَهُمَا أَنَّ التَّكْبِيرَ هُوَ التَّعْظِيمُ لَعْدٌ وَهُوَ حَاصِلٌ .

ترجمہ:

اور پھر اگر اس نے تکبیر کے بدلے "اللہ اجل، اللہ اعظم، یا الرحمن اکبر، یا لا الہ الا اللہ" کہے یا اللہ تعالیٰ کے دوسرے اسماء صفاتیہ میں سے کسی نام کو پڑھے تو طرفین کے اس کا ایسا کرنا کافی ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: اگر وہ شخص تکبیر اچھی طرح کہہ سکتا ہو تو اس کیلئے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر کے

علاوہ جائز نہیں۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صرف پہلے دو کلمات کے علاوہ کہنا جائز نہیں۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تکبیر صرف پہلے کلمہ کے ساتھ جائز ہے کیونکہ اسی کو قتل کیا گیا ہے۔ اور اس میں اصولی طور پر توقیف ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تعریف میں الف لام کا داخل کرنا یہ زیادہ بلاغت رکھتا ہے۔ لہذا ”الا کبر“ ”اکبر“ کے قائم مقام ہو گیا۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ”افضل“ ”فعل“ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ مگر جس وقت پڑھنے والا ان کو اچھی طرح نہ پڑھ سکا ہو۔ کیونکہ وہ صرف معنی پر قادر ہے۔ اور طرفین علیہما الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے تکبیر تعظیم ہے۔ اور وہ حاصل ہو جاتی ہے۔ (لہذا مذکورہ کلمات کے ساتھ تکبیر کہنا جائز ہے)۔

نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہنے کا سنن سے ثبوت:

امام ابن ماجہ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف منہ کرتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور کہتے اللہ اکبر۔ (سنن ابن ماجہ) نماز کس لفظ سے شروع ہوتی ہے اور کس لفظ پر ختم ہوتی ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو اللہ اکبر کہہ کر شروع کرتے اور قرأت الحمد للہ رب العالمین کے ساتھ شروع کرتے (یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ سے کہتے) اور جب رکوع کرتے تو سر کو نہ اونچا رکھتے نہ نیچا بلکہ (چپٹے کے برابر رکھتے) سجد میں۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ نہ کرتے یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوسرا سجدہ نہ کرتے، یہاں تک کہ سیدھا بیٹھ جاتے اور ہر دو رکعت کے بعد (قعدے میں) التیمات پڑھتے اور بایاں پاؤں بچھا کر داہنا پاؤں کھڑا کرتے اور شیطان کی (طرح) بیٹھنے سے منع کرتے تھے اور اس بات سے بھی منع کرتے تھے کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر درغے کی طرح بچھائے اور نماز کو سلام پر ختم کرتے تھے۔ (273: صحیح مسلم)

حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور پھر رکوع کے وقت تکبیر کہتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سبح اللہ لمن حمد کہتے اور پھر پونہی کھڑے کھڑے رَسَّاءَ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ کہتے اور پھر جب سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بھی تکبیر کہتے اور پھر ختم نماز تک اسی طرح (برنشت و برنشت) کے وقت تکبیر کہتے تھے اور دو رکعت کے بعد جب قیام کرتے تو پھر اللہ اکبر کہتے۔ پھر اس کے بعد سیدنا ابو ہریرہؓ



نے کہا کہ تم سب لوگوں کی بہ نسبت میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح نماز پڑھتا ہوں۔ (صحیح مسلم، 274، صحیح مسلم)

فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فِي الْقُرْآنِ أَوْ قَرَأَ فِيهَا بِالْقَارِئَةِ أَوْ ذَبَحَ وَاسْمُ الْقَارِئَةِ وَهُوَ يُحْسِنُ الْقِرَاءَةَ أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ.

وَقَالَ: لَا يُجْزِئُهُ إِلَّا فِي الذَّبْحَةِ وَإِنْ لَمْ يُحْسِنِ الْقِرَاءَةَ أَجْزَأَهُ) أَمَّا الْكَلَامُ فِي الْإِفْتِاحِ فَمُحَمَّدٌ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْقِرَاءَةِ وَمَعَ أَبِي يُوسُفَ فِي الْقَارِئَةِ لِأَنَّ لَقَّةَ الْعَرَبِ لَهَا مِنَ الْقِرَاءَةِ مَا لَيْسَ لِغَيْرِهَا. وَأَمَّا الْكَلَامُ فِي الْقِرَاءَةِ فَوُجُوهٌ قَوْلُهُمَا أَنَّ الْقُرْآنَ اسْمٌ لِمَنْظُومٍ عَرَبِيٍّ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ، إِلَّا أَنَّ عِنْدَ الْعَجُزِ يُكْفَى بِالْمَعْنَى كَالِإِمَامِ، وَبِخِلَافِ التَّسْمِيَةِ لِأَنَّ الذَّمَّ يُخْصَلُ بِكُلِّ لِسَانٍ.

وَلَأَيُّ حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَإِنَّهُ لَقَبِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ) وَلَمْ يَكُنْ فِيهَا بِهَيْلَةِ اللَّفَّةِ، وَلِهَذَا يَجُوزُ عِنْدَ الْعَجُزِ إِلَّا أَنَّهُ يَصِيرُ مُسَيِّئًا لِمَخَالَفَةِ السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ، وَيَجُوزُ بِأَيِّ لِسَانٍ كَانَ سِوَى الْقَارِئَةِ هُوَ الصَّحِيحُ لِمَا تَلَوْنَا، وَالْمَعْنَى لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ اللُّغَاتِ وَالْخِلَافِ فِي الْإِعْجَادِ، وَلَا يَخِلَافُ فِي أَنَّهُ لَا قِسَاسَ، وَيُرْوَى رَجُوعُهُ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ إِلَى قَوْلِهِمَا وَعَلَيْهِ الْإِعْجَادُ، وَالْخُطْبَةُ وَالشَّهَادَةُ عَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ، وَلَيْسَ الْأَذَانُ يُعْتَبَرُ التَّعَارُفُ.

(وَلَوْ فَتَحَ الصَّلَاةَ بِاللَّهِمْ اغْفِرْ لِي لَا يَجُوزُ) لِأَنَّهُ مَحْبُوبٌ بِمَحَاجِيهِ فَلَمْ يَكُنْ تَعْظِيمًا خَالِصًا، وَكَوْنُ الْفَتْحِ بِقَوْلِهِ اللَّهُمَّ فَقَدْ قِيلَ يُجْزِئُهُ لِأَنَّ مَعْنَاهُ يَا اللَّهُ، قِيلَ لَا يُجْزِئُهُ لِأَنَّ مَعْنَاهُ يَا اللَّهُ أَمَّا بِخَيْرٍ فَكَانَ سُؤَالَ تَرْجَمَةٍ.

اگر کسی شخص نے فارسی زبان میں نماز شروع کی یا اس میں قرأت فارسی میں شروع کر دی یا اس نے ذبح کے وقت بسم اللہ فارسی میں پڑھی۔ حاکم و محدثہ شخص اچھی طرح فارسی پڑھ سکتا ہے۔ تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کیسے یہ کافی ہوگا۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ذبیح کے سوا بالکل کفایت نہ کرے گا۔ ہاں اگر وہ عربی اچھے طریقے سے نہیں پڑھ سکتا۔ تو پھر کافی ہوگا۔

امام محمد علیہ الرحمہ تکبیر تحریر کے عربی ہونے میں امام اعظم علیہ الرحمہ کے ساتھ ہیں جبکہ فارسی ہونے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ عربی زبان وہ مقام حاصل ہے جو دوسری زبانوں کا حاصل نہیں۔ قرأت میں کلام کی دلیل:

صاحبین فرماتے ہیں کہ قرآن عربی منظوم کلام کا نام ہے جس طرح اس کو نص نے بیان کیا ہے۔ مگر معنی پر اس کشف، اس

وقت ہوگا جب وہ کلام سے عاجز ہو جائے گا۔ جس طرح اشارے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ جبکہ ہم اللہ میں ایسا اس وجہ سے نہیں ہے کہ ذکر ہو زبان میں حاصل ہو جاتا ہے۔ جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”وَإِنَّهُ لَفِي زُجْرِ الْوُكُورِ“ اور حالانکہ ان میں (سابقہ کتب) یہ زبان نہ تھی۔ اسی دلیل کی بنیاد پر کہ جب وہ عاجز ہو تو اس کیلئے جائز ہے مگر سنت متواتر کی مخالفت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

اور اسی طرح فارسی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی جائز ہے۔ یہی صحیح روایت ہے۔ اسی آیت کی وجہ سے جسے ہم تلاوت کر چکے ہیں۔ (قاعدہ) کوئی معنی لغات کے مختلف ہونے کی وجہ مختلف نہیں ہوتا۔

اور اختلاف ان کے معتبر ہونے میں ہے اور فساد نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ اصل مسئلہ میں امام اعظم علیہ الرحمہ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جبکہ خطبہ اور تشہد میں بھی اسی طرح اختلاف ہے اور اذان میں اعتبار پہچاننے کا کیا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے ”اللہم اغفر لی“ سے نماز شروع کی۔ تو اس کیلئے جائز نہیں کیونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے روا ہے لہذا اس میں خالص تعظیم نہ ہوئی۔ اور اگر کسی نے ”اللہم“ تو کہا گیا ہے کہ کافی ہوگا کیونکہ اس کا معنی یا اللہ ہے۔ اور اسی کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے اے اللہ! ہمیں خبر دے بھلائی دے۔ لہذا یہ سوال ہو گیا۔

قرآن مجید کی غیر عربی میں قرأت کرنے میں امام صاحب اور صاحبین کا موقف ودلائل:

علامہ سید محمود آلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام اعظم علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب نمازی عربی میں قرآن مجید پڑھنے سے عاجز ہو تو پھر اس کیلئے فارسی میں قرآن مجید کی قرأت کرنا جائز ہے جب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ثناء ہو جس طرح سورۃ اخلاص ہے اور اگر اس میں کوئی دوسرا مضمون ہے تو پھر فارسی میں قرأت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح جب وہ انہی طرح عربی پڑھ سکتا ہے تو پھر بھی اس کیلئے نماز وغیر نماز میں غیر عربی میں قرأت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اہل تحقیق کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے علی الاطلاق غیر عربی میں قرأت کرنے کی اجازت سے رجوع کر لیا تھا۔

(روح المعانی، جز ۱۹، ص ۱۸۹، بیروت)

علامہ محمد امین شامی محقق حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ عربی پڑھنے سے عاجز ہو اور خطبہ اور نماز کے تمام اذکار میں یہی اختلاف ہے کہ ان کو غیر عربی میں کتنا بہت تنزیہی کے ساتھ صحیح ہے اور اگر وہ عربی میں قرآن پڑھنے سے عاجز ہے تو غیر عربی میں اجتماعاً قرأت کرنا جائز ہے اور قرأت میں بجز قید ضروری ہے کیونکہ صحیح یہی ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے جبکہ علامہ عینی نے نماز کو شروع کرنے کا حکم بھی نماز میں قرأت کرنے کی مثل لکھا ہے۔ جبکہ سلف نے اس طرح نہیں کیا اور نہ ہی اس قول میں

کوئی طاقت ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے۔ بلکہ تاتارخانیہ میں نماز کے شروع کرنے کو تلبیہ کی مثل لکھا ہے۔ ہذا ایہ ظاہر ہے کہ صاحبین نے امام اعظم کے قول کی طرف رجوع کیا نہ امام اعظم نے ان کے قول کی طرف رجوع کیا۔ اے یا درکھنا چاہیے کہ اکثر فقہاء پر یہ معاملہ پوشیدہ ہے حتیٰ کہ علامہ حسن شرنبلالی پر بھی پوشیدہ ہے جس طرح ان کی کتابوں میں سے پتہ چلتا ہے۔ (رد المحتار، ج ۲، ص ۱۶۲، بیروت)

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر اس نے نماز میں قاری میں قرآن پڑھا یا تو رات و انجیل پڑھی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر پڑھا تو اس کی نماز قاسد نہ ہوگی۔ (در مختار، ج ۲، ص ۱۶۳، بیروت)

فقہی احکام میں ترجیح دلائل کو دی جاتی ہے نہ کہ شخصیت و امام فقہر:

ہدایہ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہو گیا کہ فقہی احکام میں ایسا نہیں ہے کہ کسی شخصیت کو محض اس کے مرتبے کے پیش نظر قبول کرتے ہوئے اس کے قول پر فتویٰ دیا جائے بلکہ فتویٰ اس فقہ کے قول کے مطابق دیا جاتا ہے۔ جس کے دلائل قوی ہوں اور استنباط جو قریب حق و صواب ہو۔

قرائت فرض عملی ہے اور اس شخص پر ہے جو اس فرض پر قادر ہے پس جس شخص کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو وہ قرائت کی جگہ سبحان اللہ یا الحمد للہ پڑھے اور اس شخص پر جلد از جلد قرآن مجید سیکھا اور قرأت فرض کی مقدار یاد کرنا فرض اور قرأت واجب کی مقدار یاد کرنا واجب ہے نہ سیکھنے کی صورت میں وہ سخت گناہگار ہوگا۔

۴. قرأت کا مطلب یہ ہے کہ قدرت ہوتے ہوئے تمام حروف خارج سے ادا کئے جائیں تاکہ ہر حرف دوسرے سے صحیح طور پر ممتاز ہو جائے اور آہستہ پڑھنے کی صورت میں خود سن لے جو محض صرف خیال سے پڑھے گا زبان سے الفاظ ادا نہیں کرے گا یا خارج سے صحیح ادا نہیں کرے گا یا آہستہ قرأت والی نماز میں ایسا نہیں پڑھے گا کہ خود سن سکے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔

۵. قرأت جاننے کی حالت میں کرے، نیند کی حالت میں قرأت کی تو جائز نہیں اسے بھر پڑے اسی طرح رکوع یا سجدہ یا جو رکن بھی نیند کی حالت میں ادا کیا اس کو چاہئے پر دوبارہ ادا کرے (لیکن اگر کوئی رکن فرض و واجب کی مقدار بیداری کی حالت میں ادا ہوا اور باقی حصہ نیند میں تو اس رکن کے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

۶. اصل عربی قرآن پاک کی قرأت کرتے ترجمہ قاری یا اردو وغیرہ میں قرأت کرنا بلا عذر جائز نہیں۔

نماز میں اجماع عام سے پراختلاف فقہاء:

قَالَ (وَيَتَعَمَّدُ بِيَدِهِ الْيَمْنَى عَلَى الْيُسْرَى تَحْتَ الشُّرَّةِ) لَقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "إِنْ مِنْ الشُّرَّةِ وَضَعَ الْيَمِينَ عَلَى الشَّمَالِ تَحْتَ الشُّرَّةِ" وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْإِسْرَةِ، وَعَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْوُضْعِ عَلَى الصَّدْرِ، وَلَا يَلِيقُ الْوُضْعُ تَحْتَ الشُّرَّةِ أَقْرَبُ إِلَيَّ التَّعْطِيمِ وَهُوَ

الْمَقْصُودُ، ثُمَّ الْإِعْتِمَادُ سَنَةَ الْقِيَامِ عِنْدَ أَبِي خَيْفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ حَتَّى لَا يُرْسِلَ حَالَةَ النَّسَاءِ.  
وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ قِيَامٍ فِيهِ ذِكْرٌ مُسْنُونٌ يَعْتَمِدُ فِيهِ وَمَا لَا فَلَا هُوَ الصَّحِيحُ، لِيَعْتَمِدَ فِي حَالَةِ  
الْفُتُورِ وَصَلَاةِ الْجَنَازَةِ، وَيُرْسِلَ فِي الْقُرْمَةِ وَبَيْنَ تَكْبِيرَاتِ الْأَعْيَادِ.

ترجمہ:

فرمایا: اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے ناف کے نیچے باندھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ اور یہی حدیث امام مالک علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں نماز میں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اور ہماری بیان کردہ حدیث امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف بھی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ سینے پر باندھے جائیں گے۔ اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا اس لئے ہے کہ یہ تعظیم کے زیادہ قریب ہے اور وہی تعظیم ہی مقصود ہے۔

پھر ہاتھ باندھنا شیخین کے نزدیک قیام کی صفت ہے حتیٰ کہ ثناء کی حالت میں بھی ہاتھ چھوڑنا جائز نہیں۔ اور قاعدہ (کلمہ) یہ ہے ہر وہ قیام نماز جس میں ذکر مسنون نہ ہو تو وہ قیام کی صفت بھی نہ ہوگا۔ یہی روایت صحیح ہے۔ لہذا اوہ شخص دعائے قنوت اور نماز جنازہ کی حالت میں ہاتھ باندھے گا۔ جبکہ قنوت اور عیدین کی تکبیرات کے درمیان ہاتھ چھوڑے گا۔

ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں احادیث:

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں امامت کراتے تھے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑا۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے قریب سے گزرے جبکہ میں پناہاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے (نماز ادا کر رہا تھا) تو آپ نے میرا دایاں ہاتھ پکڑ کر بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ دیا۔ (سنن ابن ماجہ)

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق احادیث:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں پر، ناف کے نیچے رکھ جائے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۱ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت عقیقہ بن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے نبی کریم ﷺ نے

نہ زمیں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۹۰، دارۃ القرآن کراچی)  
 ان احادیث، اور دیگر بہت سی مشہور روایات کے مطابق نماز میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو یعنی دائیں کی ہتھیلی کو بائیں  
 کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے ناف کے نیچے باندھا جائے۔ لیکن بعض لوگوں کو عادت ہے کہ وہ عورتوں کی طرح اپنے ہاتھوں کو سینے پر  
 باندھتے ہیں۔ اب ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ان لوگوں کو عورتیں بننے کا شوق کیوں دامن گیر رہتا ہے۔ حالانکہ نماز پڑھنے کے طریقے  
 میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کئی امور میں فرق ہے۔ اسی طرح سینے پر ہاتھ باندھنے والا حکم عورتوں کیلئے ہے مردوں کیلئے  
 نہیں۔

علماء احناف (اللہ تعالیٰ ان پر لطف و کرم عام فرمائے) کے نزدیک حکم یہ ہے کہ خواتین نماز میں سینے پر ہاتھ باندھیں،  
 اس مسئلہ پر ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے۔ علماء کا جم غفیر نے یہ بات اپنی اپنی کتب میں بغیر اختلاف نقل کی ہے، چنانچہ علامہ محمد بن  
 محمد بن محمد المعروف ابن امیر الحاج طہی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے منیہ کی شرح میں فرمایا: تیسرا مقام ہاتھ رکھنے کے بارے میں  
 ہرے علمائے فرمایا کہ مرد ناف کے نیچے اور عورت سینہ پر ہاتھ باندھے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ عورت اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر  
 رکھے جیسا کہ جہ غفیر نے تشریح کی ہے (حلیۃ المصطفیٰ شرح منیۃ المصطفیٰ)

علامہ ابراہیم بن محمد بن ابی نعیم طہی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے غنیۃ میں اس مسئلہ پر اتفاق علماء کی تصریح کی ہے اور اگر کوئی حدیث  
 اس کے موافق نہیں ملتی تو اس کی مخالفت میں بھی وارد نہیں۔ اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے تو دلیل پیش کرے، اسی لیے محقق حبشی نے  
 حلیہ میں فرمایا: ہم نے جو یہ کہا کہ عورت اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر باندھے یہ اس لیے کہ عورت کے سنے اس  
 میں زیادہ ستر ہے بہذا یہ اس کے حق میں اولیٰ ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ عورت کے حق میں جتنے بھی امور جائز ہیں ان میں  
 سے اسی کو اختیار کرنا بہتر ہے جو سب سے زیادہ ستر کا سبب ہو خصوصاً حالت نماز میں زیادہ خیال رکھنا چاہئے، یہ تو وہ ہے جو ناہر  
 نظر میں آیا ہے۔

نماز میں ہاتھ باندھنے کی دو صورتیں اور ان میں ترجیح کا بیان:

حضور ﷺ سے ہاتھ باندھنے کی دو صورتیں مروی ہیں ایک صورت زبرِ ناف کی ہے اور اس بارے میں متعدد احادیث  
 وارد ہیں سب سے اہم روایت وہ ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ذکر کیا کہ ہمیں کوئچ نے موسیٰ بن عبید سے  
 طاہر بن داؤد بن حجر نے اپنے والد گرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے دوران نماز نبی اکرم ﷺ کو  
 دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھے دیکھا ہے۔ امام علامہ قاسم بن قطلوبغا رضی اللہ عنہ، اختیار شرح مختار  
 کی احادیث کی ترجیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید اور تمام راوی ثقہ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ وضع الیمن علی اشل من کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی)

(تخریج احادیث شرح مختار المقام بن قطب دینا)

دوسری صورت سینے پر ہاتھ باندھنے کی ہے اس بارے میں ابن خزیمہ اپنے صحیح میں حضرت داکل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی روایت لائیں ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں نماز پڑھنے کا شرف پایا تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھیں۔

(صحیح ابن حریجہ باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

چونکہ اس کی تعریف کا علم نہیں کہ کون سی روایت پہلی کی ہے اور کون سی بعد کی، اور دونوں روایات ثابت و مقبول ہیں تو لاجرم دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح ہوگی جب ہم نماز کے اس فعل بلکہ نماز کے تمام افعال پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ تمام کے تمام تنظیم پر مبنی نظر آتے ہیں اور مسلم و معروف تنظیم کا طریقہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے لہذا اہل حق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا ہے: قیام میں بقصد تنظیم ہاتھ باندھنے کا معاملہ معروف طریقے پر چھوڑا جائے اور قیام میں تنظیم ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی معروف ہے۔ (فتح القدیر باب مفت الصلوۃ نورین رضویہ سکھر ج ۱، ص ۲۳۹)

لہذا مردوں کے بارے میں ابن ابی شیبہ کی روایت راجح ہے اور چونکہ خواتین کے معاملہ میں شرع مطہر کا مطالبہ کمال ستر چوب ہے، اس لئے فقہاء نے فرمایا مردوں کی پہلی صف افضل اور آخری غیر افضل اور خواتین کی آخری صف افضل اور پہلی غیر افضل یہ حدیث صحیح ستہ کی تمام کتابوں میں ہے سوائے بخاری کے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، یہ بھی فرمایا عورت کی نماز کمرے میں گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل اور خاص چھوٹے کمرے میں اس سے بھی افضل ہے۔

(سنن ابن داؤد باب صف النساء والرجال خرم الصف الاول مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور)

ہاتھ سینے پر باندھنے میں غیر مقلدین کے دلائل کا تجزیہ:

غیر مقدسوں پاس نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی نہ کوئی صحیح حدیث ہے اور نہ ہی خیر القرون (یعنی صحابہ تابعین تبع تابعین) کا عمل نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا موجود ہیں۔

پہلی دلیل: (وآخر) کی تفسیر حضرت علیؓ سے سینہ پر ہاتھ باندھنا ہے۔ (سنن الکبیر بیہقی ج 2 ص 30-31)

اعتراض نمبر 1: تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

اعتراض نمبر 2: تفسیر قرصی میں بھی اس کی سند کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

اعتراض نمبر 3: تفسیر ابن جریر میں ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ و آخر سے مراد قربانی ہے۔ (ج 15 ص 328)

اعتراض نمبر 4: غیر مقلدین کے عالم ابو عبد السلام بن عبد الحنان اپنی کتاب (القول بالقبول ص 343) پر لکھتے ہیں کہ اس کی

سند ضعیف ہے۔ اعتراض نمبر: 15 اس کی سند میں ابوالحریش کلابی ہے۔ اسکی شہادت مطلوب ہے؟  
اعتراض نمبر: 16 ابوالحریش یہ روایت شیبان بن فروخ سے نقل کر رہا ہے ابوالحریش کلابی کا شیبان بن فروخ سے سماع ثابت نہیں۔

اعتراض نمبر: 7 شیبان بن فروخ کے بارے میں (تقریب الجہد ج 1 ص 148) میں صدوق ہے۔ دہم ہو جاتا ہے۔ دوسری دلیل: غیر مقلدوں کی دوسری دلیل تفسیر ابن عباس ہے۔  
اعتراض نمبر: 1 غیر مقلد زبیر علی زئی اپنی کتاب تسبیل الوصول ص 201 پر اس کی سند کو ضعیف قرار دیتا ہے۔  
اعتراض نمبر: 2 غیر مقلد مبارک پوری ابکار الحسن ص 109 میں لکھتا ہے کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔  
اعتراض نمبر: 13 اس کی سند میں ایک راوی روح بن المسیب ہے۔ وضاع الحدیث (یعنی حدیثیں گھڑتا تھا) (میزان الاحتمال ج 2 ص 61)

اعتراض نمبر: 14 اس روایت میں عند انحر ہے علی انحر نہیں ہے لہذا غیر مقلدوں کی دلیل بنی نہ رہی۔  
تیسری دلیل: ابن خزیمہ کی حدیث ج 1 ص 243 ہے۔

اعتراض نمبر: 1 غیر مقلد ناصر الدین البانی ابن خزیمہ کے حاشیہ میں لکھتا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔  
اعتراض نمبر: 2 غیر مقلد مبارک پوری ابکار الحسن ص 109 میں لکھتا ہے کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔  
اعتراض نمبر: 3 غیر مقلد ابو عبد السلام القول المقول میں ص 345 میں لکھتا ہے اس کی سند ضعیف ہے۔  
اعتراض نمبر: 14 اس روایت میں ایک راوی مول بن اسماعیل ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے (المعنی فی الضعفاء ج 2 ص 446، جہد ج 1 ص 91، جہد ج 2 ص 526، جہد ج 5 ص 2، میزان الاعتدال ج 4 ص 228، امام بخاری فرماتے ہیں جسکو میں منکر الحدیث کہہ دوں اس سے روایت لینا حلال نہیں ہے۔) (میزان ج 1 ص 6، تدریب الراوی)

اعتراض نمبر: 15 امام بخاری کے استاد امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میں کثرت سے خطا کرتا ہے۔ (میزان ج 4 ص 228) اعتراض نمبر: 6 تقریب الجہد میں ہے۔ برے حافظے والا ہے۔ (ج 2 ص 231)

اعتراض نمبر: 7 غیر مقلد زبیر علی زئی نے اپنی کتاب نور العینین ص 61 پر لکھا ہے جو راوی کثیر الخطا و اور برے حافظہ والا ہو، اس کی منفرد روایت ضعیف ہوتی ہے یہاں مول بن اسماعیل کا بھی یہی حال ہے۔

چوتھی دلیل: ابن حجر سے ایک روایت یہتی کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں وہ بھی ضعیف ہے (القول المقول ص 340)  
اعتراض نمبر: 1 فتح الباری ج 9 ص 170 پر ہے مول بن اسماعیل کثیر الخطا ہے سفیان سے اسکی روایت ضعیف ہوتی ہے

یہاں مولیٰ بن اسماعیل سفیان سے نقل کر رہا ہے۔

اعتراض نمبر 2: نور العینین ص 127 پر لکھا ہے جب سفیان (عن) سے روایت کرے تو حجت نہیں غیر مقلدوں آنکھیں کھولیں یہاں بھی سفیان (عن) سے روایت کر رہا ہے

اعتراض نمبر 3: غیر مقلد حکیم عبدالرحمن طلیق بارہ مسائل ص 38 پر لکھتا ہے کہ عامر بن کلیب بالاتفاق کبار محدثین کے نزدیک سخت درجہ کا ضعیف راوی ہے کہ یہاں بھی عامر بن کلیب راوی موجود ہے اسے کہتے ہیں کہ

گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چرائے

پانچویں دلیل: مسند احمد کی روایت ہے جوع 5 ص 226 پر ہے۔

اعتراض نمبر 1: غیر مقلدین کی مشہور کتاب القول المقبول اس کے ص 341 پر لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

اعتراض نمبر 2: اس روایت میں سماک بن حرب ہے جو کہ استاد ہے سفیان کا، سفیان فرماتے ہیں سماک بن حرب ضعیف ہے۔

(میزان الاعتدال ج 2 ص 232)

اعتراض نمبر 3: سفیان کا خود عمل ناف کے نیچے نماز میں ہاتھ باندھنے کا ہے۔ (شرح مسلم ج 1 ص 173)

اعتراض نمبر 4: امام نسائی فرماتے ہیں سماک بن حرب جب منفرد ہو تو حجت نہیں۔ (میزان ج 2 ص 232)

اعتراض نمبر 5: کتاب الشیخ ہم سنی مسلمان غیر مقلدوں (الجمہور، دہلیوں) کی طرح نماز میں سینے پر ہاتھ کیوں نہیں باندھتے؟

اعتراض نمبر 6: سماک بن حرب کے تمام شاگرد حذہ علی حذہ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ سینہ پر ہاتھ باندھنے کو بیان نہیں کرتے ان کے حوالے (سنن ابن ماجہ ج 1 ص 58، مسند احمد ج 5 ص 226)

اعتراض نمبر 7: یہ روایت کو فہ کی ہے اور کو فہ سے غیر مقلدوں کو پہلے ہی بہت بغض و کینہ ہے اور کو فہ کا عملی تو اتنا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ہے۔

اعتراض نمبر 8: مسند احمد کی روایت میں لفظ حذہ ہے جس سے دو ہاتھ کا ترجمہ کرنا جہالت ہے اسی وجہ سے غیر مقلدوں کے بہت بڑے مناظرہ مشرر بانی اپنی کتاب آپ کے سوال قرآن و سنت کی روشنی میں کے ص 125 جلد اول پر اس روایت کے لفظ حذہ کو حذہ میں بدل دیا ہے چھاپے میں بھی درست نہیں کیا اور نظر ثانی کرنے والے زیر علی زئی کی بھی اس لفظ پر آ کر آنکھیں بند ہو گئی اللہ تعالیٰ غیر مقلدوں کی عقل و آنکھوں کو درست فرمائے۔ آمین

ہاتھ چھو کر نماز پڑھنے میں اہل تشیع کے دلائل اور ان کا تجزیہ:

ایسا سوال جو ہمیشہ بہت سے لوگوں کے ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا نماز میں ہاتھ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟



شیعوں کے نزدیک یہ عمل جائز نہیں ہے؟ (۱) جیسا کہ خلاف (۲)، غنیۃ (۳) اور رد (۴) جیسی کتب میں ذکر ہوا ہے۔ سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب الانصار (۵) میں اس کے جائز نہ ہونے پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح اہل بیت علیہم السلام سے بھی اس بارے میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں۔

نیز اہل سنت میں بھی امام مالک اور بعض فقہائے سلف اسے مکروہ سمجھتے ہیں اسے تابعین جگہ بعض صحابہ کرام سے نقل ہوا ہے کہ وہ نماز میں ہاتھ کھولنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (۶)

اہل سنت کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف کا باعث پیغمبر کی نماز کے متعلق وہ صحیح جن ۱۔ خلاف ۱: ۱۰۹۔ ۲۔ خلاف ۱: ۱۰۹۔ ۳۔ غنیۃ از زرع: ۳۸۱۔ الدرر الشریعۃ: ۵۱۸۵۔ الانصار: ۴۱۔

۶۔ ہدایۃ المسجند: ۱۳۶؛ ذہبی اس کتاب کے مؤلف قرطبی کے بارے میں کہتے ہیں: وہ فقہ میں علامہ تھے... فقہ میں برتری پائی... وہ اندلس میں علم و فضل اور کمال میں بے نظیر تھے... جیسا کہ فقہ میں لوگوں کی پناہ گاہ تھی اسی طرح حکمت میں بھی لوگ انہیں کی طرف رجوع کیا کرتے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲۱: ۳۰۸)

میں یہ ذکر ہوا ہے کہ آنحضرتؐ حالت نماز میں ہاتھ نہیں باندھتے تھے۔ جیسا کہ ابن رشد نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ابراہیم نخعی (۱) جنہوں نے اہل سنت کے آثار اربعہ میں سے بعض سے پہلے وفات پائی وہ بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے قائل تھے۔

اسی طرح حسن بصری (۲) تابعی جسے اہل سنت علم و عمل میں اہل زمانہ کا سردار مانتے ہیں وہ بھی نماز میں ہاتھ کھول کر پڑھا کرتے تھے۔

۱۔ وہ پہلی صدی کے بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے بعض صحابہ کرام کو بھی درک کیا اور ۹۶ھ میں وفات پائی۔

ذہبی کہتے ہیں: وہ امام، حافظ، فقیہ عراق اور بزرگ شخصیت تھے اور ایک جماعت نے ان سے روایات نقل کی ہیں اسی طرح انہوں نے حکم بن حتیہ، سلیمان بن مہران اور ان کے علاوہ کئی ایک افراد سے روایات نقل کی ہیں۔ وہ معتقد تھے کہ ابو ہریرہ کی بہت سی روایات منسوخ ہیں۔

مجتبیٰ کہتے ہیں: وہ مفتی کوفہ فیہادوبہرہزگار انسان تھے... احمد بن حنبل سے بھی نقل ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ ابراہیم ذہبی، حافظ اور صاحب سنت تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۴: ۵۲۰)

۲۔ حسن بصری حضرت عمر کی خلافت کے پورے ہونے سے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور حضرت عثمان کی اثناء میں نماز جمعہ میں شریک ہوا کرتے... کہا جاتا ہے کہ علم و عمل میں وہ اپنے زمانے کے سردار تھے۔

ابن سعد کہتے ہیں: وہ جامع، عالم، رفیع، فقیہ، ثقہ، جت، قابل اعتماد، عابد، ناسک اور کثیر العلم تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۴: ۵۷۱) جبکہ ہمارے (شیعوں) ہاں اس کی مذمت میں روایات ذکر ہوئی ہیں۔

ابن سیرین (۱) اور لیث بن سعد (۲) اور عبد اللہ بن زبیر جو صحابی ہے اور مالک کے مذہب میں بھی مشہور نظر یہ ہیں ہے، اسی طرح اہل مغرب بھی اسی نظریے (نماز میں ہاتھ کھولنے) پر عقیدہ رکھتے اور اسی پر عمل کیا کرتے تھے۔  
 ۱۔ محمد بن سیرین غیفہ دوم کی خلافت کے اواخر میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ اس نے تیس صحابہ کرام کو درک کیا۔ غلی کہتے ہیں: پرہیزگاروں میں اس سے بڑھکر فقیہ اور فقہاء میں اس سے بڑھکر کسی کو پرہیزگار نہیں دیکھا۔ طبری کہتے ہیں: ابن سیرین فقیہ، عالم، متقی، کثیر الحدیث اور سچ انسان تھے، اہل علم و فضل نے بھی اسکی گواہی دی ہے جو جت ہے۔  
 (سیر اعلام النبلاء: ۴: ۶۰۶) وہ بھی نماز میں ہاتھ کھولنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

اگرچہ ہمارے سابقہ علماء نے اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا لیکن جابج بن یوسف کی مدح میں اس کچھ مطالب نقل ہوئے ہیں۔

تسری کہتے ہیں: اگر اس کے متعلق بیان کئے جانے والے مطالب صحیح ہوں تو یہی اس کی نادانی اور جہالت کے لئے کافی ہیں۔ (قاموس الازجال: ۹: ۳۲۴؛ تنقیح المقال: ۳: ۱۳۰)۔

۲۔ لیث بن سعد کے بارے میں کہا گیا ہے: وہ امام، حافظ، شیخ الاسلام اور عالم دیار مصر تھے جو ۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں: لیث کثیر العلم، صحیح الحدیث، ثقہ اور قابل اعتماد تھے۔ مصریوں میں ان سے بڑھکر کوئی صحیح الحدیث نہیں ہے۔

ابن سعد کہتے ہیں: لیث فتویٰ میں مستقل اور ثقہ تھے اس نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ غلی اور نسائی اسکے بارے میں کہتے ہیں: لیث ثقہ ہے۔ ابن خراش کہتے ہیں: وہ سچا انسان ہے اور اسکی احادیث بھی صحیح ہیں۔ شافعی کہتے ہیں: لیث، مالک سے بھی بڑھکر فقہ تھ لیکن اصحاب نے اسے ترجیح نہ دی؟ (سیر اعلام النبلاء: ۸: ۱۳۶)۔ وہ بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے قائل تھے۔

ہم شیعوں کے مطابق اس نے امام صادق علیہ السلام کا اور اک کیا ان عظمت و منقبت بھی بیان کی لیکن یہ اس کی ہدایت کا باعث نہ بن سکی۔ (قاموس الازجال: ۸: ۶۳۲؛ تنقیح المقال: ۲: ۶۳)۔

امام مالک علیہ الرحمہ سے عدم ارسال کی روایات کا بیان:

مالکیوں کی کتاب "المدوۃ" میں لکھا ہوا ہے۔

"وفان مالت فی وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ قال: لا اعرف ذلک فی الفریضۃ وکان

تیکرہہ ولكن في النوافل اذا طال القيام فلا بأس بذلك يعين به نفسه"

(امام) مالک نے نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں کہا: "مجھے فرض نماز میں اس کا ثبوت معصوم نہیں" وہ اسے مکروہ سمجھتے تھے، اگر نوافل میں قیام لمبا ہو تو ہاتھ باندھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح وہ اپنے آپ کو مدد دے سکتا ہے۔ (الدونہ) مدونہ ایک مشکوک اور غیر مستند کتاب ہے۔

اس غیر ثابت قول کے مقابلے میں موطا امام مالک میں باب باندھا ہوا ہے: "باب وصع اليدين احدهما على الاخرى في الصلوة" (در اس باب میں امام مالک سیدنا مالک بن انس سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "فرض اور نفل (دونوں نمازوں) میں دایاں ہاتھ یا نئیں ہاتھ پر رکھنا چاہیے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" (ابو عمر (ابن عبد البر) نے کہا: اور ان (امام مالک) کے مدنی شگردوں کا یہی قول ہے۔" (الاستدکار، ج ۲، ص ۲۹۱)

انہیں عبد البر نے کہا۔

"وروي ابن نافع وعبد المالك ومطرف عن مالك أنه قال: توضع اليمنى على اليسرى في الصلوة في الفريضة والنافلة، قال: لا بأس بذلك، قال ابو عمر: وهو قول المدنيين من اصحابه"

ابن نافع، عبد المالك اور مطرف نے (امام) مالک سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "فرض اور نفل (دونوں نمازوں) میں دایاں ہاتھ یا نئیں ہاتھ پر رکھنا چاہیے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" (ابو عمر (ابن عبد البر) نے کہا: اور ان (امام مالک) کے مدنی شگردوں کا یہی قول ہے۔" (الاستدکار، ج ۲، ص ۲۹۱)

نماز میں ہاتھ باندھنے کے فقہی دلائل:

حضرت مالک بن انس نے فرمایا: لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھیں۔ (موطا امام مالک، ج ۱، ص ۱۵۹، صحیح بخاری مع فتح الباری، ج ۲، ص ۱۷۸)

دلیل نمبر (۱)

نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی احادیث متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح یا حسن اسانید کے ساتھ مروی ہیں، مثلاً: ۱۔ وائل بن حجر (مسلم: ۳۰۱، ابوداؤد: ۷۷۷) ۲۔ جابر (احمد، رقم الحدیث ۱۵۱۵۶، سندہ حسن) ۳۔ ابن عباس (صحیح ابن حبان، الامور ۸۸، سندہ صحیح) ۴۔ عبد اللہ بن جابر البیاضی (معرفۃ الصحابہ لابن قیم الاصبہانی، سندہ حسن وادورہ الضیاء فی الخیرۃ ۵۔ غصیف بن الحارث (مسند احمد، سندہ حسن) ۶۔ عبد اللہ بن مسعود (ابوداؤد وابن ماجہ، سندہ حسن) ۷۔ عبد اللہ بن زبیر (ابوداؤد: ۷۸۰، سندہ حسن وادورہ الضیاء المتقدی فی الخیرۃ) یہ حدیث متواتر ہے۔

(نظم المشائر من الحديث المتواتر ج ۶، ص ۲۸)

ارسال والی روایت کی سند میں ضعف کا بیان:

المعجم الکبیر للعلانی فی میں معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ارسال یہ سن کرتے تھے اور کبھی بکھارائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھتے تھے۔ (مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۰۲)  
اس دلیل کا جائزہ

اس روایت کی سند کا ایک راوی تھیف بن جحر ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۲۰، ص ۱۳۹)  
امام بکری، ابن الجارود، الساجی شعبہ، الطحطاوی اور ابن مین وغیرہ نے کہا: کذاب (جھوٹا) ہے۔ (دیکھئے لسان المیزان، ج ۲، ص ۲۸۶) حافظ ہیثمی نے کہا: کذاب ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۰۲)  
نماز میں ہاتھ باندھنا قیام کی مفت ہے:

احکام فقہیہ کی روشنی میں فقہاء نے ہاتھ باندھنے کو قیام کی مفت قرار دیا ہے۔ اسی طرح قوم کے درمیان ہاتھ نہ باندھنا بھی اسی وجہ سے ہے وہ قیام نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ قیام ہوتا تو فرض ہوتا۔ اس کی عدم فرضیت کی دلیل کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ قیام نہیں ہے۔ لہذا اس وقت اس میں ہاتھ نہیں باندھے جاتے۔ اس لئے قیام کی صورت میں اس کی مفت کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہاتھوں کا باندھا جائے تاکہ مفت قائم ہو اور قیام مفت سے موصوف یا ذات کی پہچان ہوتی ہے کیونکہ مفت کا مقصد ہی ذات یا موصوف کی معرفت ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک ارسال عزیمت جبکہ اعتماد و خست ہے:  
امام سرخسی علیہ الرحمہ منوط میں لکھتے ہیں۔ ہاتھ میں باندھنے میں اصل سنت ہے۔ جبکہ امام اوزاعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز کی کو ارسال اور اعتماد میں اختیار دیا جائے گا۔

کثرت روایات کی وجہ سے خبر واحد پر ترجیح ثابت ہو جائے گی کیونکہ ہاتھ باندھنے میں روایات کی کثرت ہے جس کا تقاضہ یہ ہے اسے اس خبر واحد جس میں ارسال کا ذکر ہے اس پر ترجیح دی جائے گی۔ لہذا امام مالک علیہ الرحمہ کے موقف ارسال کی بجائے اعتماد چل گیا جائے گا۔ کیونکہ جب ہی عمل کے بارے میں روایات کی کثرت واقع ہو تو اسے ترجیح حاصل ہوتی ہے۔  
نماز میں شام پڑھنے کا بیان:

(ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَى آخِرِهِ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَضُمُّ إِلَيْهِ قَوْلَهُ: (إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ إِلَى آخِرِهِ، وَلِرِوَايَةِ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَقُولُ ذَلِكَ .

وَلَهُمَا رِوَايَةُ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ " (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا فَتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ

وَقَرَأَ: مُبْحَاثَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَى آخِرِهِ "وَلَمْ يَزِدْ عَلَى هَذَا، وَمَا زَوَاهُ مُحْمُولٌ عَلَى التَّهَجُّدِ وَقَوْلُهُ وَجَلَّ تَنَازُكُ لَمْ يَزِدْ كَرُّ لِي الْمَشَاهِيرِ فَلَا يَأْتِي بِهِ فِي الْقَوْلِ الْإِضْ وَالْأَوَّلَى أَنْ لَا يَأْتِيَ بِالْكَوْنِ قَبْلَ التَّكْبِيرِ لِتَصِلَ بِهِ النِّيَّةُ هُوَ الصَّحِيحُ -

ترجمہ:

پھر نمازی کہے: "مُبْحَاثَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَى آخِرِهِ" اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ شاء کو ان کلمات (اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهَی) "إِلَى آخِرِهِ" سے ملائے۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح کہا کرتے تھے۔

جبکہ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو آپ ﷺ تکبیر کہتے اور پھر پڑتے "مُبْحَاثَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَى آخِرِهِ" اور اس پر کچھ زیادہ نہ کرتے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی روایت کو تجدید پر محمول کیا جائے گا۔ اور ان کا قول "وَجَلَّ تَنَازُكُ" مشہور روایت میں ذکر نہیں ہوا اس لئے فرانس میں اسے نہ لایا جائے گا۔ اور افضل یہ ہے کہ تکبیر سے پہلے (انس و جہت) منہ پڑے تاکہ نیت تکبیر کے ساتھ مل جائے جو صحیح ہے۔

تکبیر کے بعد نماز میں شاء کے متعلق احادیث:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز شروع کر کے فرماتے ہیں۔ مُبْحَاثَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، تَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ. (سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد) یہ پڑھا کرتے تھے۔ مُبْحَاثَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ اللہ تو پاک ہے اور ہم تیری پاکی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند و برتر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے نیز ابن ماجہ نے (بھی) اس روایت کو ابوسعید سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم سوائے (بواسطہ) حارث راوی کے نہیں جانتے اور اس میں قوت حافظہ کے فقدان کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ)

علامہ طہن شافعی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن مشہور ہے اور اس حدیث پر خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل کیا ہے نیز یہ حدیث مسلم میں بھی منقول ہے۔

نماز میں تَعُوذُ تسمیہ پڑھنے کا بیان:

(وَيَسْتَعِذُّ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) لَقَوْلِهِ تَعَالَى (فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) مَعْنَاهُ: إِذَا أَرَدْتَ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ، وَالْأَوَّلَى أَنْ يَقُولَ اسْتَعِذَّ بِاللَّهِ لِيُؤَافِقَ الْقُرْآنَ، وَيَقْرُبَ مِنْهُ أَعُوذُ بِاللَّهِ، ثُمَّ التَّعُوذُ تَبَعٌ لِلْقِرَاءَةِ دُونَ الشَّأْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لِمَا تَلَوْنَا حَتَّى يَأْتِيَ بِهِ الْمَسْبُوقُ دُونَ الْمُفْتَدَى وَيُؤَخَّرُ عَنْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ

(وَيَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) مَكْذُوبًا يَقُولُ فِي الْمَشَاهِيرِ (وَيُسْرُ بِهِمَا) يَقُولُ ابْنُ مَسْعُودٍ قَوْلَهُ تَعَالَى: أَرْبَعٌ يُخَفِّضُهَا الْإِمَامُ، وَكَثْرُ مِنْهَا التَّعُوذُ وَالتَّسْمِيَةُ وَآمِينَ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَجْهَرُ بِالتَّسْمِيَةِ عِنْدَ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ لِمَا رَوَى "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَهَرَ فِي صَلَاتِهِ بِالتَّسْمِيَةِ".

فَلَمَّا هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى التَّغْلِيظِ لِأَنَّ أَمْرًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخْبَرَ (أَنَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ لَا يَجْهَرُ بِهَا).

ثُمَّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَأْتِي بِهَا فِي أَوَّلِ كُلِّ رَكْعَةٍ كَالْتَّعُوذِ وَعَنْهُ أَنَّهُ يَأْتِي بِهَا أُخْبِيًا طَوًّا وَهُوَ قَوْلُهُمَا، وَلَا يَأْتِي بِهَا بَيْنَ السُّورَةِ وَالْقَارِعَةِ إِلَّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فَإِنَّهُ يَأْتِي بِهَا فِي صَلَاةِ الْمُحَافَاةِ

ترجمہ

اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرے کہ وہ اس کو شیطان مردود سے بچائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب تو قرآن پڑھے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو شیطان مردود (کے شر سے بچنے کیلئے) اِذَا قَرَأْتَ کا معنی یہ ہے جس وقت تو قرآن کی قرأت کا ارادہ کرے۔ اور افضل یہ ہے کہ "اسْتَعِذَّ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" تاکہ قرآن مجید سے موائت ہو جائے اور "اعوذُ بِسْمِ" بھی اسی کے قریب ہے طرفین کے نزدیک تَعُوذُ قرأت کے تابع ہے۔ حکماء کے تابع نہیں۔ اس آیت کی وجہ سے جسے ہم تلاوت کرتے ہیں۔ اور مسبوق تَعُوذُ پڑھے گا جبکہ مقتدی تَعُوذُ نہ پڑھے گا۔ اور اتمام تَعُوذُ کو عید کی تکبیرات پر مؤخر کرنے کا۔ اس میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔

اور "بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" پڑھے یہی مشہور احادیث سے روایت کیا گیا ہے۔ بسم اللہ اور تَعُوذُ دونوں کو آہستہ پڑھے۔ کیونکہ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام چار چیزوں کو آہستہ پڑھے گا اور ان میں سے انہوں نے بسم اللہ تَعُوذُ اور آمین کو بھی ذکر کیا ہے۔

جبکہ امام شافعی نے فرماتے ہیں کہ وہ بسم اللہ کو جبر سے پڑھے گا جب وہ قرأت جبر سے کرے۔ اس لئے کہ نبی کریم

ﷺ نے بسم اللہ کو جبر سے پڑھا ہے۔

فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ یہ جبر پڑھنا تعلیم پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بسم اللہ جبر سے نہیں پڑھا کرتے تھے۔

اسی طرح امام اعظم فرماتے ہیں کہ وہ بسم اللہ کو ہر رکعت کے شروع میں نہ پڑھے جس طرح تعوذ کو نہیں پڑھا جاتا۔ اور امام اعظم سے یہ بھی روایت ہے کہ بسم اللہ کو ہر رکعت کے شروع بطور احتیاط پڑھے۔ اور صاحبین کا بھی یہی قول ہے اور بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان نہ لائے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کو سری نماز میں پڑھے۔

نماز میں تعوذ پڑھنے کا سنن میں بیان:

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز میں داخل ہوئے تو کہا تین مرتبہ ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْسِهِ وَنَفْسِهِ“ حضرت عمرو بن مہر فرماتے ہیں ہمزہ جنوں اور دیوانگی کو کہتے ہیں اور نفث شعر کو اور نفث کبر کو۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَهَمْزِهِ وَنَفْسِهِ وَنَفْسِهِ“ فرمایا ہمزہ دیوانگی اور جنوں ہے اور نفث شعر ہے اور نفث کبر ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے فقہی احکام:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز ”الحمد لله رب العالمين“ سے شروع کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے لیکن سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کیونکہ دوسری احادیث سے بسم اللہ کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے خواہ بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ کا جزو مانا جائے جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں خواہ نہ مانا جائے جیسا کہ حنفیہ فرماتے ہیں۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہاں الحمد لله رب العالمين سے مراد سورۃ فاتحہ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ سے نماز شروع کرتے تھے جیسا کہ یہاں آؤنی نے اہل پڑھا تو اس سے مراد سورۃ بقرہ بنی جاتی ہے اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ سورۃ کا جزو ہے لہذا اس قول سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ

نہیں پڑھتے تھے۔

احناف کی جانب سے اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں مطلق نفی مراد نہیں ہے بلکہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ بآواز بلند نہیں پڑھتے تھے بلکہ آہستہ سے پڑھتے تھے اور بآواز بلند نماز کی ابتداء ”الحمد لله رب العالمین“ سے کرتے تھے کیونکہ یہ بات پوری صحت کی ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفہ وراشدین اور دوسرے صحابہ کرام و اصحاب اللہ علیہم اجمعین بسم اللہ بآواز بلند نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ بآواز بلند پڑھیں چاہنے والی نماز میں بھی آہستہ سے پڑھتے تھے۔

حضرت شیخ ابن ہمام نے بعض حفاظ حدیث (یعنی وہ لوگ جن کو بہت زیادہ احادیث زبانی یاد رہتی تھیں) سے نقل کیا ہے کہ کوئی بھی ایسی حدیث ثابت نہیں ہے جس میں بسم اللہ کا بآواز بلند پڑھنا بھراحت ثابت ہو تو وہاں اگر کوئی ایسی حدیث ثابت بھی ہے کہ جس سے بسم اللہ بآواز بلند پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ صحابہ و تابعین اور جمع تابعین کی ایک بڑی جماعت سے بسم اللہ آہستہ سے پڑھنا بکثرت منقول ہے اور اگر اتفاقاً طور پر کسی کے بارے میں بآواز بلند پڑھنا ثابت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو انہوں نے لوگوں کی تعلیم کے لیے بسم اللہ بآواز بلند پڑھی ہوگی یا پھر ان مقتدیوں کی روایت ہے جو ان کے بالکل قریب نماز میں کھڑے ہوتے تھے کہ اگر وہ، بسم اللہ آہستہ سے بھی پڑھتے تھے تو مقتدی سن لیتے تھے اور اسی کو انہوں نے بآواز بلند پڑھنے سے تعبیر کیا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں اس مسئلے سے متعلق دو باب قائم کئے ہیں ایک باب میں تو ان احادیث کو نقل کیا ہے جن سے بسم اللہ بآواز بلند پڑھنا ثابت ہے اور دوسرے باب میں وہ احادیث نقل کی ہیں جو آہستہ سے پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور امام ترمذی نے ترجیح انہیں احادیث کو دی ہے جن سے بآواز آہستہ سے پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور کہا ہے کہ اس طرف (یعنی بسم اللہ آہستہ سے پڑھنے کے مسلک کے حق میں) اکثر اہل علم مثلاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کرام وغیرہ ہیں۔ (جامع ترمذی)

نماز میں قرات تسمیہ کا حکم سری:

تسمیہ کی شرعی حیثیت کے تحت تسمیہ کا سورہ فاتحہ کا حصہ نہ ہونا اس امر سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبری نمازوں میں قرات بالجبر کا آغاز الحمد للہ رب العالمین، سے کرتے تھے۔ بسم اللہ کی قرات جبراً نہ فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابابکر و عمرو و عثمان کانوا یفتتحون القراءۃ بالحمد لله رب العلمین



وزاد مسلم لا یدکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قرآنہ ولا فی آخرها سنن دارمی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جبری قرات کا آغاز الحمد للہ سے فرمایا کرتے تھے صحیح مسلم کے مزید الفاظ یہ ہیں کہ پہلی اور دوسری مرتبہ دونوں قراتوں میں (جبرا) بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔

(صحیح لمسلم، 172 : 1، کتاب الصلاۃ، رقم 52 : مسند احمد بن حنبل، 101 : 3، 114 : مسند الدارمی، 300 : 1 مطبوعہ، دارالقلم دمشق، سنن النساء، 97 : 2، رقم 902 : سعید بن منصور سنن میں ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔  
کانوا یسرون التعوذ والبسملة فی الصلوۃ، صحابہ کرام نماز میں تعوذ اور تسبیح ہستہ پڑھتے تھے۔  
حضرت انس رضی اللہ عنہ اسناد صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

قال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی بکر وعمر وعثمان (رضی اللہ عنہم) فلم أسمع احدا منهم یجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم :  
انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بھی جبرا بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا۔ (سنن نسائی، 99 : 2، رقم 907 :)  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دور میں ابتداء دور ان نماز بسم اللہ جبرا پڑھتے تھے۔ اس پر مشرکین مکہ استہزاء کرتے کیونکہ وہ مسلمینہ کذاب، کوڑھن کہتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم سن کر وہ طعنہ دیتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل یمامہ کے معبود مسلمینہ کذاب، کی طرف بلاتے ہیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو بسم اللہ کی قرات آہستہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باخفائہا فما جہر بها حتی مات .  
لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پوشیدہ پڑھا کرو، پھر تا وقت وفات تک بھی نماز میں بسم اللہ پکار کر نہیں پڑھی۔ (طبرانی)  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

فلما نزلت هذه الآية أمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یجہر بها .  
جب آیت بسم اللہ نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جائے۔  
(طبرانی)

اسی طرح صحیح بخاری، صحیح مسلم اور طبرانی کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، اور بیہقی وغیرہ متعدد کتب حدیث میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ تسمیہ کی قرأت سورہ فاتحہ یا کسی اور سورت کے حصے کے طور پر نہیں بلکہ الگ حیثیت سے کی جاتی تھی۔ اگر یہ حصہ سورہ فاتحہ ہوتی تو یقیناً اس کی قرأت بھی اس کے ساتھ بلند آواز سے کی جاتی۔ جن روایات میں بسم اللہ کی قرأت کا دوران نماز بلند آواز سے ہونا مذکور ہے وہ کسی دور کے اوائل ایام سے متعلق ہیں۔ لیکن بعد میں صراحت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکار کر پڑھنے کی ممانعت فرمادی۔ لہذا تسمیہ کا نماز میں پڑھا جانا عداوت قرآن کے آغاز و افتتاح کے طور پر ہے۔ کیونکہ حمد و ثناء کے بعد جب سورہ فاتحہ کی قرأت شروع ہوتی ہے تو یہی دوران نماز تلاوت قرآن کا آغاز ہے اور یہاں بھی یہ حکم ہے کہ تلاوت قرآن کا آغاز پہلے تعوذ (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم) اور پھر تسمیہ (بسم اللہ الرحمن الرحیم) سے کیا جائے۔

بسم اللہ کا فاتحہ کے جزو ہونے یا نہ ہونے میں فقہی مذاہب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے الفاظ کو اصطلاح میں تسمیہ کہا جاتا ہے۔ یہی ایک آیت کے حصے کے طور پر قرآن حکیم کی سورۃ النمل میں وارد ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بالاتباق حصہ قرآن بھی ہے۔ ارباب باری تعالیٰ ہے۔

انہ من سلیمن وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے شک وہ (خط) سلیمان کی جانب سے (آیا) ہے اور وہ اللہ کے نام سے شروع (کیا گیا) ہے جو بے حد مہربان بڑا رحم فرمائے والا ہے

آئمہ فقہ میں سے شوافع اسے سورۃ الفاتحہ کا جزو قرار دیتے ہیں۔ جب کہ بعض علماء ہر سورت سے پہلے بسم اللہ وارد ہونے کی بناء پر سوائے سورۃ براءت کے اسے ہر سورت کا جزو تسلیم کرتے ہیں۔ ان میں ابن عباس ابن عمر ابن زبیر ابو ہریرہ اور تابعین میں سے عطاء طاؤس سعید بن جبیر کھول اور زہری وغیرہ ہم کے اسماء بیان کیے جاتے ہیں۔ امام عبد اللہ بن مبارک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سے بھی ایک قول اس طرح منقول ہے۔ قول معروف اور مذہب بخاری یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن کا حصہ ہے۔ لیکن سورۃ الفاتحہ یا دوسری سورتوں کا جزو نہیں بلکہ ہر سورت سے پہلے اسے محض امتیاز و انفصال اور تسکین و تبرک کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ عبد اللہ بن عباس سے اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

كان لمسمون لا يعرفون انقضاء السورة وفي رواية لا يعرفون فصل السورة حتى نزل بسم الله الرحمن الرحيم فاذا نزلت عرفوا السورة قد انقضت وفي رواية ان السورة قد ختمت واستقبلت وابتداء سورة اخرى۔

مسلمانوں کو دوسورتوں کے درمیان فرق و انفصال کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ چنانچہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے نزل ہونے سے



ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں لکھنؤ حکم الکحل (اکثر کل کے حکم میں ہے) کے کلیہ کے مطابق تین رکعت میں فرض ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے مطابق دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک قول مشہور ہے کہ مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے موافق ہے۔ حضرت حسن بصری اور حضرت زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قرأت فرض ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان:

امام بخاری و مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامہ اصل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے (نماز میں) سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی۔ (صحیح البخاری، مسلم) اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ اور اس کے بعد قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

صحیح مسلم کی آخری روایت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی کوئی اور سورہ یا اور کچھ آیتیں پڑھنا بھی ضروری ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے مسئلے میں آئمہ فقہاء کے مذاہب:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اگر کوئی آدمی سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ چنانچہ اسی حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ حدیث نے صراحت کے ساتھ ایسے آدمی کی نماز کی نفی کی ہے جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ اس حدیث کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی کمال مراد ہے یعنی سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ادا تو ہو جاتی ہے مگر مکمل طور پر ادا نہیں ہوتی۔ (کیونکہ جہدہ سو کہ ساتھ ہوگی) اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے آیت (فَاقْرَءْ مَا تَنَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ) 73 - العزمل (20): (یعنی قرآن میں سے جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ مطلق قرآن کی کوئی بھی سورہ یا آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک اعرابی کی نماز کے سلسلے میں یہ تعلیم فرمائی تھی کہ فاقْرَءْ مَا تَنَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (یعنی تمہارے لیے قرآن میں سے جو کچھ پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو)

بہر حال احناف کے مذہب کے مطابق نماز میں فرض کہ جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی قرآن کی ایک آیت یا تین آیتوں کا پڑھنا ہے خواہ سورہ فاتحہ ہو دوسری کوئی سورہ اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر نماز ناقص ادا ہوتی ہے۔  
امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَحَمَدُ لِلّٰہِ رَتِّ الْعِصَابِ سے قرأت شروع فرمایا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)  
نماز میں آمین پڑھنے کا بیان:

(وَإِذَا قَالُوا الْحَمْدَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَيَقُولُهَا الْمُتَوَكِّلُونَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إِذَا آمَنَ الْإِيمَانُ فَأَمَّنُوا) " وَلَا تَمَسُّكَ لِمَالِكَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إِذَا قَالَ الْإِيمَانُ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ) " مِنْ حَيْثُ الْقِسْمَةُ لِأَنَّهُ قَالَ فِي آخِرِهِ فَإِنَّ الْإِيمَانُ يَقُولُهَا .  
قَالَ ( وَيُخَفُّوْهَا ) لِمَا رَوَيْنَاهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ، وَلَأنَّهُ دُعَاءٌ فَيَكُونُ مَبْنَاهُ عَلَى الْإِخْفَاءِ ، وَالْمَدُّ وَالْقَصْرُ فِيهِ وَجْهَانِ ، وَالتَّشْدِيدُ فِيهِ خَطَأٌ فَاجْتَنِبْ .  
ترجمہ:

اور جب امام "وَلَا الضَّالِّينَ" کہے تو خود امام اور تم آمین کہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب امام "إِذَا آمَنَ الْإِيمَانُ" کہے تو تم آمین کہو۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب امام "وَلَا الضَّالِّينَ" کہے تو تم آمین کہو۔ لہذا "وَلَا الضَّالِّينَ" اور آمین امام اور مقتدیوں کے درمیان تقسیم ہوگئی۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کے آخر میں ہے کہ امام بھی آمین کہے۔

اور وہ آمین کو آہستہ پڑھیں۔ جو ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ آمین دعا ہے اور اس میں اصل اخفاء ہے۔ اور آمین میں مد اور قصر دو جوہات ہیں۔ جبکہ اس کو تشدید سے پڑھنا بڑی غلطی ہے۔

آمین امام اور مقتدی دونوں یا صرف مقتدی پڑھیں اور جہر میں ترجیح حدیث کا بیان:

عمر مابن النعمان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مقتدی کے آمین کہنے کے سرو جہر میں عموم ہے۔ البتہ بعض نے کہا ہے آمین آہستہ کی جائے اور بعض نے کہا کہ جہری آواز کے ساتھ آمین کہی جائے۔

ہندوئی سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے۔ کہ جب وہ آمین کہے تو تم آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوئی تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (شیخ علیہ) اس حدیث سے امام کی آمین کہنا بطریقہ شریعہ ثابت ہے۔ کیونکہ اس کی آمین اس لئے نہیں ثابت ہوئی کہ جس کیلئے علم نصاب چلایا گیا ہو۔ لہذا وہ سر زیادتی کی

جتن نہیں ہے۔ جس کو مصنف نے ذکر کیا ہے۔ یعنی امام بھی آمین کہے۔ اسی کو سائی وائین جان نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور حدیث قسمت جس کو صحیح نے بیان کیا ہے۔ کہ امام بتایا اسی لئے جاتا ہے تاکہ تم اس کو اتباع کرو اور تم اس سے اختلاف نہ کرو۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کو اور وہ قرأت کرے تو چپ کر جاؤ اور جب وہ ”وَلَا الضَّالِّينَ“ کہے تو تم آمین کہو۔ اور مصنف کا قول کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا ہے۔

امام احمد، ابویوسف، طبرانی، دارقطنی اور امام حاکم نے مستدرک میں ”مُشْعَبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ خُضْرٍ ابْنِ الْعَنْبَسِ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ“ سے حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پس جب آپ ”وَلَا الضَّالِّينَ“ پہنچے تو آپ نے آمین آہستہ کہی۔ جبکہ امام ابوداؤد و ترمذی نے ”عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ خُضْرٍ ابْنِ الْعَنْبَسِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ بْنِ خُضْرٍ، وَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَفِيهِ“ سے روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے آمین بلند آواز سے کہی۔

پس حضرت سفیان نے بلند آواز سے آمین کہنے میں شعبہ کی مخالفت کی ہے۔ اور کہا ہے کہ حجر ابو عئیس یا ابن عئیس جو ہے اس میں علقمہ کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اور اس کی دوسری علت یہ ہے کہ امام ترمذی نے ایک بہت بڑی علت یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے امام بخاری سے پوچھا کہ کیا علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ علقمہ تو اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے تھے۔

لہذا یہ روایت منقطع ہوئی اور اسی وجہ سے امام دارقطنی وغیرہ نے سفیان کی طرف رجوع کیا ہے۔ یونہی وہ زیادہ حافظ حدیث تھے۔ حالانکہ امام بیہقی نے شعبہ سے بلند آواز والی حدیث روایت کی تھی۔

احادیث کے اختلاف کی وجہ سے مصنف نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث کی طرف عدول کیا کیونکہ وہ روایت معلوم ہے اور اس میں آمین آہستہ کہنے کا بیان ہے۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۶۸، بیروت)

نماز میں آمین کا مسئلہ:

نماز میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں تو حکم شرعی یہ ہے کہ جس وقت امام ”وَلَا الضَّالِّينَ“ کہے تو تم آہستہ ”آمین“ کہو۔

امام بخاری علیہ الرحمہ آمین کے آہستہ کہنے پر ایک باب باندھتے ہیں اور اس کے ذیل میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۸، تہذیبی کتب خانہ کراچی)

سہ دلوں کو گویا بھاری کا نام استعمال کر کے گمراہ کرنے والے ہی صحیح بخاری کی اس حدیث کو قبول نہیں کرتے اور حالت نماز میں نہایت شور کرتے ہوئے بلند آواز سے آمین کہتے ہیں۔ ہم اسی حدیث کی تائید میں صحاح ستہ کی ایک اور حدیث بیان کر رہے ہیں تاکہ کن گھڑت روایات بیان کرنے والوں کے منہ کو لگام دی جاسکے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں حضرت علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ پڑھا اور آہستہ آمین کہی۔

(جامع ترمذی، ج ۳۳، نور محمد ص ۱۶۸، المطالع کراچی)

یاد رہے جو روایت آمین بلند آواز سے کہنے والے لوگوں کو سنا تے ہیں اس میں ایک راوی بشر بن رافع ابو الاسباط حارثی ہے جس کو امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی، امام احمد، اور امام ابن حنین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ لہذا وہ روایت صحیح نہیں۔

(عمدة القاری، ج ۶، ص ۵۲، مطبوعہ منیر مصر)

آمین آہستہ کہنے کے دلائل میں احادیث:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) فَقُولُوا: آمِينَ. فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (البيهقي في الصحيح، كتاب صفة الصلاة، باب جهر المأموم بالتأمين، 271/1، الرقم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب امام (غیر المغضوب علیہم ولا الضالین) کہے تو تم کہو: آمین۔ جس کا کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہو گیا تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تعلیم دیتے تھے کہ امام پر سبقت نہ کرو، جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو، اور جب وہ (ولا الضالین) کہے تو تم آمین کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ (سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہے تو تم (اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ) کہو۔

مسند فی الصحيح، کتاب: الصلاة، باب: النهی عن مبادرة الإمام بالتكبير وغيره، 310/1، الرقم 415، و اس خزیمہ فی الصحيح، 34/3، الرقم 1576، والبیہقی فی السنن الکبری، 92/2، الرقم 2424۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام (غیر المغضوب علیہم ولا الضالین) کہے اور اس کے پیچھے مقتدی آمین کہیں اور آمین پڑھنے والوں کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو جائے تو نمازی کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔





ولا الضالین کے بعد خاموش رہنے کی توجیہ اور غیر مقلدین کا نماز میں شور کرنا:

برصغیر پاک و ہند میں غیر مقلدین نماز کے بعد ذکر کرنے کے بارے میں یہ واویلہ کرتے ہیں کہ مسجدوں میں شور ہوتا ہے اور نمازیوں کی نماز مسرّب ہوتی ہے جبکہ خود یہ لوگ لاؤڈ سپیکر پر اونچی آوازوں سے آمین کہتے ہیں تو اس وقت مسجد تو درکنار پورے محلے میں ان کی آئین کا شور جاتا ہے۔ اب ان لوگوں کی نماز مسرّب کیوں نہیں ہوتی۔

سورۃ فاتحہ پڑھ لینے کے بعد تھوڑی دیر کے بعد کیلئے خاموشی اختیار کرنے سے شوافع کی دلیل کہ ام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ہے۔ جبکہ غیر مقلدین نماز کے شروع و خضوع کو خراب کرتے ہوئے اتنی زور سے آمین کہتے ہیں۔ کہ ان کے ہاں آنے والا نیا نماز کی ویسے ہی خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ وہ کہاں آگیا ہے۔ غیر مقلدین اپنے موقف کو ثابت کرنے کیلئے اس مسئلہ میں فقہ شافعی کا براہ سہارا لیتے ہیں۔ فقہ شافعی کی اس توجیہ پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ کیا صرف اپنی مرضی کے مطابق ماننا ہے اور اپنی مرضی سے انکار کرنا ہے۔

دکوع میں جاتے ہوئے بکیر کا حکم:

قَالَ (لَمْ يُعْمَرْ وَتَرَكُ) وَلَمْ يَجْعَلِ الصَّغِيرُ: وَيُكْتَبُ مَعَ الْإِنْحِطاطِ (لَأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُعْمَرُ عِنْدَ كُلِّ خَفِيفٍ وَزَلْعٍ) (وَيُخْلِفُ الْكَبِيرَ خَلْفًا) (لَأَنَّ الْمَلَأَ فِي أَوَّلِهِ عَطَاً مِنْ حَبْثِ الدُّهْنِ لِيُكْرِمَهُ اسْتِطْعَامًا، وَلِي آخِرِهِ لَعَنَ مِنْ حَبْثِ الدُّهْنِ).

ترجمہ:

فرمایا: اور وہ بکیر کہے اور رکوع کرے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ وہ جھکتے ہوئے بکیر کہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ ہر جھکتے اور اٹھتے وقت بکیر کہا کرتے تھے۔ اور بکیر میں اچھی طرح سے حذف کرے کیونکہ بکیر کے اول کو لبائین کے اعتبار سے غلطی ہے کیونکہ وہ استغہم بن جائے گا اور بکیر کے آخر میں بد کرنے سے لغت کی حیثیت سے لُحْن ہوگا۔ (جو کہ غلط ہے)۔

شرح:

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے کلمات کی ادائیگی میں اتنی دھمیل کر دو کہ کلمات بغیر کھینچے ہوئے تاکہ حد سے تجاوز نہ ہو واضح واضح کہہ سکو۔ اسی وجہ سے مؤذنون کے لیے تاکید ہے کہ وہ اذان کے کلمات کی ادائیگی میں احتیاط سے کام لیں اور قواعد کے مطابق اذان کہیں تاکہ غلطیوں کا ارتکاب نہ ہو سکے کیونکہ بعض غلطیاں ایسی ہیں کہ ان کو تصدّاد کرنے والا کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے جیسے احمد کے الف کو بد کے ساتھ ادا کرنا کہ یہ استغہم ہو جاتا ہے اور جس کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ کیا میں گواہی دوں اسے؟ یا اللہ اکبر میں حرف با کو بد کے ساتھ کھینچ کر (اکبر) پڑھنا کہ یہ غلطی کہہ کر جمع ہو جاتی ہے جس کے معنی اس طلبہ کے آتے ہیں جس کا ایک منہ ہوتا ہے اور دائرے کی شکل میں ہوتا ہے یا اسی طرح

لفظ اللہ پر وقف کرنا اور اللہ سے ابتداء کرنا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی تو انہوں نے ہمیں وہ نماز یاد کروادی جو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) جب بھی اٹھتے اور جھکتے تو تکبیر کہا کرتے تھے۔ (بخاری، رقم ۱۳) رکوع کرنے کا طریقہ اور اس کی تسبیح کا بیان:

(وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَيُفْرِجُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا تَسِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ  
(إِذَا رَكَعْتَ قَضَعْتَ بِيَدِكَ عَلَى رُكْبَتِكَ وَفَرَجْتَ بَيْنَ أَصَابِعِكَ) "وَلَا يَنْدُبُ إِلَى الظَّرْفِ إِلَّا فِي هَذِهِ الْحَالَةِ لِيَسْجُونَ أَمْسُكَنَّ مِنَ الْأَخِيذِ، وَلَا إِلَى الضَّمِّ إِلَّا فِي حَالَةِ السُّجُودِ وَلِهَذَا وَرَأَى ذَلِكَ بُنْتُكَ عَلَى الْقَاعَةِ وَيَسْطُطُ ظَهْرُهُ) لِأَنَّ (النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا رَكَعَ بَسَطَ ظَهْرَهُ)، وَلَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَلَا يَنْجُسُهُ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا رَكَعَ لَا يَمُصُّ رَأْسَهُ وَلَا يَنْتَعِمُ (وَيَقُولُ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَذْنَاهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إِذَا رَكَعَ أَخَذَ كُمَ فَلْيَقُلْ فِي دُخُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَذْنَاهُ) "أَيُّ أَذْنَى كَمَالِ الْجَنِّحِ."

ترجمہ:

اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو کشادہ رکھے۔ اس لئے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تو رکوع کرے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشدگی کر۔ اور انگلیوں کی کشادگی اس کے سوا کہیں بھی مندوب نہیں۔ تاکہ پکڑنا ممکن ہو اور سجدے کی حالت کے سوا کسی حالت میں انگلیوں کو ملنا مندوب نہیں۔ اور ان ذکر کردہ احوال کے سوا ہاتھوں کو اپنی عادت پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اور سر کو برابر رکھے کیونکہ جب نبی کریم ﷺ رکوع کرتے تو آپ ﷺ سر کو برابر رکھتے تھے۔ لہذا وہ سر کو نہ جھکائے اور نہ ہی سر کو اٹھائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ جب رکوع کرتے تو نہ اپنے سر جھکاتے اور نہ ہی اٹھاتے۔ اور تین بار "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ" کہے۔ اور یہ کم از کم مقدار ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ تم میں سے جب کوئی شخص رکوع کرے تو وہ تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ" اور یہ اس کا کم از کم درجہ ہے۔ یعنی کثرت والی حج کا ادنیٰ ہے۔

شرح

حضرت عون بن عبد اللہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آقائے نامہ ارمی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اس کو رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہنا چاہئے تب اس کا رکوع پورا

ہوگا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ کہنا چاہئے تب اس کا سجدہ پورا ہوگا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۷۷، دارالحدیث ملتان، سنن ابن ماجہ)

رکوع میں ان تسبیحات کو تین مرتبہ کہنا ادنیٰ درجہ کمال سنت کا ہے ورنہ تو اصل سنت ایک مرتبہ میں ادا ہو جاتی ہے اور کمال سنت کا اوسط درجہ پانچ مرتبہ ہے اور اعلیٰ درجہ سات مرتبہ کہنا ہے اور انتہائے کمال کی کوئی حد نہیں ہے گو بعض حضرات نے دس مرتبہ کہا ہے اور بعض حضرات نے تو تقریباً قیام کی مقدار تک کہا ہے لیکن بہر صورت میں امام کو مقتدیوں کی رعایت لازم ہوگی۔

حضرت ابن جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے آقاؐ سے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ کسی کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہو۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم نے ان کے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، رکوع کا دس تسبیحات کے بقدر) اور سجدے کا دس تسبیحات (کے بقدر) اندازہ کیا۔

(ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۷۹، دارالحدیث ملتان، سنن نسائی)

**رکوع و سجود میں کمر سیدھی رکھنے کا بیان:**

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رکوع میں جاتے تو چہرہ اور سر کو اونچا رکھتے نہ نیچا بلکہ درمیان میں (کمر کے برابر) رکھتے۔

حضرت ابوسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ نماز کافی نہیں جس میں مرد اپنی کمر کو سجدہ میں سیدھی بھی نہ کرے۔

حضرت علی بن شیمان جو اپنی قوم کی طرف سے وفد میں آئے تھے فرماتے ہیں کہ ہم جلیے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے بیعت اور آپ کے پیچھے نماز ادا کی تو آپ نے گوشہ چشم سے ایک صاحب کو دیکھا کہ رکوع سجدہ میں ان کی کمر سیدھی نہیں ہوتی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو رکوع سجدہ میں اپنی کمر سیدھی نہ کرے۔

حضرت داہبہ بن معبد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رکوع میں جاتے تو اپنی پشت بالکل سیدھی رکھتے حتیٰ کہ اگر پانی ڈال دیا جائے تو وہ نہیں ٹھہر جائے۔

(سنن ابن ماجہ)

حضرت طلق ابن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقاؐ سے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ بزرگ و برتر اس بندے کی نماز کی

طرف نہیں دیکھتا جو اپنی نماز کے تودور کوغ میں اپنی کمرسیدھی نہیں کرتا۔ (مسند احمد بن حنبل)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہی نماز مقبولیت کے درجے کو پہنچتی ہے جس کے تمام ارکان پوری طرح ادا کئے جائیں اگر کوئی رکن اپنے قواعد و آداب کے مطابق درست نہ ہو تو نماز قبولیت کے درجے کو نہیں پہنچتی چنانچہ رکوع وجود چونکہ نماز کے اہم ترین رکن ہیں اس لیے ان میں اگر نقص رہ جاتا ہے تو گویا پوری نماز ناقص رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ نماز اتمام و کمال کے مرتبے کو نہیں پہنچتی لہذا اس حدیث کے ذریعے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ رکوع وجود (کو پوری) احتیاط کے ساتھ ادا کرنا چاہئے یعنی پہلے رکوع وجود سے اٹھنے کے بعد کمر کو سیدھی طرح سیدھا کر لیتا چاہئے اس کے بعد دوسرا رکوع و جہدہ کیا جائے اگر ایسا نہیں کیا جائے گا پہلے رکوع و جہدہ سے اٹھ کر کمر کو سیدھی کئے بغیر دوسرے رکوع و جہدہ میں جلدی جلدی جائے گا تو وہ رکوع وجود ادا کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا اس کی نماز کی طرف رب قدوس نظر بھی نہیں کرے گا یعنی اسے قبول نہیں کریگا۔

توہم کرنے کا شرعی بیان:

(ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَقُولُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَيَقُولُ الْمُؤْتِمُّ: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَلَا يَقُولُهَا الْإِمَامُ حِينَ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ يَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ) لِمَا رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الذَّكْرِ بَيْنَ) "وَلَا تَلَّهُ عَرَضَ غَيْرِهِ فَلَا يَنْسَى نَفْسَهُ."  
وَلَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ) "  
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَلَّهَا تَنَالَى الشَّرِكَةَ، لِهَذَا لَا يَأْتِي الْمُؤْتِمُّ بِالتَّسْبِيحِ عِنْدَنَا عِلاَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَلَا تَلَّهُ يَمَقُّ تَحْمِيدَهُ بَعْدَ تَحْمِيدِ الْمُفْتَدِي، وَهُوَ عِيَالٌ مُوجِبُ الْإِسْمَاءِ، وَمَا زَوَاهُ مُحْمُولٌ عَلَى حَالَةٍ إِلَّا لِفِرَادٍ )  
وَالْمُسْتَفْرِدُ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا إِلَى الْأَصْح) وَإِنْ كَانَ يُرَوِّى الْإِكْفَاءُ بِالتَّسْبِيحِ وَيُرَوِّى بِالتَّحْمِيدِ، وَالْإِمَامُ بِالذَّلَالَةِ عَلَيْهِ آتٍ بِهِ مَعْنًى

ترجمہ:

پھر وہ اپنے سر کو اٹھائے اور وہ کہے "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" اور مقتدی کہے "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" اور امام "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" نہ کہے۔ یہ امام اعظم کے نزدیک ہے جبکہ حاشین کے نزدیک امام بھی دل میں کہے گا۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ابن دونوں کو جمع فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں دوسرے کو غریب دار نا ہے۔ لہذا وہ اپنے آپ کو نہ بھلائے۔

اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جب امام "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" پس تم "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہو۔ اور یہی تقسیم ہے اور یہی تقسیم امام کو روکنے والی ہے۔ اور اس کی دلیل کی بنیاد پر ہمارے نزدیک مقتدی

”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ نہ کہے گا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام کی حمد کرتا یہ حمد کرنے کے بعد حمد ہے۔ اور امامت کی وضع کے بھی خلاف ہے۔ اور جمع کرنے والی روایت کو منفرد نمازی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ وہ دونوں کو جمع کرتا ہے۔ یہی روایت صحیح ہے۔ اور امام اعظم سے یہ بھی روایت ہے کہ منفرد کا ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ یا ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ پُر اکتفاء بھی کر سکتا ہے۔ حالانکہ امام حمد پر دلالت کرنے کی وجہ سے یہ معنی لے آیا۔  
شرح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقاؐ نے نادر صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہونے کے وقت تکبیر کہتے پھر رکوع میں جانے کے وقت تکبیر کہتے اور جب رکوع سے اپنی پشت اٹھاتے تو ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ کہتے پھر کھڑے ہی کھڑے ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ کہتے پھر جب (سجدے کے لیے) جھکتے تو تکبیر کہتے اور (سجدے سے) سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ پھر نماز پوری کرنے تک ساری نماز میں یہی کرتے تھے اور جب دور کعتیں پڑھنے کے بعد اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۰۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت علی بن حسین ابن علی بطریق مرسل روایت فرماتے ہیں کہ آقاؐ نے نادر صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب جھکتے (یعنی رکوع و سجود میں جاتے) اور جب (قوم، جلسہ اور قیام کے وقت) اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ملاقات فرمائی (یعنی وفات پائی)۔  
(مالک)

ربنا لک الحمد آہستہ آواز میں صرف مقتدی و منفرد کے کہنے میں اجماع امت:

”ربنا لک الحمد“ کو بالجبر پڑھنے کا رواج ماضی قریب میں ہوا ہے، اور وہ بھی صرف ایک جماعت اور ان میں بھی صرف چند ہی لوگوں کے بیچ، اس کے برخلاف حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ اور دیگر تمام فرقوں کے یہاں اس مسئلہ کا نام و نشان تک نہیں ہے، ملف صالحین، صحابہ و تابعین کے احوال میں اس مسئلہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا، عہد صحابہ سے لیکر عہد ضربک حدیث و فقہ اور تفسیر قرآنی کا جتنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے کسی میں بھی اس مسئلہ کی جانب ادنیٰ اشارہ تک نہیں، قرآن کے بعد سب سے معتبر کتاب ”صحیح بخاری“ ہے، اس میں ہمیں یہ ابواب تو نظر آتے ہیں: ”باب جہر الامام بالحمد“

”باب جہر اماموم بالتلمین“ ”مگر“ ”باب الجہر باللہم ربنا لک الحمد“ یعنی دعا و قومہ کو بلند آواز سے پڑھنا، اس کے احکامات میں کوئی باب نظر نہیں آتا، حالانکہ دعا و قومہ میں جہر کے قائلین جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں وہ صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

خیرت ہے کہ امام بخاری جن کے بارے میں ”امام الدین فی فقہ الحدیث“ اور ”فقہ البخاری فی تراجمہ“ کہا گیا

ہے، ان کے ذہن کی رسائی بھی اس مسئلہ تک نہ ہو سکی جسے آج پیدا کیا جا رہا ہے، امام بخاری پر کیا موقوف دنیا کے کسی محدث نے بھی دعا تو سہ میں جبر کا فتویٰ نہیں دیا ہے، عصر حاضر کے ناصر الدین الانبائی ہیں انہوں نے صفہ صلوٰۃ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اس کتاب میں یہ مسئلہ قائل جانے لگا کہ "آمین یا واز بلند کہنا چاہئے" مگر "ربنا لک الحمد" بلند آواز سے پڑھنا، اس کا بیان کیا نہ ہو نشان تک نہ ملے گا، بلکہ "اصل صفہ الصلوٰۃ" کی بعض کی عبارات سے لگتا ہے کہ علامہ البانی کے نزدیک ربنا لک الحمد کا آہستہ پڑھنا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ (اس صفہ الصلوٰۃ: ج ۳ ص ۶۷۸)

قرون مشہود پہ پانچ سو اور اس کے بعد کے ادوار میں کسی کا اس مسئلہ کو بیان نہ کرنا، اور نہ ہی اس پر کسی کے عمل کا منقول ہونا اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ ان ادوار میں عملی یا تو فی کسی بھی شکل میں اس مسئلہ کا وجود نہیں تھا، بلکہ سب کا اس بات پر اتفاق و اجماع تھا کہ "ربنا لک الحمد" آہستہ ہی پڑھیں گے، غور کیجئے کہ سلف آئین بالخیر پر عمل کرتے تھے اور یہ ہم تک منقول ہو گیا، پس اگر وہ "ربنا لک الحمد" بھی بالخیر پڑھتے تو یہ بھی ہم تک نقل ہو جاتا، لیکن اس سلسلے میں سلف سے کچھ منقول نہ ہونا اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ سلف صالحین متفقہ اور اجماعی طور پر اس دعا کو آہستہ ہی پڑھتے تھے۔

ربنا لک الحمد کے بارے میں قولوا مینے کے اسلوب و بیان کا مفہوم:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب امام اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب امام مع اللہ ملن حمد کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو" (مسند احمد 10994) (مسند رک علیٰ الحسنین للماہم : 1/ 335)، کتاب الصلوٰۃ: ومن کتاب الامامہ وصلاۃ الجماعۃ، رقم (۷۷۹) امام حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی ان کی تائید کی ہے، امام ابن خزیمہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے (صحیح ابن خزیمہ: ۳۵۳ رقم ۱۵۷۷ والفاظہ) (شیخ البانی نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

(صحیح الجامع: ۱۸۲۱ رقم ۷۰۶، طرف الحدیث: اذلال الامام) اور اپنی کتاب صفہ الصلوٰۃ (عربی: ج ۱ ص ۷۶ حاشیہ ۲ ص ۱۰۰) نے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث حرج دین کتب میں بھی ہے (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۶۲): کتاب لمحبص (ابن سعہ الصلوٰۃ: باب کعبۃ شکر: رقم ۲۰۹۶، فیض رقم ۲۰۹۸، مسند ابی یعلیٰ: ۵۰۷۲، رقم ۱۳۵۵، مسند البازن: ۲۷۱۱، رقم ۱۵۳، مسند عبد حمید: ۳۰۳۱، رقم ۱۹۸۴ وغیرہ)۔

اب بتلایا جائے کہ کیا مقتدی حضرات "اللہ اکبر" بھی آواز بلند پڑھیں گے؟ کیونکہ اس حدیث میں ربنا لک الحمد کے لئے "قولوا" کے ساتھ ساتھ "اللہ اکبر" کے لئے بھی "قولوا" موجود ہے، اور دونوں جگہ "قولوا" سے مطلق خطاب وارد ہے، اب جو مفہوم "اللہ اکبر" والے "قولوا" کا ہوگا وہی مفہوم ربنا لک الحمد والے "قولوا" کا بھی ہوگا، کیونکہ یہ دونوں ایک ہی حدیث میں ایک ہی ساتھ ایک ہی اسلوب و شکل میں وارد ہیں۔

عبدہ کرنے کا حکم شرعی:

قَالَ (ثُمَّ إِذَا اسْتَوَى قَائِمًا كَبَّرَ وَسَجَدَ) أَمَّا التَّكْبِيرُ وَالسُّجُودُ فَلِمَا بَيْنَا، وَأَمَّا الْإِسْتِوَاءُ قَائِمًا فَلَيْسَ بِفَرْضٍ، وَكَذَلِكَ الْجُلُوسَةُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَالطَّمَأِينَةُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَرَجَمَهُمَا اللَّهُ.

قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَفْتَضِرُّ ذَلِكَ كُلُّهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (فَمَقْصَلٌ لِقَائِكَ لَمْ تَصَلِّ) " قَالَهُ لِأَعْرَابِيٍّ جِئْنَاكَ أَهْلُ الْفَلَاحِ. وَلَهُمَا أَنَّ الرُّكُوعَ هُوَ الْإِنْخِصَاءُ وَالسُّجُودَ هُوَ الْإِنْخِصَاضُ لَعَنَهُ، فَتَعَلَّقَ الرُّكُوعُ بِالْأَذْنَى لِيُهِمَا، وَكَذَلِكَ فِي الْإِنْخِصَالِ إِذَا هُوَ غَيْرُ مَقْصُودٍ.

وَلَيْسَ آخِرُ مَا رَوَى تَسْمِيَةُ إِيَّاهُ صَلَاةَ حَيْثُ قَالَ: وَمَا نَقَضْتُ مِنْ هَذَا حَتَّى نَقَضْتُ مِنْ صَلَاتِكَ، ثُمَّ الْقُرْآنُ وَالْجُلُوسَةُ سُنَّةٌ عِنْدَهُمَا، وَكَذَلِكَ الطَّمَأِينَةُ فِي تَخْرِيجِ الْجُزْأَيْنِ. وَلَيْسَ تَخْرِيجُ الْكُفْرِيِّ وَاجِبَةٌ حَتَّى تَجِبَ سَجْدَتَا الشُّهُوبِ بِعَرَكِهَا سَاهِبًا عِنْدَهُ.

ترجمہ:

جب وہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو وہ تکبیر کہے اور عبدہ کرے۔ تکبیر اور عبدہ کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ جبکہ رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا یہ فرض نہیں ہے۔ اور اسی طرح طرفین کے نزدیک دو عبدوں کے درمیان جلسہ اور رکوع و سجود میں طمانیت بھی فرض نہیں۔

جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: یہ ساری چیزیں فرض ہیں۔ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ جب ایک اعرابی نے نماز میں تخفیف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ رکوع کا معنی جھکاؤ اور عبدہ کے معنی لغت کے اعتبار سے پست ہونا ہے۔ لہذا رکعت انہی دونوں میں کم از کم کے ساتھ متعلق ہوگی۔ اور اسی طرح خفیل ہونا ہے حالانکہ وہ غیر مقصود ہے۔ اور اعرابی والی حدیث کے آخر میں اس کا نام نماز رکھا ہے۔ لہذا اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ جو تو نے نماز میں کی کی ہے تو تیری نماز کم ہوئی۔ اور طرفین کے نزدیک تو سادہ اور جلسہ سنت ہے اور امام جرجانی کی تخریج کے مطابق طمانیت کا بھی یہی حکم ہے۔ جبکہ امام کرخی کی تخریج کے مطابق طمانیت واجب ہے۔ لہذا امام کرخی کے نزدیک طمانیت کو چھوڑنے کی وجہ سے سب کے دو عبدہ لازم آئیں گے۔

تعدیل ارکان کے بارے میں احکام شرعیہ کا بیان:

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوئے جبکہ ایک دی بھی مسجد

میں داخل ہوا۔ اس نے نماز پڑھی پھر آیا نبی ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو نبی کریم ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: لوٹ جا اور نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز (درست طریقے سے) نہیں پڑھی وہ آدمی واپس گیا پس اس نے نماز پڑھی اور پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا: تو لوٹ جا تو نے نماز (درست طریقے سے) نہیں پڑھی۔ تیسری مرتبہ تک (یہی فرمایا) پھر اس شخص نے کہا قسم ہے اس ذات کی، جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اس سے انھیں نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے سکھائیے۔ تو آپ نے فرمایا: جب تو نماز کیلئے کھڑا ہو تو بگیر کہہ، پھر قرآن پاک میں سے جتنا ہو سکے قراءت کر، پھر اطمینان سے رکوع کر، پھر رکوع سے اٹھ حتی کہ سیدھا کھڑا ہو جا، پھر مجدد کہ، حتی کہ تو سجدہ سے مطمئن ہو جائے، پھر جلسہ کر، حتی کہ اطمینان سے بیٹھ جائے۔ پھر تمام نماز میں ایسا ہی کر۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۹ اللہ ہی سب خاندان کا ربی)

حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد آیا اور نماز پڑھی، پھر آقاؐ سے نامہ رسانی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سلام کا جواب دے کر) فرمایا کہ۔ اپنی نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی اس آدمی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ بتا دیجئے کہ نماز کس طرح پڑھوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو قبلے کی طرف متوجہ ہو تو اللہ اکبر (یعنی بگیر تحریر) کہو پھر سورہ فاتحہ اور جو کچھ اللہ چاہے پڑھو (یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ جو سورت چاہو پڑھو) اور جب تم رکوع میں جاؤ تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے زانوؤں پر رکھو رکوع میں (اطمینان سے) قائم رہو اور اپنی پشت کو ہموار رکھو اور جب تم (رکوع سے) سر اٹھاؤ تو اپنی پشت کو سیدھا کرو اور سر اٹھاؤ (یعنی بالکل سیدھے ہو جاؤ) یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں اور جب سجدہ کرو تو اچھی طرح سجدہ کرو اور جب تم سجدے سے سر اٹھاؤ تو اپنی ہاتھیں ران پر بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح ہر ایک رکوع و سجدہ سے میں کرو، یہاں تک کہ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ) گویا ہر ایک رکن کی صحیح ادائیگی پر تمہیں اطمینان ہو جائے۔ حدیث کے یہ الفاظ معانی کے ہیں اور ایسا کرنے سے تمہوڑے سے تعمیر و تہجد کے ساتھ نقل کیا ہے نیز ترمذی اور نسائی نے بھی اس روایت کو بالعمنی نقل کیا ہے اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اس طرح وضو کرو جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے پھر کلہ شہادت پڑھو (جیسا کہ وارد ہے کہ وضو کے بعد کلہ شہادت پڑھنا ہی فضیلت کی بات ہے یا یہ کہ کلہ شہادت سے مراد اذان ہے) پھر اچھی طرح نماز کرو (یا قائم کا مطلب ہے کہ بگیر کہو) اور قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہو اس کو پڑھو اور کچھ یاد نہ ہو تو الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہو۔ پھر رکوع کرو۔

حدیث کے آخری الفاظ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس آدمی کو قرآن کی کوئی سورۃ یا آیت یاد نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ قرات کی جگہ سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر پڑھ لیا کرے۔ چنانچہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز کا وقت آنے تک قرآن کی کم سے کم اتنی آیتیں پڑھ لیا کرے کہ نماز میں



فرض ہے یاد کر لے۔ اگر اس عرصہ میں اسے کچھ بھی یاد نہ ہو سکے تو وہ قرأت کی جگہ ذکر اور تسبیح و تہلیل کر لیا کرے اس کی نماز ۱۰۰ ہو جائے گی۔

حضرت شفیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ (نماز میں) اپنے رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا تھا چنانچہ جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بلایا اور کہا کہ تم نے پوری (طرح) نماز نہیں پڑھی۔ حضرت شفیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آدمی سے یہ بھی کہا کہ اگر تم (ایسی نماز سے بغیر توبہ کے ہوئے) مر جاؤ تو تم غیر فطرت پر (یعنی اس طریقہ اسلام کے خلاف) مرو گے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ (صحیح البخاری)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوری کرنے کے اعتبار سے سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نماز کی چوری کیسے ہوتی ہے؟ فرمایا رکوع و سجود کا پورا نہ کرنا۔ (مسند احمد بن حنبل)

مال کی چوری کرنے والے سے نماز کی چوری کرنے والا آدمی اس لیے برا ہے کہ مال چرانے والا کم سے کم چوری کے مال سے دنیا میں فائدہ تو اٹھا لیتا ہے اور چور یہ کہ مالک سے معاف کرنے کے بعد یا سزا کے طور پر (اسلامی قانون کے مطابق) اپنے ہاتھ کٹوا کر وہ مواخذہ آخرت سے بچ جاتا ہے لیکن اس کے برخلاف نماز کی چوری کرنے والا آدمی ثواب کے معاملے میں خود اپنے نفس کا حق مارتا ہے اور اس کے بدلہ میں عذاب آخرت کو لے لیتا ہے لیکن اس نقصان و خسران کے علاوہ اس کے ہاتھ اور کچھ نہیں گنتا۔

حضرت نعمان بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا شراب پینے والے، زنا کرنے والے، اور چوری کرنے والے کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ (کہو کہ کس قدر گناہ گار ہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال حدود نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ گناہ کبیرہ ہیں جن کی سزا بھی ہے اور بدترین چوری وہ چوری ہے جو انسان اپنی نماز میں کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انسان اپنی نماز میں چوری کیسے کرتا ہے فرمایا رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کرتا۔ (مالک مداری)

اس روایت میں لفظ تروں تاکہ زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تم کیا اعتقاد کرتے ہو؟ لیکن ایک نسخے میں تاکہ پیش کے ساتھ بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ راوی کے الفاظ میں یہ سوال حدود نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ وجہ سوال کو ظاہر کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس وقت کیا تھا جب کہ ان

افعال کی برائی صحابہ کرامؓ و اچھی طرح معلوم نہ تھی جب ان افعال بد کی حدود (مزانیں) متعین ہو گئیں تو پھر سب کے ذہن میں ان کی برائی رائج ہو گئی اور ان میں کوئی شبہ نہ رہا۔  
تعدیل ارکان سے نماز کے بعد دعائے استلال:

حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (نفل) نماز دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت میں اتنیات ہے اور (نماز کی روح) خشوع، عاجزی اور اظہار غریب ہے پھر (نماز پڑھنے کے بعد) اپنے پروردگار کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاؤ، (حضرت فضل فرماتے ہیں کہ شمع تھنقہ بلا یک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ نماز پڑھنے کے بعد تم) اپنے پروردگار کی طرف اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں منہ کی جانب ہوں (جو دعائے طریقہ ہے) اور یہ کہ اے میرے رب! اے میرے رب! اور جو آدی ایسا نہ کرے (یعنی مذکورہ بالا طریقہ پر عمل نہ کرے اور دعائے مانگے) تو اس کی نماز ایسی ہے، ویسی ہے (یعنی ناقص ہے) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس کی نماز ناقص ہے۔ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶،

دوسری چیز یہ ہے کہ نماز کی روح اور نماز کی معراج خشوع و خضوع اور اظہار عاجزی ہے، بندہ نماز کے اندر جس قدر خشوع کرے گا خضوع سے کام لے گا اور پروردگار کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی بڑائی و عظمت اور اپنی انتہائی بے چارگی و حقارت کا اظہار کرے گا نماز اسی قدر مقبولیت کے درجات کو پہنچے گی۔ خشوع کا مطلب یہ ہے کہ باطن میں بندہ اپنے عجز کا احساس کرے اپنے نفس کو عاجزی و انکساری کے راستے پر لگائے رہے گویا خشوع عجز باطنی کا نام ہے اور خضوع کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ظاہری طور پر اپنے ہر عمل اور ہر زاویے سے اپنے عجز و انکساری کا اظہار کرے گویا خضوع عجز ظاہری کا نام ہے۔

تیسری چیز یہ کہ نماز کے بعد دعا مانگنی چاہئے۔ یعنی جب بندہ اللہ کے دربار میں حاضری دے اور نماز پڑھ کر اپنی عبادت و فرمانبرداری کا اظہار کر دے تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نماز کے بعد اللہ کی درگاہ میں اپنے ہاتھوں کو اٹھا دے اور اپنی محتاجی و لاچارگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی دینی و دنیاوی بھلائی میں اللہ کی مدد و نصرت کا طلب گار ہو۔

سجدہ کرنے کا طریقہ:

(وَبَعَثْنَا مِنْهُ عَلَى الْأَرْضِ) لِأَنَّ الْإِسْلَامَ بَيْنَ حُجْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَصَفَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " (سَجْدَةً وَأَدْعَى عَلَى رَأْسِهِ وَزَفَعَ عِجْرَتَهُ) " قَالَ (وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ حَذَاءُ أَذُنَيْهِ) لِمَا رَوَى أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ كَذَلِكَ .  
قَالَ (وَسَجَدَ عَلَى آفِيهِ وَجْهَيْهِ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَأَعْلَبَ عَلَيْهِ (لِإِنْ انْقَضَرَ عَلَى أَحَدِهِمَا جَارٌ عَنْهُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ :

وَقَالَ لَا يَجُوزُ إِلَّا قِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ إِلَّا مِنْ غَيْرٍ) وَهُوَ رَأْيُهُ عَنْهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (أَمَرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى مَبْعَدِ أَعْظَمٍ، وَعَدَّ مِنْهَا الْجَهَنَّمَ) " وَلَا يُبْشَى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ السُّجُودَ يَتَحَقَّقُ بِوَضْعِ بَعْضِ الرَّجُلِ، وَهُوَ الْمَأْمُورُ بِهِ إِلَّا أَنَّ الْخَلْعَ وَاللِّقْنَ خَارِجٌ بِالْإِجْمَاعِ، وَالْمَذْهُبُ الَّذِي رَوَى الرَّجُلُ فِي الْمَشْهُورِ، وَوَضَعَ الْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ سَنَةً عِنْدَنَا لِيَتَحَقَّقَ السُّجُودُ بِكُلِّهِمَا، وَأَمَّا وَضْعُ الْقَدَمَيْنِ فَقَدْ ذَكَرَ الْقُدُورِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ قَرِيبَةٌ فِي السُّجُودِ.

ترجمہ:

اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ کیونکہ حضرت وکیل بن جریر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا۔ کہ آپ نے سجدہ کیا اور دونوں ہاتھوں کو رکھا اور سرین کو بلند کیا۔ اور فرمایا: کہ آپ نے اپنے چہرہ کو اپنی ہتھیلیوں کے درمیان رکھا۔ اور دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے برابر رکھا۔ اسی دلیل کی بنیاد پر کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ اور وہ سجدہ اپنی پیشانی اور ناک پر کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسی پر دوام اختیار کیا ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک ان

دوئوں میں سے کسی ایک پر اگر اکتفاء کیا تو جائز ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ مضر کے بغیر ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں۔ اور اسی طرح امام اعظم سے بھی ایک روایت مروی ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے سات احسناء پر عہدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان میں پیشانی کو بھی شمار کیا ہے۔ اسی طرح امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ چہرے کا بیشتر حصہ رکھنے سے متحقق ہوتا ہے اور اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر گال اور ٹھوڑی بالا جماع خارج ہیں۔ کیونکہ روایت مشہورہ میں چہرے کا ذکر ہے۔ اور ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا ہمارے نزدیک سنت ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے بغیر بھی عہدہ ہو جاتا ہے۔ اور امام قسری نے ذکر کیا ہے: خود میں دونوں قدموں کا رکھنا فرض ہے۔

عہدہ میں ہاتھوں اور کہنیوں کو رکھنے کا طریقہ:

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم عہدہ کرو تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھو اور کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھو۔ (صحیح مسلم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ہم کو عہدہ کا طریقہ بتایا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا، گھٹنوں پر سہارا لگایا اور سرین کو بلند کیا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح عہدہ کیا کرتے تھے۔

(سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۳۰، دارالحدیث ملتان)

عہدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی پھلیاں زمین پر کانوں کے سامنے رکھی جائیں۔ انگلیاں آپس میں ملی ہوں، اور یہ کہ ہاتھ کھلے ہیں کسی کپڑے وغیرہ کے اندر انہیں چھپانا مکروہ ہے۔

کہنیوں کو اونچا رکھنے کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ دونوں کہنیاں زمین سے اونچی رہیں یا پھر یہ کہ دونوں پہلوؤں سے اونچی رہیں۔ بہر صورت یہ حکم خاص طور پر مردوں کے لیے ہے عورتیں اس حکم میں شامل نہیں ہیں کیونکہ عورتوں کو تو عہدے میں کہنیوں کو زمین پر پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنے کا حکم ہے اس لیے کہ اس طرح جسم کی نمائش نہیں ہوتی اور پردہ اچھی طرح ہوتا ہے۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب عہدے میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان اتنا فرق رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کے نیچے سے گزرتا چاہے تو گذر سکتا تھا۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں جیسا کہ خود بغوی نے شرح السنہ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور مسلم نے یہ حدیث بمعنی نقل کی ہے (جس کے الفاظ یہ ہیں) کہ حضرت میمونہ نے رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس طرح) عہدے کرتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں سے نکلنا چاہتا تو نکل جاتا۔

ہاتھوں کے درمیان فرق رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں اپنے دونوں بازو پہنوسے اور پیٹ اور ران سے الگ رکھتے تھے۔

حدیث میں بکری کے بچے کے لیے (بھیحة) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بھیمہ بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں جو بڑا ہو کر اپنے پاؤں پر چلنے لگتا ہے اور جب بکری کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اسے (سحلة) کہتے ہیں۔

ہذا لفظ ابی داؤد سے مصنف مشکوٰۃ کا مقصد صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ اس حدیث کو جس کے الفاظ ابی داؤد کے ہیں۔ پہلی فصل میں نقل کرنا نہیں چاہئے تھا کیونکہ پہلی فصل میں تو صرف شیخین یعنی البخاری و مسلم کی روایت کردہ احادیث ہی نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مالک ابن انسہیہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

نحسینہ حضرت عبداللہ کی والدہ کا نام ہے اور مالک ان کے والد کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالک اور ابن کے درمیان کے الف کو باقی رکھ کر مالک کو تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ مالک نحسینہ کے بیٹے کا نام ہے بلکہ یہ چائیں کے نحسینہ کے لڑکے حضرت عبداللہ ہی ہیں اور ابن مالک و ابن نحسینہ دونوں نسبتیں انہیں کی ہیں۔

لہذا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نماز پڑھتے دیکھا تھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر کپڑا نہ تھا، یا ان کی مراد یہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل کی جگہ معلوم ہوتی تھی اور بغلوں کی سفیدی اس سے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل مبارک بالکل سفید اور صاف و شفاف تھی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا بدن ہی آئینہ کی طرح سفید اور صاف و شفاف تھا، دوسرے لوگوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلیں سیاہ اور مکدر نہ تھیں۔ (مرقات و مظاہر حق بتقرق)

حالت سجدہ میں اعضاء کو زمین پر لگانے میں قیمی دلائل:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال امر النبی ﷺ ان يسجد على سبعة اعضاء ولا يكف شعره ولا ثوبا

الجهة واليد والرجل (بخاری جلد اول ص 112 مسلم جلد اول ص 193)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ سات اعضاء پر سجدہ فرمائیں اور بالوں کو نہ روکیں اور نہ ہی کپڑے کو اکٹھا کریں، وہ سات اعضاء سجدہ پیشانی، دونوں ہاتھ، دو گھٹنے اور دونوں پاؤں ہیں۔

اس حدیث میں سات اعضاء پر سجدہ کا حکم ذکر ہوا اور اس کے بعد والی حدیث میں سات ہڈیوں پر کا لفظ ہے۔ ان ہڈیوں سے مراد بھی وہ ہی اعضاء ہیں۔ جو اوپر والی حدیث میں مذکور ہوئے اور اس حدیث میں لفظ امر اور بعد وان حدیث میں غلط

اگرنا ہے۔ جس سے معلوم ہوا صرف یہ علم آپ کے لئے نہیں ملا۔ آپ کی امت نے بھی ۵۰۰ تے۔ یہ بھی بدعت  
 آپ کیلئے ہو، وہ آپ کی امت کیلئے بھی ہوتا ہے۔ جب دلیل نہ ہو تو معلوم نہ ہوا کہ جدہ میں مات امضا ہیہ ۵۰۰  
 ہجہ دونوں زانو، دونوں پاؤں لگانے احکم ہے۔ ان اعضاء میں سے اگر کوئی عضو نہ لگا تو جدہ تاس ۵۰۰ ہجہ زانو  
 اس حدیث میں کف ٹوب اور شعر (بال) کی ممانعت کا بھی حکم ہے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔  
 جدہ میں اعضاء زمین پر لگانے میں اختلاف ائمہ:

امام احمد اور اسحاق نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اگر اعضاء سب سے کسی عضو پر جدہ کرنا ترک کر دے تو وہ جدہ  
 کفایت نہ کرے گا اور جدہ ادا نہ ہوگا اور یہی امام شافعی کا صحیح قول ہے۔ صحیح حدیث میں ناک کا ذکر نہیں ہے اور ایک حدیث  
 میں ناک کا بھی ذکر ہے۔ اس حدیث میں اختلاف ہے کہ ناک کا لگانا بھی جدہ میں فرض ہے یا نہیں؟ تو ایک گروہ نے فرمایا ہے  
 جب پیشانی پر جدہ کیا اور ناک نہ لگا یا تو بھی کافی ہوگا یعنی جدہ کے کا فرض ادا ہو جائے گا اور یہ مذہب ابن عمر اور عطاء اور حسن اور  
 ابن سیرین اور دیگر کثیر فقہاء سے مروی ہے اور ایک گروہ نے فرمایا کہ اگر ناک پر جدہ کیا اور ماتھا نہ لگا یا تو بھی کافی ہوگا اور یہ  
 قول ہے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا جیسا کہ ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے  
 نزدیک پیشانی اور ناک میں سے ایک پر اختصار جائز ہے۔ کیونکہ مشہور روایت میں جبتہ کی جگہ وہ جبہ کا لفظ ہے اور مکمل چہرہ تو  
 بالذات ق خارج نہیں باقی ناک اور پیشانی میں سے ایک پر جدہ کفایت کرے گا اور فرض ادا ہو جائے گا۔ لیکن صاحبین کے  
 نزدیک جدہ میں دونوں یعنی پیشانی اور ناک لگانا ضروری ہیں۔ بلا عذر اگر ایک پر اختصار کیا۔ تو کافی نہ ہوگا۔

لیکن علامہ ابن ہمام غنی علیہ الرحمہ نے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور نہایت شرح ہدایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پیشانی  
 لگانے سے آئمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض ادا ہو جائے گا۔ صرف صاحبین کا اختلاف ہے کہ بلا عذر ناک پر اختصار کرنا جائز نہیں  
 ہے ہاں عذر کے وقت تو آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ناک پر اختصار بلا کراہت جائز ہوگا اور بلا عذر صرف ناک لگانا امام صاحب  
 کے نزدیک اگرچہ کافی ہے۔ لیکن شدید مکروہ ہے۔ شارح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے لکھا ہے کہ امام ناک رحمتہ  
 اللہ علیہ کے نزدیک اگر پیشانی پر جدہ کیا اور ناک نہ لگی تو کوئی حرج نہیں اور اگر ناک پر جدہ کیا پیشانی نہیں لگی تو جدہ نہ ہوگا ان  
 کا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے۔ (فتح القدیر، باب بیان السجدہ)

امام شافعی کے نزدیک جدہ میں ناک اور پیشانی دونوں کا لگانا واجب ہیں۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضور نبی  
 اکرم ﷺ نے پیشانی کے ساتھ ناک کا بھی ذکر کیا ہے اور پیشانی اور ناک دونوں کو ملا کر ایک عضو قرار دیتے ہیں تاکہ اعضاء کی  
 تعداد سات سے زیادہ نہ ہو۔ تاہم ان کا ایک قول امام اعظم رضی اللہ عنہ کے موافق بھی ہے اور یہی مختار ہے۔ کیونکہ حضرت  
 جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جدہ کیا اور ناک نہ لگا یا۔ (شرح مسلم جلد اول ص 681)

بہر حال کامل جہدہ سات اعضاء کو لگانے سے ہی ہوگا۔ اگر بلا عذر ناک نہ لگائی تو امام صاحب کے نزدیک بھی نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور بعض کے نزدیک نماز ہی نہ ہوگی۔ اسی طرح دونوں ہاتھ، دونوں زانو، دونوں پاؤں لگانے بھی ضروری ہیں۔ اگر کسی نے جہدہ میں دونوں پاؤں نہ لگائے تو جہدہ نہ ہوگا اور نہ ہی نماز ہوگی۔

امام ابو داؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی اور ناک پر مٹی کا نشان دیکھ گیا۔ ابو علی نے کہا ہے ابو داؤد نے جب چوتھی مرتبہ یہ کتاب پڑھی تو اس حدیث کو نہیں پڑھا۔

(سنن ابو داؤد، ج ۱ ص ۱۳۱، دار الحدیث ملتان)

جہدے میں ناک یا پیشانی میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنے کا بیان:

جہدے کے وقت پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے پنجوں کو زمین پر ٹیکنا چاہئے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک جہدہ ناک اور پیشانی دونوں سے کرنا چاہیے بغیر ان دونوں کو زمین پر لگانے جہدہ جائز نہیں ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر شخص پیشانی ہی ٹیک کر جہدہ کر لیا جائے تو چارے البتہ بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام شافعی اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک ناک کو زمین پر ٹیک کر جہدہ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی ایسا عذر پیش ہو کہ پیشانی کو زمین پر ٹیکنا ممکن نہ ہو تو جائز ہے، اس سلسلے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔

جہدے میں دونوں پاؤں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی آدمی جہدے میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھا لے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک پاؤں اٹھا لے گا تو جہدہ مکروہ ہوگا۔ جہدے میں پاؤں کی انگلیوں کو قبیل کی طرف رکھنا فرض ہے خواہ ایک ہی انگلی رکھی جائے۔ اگر انگلیاں قبل کی سمت نہ ہوں گی تو جائز نہیں ہوگا۔

در مختار میں ایک جگہ مذکور ہے کہ پیشانی اور دونوں پاؤں کے ساتھ جہدہ کرنا فرض ہے اور دونوں پیروں میں کم سے کم ایک انگلی زمین پر رکھنا شرط ہے اور ہاتھوں اور زانوؤں کو زمین پر رکھنا سنت ہے، حنیفہ اور شافعیہ کا مسک یہی ہے۔

عمامہ پر جہدہ کرنے کا بیان:

قَالَ (لَإِنْ سَجَدَ عَلَى كَتِفِ عِمَامَتِهِ أَوْ قَاعِضِ قُوبِهِ جَاوَزَ) لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْجُدُ عَلَى كَتِفِ عِمَامَتِهِ، وَيُرَوَّى "أَنَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي قُوبٍ وَاحِدٍ يَتَّقِي بِفَضْلِهِ حَرَّ الْأَرْضِ وَبَرْدَهَا".

(وَيَتَذَرُهَا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "وَأَبْدِ صَبْعَكَ" وَيُرَوَّى "وَأَبْدِ مِنْ الْإِبْدَادِ".

وَهُوَ الْمَدُّ، وَالْأَوَّلُ مِنَ الْإِنْبَاءِ وَهُوَ الْإِظْهَارُ .

”وَيُجَالِي بَطْنَهُ عَنْ فَيْحَتَيْهِ“ (لَأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا سَجَدَ جَالَى حَتَّى أَنْ يَهْمَةَ لَوْ أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَوَتْ) .

وَقِيلَ إِذَا كَانَ فِي الصَّفِّ لَا يُجَالِي كُنَى لَا يُؤْذِي جَارَهُ (وَيَوْمَ حُجَّةِ أَصَابِعٍ رَجَلَيْهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ) يَقُولُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ”(إِذَا سَجَدَ الْمُؤْمِنُ سَجَدَ كُلُّ عَضْوٍ مِنْهُ، فَلْيُوجِّهْ مِنْ أَعْضَائِهِ الْقِبْلَةَ مَا اسْتَطَاعَ

ترجمہ:

اگر نمازی نے عمامہ کے کنارے پر سجدہ کیا یا بچے ہوئے کپڑے پر سجدہ کیا تو جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ عمامہ کے کنارے پر سجدہ کیا کرتے تھے اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی۔ اور اس کا زائد حصہ زمین کی گرمی و سردی سے بچاتا تھا۔

اور اپنے دونوں بازوؤں کو کشادہ رکھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے بازوؤں کو ظاہر کر۔ اور یہ بھی روایت ہے۔ ”ابداً ابداداً سے مشتق ہے جس کا معنی کھینچنا ہے۔ اور اول ”ابداء“ سے ہے جس کا معنی ظاہر کرنا ہے۔

اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے الگ رکھے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ جب سجدہ کرتے تو آپ (ہاتھ اس قدر) الگ رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان گزرنے کا ارادہ کرتا تو وہ گزر سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر صرف میں ہو تو الگ نہ رکھے تاکہ ہمسائے کو تکلیف نہ ہو۔

اور وہ اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مؤمن سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر عضو بھی سجدہ کرتا ہے۔ لہذا جس قدر ممکن ہو سکے اپنے اعضاء کو قبلہ کی طرف پھیرے۔

سجدہ کرنے کی تفصیلات کا بیان:

علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام بخاری نے باب فصل السجود میں ایک طویل حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں دیگر امور کے علاوہ یہ بھی ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا اور فرشتوں کو حکم فرمائے گا: جنہم سے ان کو نکال دو۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے فرشتے ان کو نکالیں گے اور اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام فرمایا ہے کہ نشان سجود دکھائے۔ معلوم ہوا کتنی شان ہے اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہونے کی کہ اگر شامت اعمال کی وجہ سے آگ میں جانا بھی پڑا، پھر بھی اعضاء سجود جلنے سے محفوظ ہوں گے اور آثار سجود روشن ہوں گے۔ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا: بندہ اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے جب سجدہ کرتا ہے۔ (یعنی شرح بخاری ج 6 ص 88)

بندہ کو سجدہ میں اور مولیٰ تعالیٰ کا خصوصی قرب حاصل ہوتا ہے، بندہ کیلئے اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے کہ اس کو مولا کر۔



کا قرب حاصل ہو جائے اور وہ آپ کے حکم کے مطابق جہدہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ مسلم شریف میں معدان بن سعد بھی بیان کرتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے ان سے عرض کیا: مجھے ایسا عزم بتائے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہو؟ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ میں نے دوبارہ سوال کیا، وہ خاموش رہے، میں نے سہ بارہ سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات پوچھی تھی، تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کیلئے کثرت جہدہ لازم کر لو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک جہدہ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ بلند کرے گا اور تمہارا ایک گنا منائے گا۔ حضرت معدان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری ملاقات حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ والا جواب دیا۔ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہونے کی کہ ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گنا ہوتا ہے اور کثرت جہدہ محبوب ترین عمل ہے اور جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو کثرت جہدہ اور کثرت نماز کی توفیق بخئے۔

جہدہ مسنونہ کا طریقہ :

جہدہ میں جب جائے تو زمین پر پہلے گھٹنے رکھے، پھر ہاتھ، پھر ناک، پھر پیشانی رکھے اور جب جہدہ سے اٹھے، تو عکس کرے، یعنی پہلے پیشانی، پھر ناک، پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھائے۔ (عالمگیری) اٹھتے وقت زمین پر ٹیک لگا کر نہ اٹھے، بلکہ سیدھا پاؤں پر دباؤ ڈال کر اٹھ کھڑا ہو۔ رسول اللہ ﷺ جب جہدہ کو جاتے، تو پہلے گھٹنے رکھتے پھر ہاتھ اور جب اٹھتے تو پیسے ہاتھ پھر گھٹنے اٹھاتے۔ اصحاب سنن ابوداؤد و سنن دارمی نے اس حدیث کو واکل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

مرد کے لئے جہدہ میں سنت یہ ہے کہ بازو کروٹوں سے جدا ہوں اور پیٹ رانوں سے اور کھائیاں زمین پر نہ بچھائے، مگر صف میں ہو تو بازو کروٹوں سے (اچھی طرح) جدا نہ ہوں گے۔ (عالمگیری۔ ہدایہ) حدیث میں جس کو بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: جہدہ میں اعتدال کرے، اور کتے کی طرح کھائیاں نہ بچھائے۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں: جب تو جہدہ کرے تو ہتھی کو زمین پر رکھ دے اور کہناں اٹھالے۔ ابوداؤد نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ جب حضور اکرم ﷺ جہدہ کرتے تو دونوں ہاتھ کروٹوں سے دور رکھتے، یہاں تک کہ ہاتھوں کے نیچے سے اُڑ بکری کا بچہ گزرا تو بچہ تو گزرتا رہا اور مسلم کی روایت بھی اس کی مثل ہے۔ دوسری روایت بخاری و مسلم کی حضرت عبداللہ بن مہک بن خسینہ رضی اللہ عنہ سے یوں ہے کہ ہاتھوں کو کشادہ رکھتے، یہاں تک کہ بغل مبارک سپید ظاہر ہو جاتی۔ عورت سمت کر جہدہ کرے۔ یعنی بازو کروٹوں سے ملا دے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیاں زمین سے (دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دے)۔ مسائل جہدہ: پیشانی کا زمین پر جتنا جہدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر تلک شرع ہے۔ تو اگر کسی

نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے، نماز نہ ہوئی، بلکہ صرف انگلی کی نوک زمین سے نکلی۔ جب بھی نہ ہوئی۔ اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں۔ (درمختار۔ فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ:

سجدہ میں دونوں پاؤں کی دس کی دس انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے اور ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب اور دوسوں کا قبلہ رو ہونا سنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) مسئلہ: اگر کسی عذر کے سبب پیشانی زمین پر نہیں لگا سکتا، تو صرف ناک پر سجدہ کرے، پھر بھی فقط ناک کی نوک لگنا کافی نہیں بلکہ ناک کی ہڈی زمین پر لگنا ضروری ہے (عالمگیری۔ درالمختار) مسئلہ: رخسار یا ٹھوڑی زمین پر لگانے سے سجدہ نہ ہوگا۔ خواہ عذر کے سبب ہو یا بلا عذر، اگر عذر ہو تو اشارہ کا حکم ہے۔ مسئلہ: ہر رکعت میں دو یا سجدہ کرنا فرض ہے۔ مسئلہ: کسی نرم چیز مثلاً گھاس، روٹی، قالین، وغیرہ پر سجدہ کیا گیا اگر پیشانی جم گئی، یعنی اتنی دبی کہ اب دبانے سے نہ دپے، تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری) بعض جگہ سردیوں میں مسجد میں پیال (دھان کا بھس) بچھتے ہیں۔ ان لوگوں کو سجدہ کرنے میں اس کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ اگر پیشانی خوب نہ دبی تو نماز ہی نہ ہوئی اور ناک ہڈی تک نہ دبی تو کھروہ تحریمی، واجب الاعدادہ ہوئی۔ مسئلہ: حمامہ کے بچ پر سجدہ کیا، اگر ماتھا خوب جم گیا، سجدہ ہو گیا اور ماتھا نہ جما، جسکے چھو گیا، کہ دبانے سے دپے گا، یا سر کا کوئی حصہ لگا تو سجدہ نہ ہوا۔ (درمختار)

سجدہ میں تسبیح پڑھنے کا بیان:

(وَقُولُ فِي سُجُودِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ كَلَامًا وَذَلِكَ أَذْنَاهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "وَإِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ فِي سُجُودِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ كَلَامًا وَذَلِكَ أَذْنَاهُ" "أَيْ أَذْنَى حَمْدِ الْجَمْعِ وَتُسَبِّحُ أَنْ يَزِيدَ عَلَى الثَّلَاثِ فِي الرَّكْعَةِ وَالسُّجُودِ بَعْدَ أَنْ يَخْبِرَ بِالْوُتْرِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (كَانَ يَخْبِرُ بِالْوُتْرِ) ، وَإِنْ كَانَ إِسْمًا لَا يَزِيدُ عَلَى وَجْهِ يُمَلُّ الْقَوْمُ حَتَّى لَا يُؤَدِّيَ إِلَى التَّفْصِيلِ ثُمَّ تَسْبِيحَاتِ الرَّكْعَةِ وَالسُّجُودِ مُنَّةٌ لِأَنَّ النَّصَّ تَنَاقُلَهُمَا ذَوْنُ تَسْبِيحَاتِهِمَا فَلَا يَزِيدُ عَلَى النَّصِّ (وَالْمَرَاةُ تَخْفِضُ فِي سُجُودِهَا وَتَلْزُقُ بَطْنَهَا بِفَخْلَيْهَا) لِأَنَّ ذَلِكَ أَسْرَأُ لَهَا .

ترجمہ:

اور اپنے سجدہ میں تین بار "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى" پڑھے۔ اور یہ کم از کم مقدار ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو سجدہ میں تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى" کہے۔ اور یہ کم از کم ہے۔ یعنی یہ مکمل جمع کرنے کی کم از کم مقدار ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ وہ رکوع و سجود میں تین پر اضافہ کرے لیکن اس کو طاق پر ختم کرے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ حاق پر ختم فرمایا کرتے تھے۔ اور اگر وہ امام ہو تو پھر اس طرح نہ پڑھائے کہ مقتدی اس سے جنگ آجائیں



وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ إِذَا كَانَ إِلَى السُّجُودِ اقْتَرَبَ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ يَمْدُ سَاجِدًا، وَإِنْ كَانَ إِلَى الْجُلُوسِ اقْتَرَبَ جَازٍ لِأَنَّهُ يَمْدُ جَالِسًا لَتَحَقُّقِ النَّايَةِ.

ترجمہ:

پھر وہ اپنے سر کو اٹھائے اور تکبیر کہے اسی حدیث کی بناء پر جسے ہم روایت کر چکے ہیں۔ اور جب وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے تو تب وہ تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ کیونکہ حدیث اعرابی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو اپنے سر کو اٹھا حتیٰ کہ تو سیدھا بیٹھ جائے اور اگر وہ سیدھا نہیں بیٹھا بلکہ تکبیر کہتے ہوئے سجدے میں چلا گیا تو طریقین کے نزدیک کفایت کر جائے گا اور اسے بھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور سر اٹھانے کی مقدار میں فقہاء نے کلام کیا ہے اور سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ جب وہ سجدہ کے قریب ہو جائز نہیں۔ کیونکہ وہ سجدے میں ہی شمار ہوگا۔ اور اگر وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو جائز ہے۔ کیونکہ اس کا جلسہ شمار ہو جائے گا۔ لہذا دوسرا سجدہ تحقیق ہو جائے گا۔

جلسہ میں اطمینان کا قطعاً مفہوم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشے میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔ (پہلے) اس نے نماز پڑھی، اس طرح کہ تعدیل ارکان اور قومہ و جلسہ کی رعایت نہیں کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاؤ اور پھر نماز پڑھو اس لیے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی وہ چلا گیا اور جس طرح پہلے نماز پڑھی تھی اسی طرح پھر نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر پھر اس سے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو اس لیے کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں (اس طرح تین مرتبہ ہوا) تیسری مرتبہ بنا چوتھی مرتبہ اس آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ مجھے سکھاد دیجئے (کہ نماز کس طرح پڑھوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو (پہلے) اچھی طرح وضو کر لا۔ پھر قبلے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر تکبیر کہو پھر قرآن کی جو (سورت وغیرہ) تمہیں آسان معلوم ہو اسے پڑھو پھر سکون کے ساتھ رکوع کرو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ پھر اطمینان کے ساتھ (دوسرا) سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور سکون کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ (اس روایت میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں) پھر اپنی تمام نماز اسی طرح ادا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

طمینان کا مطلب یہ ہے کہ رکوع یا سجود وغیرہ میں اس طرح پوری دلچسپی اور سکون خاطر کے ساتھ ظہر اٹھانے کے بدن کے تمام جوڑ اپنی جگہ اختیار کر لیں اور ان ارکان میں جو توجہات پڑھی جاتی ہیں وہ پورے اطمینان کے ساتھ پڑھی جائیں۔

نماز میں طہانیت کی شرعی حیثیت میں ائمہ کے مذاہب کا بیان:

حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور حضرت امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اس حدیث کے پیش نظر رکوع، سجود، قنوت اور جلسہ میں طہانیت کی فرضیت کے قائل ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان کے فقدان کی بناء پر نماز کی نفی فرمائی ہے اور یہ چیز فرضیت کی علامت ہے کہ ایک فعل اس کے نہ ہونے سے منافی اور باطل ہو جائے لہذا یہ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے ارکان میں آرام و سکون کو اختیار نہ کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی جس کا اعادہ ضروری ہوگا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک رکوع و سجود میں طہانیت واجب ہے اور قنوت و جلسہ میں سنت ہے یہ حضرت اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ یہاں نماز کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ نماز کے کمال کی نفی مراد ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے آخری الفاظ جو ابوداؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں منقول ہیں یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے فرمایا کہ اگر تم نے اسے (یعنی طہانیت کو) پورا کیا تو تمہاری نماز مکمل ہوئی اور اس میں سے تم نے جو کچھ کم کیا تو تم نے اپنی نماز ناقص کی۔ لہذا اس طرح کا حکم وجوب اور سنت کی علامت ہے کہ اس کے بغیر فعل ناقص و ناقص ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو نماز کا اعادہ کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا تھا کہ اس کی نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں تھی بلکہ اس اعادہ کے حکم کا مطلب یہ تھا کہ نماز پورے کمال اور بغیر کسی کراہیت و نقصان کے ادا ہوئی چاہئے۔ اور اگر طہانیت فرض ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو شروع ہی میں منع کر کے نماز پڑھنے سے روک دیتے اور اس کو بغیر نقصان کے نماز نہ پڑھنے دیتے۔

اس حدیث سے چند باتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ عالم اور تاصح کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ کسی جاہل اور غلط کام کرنے والے کو نہایت نرمی اور اخلاق کے ساتھ سمجھائے اور اس کے ساتھ نصیحت کا ایسا نرم معاملہ کرے کہ وہ آدمی اس کی بات کو نہ سمجھتا ہو اور اس پر عمل پیرا ہوئے پر خود مجبور ہو جائے کیونکہ بسا اوقات نصیحت کے معاملے میں بلا اخلاق و ترش روئی اصلاح و مدح و تحاریر پیدا کرنے کی بجائے اور زیادہ ضد و ہمت دھرمی اور گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ دوسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ ملاقات اگر چہ رکوع اور قنوت ویر کے بعد ہی ہو سلام کرنا مستحب ہے۔ تیسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی نماز سے واجبات میں کچھ فعل و نقصان پیدا کرے تو اس کی نماز صحیح ادا نہیں ہوتی اور وہ حقیقی معنی میں نماز نہیں کہلاتا بلکہ اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ اس آدمی نے نماز نہیں پڑھی۔ پہلی روایت میں جلسہ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سبب سے اسے کہہ دینا جائیگا چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جلسہ استراحت سنت ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سنت نہیں ہے اس کی مفصل تحقیق (انشاء اللہ) آگے آئے گی۔

جہ سے اسے کایان:

قَالَ (فَإِذَا اطْمَأَنَّ سَاجِدًا كَبَّرَ) وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ (وَيَسْتَوِي قَائِمًا عَلَى صُلُوبٍ لَقَدْ مَنَعَهُ وَلَا يَقْعُدُ وَلَا يَتَعَمَّدُ بِمَنْيَةٍ عَلَى الْأَرْضِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَجْلِسُ جَلْسَةً عَقِيقَةً ثُمَّ يَنْهَضُ مَعْنِيًا عَلَى الْأَرْضِ لَنَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَعَلَ ذَلِكَ .

وَلَنَا حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (كَانَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُلُوبٍ لَقَدْ مَنَعَهُ) ، وَمَا زَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى خَالَةِ الْكَبِيرِ ، وَلَئِنْ هَلِهُ قَعْدَةٌ اسْتِرَاحِيَّةٌ وَالصَّلَاةُ مَا رُحِضَتْ لَهَا .

ترجمہ

جب وہ اطمینان سے جہ کر لے تو وہ بکیر کہے جس کے بارے میں ذکر چکے ہیں۔ اور اپنے قدموں کے بھار پر سیدھا کھڑا ہو جائے وہ نہ بیٹھے اور نہ ہی اپنے ہاتھوں کے ساتھ زمین پر ٹیک لگائے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ وہ تھوڑا سا بیٹھے پھر وہ زمین پر ٹیک لگاتے ہوئے کھڑا ہو جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا کیا ہے۔

جبکہ ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے پاؤں کے بھار پر کھڑے ہوتے تھے۔ اور جس حدیث کو امام شافعی نے روایت کیا ہے اسے بڑھاپے کی حالت پر محمول کیا جائے گا۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ یہ قعدہ استراحت ہے حالانکہ نماز کسی آرام کرنے کیلئے نہیں بنائی گئی۔

جلسہ استراحت کا مفہوم و مطلب:

پہلی اور تیسری رکعت کے بعد قیام سے قبل تھوڑی دیر بیٹھا جلسہ استراحت کہلاتا ہے۔ اس کے بارے میں فقہاء مختلفہ قول ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جلسہ (بیٹھنا) سنت ہے اور احناف اس کی مشروعیت و سنیت کے قائل نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔۔۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ نماز کی زمین پر ٹیک لگا کر اٹھ کر بخلاف احناف کے۔ (شرح تراجم ابواب صحیح البخاری، المغنی میں ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

کہ امام مالک و شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اسے وقت ہاتھوں کا آسرا لیا سنت ہے۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے آقا ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز کی طاق رکعت (یعنی پہلی یا تیسری) میں ہوتے تو جب تک سیدھے بیٹھنے لیتے نہ تھے۔ (صحیح البخاری)

مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور پہلی یا تیسری رکعت میں دوسرے جگہ سے سر اٹھاتے تو پہلے بیٹھتے تھے اس کے بعد اگلی رکعت کے لیے اٹھتے تھے اسی کو جلسہ استراحت کہا جاتا ہے۔

جلسہ استراحت کے سنت یا عدم سنت ہونے میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جلسہ استراحت سنت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے جو پہلے قعدہ میں بیٹھنے کا ہے۔ نیز یہ کہ بیٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے کر اٹھنا چاہئے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کا حکم اکتا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ استراحت کرنا چونکہ کبرئی اور ضعف کی وجہ سے تھا اس لیے جس آدمی کو جلسہ استراحت کی حاجت نہ ہو اس کے لیے یہ سنت نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مسئلہ یہی حدیث ہے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس کو ترمذی نے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے جگہ سے) پشت قدم پر یعنی بغیر بیٹھے ہوئے اٹھتے تھے اگرچہ اس حدیث کے بعض طرق ضعیف ہیں لیکن حدیث صحیح الاصل ہے۔

حضرت ابن ابی شیبہ، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ وہ اپنے پشت قدم پر بغیر بیٹھے ہوئے اٹھتے تھے نیز انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عمر، حضرت عبد اللہ ابن عمر اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور حضرت نعمان ابن ابی عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے بہت سے صحابہ کو دیکھا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت میں جگہ سے سر اٹھاتے تھے تو جس حالت میں ہوتے تھے اسی حالت میں بغیر بیٹھے ہوئے اٹھ جاتے تھے۔

اس سلسلے میں بہت زیادہ احادیث و آثار وارد ہیں اور جو احادیث اس کے برعکس وارد ہیں ان کا محمول کبرئی اور ضعف ہے جیسا کہ اس حدیث کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبرئی اور ضعف کی وجہ سے جلسہ استراحت اختیار فرماتے تھے۔ ہماری طرف مزید دلائل درج ذیل ہیں۔

ذال الامام الترمذی حدثنا خالد بن ایاس (یقال خالد بن ایاس) عن صالح مولی التوائمة عن ابی ہریرۃ قال کان النبی ﷺ ینفض فی الصلوۃ علی صلور قدیمیو۔ (جامع ترمذی، مع تحفة الاحودی، ۱، باب کیف البھوض من السجود)

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو پاؤں کے سینہ پر کھڑے

ہوئے۔ (یعنی جلسہ استراحت کیلئے نہ بیٹھے)۔

امام ابوداؤد اپنی مسند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔۔۔ وَإِذَا نَهَضَ نَهَضَ غُلًى رُكْنِيَّةً وَاعْتَمَدَ عَمَى فَجِدَةٍ۔

(سنن ابی داؤد) جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تو گھٹنوں کے بل کھڑے ہوتے اور ان کا آسرا لیتے۔

مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے جس کے آخر میں ہے۔

فَنَسَخَذَ فَانْتَهَضَ فَأَيْمَأُ كَمَا رَسُلُ اللَّهِ ﷺ نَعْبِدُهُ كَمَا أَوْرَكَهُرُ هُوَ مَكْنَى (مسند احمد بن حنبل)

سنن ابی داؤد رحمہ اللہ میں ابو حیدر سعدی رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے: فَنَسَخَذَ ثُمَّ خَسَرَ فَقَامَ وَلَمْ يَخْوَزْ۔

(سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۶۷) کہ رسول اللہ ﷺ سجدے کے بعد تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور نہ بیٹھے۔

اس سے امام طحاوی حنفی علیہ الرحمہ نے استدلال کیا ہے کہ چونکہ ابو حمید کی اس روایت میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں لہذا یہ

م شروع نہیں۔ (حاشیہ صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۱۳)

دوسری رکعت شروع کرنے کا بیان:

(وَيَفْعَلُ فِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الْأُولَى) لِأَنَّهُ تَكَرَّرَ الْأَرْكَانُ (إِلَّا أَنَّهُ لَا يُسْتَطْعُ وَلَا

يَتَوَكَّلُ) لِأَنَّهُمَا لَمْ يُشْرَعَا إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً۔

"(وَلَا يُتَوَكَّلُ بَيْنَهُمَا إِلَّا فِي التَّكْبِيرِ الْأُولَى) بِعِلَالِهَا لِلشَّائِعِ رَجَمَهُ اللَّهُ فِي الرُّكُوعِ وَالرَّفْعِ مِنْهُ لِقَوْلِهِ

عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (لَا تُرْكَعُ إِلَّا بِدِي إِلَى سَبْعِ مَوَاطِنَ: تَكْبِيرَةُ الْإِفْتِاحِ، وَتَكْبِيرَةُ الْقُنُوتِ

وَتَكْبِيرَاتُ الْوَعْدَيْنِ، وَذِكْرُ الْآرْتِيعِ فِي الْحُجَّ) " وَالْبَدْيُ يَرْوَى مِنَ الرَّفْعِ مَحْمُولٌ عَلَى الْإِنْبِذَاءِ، كَمَا

يَقُولُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ۔

ترجمہ:

اور وہ دوسری رکعت میں اسی طرح کرے جس طرح اس نے پہلی رکعت میں کیا تھا۔ کیونکہ انہی اراکوں کا تکرار ہے۔ مگر

وہ "شاء نہ پڑھے گا" اور "تعوذ" نہیں پڑھے گا کیونکہ یہ دونوں صرف ایک ہی مرتبہ پڑھنے کیلئے شروع ہوئے ہیں۔

اور وہ پہلی تکبیر کے سوا رفع یہ نہ کرے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس پر اختلاف کیا اور فرمایا: کہ وہ رکوع میں جاتے

ہوئے اور اس سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یہ نہ کرے گا۔ (ہماری دلیل یہ ہے) کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رفع یہ نہ صرف

سات جگہوں پر کیا جائے۔ تکبیر تحریمہ، تکبیر قنوت، عیدین کی تکبیرات اور چار تکبیروں کو آپ ﷺ نے حج میں ذکر کیا ہے۔ اور جو

روایت رفع یہ نہ کرنے کے بارے میں بیان کی جاتی ہے وہ ابتداء (اسلام) پر محمول ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر

رضی اللہ عنہ نقل کیا گیا ہے۔



سات مقامات پر رفع یدین کرنے میں حصر کا بیان:

امام ابن اثیر علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رفع یدین نہ کیا جائے مگر سات مواقع پر، جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو۔ (پہنچ کے متعلق ارشاد فرمائے)۔

(معصف ابن ابی شیبہ، ج ۱ ص ۲۳۸، مطبوعہ کراچی)

اس حدیث میں رفع یدین کے حصر کا بیان ہے لہذا صرف تکبیر تحریر کے وقت رفع یدین کیا جائے گا۔

﴿ترک رفع یدین کے متعلق احادیث﴾

تکبیر اولیٰ کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہ کرنے کا بیان:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى مَعَ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِالْبَيْتَةِ، فَقَالَ: ذُكِّرْنَا هَذَا الرَّحْلَ ضَلَاةً، كُنَّا نُصَلِّيْهَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَنَّ خَانَ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَفَعَ وَكُلَّمَا وَضَعَ. (زَوَاهِدُ الْبُخَارِيِّ). الْحَدِيثُ رَقْمٌ: 14 أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي الصَّحِيحِ. كِتَابُ: صِفَةِ الصَّلَاةِ، بَابُ: إِتِمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ، 271/1، الرُّقْمُ: 751، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي الْمُسْنَدِ، 26/9، الرُّقْمُ: 3532،

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی تو انہوں نے ہمیں وہ نماز یاد کروادی جو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) جب بھی اٹھتے اور جھکتے تو تکبیر کہا کرتے تھے۔

صحیح بخاری اس کی حدیث میں نبی کریم ﷺ کا طریقہ نماز بیان کیا ہے لیکن رکوع میں جانے یا اٹھنے والے رفع یدین کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ خَانَ يُصَلِّيْ نَحْمَ، فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ، فَإِذَا انْتَهَرَ قَالَ: إِنِّي لَا أَشُبِّهُكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، فَتُفَرِّغُ عَلَيْهِ.

(الحدیث رقم: 15 أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي الصَّحِيحِ، كِتَابُ: صِفَةِ الصَّلَاةِ، بَابُ: إِتِمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ،

272/1، الرُّقْمُ: 752، وَمُسْلِمٌ فِي الصَّحِيحِ، كِتَابُ: الصَّلَاةِ، بَابُ: أَنْبَاءِ التَّكْبِيرِ فِي كُلِّ خَفَضٍ وَرَفَعٍ

فِي الصَّلَاةِ، 293/1، الرُّقْمُ: 392، وَالنَّسَائِيُّ فِي الْمُسْتَدْرَكِ، كِتَابُ: التَّطْبِيقِ، بَابُ: التَّكْبِيرِ لِلْمَوْضِعِ، 2،

235، الرُّقْمُ: 1155، وَأَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فِي الْمُسْنَدِ، 236/2، الرُّقْمُ: 7219، وَمُسْنَدُ أَبِي الْعَوَّضِ، 1،

76، الرُّقْمُ: 166، وَالطَّحَاوِيُّ فِي شَرْحِ مَعَانِي الْأَثَرِ، 221/1،

حضرت ابواسلمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھایا کرتے تھے، وہ جب بھی جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ یہ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے میری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے زیادہ

مستحب تر نہ تھی۔

عَنْ مُصْرِفٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،  
وَعُمَرَ ابْنِ حُصَيْنٍ، فَكَأَنَّ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَمَا فَصَلَ  
الصَّلَاةَ، أَحَدُ بَيْدِي عَشْرًا بَيْنَ حُصَيْنٍ فَقَالَ: بَعْدَ ذِكْرِي هَذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، أَوْ قَالَ:  
لَقَدْ صَلَّيْتُ بِأَصَلَاةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (الحديث رقم: 16 أخرجه السجاري في  
الصحيح، كتاب: صفة الصلاة، باب: إتمام التكبير في السجود، 272/1، الرقم 753، ومسلم في  
الصحيح، كتاب: الصلاة، باب: إثبات التكبير في كل خفض ورفع في الصلاة، 295/1، الرقم 393،  
وأحمد بن حنبل في المسند، 14)

حضرت مطرف بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے  
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی جب انہوں نے سجدہ کیا تو تکبیر کی جب اٹھایا تو تکبیر کی اور جب دو  
رکعتوں سے اٹھے تو تکبیر کی۔ جب نماز مکمل ہوئی تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: انہوں نے  
مجھے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز یاد کرادی ہے (یا فرمایا): انہوں نے مجھے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز  
جیسی نماز پڑھائی ہے۔

عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرُفَعُ، ثُمَّ يَقُولُ: (سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ). (حِينَ  
يَرْفَعُ صَلَاتِهِ مِنَ الرَّكْعَةِ، ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ: (رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ). (قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: (وَلَكَ الْحَمْدُ). (ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ  
يَهْوِي، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرُفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرُفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يَقُولُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ  
كُلِّهَا حَتَّى يَقْبِضَ بِهَا، وَ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الثَّلَاثِينَ بَعْدَ الْحُلُوسِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(الحديث رقم: 17 أخرجه السجاري في الصحيح، كتاب: صفة الصلاة، باب: التكبير إذا قام من السجود،  
272/1، الرقم 756، ومسلم في الصحيح، كتاب: الصلاة، باب: إثبات التكبير في كل خفض ورفع  
في الصلاة، 293/1، الرقم 392،)

حضرت ابوبکر بن عبد الرحمن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب  
نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے پھر رکوع کرتے وقت تکبیر کہتے پھر (سمع اللہ لمن حمد) کہتے  
جب رکوع سے اپنی پشت مبارک کو سیدھا کرتے پھر سیدھے کھڑے ہو کر (ربنا لک الحمد) کہتے۔ پھر جھکے وقت تکبیر  
کہتے۔ پھر اٹھنے کے وقت تکبیر کہتے۔ پھر سجدہ کرتے وقت تکبیر کہتے پھر اٹھنے کے وقت تکبیر کہتے۔ پھر رکوع کی نماز

میں اسی طرح کرتے یہاں تک کہ پوری ہو جاتی اور جب دو رکعتوں کے آخر میں بیٹھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَاهُ رَوَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ مِنَ الْمَكُوبَةِ وَغَيْرِهَا، فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ، فَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُولُ: (سَمِعَ اللَّهُ بَعْثَ حَمْدَهُ)، ثُمَّ يَقُولُ: (رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ)، قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ يَقُولُ: (اللَّهُ أَكْبَرُ)، حِينَ يَهْوِي سَاجِدًا، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الْخُلُوسِ فِي الْإِسْتِثْنَاءِ، وَيَفْعَلُ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، حَتَّى يَرْفَعُ مِنَ الصَّلَاةِ، ثُمَّ يَقُولُ حِينَ يَنْصَرِفُ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ، إِنِّي لَا أَفْرِيكُمْ شَيْئًا بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، إِذْ كَانَتْ هَذِهِ لَفْظَاتِهِ حَتَّى فَارَقَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ. (الحديث رقم: 18 أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب: صفة الصلاة، باب: يهوي بالتكبير حين يسجد، 276/1، الرقم 770، وأبو داود في السنن، كتاب: الصلاة، باب: بجمام التكبير، 221/1، الرقم 836.)

ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر نماز میں تکبیر کہتے خواہ فرض ہوئی یا دوسری، ماورضان میں ہوئی یا اس کے علاوہ جب کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے۔ (پھر سَمِعَ اللَّهُ بَعْثَ حَمْدِهِ) کہتے۔ پھر سجدہ کرنے سے پہلے (رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ) کہتے۔ پھر جب سجدے کے لئے جھکتے تو (اللَّهُ أَكْبَرُ) کہتے۔ پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر جب (دوسرا) سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے، پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر جب دوسری رکعت کے قعدہ سے اٹھتے تو تکبیر کہتے، اور ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتے۔ پھر فارغ ہونے پر فرماتے: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اتم سب میں سے میری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تادم وصال اسی طریقہ پر نماز ادا کی۔

عَنْ أَبِي قَلْبَةَ أَنَّ مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: أَلَا أُتَيْتُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَوَذَّكَ فِي غَيْرِ حِينَ صَلَاةٍ، فَقَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فُكَبِّرُ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَامَ هَنِيئَةً، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ هَنِيئَةً، فَصَلَّى صَلَاةَ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ شَيْخِنَا هَذَا. قَالَ أَيُّوبُ: كَمَا نَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ أَرَهُمْ يَفْعَلُونَهُ، كَمَا نَفْعَلُ فِي الثَّالِثَةِ وَالرَّابِعَةِ. قَالَ: فَتَأْتِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَأَقْعَمُنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: لَوْ رَجَعْتُمْ بِلِي أَهْلِيكُمْ، صَلَّوْا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينَ كَذَا، صَلَّوْا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينَ كَذَا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَيُؤَذِّنُ أَحَدُكُمْ، وَيُؤَمِّنُكُمْ أَكْبَرُكُمْ. (الحديث رقم: 19 أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب: صفة

الصلاة، باب: لم یکتب بین المسجدين اتمام التكبير فی الركوع، 282/1، الرقم: 785.

حضرت ابو قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نہ بتاؤں؟ اور یہ نماز کے۔ یہ۔ سات کے علاوہ کی بات ہے۔ سو انہوں نے قیام کیا، پھر رکوع کیا تو تکبیر کی پھر سر اٹھایا تو تھوڑی دیر کھڑے رہے۔ پھر سجدہ کیا، پھر تھوڑی دیر سر اٹھائے رکھا سجدہ کیا۔ پھر تھوڑی دیر سر اٹھائے رکھا۔ انہوں نے ہارے ان بزرگ حضرت عمرو بن سلمہ کی طرح نماز پڑھی۔ ایوب کا بیان ہے وہ ایک کام ایسا کرتے جو میں نے کسی کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ دوسری اور چوتھی رکعت میں بیٹھا کرتے تھے۔ فرمایا: ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ٹھہرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاؤ تو فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھنا۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور جو پہلا ہو وہ تمہاری امامت کرے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَلَّا أُصَلِّيَ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: فَصَلَّيْ فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ: ثُمَّ لَمْ يُعِذْ. وَقَالَ أَبُو حَنِيسَةَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

(الحديث رقم: 20 أخرجه أبو داود في السنن، كتاب: التطبيق، باب: من لم يذكر الرفع عند الركوع، 286/1، الرقم: 748، والترمذی فی السنن، كتاب: الصلاة عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، باب: رفع اليدين عند الركوع، 297/1، الرقم: 257، والنسائي فی السنن، كتاب: الافتتاح، باب: ترك ذلك، 131/2، الرقم: 1026، وفي السنن الكبرى، 221/1، 351، الرقم: 645، 1099،

وأحمد بن حنبل في المسند، 388/1، 441، وابن أبي شيبة في المصنف، 213/1، الرقم: 2441.)  
حضرت علقمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں؟ راوی کہتے ہیں: پھر انہوں نے نماز پڑھائی اور ایک مرتبہ کے سوا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے۔ اہم نئی کی بیان کردہ روایت میں ہے: پھر انہوں نے ہاتھ نہ اٹھائے۔

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ خَالِدٍ بْنُ عَمْرٍو، أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سَادَةَ يَهْدِي، قَالَ: فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: مَرَّةً وَاحِدَةً. (رواه أبو داود. الحديث رقم: 21 أخرجه أبو داود في السنن، كتاب: التطبيق، باب: من لم يذكر الرفع عند الركوع، 286/1، الرقم: 749.)

حضرت حسن بن علی، معاویہ، خالد بن عمرو اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ سفیان نے اپنی سند کے ساتھ ہم سے حدیث بیان کی (کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے) پہلی دفعہ ہی ہاتھ اٹھائے، اور بعض نے کہا: ایک ہی مرتبہ ہاتھ اٹھائے۔

عَنِ السَّرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يُعَوِّدُ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ. الْحَدِيثُ رَقْمٌ: 22 أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي اسْنَنِ، كِتَابُ: الصَّلَاةِ، بَابُ: مَنْ لَمْ يَذْكُرِ الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّكُوعِ، 287/1، الرِّقْمُ 750، وَعَبْدُ الرَّاقِ فِي الْمُعْصَفِ، 70/2، الرِّقْمُ 2530، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي الْمُعْصَفِ، 213/1، الرِّقْمُ 2440، وَالدَّارِقُطْنِيُّ فِي السَّنَنِ، 293/1، وَالطَّحَاوِيُّ فِي شَرْحِ مَعَانِي الْأَثَارِ، 253/1، الرِّقْمُ 1131)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کالوں تک اٹھاتے، اور پھر ایسا نہ کرتے۔

عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيرِ، ثُمَّ لَا يُعَوِّدُ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ، وَيَأْتِي بِذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ أَبُو خَبِيصَةَ. الْحَدِيثُ رَقْمٌ: 23 أَخْرَجَهُ الْخَوَارِزْمِيُّ فِي حَامَةِ الْمَسَانِيدِ، 355/1)

حضرت اسود روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر نماز میں کئی اور جگہ ہاتھ نہ اٹھاتے اور یہ عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کرتے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ اسْتِفْتَاخِ الصَّلَاةِ. (رَوَاهُ الدَّارِقُطْنِيُّ. الْحَدِيثُ رَقْمٌ: 24 أَخْرَجَهُ الدَّارِقُطْنِيُّ فِي السَّنَنِ، وَأَبُو يَعْلَى فِي الْمُسْنَدِ، 453/8، الرِّقْمُ 5039، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي السَّنَنِ، 79/2، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مَجْمَعِ الزَّوَادِ، 101/2)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، یہ سب حضرات صرف نماز کے شروع میں ہی اپنے ہاتھ بلند کرتے تھے۔

عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَسْحَدَاتِ بِيَمَانِهِ، وَقَالَ مُعْصِمُهُمْ: حَسَبُوا مِنْكَ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعُ، وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، لَا يَرْفَعُهُمَا، وَفِي مُعْصِمُهُمْ: وَلَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. (رَوَاهُ أَبُو عَوَانَةَ. الْحَدِيثُ رَقْمٌ: 25 أَخْرَجَهُ أَبُو عَوَانَةَ فِي الْمُسْنَدِ، 1)

423 ، الرقم 1572 )

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع کرنا چاہتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، اور بعض نے کہا دونوں جہدوں کے درمیان (ہاتھ) نہیں اٹھاتے تھے۔

عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: زَيْدُثُ عَمْرُ بْنُ الْعَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ، ثُمَّ لَا يَعُودُ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ. (الحديث رقم: 26 أخرجه الطحاوی فی شرح معانی الآثار، الرقم 294/1، الرقم 1329).  
حضرت اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ تکبیر تحریرہ کہتے وقت دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر (بقیہ نماز میں ہاتھ) نہیں اٹھاتے تھے۔

عَنْ عَصَمَةَ بْنِ كَلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، ثُمَّ لَا يَعُودُ. رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ. (الحديث رقم: 27 أخرجه ابن أبي شيبه فی المصنف، الرقم 213/1، الرقم 2444).  
عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریرہ میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر دوران نماز میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

صحاح ستہ کے مشہور امام، امام ترمذی اپنی جامع ترمذی شریف ایک مستقل باب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔  
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ حَدَّثَنَا هَنَادٌ، حَدَّثَنَا وَكَيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كَلَيْبٍ، عَنْ عَبْدِ رَحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ الْأَصْلِيُّ بِحُكْمِ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعِ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ. قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ التِّرْمِذِيِّ عَنْ عَازِبٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى حَدَّثْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ حَدِيثَ حَسَنٍ. وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّبَاعِينَ. وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ.

اس کے علاوہ: (مسند احمد 3498 نمبر - سنن نسائی کتاب التطبیق - 21 باب الرخصة فی ترك ذلك

1066)

علاوہ اس کے شرح معانی الآثار، طبرانی، بیہقی، ہموطا امام محمد، مسند امام اعظم، مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی، صحیح ابن عوانہ، وغیرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بجا یہ اور تابعین کا یہ عمل ذکر کیا گیا ہے۔  
آپ کے علم کے لیے بتادوں کی اوپر ترمذی شریف کی جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے پہلے رفع یدین کرنے کی حدیث

ذکر کی ہے، اور کثرت سے صحابہ و تابعین کے نام رفع یدین کرنے والوں کے گنوائے ہیں۔ لیکن یہی امام ترمذی رحمہ اللہ ترک رفع والی حدیث میں یہ بھی کہتے ہیں کہ وَبِهِ يَقُولُ عَزَّ وَاجِدٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ، یعنی کثرت اہل علم صحابہ و تابعین اسی کے قائل ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر کہتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی لو کے قریب ہو جاتے۔ پھر (رفع یدین) نہیں کرتے تھے۔

عن الزهري عن سالم عن أبيه قال رايت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلوة رفع يديه حتى يحاذي بهما وقال بعضهم حذو منكبيه وإذا اراد أن يركع بعد ما يرفع رأسه من الركوع لا يرفعهما وقال بعضهم ولا يرفع بين السجدة وبين والمعنى واحد۔ (صحیح ابی عوانہ ج 2 ص 90)

حضرت امام زہریؒ، حضرت سالمؒ سے اور وہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے مومنوں تک۔ اور جب آپ ارادہ فرماتے کہ رکوع کریں اور رکوع سے سر اٹھا لینے کے بعد آپ رفع یدین نہ کرتے۔ بعض راویوں نے کہا ہے کہ آپ دونوں عبادوں کے درمیان بھی رفع یدین نہ کرتے۔ مطلب سب راویوں کی روایت کا ایک ہی ہے۔

عن علي عن النبي ﷺ أنه كان يرفع يديه في أول الصلوة ثم لا يعود۔ (العلل الواردة في الأحاديث النبوية، دار قطنی ج 4 ص 106)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے، پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔

عن عبد الله قال صليت مع النبي ﷺ مع أبي بكر ومع عمر رضي الله تعالى عنهما فلم يرفعا أيديهم إلا عند التكبير الأولى في افتتاح الصلوة، قال اسحق بن عمار في الصلوة كلها۔ (دار قطنی ج 1 ص 295)

بیہقی ج 2 ص (79)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ ان سب نے رفع یدین نہیں کیا مگر پہلی تکبیر کے وقت نماز کے شروع میں، محدث۔ احن بن ابی اسراہیل کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی کو پاتے ہیں پوری نماز میں۔

عن الانسود قال صليت مع عمر فلم يرفع يديه في شيء من صلوة الا حين افتتح الصلوة الحديث۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 237، شرح معانی الآثار للطحاوی ج 3 ص 156)

حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے نماز میں کسی جگہ بھی رفع یدین نہیں کیا سوائے ابتداء نماز کے۔

عن عاصم بن کلیب عن ایہ ان علیا کان یرفع یدیه فی اول التکبیر من الصلوۃ ثم لا یرفع بعد۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی جلد صفحہ 154، مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول صفحہ 236، موطا امام محمد جلد صفحہ 90)

حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

عن ابراہیم عن عبد اللہ انہ کان یرفع یدیه فی اول ما یمسح ثم لا یرفعہما۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج صفحہ 236، شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اول صفحہ 156، مصنف عبد الرزاق جلد دوم صفحہ 71)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

عن مجاہد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیر الاولی من الصلوۃ۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اول صفحہ 155، مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول صفحہ 237، موطا امام محمد صفحہ 90، معرفۃ السنن و الآثار جلد دوم صفحہ 428)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے رفع یدین نہیں کیا مگر نماز کی پہلی تکبیر میں۔

عن اشعث عن الشعبی انہ کان یرفع یدیه فی اول التکبیر ثم لا یرفعہما۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص

(236)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

عن جابر عن الاسود و علقمة انہما کان یرفعان ایدیہما اذا افتحا ثم لا یعودان۔ (مصنف ابن ابی شیبہ

جلد اول ص (236)

حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضرت اسود و یزید اور حضرت علقمہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔



ترک رفع الیدین والی حدیث کو جن محدثین نے صحیح قرار دیا ہے

احبرنا محمود بن غیلان المروزی قال حدثنا سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن  
الاسود عن علقمہ عن عبد اللہ انہ قال الاصلی بکم صلوة رسول اللہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا مرة  
واحدة۔ (نسائی ص 161، قدیمی کتب خانہ نسائی مترجم ج 1 ص 345 دارالاشاعت)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کیا میں تم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں پھر انہوں نے نماز پڑھی  
اور صرف (شروع نماز میں) ایک مرتبہ رفع یدین کیا۔  
حدیث ابن مسعودؓ صحیح قرار دینے والے حضرات محدثین:

عدم رفع یدین والی روایت کی صحیح قرار دینے والے محدثین کی تعداد اور شہادت میں کسی قسم کا شک ہی نہیں کیا جاسکتا۔  
اس لئے ہم یہاں پر ان کثیر محدثین و فقہاء میں چند کا ذکر کر دیں گے۔ تاکہ غیر مقلدین کو اس بات کا احساس ہو کہ مسئلہ کی  
حقانیت کیا ہے۔ اور فقہ حنفی کی حقانیت ان پر واضح ہو جائے۔  
انتباہ:

اصول فقہ حدیث کا ضابطہ ہے کہ جس حدیث سے کوئی فقہ و مجتہد وحدث استدلال کرے وہ اس کے نزدیک صحیح ہے۔

(تدریب الراوی ج 1 ص 48، تلخیص الحبیرو ج 2 ص 143، قواعد فی علوم الحدیث 57)

عدم رفع یدین میں فقہاء و محدثین کی روایات کی کثرت:

ہم یہاں وہ ائمہ و مجتہدین کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے جنہوں نے عدم رفع یدین پر بڑی کثرت کے ساتھ دلائل جمع  
کیے ہیں۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ کھانے کے بغیر تحریر کے نماز میں رفع یدین منسوخ ہو گیا ہے۔ اور اب سنت یہی ہے کہ نماز میں  
صرف تکبیر تحریر کے وقت ہی رفع یدین کیا جائے گا۔ باقی مواقع منسوخ ہو گئے ہیں۔

1۔ حضرت ابراہیم النخعیؒ 96ھ:

مسند ابی حنیفہ بروایت حسن ص 13، مسند ابی حنیفہ بروایت ابی یوسف ص 21، موطا امام محمد ص 93، کتاب الحج امام محمد  
ج 1 ص 96، مسند ابن الجعد ص 292، سنن الطحاوی ج 1 ص 163، 162، مشکوٰۃ لا تار لفظاوی ج 2 ص 11، جامع  
المسند ج 1 ص 352، معجم الکبیر للطبرانی ج 22 ص 22، سنن دارقطنی ج 1 ص 394، سنن الکبیر للبیہقی ج 2 ص 81  
2۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ 150ھ:

مسند ابی حنیفہ بروایت حسن ص 13، مسند ابی حنیفہ بروایت ابی یوسف ص 21، موطا امام محمد ص 93، کتاب الحج امام محمد  
ج 1 ص 96، سنن الطحاوی ج 1 ص 162، جامع المسانید ج 1 ص 353، الاوسط لابن المذہب ج 3 ص 148، آخر یہ

لقد روی ج 5 ص 272، حلیۃ العلماء للشافعی ج 1 ص 189، اعلیٰ ابن حزم ج 4 ص 119 - ج 1 ص 301، التبیہ  
ج 9 ص 213، الامتداد لابن البرج ج 4 ص 99، مناقب الکل ج 1 ص 130، مغنی لابن قدامہ ج 2 ص 172، دلائل  
الاحکام ج 1 ص 263، شرح سنن ابن ماجہ المغلطی ج 5 ص 1466، 1467، عمدة القاری ج 5 ص 272  
3۔ امام سفیان ثوری 161 ھ:

جز رفیع الیدین ص 46، ترمذی ج 1 ص 59، الاوسط لابن منذر ج 3 ص 148، حلیۃ العلماء للشافعی ج 1 ص 189،  
التجریہ للقدوری ج 1 ص 272، شرح البخاری لابن بطلال ج 2 ص 423، التبیہ ج 9 ص 213، الاستدکاء ج 4 ص 99،  
شرح الذہبی ج 2 ص 24، مغنی لابن قدامہ ج 2 ص 172، دلائل الاحکام لابن شداد ج 1 ص 263، شرح سنن ابن  
ماجہ المغلطی ج 5 ص 1466، عمدة القاری ج 5 ص 272

4۔ امام ابن القاسم المصری 191 ھ المدوۃ الکبریٰ امام مالک ج 1 ص 71

5۔ امام کعب بن الجراح الکوفی 197 ھ جز رفیع الیدین للبخاری ص 46، عمدة القاری ج 5 ص 272

6۔ امام اسحاق بن ابی اسرائیل المروزی 246 ھ سنن دارقطنی ج 1 ص 399، 400 سند صحیح

7۔ امام محمد بن اسماعیل البخاری 256 ھ جز رفیع الیدین للبخاری ص 25، بلوخی ص 112

8۔ امام ابو داؤد البیہقی 275 ھ متابع بغدادی 275 ھ ص 59، تذکرۃ الحفاظ ج 2 ص 127، التلک لابن حجر ص 141

9۔ امام ابو یوسف ترمذی 279 ھ ص 1 ص 59، شرح الحدادیہ للعلینی ج 2 ص 294

10۔ امام احمد بن حنبل 303 ھ التلک لابن حجر ص 165، زہر الرئی للسیوطی ص 3

11۔ امام ابو یعلیٰ الطوسی 312 ھ

مختصر الاحکام منسخر الطوسی علی جامع الترمذی ج 2 ص 103، شرح ابن ماجہ حفظہ المغلطی ج 5 ص 1467

12۔ امام ابو جعفر الطحاوی 321 ھ الحفاظ ج 1 ص 162، الری علی الکرائی بحوالہ جوہر النبی ص 77، 78

13۔ امام محمد اعارشی البخاری 340 ھ، جامع المسانید ج 1 ص 353، تلک المکرمة

14۔ امام ابو النضر البیہقی 349 ھ، التلک لابن حجر ص 165، زہر الرئی علی التلک للسیوطی ص 3

15۔ امام ابو یوسف ابن سنن المصری 353 ھ، التلک لابن حجر ص 164، زہر الرئی للسیوطی ص 3

16۔ امام محمد بن معاویہ 358 ھ، التلک لابن حجر ص 164، زہر الرئی للسیوطی ص 3

17۔ امام ابو یوسف ابن السنی 364 ھ، الارشاد لامام الفضلی ص 3، زہر الرئی للسیوطی ص 3

18۔ امام ابن عدنی 365 ھ، التلک لابن حجر ص 164، زہر الرئی ص 3

- 19۔ امام ابو الحسن الدارقطنیؒ 385ھ، کتاب اعلل ج 5 ص 172، النکت ص 164 زہر الری ص 3
- 20۔ امام ابن مندہؒ 390ھ، النکت لابن حجر 164، زہر الری للسیوطی ص 3
- 21۔ امام ابو عبد اللہ الحاکم 405ھ، النکت لابن حجر ص 164 زہر الری للسیوطی ص 3
- 22۔ امام عبد الغنی بن سعیدؒ 409ھ، النکت لابن حجر ص 164 زہر الری للسیوطی ص 3
- 23۔ امام ابو یوسفؒ 428ھ، التقرید للقدوریؒ ج 2 ص 518
- 24۔ امام ابو یعلیٰ الخدییؒ 446ھ، الارشاد للعلینیؒ ص النکت ص 164 زہر الری للسیوطی ص 3
- 25۔ امام ابو یوسفؒ ابن خزیمہ 456ھ، الکلی لابن خزیمہ ج 4 ص 121 مصر
- 26۔ امام ابو بکر الخطیب للبدیعؒ 463ھ، النکت لابن حجر ص 163 زہر الری للسیوطی ص 3
- 27۔ امام ابو بکر السرخسیؒ 490ھ، المصنوع للسرخسیؒ ج 1 ص 14
- 28۔ امام موفق الحنبلؒ 568ھ، مناقب موفق الحنبلؒ ج 1 ص 131، 130
- 29۔ امام جلال الدین سیوطیؒ 576ھ، النکت لابن حجر ص 163 زہر الری للسیوطی ص 3
- 30۔ امام ابو بکر کاسانیؒ 587ھ، بدائع الصنائع لکاسانیؒ ج 1 ص 40
- 31۔ امام ابن القطان النفاذیؒ 628ھ، بیان الوهم والابھام لابن القطان النفاذیؒ ج 3 ص 367
- 32۔ امام محمد الخوارزمیؒ 655ھ، جامع المسانید
- 33۔ امام ابو محمد علی بن زکریاؒ 686ھ، الباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب ج 1 ص 256
- 34۔ امام ابن الترمذیؒ 745ھ، المعجم للترمذیؒ لابن الترمذیؒ ج 2 ص 77، 78
- 35۔ امام حافظ مغلطائیؒ 762ھ، شرح ابن بایہ الحفاظ المغلطائیؒ ج 5 ص 1467
- 36۔ امام حافظ زبیدیؒ 672ھ، نصب الراية للزبیدیؒ ج 1 ص 396، وفی نسخہ ج 1 ص 474
- 37۔ امام حافظ عبد القدیر الرازیؒ 775ھ، الحادی علی الطحاویؒ ج 1 ص 530
- 38۔ امام فقیہ محمد ابابکرؒ 786ھ، العناہ شرح المجددؒ ج 1 ص 269
- 39۔ امام فقیہ محمد انکرویؒ 826ھ، مناقب کردیؒ ج 1 ص 174
- 40۔ محدث احمد بن ابی بکر البصریؒ 840ھ، اتحاف الخیرۃ لکھریؒ ولبصریؒ ج 10 ص 355، 356
- 41۔ محدث محمود العینیؒ 855ھ، شرح سنن ابی داؤد للحافظ العینیؒ ج 3 ص 341، 342، شرح المجدد ایبینیؒ ج 2 ص 294
- 42۔ امام ابن اھبؒ 861ھ، فتح القدیر شرح المجدد ایبانیؒ لابن الھمامؒ ج 1 ص 269، 270

43۔ ملا علی قاریؒ 1014ھ، حرقات ج 2 ص 269، شرح الفقہاء ج 1 ص 257، 58، شرح مسند ابی حنیفہ للعلی قاری ص 38۔

رفع یدین کی منسوخت کے دلائل میں احادیث و آثار:

نماز میں رفع یدین کرنا ابتدائے اسلام میں مباح تھا بعد میں یہ رفع یدین منسوخ کر دیا گیا ہم اس کے منسوخ ہونے پر صحاح ستہ کی حدیث بیان کر رہے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تم کو سرکش گھوڑوں کی دھنوں کی طرح نماز میں رفع یدین کرتے دیکھتا ہوں نماز سکون کے ساتھ پڑھا کرو۔ پھر دوبارہ تشریف لائے تو ہم کو متفرق حلقوں میں بیٹھے ہوئے دیکھا پھر آپ نے فرمایا: کو تم متفرق طور پر کیوں بیٹھے ہو، ہم اس طرح صف کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف بناتے ہیں آپ نے فرمایا: وہ پہلے پہلی صف پوری کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم، ج 1 ص 181، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رفع یدین کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اہل علم کیلئے یہ قانون بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ تمام علمائے اصول حدیث کے نزدیک یہ تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ جب کسی قولی حدیث اور فعلی حدیث میں تعارض آجائے تو فعلی حدیث کو چھوڑ کر قولی حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ ہم نے رفع یدین کے منسوخ ہونے پر قولی حدیث بیان کر دی ہے۔ جب کہ رفع یدین کرنے والے پیچھے اصرار سے رفع یدین پر قیامت تک بھی ایک بھی قولی حدیث بیان نہیں کر سکتے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ رفع یدین ترک کرتے ہوئے بغیر رفع یدین کے نماز پڑھا کریں۔ ہم انصاف کی دعوت دیتے ہیں کہ ضد کو چھوڑ کر عدل پسندی کا مظاہرہ کریں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع ہوتے وقت کندھوں تک رفع یدین کرتے اور رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اور نہ دو رکعتوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے (المسند، ج 2 ص 246، بیروت)

فقہاء احناف کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں بہت زیادہ احادیث و آثار ہیں انہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حنفی مسلک پوری طرف واضح ہو جائے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترمذی میں دو باب قائم کئے ہیں۔ پہلا باب تو رکوع کے وقت رفع یدین کا ہے۔ اس کے ضمن میں امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اور باب یہ ہے کہ ہاتھ اٹھا نہ صرف نماز کی ابتداء کے وقت دیکھا گیا ہے اس باب کے ضمن میں امام جامع ترمذی نے حضرت

ماتر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث جو عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ادا کرتا ہوں چنانچہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز ادا کی اور انہوں نے صرف پہلی مرتبہ (یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھ اٹھائے۔ اسی باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہونا ثابت کیا ہے۔ نیز امام موصوف نے کہا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن ہے اور صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دال کوذ کا قول بھی یہی ہے۔

(جامع ترمذی، ج ۱ ص ۳۳، فاروقی کتب خانہ لبنان)

جامع الاصول میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو ابو داؤد و سنن نسائی کے حوالے سے اور براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو بھی ابو داؤد کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کے وقت) دونوں ہاتھ اپنے دونوں کندھوں کے قریب تک اٹھاتے تھے اور ایسا دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں یوں کہ پھر دوبارہ ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو جاتے تھے۔

اس موقع پر اتنی سی بات اور سنتے چلیے کہ اس حدیث کے بارے میں ابو داؤد نے جو یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک صحیح ہونے سے مراد یہ ہو کہ اس خاص سند و طریق سے صحیح ثابت نہیں لہذا ایک خاص سند و طریق سے صحیح ثابت نہ ہونا اصل حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ یا پھر یہ احتمال ہے کہ ابو داؤد کا مقصد اس حدیث کو حسن ثابت کرنا جو یہاں کہ ترمذی نے کہا ہے لہذا اس صورت میں کہا جائے گا تمام ائمہ و محدثین کے نزدیک حدیث حسن قابل استدلال ہوتی ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب موطا میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو جس سے روک اور روک سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین ثابت ہوتا ہے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔ یہ سنت ہے کہ ہر مرتبہ جھٹکے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کی جائے لیکن رفع یدین سوائے ایک مرتبہ (یعنی تحریمہ کے وقت) کے دوسرے موقع پر نہ ہو اور یہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور اس سلسلے میں بہت زیادہ آثار وارد ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد اسمان غیب خری کی ایک روایت جسے عاصم نے اپنے والد کرم سے جو حضرت علی المرتضیٰ کے تابعین میں سے ہیں روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سوائے تکبیر اولیٰ کے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

عبدالعزیز ابن حکم کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا وہ ابتداء نماز میں پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

مجاہد کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے چنانچہ وہ صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اسود سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ صرف تکبیر اولیٰ کے موقع پر رفع یدین کرتے تھے۔

لہذا جب حضرت عمر، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم جیسے طیل القدر صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت قرب رکھتے تھے ترک رفع یدین پر عمل کرتے تھے تو وہ عمل جو اس کے برخلاف ہے قبول کرنے کے سلسلے میں اولیٰ اور بہتر نہیں ہوگا۔

شرح ابن ہمام میں ایک روایت دارقطنی اور ابن عدی سے نقل کی گئی ہے جسے انہوں نے محمد ابن جابر سے انہوں نے حماد ابن سلیمان سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے اور انہوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ عبداللہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہمراہ نماز پڑھی ہے چنانچہ انہوں نے سوائے تکبیر اولیٰ کے اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کیا۔ (فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ)

امام عظیم اور امام اوزاعی کا رفع یدین وعدم رفع یدین والی روایت میں سند کا اعتبار:

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کم کے دارالافتاء طین میں جمع ہوئے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ آپ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ حضرت امام صاحب نے جواب دیا اس لیے کہ آقاؐ کا نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کچھ صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا کہ، مجھے تو ہری نے حضرت سالم کی یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اولیٰ کے وقت، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ مجھ سے حماد نے ان سے ابراہیم نے اور ان سے علقمہ اور اسود نے اور ان دونوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ابتداء نماز میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور دوبارہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ یہ روایت سن کر امام اوزاعی نے کہا کہ میں نے تو زہری سے نقل کیا اور انہوں نے سالم سے اور انہوں نے اپنے باپ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور انہوں نے سالم سے اور انہوں نے اپنے باپ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور آپ اس کے مقابلے میں حماد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابراہیم سے اور انہوں نے

متمم سے نقل کیا ہے یعنی میری بیان کردہ سند آپ کی بیان کردہ سند سے عالی اور افضل ہے۔

حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ اگر یہی بات ہے تو پھر سنو کہ مراد زہری سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اسی طرح علقمہ بھی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں فقہ میں کم نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ نیز اسود کو بھی بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اور عبداللہ تو خود عبداللہ ہیں۔ یعنی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف کیا کی جائے کہ علم فقہ میں اپنی عقلیت شان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و صحبت کی سعادت و شرف کی وجہ سے مشہور ہیں۔

گویا امام اوزاعی نے تو اسناد کے عالی ہونے کی حیثیت سے حدیث کو ترجیح دی اور حضرت امام اعظم نے راویان حدیث کے فقیہ ہونے کے اعتبار سے حدیث کو ترجیح دی۔ چنانچہ حضرت امام اعظم کا اصول یہی ہے کہ وہ فقیہ راوی کو غیر راویوں پر ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

لہذا یہ شرح ہدایہ میں عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کر رہا تھا، انہوں نے اس آدمی سے کہا کہ ایسا مت کرو کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اختیار کیا تھا اور بعد میں اسے ترک کر دیا یعنی ان مواقع پر رفع یدین کا حکم پہلے تھا اب منسوخ ہو گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی رفع یدین کیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ترک کر دیا تو ہم نے بھی ترک کر دیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ (یعنی وہ دس خوش نصیب صحابہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں جنتی ہونے کی خوشخبری دی تھی) صرف ابتدا نماز ہی میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔

حضرت مجاہد حضرت عبداللہ ابن عمر کا معمول نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے پیچھے ساہا سال نماز ادا کی ہے مگر میں نے اس کو سوائے ابتدا نماز کے اور کسی موقع پر رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ حالانکہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی وہ روایت گزربھکی ہے۔ جس سے تینوں مواقع پر رفع یدین کا اثبات ہوتا ہے اور جو شوافع کی سب سے اہم دلیل ہے۔ لہذا اصول حدیث کا چونکہ قاعدہ ہے کہ راوی کا عمل اگر خود اس کی روایت کے خلاف ہو تو روایت پر عمل نہیں کیا جاتا اس لیے حضرت عبداللہ ابن عمر کی وہ روایت ساقط العمل قرار دی جائے گی۔

بہر حال ان روایات و آثار سے معلوم ہوا کہ رفع یدین دونوں کے اثبات میں احادیث و آثار وارد ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت خصوصاً حضرت عبداللہ مسعود اور ان کے تابعین رفع یدین نہ کرنے کی حق میں ہیں۔ لہذا ان تمام موافق و مخالف

احادیث کا محمول یہی ہو سکتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقات مختلفہ میں دونوں طریقے وجود میں آئے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ کے علم فقہ اور ان کی اسناد کا نقطہ منہجا حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کے تابعین کی ذات گرامی ہے اور چونکہ ان کا رجحان عدم رفع یدین کی طرف ہے اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ کے ترک رفع یدین کے مسلک ہی کو اختیار کیا ہے اور اب تمام حنفیہ اسی مسلک کے حامی اور اس مسلک پر عامل ہیں۔

علمائے احناف صرف اسی قدر نہیں کہتے بلکہ ان حضرات کے نزدیک تکبیر تحریرہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین کا حکم منسوخ ہے کیونکہ جب حضرت عبداللہ ابن عمر کے بارے میں یہ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ترک رفع یدین ہی اختیار کرتے تھے باوجود اس کے کہ رفع یدین کی حدیث کے راوی یہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے تو رفع یدین کا حکم رہا ہوگا مگر بعد میں یہ حکم باوجود کثرت احادیث و آثار کے منسوخ ہے۔ (نہایہ شرح الہدایہ، بتصرف)

رفع یدین کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تحقیق:

اس بات کا دعویٰ کرنا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث پر عمل نہیں کیا ہے تو یہ محض دعویٰ ہے، حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اس پر عمل کیا ہے اور اس کو مالکیہ نے اختیار کیا ہے، چنانچہ امام حنبلون نے المدوۃ الکبریٰ میں ذکر کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے رفع یدین معلوم نہیں ہے، نہ ہی ٹھکنے کے وقت اور نہ ہی اٹھنے کے وقت سوائے تکبیر تحریرہ کے وقت کہ تھوڑا سا ہاتھ اٹھایا جائے گا، ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رفع یدین ضعیف ہے مگر تکبیر احرام میں۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التمجید میں ہے کہ: واختلف العلماء فی رفع الیدین فی الصلاة فروی ابن القاسم وغیرہ عن مالک أنه کان یروی رفع الیدین فی الصلاة ضعیفاً الا فی تکبیرة الاحرام وحدها، وتعلق بهذه الروایة عن مالک اکثر المالکین۔

ترجمہ: اور نماز میں رفع یدین کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ ابن القاسم وغیرہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نماز میں رفع یدین کو ضعیف سمجھتے تھے مگر صرف تکبیر احرام میں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت پر اکثر مالکین کا اعتماد ہے۔ (التمجید)

اس جگہ اس بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موطا شریف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مذہب نہیں ہے جس کو ان کے تعین اختیار کرتے ہوں اور اس کی تقلید کرتے ہوں، بلکہ فتاویٰ اور احکام میں مالکیہ کا اعتماد اس پر ہے جس کو ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہو، خواہ وہ موطا کے موافق ہو یا نہ ہو جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نقیض المفضہ میں: پر امام حنفی پر رد کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔



پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عدم رفع نفل کرنے میں ایکن مؤخر نہیں ہیں، بلکہ ان کی متابعت ابن وہب اور ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے جیسا کہ گزر چکا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم کے اندر ذکر کیا ہے: قال أبو حنیفہ وأصحابہ وجماعۃ من أهل الکوفۃ: لا يستحب الرفع فی غیر تکتیرۃ الافتتاح، وهو أشهر الروایات عن مالک۔

یعنی امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور اہل کوفہ کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریر کے علاوہ میں رفع یدین مستحب نہیں ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور روایت ہے۔ (حاشیہ مسلم شریف)

اور الجواب الحلی میں مع سنن بیہقی میں امام قسطلی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح مسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ ترک رفع امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب ہے، تو اعدائین رشد میں بھی اسی کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں ذکر کرتے ہیں: فمذهبهم من اقتصر به علی الاحرام فقط، ترجیحاً لحديث عبد الله بن مسعود وحديث البراء بن عازب، وهو مذهب مالک رحمۃ اللہ علیہ لِموافقة العمل به۔

یعنی ائمہ میں سے بعض وہ حضرات ہیں جو عبد اللہ ابن مسعود اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح دیتے ہوئے صرف تکبیر احرام میں رفع کے قائل ہیں، اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اس پر عمل کے موافقت کی بنا پر۔

ان نفل معتبرہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب افتتاح نماز کے علاوہ میں عدم رفع ہی کا تھا، نیز ترمذی شریف کے نسخے مختلف ہیں چنانچہ ہندیہ اور مجموعہ شروح اربعہ ترمذی اور محارف السنن وغیرہ جو ہمارے پاس متداول ہیں اس میں قائلین رفع میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں ہے، صرف بیروت کے جدید نسخہ میں بین المکتوفین (مالک رحمۃ اللہ علیہ) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے جو کہ کثیر نسخوں کے مقابلہ میں معتبر نہیں ہے۔

تیسری وجہ: وہ یہی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع پر مخالفت کرتے تھے اور اس سے یہ مراد لیا گیا تھا کہ ترک رفع ان سے ثابت نہیں ہے، لیکن ماقبل میں ہم نے عابد اور عبد المعز ابن حکیم کی روایت سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما افتتاح صلاۃ کے علاوہ میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

دبی البانی کی یہ بات کہ اگر وہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہوتی تو وہ رفع یدین نہ کرتے، پس یہ تو سرے سے مردود ہے، کیونکہ وہ کبھی رفع کرتے تھے اور کبھی رفع کو چھوڑ دیتے تھے بیان جواز ابو نعیم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کے ثابت ہونے کی وجہ سے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما سے متذکر رفع ثابت ہے جیسے ابن مسعود، براء بن عازب، ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہم اور صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم

جمعین کا اسی پر عمل رہا ہے۔

رفع یدین کے سلسلہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ سات طرح کے وارد ہوئے ہیں:

(۱) جس میں صرف شروع میں رفع کا ذکر ہے۔ (المدوۃ الکبریٰ)

عن ابن وہب وابن القاسم عن مالک عن ابن شہاب عن سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ نیز عبد اللہ بن عون الخزاز نے بھی امام مالک سے روایت کیا ہے (الخلاقیات) للبیہقی

(۲) جس میں افتتاح صلاۃ اور رکوع کے بعد رفع کا ذکر ہے، (معارف المسنن

(۳) جس میں رکوع اور جہدہ میں جاتے وقت رفع کا ذکر ہے (مجمع الثروائد)

(۴) جس میں افتتاح صلاۃ و انحطاط الی الركوع اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع کا ذکر ہے جس کو امام محمد نے اپنی موطا کے اندر، اور بخاری و نسائی، ابوداؤد، دارمی، بخاری و غیرہم نے ذکر کیا ہے۔

(۵) جس میں ان مذکورہ تین جگہوں کے علاوہ دو رکعت کے بعد بھی رفع کا ذکر ہے، (ہو بخاری شریف، باب رفع یدین اذا قام من الركعتین۔

(۶) جس میں مذکورہ چار جگہوں کے علاوہ جہدہ کے وقت بھی رفع کا ذکر ہے۔ (بخاری: جزء رفع یدین)

(۷) جس میں ہر خفض و رفع، رکوع و سجود، قیام و قعود کے وقت نیز دو جہدوں کے درمیان بھی رفع کا ذکر ہے۔ (فتح الباری)

یہ سات طرح کے الفاظ ہیں سب کے سب ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہیں، پس ان میں سے کسی بھی صورت کا انکار محض اس وجہ سے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ویسا نہیں رہا ہے ممکن نہیں ہے، لہذا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سیاق کا نحو عہد رسالت میں رفع اور عدم رفع دونوں کے اوپر عمل کی دلیل ہے۔ (معارف المسنن)

مگر یہ فقہ نے فقہ کا حجاج ہو کر انوکھی فقہ گزروالی:

دوسرے رفع یدین کرنے کا حکم جو قرآن و سنت میں کہیں بھی موجود نہیں۔ احادیث میں مدرک و مسبوق کے احکام ہونے کے باوجود کہیں ایسا حکم نہ ہونے کی صورت میں غیر مقلدین نے جو تقلید کے منکر نہ جانے لوگوں کو اپنی من مانی تقلید کی دعوت کیوں دیتے رہتے ہیں۔ تاہم نہاد غیر مقلد کا حدیث فقہی استدلال پر عین اور اس کا دعویٰ قرآن حدیث پر غور کریں کہ یہ لوگ کس طرح کی تاویلات کے ذمہ صرف قائل بلکہ اپنے جال میں دوسروں کو پھنسانے میں کتنی چابکدستی سے کام لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان: "إذا أتى أحدكم الصلاة والإمام على حال فليصنع كما يصنع الإمام"

(جامع الترمذی، أبواب الجمعة، باب ما ذکر فی الرجل یلزم الإمام وهو ساجد کیف یصنع،

"جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے آئے اور امام جس حالت میں بھی ہو وہ ویسے ہی کرے جس طرح سے امام کر رہا ہے۔"

اس حدیث کے ذریعہ رکوع جاتے ہوئے رفع الیدین کو ترک کر دیتے ہیں جب امام کو رکوع کی حالت میں پاتے ہیں جبکہ تکبیر تحریرہ کے وقت رفع الیدین کرتے ہیں اور تکبیر بھی کہتے ہیں۔ یا للعجب؟ رکوع جاتے ہوئے دوم جب رفع الیدین کرنے میں غیر مقلدین کا غیر ثابت استدلال:

کیونکہ اگر "فلیصنع کما یصنع الإمام" سے رکوع جانے کی تکبیر اور رفع الیدین کی نفی مانی جائے تو تکبیر تحریرہ اور اس کے رفع الیدین کی نفی بھی ماننا پڑے گی اور وہ مقتدی جو اس وقت آیا جب امام رکوع کی حالت میں تھا اس کو "فلیصنع کما یصنع الإمام" کے تحت بغیر تکبیر تحریرہ و تکبیر رکوع کہے اور رفع الیدین کیے سیدھا رکوع میں چلے جانا چاہیے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ تکبیر تحریرہ کہتا اور رفع الیدین کرتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ جب بھی نماز کا آغاز فرماتے تو تکبیر تحریرہ کہتے اور رفع الیدین فرماتے، اس طریقہ کار کو اپنائے بغیر وہ نماز میں شامل نہیں ہو سکتا، بعینہ رسول اللہ ﷺ جب بھی رکوع میں جاتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین فرماتے۔ لہذا وہ شخص جو اس وقت نماز میں شامل ہوا جب امام رکوع کی حالت میں تھا اس کو "فلیصنع کما یصنع الإمام" کے حکم کے تحت فوراً رکوع میں ہی جانا چاہیے لیکن رکوع میں پہنچنے کے لیے طریقہ اپنی طرف سے نہ گھڑے بلکہ وہ طریقہ اپنائے جو رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے، یعنی پہلے تکبیر تحریرہ کہے اور رفع الیدین کرے اور پھر فوراً دوبارہ تکبیر رکوع کہے اور رفع الیدین کرے اور پھر رکوع میں جائے۔

کیونکہ تکبیر تحریرہ و رفع الیدین کے بغیر نماز کا آغاز کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہے اور تکبیر و رفع الیدین کے بغیر رکوع میں جانا بھی سید لا نبیا ﷺ سے ثابت نہ ہے۔

یاد رہے کہ وہ تکبیر تحریرہ کے بعد ہاتھ نہیں باندھے گا بلکہ فوراً دوسری تکبیر، تکبیر رکوع اور رفع الیدین برائے رکوع کرے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ قیام میں باندھا کرتے تھے۔

نیز یہ بھی کہ جب کوئی شخص اس وقت پہنچا جب امام رکوع سے سر کو اٹھا کر سبح اللہ لہن حمد کہہ چکا ہو تو وہ تکبیر تحریرہ و رفع الیدین کے بعد "فلیصنع کما یصنع الإمام" والے اصول کے تحت دونوں ہاتھوں کو چھوڑ کر کھڑا ہو جائے گا اور بنا لک الحمد کہتے ہوئے امام کے ساتھ ملے گا کیونکہ سبح اللہ لہن حمد کہنا اور اس کے ساتھ رفع الیدین کرنا صرف اس شخص کے لیے ہے جو رکوع سے اٹھے اس نے نہ تو رکوع کیا ہے اور نہ ہی یہ رکوع سے اٹھ رہا ہے لہذا اس کے لیے تسبیح کہنا یا رفع الیدین کرنا شروع نہیں ہے۔ اسی طرح جو شخص امام کو سجدہ کی حالت میں پائے وہ تکبیر تحریرہ کہتے ہوئے چلا جائے لیکن بندہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہنا نہ بھولے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جب بھی سجدہ میں جاتے تو تکبیر کہتے یعنی یہ شخص پہلے تکبیر تحریرہ کہے گا اور رفع الیدین کر

رہا اور اس کے فوراً بعد دوبارہ سجدے کے لیے بھیج کر کہتے ہوئے سجدہ میں چلا جائے گا۔

(رفع یدین، عبدالرحمان، مکتبہ نشر ملتان)

ہمارا غیر مقلدین کے تمام علمی اثاثے سے صرف یہ سوال ہے کہ ایک مرفوع وغیر مرفوع حدیث سے یہ استدلال کی تائید ثابت کر دو۔ کہ رکوع میں آنے والا دو مرتبہ رفع یدین کرے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی رکوع میں ملتا تو وہ دو مرتبہ رفع یدین کرتا۔ جب تمہارے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں ہے اور نہ تم ثابت کر سکتے ہو فقہ کی طرف کیوں چلے گئے۔ ایک طرف تقلید و فقہ کو شرک بتاتے ہو اور پھر اس کے بغیر تمہارا گزارا ہی نہیں ہوتا۔ کیسی تعجب کی بات ہے۔

سجدے میں جانے اور سجدے سے اٹھنے والی بھیجیر میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے:

مالک بن الحویرث والی روایت ہے جس کو امام نسائی نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے:

رأى النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیه فی صلاته ، وإذا رکع ، وإذا رفع رأسه من الركوع ، وإذا سجد ، وإذا رفع رأسه من السجود حتی یحاذی بهما فروع أذنيه " (سنن نسائی ، کتاب التلطیق ، باب رفع الیدین للسجود ، حدیث 108)

مالک بن الحویرث فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی نماز کے آغاز میں ، رکوع جاتے ہوئے ، رکوع سے اٹھتے ہوئے ، سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدے سے اٹھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لوت تک اٹھایا۔

اور حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو یہ کہتے ہوئے ذکر کیا ہے "وأصح ما وقفت علیہ من الأحادیث فی الرفع فی السجود ما رواه النسائی من رواية سعيد بن أبي عروبة عن قتادة (فتح الباری 2/223)

"رفع الیدین عند السجود والی روایات میں جس صحیح ترین حدیث پر میں مطلع ہوا ہوں وہ روایت ہے جس کو امام نسائی نے سعید بن ابی عروبة عن قتادہ کی سند سے بیان کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ: "؟ کان یرفع یدیه حتی منکبہ حین یکبر ویفتتح الصلاة وحین یرکع وحین یسجد۔" (مسند احمد 6128)

صحاح ستہ کی رت لگانے والوں کو سنن نسائی کی حدیث نظر نہیں آتی۔ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ کیا اس حدیث پر عمل کرنا عامل بالمحدیث کو مانع ہے یا تمہاری نفسانی خواہشات کو مانع ہے۔ اپنی مرضی سے جسے چاہا ضعیف کہہ دیا جسے چاہا صحیح کہہ دیا ہے۔ اسی طرح دوسری روایت مسند احمد کی ہے اور اسی طرح اور بھی کثیر احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ سجدے میں جاتے ہوئے رفع یدین کیا جائے۔ لیکن غیر مقلدین نہیں کرتے۔ رفع کا حکم منسوخ ہو جانے کے باوجود جو لوگ رفع یدین

نہ کرنے والوں پر فتوؤں کی بارش کرتے ہیں انہیں یاد رہے اس بارش سے وہ خود بھی بچنے والے نہیں ہیں۔ یہ کتنے تعجب کی بات ہے۔

تہذیب میں بیٹھنے کی صورت کا بیان:

(وَإِذَا وَقَعَ رَأْسُهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ إِلَى الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ الْفَرَشَ وَجِلَّةَ الْبُشْرَى فَيَجْلِسُ عَلَيْهَا وَتَصَبُّ الْيُمْنَى نَصْبًا وَوَجْهَهُ أَصَابِعُهُ نَحْوَ الْفُتَيْلَةِ) هَكَذَا وَصَفَتْ عَائِشَةُ فُعُودَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ (وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى فُجَلَيْهِ وَتَسَطَّ أَصَابِعُهُ وَتَشَهَّدَ) مَرَّوَى ذَلِكَ فِي حَدِيثِ وَائِلِ بْنِ خُبَيْرٍ وَحَسَى اللَّهُ عَنْهُ، وَلَئِنْ لَمْ يَدْرِ تَوَجُّعَهُ أَصَابِعُهُ يَتَنَبَّهْ إِلَى الْفُتَيْلَةِ (لِيَاكِ امْرَأَةٌ جَلَسَتْ عَلَى الْيَتِيمِ الْبُشْرَى وَأَعْرَجَتْ رِجْلَيْهَا مِنَ الْعَجَابِ الْأَمْنِيِّ) لَأَنَّهُ أَسْتَرَ لَهَا۔

ترجمہ:

اور جب دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھائے پس اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے اور اپنی انگلیوں کو قبیلہ کی طرف متوجہ کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا نماز میں بیٹھنا اسی طرح بیان کیا ہے۔

اور اپنے ہاتھوں کو اپنے رانوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو پھیلانے اور تشہید پڑھے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ اسی طرح ہاتھ کی انگلیاں قبیلہ کی طرف ہوں گی۔

اگر عورت بیٹھے تو وہ بائیں (سرین) بیٹھے گی اور دونوں پاؤں دائیں جانب نکالے گی۔ کیونکہ اسی میں اس کیلئے ستر ہے۔

شرح:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامہ اور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو بکبیر سے اور قرأت الحمد اللہ رب العالمین سے شروع کرتے اور آپ جب رکوع کرتے تھے تو اپنا سر مبارک نہ تو (بہت زیادہ) بلند کرتے تھے اور نہ (بہت زیادہ) پست بلکہ درمیان درمیان رکھتے تھے (یعنی پیٹھ اور گردن برابر رکھتے تھے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا کھڑے ہوئے سجدے میں نہ جاتے تھے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا بیٹھے ہوئے (دوسرے) سجدہ میں نہ جاتے تھے اور ہر دور رکعتوں کے بعد انقیات پڑھتے تھے اور (اور بیٹھنے کے لیے) اپنا بائیں پاؤں بچھاتے اور دائیں پاؤں کھڑا رکھتے تھے اور آپ عقبہ شیطان (یعنی شیطان کی بیٹھک) سے منع فرماتے تھے اور مرد کو دونوں ہاتھ سجدے میں اس طرح بچھانے سے بھی منع کرتے تھے جس طرح درندے بچھا لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو سلام پر ختم فرماتے تھے۔

(صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱ ص ۵۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تو بحیرے شروع فرماتے تھے اور قرأت کی ابتداء ”الحمد لله رب العالمین“ سے کرتے تھے۔ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ آہستہ سے پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔  
احتیاط میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشبہ (یعنی انبیاء) میں بیٹھے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے دائیں گھٹنے پر رکھتے تھے اور اپنا (داہنا) ہاتھ شل عدد تہین کے بند کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۸۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)  
اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (کے قعدہ) میں بیٹھے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کی اس انگلی کو جو رانگوٹھے کے قریب ہے۔ (یعنی شہادت کی انگلی کو) اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعا مانگتے (یعنی) اس کو اٹھا کر اشارہ وحدانیت کرتے) اور بایاں ہاتھ اپنے زانو پر رکھ لیا ہوا رکھتے۔

(صحیح مسلم مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۸۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)  
مثلاً عدد تہین کا مطلب یہ ہے کہ اہل حساب گنتی کے وقت انگلیوں کو جس طرح بند کرتے جاتے ہیں کہ انہوں نے ہر انگلی کو ایک عدد متعین کے لیے مقرر کیا ہو ہے کہ انہیں اکائیوں کے لیے یہاں رکھا جائے اور داہنی، سینکڑہ اور ہزار کے لیے فلاں فلاں جگہ۔ لہذا زادی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی کو اشارے کے لیے اٹھاتے وقت بقید انگلیوں کو اس طرح بند کیا جس طرح تہین کے عدد کے لیے انگلیوں کو بند کرتے ہیں اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ چھٹنگیا، اس کے قریب دالی انگلی اور بیچ کی انگلی کو بند کر لیا جائے۔ شہادت کی انگلی کو کھلی رکھی جائے اور رانگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھا جائے۔ یہ عدد تہین (۵۳) کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسی طریقے کو اختیار کیا ہے۔

احناف کے نزدیک شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ:

ابھی آپ نے عدد تہین کی وضاحت پڑھی اسی طرح ایک عدد تسعین (۹۰) ہوتا ہے اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چھٹنگیا اور اس کے قریب دالی انگلی کو بند کر لیا جائے اور شہادت کی انگلی کو کھول دیا جائے اور رانگوٹھے کا سر بیچ کی انگلی کے سرے پر رکھ کر حلقہ کی شکل دے دی جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ شہادت کی انگلی اٹھانے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اور حضرت امام احمد کا ایک قول بھی یہی ہے نیز حضرت امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے اور یہی طریقہ آگے آنے والی صحیح مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے جو حضرت عبداللہ ابن زبیر سے مروی ہے، اسی طرح امام احمد، ابوداؤد نے بھی حضرت واکل ابن حجر سے

نقل کیا ہے۔

فقہاء مالکیہ و دیگر ائمہ کے نزدیک تشہد کی حالت میں انگلیوں کو بند کرنے کا حکم:

حضرت امام مالک کا مسک یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی تمام انگلیاں بند کر لی جائیں اور شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے۔

بعض احادیث میں انگلیوں کو بند کئے بغیر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ بعض حنفی علماء کا مختار مسک یہی ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی مختلف رہا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو اشارہ بغیر عقد کے کرتے ہوں گے اور کبھی عقد کے ساتھ کرتے ہوں گے۔ اسی بنا پر ان مختلف احادیث کی توجید کہ جن سے یہ دونوں طریقے ثابت ہوتے ہیں یہی کی جاتی ہے۔

ماوراء النہر (یعنی بخارا و سمرقند وغیرہ) اور ہندوستان (ممکن ہے کہ صاحب مظاہر حق علامہ نواب قطب الدین کے زمانے میں عمل عقد و اشارت کے ترک کے قائل ہوں مگر اب تو سب حنفی اس کے قائل ہیں۔) کے حنفیہ نے اس عمل عقد و اشارت (یعنی داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو بند کر کے شہادت کی انگلی کو اٹھانے) کو ترک کیا ہے، گو معتدین کے ہاں یہ عمل جاری تھا مگر متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن حرمین اور عرب کے دوسرے شہروں کے علماء کے نزدیک مختار مسک عمل عقد و اشارت کرنا ہی ہے۔

علامہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جن کا شمار محققین حنفیہ میں ہوتا ہے فرمایا ہے کہ اولی تشہد (التیامات) میں شہادتین تک تو ہاتھ کھلا رکھنا چاہئے اور جلیل کے وقت انگلیوں کو بند کر لینا چاہئے نیز (شہادت کی انگلی سے) اشارہ کرنا چاہئے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ اشارہ کرنے کو منع کرنا روایت اور روایت کے خلاف ہے۔

محیط میں مذکور ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک سنت ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی اسی طرح ثابت ہے۔ علامہ نجم الدین زاہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کا متفقہ طور پر یہ قول ہے کہ عمل اشارت سنت ہے۔

لہذا جب صحابہ کرام تابعین، ائمہ دین، محدثین عظام، فقہائے امت اور علمائے کوفہ و مدینہ سب ہی کا مذہب و مسلک یہ ہے کہ التیامات میں شہادتین کے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا یعنی اشارہ و حدائیت کرنا چاہئے اور یہ کہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ احادیث اور اقوال صحابہ و ائمہ ہیں تو پھر اس پر عمل کرنا ہی اولیٰ و ارجح ہوگا۔

اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کلمہ شہادت پر پہنچے تو شافیہ کے نزدیک اللہ اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی اٹھالی جائے اور حنفیہ کے نزدیک جس وقت لا الہ الا اللہ کہے تو انگلی اٹھائے اور جب اللہ اللہ کہے تو انگلی رکھ دے۔ اس سلسلہ میں اتنی بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ انگلی سے اوپر کی جانب اشارہ نہ کیا جائے تاکہ جہت کا وہیم پیدا نہ ہو جائے۔

حدیث کے الفاظ یہ گویا (اس کے ساتھ دعا لگتے) کا مطلب یہی ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی انگلی اٹھ کر اشارہ وحدانیت کرتے جس کی طرف ترجمہ میں یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے یا پھر دعا سے مراد ذکر ہے کو دعاً بھی کہتے ہیں کیونکہ ذکر کرنے والا بھی مستحق انعام و اکرام ہوتا ہے۔

حدیث کے آخری جملے یا ایاں ہاتھ اپنے زانو پر رکھا ہوا رکھتے تھے کا مطلب یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کو زانو کے قریب یعنی ران پر رکھا ہوا قبلہ رخ رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں اتقیات پڑھنے کے لیے بیٹھے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اپنے انگوٹھے کو اپنی سچ کی انگلی پر رکھتے (یعنی اس طرح حلقہ بنا لیتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی) اپنے بائیں ہاتھ سے بایں گھٹنا پکڑ لیتے۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۸۵، مقدمہ کتب خانہ کراچی)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اتقیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اٹھاتے وقت یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ پھنگیاں اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کر لیا جائے اور انگوٹھے کے سرے کو سچ کی انگلی کے سرے پر رکھ کر حلقہ بنا لیا جائے اور شہادت کی انگلی اٹھائی جائے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اتقیات پڑھنے کے لیے بیٹھے وقت ہی اس طرح حلقہ بنا لینا چاہئے لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ حلقہ انگلی اٹھاتے وقت ہی بنانا چاہئے۔

تعدے میں بیٹھے کا طریقہ اور اس میں ائمہ کا اختلاف:

وکان یفرش رجلہ الیسر وینصب رجلہ الیمنی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے کے لیے اپنا بائیں پاؤں بچھاتے اور دائیں پاؤں کھڑا رکھتے تھے) اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں تعدوں میں اسی طرح بیٹھے تھے چنانچہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ دونوں تعدوں میں اسی طرح بیٹھنا چاہئے۔

آئندہ آنے والی حدیث جو حضرت ابو حمزہ ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تعدے میں انفرش (یعنی پاؤں بچھانا ہی اختیار کرتے تھے مگر دوسرے تعدے میں تو رک (یعنی کولہوں پر بیٹھنا) اختیار فرماتے تھے چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہی ہے کہ پہلے تعدے میں تو انفرش بنونا چاہئے اور دوسرے تعدے میں تو رک۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دونوں تعدوں میں تو رک ہی ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس نماز میں دو تہجد ہوں اس کے آخری تہجد میں تو رک ہونا چاہئے اور جس نماز میں ایک ہی تہجد



ہے اس میں انفراس ہونا چاہئے۔

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک تشہد میں بیٹھنے کی دلیل کا بیان:

بنیادی طور پر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے نہ صرف یہی حدیث بلکہ اور بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں مطلقاً پاؤں کے بچانے کا ذکر ہے۔ نیز یہ بھی وارد ہے کہ تشہد میں سنت یہی ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر پہلے اور دوسرے قعدے کی قید کے تشہد میں اسی طرح بیٹھا کرتے تھے۔ پھر دوسری چیز یہ بھی ہے کہ تشہد میں بیٹھنے کا جو طریقہ امام اعظم نے اختیار کیا ہے وہ دوسرے طریقوں کے مقابلے میں زیادہ بامشقت اور مشکل ہے اور احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ اعمال میں زیادہ افضل و اعلیٰ عمل وہی ہے جس کے کرنے میں مشقت اور مشکل ہے۔

جن احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے قعدے میں کولہوں پر بیٹھتے تھے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت ضعف اور کبرئی میں اس طرح بیٹھتے تھے کیونکہ دوسرے قعدے میں زیادہ دیر تک بیٹھنا ہوتا ہے اور کولہوں پر بیٹھنا زیادہ آسان ہے۔

عقبہ شیطان کا مطلب

عقبہ شیطان دراصل ایک خاص طریقے سے بیٹھنے کا نام ہے جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ دونوں کولہوں پر ٹیک کر دونوں پٹلیاں کھڑی کر لی جائیں پھر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھا جائے جس طرح کے کتے بیٹھا کرتے ہیں۔ قعدے میں بیٹھنے کا یہ طریقہ اختیار کرنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔ علامہ طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ عقبہ شیطان کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کولہوں پر دونوں ایڑیوں پر رکے جائیں۔ یہ معنی لفظ عقبہ کی رعایت سے زیادہ مناسب ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ عجمہ کی حالت میں زمین پر اپنے دونوں ہاتھ اس طرح بچھائے جس طرح درندے یعنی کتے وغیرہ بچھاتے ہیں اس سلسلے میں مرد کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عجمہ کے وقت عورتوں کو اس طرح ہی دونوں ہاتھ بچھانے چاہیں کیونکہ اس طرح عورت کے جسم کی نمائش نہیں ہوتی۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب بالکل صاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا اختتام سلام پر فرماتے تھے۔ مگر اتنی بات سن لیجئے کہ نہ زمین سلام پھر ناخفیہ کے نزدیک تو واجب ہے مگر حضرت شوافع کے نزدیک فرض ہے۔ نماز میں تشہد پڑھنے کا بیان:

(وَالْتَشْهُدُ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالْعَمَلَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ الْإِنِّ) وَهَذَا تَشْهُدُ عَبْدُ

اللّٰهُ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ قَالَ " (أَعَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَكِّيَّ وَعَلَمَنِي النِّسْبَةَ كَمَا كَانَ يَعْلَمُونِ سُورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ وَقَالَ: لَقَدْ التَّحِيَّاتُ إِلَيْهِ) الْخ، وَالْأَعْدُ بِهَذَا أَوَّلِي مِنَ الْأَعْدِ بِتَشْهَدِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُوَ قَوْلُهُ "التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، سَلَامٌ عَلَيْنَا " الْخ، لِأَنَّهُ فِيهِ الْأَمْرُ، وَاللّٰهُ إِلَّا مَسْجِدَاتُ، وَالْأَلْفُ وَاللَّامُ وَهَمَا لِلْمُسْتَفْرَقِ، وَزِيَادَةُ الْوَاوِ وَهِيَ لِتَجْلِيدِ الْكَلَامِ كَمَا لِي الْقَسَمِ وَتَأْكِيدِ التَّعْلِيلِ .

ترجمہ:

"اور تمام قول اور مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم پر سلام اور اللہ کی برکت و رحمتیں ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں۔"

یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والا تشہد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس طرح تشہد سکھایا جس طرح قرآنی سورہ سکھایا کرتے تھے۔ اور فرمایا: تم کہو "التَّحِيَّاتُ" اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والے تشہد سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والا تشہد افضل ہے۔ التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ، سلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته، سلام علينا "الخ" اس کی دلیل یہ ہے اس تشہد میں امر کا صیغہ بیان ہوا ہے اور امر کا کام از کم درجہ بھی احتساب ہے۔ اور الف و لام یہ دونوں استغراق کیلئے ہیں۔ اور واو کی زیادتی اس لئے کہ وہ تشہد کلام پر دلالت کرے۔ جس طرح قسم اور تعلیم کی تاکید ہوتی ہے۔

شرح:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں قرآن کی سورت کی طرح احتیاط اور اہتمام سے تشہد سکھایا کرتے تھے (سنن ابن ماجہ)

التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ .

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز میں بیٹھے تو ہم کہتے السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قِيلَ عِبَادُہ السَّلَامُ عَلَى قُلَانٍ وَقُلَانٍ (یعنی سلام ہوا اللہ پر اس کے بعدوں کی طرف سے اور سلام ہوا فلاں پر اور فلاں پر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ نہ کہو کہ سلام ہوا اللہ پر کیونکہ سلام تو اللہ ہی ہے، جب تم میں سے

کوئی نماز میں بیٹھے تو یہ کہے التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا السَّيِّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ  
سَلَامٌ غَشِيْنَا وَهِيَ عِنَادُ اللَّهِ الصَّالِحِينَ جب تم یہ کہو گے تو اس کا ثواب ہر نیک بندہ کو ملے گا خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین  
میں ہو یا اس کے درمیان میں ہو پھر یہ کہو اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ پھر جو دعا تمہیں سب  
سے زیادہ پسند ہو وہ اللہ سے کرو۔ (سنن ابوداؤد)

تشہد میں سب اٹھانے کا بیان:

حضرت ابو حمید باعدی کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آقاؐ سے تائید حاصلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ کی  
جماعت سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (کے طریقے) کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں صحابہ کی جماعت  
نے کہا کہ اچھا بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں  
ہاتھوں کو اٹھ کر کندھوں کے برابر لے جاتے اور تکبیر کہتے پھر قرات کرتے۔ اس کے بعد تکبیر کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں  
تک اٹھاتے اور رکوع میں جا کر دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنے پر رکھتے اور کمر سیدھی کر لیتے اور سر کو نہ نیچا کرتے تھے اور نہ بلند  
کرتے تھے (یعنی چیونٹہ اور سر برابر رکھتے تھے) پھر سر اٹھاتے وقت مع اللہ لمن حمد کہتے اور دونوں ہاتھ اپنے دونوں پہلوؤں  
سے الگ رکھتے تھے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو موڑ کر (ان کا رخ قبلہ کی طرف) رکھتے تھے پھر سجدے سے سر اٹھاتے اور  
بایں پاؤں موڑ کر (یعنی بچھا کر) اس پر سیدھے بیٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ پر برابر آ جاتا تھا۔ پھر تکبیر کہتے  
ہوئے (دوسرے) سجدے میں چلے جاتے اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے (سجدے سے) اٹھتے اور بایں پاؤں موڑ کر اس  
اطمینان سے بیٹھتے (یعنی جنبہ و استراحت کرتے) یہاں تک کہ بدن کا ہر عضو اپنی جگہ پر آ جاتا تھا پھر دوسری رکعت میں بھی  
(سوائے ابتدائے رکعت میں سبحان اللہ المہم اور اعوذ باللہ) پڑھنے کے اسی طرح کرتے تھے اور جب وہ دوسری رکعت پڑھنے  
(یعنی تشہد) سے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے جیسے کہ نماز کو شروع کرنے  
کے وقت تکبیر کہتے تھے پھر باقی نماز اسی طرح پڑھتے تھے اور جب وہ سجدہ (یعنی آخری رکعت کا دوسرا سجدہ) کر چکے جس کے  
بعد سام پھیرا جاتا ہے تو اپنا بایں پاؤں باہر نکالتے اور بائیں طرف کو لٹے پر بیٹھ جاتے اور پھر (تشہد وغیرہ پڑھنے کے بعد  
(سام پھیرتے تھے۔ (یہ سن کر) وہ سب صحابہ بولے کہ "بے شک تم نے سچ کہا ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز  
پڑھتے تھے (ابوداؤد و دارقطنی) ترمذی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو بالعموم نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح  
ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں جو ابو حمید سے مروی ہے۔ یہ الفاظ ہیں "پھر رکوع میں جا کر دونوں ہاتھ زانو پر اسی طرح  
رکھے جیسے انہیں مضبوطی سے پکڑا ہوا اور اپنے ہاتھوں کو (کمان کے) چلے کی طرح رکھا اور کہیں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے  
دور رکھا (گویا) کہ کہنیاں چلے کے مشابہ تھیں اور پہلو کمان کے مشابہ" اور راوی فرماتے ہیں کہ "پھر سجدے میں گئے تو اپنی

جاک اور پیشانی کو زمین پر رکھا اور ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھا اور دونوں ہاتھوں کو کندھوں کی سیدھ میں اور دونوں رانوں کو کشادہ رکھا اور اپنے پیٹ کو دونوں بازوؤں سے الگ رکھا یہاں تک کہ سجدے سے فارغ ہوئے اور پھر اس طرح بیٹھنے کے بعد پھر دو بچھایا اور داہنے پاؤں کی پشت قبیلے کی طرف کی اور داہنا ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بائیں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھ لیا اور (انشہد لا الہ الا اللہ کہتے کے وقت) اپنی انگلی یعنی سبب سے اشارہ کیا۔ (اور ایسا دعاؤں کی ایک اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھتے تو بائیں پاؤں کے ٹکڑے پر بیٹھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر لیتے تھے اور جب چوتھی رکعت پڑھ کے بیٹھتے تو بائیں کھٹے کو زمین سے ملاتے اور دونوں پاؤں کو ایک طرف نکال دیتے تھے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۷۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

"فائدہ :

انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقہ کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں) ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی خاص مصلحت و ضرورت کی بناء پر بغیر کسی ضرور و تکبر اور نقبائیت کے اظہار حقیقت کے طور پر اپنے علم کی زیادتی کا دعویٰ کرے تو جائز ہے۔

اور حضرت نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز یعنی قعدے میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور (شہادت کی) انگلی سے اشارہ (وحدانیت) فرماتے اور نظر انگلی پر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شہادت کی انگلی شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ وحدانیت کرنا شیطان پر نیزہ وغیرہ بھینکنے سے زیادہ سخت ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

مطلب یہ ہے کہ شیطان کی آرزو اور تمنا تو یہ ہے کہ ہر آدمی ضلالت و گمراہی اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جائے لیکن جب وہ ایک نماز کو بخیر پڑھتا ہے کہ وہ اس کی تمنا و آرزو کے برخلاف کفر و شرک سے اظہار بیزارگی کرتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے اللہ کی وحدانیت کا اظہار کر رہا ہے تو اس کی امیدوں پر اس پر جاتی ہے اور اس وقت اسے اتنی ہی شدید تکلیف پہنچتی ہے جتنی کہ اس کو نیزہ وغیرہ مارنے سے پہنچ سکتی ہے۔

سباب کی تحقیق :

سباب شہادت کی انگلی کو کہتے ہیں۔ "سب" کے لغوی معنی گالی کے ہیں ایام بائیت میں اہل عرب جب کسی کو گالی دیتے تھے اس انگلی کو اٹھاتے تھے اسی مناسبت سے اس انگلی کا نام اسی وقت سے سب یا راج ہو گیا پھر بعد میں اس انگلی کا اسلامی نام مسجد اور سباح ہو گیا کیونکہ تسبیح و توحید کے وقت اس انگلی کو اٹھاتے ہیں۔ بہر حال حدیث کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت اس انگلی سے اس طرح اشارہ کیا کہ قلی یعنی انہد ان لا

اہ کہتے وقت انگلی اٹھائی اور اثبات یعنی لا اللہ کہتے وقت انگلی رکھی دی۔  
سبابہ کے متعلق فقہاء احناف کی فقہی تصریحات:

علامہ علاؤ الدین کا سانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس مسئلہ میں ہمارے تینوں ائمہ کرام سے روایتیں وارد ہیں۔ جس نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں عدم روایت یا روایت عدم کا ذکر کیا محض تاواہکی یا خطائے بشری پر مبنی تھا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کسباب المشیخۃ میں اشارے کے بارے میں ایک حدیث رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کر کے فرماتے ہیں:

فنفعل ما فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونصنع ما صنعہ وهو قول ابی حنیفۃ وقولنا۔ ذکرہ العلامة الحلی فی الحلیۃ عن البدائع۔

یعنی پس ہم کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور عمل کرتے ہیں اس پر جو حضور کا فعل تھا اور وہ مذہب ہے امام ابوحنیفہ کا اور ہمارا۔ اس کو علامہ طبری نے حلیہ میں بدائع سے نقل فرمایا ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل فی سنن الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی)

ویروی عنہ رحمۃ اللہ تعالیٰ ثم قال هذا قولی وقول ابی حنیفۃ۔ اثرہ العلامة عن الذمیرۃ وشرح

الزاهدی صاحب الفنیۃ

اور انہی سے مروی ہے پھر امام محمد نے فرمایا اشارہ کرنا میرا قول ہے اور قول ابی حنیفہ رحمۃ اللہ کا۔ علامہ طبری نے ذخیرہ اور شرح الزاہدی صاحب فقیر سے اسے نقل کیا (حلیۃ المحلی شرح منہ المصلی)

وہ مذکورہ اور کبیری اور رد المحتار میں اسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے روایت کیا یہاں تک کہ شامی نے اس حاشیہ میں تصریح کی: هو منقول عن الثمتا الثلاثة۔ (یہ ہمارے تینوں ائمہ سے منقول ہے۔)

(رد المحتار، باب صغۃ الصلوٰۃ، مطبوعہ محبتانی دہلی)

اور اسکی میں ہے:

هذا ما اعتمدہ المتأخرون لثبوته عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالاحادیث اصحیحة والصحة

نقلہ عن الثمتا الثلاثة فلذا قال فی الفتوح ان الاول (یعنی عدم الاشارة) خلاف الدرایق الروایۃ، وفیه عن

الفہستانی وعن اصحابنا جمیعاً انه سنة فیخلق ابہام البینی ووسطاھما لم یفقرا اسھا براسھا ویبشر بالسبابۃ۔

اسی پر محدثین نے اعتماد کیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے اور ہمارے

تینوں ائمہ سے اس کا منقول ہوتا صحیح ہے اسی لئے فقہ میں کہا پہلا (یعنی اشارہ نہ کرنا) وروایت سے ہے کہ ہمارے تمام احناف

کے نزدیک یہ سبقت ہے لہذا انہیں ہاتھ کے انگوٹھے اور زریں انگلی کے سروں کو ملا کے حلقہ بنا کر سہاگے سے اشارہ کرے۔

(ردالمحتار باب صفة الصلوة مطبوعہ محتبائی دہلی)

کبریٰ میں ہے:

قبض الاصابع عند الاشارة الجروی عن محمد فی کیفیة الاشارة وعن كثير من المشائخ (انہ) لا یشر اصلا وهو خلاف السدیة والروایة فعن محمد ان ما ذكره فی کیفیة الاشارة هو قوله وقوله انی حیفة رحمة الله تعالى ملخصاً۔

اشارہ کے وقت انگلیاں بند کر کے، طریقہ اشارہ میں امام محمد سے یہی مروی ہے اور متعدد مشائخ کا قول ہے کہ اشارہ اصلاً نہ کیا جائے یہ روایت و روایت کے خلاف ہے۔ امام محمد سے منقول ہے کہ کیفیہ اشارہ میں کچھ ذکر کیا ہے یہ ان کا اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ (غبنیہ المستملی شرح منیہ المصلی، صفة الصلوة، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

اور اسی طرح محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا۔ بالجملہ اشارہ مذکورہ کی خوبی میں کچھ شک نہیں، احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اقوال ہمارے مجتہدین کرام کے کسی کو مفید، بعد اس کے اگر کتب متاخرین مثل تنویر الابصار و لبو الحیہ و تحفہ و خلاصہ و بزازیہ و وقعتات و عمدۃ المفتی و منیتی المفتی و تبیین کبریٰ و منضمات و ہندیہ و غیرہ عامہ فتاویٰ میں عدم اشارہ کی ترجیح صحیح منقول ہو تو قابل اعتناء نہیں ہو سکتی علماء نے ان اقوال پر التفات نہ فرمایا اور خلاف مسل و نقل ظہر لیا۔

تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنے کے بارے میں احادیث:

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنه قال: نوضع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كفہ اليمنى على فخذ اليمنى وقبض اصابعه كلها و اشار باصبعه التي تلى الابهام۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دایا ہاتھ اپنی دائیں ران اقدس پر رکھا اور سب انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کے پاس کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ اس صحیح مسلم، الصلوة،

عن وائل بن حجر رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عقد في جلوس التشهد الخنصر والبصر ثم حلق الوسطى بالابهام و اشار بالسبابة۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جلسہ تشہد میں اپنی چھوٹی انگلی اور اس کے برابر والی کو بند کیا پھر بیچ کی انگلی کو انگوٹھے کے ساتھ ملا کر حلقہ بنایا، اور انگشت شہادت سے اشارہ

فرمایا۔۔۔ اسنن ابی داؤد، الصلوٰۃ پر اسنن الکبریٰ للیمعی پر

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : بِإِشَارَةِ  
مَالِصِصَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْخَلْدِيْدِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : انگلی  
سے اشارہ کرنا شیطان پر دھاردار تھکیار سے زیادہ سخت ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال : بِنِيْ مُذْعِرَةَ لِّلشَّيْطَانِ ۔  
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : وہ شیطان  
کے دل میں خوف ڈالتے والا ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اس باب میں احادیث و آثار بکثرت وارد، ہمارے محققین کا بھی یہی مذہب صحیح و مستند علیہ ہے۔ صغیری میں ملفوظ و شرح  
ہدایہ سے انکی تصحیح نقل کی۔ اور اسی پر علامہ فہامہ محقق علی الاطلاق مولانا کمال الدین محمد بن ابیہام، علامہ ابن امیر الحاج حلبي،  
فاضل مجلس، باقانی، ملا خضر، علامہ شرمکالی، اور فاضل ابراہیم طرابلسی وغیرہم اکابر نے اعتماد فرمایا۔ اور انہیں کا صاحب ور  
محقق فاضل مدقق علاء الدین حسینی، فاضل اجل سید احمد غلاوی اور فاضل ابن عابد بن شامی وغیرہم اجلہ نے اتباع کیا۔ علامہ  
بدرد الدین عینی نے تحفہ سے اس کا انتخاب نقل فرمایا ہے۔

صاحب محیط اور ملا حسینی نے سنت کہا اس مسئلہ میں ہمارے تینوں ائمہ کرام سے روایتیں وارد جس نے امام اعظم ابو  
حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس میں عدم روایت یا روایت عدم کا زعم کیا محض ناواہمی یا خطائے بشری پر مبنی۔

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب المستحب میں اشارے کے بارے میں ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے  
روایت کر کے فرماتے ہیں۔

پس ہم کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور عمل کرتے ہیں اس پر جو حضور کا فعل تھا، اور یہ مذہب ہے  
ہمارا اور امام اعظم ابوحنیفہ کا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلوٰۃ)۔

تشہد آہستہ پڑھنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ تشہد آہستہ پڑھنا چاہیے۔ (سنن ابوداؤد)

تعدہ کے وسط نماز میں ہونے کا بیان:

(وَلَا يَزِيدُ عَلَى هَذِهِ فِي الْقَعْدَةِ الْأُولَى) (لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ الشَّهْدَةَ لِي وَسَطَ الصَّلَاةِ وَآخِرَهَا ، فَإِذَا كَانَ وَسَطَ الصَّلَاةِ نَهَضَ إِذَا كَرَعَ مِنَ الشَّهْدِ وَإِذَا كَانَ آخِرَ الصَّلَاةِ دَعَا لِنَفْسِهِ بِمَا شَاءَ . "

ترجمہ: اور وہ قعدہ اولیٰ میں اس تشہد پر زیادتی نہ کرے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نماز کے درمیان اور آخر میں یہی تشہد سکھایا۔ لہذا جب نماز درمیان میں ہوتی تو آپ تشہد پڑھتے ہی کھڑے ہو جاتے اور جب نماز آخر میں ہوتی تو آپ ﷺ اپنے لئے دعا مانگتے جو چاہتے۔

قعدہ اولیٰ میں جلدی اٹھنے سے صرف تشہد پڑھنے کا استدلال:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں (یعنی پہلے قعدے میں) تشہد کے لیے اس قدر بیٹھتے تھے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم گرم پتھر پر بیٹھتے ہیں اور (جلد ہی) کھڑے ہو جاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱۲، ص ۸۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح کوئی آدمی گرم پتھر پر زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا بلکہ جلد ہی اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قعدے میں چونکہ صرف التحیات پڑھتے تھے دیگر دعا و ردود وغیرہ نہیں پڑھتے تھے اس لیے التحیات پڑھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اس کے برعکس آخری قعدہ میں چونکہ التحیات کے ساتھ دو ردود اور دوسری دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اس لیے اس میں بیٹھنے کی مقدار پہلے قعدے میں بیٹھنے کی مقدار سے زیادہ ہوتی تھی۔

فرض کی آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھنے کا حکم:

( وَيَقْرَأُ فِي الرَّكَعَتَيْنِ الْآخِرَتَيْنِ بِقَائِمَةِ الْكِتَابِ وَخَلْعًا ) لِتَحْدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ " ( أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الْآخِرَتَيْنِ بِقَائِمَةِ الْكِتَابِ ) " وَهَذَا بَيِّنَاتُ الْأَفْضَلِ هُوَ الصَّوْحُوحِ وَلَا يُقْرَأُ الْقِرَاءَةُ الْفَرْضُ فِي الرَّكَعَتَيْنِ عَلَى مَا بَأْتِيكَ مِنْ بَعْدِ أَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ

اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے کیونکہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھی۔ اور صحیح روایت کے مطابق یہی اس کی فضیلت کا بیان ہے۔ اس لئے کہ قرأت کرنا دوسری رکعتوں میں فرض ہے۔ ان شاء اللہ اس کا بیان بعد میں آئے گا۔

شرح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت پڑھنے کے بعد اٹھتے تو الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے اور خاموش نہ رہتے تھے (صحیح مسلم) اس روایت کو حمیدی نے اپنی کتاب افراد



میں ذکر کیا ہے۔ نیز صاحب جامع الاصول نے بھی اس روایت کو مسلم سے نقل کیا ہے۔

چونکہ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ دوسری رکعت کے بعد دوسرا شفعہ شروع ہونے کے وقت شاید سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ پڑھنے کے لیے خاموشی اختیار کرتے ہوں اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی وضاحت کر دی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے بعد دوسرے شفعہ کے لیے اٹھتے تھے تو سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ نہیں پڑھتے تھے بلکہ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ شروع کر دیتے تھے۔ یہ بھی محتمل ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ جب آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تھے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ پڑھ دیتے تھے۔

تعدہ آخری میں تعدہ اولیٰ کی طرح بیٹھے کا بیان:

(وَجَلَسَ فِي الْآخِرَةِ كَمَا جَلَسَ فِي الْأُولَى) لَمَّا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ الْإِبِلِ وَعَلِيشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، وَلَا تَهَا أَهْلُ عَلَى الْبَدَنِ، فَكَانَ أَوَّلَى مِنَ التَّوَرُّكِ الَّذِي يَمِيلُ إِلَيْهِ مَا لَكَ رَحِمَةُ اللَّهِ، وَالَّذِي يَزِيدُهُ (أَنَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَعْدَةً مُعَوَّزًا) شَعْفَةَ الطَّحَاوِيِّ رَحِمَةُ اللَّهِ، أَوْ يُعْمَلُ عَلَى خَالَةِ الْكِبَرِ.

اور وہ آخری تعدہ میں اسی طرح بیٹھے جس طرح وہ پہلے تعدہ میں بیٹھا تھا۔ اسی حدیث کی دلیل کے ساتھ جو ہم نے حضرت وائل اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس میں بدن پر مشقت زیادہ ہے لہذا یہ تورک سے اولیٰ ہے۔ جسے امام مالک علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے۔ اور امام طحاوی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے جس میں یہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے تعدے میں تورک کیا۔ یا اس کو بڑھاپے پر مجبور کیا جائے گا۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (سجدے سے سر اٹھا کر اس طرح) بیٹھے (کہ) اپنا بایاں پاؤں تو بچا لیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں ران پر دائیں کبھی الگ۔ کبھی (یعنی) کبھی کو ران پر رکھتے وقت اسے پہلو سے نہیں ملایا) اور دونوں انگلیاں (یعنی) چٹکیاں اور اس کے قریب والی انگلی) بند کر کے (فتحا) استاف کے مسلک کے مطابق دو میاں والی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی اٹھائی اور میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس انگلی کو حرکت دیتے تھے اور اس سے اشارہ (توحید) کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد، دارمی)

تہجد کے وجوب کا بیان:

(وَكَشَفَتْهُ وَهُوَ رَاجِبٌ عِنْدَنَا وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَهُوَ لَيْسَ بِفَرِيضَةٍ عِنْدَنَا

خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيهِمَا لَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " (إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ ، إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْرُمَ لَقَمٌ ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ لَا تَعْدُ ) "

ترجمہ:

اور وہ تشہد پڑھے اور وہ ہمارے نزدیک واجب ہے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے۔ اور وہ ہمارے نزدیک فرض نہیں۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے ان دونوں میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے جب تو یہ کہے یا کرے تو تیری نماز مکمل ہوگئی۔ اگر تو کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا اور اگر تو بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جا۔

تشہد و درود پڑھنے کی فرضیت میں فقہ شافعی کا موقف و احناف کے دلائل:

علامہ ابن عمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک تشہد اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے۔ تشہد کی فرضیت کی دلیل ان کے نزدیک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ تشہد ہم پر فرض ہے "عَنْهُ كُنَّا نَقُولُ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْنَا الشَّهَادَةُ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : قُولُوا التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ ، بَلَى أُنْ قَالَ فِي آخِرِهِ " اور اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے "قل" کے صیغہ سے خطاب ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ امر واجب کیلئے آتا ہے۔ اور اس کو اتمام نماز کے ساتھ مطلق کیا گیا ہے لہذا تشہد پڑھنا فرض ہے۔

درود شریف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "صلوا علیہ" یہ بھی امر کا صیغہ ہے جبکہ خارج نماز میں درود شریف پڑھنا فرض نہیں ہے۔ لہذا نماز میں اس کو پڑھنا فرض ہو گیا۔

ہمارے نزدیک حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ" بے شک اس کو اتمام نماز کے ساتھ مطلق کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں دو چیزوں کو جمع کیا گیا ہے۔ یعنی یا تو اس کو پڑھ لو یا قعدہ کو تہناری نماز مکمل ہوگئی۔ لہذا ہم نے ان دونوں کو ملا کر اس طرح جمع کر دیا کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑا تو جائز نہیں۔ کیونکہ اختیار کے ثبوت کی وجہ سے دوسرا غیر مطلق ہو لہذا جب دو چیزوں میں اختیار ثابت ہوا تو ان میں سے کسی ایک کا واجب ہوا۔ اور ایسے ہی درود پاک کے عدم فرضیت کی دلیل بھی ہے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ آپ کی اس تقریر کے مطابق جو درود پاک کے بارے میں نص وارد ہے اس کی مخالفت لازم آئے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ نماز کے باہر درود پاک کے بارے میں یہ نص وارد نہیں بلکہ نص کا حکم جس میں آپ نے صیغہ امر سے استدلال کیا ہے وہ نماز اور خارج نماز دونوں کو شامل ہے۔ لہذا خارج نماز میں واجب ہے۔ اور امام کرخی علیہ الرحمہ نے کہا ہے زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہے اور امام ٹھاموی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ کا

ذکر آنے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ لہذا ہم نے امر کا لحاظ کیا کیونکہ امر واجب کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور وہ حاصل ہو چکا ہے۔ لہذا اس آیت کی دلالت نماز میں درود شریف کے وجوب پر نہیں کرتی۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا حدیث استدلال کرنا کہ امر تقاضہ وجوب کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں امر بطور تعلیم وارد ہوا ہے اور جہاں امر تعلیم کے طریقے پر ہوا وہ مفید فریضت نہیں ہوتا۔ (عتابہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۲، ص ۱۶، بیروت)

نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے کا بیان:

وَالصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ خَارِجُ الصَّلَاةِ وَاجِبَةٌ، إِنَّمَا مَرَّةٌ وَاحِدَةٌ كَمَا قَالَه  
الْكُرَيْمِيُّ، أَوْ كُنْهًا ذَكَرَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا اخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ فَكُنْهًا مَوْثُوقَةُ الْأَمْرِ، وَالْقُرْهُنُ  
الْمَرْوِيُّ فِي التَّشْهُدِ هُوَ الْقَدِيدُ.

ترجمہ

اور نماز سے باہر نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے۔ جس طرح امام کرنی علیہ الرحمہ نے کہا ہے یا جس وقت بھی آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے۔ جس طرح امام طحاوی علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے۔ جس ہم پر امر عظیم لازم کیا گیا ہے۔ اور فرض جو تشہد کے بارے میں روایت کیا گیا ہے وہ معنی تقدیری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اس کی فضیلت کا بیان

لغوی طور پر صلوٰۃ کے معنی دعا، رحمت اور استغفار کے ہیں اور درود کا مطلب ہے بندوں کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ جل شانہ کی ایسی رحمت کو طلب کرنا جو دنیا و آخرت کی بھلائی کو شامل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام یعنی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

آیت (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا) 33 - الاحزاب (56):

اے ایمان والو تم آپ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام اور رحمت بھیجو۔

علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم وجوب کے لیے ہے چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یعنی مرتبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنا جائے ہر بار درود بھیجا جائے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جس طرح پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینی فرض نہی اس طرح پوری عمر میں صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا فرض ہے۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ درود بھیجنا مستحب و سنون اور شعائر اسلام میں ہے جس پر بحد و حساب اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

حضرت قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر فرض کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر درود و سلام بھیجا جائے اور چونکہ اس سلسلے میں کوئی خاص وقت متعین نہیں کیا اس لیے واجب ہے کہ درود و سلام زیادہ سے زیادہ بھیجا جائے اور اس میں غفلت نہ برتی جائے لیکن بعض حضرات نے حضرت قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول کے مقابلے میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

التحیات میں درود پڑھنا فرض ہے یا سنت:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے التحیات میں درود پڑھنے کو فرض کہا ہے لیکن علماء نے صراحت کی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول شاذ ہے اس مسئلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے موافق کوئی عالم نہیں ہے۔

حضرت امام احمد حنبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مستند و مفتی یہ قول یہ ہے کہ کوئی آدمی اگر ایک ہی مجلس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کئی مرتبہ سنے تو اس پر صرف ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے اور ہر مرتبہ بھیجنا مستحب ہے اور التحیات میں درود پڑھنا سنت ہے۔

صلوٰۃ و سلام کے الفاظ کا استعمال غیر انبیاء کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ علماء کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ناموں سے ساتھ صلوٰۃ و سلام کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام کے الفاظ بولے اور لکھے جاتے ہیں تو اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی دوسری آدمی کے نام کے ساتھ ان الفاظ کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ان الفاظ کا استعمال صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کے لیے ان الفاظ کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے البتہ دوسرے لوگوں کے اسماء کے ساتھ غفر اللہ رحمۃ اللہ اور رضی اللہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔

علامہ طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں پر درود بھیجنا خلاف اولیٰ ہے۔ بعض حضرات نے اہرام اور مکروہ بھی کہا ہے اس مسئلے میں صحیح بات یہ ہے کہ غیر انبیاء اور ملائکہ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ابتدا اور مستحلاً مکروہ تزیینی ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے البتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ ان پر بھیجنا جائز ہے مثلاً اس طرح کہا جاسکتا ہے صلی اللہ علی محمد و آلہ و اصحابہ وسلم یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل و اولاد پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر اللہ کی رحمت و برکت ہو۔

التحیات کے بعد درود پڑھنے کا طریقہ:

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت کعب ابن عجرہ (صحابی) سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں تمہیں جو چیز بطور ہدیہ پیش نہ کروں جس کو میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! مجھے وہ پدید ضرورتاً بت فرمائیے انہوں نے فرمایا کہ ہم چند صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل بیت نبوت پر ہم درود کس طرح بھیجیں؟ اللہ نے ہمیں یہ تبتادیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہو! اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ اللہم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ اے اللہ! احمد پر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔ اے اللہ! احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر برکت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکت نازل کی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔

(صحیح البخاری صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۸۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

صحابہ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو حکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجیں تو سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا۔ کہ انتحیات میں ہم السلام علیک ایہا النبی کہا کریں۔ اب یہ بھی بتادیتے کہ درود کس طرح بھیجیں؟

صحابہ کے قول کے مطابق یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتادیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجیں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان اقدس کے ذریعے ہمیں سلام بھیجنے کی تعلیم دی۔ اے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعلیم اس لیے کہا گیا ہے کہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے جو بھی احکام بیان فرمائے ہیں وہ از خود اور اپنے ذہن و فکر سے نہیں بیان فرمائے ہیں بلکہ وہ احکام بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لسان اقدس کے ذریعہ نافذ فرمایا۔

آل کی تعریف و تعقیب:

اہل و عیال کو کہتے ہیں اس کے معنی تابعدار بھی مراد لے جاتے ہیں چنانچہ وحی آل محمد میں آل کے تعین کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اہل محمد سے مراد صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال ہیں۔ کچھ حضرات نے کہا ہے کہ آل سے مراد تابعدار مراد ہیں بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر مومن آل محمد میں سے ہے کسی نے کہا کہ ہر متقی مومن آل محمد میں شامل ہے یہ سب علماء کے اقوال ہیں لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں آل سے مراد تابعدار ہیں۔ گو بعض علماء نے آل کی تفسیر اہل بیت سے کی ہے یعنی اہل بیت کے نزدیک آل محمد سے مراد اہل بیت یعنی وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور جنہیں بنی ہاشم کہا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ اہل بیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد شامل ہیں اور چونکہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا رابطہ بھی ان سب سے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے بہت زیادہ تھا اس لیے وہ بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔

کما صلیت علی ابراہیم میں صرف حضرت ابراہیم کی تخصیص کی گئی ہے اور کسی نبی کا ذکر نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدا جدا ہیں، نیز یہ کہ اصول دین میں شریعت محمدی ان کے تابع ہے۔ اسے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر برکت نازل کر کا مطلب یہ ہے کہ رب قدوس! تو نے ہمارے سرکار و سر دار رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شرف و فضیلت عطا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بزرگی و بزرگائی دی ہے اس کو ہمیشہ اور باقی رکھ! روایت کے آخری الفاظ الا انہ مسلم الم یذکر ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلم نے جو روایت نقل کی ہے اس کے پہلے اور دوسرے دونوں ہی درود میں علی ابراہیم کے الفاظ نہیں ہیں یعنی اس کے الفاظ اس طرح ہیں کما صلیت علی آل ابراہیم اور کما بارکت علی آل ابراہیم۔

فرشتے جنہوں کے سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں؛

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے جو زمین پر سیاحت کرنے والے ہیں میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔

(سنن نسائی، دارمی، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱ ص ۸۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو روضہ اقدس سے دور رہتے ہیں اور انہیں روضہ مقدس پر حاضری کا شرف حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ ایسے لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قلیل یا کثیر تعداد میں سلام بھیجتے ہیں تو فرشتے ان کا سلام بارگاہ نبوت میں بصد عقیدت و احترام پیش کرتے ہیں۔

البتہ وہ حضرات جنہیں اللہ نے اپنے محبوب کے روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت سے نواز رکھا ہے۔ جب وہ بارگاہ نبوت میں سلام پیش کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے کے لیے فرشتوں کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کے سلام آ غرضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

اس حدیث سے چند باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات جسمانی حاصل ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں زندگی حاصل تھی اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں بھی زندگی حاصل ہے۔

دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں جو سلام بھیجنے والے کے حق میں انتہائی سعادت و خوش بختی کی بات ہے۔

سوم یہ کہ جب فرشتے کسی امتی کا سلام بارگاہ نبوت میں پیش کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سلام قبولیت کے درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ اور اگلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں نیز ایک روایت میں مذکور ہے کہ جب فرشتے سلام لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے ہیں تو سلام بھیجنے والے کا نام بھی لیتے ہیں جاسی دہم درآزوالے کا صمداً خربازگو در مجلس آں ناز میں حرفے کہ از امامی رود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

درود کے بعد مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے:

حضرت فضل ابن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) جبکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوتے تھے اچانک ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور پھر یہ دعا مانگی۔ اللھم اغفر لی ورحمنی اسے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے نماز پڑھنے والے تم نے (دعا کی ترکیب ترک کر کے) جلدی کی اور پھر فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو (نماز کے بعد دعا کے لیے) بیٹھو اور اللہ کی تعریف کہ جس تعریف کے وہ لائق ہے بیان کرو اور مجھ پر درود بھیجو، پھر (تم جو چاہو اللہ سے مانگو) گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعا کے یہ آداب و طریقے سکھائے) حضرت فضل فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے آدمی نے نماز پڑھی (آخر میں) اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی بیان کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا (مگر اس نے دعائیں مانگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اسے نماز پڑھنے والے، دعا بھی مانگو قبول کی جائے گی۔

(جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۸۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

نماز میں دعا مانگنے کا بیان:

قَالَ ( وَدَعَا بِمَا شَاءَ مِمَّا يُشْبِهُ الْقَاطِ الْفَرَّانَ وَالْأَذْعِيَّةَ الْمَأْتُورَةَ ) لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ ( ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ثُمَّ اخْتَرَمِنَ الدُّعَاءَ أَطْيَبُهُ وَأَعْجَبُهُ إِلَيْكَ ) وَيَتَبَدَأُ بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَكُونَ أَقْرَبَ إِلَى الْإِبْرَاهِيمَةِ

( وَلَا يَدْعُو بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَ النَّاسِ ) فَحَرَّزُوا عَنِ الْقَسَادِ ، وَلِهَذَا يَأْتِي بِالْمَأْتُورِ الْمَحْفُوظِ ، وَمَا لَا يَسْتَحِيلُ سَوَالُهُ مِنَ الْعِبَادِ كَقَوْلِهِ اللَّهُمَّ رَوْحِي فَلَوْلَا يُشْبِهُ كَلَامَهُمْ وَمَا يَسْتَحِيلُ كَقَوْلِهِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي لَيْسَ مِنْ كَلَامِهِمْ ، وَقَوْلُهُ اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي مِنْ قَبِيلِ الْأَوَّلِ هُوَ الصَّوْحُوحُ لَا سَتَعْمَلُهَا فِيمَا بَيْنَ الْعِبَادِ ، يُقَالُ رَزَقَ الْأَمِيرَ الْحَيْشَ .

ترجمہ

فرمایا: اور وہ دعا مانگے جو الفاظ قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے مشابہ ہو۔ اسی حدیث کی وجہ سے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کر چکے ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: پھر تم دعا کو اختیار کرو جو تمہیں زیادہ پاکیزہ و پسندیدہ ہو۔ اور وہ نبی کریم ﷺ پر درود کے ساتھ شروع کرے تاکہ وہ مقام قبولیت کے قریب ہو۔

اور وہ ایسی دعا نہ کرے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو۔ تاکہ فساد سے بچے۔ لہذا وہ محفوظ ماثورہ دعا میں پڑھے۔ اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کا بندوں سے مانگنا محال نہ ہو۔ جیسے اس کا قول ”اللَّهُمَّ زَوِّجْنِي فَلَانَةَ“ ”لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے اور جس چیز کا مانگنا محال ہو جیسے ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي“ ”یہ لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں۔ اور نماز کا یہ قول ”قَوْلُهُ اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي“ پہلی قسم سے ہے۔ کیونکہ اس کا استعمال لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے ”امیر نے لشکر کو رزق دیا ہے۔“

شرح:

آخری قاعدے میں التحیات اور درود کے بعد دعا مانگنا سنت ہے، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نمازی التحیات اور درود پڑھنے کے بعد اپنی خواہش و پسند کے مطابق دعا مانگے لیکن دعا عام لوگوں کے کلام کے مشابہ نہ ہو جیسے کہ کوئی دعا مانگنے لگے یا اللہ اچھے روٹی دے مجھے پکڑا دے وغیرہ وغیرہ اس قسم کی دعا مانگنی ذرا مناسب نہیں ہے۔

ابھی باب الشہد میں بھی آپ نے وہ حدیث پڑھی! جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں بھی یہی الفاظ منقول ہیں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ پھر ان دعاؤں کو اختیار کرو جو تمہیں پسند ہوں۔ اور چونکہ تشہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص دعائیں منقول ہیں کہ آپ تشہد میں وہ دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ لہذا پسندیدہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی منقول دعائیں ہو سکتی ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ تشہد میں انہیں دعاؤں کو پڑھنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں زیادہ اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ وہ دعائیں دنیا اور آخرت دونوں کے منافع و کامیابی ہیں۔

نماز میں سلام پھیرنے اور اس میں نیت کا بیان:

(بِمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ فَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَعَنْ يَسَارِهِ مِنْ ذَلِكَ) لِصَا زَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ (”أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ خَلْدِهِ الْأَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ خَلْدِهِ الْأَيْسَرِ“)

(”وَيَنْتَوِي بِالنَّسْلِيمَةِ الْأُولَى مِنْ عَنْ يَمِينِهِ مِنَ الرُّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْحَقِيقَةِ وَكَذَلِكَ فِي الثَّانِيَةِ لِأَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّاتِ، وَلَا يَنْتَوِي النِّسَاءُ فِي زَمَانِنَا وَلَا مَنَ لَا شَرِيكَ لَهُ فِي صَلَاتِهِ، هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْمُعْطَابَ حَقَّ الْحَاظِرِينَ -“)



ترجمہ:

بچر وہ اپنی دائیں طرف سلام پھیرے۔ پس وہ کہے ”السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ“ اور اسی طرح اپنی بائیں جانب کرے۔ اسی روایت کی وجہ سے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ دائیں طرف سلام پھیرتے تھے کہ آپ ﷺ کے دائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی اور بائیں جانب بائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور وہ پہلے سلام میں اپنی دائیں طرف والے سروں، غورتوں اور فشتوں کی نیت کرے۔ اور ایسے ہی دوسرے سلام میں کرے۔ کیونکہ اعمال کے ثواب کا دار و مدار غیبتوں پر ہوتا ہے۔ اور ہمارے زمانے میں وہ غورتوں کی نیت نہ کرے اور نہ ہی اس شخص کی نیت جو نماز میں شریک نہیں ہے۔ یہی صحیح روایت ہے۔ کیونکہ خطاب حاضر ہونے والوں کا حصہ ہے۔ سلام پھیرنے میں نیت کا بیان:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں اور بائیں سلام پھیرتے تھے کہ گالوں کی سفیدی دکھائی دیتی (فرماتے)۔ (سنن ابن ماجہ) السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۸۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بائیں اور دائیں طرف سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار کی سفیدی نظر آتی تھی (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ سلام پھیرتے تھے) السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ الفاظ سفیان کی بیان کردہ حدیث کے ہیں اور اسرائیل نے اپنی حدیث میں اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو زہیر نے ابو اسحاق سے اور یحییٰ بن آدم نے بواسطہ اسرائیل ابواسحاق سے یوں روایت کیا ہے عن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیہ وعلمیہ عن عبد اللہ ابوداؤد کہتے ہیں کہ شعب ابواسحاق کی اس حدیث کے مرفوع ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت وائس بن جمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں طرف سلام پھیرتے تو کہتے السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ اور بائیں طرف سلام پھیرتے تو کہتے السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت عامر ابن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (تلمیذ) اپنے والد مکرم (حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت سعد نے) فرمایا کہ میں دیکھتا تھا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں اور بائیں (اس طرح) سلام پھیرتے تھے کہ میں آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھ لیتا تھا۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے وقت اپنا چہرہ مبارک اتنا پھیرتے تھے کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کا منور رخسار نظر آنے لگتا تھا۔

قربان جاییے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس سعادت پر کہ ان کو نماز میں رحمت عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلوئے مبارک نصیب ہوتا تھا۔

کاش کے اندر نماز میں جاشود پہلوئے تو  
تا یہ تقریب سلام اقتدر برروئے تو  
نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے:

حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے تو ہماری طرف اپنا مبارک منہ متوجہ کر کے بیٹھے تھے۔ (صحیح البخاری، ج ۱ ص ۷۱، البدیع کی کتاب خانہ کراچی)  
مطلب یہ ہے کہ جب جماعت ختم ہو جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو لیتے تھے تو اپنا روئے القدس مقتدیوں کی طرف متوجہ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد (کبھی) اپنی دائیں طرف پھر کر بیٹھے تھے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی آدمی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے (یعنی) اس چیز کو لازم جانے کہ (نماز کے بعد) دائیں جانب ہی سے پھرے، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بائیں جانب سے پھر ا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد کبھی تو دائیں جانب سے پھرتے تھے اور بائیں طرف بیٹھتے تھے، اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر کر دعا مانگتے اور اپنے حجرہ شریف کی جانب (جو بائیں طرف تھا) تشریف لے جاتے تو کبھی اس کے برعکس کرتے تھے بائیں طرف سے پھر کر دائیں طرف بیٹھ جاتے تھے۔

پہلے طریق کو عزیمت یعنی اولیت پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ اس میں دائیں طرف سے ابتداء ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اکثر اس طرح ہوتا ہے، لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یعنی بائیں طرف سے پھرنا اگرچہ رخصت یعنی جائز ہے اور اس صورت کو کم ہی اختیار بھی کیا جاتا تھا لیکن سنت کو واجب کا درجہ دینا چونکہ ٹھیک نہیں ہے اس لیے صرف پہلی صورت یعنی دائیں طرف سے پھرنے کو لازم و واجب قرار نہ دیا جائے اور شارع کی جانب سے دی گئی رخصت (یعنی اجازت) کو کہ وہ دوسری صورت سے ناقابل اختیار نہ جانا جائے اس لیے کہ حدیث شریف میں وارد ہے حق تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی جانب سے عنایت کی گئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عربیوں پر

محل کرنے کو پسند کرتا ہے۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ چیز پسندیدہ اور محبوب ہے کہ اس محل کو اختیار کیا جائے جس میں عزیمت یقیناً ہے، اسی طرح اس کے نزدیک یہ چیز بھی قابل قبول اور پسندیدہ ہے کہ ان اعمال کو بھی اختیار کیا جائے جن کو حق تعالیٰ نے انہی و افضل نہ سمجھی بہر حال جائز مقرر کر رکھا ہے۔

حضرات شوافع نے ان احادیث سے مصلیٰ کے لیے یہ درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ اپنی ضرورت و سبوت جس طرف دیکھے، اسی طرف پھرے یعنی اگر اس کا مکان وغیرہ اس کے دائیں جانب ہے تو اسے دائیں طرف پھرنا چاہیے اور اگر بائیں طرف ہو تو اسے بائیں طرف پھرنا چاہیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے کہ رحمت و لمصلی اللہ علیہ وسلم کبھی مقتدیوں کی طرف بھی منہ کر کے اور پشت قبلہ کی طرف کر کے بیٹھتے تھے جیسا کہ اوپر والی حدیث میں گذرا۔

نماز میں شیطان کا حصہ اس لیے کہا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی ایک غیر لازم چیز کو اپنے اوپر واجب و لازم ہونے کا عقد کرے گا تو گویا وہ شیطان کا تابع ہو اللہ اس کی نماز کا کمال جاتا رہے گا۔

علامہ طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس آدمی نے کسی مرتسب کو مستغفر طریقہ سے اختیار کرتے رکھا اور اسے لازم کا درجہ دے دیا اور رخصت (یعنی جواز) پر عمل نہ کیا تو سمجھو کہ شیطان اسے گمراہ کرنے کے لیے اس کے پاس پہنچ گیا ہے۔

نماز کے سلام میں مقتدی و مفرد کی نیت کا بیان:

(وَلَا يَسْتَفْتِي مِنْ رِيَّةِ إِمَامِهِ، فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ مِنَ الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ أَوْ الْأَيْسَرِ نَوَّاهُ لِيهِمْ) وَإِنْ كَانَ بِجِذَائِهِ نَوَّاهُ فِي الْأَوَّلَى حَيْثُ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَرْجِيحًا لِلْجَانِبِ الْأَيْمَنِ، وَعَنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ رَوَاهُ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ نَوَّاهُ لِيهِمَا لِأَنَّهُ دُوَّ حَظٍّ مِنَ الْجَانِبَيْنِ

(وَالْمُسْتَفْتِي يَتَوَرَّى الْحَفَظَةَ لَا غَيْرَ) لِأَنَّهُ لَيْسَ مَعَهُ سِوَاهُمُ (وَالْإِمَامُ يَتَوَرَّى بِالتَّسْلِيمَتَيْنِ) هُوَ الصَّحِيحُ، وَلَا يَتَوَرَّى فِي الْمَلَاحِكَةِ عِنْدًا مَحْضُورًا لِأَنَّ الْأَخْبَارَ فِي عَدْوِهِمْ قَدْ اخْتَلَفَتْ فَأُشْبِهَ الْإِيمَانَ بِالْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، ثُمَّ إِنْ صَابَهُ لَفِظُ السَّلَامِ وَاجِبَةٌ عِنْدَنَا وَلَيْسَتْ بِفَرْضٍ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ. هُوَ يَتَمَسَّكُ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ). "

وَلَسْنَا مَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَبَنِي اللَّهِ عَنْهُ، وَالتَّخْيِيرُ يُتَالَى الْقَرِيبَةُ وَالْوُجُوبُ، إِلَّا أَنَّا بَنَيْنَا الْوُجُوبَ بِمَا رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَبِحَبْلِهِ لَا تَقْبَلُ الْقَرِيبَةُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ

اور مقتدی کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کی نیت کرے۔ لہذا اگر وہ امام کی دائیں یا بائیں طرف ہو تو وہ انہیں میں نیت کرے۔ اور امام مقتدی کے سامنے ہو تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک دائیں جانب کو ترجیح دیتے ہوئے وہ پیسے سلام میں نیت کرے۔ جبکہ طرفین کے نزدیک وہ دونوں سلاموں میں امام کی نیت کرے۔ کیونکہ امام دونوں اطراف سے حصہ لینے والا ہے۔

اور مغزو صرف فرشتوں کی نیت کرنے کا کیونکہ ان کے سوا اس کے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ اور صحیح روایت کے مطابق امام دونوں سلاموں میں نیت کرے گا۔ اور فرشتوں کی نیت کرنے میں عدد کا حصہ نہ کرے۔ کیونکہ فرشتوں کی تعداد میں اخبار و احادیث مختلف ہیں۔ لہذا یہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کے مشابہ ہو گیا۔ ہمارے نزدیک لفظ ”السلام“ ادا کرنا واجب ہے۔ فرض نہیں ہے۔ جبکہ اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ”تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ“

جبکہ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دلی حدیث ہے۔ کیونکہ اختیار دینا یہ فرضیت و وجوب کے منافی ہے لیکن امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کی بناء پر بطور احتیاط وجوب ثابت کیا ہے۔ لہذا اس طرح کی حدیث سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

نماز میں سلام، نیت اور بھلائی کے احکام:

حضرت سرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں، ہم آپس میں محبت رکھیں اور ایک دوسرے کو سلام کریں۔ (ابوداؤد)

پہلے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی جب سلام پھیریں تو اس وقت وہ یہ نیت کریں کہ ہم امام کے سلام کا جواب دے رہے ہیں، اس کی شکل یہ ہوگی جو مقتدی امام کے دائیں جانب ہوں وہ تو دوسرے سلام میں، جو مقتدی بائیں جانب ہوں وہ پہلے سلام میں اور جو مقتدی امام کے مقابل ہوں وہ دونوں سلام میں امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب امام سلام پھیرے تو وہ بھی اس وقت یہ نیت کرے کہ میں مقتدیوں کو سلام کر رہا ہوں۔

دوسرے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آپس میں یعنی نمازیوں اور اللہ کے تمام بندوں سے محبت کریں، ان کے ساتھ خوش خلقی، مروت اور اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔

تیسرے حکم کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امام سلام پھیرتے وقت مقتدیوں پر سلام کی اور مقتدی سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کرتے ہیں اسی طرح تمام مقتدی نماز میں سلام پھیرتے وقت آپس میں ایک دوسرے کے سلام کی نیت کریں۔ اس طرح کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت دائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت کریں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہیے۔ اور ہر نمازی کو چاہئے کہ وہ دونوں سلام میں ملائکہ کی بھی نیت کرے کیونکہ احادیث میں اس کا حکم بھی دیا گیا ہے اور علمائے احناف نے تو کہا ہے کہ یہ سنت ہے گو دوسرے حضرات نے اسے ترک کیا ہے۔

نماز کے اختتام پر بلند آواز سے ذکر کرتا:

امام بخاری و مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ختم ہونے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ اکبر کہنے سے پہچان لیتا تھا۔  
(صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۶۰، قدیمی کتب خانہ کراچی و صحیح مسلم)

نماز کے اختتام پر اللہ اکبر کہنے کی مراد کے تعین میں شارحین کے مختلف اقوال ہیں، چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں جگیر یعنی اللہ اکبر کہنے سے مراد ذکر ہے جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں فرض نماز سے فراغت کے وقت لوگوں کے لیے ہاواز بلند ذکر مقرر تھا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز کے اختتام کو اسی کے ذریعہ پہچانتا تھا (یعنی جب لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے تو میں جان لیتا تھا کہ نماز ہو چکی ہے)۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد محمد بن اسماعیل البخاری نے پھر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو نقل کیا ہے جو یہاں ذکر کی گئی ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ جگیر سے مراد مطلق ذکر ہے۔

لیکن اتنی بات بھی سمجھنے چلے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ذکر بالجبر کو تعلیم امت پر محمول کیا ہے چنانچہ بیہقی وغیرہ نے آہستہ آواز سے ذکر کرنے پر صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ وہ جلیل و جگیر بلند آواز سے نہ کریں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہم سے اور عاقب کو نہیں پکارو، وہ (یعنی خدا) تو تمہارے ساتھ ہے اور قریب ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں تکبیر سے مراد وہ تکبیر ہے جو نماز کے بعد تسبیح و تحمید کے ساتھ دس مرتبہ یا تیس مرتبہ پڑھتے ہیں۔ کچھ محققین کی رائے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کے بعد ایک بار یا تین بار تکبیر کی جاتی تھی۔

بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا تعلق ایام مہنی سے ہے کہ وہاں تشریق کی تکبیرات کہتے تھے، بہر حال۔ ان تمام اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے بھی سب سے بڑا اشکال حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول پر یہ وارد ہوتا ہے کہ یہ کیا وجہ ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلام سے تو نماز کے اختتام کو نہ جانتے تھے اور تکبیر سے جانتے تھے کہ نماز ہو چکی ہے۔؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت صغیر الحسن تھے اس لیے ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ جماعت میں شریک نہ ہوتے ہوں گے، یا پھر یہ احتمال ہے کہ وہ جماعت میں شریک تو ہوتے ہوں گے لیکن کچھلی صف میں کھڑے ہوتے ہوں گے اس لیے وہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہ پہنچنے کے سبب وہ سلام پر نماز کے اختتام کو نہ پہچانتے ہوں گے بلکہ جب مقتدی یا آواز بلند تکبیر کہتے ہوں گے تو وہ یہ جان لیتے ہوں گے کہ نماز ختم ہو گئی ہے۔

اس حدیث میں فرض نماز کے بعد ذکر کرنے کا بیان ہوا ہے ہم نے صحیح بخاری کی اس روایت کو اس لئے پیش کیا ہے کہ نام نہاد اسلام کی تبلیغ کرنے والے اور بخاری کا صرف نام استعمال کر کے لوگوں کو اپنی ذاتی خواہشات کی طرف درغلانے والوں کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اور بغیر علم کے فرض نمازوں کے بعد والے ذکر کو بدعت کہہ دیجئے ہیں۔

## فصل فی الترات

## ﴿یہ فصل نماز میں قرأت کے بیان میں ہے﴾

فصل قرأت کی ماقبل فصل سے مطابقت:

علامہ بدرالدین یعنی مفتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ فصل نماز میں قرأت کے احکام کے بیان میں ہے۔ بے شک احکام قرأت کو علیحدہ اس لئے بیان کیا ہے تاکہ احکام نماز میں زیادہ اضافہ نہ ہو۔ اور یہ بھی وجہ ہے کہ قرأت کے احکام اتنے زیادہ ہیں جو اس کے سوا میں نہیں ہیں۔ اور اس کے احکام میں جو وری حکم ہے۔ حکم جہری صفات کی طرف لوٹنے والا ہے جبکہ حکم سری ذات کی طرف لوٹنے والا ہے۔ لہذا مناسب تھا کہ ذات کو صفات پر مقدم کیا جاتا جبکہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ جہر ادائے کامل کے ساتھ متعلق ہے اور سری قرأت کامل و ناقص دونوں پر مشتمل ہے۔ اور ادائے کامل کا تعلق چونکہ اصل ہے لہذا اس کو مقدم کر دیا۔ (الہدایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۳۳۸، حقانیہ لبنان)

نماز میں قرأت کے بارے میں فقہی مذاہب کا بیان:

نماز میں قرأت یعنی قرآن کریم پڑھنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر فرض ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی رکعتوں میں پڑھنا فرض ہے؟ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک پوری نماز میں قرأت فرض ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں لاکھ حکم الکحل (اکثر کل کے حکم میں ہے) کے کلیہ کے مطابق تین رکعت میں فرض ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے مطابق دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک قول مشہور ہے کہ مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے موافق ہے۔ حضرت حسن بصری اور حضرت زفر جہا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قرأت فرض ہے۔

جہری نمازوں میں قرأت کے حکم کا بیان:

قَالَ (وَيَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْقَعْرِ وَفِي الرُّكُوعَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ مِنَ الْمُغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِنْ كَانَ إِيمَانًا) وَيُخْفِي فِي الْأُخْرَيْنِ هَذَا هُوَ الْمَأْثُورُ الْمُتَوَلَّوْثُ (وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَهُوَ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ جَهْرًا وَأَسَمَعَ نَفْسَهُ) لِأَنَّهُ إِمَامٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ (وَإِنْ شَاءَ خَافَتْ) لِأَنَّهُ لَيْسَ خَلْفَهُ مَنْ يَسْمَعُهُ، وَالْأَفْضَلُ هُوَ الْجَهْرُ لِيَكُونَ الْإِدَاءُ عَلَى مِثْلِ الْجَمَاعَةِ (وَيُخْفِيهَا الْإِمَامُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنْ كَانَ بِعَرَفَةٍ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (صَلَاةُ النَّهَارِ عَجْمَاءُ) " أَيْ لَيْسَتْ فِيهَا قِرَاءَةٌ مَسْمُوعَةٌ، وَفِي عَرَفَةٍ خِلَافٌ مَا لِلَّهِ رَحِمَةُ اللَّهِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ.

ترجمہ:

اور اگر وہ امام ہے تو فجر کی نماز میں اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جہری قرات کرے۔ اور دوسری نمازوں میں اخفاء کرے۔ یہی درامثنا ناظر ہے۔ اور نماز پڑھنے والا اکیلا ہو تو اسے اختیار خواہ وہ جہر پڑھے اور اپنے آپ کو سناے کیونکہ وہ اپنے حق میں امام بھی ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو آہستہ پڑھے کیونکہ اس کے پیچھے کوئی نہیں جس کو وہ سناے۔ جبکہ افضل یہی ہے کہ وہ جہر کرے تاکہ جماعت کی صورت پر نماز ادا ہو۔

اور وہ ظہر و عصر میں آہستہ قرات کرے۔ خواہ وہ عرفہ میں ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دن کی نماز گونگی ہے۔ یعنی وہ ایسی نماز ہے جس میں قرات نہیں سنی جاتی۔ اور مقام عرفہ میں امام مالک علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ کے خلاف وہی دلیل ہے جسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔

جہری دوسری نمازوں میں جہر و اخفاء کی وجہ:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ احکام ہیں بندے کو حکم ماننا چاہیے حکمت کی تلاش ضرور نہیں۔ اس کے دو سبب بتائے جاتے ہیں ایک ظاہری کہ کفار قرآن عظیم سن کر بیہودہ بنا کرتے تھے ظہر و عصر دونوں ان کی بیداری کے تھے اس لئے ان میں قرات خفی کوئی کہ وہ سن کر کچھ کہیں نہیں، فجر و عشاء کے وقت وہ سوئے ہوتے تھے اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول، لہذا ان میں قرات بالجہر ہوئی، مگر یہ سب چنداں قوی نہیں۔ دوسرا سبب صحیح و قوی باطنی وہ ہے جو ہم نے اپنے رسالہ اخبار الانوار میں ذکر کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۶، مسئلہ نمبر ۵۲۵، ردضا فاؤنڈیشن لاہور)

قرات کے متعلق اہم مسائل:

مسئلہ: سورۃ فاتحہ پوری پڑھنا یعنی اس کے ساتوں آیتیں مستقل پڑھنا واجب ہے۔ سورۃ فاتحہ میں سے ایک ایک آیت بلکہ ایک لفظ کا ترک کرنا ترک واجب ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: سورۃ فاتحہ پڑھنے میں اگر ایک لفظ بھی بھولے سے رہ جائے تو تجدید ہو کرے۔ (درمختار)

مسئلہ: الحمد للہ (سورۃ فاتحہ) کے ساتھ سورت ملا نا واجب ہے۔ یعنی ایک چھوٹی سورت یا تین چھوٹی آیت یا ایک بڑی آیت تین چھوٹی آیت کے برابر (بہار شریعت، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: الحمد للہ شریف تمام و کمال پڑھنا واجب ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسری سورت سے ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں الحمد کے ساتھ سورت ملا نا واجب ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: وتر، سنت اور نفل نماز کی ہر رکعت میں الحمد کے ساتھ سورت ملا نا واجب ہے۔ (بہار شریعت)



مسئلہ: اگر کوئی شخص سورۃ فاتحہ کے بعد سورت طہ یا بھول گیا یا سورۃ فاتحہ پڑھنا بھول گیا اور بغیر سورۃ فاتحہ سورت پڑھی تو عجبہ کہہ کر نئے سے نماز پوچھ جائے گی۔ (فقہی رضویہ)

مسئلہ: الحمد للہ (سورۃ فاتحہ) کو سورت سے پہلے پڑھنا واجب ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: الحمد شریف صرف ایک ہی مرتبہ پڑھنا واجب ہے۔ زیادہ مرتبہ پڑھنا ترک واجب ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: الحمد اور سورت کے درمیان فصل (وقف) نہ ہو یعنی الحمد کے بعد فوراً سورت کا پڑھنا اور دونوں کے درمیان کسی ایسی کا فاصلہ نہ ہونا واجب ہے۔ آئین سورۃ فاتحہ کے پہلے پڑھنا سورت کے تابع ہونے کی وجہ سے فاسل نہیں۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: سورت پہلے پڑھی اور الحمد بعد میں پڑھی یا الحمد شریف اور سورت کے درمیان دوسری کوئی چیز مرتبہ بسم اللہ کہنے کی قدر چھوڑا تو عجبہ کہہ کر واجب ہے۔ (در مختار)

مسئلہ: سورتوں کے شروع میں بسم اللہ واجب اور آخر میں ایک ہی آیت ہے مگر صرف اس کے پڑھنے سے فرض ادا نہ ہوگا۔ (در مختار)

مسئلہ: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے، زنی یعنی مقتدی و نماز میں قرات پڑھنا جائز نہیں۔ نہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کی کوئی دوسری آیت پڑھے۔ یہاں تک کہ حکم و مد میں نہ مغرب، منہ کی تہہ کی نہ چھٹی رکعت میں کہ جب امام آہستہ قرات پڑھتا ہے ان تمام رکعتوں میں اور جبر یعنی بلند آواز سے پڑھی جاتے وقتی، یعنی میں بھی مقتدی کو قرات پڑھنا جائز نہیں۔ امام کی قرات مقتدی کے لئے کافی ہے۔ (فقہی رضویہ)

مسئلہ: نماز میں تہود و تسبیح قرات کے تابع ہیں اور مقتدی پڑھتا ہے یا تسبیح یا تسبیح کی مقتدی نے لئے مسنون نہیں۔ لیکن جس مقتدی کی کوئی رکعت پائی رہی ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب دوا پڑھتی باقی نعت پڑھے اس وقت ان دونوں کو پڑھے۔ (در مختار)

مسئلہ: امام نے جہری نماز میں قرات شروع کر دی ہو تو مقتدی ٹانہ پڑھے بلکہ خاموش رہ کر قرات پڑھنے کیوں کہ قرات کا سننا فرض ہے۔ (فقہی رضویہ)

مسئلہ: قرات غلامی، بوجھ اور جہری ہو، ہم اللہ پر حال میں آہستہ پڑھی جائے گی۔ (در مختار فقہی رضویہ)

مسئلہ: اگر سورۃ فاتحہ بعد کسی سورت و اوّل سے شروع کرے تو سورۃ فاتحہ کے بعد بھی سورت پڑھنے وقت بسم اللہ پڑھنا مستحسن ہے۔ (در مختار)

مسئلہ: تہود پہلی رکعت میں ہے اور تسبیح برکت کے شروع میں مسنون ہے۔ (رد المحتار)

مسئلہ: مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اور فجر، جمعہ و عیدین، تراویح اور رمضان کی وتر کی سب رکعتوں میں امام پر جہر یعنی بلند آواز سے قرات پڑھنا واجب ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: مغرب کی تیسری رکعت، عشاء کی آخری دو رکعت اور ظہر و عصر کی تمام رکعتوں میں امام کو آہستہ قرات پڑھنا واجب ہے۔ (درمختار، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: جہر کے یہ معنی ہیں کہ دوسرے لوگ یعنی کم از کم وہ لوگ جو پہلی صف میں ہیں وہ سن سکیں یہ ادنیٰ درجہ قرات کرنے کا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں اور آہستہ قرات کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خود سن سکے۔ (عامد کتب)

مسئلہ: اس طرح پڑھنا کہ فقط ایک دو آدھی جہر امام کے قریب ہیں وہی سن سکیں تو اس طرح پڑھنا جہر نہیں بلکہ آہستہ ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: ضرورت سے زیادہ اس قدر بلند آواز سے پڑھنا کہ اپنے یا دوسروں کے لئے باعث تکلیف ہو کر رہے۔ (رد المحتار)

مسئلہ: نماز میں آئین بلند آواز سے کہنا مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: رات میں جماعت سے نفل پڑھنے میں امام پر جہر سے قرات پڑھنا واجب ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: دن میں نوافل پڑھنے میں آہستہ پڑھنا واجب ہے اور رات کے نوافل اگر تنہا پڑھتا ہے تو اختیار ہے۔ چاہئے آہستہ پڑھے یا بلند آواز سے (جہر) پڑھے۔ (درمختار)

مسئلہ: منفرد یعنی اکیلے نماز پڑھنے والے کو جہر نماز (فجر، مغرب، عشاء) میں اختیار ہے۔ چاہے تو آہستہ قرات پڑھے اور چاہے تو بلند آواز سے پڑھے لیکن افضل یہ ہے کہ بلند آواز (جہر) سے پڑھے جبکہ ادا پڑھتا ہو اور اگر قضا پڑھتا ہو تو آہستہ قرات پڑھنا واجب ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت کی قرات دوسری رکعت کی قرات سے قدرے زیادہ ہو۔ یہی حکم جمعہ و عیدین کی نماز میں بھی ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: دوسری رکعت کی قرات پہلی رکعت کی قرات سے طویل کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ جب کہ فرق صاف طور پر ظاہر اور معلوم ہو۔ (درمختار، رد المحتار، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: امام کے لئے ضروری ہے کہ بیمار، ضعیف، بوڑھے اور کام پر جانے والے ضرورت مند مقتدیوں کا لحاظ کرتے ہوئے طویل قرات نہ کرے کہ ان کو تکلیف پہنچے بلکہ قرات میں اختصار کرے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ سنن اور نوافل کی دونوں رکعتوں میں برابر کی سورتیں پڑھے۔ (مدنیہ اہلسنی)

مسئلہ: فرض نماز میں ٹھہر ٹھہر کر قرات کرنا چاہئے اور تراویح میں متوسط (درمیانی) انداز میں اور نوافل میں جلد پڑھنے کی

اجازت ہے مگر جلدی میں بھی اس طرح پڑھنا چاہئے کہ کچھ میں آ سکے یعنی کم از کم دو رکعت اور دو رکعتوں نے رکھا ہے اسکو ادا کرے ورنہ حرام ہے کیونکہ قرآن مجید کو تریل سے پڑھنے کا حکم ہے۔ (در مختار، رد المحتار)

مسئلہ: آج کل رمضان میں اکثر حفاظ تراویح میں قرآن مجید اس طرح جلدی جلدی پڑھتے ہیں کہ مد کا ادا ہوتا تو بڑی بات ہے یعلمون، تعلمون کے سوا کسی لفظ کی شناخت نہیں ہوتی۔ حروف کی تصحیح نہیں ہوتی بلکہ جلدی جلدی میں لفظ کا لفظ لکھا جاتے ہیں (غائب کر دیتے ہیں) اور اس طرح غلط پڑھنے پر فخر کیا جاتا ہے کہ فلاں حافظ اس قدر جلد پڑھتا ہے۔ حالانکہ اس طرح قرآن مجید پڑھنا حرام اور سخت حرام ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: قرآن مجید الٹا پڑھنا یعنی پہلی رکعت میں بعد والی سورت پڑھنا اور دوسری رکعت میں اس کے اوپر والی سورت پڑھنا سخت گناہ ہے۔ مثلاً پہلی رکعت میں سورہ الکافرون (قل یا ایہا الکافرون) اور دوسری میں سورہ نمل (السم تر کیف) پڑھنا۔ (در مختار)

مسئلہ: الٹا قرآن شریف پڑھنے کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو قرآن الٹ کر پڑھتا ہے وہ کیا خوف نہیں کرتا کہ اللہ اس کا دل الٹ دے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: اگر بھول کر خلاف ترتیب (الٹا) پڑھا تو نہ گناہ ہے اور نہ جحدہ سمجھو ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: اگر امام نے بھول کر پہلی رکعت میں سورہ الناس اور دوسری میں سورہ الفلق پڑھی تو بھول کر ایسا کرنے سے نماز میں حرج نہیں اور جحدہ سمجھو کی بھی ضرورت نہیں اور اگر قصد ایسا کیا تو گنہگار ہوگا لیکن نماز ہو جائے گی۔ جحدہ کھواب بھی نہیں چاہئے۔ توبہ کرے اور آئندہ ایسا کرنے سے اجتناب کرے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: پہلی رکعت میں بڑی سورت پڑھنا اور دوسری رکعت میں پہلی رکعت والی سورت کے بعد والی چھوٹی سورت کو چھوڑ کر اس چھوٹی سورت کے بعد والی بڑی سورت پڑھنا مکروہ ہے۔ مثلاً پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون پڑھنا اور دوسری رکعت میں تبت هذا ابی لہب پڑھنا اور اذا جاء نصر اللہ کو چھوڑنا۔ (در مختار، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کی تکرار کرنا مکروہ تخریجی ہے جبکہ کوئی مجبوری نہ ہو اور اگر مجبوری ہو تو بالکل کراہت نہیں۔ مثلاً پہلی رکعت میں پوری سورہ الناس (قل اعوذ برب الناس) پڑھی تو اب دوسری میں بھی یہی پڑھے یا دوسری رکعت میں بھی بلا قصد پہلی رکعت والی سورت پڑھنا شروع کر دی یا اس کو صرف ایک ہی سورت یاد ہے، تو ان تمام سورتوں میں ایک ہی سورت کی دونوں رکعتوں میں تکرار جائز ہے۔ (رد المحتار، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: تو اقل کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کو کمر پڑھنا یا ایک رکعت میں اسی سورت کو بار بار پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ (غنیۃ، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: قرات میں آیت مجیدہ پڑھنے تو چاہے تراویح کی نماز ہو، چاہے فرض یا اور کوئی نماز ہو۔ اکیلا پڑھتا ہو یا جماعت سے پڑھتا ہو، اگر نماز میں آیت مجیدہ پڑھنے تو فوراً مجیدہ کرے۔ تین آیت پڑھنے کی مقدار کے وقت سے زیادہ دیر لگانا گناہ ہے۔

(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: سورہ فاتحہ کے بعد سورت سوچنے میں اتنی دیر لگائی کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ لیا جائے تو قرات میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ترک واجب ہو، لہذا مجیدہ کہو کر نا واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: نماز میں قرآن شریف سے دیکھ کر قرات پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائیگی۔ یونہی اگر محراب وغیرہ میں لکھا ہوا ہے، تو اسے دیکھ کر پڑھنے سے بھی نماز فاسد یعنی ٹوٹ جائے گی۔ (درمختار، رد المحتار)

مسئلہ: اگر ٹائٹھوڈ اور حسیہ پڑھنا بھول گیا اور قرات شروع کر دی تو اعادہ نہ کرے کہ ان کا بھل ہی فوت ہو گیا یونہی اگر ٹائٹھوڈ بھول گیا اور تعوذ شروع کر دیا تو ٹائٹھوڈ کا اعادہ نہ کرے۔ (رد المحتار)

مسئلہ: امام نے جہر (بلند آواز) سے قرات شروع کر دی تو مقتدی ٹائٹھوڈ پڑھے اگر چہ دروالی صف میں ہونے یا بیہرہ ہونے کی وجہ سے امام کی آواز نہ سنا ہو، جیسے جمعہ وعیدین میں پچھلی صف کے مقتدی کہ بوجہ دور ہونے کے قرات نہیں سن پاتے اور اگر امام قرات بالسر یعنی آہستہ پڑھتا ہو، مثلاً ظہر یا عصر میں تو مقتدی ٹائٹھوڈ نہ کر سکتا ہے۔ (عالمگیری، رد المحتار)

مسئلہ: قرات ختم ہوتے ہی مصلیٰ رکوع کرنا واجب ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: رکوع کے لئے تکبیر کہی مگر ابھی رکوع میں نہ کیا تھا یعنی گھٹنوں تک ہاتھ پہنچنے کے قابل نہیں جھکا تھا کہ اور زیادہ پڑھنے کا ارادہ ہوا تو پڑھ سکتا ہے، کچھ حرج نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: نماز میں الحمد شریف کے بعد اسورت ملانا بھول گیا تو اگر رکوع میں یاد آ جائے تو فوراً کھڑا ہو کر سورت پڑھے پھر دوبارہ رکوع کرے، پھر نماز تمام کر کے آخر میں مجیدہ کہو کرے اور اگر مجیدہ میں یاد آئے تو صرف اخیر میں مجیدہ کہو کر لے۔ نماز ہو جائے گی اور نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: نماز میں آیت مجیدہ پڑھی اور مجیدہ میں ہوا تین آیت پڑھنے کے وقت جتنی یا زیادہ کی دیر ہو گئی تو مجیدہ کہو کرے۔

(فتنیہ)

مسئلہ: اگر سزئی نماز میں امام نے بھول کر ایک آیت بلند آواز سے پڑھ دی تو مجیدہ کہو واجب ہو گا اور اگر مجیدہ کہو نہ کیا یا قصداً بلند آواز سے پڑھا تو نماز کا اعادہ (پھیرنا) واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: قرآن کی ہر آیت پر وقف مطلقاً بلا کراہت جائز بلکہ سنت سے مروی ہے۔ بلکہ جس آیت پر لا کی علامت ہو اور اس پر وقف کر کے رکوع کر دیا تو بھی نماز ہو جائے گی۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: سورۃ فاتحہ کی ابتدا میں تسبیہ پڑھنا سنت ہے اور سورۃ فاتحہ کے بعد اگر کوئی سورت یا کسی سورت کی شروع کی آیتیں پڑھے تو ان سے پہلے تسبیہ پڑھنا مستحب ہے پڑھے تو اچھا، نہ پڑھے تو حرج نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: نماز کی ہر رکعت میں امام و منفرد (اکیلا نماز پڑھنے والا) کو سورۃ فاتحہ میں دلائل الضالین کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: امام کی آواز کسی مقتدی تک نہ پہنچی مگر اس کے برابر والے مقتدی نے آمین کہی اور اس نے آمین کی آواز سن لی، اگرچہ اس مقتدی نے آیت کہی ہے، تو یہ بھی آمین کہے۔ غرض یہ کہ امام کا دلائل الضالین کہنا معلوم ہوا تو آمین کہنا سنت ہو جائے گا۔ پھر چاہے امام کی آواز سننے سے معلوم ہو یا کسی مقتدی کے آمین کہنے سے معلوم ہو۔ (در مختار)

مسئلہ: سبزی نماز میں امام نے آمین کہی اور مقتدی اس کے قریب تھا اور مقتدی نے امام کی آمین کہنے کی آواز سن لی تو مقتدی بھی آمین کہے۔ (در مختار)

مسئلہ: اگر کسی نے فرض نماز کی پچھلی دو رکعت میں سہواً (بھول کر) یا قصداً (جان بوجھ کر) الحمد شریف کے بعد کوئی ایک سورت ملائی تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اس کی نماز میں کچھ غلط نہ آیا اور اس کو سجدہ سہو کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: تہود صرف پہلی رکعت میں ہے۔ ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا سنون ہے۔ (رد المحتار)

مسئلہ: قیام کے سوا رکوع و سجود و قعود میں کبھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا جائز نہیں کہ وہ قرآن کی آیت ہے اور نماز میں قیام کے سوا اور جگہ قرآن کی کوئی آیت پڑھنی ممنوع ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: زبان سے جس سورت کا ایک لفظ نکل جائے اسی کا پڑھنا لازم ہے خواہ وہ قیل کی ہو یا بعد کی خواہ کمتر پڑھ رہا ہو۔ ہر حال میں اسی سورت کو پڑھنا لازم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: نماز میں بسم اللہ شریف بلند آواز سے پڑھنا منع ہے۔ صرف تراویح میں جب کلام مجید ختم کیا جائے تو سورۃ بقرہ سے سورۃ تک کسی ایک سورۃ پر آواز سے پڑھ لی جائے کہ ختم پڑا ہو۔ اور ہر سورہ پر آواز سے پڑھنا ممنوع اور مذہب حنفی کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: مستحب طریقہ یہ ہے کہ سورت کے آخر میں اگر نام الہی ہے مثلاً سورۃ نصر یعنی اذ جاء نصر اللہ کے آخر میں انکان تو اباً پر نہ ظہرے بلکہ رکوع کی تکبیر اللہ اکبر سے وصل کرے یعنی تو ابان اللہ اکبر پڑھے۔ اسی طرح سورہ دھن میں احکم الحاکمین کے ن کو زبردے کر اللہ اکبر کے لام میں ملا دے۔ اور جس سورۃ کے آخر میں نام الہی نہ ہو اور کوئی غلط نام الہی کے مناسب نہ ہو وہاں احتیاط یہ ہے کہ وصل کرے یعنی ملائے یا وقف کرے یعنی نہ ملائے۔ مثلاً سورۃ الم نشرح میں فارغ پر ظہر بھی سکتا ہے اور فارغ کو اللہ اکبر سے ملا بھی سکتا ہے۔ اور جس سورۃ میں کوئی لفظ اسم الہی کے نامناسب ہو وہاں ہرگز

وہل نہ کرے بلکہ فصل کرے مثلاً سورہ الکوثر میں ہوا الا بتر میں فصل کرے، وصل نہ کرے یعنی ٹھہرے اور نہ ملائے۔

(فتاویٰ رضویہ، باب القراءة)

جمعہ وعیدین میں جہری قرأت کا بیان:

(وَيَجْهَرُ فِي الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ) لِيُزِيدَ السَّمْعُ بِالْجَهْرِ، وَلِيُتَعَرِّضَ بِالنَّهَارِ يُخَالِفُ  
وَلِيُالنَّهْلِ يَتَخَيَّرُ اغْتِيَارًا بِالْقُرْآنِ فِي حَقِّ الْمُنْقَرِدِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ مُكْمَلٌ لَهُ لِكَيْ يَكُونَ تَبَعًا  
(مَنْ لَاتَهُ الْعِشَاءُ فَصَلَّاهَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ إِنَّ أَمَّ لَهَا جَهْرًا) حَتَّى يَقْلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قُضِيَ الْفَجْرُ عِدَّةً لِكَلِّهِ الْغُرْبُ بِجَمَاعَةٍ (وَإِنْ كَانَ وَحْدَهُ خَالَتْ حَتَّى لَا يَتَخَيَّرَ هُوَ  
الصَّوْبُ) لِأَنَّ الْجَهْرَ يَخْتَصُّ إِنَّمَا بِالْجَمَاعَةِ حَتَّى أَوْ بِالْوَلَدِ فِي حَقِّ الْمُنْقَرِدِ عَلَى وَجْهِ التَّخْيِيرِ وَأَمَّ  
يُوجِدُ أَحَدَهُمَا .

ترجمہ:

اور جمعہ وعیدین میں جہر کرے۔ کیونکہ نقل مشہور جہر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ دن کے نوافل میں اخفاء کرے  
جبکہ رات کے نوافل میں اس کو اختیار ہے۔ اسی قیاس کے مطابق جو منفرد کے حق میں تھا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ نقل فرض کو پورا  
کرنے کیلئے ہوتا ہے لہذا وہ فرض کے تابع ہوگا۔

اور جس شخص کی نماز عشاء فوت ہوگئی پس اس نے طلوع آفتاب کے بعد قضاء کی اور اگر وہ قضاء میں امامت کرے تو وہ جہر  
کرے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تعریس کی رات قضاء ہونے والی نماز کو فجر کے وقت اسی طرح جماعت کے ساتھ قضاء کیا تھا  
جمعہ وعیدین میں قرأت کرنے کے بیان میں:

حضرت عبد اللہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں  
خلیفہ (یعنی اپنا قائم مقام گورنر) مقرر کیا اور خود مکہ چلا گیا چنانچہ (اس کی عدم موجودگی میں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور انھوں نے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ اذا جاء تک السانقون پڑھی  
اور فرمایا کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے روز (یعنی نماز جمعہ) ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔  
(صحیح مسلم) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم عیدین و جمعہ کی نماز میں سبح  
اسم ربک الاعلیٰ اور حل اساک حدیث الغاشیہ (یہ سورتیں) پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت نعمان فرماتے ہیں کہ جب  
عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (عید و جمعہ میں) کی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے  
تھے۔ (صحیح مسلم)

جس نے اولین میں فاتحہ پڑھی:

(وَمَنْ قَرَأَ أَلْفَ عَشْرٍ عَلَى الْأَوَّلَيْنِ السُّورَةِ وَلَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ لَمْ يَغْفِرْ لَهُ الْاُخْرَيْنِ ، وَإِنْ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا قَرَأَ أَلْفَ الْاُخْرَيْنِ الْفَاتِحَةَ وَالسُّورَةَ وَجَهْرًا) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَرَحِمَهُمَا اللَّهُ.

وَقَالَ أَبُو يُونُسَ وَرَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَقْضَى وَاحِدَةٌ مِنْهُمَا لِأَنَّ الْوَاجِبَ إِذَا قَاتَ عَنْ وَفِيهِ لَا يَقْضَى إِلَّا بِكُلِّهِ.

وَلَهُمَا وَهُوَ الْفَرْقُ بَيْنَ الْوَجْهَيْنِ أَنَّ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ شُرِعَتْ عَلَى وَجْهِ يَتَرْتَّبُ عَلَيْهَا السُّورَةُ ، فَلَوْ لَفَّضَاهَا فِي الْاُخْرَيْنِ تَصَرُّبُ الْفَاتِحَةِ عَلَى السُّورَةِ ، وَهَذَا خِلَافُ الْمَوْضُوعِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا تَرَكَ السُّورَةَ لِأَنَّهُ امْتَحَنَ قَضَائَهَا عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ ، ثُمَّ ذَكَرَ هَاهُنَا مَا يَتَّبَلُّ عَلَى الْوَجْهِ ، وَلَيْسَ الْأَصْلُ بِالسُّلْطَةِ لِامْتِحَانِهَا لِأَنَّهَا إِنْ تَكَانَتْ مُؤَخَّرَةً فَهِيَ مُؤَخَّرَةٌ بِالْفَاتِحَةِ فَلَمْ يُمْكِنْ مُرَاعَاةَ مَوْضُوعِهَا مِنْ كُلِّ وَجْهِ (وَيَتَجَهَّرُ بِهِنَّ) هُوَ الْمُسَمَّحُ لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْمُخَالَفَةِ فِي رُكْنَةٍ وَاحِدَةٍ شَبِيحٌ ، وَتَغْيِيرُ النُّقْلِ وَهُوَ الْفَاتِحَةُ أَوَّلُهَا .

ترجمہ:

اور جس نے عشاء کی پہلی دو رکعت میں سورہ پڑھی لیکن سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔ تو وہ بعد والی دو رکعتوں میں ان کا اعادہ نہ کرے اور اگر اس نے فاتحہ پڑھی لیکن سورہ نہ پڑھی تو بعد والی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورہ دونوں پڑھے گا۔ اور جہر کرے گا یہ طریق کا قول ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ دونوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے۔ کیونکہ واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو دلیل کے بغیر اس کی قضاء نہیں ہوتی۔ لیکن طرفین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں وجہوں میں فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنا اس طرح مشروع ہوا ہے کہ اس پر سورہ مرتب ہو۔ لہذا اگر اس نے بعد والی دو رکعتوں میں فاتحہ قضاء کی تو وہ سورہ پر مرتب ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ خلاف موضوع ہے۔ بخلاف اس کے جب اس نے پہلی دو رکعتوں میں سورہ کو چھوڑا ہو۔ کیونکہ سورہ کی قضاء کرنا شرعی طریقہ کار کے مطابق ممکن ہے۔ پس یہاں وہ لفظ ذکر کیا ہے جس کی وجوب پر دلالت ہے۔ جبکہ مبسوط میں احتیاط کے ساتھ آیا ہے۔ کیونکہ سورہ اگر سوخ ہوئی تو وہ فاتحہ کے ساتھ ملنے والی نہ ہوئی۔ لہذا اس کے موضوع کی رعایت کلی طور ممکن نہیں۔

اور وہ سورہ اور فاتحہ دونوں میں جہر کرے۔ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ ایک ہی رکعت میں جہر و اخفاء کو جمع کرنا برا ہے۔ اور نقل کو

بدلتا ہے اور وہ فاتحہ ہے۔ افضل یہی ہے۔

ترک واجب کی قضاء میں طرفین اور امام ابو یوسف کے اختلاف کا بیان:

علامہ ابن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ دونوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے کیونکہ واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو دلیل کے بغیر اس کی قضاء نہیں ہوتی۔ اور یہاں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کیونکہ دلیل اس چیز کو شروع کرتی ہے حالانکہ آخری دو رکعتوں میں سورۃ کی قرأت مشروع ہی نہیں ہے۔

طرفین فرماتے ہیں۔ اگر اس نے بعد والی دو رکعتوں میں فاتحہ قضاء کی تو وہ سورۃ پر مرتب ہو جائے گی۔ لہذا اس میں کوئی حرج ہی نہیں ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۳۵، میرات)

جہری اور غلی قرأت کی تعریف کا بیان:

لَمْ الْمُخَافَةِ أَنْ يُسْمِعَ نَفْسَهُ وَالْجَهْرُ أَنْ يُسْمِعَ غَيْرَهُ، وَهَذَا عِنْدَ الْفُقَهَاءِ أَبِي جَعْفَرٍ الْهِنْدِيِّ وَالْإِسْمَاعِيلِيِّ وَالْمَلِكِيِّ لِأَنَّ مَجْرَعَةَ اللِّسَانِ لَا يُسْمِعُ لِرَاءَهُ بِذَوْنِ الصَّوْتِ.

وَلَقَدْ الْكَرِهُنِي: أَذْنَى الْجَهْرِ أَنْ يُسْمِعَ نَفْسَهُ، وَأَذْنَى الْمُخَافَةِ تَضَرُّعُ الْخُرُوفِ لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ بِفُلِّ اللِّسَانِ ذَوْنُ الضَّمَامِ، وَهِيَ لَفْظُ الْكِتَابِ إِخَارَةً إِلَى هَذَا. وَعَلَى هَذَا الْأَمَلِ كُلُّ مَا يَتَكَلَّمُ بِالنَّفْسِ تَحْتَاطْلَافِي وَالْعَتَاقِي وَالْإِسْطِغَارِ وَغَيْرِ ذَلِكَ

ترجمہ:

فقیر ابو جعفر ہندوئی علیہ الرحمہ کے نزدیک اخفاء اس کو کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو سنائے۔ اور جہریہ ہے کہ وہ دوسروں کو سنائے۔ کیونکہ خالی زبان کو حرکت میں لانا بغیر کسی آواز کے قرأت نہیں کہلاتا۔

اور امام کرخی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ جہر کا کم از کم معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنائے جبکہ اخفاء کا کم از کم معنی یہ ہے کہ حروف کی صحیح ادائیگی ہو۔ کیونکہ قرأت زبان کے فعل کا نام ہے نہ کہ کان کا فعل ہے۔ اور لفظ کتاب میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ہر وہ لفظ جس کا تعلق نطق سے ہو وہ اسی اصل پر ہے۔ جیسا کہ طلاق، عتاق، استثناء اور دوسری ایسی چیزوں کے احکام ہیں۔

شرح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز میں قرأت کرتے تھے پس جس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو قرأت سنائی (یعنی بلند آواز سے قرأت کی) ہم نے بھی تم کو سنائی اور جس نماز میں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر قرأت کوئی رکھا (یعنی آہستہ پڑھی) ہم نے بھی تم پر کوئی رکھا۔ (ابوداؤد)



حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت خیاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر و عصر کی نماز میں قرأت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے پوچھا یہ تم کس چیز سے سمجھتے تھے؟ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کی حرکت کرنے سے۔ (ابوداؤد)

قرأت کی کم از کم مقدار کا بیان:

(وَأَذِّنْ مَا نُخْرِجُ مِنَ الْقُرْآنِ وَهُوَ الصَّلَاةُ آيَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ: قُلْتُ آيَاتٍ قَصَارٍ أَوْ آيَةً طَوِيلَةً) لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى قَارِئًا بِغَيْرِهِ لَأَخْبِيَةَ قِرَاءَةِ مَا دُونَ الْآيَةِ. وَلَهُ قَوْلُهُ تَعَالَى (كَافِرَةٌ) وَمَا تَكْسَرُ مِنَ الْقُرْآنِ) مِنْ غَيْرِ قَصَلٍ إِلَّا أَنْ تَدُونَ الْآيَةَ خَارِجَ وَالْآيَةُ كَيْسَتْ فِي مَقْنَاهُ.

ترجمہ:

سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک قرأت کی کم از کم مقدار جو نماز میں کفایت کرنے والی ہو وہ ایک آیت ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت ہے۔ کیونکہ اس سے کم پڑھنے والا قاری نہیں کہلائے گا۔ لہذا یہ ایک آیت سے کم پڑھنے والے کے مشابہ ہو گیا۔ جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافران ہے۔ ”(كَافِرَةٌ) وَمَا تَكْسَرُ مِنَ الْقُرْآنِ“ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ لیکن ایک آیت سے کم اس کے حکم سے خارج ہوگا۔ جبکہ پوری آیت اس کے معنی (یعنی خارج ہونے والے) میں نہیں ہے۔

شرح:

قرأت ایک آیت فرض ہے اور الحمد اور اس کے بعد اس کے متصل ایک بڑی آیت یا تین آیتیں چھوٹی پڑھنا واجب، اور فجر و ظہر میں حجرات سے بروج تک دونوں رکعتوں میں دو سو تیس، اور عصر و عشاء میں بروج سے لم یکن تک، اور مغرب میں لم یکن سے ناس تک سنت، یا ان کی مقدار دوسرے مقام سے، اور جماعت میں کوئی مریض یا ضعیف وغیرہ ایسا ہو کہ طویل سے مشقت ہوگی تو اسکے حالت کی رعایت واجب اور نوافل میں جس قدر تطویل اپنے اوپر شاق نہ ہو مستحب ہے۔

نماز میں قرأت کی مقدار پڑھنے کا تقبی مفہوم:

۱. نماز میں قیام کی حالت میں کم از کم ایک آیت پڑھنا فرض ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک پوری آیت ہے مگر صرف اس کے پڑھنے سے فرض ادا نہ ہوگا۔

۲. فرض نماز کی دو رکعتوں میں خواہ وہ کوئی سے ہو اور نماز وتر اور سنت و نفل کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔

۳. قرائت فرض غلٹی ہے اور اس شخص پر ہے جو اس فرض پر قادر ہے پس جس شخص کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو وہ قرائت کی جگہ





الجید یا ایسی ہی (طویل) کوئی دوسری سورۃ پڑھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد کی دوسری نماز بلکی پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے علاوہ اوقات کی نمازیں زیادہ لمبی نہیں پڑھتے تھے اور فجر کی نماز میں طویل قرأت کیا کرتے تھے کیونکہ ہنگام صبح گاہی بارگاہ الوہیت میں دعاؤں کے قبول ہونے اور برکت و سعادت حاصل ہونے کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں واللیل اذا عسعس (یعنی سورہ اذا الشمس کورت) پڑھتے سنا ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد ایک مرتبہ) آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مکہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور سورہ صومن یعنی فذلح المومنون شروع کی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع یا پہلی کے ذکر پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی آئی (جس کی وجہ سے سورہ پوری کے بغیر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں چلے گئے۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت میں سورۃ فذلح المومنون شروع کی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت (ثُمَّ لَرَسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ أَن يُخْرِجَهُمْ مِنَ مِصْرَ) پڑھ کر رکوع میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر ہے یا اس آیت (وَجَعَلْنَا بَيْنَ مَرْيَمَ وَآمَتِهَا) پڑھ کر رکوع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے پہنچے تو ان جلیل القدر پیغمبروں کے ذکر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھرا یا اور رونے لگے جس کی وجہ سے کھانسی کا غلبہ ہو گیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گریہ و کھانسی کی وجہ سے سورہ پوری نہ کر سکے اور اس آیت پر قرأت ختم کر کے رکوع میں چلے گئے۔

تمہارے صرغ و مشام میں قرأت کرنے کا بیان:

قَالَ (وَلِي الظُّهْرِ مِثْلَ ذَلِكَ) لَا تَسْجُدُ لِهَيْئَةٍ فِي سَعَةِ الْوَقْتِ، وَكَانَ فِي الْأَصْلِ أَوْ ذُوْنَهُ لِأَنَّهُ وَقْتُ الْأَصْفَالِ فَيَنْقُصُ عَنْهُ تَعَرُّؤُا عَنْ النَّهْلِ.

(وَالْعَصْرِ وَالْعِشَاءُ سَوَاءٌ يَتَرَأَّىٰ هُمَا بِأَوْسَاطِ الْمَفْصَلِ، وَلِي الْمَغْرِبِ قُوْن ذَلِكَ يَتَرَأَّىٰ فِيهَا بِقِصَارِ الْمَفْصَلِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ كِتَابُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْهُ إِلَىٰ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ اقْرَأَ فِي الْقَجْرِ وَالظُّهْرِ بِطَوَالِ الْمَفْصَلِ وَلِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءُ بِأَوْسَاطِ الْمَفْصَلِ وَلِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمَفْصَلِ لِأَنَّ مَبْنَى الْمَغْرِبِ عَلَى الْعَجَلَةِ وَالْتَعْفِيفِ الْقَبِيْهَا.

وَالْعَصْرِ وَالْعِشَاءُ يُسْتَحَبُّ لِيَهُمَا التَّأخِيرُ، وَقَدْ يَقَعَانِ بِالْعَطْوِيلِ فِي وَقْتٍ غَيْرِ مُسْتَحَبٍّ فَيُؤْتَىٰ

لِیْهِمَا بِالْأَرْوَاقِ .

ترجمہ

اور وہ ظہر میں بھی اسی طرح پڑھے۔ کیونکہ ان دونوں میں وقت کی وسعت ہوتی ہے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ نے اصل میں فرمایا ہے کہ ظہر میں فجر سے کم پڑھے کیونکہ یہ لوگوں کی کاموں میں مصروفیت کا وقت ہے۔ تاکہ ان کو پریشانی سے بچایا جائے۔ عصر اور عشاء یہ دونوں برابر ہیں لہذا ان میں اوساط مفصل سے پڑھے۔ جبکہ مغرب میں اس کے کم قرأت کرے۔ اس میں قصار مفصل سے پڑھے۔ اس میں دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا تھا۔ کہ آپ ظہر اور فجر میں طویل مفصل اور عصر و عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل سے پڑھو کیونکہ مغرب میں غلت کی دلیل بھی ہے۔ لہذا جلدی کے مناسب تخفیف ہے۔ جبکہ عصر و عشاء میں تاخیر مستحب ہے۔ اور طوالت کی وجہ سے یہ دونوں غیر مستحب وقت میں ہو سکتی ہیں۔ لہذا ان دونوں کو اوساط مفصل کے ساتھ موقت کیا جائے گا۔ شرح؟

حضرت برادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامہ اہل صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز میں سورہ والتین و الزینون پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اچھی کوئی آواز نہیں سنی۔  
(صحیح البخاری و صحیح مسلم)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح بالحق طور پر دنیا کے سب سے مکمل و اکمل انسان تھے اسی طرح مہداء فیاض نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری جسمانی حس و ذوق سے بھی سب سے اعلیٰ و ارفع مرتبے پر فائز کیا تھا پھر یہ کہ جس طرح اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن صورت کا سب سے اعلیٰ نمونہ بنایا تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن آواز میں بھی سب سے امتیازی درجہ عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت برادر ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ شہادت کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے زیادہ کوئی اچھی آواز نہیں سنی محض ایک جذباتی عقیدت کا تاثر یا مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی حقیقت کی شہادت ہے جس کی صداقت کو اپنے نوالہ گدے بھی بچاؤں نے بھی چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کی۔

یہاں بھی اس حدیث جس کی یہی توضاحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں سورہ والتین و الزینون ایک رکعت میں پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں کسی دوسری سورۃ کی قرأت فرماتے تھے۔

اور حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامہ اہل صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

فتحا کی جانب سے نمازوں میں تعین قرأت کی دلیل:

حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ واطر سلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

یہ احادیث اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورہ اعراف، سورہ انفال اور سورہ دخان پڑھتے تھے یا اسی قسم کی دوسری احادیث سب اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازوں میں کسی خاص اور متعین سورہ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ نماز کی آسانی و سہولت پر موقوف ہے کہ وہ جس نماز میں جو بھی سورہ چاہے پڑھ سکتا ہے۔ فقہاء جو یہ لکھتے ہیں کہ فجر و ظہر میں طویل مفصل، عصر و عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا چاہئے تو ان کے تعین قرأت کی اصلی دلیل یہ ہے

حضرت امیر المومنین عرفا قزوینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے ایک خط لکھا تھا اس میں یہ مذکورہ تفصیل لکھی تھی اس کے مطابق نمازوں میں قرأت کا اس طرح تعین قرار پایا۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں طویل و قصر کے سلسلے میں قرأت کا مسئلہ اختلاف احوال و اوقات اور مصلحت جواز کے ساتھ مختلف تھا پھر بعد میں حضرت عرفا قزوینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکتوب گرامی کی روشنی میں قرأت کا ایک نوج اور اصول مقرر کیا گیا جس کو فقہاء کی اصطلاح میں طویل مفصل (طویل مفصل سورہ حجرات سے سورۃ والسماء ذات البروج تک اور اوساط مفصل سورہ والسماء ذات البروج سے سورہ لم یکن (البینۃ) تک اور قصار مفصل سورہ لم یکن کے بعد سے سورہ الناس تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے ۱۲۔) اور اوساط مفصل اور قصار مفصل کا نام دیا گیا اور ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت عرفا قزوینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی دلیل براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول و فعل سے ہاتھ لگی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طریقہ کے مطابق کبھی کبھی قرأت کرتے ہوں جس کو حضرت عرفا قزوینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا ہے اور کبھی کبھی اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی معمول رہتا ہو جو ان احادیث میں مذکور ہے۔ بہر حال ہم تو سمجھتے ہیں کہ فقہاء کے مقرر کردہ اس اصول کے لیے حضرت عرفا قزوینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہی دلیل کے لیے کافی ہے؟

حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذا بعضی پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سورۃ حج اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی اسی قدر (کوئی آیت یا سورۃ) پڑھتے تھے اور صبح کی نماز میں اس سے لمبی قرأت کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

جس طرح دیگر احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں نماز میں فلاں سورہ پڑھتے تھے اور اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ وہ سورۃ پہلی رکعت میں پڑھتے تھے یا دوسری میں۔ یا ایک رکعت میں بغیر پہلی دوسری کے تعین کے

پڑھتے تھے۔ اس طرح اس حدیث میں بھی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذا  
بیشی کس رکعت میں پڑھتے تھے یا پہلی رکعت میں یا دوسری میں؟

اس سلسلہ میں دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی سورۃ کو دونوں رکعتوں میں پڑھتے تھے یا یہ کہ  
ایک سورۃ کا کچھ حصہ تو پہلی رکعت میں پڑھتے تھے اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں (پہلے احتمال میں تکرار لازم آئے گا اور  
دوسرے میں تبعض یعنی کسی ایک سورۃ کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھنا لازم آئے گا، اور یہ  
دونوں یعنی تکرار و تبعض غیر اولیٰ ہیں اگرچہ جائز ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار و تبعض ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ  
فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک رکعت میں پوری سورۃ پڑھنا اگرچہ وہ چھوٹی ہو افضل ہے۔ یہ نسبت اس کے کہ ایک رکعت میں کسی  
سورۃ کا کچھ حصہ پڑھا جائے اگرچہ وہ سورت طویل ہو۔ ہاں اس مسئلے میں تراویح مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں تو پورا قرآن  
سارے مہینہ میں ختم کرنا افضل ہے لہذا ان سے دونوں احتمالات اور ان میں پیدا شدہ اشکالات کو دیکھتے ہوئے کوئی ایسا تیسرا  
حتمال پیدا کیا جائے گا جو حدیث کی منشاء کے مطابق اور اس سے مناسب ہو اور وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ سورۃ کے  
علاوہ کوئی دوسری سورۃ بھی پڑھتے تھے خواہ پہلی رکعت میں پڑھتے ہوں یا دوسری میں۔

نماز فجر کی پہلی رکعت میں قرأت کو لمبا کرنے کا بیان:

﴿وَيُطِيلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَىٰ مِنَ الْفَجْرِ عَلَى الثَّانِيَةِ إِعَانَةً لِّلنَّاسِ عَلَىٰ إِثْرَالِ الْجَمَاعَةِ  
قَالَ (وَرَكْعَتَا الظُّهْرِ سَوَاءٌ) وَهَذَا مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا .  
وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُطِيلَ الرَّكْعَةَ الْأُولَىٰ عَلَى خَيْرِهَا فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا لِمَا رَوَى  
" أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُطِيلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَىٰ عَلَى خَيْرِهَا فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا " وَكَلَّمَا  
أَنَّ الرَّكْعَتَيْنِ اسْتَوَيَا فِي امْتِثَاقِ الْقِرَاءَةِ فَمَسْتَوِيَانِ فِي الْقِيَادَةِ بِخِلَافِ الْفَجْرِ لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ ،  
وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْإِطَالَةِ مِنْ حَيْثُ الْقَاءُ وَالْحَوَظُ وَالْقِسْمَةُ ، وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالزِّيَادَةِ وَالنَّقْصَانِ بِمَا  
كُنُوْنَ ثَلَاثَ آيَاتٍ لِقَوْلِهِمْ إِنْ كَانَ الْإِخْتِلَافُ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ خَرَجَ .

ترجمہ

اور وہ فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبا کرنے کا کہ لوگ جماعت کے ساتھ مل سکیں۔ جبکہ شیخین کے نزدیک ظہر کی  
دونوں رکعتیں برابر ہیں۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری  
رکعت پر لمبا کروں۔ کیونکہ یہ روایت بیان ہوئی ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر لمبا کیا کرتے تھے جبکہ  
شیخین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتیں قرأت کے حق میں برابر ہیں۔ لہذا امتداد میں بھی برابر ہوں گی۔ بخلاف فجر کے کیونکہ

وہ سونے اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ لہذا حدیث کا اصل ثناء، تعویذ، تہنیت کی وجہ سے طول دینے پر ہوگا۔ اور تین آیات سے کم مقدار میں زیادتی یا کمی کا کچھ بھی اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ بغیر کسی حرج کے ان سے بچنا ناممکن ہے۔

شرح:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دوسو تیس (یعنی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورہ) پڑھتے تھے اور بعد کی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں (بھی) آیت سنا دیا کرتے تھے اور دوسری رکعت کی یہ نسبت پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرتے تھے اسی طرح عصر اور فجر کی نماز میں بھی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ظہر کی نماز میں یوں تو قرأت سری (یعنی آہستہ آواز سے) سے ہوتی ہے اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ظہر کی نماز میں کوئی آیت یا سورہ آہواز بھی پڑھ دیا کرتے تھے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ جان لیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ یا کوئی آیت بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ یا لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کی قرأت کر رہے ہیں۔ اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ یہاں ظہر کی تفصیل فقہی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز میں ایسا ہی کرتے تھے۔

پہلی رکعت کو طویل کرنے میں فقہی غماہب کا بیان:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رکعت کو دوسری رکعتوں سے زیادہ طویل کرنا چاہئے چنانچہ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا مسلک یہی ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی یہ نسبت زیادہ طویل کرنا چاہئے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی مسلک یہی ہے، ان حضرات نے ظہر عصر اور صبح کی نمازوں میں پہلی رکعت کو طویل کرنے کے مسئلہ کو احادیث سے ثابت کیا ہے اور مغرب و عشاء کو ان تینوں پر قیاس کیا ہے۔ عبدالرزاق نے اس حدیث کے آخر میں معمر سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت کو اس لیے طویل کرتے تھے کہ لوگ پہلی رکعت پالیں، امام ابو داؤد اور ابن خزیمہ رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما نے بھی یہی لکھا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک پہلی رکعت کو طویل کرنا صرف فجر کی نماز کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ وقت نیند و غفلت کا ہوتا ہے۔ ورنہ تو دونوں رکعتیں چونکہ استحقاق قرأت میں برابر ہیں۔ اس لیے مقدار قرأت میں بھی برابر ہونی چاہئیں چنانچہ ایک حدیث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں تیس آیتوں کی مقدار قرأت کیا کرتے تھے جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ جس سے پہلی رکعت کو طویل کرنے کا اثبات ہوتا ہے تو یہ اس بابت پر محمول ہے کہ چونکہ پہلی رکعت میں دعا کے استفتاح (یعنی سبحانک اللہم اور اعوذ باللہ و بسم



اللہ پڑھی جاتی ہے اس لیے پہلی رکعت طویل معلوم ہوتی تھی نیز یہ کہ طوالت تین آیتوں سے بھی کم کی مقدار میں ہوتی تھی۔

غلامہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک احب یعنی اچھا ہے۔

قرأت کیلئے سورتوں کو معین کرنے کا بیان:

(وَلِكَسْ يَلْغِي خَيْرٌ مِنَ الصَّلَاةِ قِرَاءَةُ سُورَةٍ بِحَيْثُ لَا تَجُوزُ بِغَيْرِهَا لِإِطْلَاقِ مَا تَلَّوْنَا وَبُكَرَهُ أَنْ يُؤَلَّفَ بَشَى عَرِمَنِ الْقُرْآنِ لِيَسَى عَرِمَنِ الصَّلَاةِ) لِمَا فِيهِ مِنْ هَجَرِ الْبَاقِي وَلِإِهْلَامِ التَّضْيِيلِ .

ترجمہ:

کسی بھی نماز میں سورۃ معینہ کا پڑھنا اس طرح فرض نہیں کہ اس کے سوا جائز نہ ہو۔ اسی آیت کے مطلق ہونے کی وجہ سے جسے ہم تلاوت کر چکے ہیں۔ اور کسی نماز کیلئے قرآن سے معین کر لیا نہ کر وہ ہے اس لئے کہ اس میں باقی قرآن کا ترک لازم آتا ہے۔ اور فضیلت کا وہ ہم بھی ہوتا ہے۔

نمازوں میں قصین قرأت میں فقہاء شوافع و احناف کے اختلاف کا بیان:

حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ والمرسلات قرآن پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

یہ احادیث اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورہ اعراف، سورہ انفال اور سورہ دخان پڑھتے تھے یا اسی قسم کی دوسری احادیث سب اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازوں میں کسی خاص اور متعین سورۃ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

بلکہ نمازی کی آسانی و سہولت پر موقوف ہے کہ وہ جس نماز میں جو بھی سورۃ چاہے پڑھ سکتا ہے۔ فقہاء جریہ لکھتے ہیں کہ فجر و ظہر میں طویل مفصل، عصر و عشاء میں اوسط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا چاہئے تو ان کے قصین قرأت کی اسل دیکھ لیں یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے ایک خط لکھا تھا اس میں یہ مذکرہ تفصیل لکھی تھی اس کے مطابق نمازوں میں قرأت کا اس طرح قصین قرار پایا۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں طویل و قصر کے سلسلے میں قرأت کا مسئلہ اختلاف احوال و اوقات اور مصیبت جواز کے ساتھ مختلف تھا پھر بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکتوب گرامی کی روشنی میں قرأت کا ایک نچ اور اصول مقرر کیا گیا جس کی کو فقہاء کی اصطلاح میں طویل مفصل (طویل مفصل سورہ حجرات سے سورۃ و السماء ذات البروج تک اور اوسط مفصل سورہ و السماء ذات البروج سے سورہ لم یکن (الباقیہ) تک اور قصار مفصل سورہ لم یکن کے بعد سے سورہ الناس تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے ۱۲) اور اوسط مفصل اور قصار مفصل کا نام دیا گیا اور ہو سکتا ہے کہ

اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی دلیل براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل سے ہاتھ لگی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طریقہ کے مطابق کبھی کبھی قرأت کرتے ہوں جس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا ہے اور کبھی کبھی اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی معمول رہتا ہو جو ان احادیث میں مذکور ہے۔ بہر حال ہم تو سمجھتے ہیں کہ فقہاء کے مقرر کردہ اس اصول کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہی دلیل کے لیے کافی ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں الم تہزیل اور دوسری رکعت میں مل اقی علی الانسان پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرات شوافع اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز نماز فجر میں حدیث میں مذکور سورہیں ہی پڑھنی چاہئیں مگر حنفیہ چونکہ فقہین سورۃ صبح کرتے ہیں اس لیے فرماتے ہیں کہ یہ اوئی نہیں ہے کہ کسی خاص سورۃ کو کسی روز خاص نماز کے ساتھ اس طرح تہتیں کر لیا جائے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سورۃ پڑھی ہی نہ جائے۔ ان حضرات کے نزدیک فقہین قرأت و سورۃ کی ممانعت یہ ہے کہ اگر کسی خاص نماز کے ساتھ کسی خاص سورۃ کو تہتیں کر لیا جائے گا تو لوگ اسی ایک سورۃ کو لازم و واجب سمجھ کر پڑھیں گے اور اس کے علاوہ دوسری سورتوں کو پڑھنا مکروہ سمجھیں گے۔

ہاں اگر کوئی آدمی مثلاً اس حدیث کے مطابق جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں الم تہزیل سورۃ السجدہ اور دوسری رکعت میں ہنبل اسی علی الانسان (سورۃ دہر) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی برکت حاصل کرنے اور اجازت سنت کے جذبے سے پڑھا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان سورتوں کے علاوہ کبھی کبھی کوئی دوسری سورۃ بھی پڑھ لیا کرے تاکہ کلم علم اور غوام یہ نہ سمجھیں کہ ان سورتوں کے علاوہ کوئی دوسری سورۃ پڑھنی جائز نہیں ہے۔

اس کے علاوہ حنفیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس عمل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوام ثابت نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی یہ سورہیں پڑھا کرتے تھے لہذا کبھی کبھی پڑھنا تو ہر آدمی کے لیے افضل ہے۔

اس موقع پر یہ مسئلہ بھی سن لیجئے کہ اگر کوئی آدمی صبح کی نماز میں سورۃ السجدہ پڑھے تو اسے سجدہ تلاوت بھی کرنا چاہئے اگرچہ شوافع کے کچھ علماء نے بعض ایام میں امام کے لیے اس کو ترک کرنا ہی اوئی قرار دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ تلاوت کرنا ہی ثابت ہے۔

فقرأت میں تمام قرآن کی سورتوں کا برابر ہونا:

قرآن مجید نماز میں قرأت کرنا جس طرح حکم شرعی کے مطابق علی الاطلاق ہے وہ حکم اسی طرح مطلق ہی رہے گا۔ جس طرح ”فاسرو ما تيسر من القرآن“ میں ہے کہ تمہیں جو قرآن آسان ہو پڑھ لو لہذا اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کے فضائل

اپنی جگہ پر ہیں جبکہ مطلق طور پر تمام سورتیں قرأت میں برابر ہیں۔

مقتدی کے امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔

(وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْإِمَامِ) خِلَافًا لِلْمُطَابَعِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فِي الْقَابِلَةِ لَهُ أَنْ الْقِرَاءَةَ وَكُنْ مِنَ الْأَرْكَانِ فَيُخْشَرُ كَانَ لِيهِ .

وَلَسَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ) " وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ وَهُوَ وَكُنْ مُخْشَرًا بَيْنَهُمَا ، لَكِنْ حَقَّ الْمُتَقِيدُ الْإِنصَاتِ وَالِاسْتِمَاعَ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَاتَّصُوا) " وَتُسْتَحْسَنُ عَلَى سَبِيلِ الْإِخْتِطَاءِ لِيَمَّا يُرَوَى عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَتُكْرَهُ عِنْدَهُمَا لِمَا لِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ .

(وَيُسْتَمْعُ وَيُنصِتُ وَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ آيَةَ التَّزْهِيبِ وَالتَّزْهِيبِ) لِأَنَّ الْإِسْمَاعَ وَالْإِنصَاتَ فَرَضَ بِالْبُيُوتِ ، وَالْجِسْرَاءَةِ وَسُؤَالِ الْجَنَّةِ وَالْعُرْوَةِ مِنَ النَّارِ كُلُّ ذَلِكَ مُجَلِّدٌ وَكَذَلِكَ فِي الْخُطْبَةِ ، وَكَذَلِكَ إِنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) لِفَرَضِيَّةِ الْإِسْمَاعِ إِلَّا أَنْ يَقْرَأَ الْغُطِيَّةَ قَوْلُهُ تَعَالَى (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْلُوا عَلَيْهِ) آيَةَ ، فَيُصَلِّي السَّامِعُ فِي نَفْسِهِ ، وَاصْطَلَفُوا فِي النَّبِيِّ عَنِ الْغُطِيَّةِ ، وَالْأَخْوَاطُ هُوَ الشُّكُوتُ لِقَامَةِ لِفَرَضِ الْإِنصَاتِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فاتحہ میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک فاتحہ قرأت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے لہذا اس میں امام و مقتدی دونوں شامل ہوں گے۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کا امام ہو پس امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔ اسی پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ اور قرأت ایسا رکن ہے جو امام و مقتدی کے درمیان مشترک ہے۔ لیکن مقتدی کے حصے میں خاموشی ہے۔ اور توجہ سے سننا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو۔ اور اس کا پڑھنا بطور احتیاط تحسن ہے۔ اسی قول کی وجہ سے جو امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت کیا گیا ہے۔ جبکہ شیخین کے نزدیک مکروہ ہے۔ کیونکہ مقتدی کے پڑھنے پر وعید وارد ہوئی ہے۔

مقتدی توجہ سے سنے اور خاموش رہے۔ خواہ امام ترغیب کی آیت پڑھے یا ترہیب کی آیت پڑھے۔ کیونکہ توجہ سے سننا اور خاموش رہنا نص قرآنی کے مطابق فرض ہے۔ اور قرأت کرنا، جنت کا سوال اور جہنم سے پناہ مانگنا یہ سب مداخلت ہے۔ اور اسی طرح خطبہ میں اور جب امام نبی کریم ﷺ پڑھ رہے ہوں تو رو رو بھیجیے۔ اس لئے خطبہ سننا فرض ہے۔ لیکن جس وقت خطیب اللہ تعالیٰ کا

فرمان ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ“ پڑھے تو سننے والا اپنے دل میں درود پڑھے۔ اور جو شخص منبر سے دور ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ لہذا خاموشی ہی زیادہ اچھا ہے۔ تاکہ فرض انصاف قائم رہے۔ اللہ ہی سب سے زیادہ صواب کو جاننے والا ہے۔

جب امام نماز میں قرآن پڑھے تم چپ کر جاؤ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی عیروی کی جائے، لہذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

فائدہ: اکبر فکروا کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ مقتدی تکبیر امام کے تکبیر کہنے کے بعد کہیں۔ نہ تو اس کے ساتھ ساتھ کہیں اور نہ اس سے پہلے کہیں اور یہ حکم تکبیر تحریمہ میں تو واجب ہے البتہ دوسری تکبیرات میں مستحب ہے۔

حدیث کے دوسرے جزء نماز اتراسے مراد مطلق ہے یعنی خواہ امام بلند قرأت کرے یا آہستہ سے پڑھے۔ دونوں صورتوں میں مقتدیوں کو خاموشی سے اس کی قرأت سننا چاہئے اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاستمعوا یعنی چپ رہو فرمایا۔ فاستمعوا یعنی سنو۔ فرمایا ارشاد باری ہے۔

آیت (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ) 7 - الاعراف (204):

یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو (بلند آواز سے پڑھنے کی صورت میں) اسے سنو اور آہستہ آواز سے پڑھنے کی صورت میں) خاموش رہو۔

اس آیت کی تفسیر میں حافظہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس انصاری نو جوان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کی عادت تھی کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سے کچھ پڑھتے یہ بھی اسے پڑھتا پس یہ آیت اتری۔ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز سے فارغ ہو کر پئے جس میں آپ نے با آواز بلند قرأت پڑھی تھی پھر پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا تھا؟ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا میں کہہ رہا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن کی چھینٹا بچھی ہو رہی ہے؟ راوی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان نمازوں میں جس میں آپ اونچی آواز سے قرأت پڑھا کرتے تھے قرأت سے رک گئے جبکہ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا۔ امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں اور ابوہریرہ

رازی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

صحابی قرأت خلف الامام کرنا چھوڑ گئے وہابی نہیں چھوڑتے:

غیر مقلدین کے مولوی رحمت اللہ نے مناظر اسلام علامہ سعید احمد اسعد صاحب سے جب قرأت خلف الامام کے موضوع پر مناظرہ کیا تو دلائل کی رو سے انتہائی شکست سے دوچار ہوئے۔ جب علامہ سعید احمد صاحب نے سنن ابوداؤد کی حدیث بیان کرتے ہوئے یوں کہا کہ ”نبی کریم ﷺ کے حکم کے بعد صحابی امام کے پیچھے قرأت کرنا چھوڑ گئے لیکن وہابی نہیں چھوڑتے“ لہذا ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اس لئے ہم امام کے پیچھے قرأت نہیں کریں گے۔

(مطلب اس حدیث کا بھی یہی ہے کہ امام جب پکار کر قرأت پڑھے اس وقت مقتدی سوائے ائمہ کے کچھ نہ پڑھے کیونکہ ایسی ہی روایت ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند احمد وغیرہ میں ہے جس میں ہے کہ جب آپ کے سوال کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا لا تفعلوا الا بما تہتہ الذکتاب فانہ لا صلۃ لہن لم یسفرنا بہا یعنی ایسا نہ کیا کرو صرف سورہ فاتحہ پڑھو کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ پس لوگ اوٹنی آواز والی قرأت کی نماز میں جس قرأت سے رک گئے وہ ائمہ کے علاوہ سبھی کیونکہ اسی سے روکا تھا اسی وجہ سے صحابہ رک گئے۔

زہری کا قول ہے کہ امام جب اوٹنی آواز سے قرأت پڑھے تو انہیں امام کی قرأت کافی ہے امام کے پیچھے والے نہ پڑھیں گے انہیں امام کی آواز سنائی بھی نہ دے۔ ہاں البتہ جب امام آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو اس وقت مقتدی بھی آہستہ پڑھ لیا کریں اور کسی کو لاکٹ نہیں کر اس کے ساتھ ساتھ پڑھے خواہ جہری نماز ہو خواہ سری۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ علماء کے ایک گروہ کا مذہب ہے کہ جب امام اوٹنی آواز سے قرأت کرے تو مقتدی پڑھ نہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے نہ کچھ اور۔ امام شافعی کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے لیکن یہ قول پہلے کا ہے۔

مجھے کہ امام مالک کا مذہب، ایک اور روایت میں امام احمد کا یہ سبب ان دلائل کے جن کا ذکر گزر چکا۔ لیکن اس کے بعد کا آپ کا یہ فرمان ہے کہ مقتدی صرف سورہ فاتحہ امام کے سکوت کے درمیان پڑھ لے۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد والے گروہ کا یہی فرمان ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمد فرماتے ہیں مقتدی پر مطلقاً قرأت واجب نہیں: اس نماز میں جس میں امام آہستہ قرأت پڑھے نہ اس میں جس میں بلند آواز سے قرأت پڑھے اس لئے کہ حدیث میں ہے امام کی قرأت مقتدیوں کی بھی قرأت ہے۔ اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ یہی حدیث موطا امام مالک میں موقوفاً مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ یعنی یہ قول حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہونا زیادہ صحیح ہے نہ کہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (لیکن یہ بھی یاد

رہے کہ خود حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ کتنا نقرانی الظہر و العصر خلف الامام فی الرکعتین الالبین بعا نحة الکتاب و سورة وفى الاخرین یقاتهنه الکتاب یعنی ہم ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور کوئی اور سورت بھی اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے پس معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ امام کی قرات اسے کافی ہے اس سے مراد الحمد کے علاوہ قرات ہے۔

یہ مسئلہ اور جگہ نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی خاص مسئلے پر حضرت امام ابو عبد اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں ثابت کیا ہے کہ ہر نماز میں خواہ اس میں قرات اونچی پڑھی جاتی ہو یا آہستہ مقتدیوں پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں یہ آیت فرض نماز کے بارے میں ہے۔ طلحہ کا بیان ہے کہ عید بن عمر اور عطاء بن ابی رباح کو میں نے دیکھا کہ واعظ واعظ کہہ رہا تھا اور وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے تو میں نے کہا تم اس وعظ کو نہیں سنتے اور عید کے قابل ہو رہے ہو انہوں نے میری طرف دیکھا پھر باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے پھر یہی کہا انہوں نے پھر میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے پھر یہی کہا انہوں نے پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا یہ نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت عباد فرماتے ہیں نماز میں ہے۔ حضرت محمد سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز اور جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہے۔

حضرت عطاء سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حسن فرماتے ہیں نماز میں اور ذکر کے وقت، سعید بن جبیر فرماتے ہیں بقرہ عید اور یحییٰ عید اور جمعہ کے دن اور جن نمازوں میں امام اونچی قرات پڑھے۔ ابن جریر کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ مراد اس سے نماز میں اور خطبے میں چپ رہنا ہے جیسے کہ حکم ہوا ہے امام کے پیچھے خطبے کی حالت میں چپ ہو۔ مجاہد نے اسے کدو سمجھا کہ جب امام خوف کی آیت یا رحمت کی آیت تلاوت کرے تو اس کے پیچھے سے کوئی شخص کچھ کہے بلکہ خاموشی کے لئے کہا (حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی خوف کی آیت سے گزرتے تو پناہ مانگتے اور جب بھی کسی رحمت کے بیان والی آیت سے گزرتے تو اللہ سے سوال کرتے)۔

حضرت حسن فرماتے ہیں جب تو قرآن سننے بیٹھے تو اس کے احترام میں خاموش رہا کر۔ مسند احمد میں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص کان لگا کر کتاب اللہ کی کسی آیت کو سنے تو اس کے لئے کثرت سے بڑھنے والی نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اسے پڑھے تو اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔ (ابن کثیر، اعراف، ۲۰۴)

لہذا معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کے لیے کچھ پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ نماز جبری (بآواز بلند ہو یا سری بآواز

سورہ فاتحہ کی قراءت میں ائمہ کے مسائل کا بیان:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا خواہ نماز جہری ہو یا سری واجب ہے اور سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورۃ وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔

حضرت امام احمد، حضرت امام مالک اور ایک قول کے مطابق خود حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا بھی مسلک یہ ہے کہ مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ کا پڑھنا صرف سری نماز میں واجب ہے جہری نماز میں محض امام کی قرأت سننا کافی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں خواہ نماز سری ہو یا جہری دونوں صورتوں میں مطلقاً قرأت مقتدی کے لیے منوع ہے نیز صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے رحمہم اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک بھی مقتدی کو پڑھنا مکروہ ہے۔

حضرت امام محمد جو حضرت امام اعظم کے جلیل القدر شاگرد اور فقہ حنفیہ کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت کے قول کے مطابق امام کے پیچھے مقتدی اگر سورہ فاتحہ کی قرأت کرے تو نماز قاسدہ ہو جاتی ہے۔ لہذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ عمل اس دلیل پر کیا جائے جو زیادہ قوی اور مضبوط ہو، چنانچہ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

الحدیث (مَنْ كَانَ لَهُ إِبْرَامٌ فَقَرَأَهُ إِلَّا تَامَ قِرَاءَةُ قُلْ)

یعنی (نماز میں) جس آدمی کا ابراہام ہو تو امام کی قرأت ہی اس (مقتدی) کی قرأت ہوگی۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ البخاری و مسلم کے علاوہ سب نے اسے نقل کیا ہے اور ہدایہ میں تو یہاں تک مذکور ہے علیہ اجماع الصحابہ یعنی اسی پر صحابہ کا اتفاق تھا۔

سورہ فاتحہ کے بارے میں ائمہ کی اس بحث کا بیان:

سورہ فاتحہ کے سلسلے میں ائمہ کے ہاں دو بحثیں چلتی ہیں اول تو یہ کہ مطلقاً سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس بحث کی توضیح پہلے کی جائیگی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور امام اعظم کے نزدیک واجب ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ سورہ فاتحہ مقتدی کو پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے تو یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صحیح روایت میں منقول ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے خواہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی۔ اور یہی حضرت امام احمد کا بھی مسلک ہے، امام مالک کے نزدیک فرض نہیں مگر آہستہ آواز کی نماز میں مستحب ہے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف و امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ آہستہ آواز اور بلند آواز دونوں قسم کی نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا مقتدی پر فرض نہیں ہے بلکہ نفی فقہاء تو اس کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔

امام محمد کے مذہب کی تحقیق؛

ابھی ہم نے اوپر لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم اور صاحبین کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے مگر اس سلسلے میں کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے جس کی بنیاد پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام محمد کا مسلک امام اعظم اور امام ابو یوسف سے کچھ مختلف ہے چنانچہ مائل قاری نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں اور کچھ دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ امام محمد اس کے قائل ہیں کہ آہستہ آواز کی نماز میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے ہم سمجھتے ہیں کہ امام محمد کی طرف اس قول کی نسبت کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ امام محمد کی کتابوں سے بالکل صاف طریقہ یہ پر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں شیخین یعنی امام اعظم اور امام ابو یوسف سے بالکل متفق ہیں۔ چنانچہ امام محمد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

لا قراءة خلف الا امام فيما يجهر فيه ولا فيما لم يجهر بذلك جاءت عامة الآثار وهو قول ابي حنيفة رحمة الله تعالى۔

نماز خواہ بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی کسی حال میں بھی امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے اسی کے مطابق ہمیں بہت سے احادیث پہنچی ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔

نیز امام موصوف نے اپنی دوسری تصنیف کتاب الآثار میں قرأت خلف الامام کے عدم اثبات میں احادیث و آثار کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا

وبه نأخذ لانرى القراءة خلف الامام شيء من الصلوة يجهر فيه او لا يجهر فيه۔

اور یہی (یعنی عدم قرأت خلف الامام) ہمارا بھی مسلک ہے ہم قرأت خلف الامام کو کسی بھی نماز میں خواہ وہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی نماز روا نہیں رکھتے۔

بہر حال مذکورہ بالا مذہب کو دیکھتے ہوئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ سورہ فاتحہ کے سلسلہ میں حنفیہ دو چیزوں کے قائل ہیں۔ اول تو یہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا کسی بھی حال میں فرض نہیں خواہ وہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی اور دوسری یہ کہ اگر کوئی مقتدی سورہ فاتحہ پڑھتا ہے تو گویا وہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس موقع پر ہم صرف اتنی بات صاف کریں گے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض کیوں نہیں ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں۔

تو جانتا ہے کہ جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اس کی سب سے بڑی دلیل اس باب کی پہلی حدیث ہے یعنی لا صلوة الا بفاتحة الكتاب ان حضرات کے نزدیک امام کا پڑھنا مقتدی کے حق میں کافی نہیں بلکہ ہر ایک آدمی کو بطور خود پڑھنا ضروری ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لیے کافی ہے۔ جب امام نے پڑھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری



جماعت نے پڑھا، چنانچہ وہ اپنے اس قول کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں من کان له امام فقرأه الا امام قراءه له (یعنی جو آدمی کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تو اس امام کی قرات اس (مقتدی) کی بھی قرات سمجھی جائے گی)۔ گو بعض علماء نے اگرچہ اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے۔ مگر حقیقت میں ان کا کلام صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث بہت ہی اسناد سے ثابت ہے جن میں سے بعض اسناد تو اس درجے کی صحیح و سالم ہیں کہ اس میں کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات بعراحت ثابت ہوتی ہے۔ کہ مقتدی کو قرات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ تو سورہ فاتحہ کی اور نہ کسی اور سورہ کی۔ اس موقع پر یہ احتمال بھی پیدا نہیں کیا جاسکتا کہ شاید اس حدیث کا تعلق بلند آواز کی نماز سے ہو کیونکہ یہ بات بھی صحیح طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عصر کی نماز کے وقت تھا۔ جو آہستہ آواز کی نماز ہے اور جب آہستہ آواز کی نماز میں یہ حکم ہے تو بلند آواز کی نماز میں تو بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

امام کے پیچھے قرات نہ کرنے کے دلائل احادیث کی روشنی میں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّيَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَيْتَ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ رِوَاهُ أَبُو حَنِيفَةَ.

(الحوار منی فی جامع المسانید، 331/1، والإمام محمد فی الموطأ، باب: القراءة فی الصلاة خلف الإمام، 96/1، وعبد بن حنفیہ فی المسند، 320/1، الرقم 1050، والطبرانی فی المعجم الأوسط، 8، الرقم 7903، والبیہقی فی السنن الکبری، 160/2)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا ہی اس کا پڑھنا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، تو ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قرات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: تم میں سے کس نے میرے پیچھے قرات کی تھی؟ (لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کے ڈر سے خاموش رہے، یہاں تک کہ) تین بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتکرار یہی استفسار فرمایا۔ آخر ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو امام کے پیچھے ہو تو امام کی قرات ہی اس کی قرات ہے۔

(مسند الإمام الأعظم، 61:)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ بخیر کہے تو تم بخیر کہو۔ جب روک کر کہے تو تم روک کر کہو۔ جب (سمع اللہ لمن)

خَمْدُ) کہے تو تم (وَلَا تَنَالُوا الْحَمْدُ) کہو، جب وہ عجدہ کرے تو تم بھی عجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو (اسخاری فی الصحیح، کتاب: صفة الصلاة، باب: إيجاب التكبير وافتتاح الصلاة، 257/1،

الرقم 701):

حضرت عطاء بن ریا روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قراءت کے متعلق سوال کیا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: امام کے ساتھ کسی چیز میں قراءت نہیں (مسلم فی الصحیح، کتاب: المساجد ومواضع الصلاة، باب: سجود التلاوة، 406/1، الرقم 577):

حضرت حطان بن عبد اللہ رقاشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، جب وہ قعدہ کے قریب تھے تو ایک شخص نے کہا: یہ نماز نیکی اور پاکیزگی کے ساتھ پڑھی گئی ہے، جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے مڑ کر دیکھا اور پوچھا تم میں سے کس نے یہ بات کی تھی؟ سب خاموش رہے، انہوں نے پھر دوبارہ پوچھا کہ تم میں سے کس نے یہ بات کہی تھی؟ سب خاموش رہے، کآپ میری پٹائی کریں گے (یا ناراض ہوں گے) اس موقع پر حضرت موسیٰ نے مجھ سے کہا: اے حطان! شاید تم نے یہ کلمہ کہا ہے؟ میں نے کہا: میں نے نہیں کہا، مجھے تو آپ کا ڈر تھا، پھر لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: میں نے یہ کلمہ کہا تھا اور میری نیت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہ تھی، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے نماز میں کیا کہنا چاہیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور میں نماز کا مکمل طریقہ بتلادیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز پڑھنے لگو تو سب سے پہلے اپنی صفیں درست کرو پھر تم میں سے کوئی شخص امامت کرے جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ جب وہ (تَحِيْرُ الْمُخْطُوْبِ عَلَيْهِمُ وَلَا الْغَائِبِينَ) کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری اس دعا کو قبول فرمائے گا، پھر جب وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو، امام تم سے پہلے رکوع کرے گا اور تم سے پہلے رکوع سے سر اٹھائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس طرح تمہارا عمل اس کے مقابلے میں ہو جائے گا اور جب امام (سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہے تو تم (اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ) کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا قول سنتا ہے اور تمہارے نبی کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے (سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) جاری کر دیا، پھر جب امام تکبیر کہہ کر عجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر عجدہ کرو، امام تم سے پہلے عجدہ کرے گا اور تم سے پہلے عجدہ سے سر اٹھائے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا یہ عمل امام کے مقابلے میں ہوگا اور جب امام قعدہ میں بیٹھ جائے تو تم سب سے پہلے یہ کلمات: (الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ) پڑھو۔

(مسلم فی الصحیح، کتاب: الصلاة، باب: التشهد فی الصلاة، 303/1، 304، الرقم 404):

حبان فی الصحیح، 541/5، الرقم 2167؛ والدارمی فی السنن، 363/1، الرقم 1358؛  
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی یہ الفاظ ہیں: اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

(مسلم فی الصحیح، کتاب: الصلاة، باب: التشہد فی الصلاة، 304/1، الرقم 404؛ والبیہقی فی  
السنن الکبری، 155/2، الرقم 2709؛ امام مسلم نے فرمایا کہ یہ روایت میرے نزدیک صحیح ہے۔)

حضرت ابو نعیم وہب بن کسان سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے  
ہوئے سنا: جس نے کوئی رکعت پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی، سوئے اس کے کہ وہ  
امام کے پیچھے ہو۔ (الترمذی فی السنن، کتاب: الصلاة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: ما  
جاء فی ترک القراءة خلف الإمام إذا جهر بالإمام بالقراءة، 346/1، 347، الرقم 312، 313؛)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی۔  
ایک شخص آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سورت: (سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى) پڑھی۔ جب آپ صلی  
اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے قراءت کس نے کی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ایک  
آدی نے۔ فرمایا: میں جان گیا تھا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے جھگڑ رہا ہے۔ (ابوداؤد فی السنن، کتاب: الصلاة، باب:  
من رأى القعدة إذا لم يجهر، 219/1، الرقم 828؛)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی۔  
جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے سورہ: (سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى) کس نے  
پڑھی؟ ایک آدی نے عرض کیا: میں نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں جان گیا تھا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے  
جھگڑ رہا ہے۔

(ابوداؤد فی السنن، کتاب: الصلاة، باب: من رأى القعدة إذا لم يجهر، 219/1، الرقم 829؛)  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جہری نماز سے فارغ  
ہو کر فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے اب میرے ساتھ قراءت کی تھی؟ ایک شخص نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسول اللہ! آپ  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بھی کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے کہ مجھ سے قرآن میں جھگڑا کیا جا رہا ہے راوی بیان کرتے  
ہیں کہ یہ سننے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہری نمازوں میں قراءت سے رک  
گئے تھے۔ (وَقَالَ أَبُو عِيَسَى بَعْدَ حَدِيثِ حَسَنٍ التِّرْمِذِيُّ فِي السَّنَنِ، کتاب: الصلاة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

علیہ وآلہ وسلم، باب: بما جاء فی ترک القراءة خلف الإمام إذا جهر الإمام بالقراءة، 344/1، 345، الرقم: 312،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا خُفِّلَ الْإِمَامُ لِبُيُوتِهِ، فَإِذَا كَثُرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا، رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَأَبُو دَاوُدَ وَأَخْنَدٌ. هَذَا خَبِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، ابْنُ مَاجَةَ فِي السَّنَنِ، كِتَابُ: إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَالسَّعَةِ فِيهَا، بَابُ: إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا، 458/1، الرقم: 846،  
وَأَبُو دَاوُدَ فِي السَّنَنِ، كِتَابُ: الصَّلَاةِ، بَابُ: الْإِمَامُ يَصْلِي مِنْ قَعْدَةٍ، 237/1، الرقم: 604،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم لوگ بھی اللہ اکبر کہو، اور جب قراءت کرے تو چپ رہو۔  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ (سمیع اللہ لِنَحْنُ حَمِيدُهُ) کہے تو تم (اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ) کہو۔ النسائی فی السنن، کتاب: الافتتاح، باب: تَأْوِيلُ قَوْلِهِ لِنَحْنُ حَمِيدُهُ،  
وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ، 141/2، الرقم: 921،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے قراءت فرمائی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تم میں سے اب کسی شخص نے میرے ساتھ قرآن پڑھا؟ ایک شخص نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! میں نے پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسی لیے تو میں بھی کہہ رہا تھا کیا ہو گیا ہے کہ کوئی شخص مجھ سے قرآن میں جھگڑ رہا ہے۔ جب سے لوگوں نے یہ سنا تو جس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آواز بلند قراءت فرماتے تھے کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قراءت نہ کرتا۔ (النسائی فی السنن، کتاب: الافتتاح، باب: بَقَرَةُ أَمِ الْقُرْآنِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيمَا جَهَرَ بِهِ الْإِمَامُ، 140/2، الرقم: 919،)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز تکبیر ادا فرمائی ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے (سَمِعَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى) پڑھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اس سورہ کو کس شخص نے پڑھا، ایک شخص نے عرض کیا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایسا معلوم ہو گیا کوئی شخص مجھ سے قرآن میں جھگڑ رہا ہے۔ (البنسائی فی السنن، کتاب: الافتتاح، باب: بَرَكَةُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيمَا جَهَرَ بِهِ، 141/2، الرقم: 917، وَالطَّحَاوِيُّ فِي

شرح معانی الآثار، 1/ 207)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ جب وہ (اللہ اکبر) کہے تو تم (اللہ اکبر) کہو جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو جب وہ (ولا الضالین) کہے تو تم (آمین) کہو جب وہ رکوع کرنے تم رکوع کرو جب وہ (سبح اللہ لمن حمدہ) کہے تو تم (اللهم ربنا ولك الحمد) کہو جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔ (ابن ماجہ فی السنن، کتاب: إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: إذا قرأ الإمام فأنصتوا، 1/ 276، الرقم: 846)

حضرت ابویوسف اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، اور جب وہ قعدہ میں ہو تو تم پہلے التحیات پڑھا کرو۔ (ابن ماجہ فی السنن، کتاب: إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: إذا قرأ الإمام فأنصتوا، 1/ 276، الرقم: 847)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب مقتدی کی قرات کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا مقتدی بھی امام کے پیچھے قراءت کرے گا؟ تو انہوں نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قراءت کافی ہے اور جب ایلا پڑھے تو خود قراءت کرے۔ نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔ (أخرجہ مالک فی الموطأ، کتاب: النداء بالصلاة، باب: السقراء خلف الإمام فيما لا يجهرون به بالقراءة، 86/1، الرقم: 192،: والطحاوی فی شرح معانی الآثار، 1/ 284، الرقم: 1283)

حضرت ابویوسف اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو کوئی ایک تمہارا امام بن جائے اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔ (أحمد بن حنبل فی المسند، 4/ 415)

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام کی اقتدا میں قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، اور ہمارے مشائخ نے مجھے بتایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اُس شخص کی نمازی نہیں جو امام کی اقتدا میں قراءت کرے اور حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

(عبد الرزاق فی المصنف، 2/ 139، الرقم: 2810،: والإمام محمد فی الموطأ، باب: القراءة فی الصلوة خلف الإمام، 1/ 98)

حضرت ابو داؤد کس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کی اقتداء میں قراءت کرنے کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا: خاموش رہو کہ نماز میں معروفت ہے تجھے امام اس (قراءت) کی کفایت کر دے گا۔ (الإمام محمد فی الموطأ، باب: القراءة فی الصلاة خلف الإمام 96، والطحاوی فی شرح معانی الآثار، 284/1، الرقم: 1273.)

حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جبری (جن میں آواز سے قراءت ہوتی ہے) اور سری (جن میں قراءت آہستہ ہوتی ہے) دونوں طرح کی نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔ (الإمام محمد فی الموطأ، باب: القراءة فی الصلاة خلف الإمام 96.)

داؤد بن قیس فرامدنی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کسی نے بتایا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں انکار ہو۔ (الإمام محمد فی الموطأ، باب: القراءة فی الصلاة خلف الإمام 98.)

عبداللہ بن ابی لیلیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام کی اقتداء میں قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (عبد الرزاق فی المصنف، 138/2، الرقم: 2805.)

امام محمد بن یحییٰ انکانی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری یہ خواہش ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں پتھر ہو۔ (عبد الرزاق فی المصنف، 138/2، الرقم: 2806.)

حضرت ابو حمزہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: کیا میں قراءت کروں جبکہ امام میرے سامنے ہو؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں۔

(الطحاوی فی شرح معانی الآثار، 284/1، الرقم: 1282.)

قاعدہ چہمے سے قرأت خلف الامام کی ممانعت کا بیان:

النهی لا یكون الا بعد الاباحة.

علم نمی مباحث شئی کے بعد آتا ہے۔ (شرح حالی الآثار ج ۱ ص ۱۳۰، مکتبہ مدنیہ لبنان)

اس کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ جو حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے فرماتے ہیں میں مسجد میں آیا تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے ہیں اور لوگ نماز پڑھ رہے ہیں میں نے کہا کیا آپ لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھیں گے تو انہوں نے کہا کہ میں نے سفر میں اپنی نماز پڑھ لی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک عی یون میں فرض نماز کو دوسرے

پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

ابتداءً اسلام میں مسلمان اسی طرح کرتے تھے کہ وہ نماز اپنے گھروں میں پڑھ لیتے تھے پھر مسجد میں آتے اور دوبارہ اسی نماز کو پڑھتے تو پڑھ لیتے تھے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۲۰ مکتبہ تحفہ لبنان)

۱۔ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کا حکم:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے پہلے تم کو زیارت نبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم زیارت کیا کرو، اور میں نے پہلے تم کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا اب تمہارا جب تک جی چاہے قربانی کا گوشت رکھ لیا کرو، اور میں نے تم کو شک کے علاوہ تمام برتنوں میں نبیز کے استعمال سے منع کیا تھا اب تم تمام برتنوں میں نبیز کو استعمال کرو، لہذا نشر آور چیز کو نہ پینا۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۵۷) نبی ص ب خاندہ راہی

اس حدیث میں قبروں کی زیارت اور قربانی کا گوشت کھانا تین دن سے زائد کی اجازت ہے جو کہ ابتداءً اسلام میں منع تھی۔

امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم اگر بقول غیر مقلدین مباح تھا اور اس کی اباحت پر وہ کمزور دلائل بیان کرنے کی جسارت کر لیتے ہیں تو ان سے ہماری گزارش یہی ہے کہ حکم اباحت کے بعد ہی نبی وارد ہوتی ہے۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کھانا نہ کھا رہا ہو اور اسے کہیں کہ تم کھانا مت کھاؤ۔ بلکہ کھانا کھانے سے ممانعت اسی کوئی جائے گی جو کھانا کھا رہا تھا۔ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ امام کے پیچھے قرأت ہوئی تھی۔ لہذا اس اصول کی روشنی میں مسئلہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ لوگوں پر اپنی نفسانی خواہشات مت مسلط کریں۔

امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کے حق میں وہید کا بیان:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا اذقر افاصلتوا۔ امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے جب تکبیر تحریر کہے تم تکبیر کو جب قرأت کرے خاموش رہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ فی الامام یصلی جالساً مطبوعہ اذکر القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے بتنا ہے کہ جو امام کے پیچھے پڑھے اس کے منہ میں آگ ہو۔ "عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: قدرت پاتا تو اسکی (امام کے پیچھے پڑھنے والے کی) زبان کاٹ دیتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں دوست رکھتا ہوں کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں انگارہ ہو۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قرات کرتا ہے، کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔

حضرت عبداللہ بن زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں قرات نہ کرے۔

امیر المؤمنین سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرات کی اس نے فطرت سے خطا کی۔ (فتاویٰ رضویہ، باب القراءۃ)

قرأت خلف الامام اور منازعت کا بیان:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الکبر ردائی والعظمۃ ازاری من نازعنی واحد امنہما القیتہ فی النار۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث، ۳۱۶۲، سنن ابوداؤد، ۳۵۶۷، مستدرک، ۲۵۸۵۹، مسلم، ۳۷۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے جس نے ان میں سے کسی ایک میں بھی میرے ساتھ منازعت یعنی جھگڑا کیا میں اسے جہنم میں ڈالوں گا۔

جو لوگ امام کے پیچھے قرات کرتے ہیں وہ منازعت کرتے ہیں لہذا انہیں منازعت کے اس عمل سے باز رہنا چاہیے۔

جماعت کی شرعی حیثیت:

(الْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى لَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُتَافِقٌ) ✽

ترجمہ:

جماعت سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جماعت سنن ہدیٰ میں سے سنت ہے اس سے صرف منافق پیچھے

رہتا ہے۔

شرح:

✽ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے پھر وہ بغیر کسی ضرورت کے مسجد سے چلا جائے اور (جماعت میں شریک ہونے کے لیے) واپس آنے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

اگر کوئی آدمی مسجد میں موجود ہو اور اذان ہو جائے اور پھر وہ جماعت کی سعادت سے منہ موڑ کر مسجد سے چلا جائے تو یہ بڑی بدبخشی کی بات ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ ایسا آدمی ترک جماعت کا گناہ گار ہونے کی وجہ سے منافق کی طرح ہوتا ہے۔



حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو نماز کا کہوں تو جماعت قائم ہو جائے (یعنی تکبیر ہو) پھر میں کسی مرد کو حکم دوں وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں کچھ مردوں کو ساتھ لے کر چوں جن کے پاس لکڑی کے گٹھے ہوں ان لوگوں کے پاس جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے پھر انکے گھروں کو ان سمیت جلاؤں۔ (سنن ابن ماجہ)

جماعت فرض و واجب ہے یا نہیں ؟ :

اس بارے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ آیا جماعت سنت ہے یا واجب اور یا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ چنانچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جماعت فرض عین ہے الا کسی عذر کی وجہ سے، یہ قول امام احمد بن حنبل، داؤد، عطاء اور ابو ثور رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا ہے بعض علماء کا قول یہ ہے کہ جو کوئی نماز کے لیے اذان سے اور مسجد میں حاضر نہ ہو تو اس کی نماز درست نہیں، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے تبعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ جماعت سنت موکدہ واجب کے قریب ہے لیکن فقہ کی کتابوں کو دیکھتے سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت کے بارے میں حنفی فقہاء کے دو قول ہیں بعض کتابوں میں جماعت کو واجب لکھا گیا ہے اور بعض میں سنت موکدہ اور وجوب ہی کا قول رائج اور اکثر محققین حنفیہ کا مسلک بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ مشہور محقق حضرت ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ کا مسلک یہی ہے کہ جماعت واجب ہے لیکن اس کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ جماعت کا ثبوت سنت یعنی حدیث سے ہے نہ یہ کہ خود جماعت سنت ہے جیسا کہ نماز عیدین، وہ واجب ہے مگر اسے سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے۔

جماعت کے احکام و مسائل :

کتاب بدائع میں لکھا ہے کہ جماعت کے لیے مسجد میں حاضر ہونا ہر عاقل، بالغ غیر معذور پر واجب اور اگر ایک مسجد میں جماعت نہ ملے تو دوسری مسجدوں میں پھر تا واجب نہیں ہے البتہ جماعت کی سعادت حاصل کرنے کی خاطر اگر دوسری مسجدوں میں جائے تو یہ اچھی بات ہوگی، قدوری نے لکھا ہے کہ اس صورت میں کہ اگر مسجد میں جماعت نہ ملے، تو چاہیے کہ اہل و عیال کو جمع کر کے گھر ہی میں جماعت سے نماز پڑھ لی جائے۔

اس مسئلے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ محلے کی مسجد میں جماعت افضل ہے یا جامع مسجد میں، اگر ایک جگہ میں دو

مسجد میں ہوں تو ان میں سے قدیم مسجد کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر دونوں برابر ہوں تو پھر جو مسجد قریب ہو اسے اختیار کیا جائے، جماعت نماز تراویح میں اگرچہ ایک قرآن مجید جماعت کے ساتھ ہو چکا ہو اور نماز رکوع کے لیے سنت موکدہ ہے، رمضان کے وتر میں جماعت مستحب ہے رمضان کے علاوہ اور کسی زمانہ کے وتر میں جماعت مکروہ تزیینی ہے مگر اس کے مکروہ ہونے میں یہ شرط ہے کہ مواظبت کی جائے اگر مواظبت نہ کی جائے بلکہ کبھی کبھی دو تین آدمی جماعت سے پڑھ لیں تو مکروہ نہیں۔

نماز خسوف میں اور تمام نوافل میں جماعت مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ نوافل اس اہتمام سے ادا کئے جائیں جس اہتمام سے فرائض کی جماعت ہوتی ہے یعنی اذان و اقامت کے ساتھ یا کسی اور طریقے سے لوگوں کو جمع کر کے ہاں اگر بغیر اذان و اقامت کے اور بغیر بلائے ہوئے دو تین آدمی جمع ہو کر کسی نفل کو جماعت سے پڑھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

جماعت کی حکمتیں اور فائدے :

جماعت کی حکمتیں کیا ہیں؟ اور اس کے کیا فائدے مرتب ہوتے ہیں، اس موضوع پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس سلسلے میں امام الکبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو لطیف و جامع بات کہی ہے وہ کہیں نظر نہیں آتی چنانچہ اس موقع پر انہیں کی تقریر نقل کی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

(۱) کوئی چیز اس سے زیادہ سودمند نہیں کہ کوئی عبادت اس طرح رسم عام کر دی جائے کہ وہ عبادت ایک ضروری عادت ہو جائے کہ اس کو چھوڑنا کسی عادت کو ترک کرنے کی طرح ناممکن ہو جائے اور تمام عبادتوں میں نماز سے زیادہ عظیم و شاندار کوئی عبادت نہیں کہ اس کے ساتھ یہ حاصل اہتمام کیا جائے

(۲) مذہب میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں جاہل بھی عالم بھی، لہذا یہ بڑی مصلحت کی بات ہے کہ سب لوگ جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے اس عبادت کو ادا کریں تاکہ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو دوسرا اسے بتادے گویا اللہ کی عبادت ایک زیور ہوئی کہ ہر تم پر کھنڈے والے اسے دیکھتے ہیں جو خرابی اس میں ہوتی ہے تلا دیتے ہیں اور جو عمدگی ہوتی ہے اسے پسند کرتے ہیں پس نماز کی تکمیل کا یہ ایک ذریعہ ہوگا۔

(۳) جو لوگ بے نمازی ہوں گے ان کا بھی اس سے حال کھل جائے گا اور ان کے لئے وعظ و نصیحت کا موقع ملے گا۔

(۴) چند مسلمانوں کا مل کر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے دعا مانگنا حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور قبولت کے لیے ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے۔

(۵) اس امت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ اس کے نام کا کلمہ بلند ہو اور کلمہ کفر پست ہو اور روئے زمین پر کوئی اسام سے غالب نہ رہے اور یہ بات جب حق ہو سکتی ہے کہ یہ طریقہ مقرر کیا جائے کہ تمام مسلمان خواہ وہ کسی درجے اور کسی طبقے کے ہوں، عام و خاص مسافر اور مقیم، چھوٹے اور بڑے سب ہی اپنی کسی بڑی اور مشہور عبادت کے لیے جمع ہوں اور اسام کی شان و شوکت اور اس کی ترتیب دی گئی اور اس کے چھوڑنے کی ممانعت کی گئی۔ (حجۃ اللہ الباقیہ)

(۶) جماعت میں یہ فائدہ بھی ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حال پر اطلاع ہوتی رہے گی، اور وہ ہر ایک کے درد و مصیبت میں شریک ہو سکیں گے جس سے دینی اخوت اور ایمانی محبت کا پورا اظہار و استحکام ہوگا جو اس شریعت کا ایک بڑا مقصود ہے اور جس کی تاکید و فضیلت جا بجا قرآن عظیم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان فرمائی گئی ہے۔ (علم الفقہ)

موجودہ زمانے کی نظریاتی دوڑ کے مطابق دیکھا جائے تو جماعت اسلام کے نظریہ مساوات کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے تمام بندے جو دنیاوی اعتبار سے کسی بھی منصب درجے کے ہوتے ہیں اپنی تمام برتری و فوقیت اور اپنے دنیاوی جاہ و جلال کو بالائے طاق رکھ کر اللہ کے حضور میں تمام عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر سر سمجھ دو جاتے ہیں اور زبان حال سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ (حجۃ اللہ الباقیہ از شاہ ولی اللہ دہلوی)

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و یاقوت  
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

ترک جماعت کے عذر :

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ہر عامل بالغ غیر معذور پر جماعت واجب ہے لیکن اگر ایسا کوئی آدمی ہو یعنی اسے ایسا عذر لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ مسجد میں جا کر جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا ہو تو اس کے لیے جماعت واجب نہیں رہتی، چنانچہ فقہاء نے ترک جماعت کے چند عذر (ماخوذ از علم الفقہ) بیان کئے ہیں۔

(۱) نماز کے صحیح ہونے کی شرط مثلاً طہارت یا ستر حورت وغیرہ کا نہ پایا جانا۔

(۲) پانی کا بہت زوروں کے ساتھ برسنے، اس سلسلے میں حضرت امام محمد نے اپنی کتاب میں طحا میں لکھا ہے کہ اگرچہ شدید بارش کی صورت میں جماعت کے لیے نہ جانا جائز ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جا کر جماعت سے نماز پڑھی جائے۔

(۳) مسجد کے راستے میں سخت کچڑ کا ہونا۔

(۴) سردی اتنی سخت ہو کہ باہر نکلنے میں یا مسجد تک جانے میں کسی بیماری کے پیدا ہونا یا بڑھ جانے کا خوف ہو۔

(۵) مسجد تک جانے میں مال و اسباب کے چوری ہو جانے کا خوف ہو۔

(۶) مسجد جانے میں کسی دشمن کے قتل جانے کا خوف ہو۔

(۷) مسجد جانے میں کسی قرض خواہ کے ملنے اور اس سے تکلیف پہنچنے کا خوف ہو بشرطیکہ اس کے قرضے کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اگر تو درہو تو وہ ظالم سمجھا جائے گا اور اس کو ترک جماعت کی اجازت نہ ہوگی۔

(۸) رات اس قدر اندھیری ہو کہ راستہ نہ دکھائی دیتا ہو ایسی حالت میں یہ ضروری نہیں کہ لائین وغیرہ ساتھ لے کر جائے۔

(۹) رات کا وقت ہو اور آندھی بہت سخت چلتی ہو۔

(۱۰) کسی مریض کی تیمارداری کرنا ہو کہ اس کے جماعت میں چلے جانے سے اس مریض کی تکلیف یا وحشت کا خوف ہو۔

(۱۱) پیشاب یا پاخانہ معلوم ہوتا ہو۔

(۱۲) سفر کا ارادہ رکھتا ہو اور خوف ہو کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں دیر ہو جائے گی اور قافلہ نکل جانے کا ریل کا مسئلہ بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے مگر فرق اس قدر کہ وہاں ایک قافلے کے بعد دوسرا قافلہ بہت دنوں کے بعد ملتا ہے اور یہاں ریل ایک دن کی بار جاتی ہے اگر ایک وقت کی ریل نہ چلی تو دوسرے وقت جاسکتا ہے ہاں اگر ایسا ہی سخت حرج ہو تو جماعت چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں۔

(۱۳) نقد وغیرہ پڑھنے یا پڑھانے میں ایسا مشغول رہتا ہو کہ بالکل فرصت نہ ملتی ہو۔

(۱۴) کوئی ایسی بیماری مثلاً قلع وغیرہ ہو یا اتنا ضعیف ہو کہ چلنے پر قادر نہ ہو یا نایاب ہو اگرچہ اس کو مسجد تک پہنچا دینے والا کوئی مل سکے یا انگڑا ہو یا دونوں طرف سے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔

(۱۵) کھانا تیار یا تیار کیے قریب ہو اور ایسی بھوک لگی ہو کہ نماز میں جی نہ لگنے کا خوف ہو۔

(لو را ایضاً و قدوری، متصرف)

## باب الاضافہ

### ﴿یہ باب امامت کے بیان میں ہے﴾

باب الامامت کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب امامت کے احکام کے بیان میں ہے۔ اور اس کی تاہل فصل سے مناسبت کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہاں امامت کے وہ افعال ذکر کیے جائیں گے جن میں جبر و خفاء کا وجوب ہے۔ اور امام کی قرأت کا سنت ہونا بیان ہوگا۔ اور امامت کی مشروعیت کی صفت کا بیان ہوگا۔ پس اگر تو کہے کہ تاہل فصل تھی اور یہاں باب ذکر کیا گیا ہے۔ تو میں کہوں گا کہ باب میں فصول جمع ہوتی ہیں۔ اور اس میں امامت کے کثیر احکام ہیں اور مقتدی کے کثیر احوال ہیں۔ لہذا اسی وجہ سے باب امامت ذکر کیا ہے۔ (الہدایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۳۷۸، حنفیہ ملتان)

امام کا سب سے زیادہ ہتھار کون ہے:

(وَأَوَّلَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَفَرُّهُمْ لِأَنَّ الْفِرَاءَ لَا يَهْدِي مِنْهَا ، وَالْحَاجَةُ إِلَى الْعِلْمِ إِذَا نَبَتْ نَائِبَةً ، وَنَحْنُ نَقُولُ الْفِرَاءَ مُنْفَرِّدًا لَهَا لِرُكْنٍ وَاحِدٍ وَالْعِلْمُ لِسَائِرِ الْأَرْكَانِ (لِيَنْ تَسَاوَوْا فَأَفَرُّهُمْ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَفَرُّهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى) فَإِنْ تَنَافَوْا سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ) وَأَفَرُّهُمْ كَانَ أَعْلَمُهُمْ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَتَلَقَّوْنَ بِأَحْكَامِهِ فَقَدَّمَ فِي الْحَدِيثِ ، وَلَا كَذَلِكَ فِي زَمَانِنَا فَقَدَّمَ الْأَعْلَمَ .

(لِيَنْ تَسَاوَوْا فَأَفَرُّهُمْ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ صَلَّى خَلْفَ عَالِمٍ تَقَى فَكَانَتْ صَلَاتُهُ خَلْفَ نَبِيِّ) فَإِنْ تَسَاوَوْا فَاسْتَنْهُمْ "لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِأَنَّهُمْ أَعْلَمُهُمْ" (وَلِيَوْمَ مَكَّنَّا أَكْبَرُكُمْ مِمَّنَّا) وَلَا فِي تَفْصِيلِهِ تَخْيِيرَ الْجَمَاعَةِ .

ترجمہ

اور لوگوں میں سے کونست کا زیادہ عالم ہو امامت کا ہتھار ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک ان میں سے جو زیادہ قاری ہو کیونکہ قرأت نماز کیلئے ضروری ہے۔ جبکہ علم کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی واقعہ پیش آئے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ قرأت کی حق بھی ایک رکن کیلئے ہے۔ جبکہ علم کی حق بھی تمام ارکان کیلئے ہے۔

اگر وہ علم میں سب برابر ہوں تو ان میں سے جو سب سے زیادہ قاری ہو وہ ہتھار ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قوم کی امامت کو امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کا اچھا قاری ہو۔ اگر وہ سب اس میں بھی برابر ہوں تو ان میں سنت کا زیادہ جاننے وار

امامت کرے۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو سب سے بڑا قاری ہو وہ عالم بھی ہوتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے قرآن کو اس کے احکام کے ساتھ سیکھا تھا۔ اسی وجہ سے حدیث میں قاری کو مقدم کیا گیا ہے۔ جبکہ ہمارے زمانے میں اس طرح نہیں ہے لہذا ہم نے سنت کے عالم کو مقدم کیا ہے۔

اگر وہ علم و قرأت دونوں میں برابر ہوں تو ان میں متقی افضل ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے عالم متقی کے پیچھے نماز پڑھی گواس نے میرے پیچھے نماز پڑھی۔

اگر وہ سب اس میں بھی برابر ہوں تو جو ان میں زیادہ عمر والا ہو وہ افضل ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ابوملیک کے دونوں صاحبزادوں سے فرمایا: تم دونوں میں سے بڑا امامت کرائے۔ کیونکہ بزرگ کو مقدم کرنے کی وجہ سے حمایت میں کثرت ہوتی ہے۔

**شرف علم کی بنیاد پر امامت کا حقدار ہونا**

سیدنا ابوسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے جو قرآن زیادہ جانتا ہو۔ اگر قرآن میں برابر ہوں تو جو سنت زیادہ جانتا ہو اگر سنت میں سب برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو۔ اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو جو اسلام پہلے لایا ہو اور کسی کی حکومت کی جگہ میں جا کر اس کی امامت نہ کرے (یعنی مقرر شدہ امام کے ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے) اور نہ اس کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے مگر اس کی اجازت سے۔

**شرف قرأت کی وجہ سے امامت کا حقدار ہونا**

سیدنا ابوسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے جو قرآن زیادہ جانتا ہو۔ اگر قرآن میں برابر ہوں تو جو سنت زیادہ جانتا ہو اگر سنت میں سب برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو۔ اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو جو اسلام پہلے لایا ہو اور کسی کی حکومت کی جگہ میں جا کر اس کی امامت نہ کرے (یعنی مقرر شدہ امام کے ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے) اور نہ اس کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے مگر اس کی اجازت سے۔

**شرف تقویٰ کی وجہ سے امامت کا حقدار ہونا**

**شرف عمر کی وجہ سے امامت کا حقدار ہونا**

عَنْ مَالِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَصَاحِبْتُ لِي، فَلَمَّا أَرَادْنَا الْإِنْصِرَافَ، قَالَ لَنَا: إِذَا خَصَرْتَ الصَّلَاةَ فَأَذِّنَا وَاقْبِمَا، وَلْيُؤَمِّكُمَا أَكْبَرُكُمَا. (سنن ابن ماجہ بروقم الحديث ۹۷۹)

حضرت مالک ابن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے صاحبزادے (ہم دونوں) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سفر میں جاؤ تو (نماز

کے لیے) اذان و تکبیر کہا کرو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔ (صحیح البخاری) (ابن ماجہ رقم الحدیث ۹۷۹۰)  
 غالباً یہ دونوں حضرات علم و ورع میں ہم پلہ ہوں گے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بننے کا حقد ارا سے قرار دیا جو عمر  
 میں بڑا ہو، یا پھر اکبر (یعنی بڑے) سے مراد افضل ہے کہ دونوں میں سے جو افضل ہو وہ امامت کرے۔ اس سے معلوم ہوا  
 کہ افضلیت کی شرط اذان میں نہیں ہے، تاہم چاہے یہی کہ اذان وہ آدمی دے جو اقامت نماز کا علم رکھتا ہو، نیک اور رندار ہو،  
 بلند آواز اور خوش گلو ہو اور اذان کے کلمات صحیح صحیح ادا کر سکتا ہو۔ (صحیح مسلم، ۳۲۶)

امامت کا متحق کون ہے؟

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تم کی امامت وہ آدمی کرے جو نماز  
 کے احکام و مسائل جاننے کے ساتھ قرآن مجید سب سے اچھا پڑھتا ہو (یعنی تجوید سے واقف ہو۔ اور حاضرین میں سب  
 سے اچھا قاری ہو) اگر قرآن مجید اچھا پڑھنے میں سب برابر ہوں۔ تو وہ آدمی امامت کرے جو (قرأت مسنونہ اچھی طرح  
 پڑھنے کے ساتھ) سنت کا علم سب سے زیادہ رکھتا ہو۔ اگر (قرآن مجید اچھی طرح پڑھنے اور) سنت کا علم جاننے میں سب  
 برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو (مدینہ میں) سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا ہو اگر (علم قرأت اور) ہجرت میں سب  
 برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو عمر میں سب سے بڑا ہو! اور کوئی دوسرے کے علاقے میں امامت نہ کرے (یعنی  
 دوسرے مقررہ امام کی جگہ امامت نہ کرے) اور کسی کے گھر میں اس کی مسند پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ (صحیح مسلم)  
 اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ کوئی آدمی دوسرے کے گھر میں  
 (اس کی اجازت کے بغیر اگرچہ وہ صاحب خانہ سے افضل ہی کیوں نہ ہو) امامت نہ کرے۔

فقہاء کے نزدیک امامت کا زیادہ کون قدر ہے:

علامہ طہطبی فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ فَاَعْلَمَهُمْ بِالْاَشْيَاءِ میں سنت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث  
 ہیں عہد صحابہ میں جو آدمی احادیث زیادہ جانتا تھا وہ بڑا فقیہ مانا جاتا تھا حضرت امام احمد اور امام ابو یوسف کا عمل اسی حدیث پر  
 ہے، یعنی ان حضرات کے نزدیک امامت کے سلسلہ میں قاری عالم پر مقدم ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ حضرت امام محمد حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ زیادہ  
 علم جاننے والا اور فقیہ امامت کے سلسلے میں بڑے قاری پر مقدم ہے کیونکہ علم قرأت کی ضرورت تو نماز کے صرف ایک ہی رکن  
 میں (یعنی قرأت کے وقت ہوتی ہے، برخلاف اس کے کہ علم کی ضرورت نماز کے تمام ارکان میں پڑتی ہے۔

ابن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم پر سب سے اچھا قرآن پڑھنے والا مقدم ہے اس کا جواب ان حضرات کی  
 طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لوگ قاری ہوتے تھے وہی سب سے زیادہ علم والے

بھی ہوتے تھے کیونکہ وہ لوگ قرآن کریم مع احکام کے سیکھتے تھے اسی وجہ سے احادیث میں قاری کو عالم پر مقدم رکھا گیا ہے اور اب ہمارے زمانے میں چونکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اکثر قاری مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لیے ہم عالم کو قاری پر مقدم رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان حضرات کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت ابو بکر صدیق سے لوگوں کو نماز پڑھوائی باوجود اس کے وہ قاری نہ تھے بلکہ سب سے زیادہ علم والے تھے حالانکہ اس وقت ان سے زیادہ بڑے بڑے موجود قاری تھے۔ قائد مجہم ہجرت کے بارے میں ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل ہجرت چونکہ متروک ہے اس لیے اب یہاں حقیقی ہجرت کے بجائے معنوی ہجرت (یعنی گناہوں اور برائیوں سے توبہ) کا اعتبار ہو گا یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے علم اور قرأت میں برابری کے بعد پرہیزگاری کو مقدم رکھا ہے یعنی اگر وہ آدمی ایسے جمع ہوں جو عالم بھی ہوں اور قاری بھی ہوں تو ان دونوں میں سے امامت کا مستحق وہ آدمی ہوگا جو دوسرے کی یہ نسبت زیادہ پرہیزگاری کے وصف کا حامل ہوگا۔

اس حدیث میں امامت کے صرف اتنے ہی مراتب ذکر کئے گئے ہیں لیکن علماء نے کچھ اور مراتب ذکر کئے ہیں چنانچہ اگر عمر میں بھی سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو اگر اخلاق میں بھی سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو اچھے چہرے والا ہو یعنی خوبصورت ہو اگر خوبصورتی میں سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو سب سے عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو یا سب سے زیادہ شریف الخُلب ہو اگر تمام اوصاف میں سب برابر ہوں تو اس صورت میں بہتر شکل یہ ہے کہ قرعہ ڈال جائے جس کا نام نکل آئے وہ امامت کرے یا پھر قوم جسے چاہے اپنا امام مقرر کرے اور اس کے پیچھے نماز پڑھے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی سلطنت و علاقے میں امامت نہ کرے اسی طرح ایسی جگہ بھی امامت نہ کرے جس کا مالک کوئی دوسرا آدمی ہو جیسا کہ دوسری روایت کے الفاظ فی اہلہ سے ثابت ہوا۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر حاکم وقت امامت کرتا ہے یا حاکم وقت کی جانب سے مقرر شدہ اسی کا نائب جو امیر اور ظیفہ کے ہی حکم میں ہوتا ہے امامت کے فرائض انجام دیتا ہے تو کسی دوسرے آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ سبقت کر کے امامت کرے خاص طور پر عیدین اور جمعہ کی نماز میں تو یہ بالکل ہی مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح جس مسجد میں امام مقرر ہو یا کسی مکان میں صاحب خانہ کی موجودگی میں مقررہ امام اور صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر امامت کی طرف سبقت نہ کرنا کسی دوسرے آدمی کا حق نہیں ہے کیونکہ اس طرح امور سلطنت میں انحطاط آپس میں بعض وعناد ترک ملاقات، انشراق واختلاف اور فتنہ و فساد کا دروازہ کھلتا ہے اور جب کہ جماعت کی مشروعیت ہی انہیں غیر اخلاقی



چیزوں کے سد باب کے لیے ہوئی ہے چنانچہ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ رویہ قابل تقلید ہے کہ وہ اپنے فضل و شرف اور علم و تقویٰ کے باوجود حجاج بن یوسف جیسے ظالم و کاسق کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

فضیلت علم پر امامت کے بارے میں صاحب ہدایہ کی بیان کردہ حدیث پر غیر مقلدین کا تمبر و جواب:

غیر مقلدین اس حدیث پر برا شور کیا ہے کہ ”جس نے عالم متقی کے پیچھے نماز پڑھی گو اس نے میرے پیچھے نماز پڑھی۔“ کہ علامہ بدرالدین عینی نے اس کا ضعیف قرار دیا ہے۔ لہذا ضعیف احادیث کا صاحب ہدایہ نقل کرتے ہیں۔

جہاں تک صاحب ہدایہ کے استدلال کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم و دیگر محدثین کی احادیث موجود ہیں اور رہی بات علم کی فضیلت اور انہی صحیح احادیث کی تائید میں اس حدیث کو بیان کرنا تو یہ بات فضائل میں پائی جاتی ہے۔ اس کے دلائل ہم حسب ذیل بیان کر رہے ہیں۔

ضعیف حدیث پر عمل کیلئے شرائط کا بیان:

ہاں یہ ضرور ہے کہ ضعیف حدیث کا ثبوت محتمل ہوتا ہے اس لئے اس سے استدلال کے وقت کچھ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے حافظ شمس الدین عسکری نے القول البدیع میں ابن حجر سے نقل کیا ہے۔

ضعیف حدیث پر عمل کے لئے تین شرطیں ہیں:

(۱) یہ کہ ضعف غیر شدید ہو چنانچہ وہ حدیث جس طی روایت تھا کسی ایسے شخص کے طریق سے ہو جو کذاب یا معتم بالکذب یا فاحش الغلط ہو خارج ہوگی۔

(۲) اس کا مضمون قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کے تحت آتا ہو چنانچہ وہ مضمون خارج از عمل ہوگا جو محض اختراعی ہو۔ اصول شرعیہ میں سے کسی اصل سے میل نہ کھاتا ہو (ظاہر ہے اس کا فیصلہ دیدہ و بالغ نظر فقہاء ہی کر سکتے ہیں جو ہر کہہ دمہ کے بس کی بات نہیں)

(۳) اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے بلکہ صرف اس کے ثواب کے حصول کی امید کے ساتھ کیا جائے مبادا آں حضرت کی جانب ایک بات جو واقع میں آپ نے نہ فرمائی ہو اس کا آپ کی طرف منسوب کرنا لازم آجائے۔

مولانا عبدالحی کھنوی نے ایک چوتھی شرط بھی ذکر کی ہے وہ یہ کہ اس مسئلہ کے متعلق اس سے قوی دلیل معارض موجود نہ ہو۔ پس اگر کوئی قوی دلیل کسی عمل کی حرمت یا کراہت پر موجود ہو اور یہ ضعیف اس کے جواز یا استحباب کی متقاضی ہو تو قوی کے مقتضی پر عمل کیا جائے گا۔

## فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب کا فرق

واضح رہے کہ اہل علم ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کے مواقع کو بیان کرتے ہوئے اپنی عبارتوں میں فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب دونوں کا استعمال کرتے ہیں فضائل اعمال کا اطلاق ایسے موقعوں پر کرتے ہیں جہاں کوئی مخصوص عمل پہلے سے کسی نص صحیح یا حسن سے ثابت ہونے کی بجائے کسی ضعیف حدیث میں اس عمل کا ذکر اور اس کی فضیلت آئی ہو اور علماء امت اور فقہاء کرام اس ضعیف حدیث ہی کی بنیاد پر اس عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ مثلاً مغرب کے بعد چھ رکعات کا پڑھنا قبر میں مٹی ڈالنے وقت مخصوص دعاء کا پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے (جیسا کہ گذرا) اور جیسے اذان میں ترسل (تھم پھر کر کلمات اذان ادا کرنا) اور اقامت میں حدر (روانی سے ادا کرنا) مستحب ہے ترغیب کی حدیث ضعیف کی وجہ سے جو عبد الحکیم بن حکیم کے طریق سے روایت کر کے کہتے ہیں ہذا اسناد مجہول اور عبد الحکیم کو دارقطنی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ ان مثالوں میں مذکورہ بالا شرطیں پائی جا رہی ہیں۔

اور ترغیب و ترہیب کا اطلاق ایسے مواقع میں کرتے ہیں جہاں کہ وہ مخصوص عمل کی نص قرآنی حدیث صحیح یا حسن سے ثابت ہو اور کسی حدیث ضعیف میں ان اعمال کے کرنے پر مخصوص ثواب کا وعدہ اور نہ کرنے یا کوتاہی کرنے پر مخصوص وعید وارد ہوئی ہو۔ چنانچہ اس مخصوص وعدہ اور وعید کو بیان کرنے کے لئے ضعیف سے ضعیف حدیث کو مذکورہ بالا شرطوں کے بغیر بھی بیان کرنا چکر قرار دیتے ہیں اس لئے کہ اس میں اس حدیث سے کسی طرح کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور فضائل میں جو استحباب ثابت ہوتا ہے وہ بر بنائے احتیاط ہے اور بعض شوافع کے نزدیک تو استحباب ہیۃ حکم اصطلاحی ہی نہیں ہے اس لئے کوئی اشکال نہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل النبویہ میں فرماتے ہیں۔

واما النوع الثاني من الاعتبار فهي احاديث اتفق اهل العلم بالحديث على ضعف معرحتها وهذا النوع على ضربين ضرب رواه من كان معروفاً بوضع الحديث والكذب فيه فهذا الضرب لا يكون مستعملاً في شيء من امور الدين الا على وجه التلئين۔ وضرب لا يكون راوليه متهماً بالوضع غير انه عرف بسوء الحفظ وكثرة الغلط في رواياته او يكون مجهولاً لم يثبت من عدالته وشرائط قبول خبره ما يوجب القول بهذا الضرب من الاحاديث لا يكون مستعملاً في الاحكام وقد يستعمل في الدعوات والترغيب والترهيب والتفسير والمغازي فيما لا يتعلق به حكم انتهى۔

اور ترغیب و ترہیب کے لئے مذکورہ نثری حدیثین کے طرز عمل سے ظاہر ہے، جیسا کہ اگلے عنوان میں واضح ہوگا۔

ضعیف حدیثوں کی پیمائی کس کس نے کی ہے:

اس لئے کہ ہم نے بڑے بڑے ائمہ جرح و تعدیل اور فواد حدیث کو دیکھا کہ جب وہ رجال کی جرح و تعدیل اور حدیثوں میں ثابت و غیر ثابت صحیح و غیر صحیح کی تحقیق کرنے کے موذ میں ہوتے ہیں تو ان کا انداز تحقیق اور ب و لہجہ اور ہوتا ہے اور جب اخلاق و آداب فضائل یا ترغیب و ترہیب کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اختصار میں پہلو اختیار کرتے ہیں کہ موضوع تنک بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں اور معلوم نہیں ہوتا کہ یہ وہی ابن جوزی منذری نووی ذہبی ابن حجر ابن تیمیہ اور ابن قیم ہیں جن پر فقہ و روایت کو بجا طور پر ناز ہے اور جمہوری طور پر ان اساطین علم حدیث کا طرز عمل صاف غمازی کرتا ہے کہ ترغیب و ترہیب وغیرہ کے باب میں چشم پوشی زیادہ ہے جس کو آج کے مدعیان علم و تحقیق نہ جانے کس مصلحت سے نظر انداز کر رہے ہیں۔ امام بخاری سیسیت جمہور محدثین و فقہاء کا ضعیف حدیث کے ساتھ نرم پہلو اختیار کرنے کا معاملہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے اس کے علاوہ کچھ تسموں سے ناقدین حدیث اور مشہور مصنفین کا ان کی کتابوں میں طرز عمل ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابن جوزی اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حافظ ابوالفرج عبدالرحمن بن الجوزی نے ایک طرف موضوعات کی تحقیق میں بے مثال کتاب تصنیف فرمائی تاکہ واعظین اور عام مسلمین ان موضوع حدیثوں کی آفت سے محفوظ رہیں نیز وہ حدیث پر وضع کا حکم لگانے میں تشدد بھی مانے جاتے ہیں دوسری طرف اپنی پند و موعظت اور اخلاق و آداب کے موضوع پر تصنیف کردہ کتابوں میں آپ نے بہت سی ایسی حدیثیں نقل کر ڈالی ہیں جو ضعیف کے علاوہ موضوع بھی ہیں۔ مثلاً دیکھئے ان کی یہ کتابیں۔ ذم الہوئی تلکس اطلیس روؤوس القواریر اور البصرۃ جس کی تالیف شیخ ابو بکر اسحاقی نے قرۃ العینون البصرۃ تلخیص کتاب البصرۃ میں کی ہے۔

یہ بات حافظ ابن تیمیہ نے ارطلی الہکری (ص: ۱) میں ابو نعیم خطیب ابن جوزی ابن عساکر اور ابن ناصر سب کے متعلق مشترک طور پر کہی ہے حافظ بخاری نے شرح الالفیہ میں لکھا۔

وقد اکثر ابن الحوزی فی تصانیفه الوعظیۃ فما اشبهها من ايراد الموضوع وشبهه

حافظ منذری اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حافظ منذری کی التریغ والترہیب کے نسخ اور اس کے متعلق حافظ سیوطی رائے گذر چکی اور ضعیف بات یمن آئی کہ وہ ایسی حدیثیں بھی لاتے ہیں جس کی سند میں کوئی کتاب یا مہم راوی ہوتا ہے اور اس کو صیغہ ترمیض روی سے شروع کرتے ہیں (شیخ رحمہ اللہ بھی تریغ منذری کی ایسی کوئی روایت نقل کرتے ہیں) تو صیغہ ترمیض ہی سے کرتے ہیں (حافظ منذری اپنے مقدمہ میں کتاب کی شرطوں اور مصادر و ماخذ کے ذکر سے قاصر ہو کر لکھتے ہیں:

استوعبت جمیع ما فی کتاب ابی القاسم الاصفہانی بمعالم یکن فی الکتب المدکورۃ و اضرمت عن

دکر ما قبل فیہ من الاحادیث المتحققۃ الوضع۔

یعنی مذکورہ اہم مصادر حدیث کے علاوہ میں نے ابوالقاسم اصفہانی کی ترغیب و ترہیب (جس میں انہوں نے اپنی سند سے حدیثیں تخریج کی ہیں) کی وہ ساری حدیثیں لی ہیں جو مذکورہ کتب میں نہیں آسکیں اور ان کی تعداد چھوڑی ہے اور ان حدیثوں کو نظر انداز کر دیا ہے جن کا موضوع ہونا قطعی ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی حدیث کی سند میں کذاب یا مجہم راوی کا ہونا اس کے واقعی موضوع ہونے کو مستزہم نہیں ہے جب ہی تو مندری نے ایسی روایات کو منتخب کر لیا جو ان کے نزدیک قطعی طور پر موضوع نہیں ہیں اور ان کی سند میں ایسے رجال ہیں جو کذاب اور مجہم کہے گئے ہیں۔

امام نووی اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

علامہ نووی شارح صحیح مسلم کے متعلق بھی علامہ کفائی نے (الرحۃ المرسلۃ ص:) میں حافظ سیوطی کا یہ جملہ نقل کیا ہے۔

إذا علمتم بالحدیث انه فی تصانیف الشیخ محی الدین النووی فارودہ مطمئن

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موضوع حدیث اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کرتے رہیں ضعیف حدیثیں معذرت کے طور پر مقدمہ میں انہیں یہ حقیقت و اشکاف کرنی پڑی کہ ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو تو فضائل اور ترغیب و ترہیب میں معتبر ہوتی ہے جیسا کہ گذرا۔ بلکہ ریاض الصالحین جو باب فضائل میں صحیح حدیثوں کا مجموعہ ہے اور جس کے متعلق انہوں نے صراحت کی ہے کہ وہ صحیح حدیث ہی ذکر کریں گے اس میں چند ایک ضعیف حدیثیں موجود ہیں۔ شیخ عبدالفتاح ابو نعہ نے بلور مثال تین حدیثیں پیش کی ہیں مثلاً السکس من دان نفسه ارجأ کی سند میں ابو بکر بن عبداللہ بن ابی مریم ہے جو بہت ہی ضعیف ہے (فیض القدر)

ما اکرہم شاب شیخاً الا قبض اللہ لہ من یرکمه عند کبر سنہ

اس کے ضعیف ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں کیونکہ اس کی سند میں یزید بن بیان عقل اور اس کا شیخ ابو الرحال خالد بن محمد الانصاری دونوں ضعیف ہیں۔ (فیض القدر) تہذیب التہذیب وغیرہ۔

لا تشربوا واحداً کشر البعیر

اس کی سند میں یزید بن سنان ابو فروہ الرہادی ضعیف ہیں ترمذی کے نسخوں میں اس حدیث پر حکم مختلف ہے بعض نسخوں میں حسن ہے اور بعض میں غریب واضح رہے کہ امام ترمذی تباہ لفظ غریب اس جگہ لاتے ہیں جہاں سند میں کوئی ضعیف راوی منفر ہوتا ہے حافظ نے فتح (مر) میں فرمایا سندہ ضعیف۔

حافظ ذہبی اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حافظ ذہبی جن کی فن جرح و تعدیل میں شان امامت مسلم ہے ہزاروں راویان حدیث میں سے ہر ایک کی ذمہ داریہ شناخت کے سلسلہ میں اپنی نظر نہیں رکھتے چنانچہ تخلص المسد رک میزان الاعتدال وغیرہ میں حدیثوں پر ان کی جانب سے صادر شدہ احکام مستند قرار دیئے گئے ہیں بلکہ بعض مواقع میں تو ان پر تشدد کا بھی الزام ہے انہوں نے بھی اپنی کتاب الکبائر میں ضعیف و اسی بلکہ موضوع تک بطور استشہاد پیش کیا ہے شاید ان کا بھی مذہب اس سلسلہ میں ان کے پیش روح فدا ابن الجوزی کا سا ہے مثلاً

کبیرہ گناہ ترک صلاۃ کے تحت کئی ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں وہ طویل حدیث بھی ہے جو شیخ کی کتاب فہم لکل مزار میں: تا میں درج ہے۔ جس کے بموجب نماز کا اہتمام کرنے والے کا اللہ تعالیٰ پانچ طرح سے اکرام کرتے ہیں اور اس میں سستی کرنے والے کو پندرہ طریقے سے عذاب دیتے ہیں پانچ طرح دنیا میں تین طرح موت کے وقت تین طرح قبر میں اور تین طرح قبر سے نکلنے کے بعد شیخ نے تو یہ حدیث ابن حجر کی پیتی کی الزواجر کے حوالہ سے نقل کی ہے جس کے ابتداء و قال بعضهم: ووردنی الحدیث سے کی ہے مزید اس کے چند ایک حوالے اور مؤیدات ذکر کرتے ہوئے حافظ سیوطی کی ذیل الفاظی سے نقل کیا کہ ابن النجار نے ذیل تاریخ بغداد میں اپنی سند سے ابو ہریرہ کے طریق سے اس کو روایت کیا ہے میزان الاعتدال میں ہے ہذا حدیث باطل رکبہ علی بن عباس علی ابی بکر بن زیاد النیسابوری پھر امام غزالی اور صاحب منہیات کے حوالہ سے بھی اس مضمون کو مؤید کیا الغرض شیخ نے تو مذکورہ بالا تمام حضرات کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالا کہ حدیث ہے اصل نہیں ہے اور ترغیب وترہیب کے لئے پیش کی جاسکتی ہے۔ لیکن تعجب حافظ ذہبی؟ پر ہے کہ خود میزان میں اس کو باطل ہونے کی تصریح فرماتے ہیں اور کتاب الکبائر میں قد وردنی الحدیث کے صیغہ جزم سے اس طرح ذکر کرتے ہیں جیسے کئی مضبوط درجہ کی حدیث ہو۔

اسی کتاب کے ص: پر کبیرہ گناہ عقوق الوالدین کے تحت یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

لو علم الله شيئاً أدنى من الآف لهي عنه فليعمل العاق ما شاء ان يعمل فلن يدخل الجنة وليعمل البار ما شاء ان يعمل فلن يدخل النار۔

اس حدیث کو ذہبی نے اصرم بن حوشب کے طریق سے حضرت حسین بن علی؟ کی حدیث سے مرفوع روایت کیا ہے اس اصرم کے متعلق خود حافظ ذہبی میزان میں فرماتے ہیں: قال يحيى فيه: كذاب عيب وقال اس حسان: كان يصح الحديث على الثقات اس میں شیعہ نہیں کہ حدیث میں معنوی نکارت کے علاوہ ایک کذاب اس کی روایت میں مفرد ہے جو کسی طرح ترغیب وترہیب میں قائل ذکر نہیں ہے اور ذہبی نے اس سے استشہاد کیا۔

- کبیرہ گناہ شرب خمر کے تحت دو ایسی حدیثیں نقل کی ہیں جن پر محدثین نے وضع کا حکم لگایا ہے ایک م: پر حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے جس کے بموجب شرابی کی توبہ قبول نہیں ہوتی دوسری م: پر حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے جس کے بموجب شرابی کو سلام کرنا اس کے جنازہ میں شرکت وغیرہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حافظ ابی کی ہی دوسری کتاب العلو للعلی الغفاری میں بھی کافی حد تک تسامح پایا جاتا ہے لیکن اس کا معاملہ ہلکا یوں ہے کہ اس میں ذہبی نے حدیثیں اپنی سند سے ذکر کی ہیں اب یہ لینے والے کی ذمہ داری ہے کہ تحقیق کر کے لے۔  
حافظ ابن حجر اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حافظ ابن حجر عسقلانی جو حدیثوں کے طرق والفاظ پر وسیع نظر رکھنے کے سلسلہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور احادیث و رواۃ کے مراتب کی شناخت و تعیین میں سند ہیں یہ اپنی کتابوں میں موضوع اور بے اصل روایات ہرگز پیش نہیں کرتے البتہ کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگانے میں بہت ہی محتاط ہیں محدث مغرب علامہ احمد بن الصدیق الغماری رحمہ اللہ اپنی کتاب المغیر علی الاحادیث الموضوعة فی الجامع الصغیر کے م: میں حدیث آفۃ الدین ثلاثہ: فقیہ فاجرو امام جازر و مجتہد جہل (جو مسند فردوس کے حوالہ سے ابن عباس کے مسند کے طور پر جامع صغیر میں ہے) کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

قال الحافظ فی زہر الفردوس: فیہ ضعف وانقطاع قلت (المغازی): بل فیہ کذاب وضاع وهو نہشل بن سعید فالحدیث موضوع والحافظ وشيخه العراقي منسأهلان فی الحکم للحدیث ولا یکادان یصرحان بوضع حدیث الا اذا کان کالشمس فی رابعة النهار (کما فی التعلیقات علی الاجوبة الفاضلة)  
یعنی محدث احمد الصدیق الغماری کے بقول حافظ ابن حجر اور ان کے شیخ حافظ عراقی دونوں حدیث پر وضع کا حکم اس وقت تک نہیں لگاتے جب تک علامات وضع روز روشن کی طرح نہیں دیکھ لیئے اگر یہی مسلک شیخ زکریا رحمہ اللہ نے مجموعہ فضائل اعمال میں اختیار کر لیا تو اس قدر اویلا بچانے کی کیا ضرورت ہے۔

حافظ سیوطی اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حافظ ابو بکر سیوطی تو اس میدان کے مرد اور عفاف و موضوعات کی پزیرائی میں ضرب المثل ہیں انہوں نے اپنی کتاب الجامع الصغیر کے مقدمہ میں اپنی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا: ووصته عما تفرد به وضاع او کذاب اس کی شرح میں حافظ عبد الرؤف السنادی لکھتے ہیں۔

ان ما ذکره من صونه عن ذلك اغلبی او ادعائی والا فکثیراً ما وقع له انه لم یصرف الی النقد الاهتمام فسقط فيما انتم الصوم الصون عنه فی هذا المقام کما ستره موضعا فی مواضعه لکن العصمة لغیر الانبياء متعذرة علی البشر شاملة منتشرة و الکتاب مع ذلك من اشرف الکتاب مرتبة واسماها مقفة۔

(فیض القدیر)

یعنی حافظ سیوطی کا یہ کہنا کہ میں نے ایسی حدیث سے اس کتاب کو محفوظ رکھا ہے جس کی روایت میں کوئی کذاب یا وضع مفرد ہو یہ دعویٰ یا تو اکثری ہے یا دعویٰ محض ہے کیونکہ بہت سے مواقع ایسے ہیں جہاں آپ نے صحیح طور پر کھائیں چنچہ جس سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا تھا وہ نادانستہ طور سے کتاب میں در آیا جیسا کہ موقع پر وضاحت سے آپ کو معلوم ہوگا بہر حال معصوم نبی کے علاوہ کوئی نہیں بھول چوک انسانی خاصہ ہے اس کے باوجود کتاب مرتبہ وحییت کے اعتبار سے عظیم ترین ہے اور بلند پایہ خصوصیات کی حامل ہے۔

محدث احمد بن الصدیق بخاری اپنی کتاب المستدرک علی الاحادیث الموضوعة فی الجوامع الصغیر میں لکھتے ہیں:

بلکہ اس میں جو حدیثیں سیوطی نے ذکر کی ہیں ان میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن کے موضوع ہونے کا حکم خود انہوں نے لگایا ہے یا تو اپنی الالی میں ابن جوزی کی موافقت کر کے یا خود ذیل الاملائی میں بطور استدرک ذکر کر کے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدر رحمہ اللہ نے الجوامع الصغیر کی سات ایسی حدیثوں کی تعین کی ہے جن کے وضع پر مؤلف نے ابن جوزی کی موافقت کی ہے اور پندرہ ایسی حدیثوں کی جن پر مؤلف نے اپنی طرف سے ذیل الاملائی میں وضع کا حکم لگایا ہے۔

فاحفظہ سیوطی کے تسامی پر بصیرت افروز کلام کے لئے دیکھئے۔ (حلیقات علی الجوامع الفاضلہ شیخ ابوغدر)

جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ جن حدیثوں کے متعلق موضوع ہونے کا شیخ کو شبہ بھی ہوتا ہے تو مؤیدات و شواہد جمع کرنے کا پورا اہتمام فرماتے ہیں تو کیا اس بناء پر مجموعہ فضائل اعمال حافظ سیوطی کی کتاب سے۔ اگر فائق نہیں تو اس کے برابر بھی قرار نہیں دیا جاسکتا؟ ہمارے نزدیک اس پر بھی وہ تمبرہ منطبق ہوتا ہے جو منادی نے جامع صغیر پر کیا۔

ابن قیم الجوزیہ اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حدیثوں پر وضع کا حکم لگانے میں جو محدثین متعدد مانے جاتے ہیں ان میں ایک نام حافظ ابن قیم کا ہے اس دعویٰ کا ثبوت ان کی کتاب المنار المہیہ فی الصحیح والضعیف جس میں انہوں نے چند ایک ابواب پر یہ کلی حکم لگایا ہے کہ اس باب میں جو کچھ مروی ہے باطل ہے تاہم اس میں شک نہیں کہ فقہ حدیث میں ان کی حیثیت مرجع و سند ہے۔

لیکن ان کا بھی حال یہ ہے کہ اپنی بعض حقیقات مثلاً مدارج السالکین زاد العاد وغیرہ میں کتنی ہی ضعیف اور منکر حدیثیں کوئی تمبرہ کے بغیر بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں خاص طور سے اگر حدیث ان کے نظریہ کی تائید میں ہوتی ہے تو اس کی تقویت میں بات مبالغہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے مثلاً زاد العاد میں وفد بنی المشرق پر کلام کے ذیل میں ایک بہت لمبی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

ثم یلبثون ما لبثتم ثم یبعث المصاحفة فلیعمروا الہک ما تدع فی ظہرها شیفاً الامات تلبثون ما لبثتم ثم یوفی

سبکم والملائكة الذين مع ربك فاصبع ربك عز وجل يطوف في الارض وملت عليه البلاد  
اس حدیث کو ثابت و صحیح قرار دینے میں ابن قیم نے پورا زور صرف کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

هذا حديث جليل تنادي جلالته وفخامته وعظمته على انه قد عارج من مشكاة السنة لا يعرف الا من  
حديث عبد الرحمن بن المغيرة المدني۔

پھر عبد الرحمن بن مغیرہ کی توثیق اور ان کتابوں کے حوالوں کے ذریعہ جن میں یہ حدیث تخریج کی گئی ہے لہذا کلام کیا  
حالانکہ خود ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا کہ: هذا حديث غريب جداً، والفاظه في بعضها  
نكارة

یعنی یہ حدیث انتہائی اوپری ہے اس کے بعض الفاظ میں نکارت ہے حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عامر بن  
لقیط بن عامر بن المثنیٰ العقلمی کے ترجمہ میں لکھا کہ: وهو حديث غريب جداً جبکہ علامہ ابن قیم نے اس کی تائید میں کسی کہنے  
والے کے اس قول تک کو نقل کر ڈالا۔

ولا ينكر هذا القول الا جاحد او جاهل او معالف للكتاب والسنة اه

ضعیف حدیث باب احکام میں:

جہاں تک احکام شرعیہ میں ضعیف حدیث کے استعمال کا تعلق ہے تو جمہور محدثین و فقہاء کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہے  
کہ ضعیف سے حکم شرعی پر استدلال کیا جاسکتا ہے، جبکہ ضعف شدید نہ ہو یعنی سند میں کوئی جہم یا کذاب راوی نہ ہو ضعیف  
حدیث سے استدلال کی چند صورتیں ہیں۔

پہلی صورت

مسئلہ میں اس کے علاوہ کوئی مضبوط دلیل نہ ہو، مختلف مکاتب فکر کے تعلق سے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔  
احناف کے نزدیک ضعیف السند حدیث کی اہمیت:

امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے:

السبحر الضعيف عن رسول الله الاولى من القياس ولا يحل القياس مع وجوده۔ (المکمل لابن حزم) یعنی باب  
میں اگر ضعیف حدیث بھی موجود ہو تو قیاس نہ کر کے اس سے استدلال کیا جائے گا۔ چنانچہ: نماز میں قہقہہ سے نقص وضو والی  
حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ آپ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔ اکثر ائمہ عشرۃ ایام یہ حدیث باتفاق محدثین ضعیف  
ہے خفیہ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔

لامہر اقل من عشرة دراهم اس کے ضعف پر محدثین متفق ہیں اور خفیہ نے قیاس نہ کر کے اس کو معمول بہ بنایا۔



(اعلام المؤمنین)

محقق ابن الباہ فرماتے ہیں: الاستحباب بیشبہ بالضعیف غیر الموضوع ضعیف جو موضوع کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو، اس سے انتخاب ثابت ہوتا ہے۔ (فتح القدیر باب النقل)  
مثلاً حاشیہ الخطاوی علی الرراتی وغیرہ میں مغرب کے بعد چھ رکعات (جنہیں صلاۃ الاوائین کہتے ہیں) کو مستحب لکھا ہے، دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث:

من صلی بعد المغرب ست رکعات لم ینکلم فیما بینہن بسوء عدلن له بعبادۃ ننتی عشرة سنة امام ترمذی نے اس حدیث کو عمر بن ابی نعیم کے طریق سے روایت کر کے فرمایا:

حدیث ابی ہریرۃ حدیث غریب لا تعرفہ الا من حدیث زید بن الحباب عن عمر بن ابی حفصہ۔  
امام بخاری نے عمر کو منکر الحدیث کہا اور بہت ضعیف قرار دیا حافظ ذہبی نے میزان میں فرمایا:

له حدیث منکر ان من صلی بعد المغرب ست رکعات ووقاه ابو زرعه۔

مردہ کو دفن کرتے وقت تین اپ مٹی ڈالنا پہلی بار منہا حلقنا کم دوسری بار فیہا نعید کم اور تیسری بار ومنہا نخرجکم نارة اخری پڑھنے کو (خطاوی) میں مستحب لکھا ہے دلیل حاکم و احمد کی حدیث بروایت ابوامامہ کہ جب حضرت ام کلثوم بنت ابی بکرؓ کو قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پڑھا: منہا حلقنا کم الخ آخر میں بسم اللہ وفي سبیل اللہ وعلى ملۃ رسول اللہ کی زیادتی ہے اس حدیث کی سند بہت ہی ضعیف ہے ذہبی نے تلخیص میں کہا ہے وهو خیر واه لان علی بن زید متروک۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک ضعیف السند حدیث کی اہمیت:

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مرسل یعنی عام منقطع حجت ہے جو جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، مالکیہ کی معتدترین کتاب اثر اللہ علی الرراتی اسوہ میں ہے:

علمن من احتجاج مالک بالمرسل ان کلاً من المتقطع والمعضل حجة عندهم لصدق الدرسل بالمعنی الاصولی علی کل منها (ا کما فی التعریف باوہام من قسم السنن الی صحیح و ضعیف للذکور محمود سعید مملوح۔

شافعیہ کے نزدیک ضعیف السند حدیث کی اہمیت:

مرسل حدیث امام شافعی کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن اگر باب میں صرف مرسل ہی ہو تو وہ اس سے احتیاج کرتے ہیں حافظ خطاوی نے ماوردی کے حوالہ سے یہ بات فتح المغنی میں نقل کی ہے۔

حافظ ابن قیم نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہے۔ چنانچہ انہوں نے صیدونج (طائفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) خواص کے نزدیک وہاں شکار کرنا منع ہے۔ کی حدیث کو ضعیف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔ حرم کی کے اندر اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کے جواز والی حدیث کو ضعیف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔

من فاء اور عاف: فلیتوضا ولین علی صلاتہ

کو اپنے ایک قول کے مطابق باوجود ضعف کے قیاس پر ترجیح دی۔ (اعلام الموقعین)

حاجلہ کے نزدیک ضعیف السنہ حدیث کی اہمیت:

ابن الخیار حنبلی نے شرح الکوکب المعیر میں امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے:

لست اختلف ما ضعف من الحديث اذا لم يكن في الباب ما يدفعه یعنی باب میں ضعیف حدیث، ہو اور اس کے معارض کوئی دلیل نہ ہو تو میں اس کو چھوڑتا نہیں ہوں۔

حافظ بروی نے ذم الکلام میں امام عبداللہ بن احمد سے نقل کیا ہے کہ: میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ایک شخص کو مسئلہ درپیش ہے اور شہر میں ایک محدث ہے جو ضعیف ہے (ایک روایت میں جرمج و قیم میں تیز نہیں کر پاتا) اور ایک فقیر ہے جو اہل رائے و قیاس میں سے ہے وہ کس سے مسئلہ پوچھے؟ فرمایا: اہل رائے سے تو پوچھتے نہیں، کیونکہ ضعیف الحدیث، تو ہی الرائے سے بہتر ہے۔ (ذم الکلام)

فقہ حنبلی کی مستمر ترین کتاب المغنی میں ابن قدامہ؟ نے لکھا کہ: النوافل الفضائل لا يشترط صحة الحديث فيها نیز امام کے خلیفہ کے دوران حاضرین کے احیاء (اس طرح بیٹنا کہ سرین زمین پر ہودوئوں گھٹنے گھڑے ہوں اور دونوں بازوؤں یا کسی کپڑے وغیرہ سے انہیں باندھ لیا جائے) کی بابت لکھا کہ کوئی حرج نہیں، کیونکہ چند ایک صحابہ سے مروی ہے، لیکن بہتر نہ کرنا ہے کیونکہ حضور اسے مروی ہے کہ آپ نے امام کے خلیفہ کے دوران حیوۃ سے منع فرمایا ہے اس لئے اگرچہ حدیث ضعیف ہے، افضل حیوۃ کا ترک ہی ہے۔ (المغنی)

فقہاء محدثین کے نزدیک ضعیف السنہ حدیث کی اہمیت:

حافظ ذہبی نے امام اوزاعی کے حقائق لکھا کہ: وہ مقلوبات اور اہل شام کے مراسل سے استدلال کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء)

امام ابوداؤد کے حقائق حافظ ابن مندہ نے کہا۔

ويخرج الاستناد الضعيف اذا لم يجد في الباب غيره لانه لقوى عنده من رأى الرجال

یعنی امام ابوداؤد کا مذہب ہے کہ جب کسی باب میں انہیں ضعیف حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ملتی تو اسی کا اخراج کر

لیتے ہیں کیونکہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس سے قوی تر ہے۔

ظاہر ہے کہ نزدیک ضعیف السند حدیث کی اہمیت:

ابو محمد ابن حزم ظاہری جن کا تہذیب مشہور ہے، جگہ جگہ میں رکوع سے پہلے قوت پڑھنے سے متعلق حدیث بروایت حسن بن علی لائے اور اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: یہ حدیث اگرچہ اس لائق نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں اور کوئی حدیث ہمیں نہیں ملی، اس لئے ہم اسے اختیار کرتے ہیں۔

دوسری صورت

اگر ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط ہو تو اس کو تمام حضرات اختیار کرتے ہیں چنانچہ امام نوویؒ نے اذکار میں عمل بالضعیف کی استثنائی صورتوں کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

الا ان يسكون في احتياط في شيء من ذلك كما اذا ورد حديث ضعيف بكرة بعض البيوع والائحة فالمستحب ان يستره عنه

اس کی شرح میں ابن علان نے مثال دی کہ جیسے فقہاء کرام نے دھوپ سے گرم کئے ہوئے پانی کے استعمال کو مکروہ لکھا ہے، حدیث حضرت عائشہؓ کی بناء پر جو ضعیف ہے۔ (شرح الاذکار کما فی التہذیب باؤام)

تیسری صورت

اگر کسی آیت یا صحیح حدیث میں دو یا دو سے زائد معنوں کا احتمال ہو اور کوئی ضعیف حدیث ان معانی میں سے کسی ایک معنی کو رائج قرار دیتی ہو، یا دو یا چند حدیثیں متعارض ہوں اور کوئی حدیث ضعیف ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتی ہو تو علماء امت اس موقع پر ضعیف حدیث کی مدد سے ترجیح کا کام انجام دیتے ہیں۔

کچھ اور صورتیں

اس کے علاوہ کسی ثابت شدہ حکم کی مصلحت و فائدہ معلوم کرنے کے سلسلہ میں بھی ضعیف کا سہارا لیا جاتا ہے نیز حدیث ضعیف اگر محتلی بالقبول ہو جائے اور اس کے مطابق فقہاء یا عام امت کا عمل ہو جائے تو ضعیف، ضعیف ہی نہیں رہتی اور اس کے ذریعہ وجوب اور سنیت تک کا ثبوت ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الامم الفقہاء للشیخ محمد عوادہ اور الاوجبہ الفاضلہ کے آخر میں شیخ حسین بن محسن کا مقالہ۔

سید احمد بن العدنیق النعمانی المالکی رحمہ اللہ نے اس چشم کشا عبارت کے ترجمہ پر اس کڑی کو یہیں ختم کیا جا رہا ہے فرماتے

ہیں:

احکام شرعیہ میں ضعیف سے استدلال کوئی مالکی ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام ائمہ استدلال کرتے ہیں اس لئے یہ

جو مشہور ہے کہ احکام کے باب میں ضعیف پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اپنے عموم و اطلاق پر نہیں ہے، جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کیونکہ ہر مسلک کی ان احادیث احکام کا آپ جائزہ لیں، جن سے سب نے یا بعض نے استدلال کیا ہے تو آپ کو مجموعی طور سے ضعیف حدیثوں کی مقدار نصف یا اس سے بھی زائد ملے گی ان میں ایک تعداد مگر سادہ اور قریب موضوع کی بھی ملے گی البتہ بعض کے متعلق وہ کہتے ہیں اس کو تلقی بالقول حاصل ہے بعض کے متعلق اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہے بعض کے متعلق یہ قیاس کے موافق ہے مگر ان سب کے علاوہ ایسی بہت سی حدیثیں بھی ہیں جن سے ان کی تمام تر علتوں کے باوجود استدلال کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ کہ احکام میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے کیونکہ شارع علیہ السلام سے جو کچھ منقول ہے، اگرچہ اس کی سند ضعیف ہو، اسے چھوڑ کر دوسری دلیل اٹھائی نہیں کی جاسکتی اور ضعیف کے متعلق یہ قطعی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آں حضرت اسے ثابت نہیں ہے، جبکہ وہ موضوع نہ ہو یا اس سے قوی اصل شرعی سے معارض نہ لہذا قوی دلیل کی عدم موجودگی میں ضعیف سے استدلال کو ہمیں برا سمجھنے کی بجائے اولیٰ بلکہ واجب کہنا چاہئے ہاں یہ بات ضرور بری ہے کہ اس کے تئیں یہ رویہ اپنائیں کہ پسندیدگی اور اپنے مذہب کے موافق ہونے کے وقت تو اس پر عمل کریں اور ناپسندیدگی یا اپنے مذہب کے خلاف ہونے پر ضعیف کہہ کر رد کر دیں ابھی۔ (اشعری والقراری)

خلاصہ کلام یہ کہ جب باب احکام میں ضعیف حدیث مقبول تو دیگر ابواب میں بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگی۔

ضعیف حدیث باب احکام کے علاوہ میں:

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ضعیف غیر موضوع عقائد و احکام کے علاوہ جمہور کے نزدیک قابل عمل ہے، عقائد و احکام کے باب میں تشدد اور فضائل ترغیب و ترہیب اور مناقب وغیرہ میں تسامح کی بات حافظ سقاوی نے؟ امام احمد؟ ابن محیین؟ ابن المبارک، سفیان ثوری اور ابن عیینہ سے نقل کی ہے۔

حافظ نوویؒ نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اپنی کتاب جزء اباحۃ القیام لاهل الفضل میں فرماتے ہیں۔

اجمع اهل الحديث وغيرهم على العمل في الفضائل ونحوها مما ليس فيه حكم ولا شيء من العقائد وصفات الله تعالى بالحديث الضعيف۔ (نقلًا عن التعريف بالوہام)

امام نووی کی الاربعمین اور اس کی شرح فتح المبین لابن حجر المکی الہیثمی کے الفاظ میں ہے۔

قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث في فضائل الاعمال، لانه ان كان صحيحاً في عس الامر فقد اعطى حقه، والا لم يرتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق الغير۔ (الاجوبة العاصلة)

یعنی فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کیونکہ اگر وہ واقعتاً صحیح تھے تو اس کا حق اس کو مل گیا ورنہ اس پر عمل کرنے سے نہ تو حرام کو حلال کرنا لازم آیا اور نہ اس کے برعکس اور نہ ہی کسی غیر کا حق پامال کرنا۔

معلوم ہوا کہ مسئلہ جماعتی ہے اور کوئی بھی حدیث ضعیف کو شجرہء ممنوعہ قرار نہیں دیتا لیکن چند بڑے محدثین و اساطین علم کے نام ذکر کئے جاتے ہیں جن کے متعلق یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ فضائل میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے قائل نہیں تھے۔  
(قواعد التحدیث للشیخ جمال الدین القاسمی)

ان اساطین میں امام بخاری، مسلم، یحییٰ بن معین اور ابوبکر بن العربی ہیں، بعض حضرات نے ابوشامہ مقدسی کا نام بھی لیا ہے۔

ضعیف حدیث کے بارے میں امام بخاری کا موقف:

علامہ جمال الدین قاسمی صاحب قواعد اتحادیہ کے بقول بظاہر امام بخاری کا مذہب مطلقاً منع ہے اور یہ نتیجہ انہوں نے صحیح بخاری کی شرائط اور اس میں کسی ضعیف حدیث کو داخل کتاب نہ کرنے سے نکالا ہے علامہ شیخ زاہد الکوثری نے بھی اپنے مقالات میں یہی بات کہی ہے، لیکن یہ بات درست نہیں بلکہ اس مسئلہ میں امام بخاری کا موقف بالکل جمہور کے موافق ہے۔ جہاں تک صحیح بخاری کا تعلق ہے تو اولاً: اس میں امام نے صرف صحیح حدیثوں کا التزام کیا ہے لہذا اس میں کسی ضعیف حدیث کا نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ امام کے نزدیک ضعیف سرے سے ناقابل عمل ہے، جیسا کہ کسی حدیث کا اس میں نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ غیر صحیح ہے چنانچہ خود آپ نے احادیث و ادب و اخلاق کا ایک گراں قدر مجموعہ الادب المفرد مرتب فرمایا جس کی شرائط یقیناً ان کی جامع صحیح بہت فروتر ہے، حتیٰ کہ عصر حاضر کے بعض علم برداران حفاظت سنت کو صحیح الادب المفرد اور ضعیف الادب المفرد کے جراثیم عمل کی مشقت اٹھانی پڑی۔

اس کتاب میں امام بخاری نے ضعیف احادیث و آثار کی ایک بڑی مقدار تخریج کی ہے بلکہ بعض ابواب تو آبادی ضعیف سے ہیں، اور آپ نے ان سے استدلال کیا ہے چنانچہ اس کے رجال میں ضعیف مجہول، منکر الحدیث و متروک ہر طرح کے پائے جاتے ہیں مثلاً کے طور علامہ شیخ عبد الفتاح ابو غندہ رحمہ اللہ نے الادب المفرد کی شرح فضل اللہ الصمد سے پائیس احادیث و آثار اور ان کے رجال کے احوال نقل کئے، ان میں سے بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اثر نمبر: علی بن الحسین بن واقد المرؤزی ضعیف الحدیث۔

۲۔ حدیث نمبر: میں محمد بن فلان بن طلحہ مجہول و ضعیف متروک۔

۳۔ اثر نمبر: میں عبد اللہ بن صوبہ قال احمد: لا عرف۔

۴۔ اثر نمبر: ابوسعید سعید بن البرزبان البقال الاوغو ضعیف۔

۵۔ حدیث نمبر: میں سلیمان ابو اداہم یعنی لیمان بن زید۔ ضعیف لیس حدیث کذاب متروک الحدیث۔

۶۔ حدیث نمبر: میں لیث بن ابی سلیم القرشی ابوبکر۔ ضعیف۔

۷۔ حدیث نمبر: میں عبداللہ بن المساور: مجہول۔

۸۔ حدیث نمبر: میں یحییٰ بن ابی سلیمان: قال البخاری: منکر الحدیث۔

شیخ محمد القفاح ابو نعہ رحمہ اللہ نے تفریب التہذیب سے الادب المفرد کے رجال کو کھنگالا تو مستورین کی تعداد: دو۔  
ضعفاء کی تعداد: بائیس۔ اور مجہولین کی تعداد: اٹھائیس نکلی مجموعہ پاون رواۃ۔ اس جائزہ سے بخوبی واضح ہو گیا کہ فضائل کی  
حدیثوں کے تین امام بخاری کا مسلک وہی ہے جو مجہور کا ہے۔

صحیح بخاری میں منکر الحدیث فی رجال کی احادیث:

ما نأخذوا إلّا ما صحّح میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن کی روایت میں کوئی منکر الحدیث راوی موجود ہے، جس کی حدیثیں، محدثین  
کے اصول پر کسی طرح حسن سے اوپر نہیں اٹھ سکتی بلکہ بعض حدیثوں میں ضعیف راوی منفرد ہے اور اس کو داخل صحیح کرنے کی اس  
کے علاوہ کوئی تاویل نہیں ہو سکتی کہ اس کا مضمون غیر احکام سے متعلق ہے اور شارحین نے یہی تاویل کی بھی ہے۔ ملاحظہ ہوں  
چند مثالیں :- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقدمہ فتح الباری میں محمد بن عبد الرحمن الطفاوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

قال ابو زرعة منكر الحديث واورد له ابن عدي عدة احاديث قلت: له في البخاري ثلاثة احاديث ليس  
فيها شيء مما استكره ابن عدي ثالثها في الرقاق كن في الدنيا كأنك غريب وهذا تفرد به الطفاوي وهو من  
غرائب الصحيح وكان البخاري لم يشدد فيه، لكونه من احاديث الترغيب والترهيب۔

یہ حدیث صحیح بخاری کی غریب حدیثوں میں سے ہے۔

یعنی کن فی الدنيا کا تک غریب (بخاری کتاب الرقاق) حدیث کی روایت میں محمد بن عبد الرحمن الطفاوی منفرد ہے  
حافظ فرماتے ہیں: شاید کہ امام بخاری نے اس کے ساتھ سال کا معاملہ صرف اس وجہ سے کیا ہے کہ یہ ترغیب و ترہیب کی  
حدیثوں میں سے ہے۔

عن ابی بن عباس بن سهل بن سعد عن ابیہ عن جده قال: كان للنبي افي حائطا فرس يقال له الحيف

(کتاب الجہاد باب اسم القرس والحمار)

حافظ نے تہذیب التہذیب میں ابی بن عباس بن سهل کی بابت امام احمد، نسائی، ابن معین اور امام بخاری سے تضعیف  
کے جملہ نقل کے عقلی نے کہا: اس کی کئی حدیثیں ہیں اور کسی پر اس کی متابعت نہیں کی گئی ہے۔ پھر حافظ نے فرمایا کہ: مذکورہ  
حدیث پر اس کے بھی ابی عبدالمہسن بن عباس نے متابعت کی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے، ملاحظہ ہوں یہ الفاظ:

وعبد المهيمن يضاً فيه ضعف فاعتضد وانضاف الى ذلك انه ليس من احاديث الاحكام فلهذه الصورة

المجموعة حكم البخاري بصحة انتهى۔

ابی بن عباس کے ضعف کی طافی اس کے بھائی سے اس قدر نہیں ہو سکی کہ حدیث کو صحیح کا درجہ دیا جائے تو اس خلل کو اس پہلو سے پر کیا گیا کہ حدیث احکام سے متعلق نہیں ہے اس لئے چل جائے گی۔

محمد بن طلحہ بن مصرف الکوفی ان کا سامع اپنے والد سے کم سن میں ہوا تھا، انا مہنسائی؟، ابن معین؟، ابن سعد؟ وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، تقریب میں ہے: صدوق، لا وہام واکثر واسماء من ایسہ لضعفہ۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مقدمہ (ص:) میں فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ان کی تین حدیثیں ہیں، دو تو متابعت کی وجہ سے درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے تیسری (مذکورہ بالا حدیث) ہے اس کی روایت میں محمد بن ظہیر منفرد ہیں مگر یہ فضائل اعمال سے متعلق ہے یعنی فضائل اعمال کی حدیث ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کی گئی۔

### ضعیف حدیث کے بارے میں امام مسلم کا موقف

علامہ جمال الدین رحمہ اللہ نے امام مسلم کے متعلق دلیل یہ دی کہ انہوں نے مقدمہ میں ضعیف و منکر احادیث کے روایت کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے اور اپنی صحیح میں ضعیف حدیث کا اصرار نہیں کیا ہے لیکن امام مسلم کی اس تفسیح سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ضعیفہ سے روایت کرنا مطلقاً ناجائز ہے انہوں نے تو صحیح حدیثوں کو صحیح کرنے والے پر یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ شہور ثقہ راویوں کی حدیث کو تلاش کر کے جمع کرے ضعیف حدیث کے علی الاطلاق مردود ہونے پر ان سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔ تاہم امام مسلم نے بعض ضعیفہ کی حدیثیں صحیح میں متابعت و شواہد کے طور پر اخراج کی ہیں، آپ نے مقدمہ میں حدیثوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

وہ حدیثیں جو حفاظ متعینین کی روایت سے ہیں۔ وہ حدیثیں جو ایسے لوگوں کی روایت سے ہیں جو حفظ و اتقان میں متوسط اور بظہر جرح سے محفوظ ہیں۔ وہ حدیثیں جو ضعیف و متروکین کی روایت سے ہیں۔

امام مسلم کی اس صراحت اور صحیح میں ان کے طرز عمل کے درمیان تطبیق میں شراح نے مختلف باتیں کہی ہیں قاضی عیاض نے جو توجہ کی علامہ ذہبی اور نووی نے اس کو پسند کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے۔

امام مسلم نے جن تین طبقات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے آخری طبقہ ان روایات کا ہے جن کے قیام ہونے پر تمام یا اکثر علماء کا اتفاق ہے اس سے پہلے ایک طبقہ ہے جس کا ذکر امام نے اپنی عبارت میں نہیں کیا ہے اور وہ وہ لوگ ہیں جن کو بعض تو مستہم سمجھتے ہیں اور بعض صحیح الحدیث قرار دیتے ہیں۔ یہ کل چار طبقے ہوئے ہیں امام مسلم کو پایا کہ وہ پہلے دونوں طبقوں کی حدیثیں لاتے ہیں، اس طرح کہ باب میں اولاً طبقہ اولیٰ کی حدیث تخریج کرتے ہیں پھر مزید تقویت کے لئے طبقہ ثانیہ کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور جب کسی باب میں طبقہ اولیٰ سے کوئی حدیث ان کے پاس نہیں ہوتی تو ثانیہ ہی کی حدیث پر اکتفاء

کرتے ہیں پھر کچھ ایسے لوگوں کی حدیثیں بھی ترجیح کرتے ہیں جن کی بعض نے تضعیف اور بعض نے توثیق کی ہوئی ہو۔  
چوتھے طبقہ کے لوگ تو ان کو آپ نے ترک کر دیا ہے۔ (مقدمہ شرح نووی)  
امام ذہبی فرماتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ طبقہ اولیٰ و ثانیہ کی حدیثیں مساویانہ طور پر لیتے ہیں، ثانیہ کی محدودے چند کو چھوڑ کر جس میں وہ کسی قسم کی  
نکارت سمجھتے ہیں پھر متابعات و شواہد کے طور پر طبقہ ثالثہ کی حدیثیں لیتے ہیں، جن کی تعداد بہت زیادہ نہیں اصول میں تو ان کی  
حدیثیں شاید بایستی لیتے ہیں یہ عطاء بن السائب لیث بن ابی سلیم بزیع بن ابی زیاد ابان بن صمدہ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو  
بن علقمہ اور ان کی حیثیت کے لوگ ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء)  
ضعیف حدیث کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اوپر صحیحین کے تعلق سے جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے ممکن ہے بعض اہل علم کو شبہ ہو کہ پھر تو صحیحین سے اعتماد اٹھ جائے گا  
اور نتیجہ پورا ذخیرہ حدیث مشکوک ہو جائے گا، جب کہ صحیحین کا اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہونا مسلم اور متفق علیہ ہے، کیونکہ  
جب صحیحین تک ضعیف حدیثوں سے محفوظ نہیں رہیں تو دوسری کتب حدیث تو بدرجہ اولیٰ محفوظ نہیں رہیں گی اور اس طرح پورا  
ذخیرہ حدیث مشکوک اور ناقابل اعتبار ہو جائے گا اور منکرین حدیث کو انکار حدیث کے لئے بہانہ ملے گا۔  
اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم نے یہ کیا ہی کب ہے کہ صحیحین میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جمہور  
امت کے نزدیک حدیثوں میں صحت و حسن کا معیار مختلف ہوتا ہے باب احکام (حلال و حرام) میں سخت ہوتا ہے تو فضائل  
و غیرہ میں نرم۔

چنانچہ ہم نے بخاری شریف سے جو مثالیں پیش کی ہیں، وہ اپنی مثالوں کے باوجود فضائل و آداب کے باب کے اعتبار سے  
یقیناً صحیح ہیں اگرچہ باب احکام میں جس درجہ کی صحت مطلوب ہوتی ہے، وہ ان میں نہیں ہے اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے  
ان کو داخل صحیح کر لیا۔

اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے بعض حضرات ہر باب میں صحت و حسن کے اسی معیار کو استعمال کرنے لگتے ہیں جو  
باب احکام کے لئے مخصوص ہے اور وہ بھی صرف اسنادی پہلو سے، اس لئے مناسب خیال کیا گیا کہ ضعیف اور مشکوک فیہ رجال کی  
حدیثوں کی بابت صحیحین کے مصنفین کا اصل موقف واضح کر دیا جائے، تاکہ اس مخالفت کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ورنہ صحیحین کے  
متعلق جمہور امت کی جو رائے ہے، وہی ہمارا بھی مسلک ہے کہ یہ دونوں کتابیں صرف صحیح احادیث کا مجموعہ ہیں۔ علامہ شبیر احمد  
عثمانی نے مقدمہ فتح البہم میں صحیحین کی حدیثوں کے مفید قطع و یقین ہونے کے نظریہ کی مدلل تردید کرنے کے بعد صحیحین کی  
عظمت و مقام کی بابت حضرت شاہ ولی اللہ کی عبارت نقل کی ہے اس جگہ ہم بھی انہیں عبارت کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں علامہ



عربی فرماتے ہیں۔

اس بحث میں جو کچھ ہم نے لکھا، اس سے ہمارا مقصد معاذ اللہ! صحیحین یا دوسری کتب حدیث کی کسر شان نہیں ہے بلکہ ان کی بابت غلو کی تردید اور ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھنے اور اس کو اس کا واجب حق دینے کی کوشش ہے ورنہ ہم بجز اللہ! ان دونوں عظیم الشان کتابوں کے متعلق وہی نظریہ رکھتے ہیں جو ہمارے شیخ الشیوخ اور مقتدا حضرات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تجرید الاذیالہ فقہ میں فرمایا ہے۔

رہیں صحیحین تو محدثین اس پر متفق ہیں کہ ان میں جو کچھ مرفوع متصل کے قبیل سے ہے، وہ بالکل صحیح ہے اور ان کتابوں کا ثبوت ان کے معنی میں سے بطور قوت ہے بلاشبہ جو شخص بھی ان کی شان گھٹائے گا وہ حق گمراہ اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ راستہ کی پیروی کرنے والا ہوگا۔ (مقدمہ ص ۱۱۱)

ضعیف حدیث کے بارے میں بھی بن معین کا موقف

ابن سید الناس نے تو عیون الاثر میں بنی بن معین کا مذہب مطلقاً ردی نقل کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا مذہب جمہور کے موافق ہے شواہد درج ذیل ہیں:

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، حافظ بخاری نے فتح المغیث میں جن چند لوگوں سے (عقائد و احکام میں تشدد فضائل وغیرہ میں تسائل) نقل کیا ہے، ان میں ابن معین بھی ہیں۔ (فتح المغیث ص ۱)۔ شیخ احمد محمد نور سیف نے مقدمہ تاریخ ابن معین میں لکھا کہ: یحییٰ بن معین کی محمد بن اسحاق کے متعلق جو رائیں منقول ہیں، ان سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کی حدیثیں مطلقاً قابل ترک ہیں چنانچہ فرمایا: ثقیفہ ولكن ليس بحجة ابن اسحاق کے شاگرد زیاد بن عبد اللہ البکائی کے متعلق فرمایا: ليس بشيء لا بأس به في المغازی واما في غيرهما فلا معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک مغازی وغیرہ میں تو ابن اسحاق اور ان کے شاگرد مقبول ہیں احکام وغیرہ میں نہیں۔

الکامل لابن عدی میں ہے۔

عن ابن ابی مریم، قال سمعت ابن معین يقول: ادریس بن سنان يكتب من حديثه الرقاق

ابن معین کے نزدیک ادریس بن سنان کی حدیث رقاق (آداب و فضائل) کے باب میں قابل قبول ہے جبکہ یہ ضعیف ہیں۔

ضعیف حدیث کے بارے میں ابو یوسف بن العربی کا موقف

یہ بالکل اسلمک فقہ ہیں ان سے ایسی کوئی صراحت تو نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ ان کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قابل عمل نہیں البتہ اس کے برعکس ثابت ہے۔ -مرسل حدیث جو جمہور محدثین و شافعیہ کے نزدیک ضعیف ہے، بالکلہ کے نزدیک اس سے استدلال درست ہے، وہ خود اس بات کو نقل کرتے ہیں۔

المرسئل عندنا حجة في احكام الدين من التحليل والتحريم وفي الفضائل و ثواب العبادات، وقد بينا ذلك في اصول الفقه۔ (عارضۃ الاحوذی)

ضعیف کے معمول پہ ہونے کی صراحت خود فرماتے ہیں:

اگرچہ یہ حدیث مجہول کی روایت سے ہے، لیکن اس پر عمل کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس میں خبر کی دعاء ہم نشین کی دل بستی اور اس سے محبت کا اظہار ہے۔

ضعیف حدیث کے بارے میں ابوشامہ مقدسی کا موقف

محدث ابوشامہ مقدسی کی بات شیخ طایر الجوزی نے توجیہ انظر میں نقل کی ہے انہوں نے اپنی کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث میں حافظ ابن عساکر دمشقی کی ایک مجلس علماء کے حوالہ سے ماہر جب کی فضیلت کے متعلق تین حدیثیں ذکر کیں۔ اس کے بعد لکھا کہ:

كنت اود ان الحافظ لم يذكر ذلك فان فيه تقريراً لما فيه من الاحاديث المنكرة ففقدته كان اجل من ان يحدث عن رسول الله ا بحديث يرى انه كذب بولكنه جرى على عادة جماعه من اهل الحديث يتساهلون في احاديث الفضائل الخ۔

یعنی کاش کہ ابن عساکر ان حدیثوں کو بیان نہ کرتے، کیونکہ اس سے منکر حدیثوں کو رد و اج دینا ہے آپ جیسے محدث کی شایان شان نہیں کہ ایک حدیث جس کو غلط سمجھ رہے ہیں، بیان کریں۔ لیکن محدثین کی ایک جماعت جو فضائل اعمال میں تساہل برتی ہے کے طریقہ کو آپ نے اختیار کیا۔

شیر احمد حنفی رحمہ اللہ میں پرتیرہویں فرماتے ہیں:

محدث ابوشامہ نے فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کے سلسلہ میں تو کوئی نقد نہیں کیا بلکہ ابن عساکر جیسے ماہر فن کے طرز عمل پر تکیہ چینی کی کہ انہوں نے ایک منکر حدیث بغیر کسی وضاحتی بیان کے عوام میں نقل فرمادی، جس سے عوام یا جس کو اس فن سے مناسبت نہیں ابن عساکر کی نقل سے دھوکہ کھانے اور اس کو ثابت سمجھنے کا اندیشہ ہے جبکہ محدثین کے نزدیک یہ غیر ثابت ہے۔

ضعیف حدیث کے بارے میں ابن تیمیہ کا موقف:

ابن تیمیہ بھی فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کے مسئلہ میں جمہور سے الگ نہیں ہو سکے اس دعویٰ کا بین ثبوت ان کی کتاب الملک الطیب ہے، اس میں ضعیف حدیثوں کی تعداد کتنی ہے، اس کا جواب علامہ ناصر الدین البانی دیں گے، جنہوں نے مجمع الملک الطیب اور ضعیف الملک الطیب میں خط امتیاز قائم کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ (التحریف بادہام)

ضعیف حدیث کے بارے میں علامہ شوکانی کا موقف:

اگر علامہ شوکانی کی الفاظ اور مجموعی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث مطلقاً ناقابل عمل ہے، لیکن ان کی اہم ترین تہنیت میل الاوطار کی یہ عبارت اس کی نفی کرتی ہے۔

والایات والاحادیث المذكورة فی الباب تدل علی مشروعية الاستکثار من الصلاة بین المغرب والعشاء والاحادیث وان کان اکثرها ضعیفاً فهی منتهضة لمجموعها لاسیما فی فضائل الاعمال۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب و عشاء کے درمیان فوائل کی کثرت سے متعلق اکثر حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے مضبوط ہیں، خاص کر فضائل اعمال میں۔ نیز آپ کی کتاب تحفۃ الزاکرین کا مطالعہ کرنے والا شخص تو ہمت ہی نہیں کر سکتا کہ ان کی طرف زیر بحث مسئلہ میں خلاف جمہور رائے کا انتساب کرے، کیونکہ وہ تو ضعاف سے بھری پڑی ہے۔

(ملاحظہ ہو اسریف)

ان معروضات سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ضعیف حدیث جبکہ موضوع نہ ہو، باب احکام و عقائد کے علاوہ میں اجماعی طور سے پوری امت کے نزدیک قابل عمل ہے اور چونکہ فضائل مناقب ترغیب و ترہیب و مغازر کی احادیث کے ذریعہ غفلت سے بیداری اور دین پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے پورے شیعہ دینے ان کے خلاف ہوا کھڑا کیا گیا ہے، تاکہ مذہبی احکام کی اہمیت کم سے کم نہ ہو جائے، پھر زیاں کے بعد زیاں کا احساس تک باقی نہ رہے۔

امامت کی عدم اہانت کے اعدا کا بیان:

(وَبَشِّرِ الْقَادِمِينَ الْعَذَابَ لِأَنَّهُمْ لَا يَتَّقُونَ لِلْعَلَمِ) (وَالْأَعْرَابِ) لِأَنَّهُ الْعَالِبُ بِهِمْ الْجَهْلُ (وَالْقَاصِي) لِأَنَّهُ لَا يَنْتَهِي لَهُمْ دِيْنَهُ (وَالْأَعْمَى) لِأَنَّهُ لَا يَتَوَقَّى النَّجَاسَةَ (وَوَلَدَ الزُّنَا) لِأَنَّهُ كَيْسَ لَهُ أَبٌ يُنْقِضُ كَيْفِيَّتَ عَلَيْهِ الْجَهْلُ، وَلَآئِي تَقْدِيمُ هَؤُلَاءِ تَقْوِيَةُ الْجَمَاعَةِ فَيُكْوَرُ (وَأَن تَقْلَمُوا آجَارَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّوْا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَلَا جِرَ).

ترجمہ:

اور غلام کی تقدیم مکروہ ہے کیونکہ اسے حصول علم کے لئے وقت نہیں ملتا، اور اعرابی کی تقدیم بھی مکروہ ہے کیونکہ اکثر طور پر یہ لوگ جاہل ہوتے ہیں اور فاسق اس لئے مکروہ بنی معاملات کا اہتمام نہیں کرتا اور تاہینا اس لئے مکروہ نجاست سے نہیں بچ سکتا (بظریق کمال)، ولد زنا کی امامت اس لئے مکروہ ہے کہ اس کا والد شقی نہیں جو تعلیم کا انتظام کرے، ایسے افراد اکثر طور پر جاہل رہتے ہیں اور ان کی تقدیم سے لوگوں کو جماعت میں شمولیت سے نفرت پیدا ہوگی لہذا ان کو امام بنانا مکروہ ہے۔ اور ان لوگوں کو مقدم کر دیا تو جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔

تایینا آدمی کی امامت میں جواز و کراہت:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام کثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ تائینا تھے۔ (سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۸۸، دارالحدیث لبنان)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تائینے کی امامت بلا کراہت جائز ہے اس سلسلے میں خفی مسلک میں یہ فقہی روایتیں بھی وارد ہیں کہ اگر تائینا قوم کا سردار ہو تو اس کی امامت جائز ہے بلکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر تائینا بہت زیادہ علم کا حامل ہو تو امامت کے سلسلے میں وہ اولیٰ ہے۔ (شرح کنز، اشاہد النظائر)

اندھا اگر تمام موجودین میں سب سے زیادہ مسائل کا جاننے والا نہ ہو اور اس کے سوا دوسرا صحیح القرأت صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن حاضر جماعت ہے تو اندھے کی امامت مکروہ تزیینی ہے اور اگر وہی سب سے زیادہ علم نماز رکھتا ہے تو اسی کی امامت افضل ہے، اگر حاضرین میں دوسرا صحیح خواں بد مذہب یا فاسق معلن ہے اور اندھا ان سب میں سے پاک ہے تو ان کی امامت ضرور ہے، اور اگر صحیح خواں صرف وہی ہے جب تو اصلاً دوسرا قابل امامت ہی نہیں۔

درمختار میں ہے: نہ کبرہ تنزیہا امامۃ اعمی الا ان یکون اعلم القوم فہو اولیٰ اہ نہ ایضاً مختص کی امامت مکروہ تزیینی ہے البتہ اس صورت میں اس کی امامت اولیٰ ہوگی جب وہ دوسروں سے زیادہ صاحب علم ہو۔

(درمختار باب الامتہ مطبوعہ مہجائی دہلی)

فاسق اگر امام بنادیا جائے تو امامت جائز ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اوپر جہاد ہر سردار کے ہمراہ خواہ وہ نیک ہو یا بد واجب ہے اگرچہ وہ (سردار) گناہ کبیرہ کرتا ہو اور تم پر نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے خواہ وہ (نماز پڑھانے والا) نیک ہو یا بد واجب ہے اگرچہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ نیک ہو یا بد اگرچہ گناہ کبیرہ کرتا ہو۔ (ابوداؤد)

جہاد واجب ہے کا مطلب یہ ہے: بعض صورتوں میں تو جہاد فرض عین ہے اور بعض صورتوں میں فرض کفایہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کا فسق کفر کی حد تک نہ پہنچ چکا ہو فاسق کے پیچھے نماز ادا تو ہو جاتی ہے لیکن اس کے پیچھے نماز پڑھنا بہر حال مکروہ ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ نیک بخت کی موجودگی میں فاسق کو امامت نہیں کرنی چاہیے۔ نماز جنازہ کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔

فاسق کی تعریف و حکم:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں فاسق وہ ہے جو کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور وہی فاجر ہے، اور کبھی فاجر خاص زانی کو کہتے ہیں، فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے پھر اگر معطل نہ ہو یعنی وہ گناہ چھپ کر کرتا ہو معروف و مشہور نہ ہو تو کراہت تخریجی ہے یعنی خلاف اولیٰ، اگر فاسق معطل ہے کہ علانیہ کبیرہ کا ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہے تو اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کے پڑھنی گناہ اور پڑھ لی تو پھیرنی واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ایک آدھ پار پینا گناہ صغیرہ اور اگر پہنی اور اتار ڈالی تو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اور اگر نماز میں پہنے ہو تو اسے امام بنانا منوع اور اس کے پیچھے نماز مکروہ، یوں ہی جو پہنا کرتا ہے اس کا عادی ہے فاسق معطل ہے اور اس کا امام بنانا گناہ اگر اس وقت نماز میں نہ بھی پہنے ہو۔ گناہ اگر چہ صغیرہ ہو اسے چھوٹی بات کہنا بہت سخت جرم ہے، اس شخص پر تو پھر فرض ہے۔ (۳) صورت مذکور میں اس مسافر کو امام کیا جائے کہ فاسق کو امام بنانا گناہ ہے اور غلط خواں کے پیچھے نماز باطل۔

(فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلوٰۃ، درضا فاؤنڈیشن لاہور)

صاحب تبیین الحقائق لکھتے ہیں۔

تبیین الحقائق میں ہے: لان فی تقدیمہ للامامة تعظیمة وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا۔

کیونکہ امامت کے لئے فاسق کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ اس کی اہانت شرعاً واجب ہے۔

(تبیین الحقائق باب الامامة المطبوعة الکبری الامیریہ بولاق مصر)

امام کمزور اور ضرورت مندوں کی رعایت کرنے:

(وَلَا يُطَوَّلُ الْإِمَامُ بِهِمُ الصَّلَاةُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ كَفَّ قَوْمًا فَلْيُصَلِّ بِهِمْ صَلَاةً أَضْعَافَهُمْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ)

ترجمہ

اور امام ان کو لمبی نماز نہ پڑھائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی قوم کو نماز پڑھائے۔ پس وہ ان میں ضعیفوں، مریضوں اور ضرورت والوں کو نماز پڑھائے۔ (یعنی ان کی رعایت کرے)۔

قرأت کرنے میں لوگوں کیلئے آسانیاں پیدا کرنے کا بیان:

حضرت سیدنا ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی جماعت میں نہیں آتا کیونکہ وہ قرأت لمبی کرتا ہے تو میں نے آپ ﷺ کو نصیحت کرنے میں کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا جتنا اس دن دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو دین سے متنفر کرتے ہیں۔ جو

کوئی تم میں سے امامت کرائے تو پھر نماز پڑھائے اس لئے کہ اس کے پیچھے پورے حاور و کفر اور کام والا ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم ۳۱۸)

عورتوں کی جماعت کے مکروہ ہونے کا بیان:

(وَيُحْكِرُ لِلنِّسَاءِ وَحَتَّى الْجَمَاعَةِ) لِأَنَّهَا لَا تَعْمَلُو عَنْ الزَّكَاةِ مُعْتَرِمًا، وَهُوَ قِيَامُ الْإِيمَانِ وَسَطْرُ الصَّفِّ فَيُحْكِرُ كَالْعُرَاةِ (لِأَنَّ لَعْنًا لَانْتِ الْإِيمَانِ وَسَطْرُهُنَّ) لِأَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَعَنَتْ كَذَلِكَ، وَحِيلَ فَعْمَلُهَا الْجَمَاعَةِ عَلَى اخْتِدَاعِ الْإِسْلَامِ وَلِأَنَّ فِي الْقَلَمِ زِيَادَةَ الْكُتُفِ.

ترجمہ:

عورتوں کیلئے ایکلے میں بھی جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ عورتوں کی جماعت حرام کے ارتکاب سے خالی نہیں اور امام کا صف کے درمیان میں کھڑا ہوتا ہے۔ لہذا یہ مکروہ ہوگا۔ جیسا کہ مردوں کی نماز کا حکم ہے۔ اور اگر عورتوں نے جماعت کرائی تو امام ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔ اس لئے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اسی طرح کیا تھا۔ اور آپ کی جماعت کا ابتداء اسلام پر محمول کر دیا گیا ہے۔ اور وہ اس لئے ہے کہ ان کے تقدم میں کشف عورت زیادہ ہے۔

عورتوں کی جماعت کرانے کا حکم:

عورت کی امامت خواہ فرض نماز میں ہو یا نفل نماز میں مکروہ تحریمی ہے اور یہ کہ امت عورتوں کی نفل نماز کی جماعت میں اور زیادہ شدید ہے کیونکہ نفل کی جماعت اعلان کے ساتھ مردوں کے لئے جائز نہیں تو عورتوں کے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: لا یخرج فی جماعۃ النساء (اعلاء السنن)

یعنی عورتوں کی جماعت میں کوئی خیر نہیں۔ حضرت علی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: لا تؤم المرأة۔ (اعلاء السنن) یعنی عورت امامت نہ کرے۔ در مختار میں ہے۔

(و) یکرہ تحریمًا (جماعۃ النساء) و: فی الترویج فی غیر صلاۃ الجنائزۃ۔

عورت کے لئے شرعی مسافت سفر ہو تو بغیر حرم کے سفر کرنا شرعاً جائز ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے:

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: لا تسافر المرأة ثلاثاً الا معها ذو محرم۔ (صحیح البخاری)

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرمایا: عورت تین دن کے برابر (مسافت) کا بغیر حرم کے سفر نہ کرے

عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول اللہ ﷺ لا یحل لأمرأة أن یسافر بالیوم واللیوم الآخر أن تسافر سفراً

یکون ثلاثة ایام فصاعداً الا ومعها ابوها او ابنها او زوجها او اخوها او ذو محرم منها۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ حضور اکابر ﷺ کے لئے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ اس کا والد یا بیٹا یا شوہر یا بھائی یا کوئی دوسرا محرم ہو۔

عن عبد اللہ بن عمر عن النبی ا قال : لا یحیل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر تسافر مسیرة ثلاث الا ومعها ذو محرم۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا : اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ تین دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے کرے۔

مذکورہ احادیث مبارکہ اور ان جیسی دوسری احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں اور ان ہی احادیث کی بناء پر جمہور علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں

وقال المحذور : لا یحوز الامع زوج او محرم وهذا هو الصحیح للاحادیث الصحیحة۔ (شرح مسلم)

مذکورہ حدیث میرے علم میں نہیں باقی عورت کو دونوں باتوں کا اختیار ہے کہ اس کو دھوکہ استعمال کرے یا بھیج دے اس طرح کہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑے۔ واضح رہے کہ عورتوں کا طریقہ نماز مردوں کے طریقہ نماز سے مختلف ہے اور یہ فرق احادیث و آثار صحابہ سے ثابت ہے جو کہ درج ذیل ہے نماز میں عورت کو حکم ہے کہ وہ ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے : چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

عن وائل بن حجر قال : قال لی رسول اللہ ا : یا وائل ابن حجر اذا ضلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیك والمرأة تجعل یدیهما حذاء ندیہا۔ (مجمع الزوائد)

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے حضور نے فرمایا : اے وائل بن حجر ! جب نماز شروع کرو تو اپنے ہاتھ کانوں

تک اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے۔

عورت نماز میں سٹ کر سرین کے بل بیٹھے چنانچہ حدیث شریف میں ہے

عن ابن عمر انه سئل : کیف كان النساء یصلین علی عهد رسول اللہ ﷺ؟ قال : کن یتربعن ثم امرن ان یحتفرن۔ (جامع المسانید)

حضرت ابن عمر سے پوچھا گیا کہ خواتین حضور کے عہد مبارک میں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ : پہلے چار اونٹوں پر بیٹھتی تھیں پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سٹ کر نماز ادا کریں۔ عورت زمین کے ساتھ چٹ کر اور پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملا کر سجدہ کرے حدیث شریف میں ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ۱: اذا جلست المرأة في الصلاة وضعت فخذها على فخذها الاخرى و اذا سجدت الصلقت بطنها على فخذها ۲ تر ما يكون لها وان الله ينظر اليها يقول: يا ملنكتي اشهدكم اني غفرت لها۔ (بیہقی)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ آنحضرت اکا ارشاد ہے: نماز کے دوران جب عورت بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ میں جائے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے ملا لے اس طرح کہ زیادہ سے زیادہ ستر ہو سکے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ: اسے فرشتو! تم گواہ ہو میں نے اس عورت کی بخشش کر دی۔ دوسری حدیث شریف میں ہے۔

عن يزيد بن ابي حبيب ان رسول الله ۱ مر على امرأتين تصليان فقال: اذا سجدتما فضمما بعض اللحم الى الارض فان المرأة ليست في ذلك كالرجل۔ (مراسیل ابی داؤد)

نبی کریم ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو تم اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چٹا دو اس لئے کہ اس میں عورت مرد کے مانند نہیں ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ۔

اذا سجدت المرأة فلتحتمز وتضم فخذها (بیہقی): یعنی جب عورت سجدہ کرے تو سرین کے بل بیٹھے اور اپنی رانوں کو ملا لے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ انہ مثل عن صلاة المرأة فقال تحتضع وتحتجز (مصنف ابن ابی شیبہ):

یعنی ان سے عورت کی نماز کے حلق پر چھایا گیا تو فرمایا کہ سب اعضاء کو ملا لے اور سرین کے بل بیٹھے۔ اسی بناء پر چاروں ائمہ کرام امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد، اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کا طریقہ نماز مرد کے طریقہ نماز سے مختلف ہے اور فقہاء کرام نے اپنی کتابوں میں یہ فرق ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ہر ایک میں ہے:

والمرأة تنخفض في سجودها تلزق بطنها بفخذها لان ذلك استر لها (وفی موضع اخر قال) وان كانت امرأة جلست على اليثا اليسرى واخرجت رجلها من الحجاب الإيمن لانه استر لها۔ شرح صغیر میں ہے۔

تذب مجافاة ای: بمباعدة رجل فيه ای: سجود (بطنه فخذيه) فلا يجعل بطنه عليهما ومجاواة (مرفقيه ركبته) ای: عس ركبتيه ومجاواة ضبعيه ای: بما فوق المرفق الى الابط جنبه ای: عنعنهما مجافاة وسطا في الجميع واما المرأة فتكون منضمة في جميع احوالها۔ (دارالمعارف مصر)



شرح مہذب میں ہے۔

قال الشافعی والأصحاب: یسن أن یحلفی مرفقیہ عن حنبیہ ویرفع یطہ عن فحذیہ ونصم المرأة معصیا الی بعض (قال قبل اسطر) روى البراء بن عازب أن النبی اکان اذا سجد جح وروی حنفی والحنف الجاوی وان كانت امرأة ضمت بعضها الی بعض لان ذلك استرلها۔  
الحنفی میں ہے۔

وان صلت امرأة بالنساء قامت معهن فی الصف وسطا قال ابن قدامة فی شرحه اذا لبث هذا فانها اذا صلت بهن قامت فی وسطهن لایعلم فیہ خلافا من رأى لها ان تؤمنهن ولان المرأة یستحب لها التستر ولذلك یستحب لها التحافی۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ و آثار صحابہ اور ائمہ اربعہ کے اقوال سے عورت کا طریقہ نماز ثابت ہے وہ مرد کے طریقہ نماز سے جدا ہے اس لئے مرد اور عورت کی نماز کی ادائیگی کو یکساں کہنا غلط ہے۔ دینی تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کا مقصد دینی تعلیمات پر عمل کرنا ہے جہاں دینی تعلیم کے مقصد سے انحراف ہوتا ہو وہاں تعلیم حاصل کرنا صحیح نہیں۔  
اکیلے نماز کی جماعت میں کھڑے ہونے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى مَعَ وَاحِدٍ أَكَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ) لِتَحْدِيثِ (ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَإِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى بِهِ وَأَكَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ) وَلَا يَتَأَخَّرُ عَنِ الْإِمَامِ:  
وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يَضَعُ أَصَابِعَهُ عِنْدَ عَقِبِ الْإِمَامِ، وَالْأَوَّلُ هُوَ الظَّاهِرُ، فَإِنْ صَلَّى خَلْفَهُ أَوْ فِي بَسَائِرِهِ جَازٍ وَهُوَ مُسِيءٌ لِأَنَّهُ خَالَفَ السُّنَّةَ

(وَأَنَّ أَمَّ النَّبِيِّ تَقَلَّمَ عَلَيْهِمَا) وَعَنْ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتَوَسَّطُهُمَا، وَنَقَلَ ذَلِكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَلَقَدْ (أَنَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ تَقَلَّمَ عَلَى أَنَسٍ وَالْجِيمِ حِينَ صَلَّى بِهِمَا) فَهَذَا لِلْأَصْلِيَّةِ وَالْأَثَرِ ذَلِيلُ الْإِتَابَةِ۔

ترجمہ

اور جس نے ایک شخص کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ اس کو اپنی دائیں جانب کھڑا کرے۔ اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی اور ان کو دائیں جانب بٹھا دیا۔ اور مقتدی امام کے پیچھے نہ رہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مقتدی اپنی انگلیوں کو امام کی انگلیوں کے برابر رکھے۔ اور پہلا ہی ظاہر ہے۔ اور اگر ایک مقتدی نے امام کے بائیں یا پیچھے نماز پڑھی تب بھی جائز ہے۔ لیکن وہ گناہ گار ہے۔ اس لئے کہ اس

نے خلاف سنت کیا ہے۔

اور اگر اس نے دو بندوں کی امامت کر لی تو امام ان دونوں پر مقدم ہو۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ہم دونوں کے درمیان کھڑا ہو۔ اور یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت انس اور قیس سے آگے کھڑے ہوئے اور ان دونوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ لہذا یہ دلیل فضیلت ہے اور اثر دلیل اہانت ہے۔  
صرف ایک مقتدی یا دو ہوں تو جماعت کا حکم:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں رات گزاری چنانچہ (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) (تہجد) نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف جا کر کھڑے ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑ کر اس طرح پھیرا (کہ) مجھے اپنے پیچھے کی جانب سے لاکر دائیں طرف کھڑا کر لیا۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)  
شرح اسے میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے کئی مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

(۱) نفل نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے۔ (۲) اگر جماعت صرف دو آدمیوں کی ہو یعنی ایک امام اور ایک مقتدی۔ تو مقتدی کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے۔ (۳) نماز میں تھوڑا سا عمل جائز ہے۔ (۴) مقتدی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ امام سے آگے ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگے کی جانب سے پھیرنے کی بجائے اپنے پیچھے سے پھیر کر دائیں طرف لاکر لیا۔ (۵) ایسے آدمی کے پیچھے اقتداء جائز ہے جس نے شروع سے امام کی نیت نہ کر رکھی ہو۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ صورت مذکور میں اگر جماعت مقتدی امام کے پیچھے یا بائیں طرف نماز پڑھے تو جائز ہے لیکن مناسب نہیں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے پیچھے سے) میرا (دایاں) ہاتھ پکڑا اور (اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے لاکر) اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر جبرائیل صحر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں طرف کھڑے ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کے ہاتھ اکٹھے پکڑے (یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے ایک کا بایاں ہاتھ پکڑا اور ایک بائیں ہاتھ سے دوسرے کا دایاں ہاتھ پکڑا اور ہمیں اپنی اپنی جگہ سے ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔) (صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہو جائے اور اگر ایک سے زیادہ مقتدی ہوں تو پھر سب امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

قاضی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں کو ایک مرتبہ یا غیر وقفے سے دوسرے حرکت میں لانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

عورتوں اور بچوں کی اقتداء میں مردوں کی نماز کا حکم:

(وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ أَنْ يَقْتَدُوا بِامْرَأَةٍ وَصَبِيٍّ) أَمَّا الْمَرْأَةُ فَلِلْقَوْلِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَخْرَوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجْنَهُنَّ اللَّهُ فَلَا يَجُوزُ تَقْيِيمُهُنَّ) وَأَمَّا الصَّبِيُّ فَلِأَنَّهُ مُتَقَلِّدٌ فَلَا يَجُوزُ الْإِقْدَاءُ الْمُفْتَرِضُ بِهِ. وَلِىَ التَّرَاوُجِ وَالسَّنَنِ الْمُطْلَقَةِ جُوزُهُ مَشَايِخَ بَلَّحَى، وَلَمْ يَجُزْهُ مَشَايِخُنَا رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّقَ الْخِلَافَ لِيِ النَّفْلِ الْمُطْلَقِ بَيْنَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَالْمُخْتَارَ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِيِ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا لِأَنَّهُ لَنَفْلِ الصَّبِيِّ قَوْلُ نَفْلِ الْبَالِغِ حَيْثُ لَا يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ بِالْإِفْسَادِ بِالْإِجْمَاعِ، وَلَا يَتَنَبَّأُ الْقَوِيُّ عَلَى الضَّعِيفِ، بِمُخْلَافِ الْمَطْنُونِ لِأَنَّهُ مُجْتَبِهٌ لِيهِ لَأَغْيَرُ الْعَارِضِ عَمَّا وَمُخْلَافِ الْإِقْدَاءِ الصَّبِيِّ بِالصَّبِيِّ لِأَنَّ الصَّلَاةَ مُتَّحِدَةٌ.

ترجمہ

اور عورت یا بچے کی اقتداء کرنا مردوں کیلئے جائز نہیں۔ عورت کی اقتداء اس لئے جائز نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم عورتوں کو مؤخر کرو۔ جیسے ان کو اللہ نے مؤخر کیا۔ لہذا عورت کو مقدم کرنا جائز نہیں۔ اور بچے کو مقدم کرنا اس لئے جائز نہیں کہ وہ نفل پڑھنے والا ہے۔ لہذا مفسر ضحیٰ کا اس کی اقتداء کرنا جائز نہیں۔ جبکہ نماز تراویح سنن مطلقہ میں مشایخ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ ہمارے مشایخ نے اسے بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ اور ہمارے مشایخ میں سے بعض نے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے درمیان نفل مطلق کی صورت اختلاف کی تحقیق کی ہے۔ اور اختیار یہ کیا گیا ہے کہ یہ تمام نمازوں میں جائز نہیں۔ کیونکہ بچے کا نفل بالیٰ کے نفل سے کثرت ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ بچے کے نفل باطل ہونے پر بالا جماع اس پر اس کی قضاء واجب نہیں۔ لہذا اقویٰ کی ضعیف پر بناء جائز نہیں۔ جبکہ مقلدون کے مجتہد فیہ ہوں کی وجہ سے جائز ہے۔ لہذا معدودی عارض کا اعتبار کیا جائے گا۔ جبکہ بچے کی اقتداء میں ایسا نہیں کیونکہ وہ نماز میں متحد ہے۔

نابالیٰ کی امامت کے بارے فقہی احکام کا بیان:

حضرت عمر و ابن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پانی کے کنارے رہتے تھے جو لوگوں کی گزرگاہ تھا قافلے ہمارے یا اس سے گزرتے ہم ان سے پوچھتے تھے کہ لوگوں کے واسطے (ایک آدمی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین

نکالا ہے وہ) کیا ہے؟ اور اس آدمی (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کیا ہیں؟ وہ لوگ ہم سے بیان کرتے کہ وہ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں (اپنا نبی جہن بنا) کر بھیجا ہے اور (قافلے کے لوگ قرآن کی آیتیں سنا کر کہہ کرتے تھے کہ یہ) ان کے پاس وحی آتی ہے (اس طرح) ان کے پاس وحی آتی ہے چنانچہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو جو قافلے والے بیان کرتے تھے اور کلام کو) یعنی قافلے والے جو آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے ان کو اس طرح یاد کر لیتا تھا گویا وہ میرے سینے میں جم جاتی تھیں (یعنی قرآن کی آیتیں مجھے خود یاد ہو جایا کرتی تھیں) اہل عرب کہتے تھے کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم اسلام لائیں گے اور یہ (کہا کرتے تھے تھے ان (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کی قوم پر چھوڑ دو اگر وہ اپنے لوگوں پر غالب آگئے اور مکہ کو فتح کر لیا) تو سمجھو کہ وہ سچے نبی ہیں (کیونکہ انکی اس ظاہری بے سر و سامانی اور مادی کمزوری کے باوجود اہل عرب پر غالب آ جانا اور مکہ کو فتح کر لینا ان کا عجز و عداوت صرف سچے نبی ہی سے صادر ہو سکتا ہے چنانچہ جب اللہ نے اپنے دین کا یوں بالا کیا اور مکہ فتح ہو گیا تو لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے میرے والد نے اپنی قوم پر پھیل کی اور سب سے پہلے اسلام لے آئے جب وہ یعنی میرے والد لوٹ کر آئے تو اپنی قوم سے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! میں سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو اور فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو (یعنی آپ نے نماز کی کیفیات اور اوقات بیان کئے) اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور تم میں سے جو آدمی قرآن زیادہ جانے والا ہو وہ تمہاری امامت کرائے چنانچہ جب نماز کا وقت آیا اور جماعت کی تیاری ہوئی تو لوگوں نے آپس میں دیکھا (کہ امام کے بنایا جائے) مجھ سے زیادہ کوئی قرآن کا جانے والا نہیں تھا کیونکہ میں (پہلے ہی سے) قافلے والوں سے قرآن سیکھ رہا تھا چنانچہ لوگوں نے مجھے آگے کر دیا (اور نماز میں میری اقتداء کی) اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی اور میرے بدن پر فقط ایک چادر تھی چنانچہ جب میں سجدہ کرتا تو وہ چادر میرے بدن سے سرک جاتی تھی (اور کوٹھے کھل جاتے تھے) قوم میں سے ایک عورت نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ ہمارے سامنے سے تم لوگ اپنے امام کی شرم گاہ کیوں نہیں ڈھانکتے؟ تب قوم نے کپڑا خریدا اور میرے لیے کرت بنوا دیا اس مرتبے کی وجہ سے مجھے جیسی خوشی ہوئی ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ (صحیح البخاری)

عام طرز پر مسلمہ لام کے زبر کے ساتھ ہے مگر یہ عروہ و جو قوم کے امام بنے تھے ان کے والد کے نام سلمہ میں لام زبر کے ساتھ ہے۔ اس کے بارہ میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ عروہ ابن سلمہ بھی اپنے والد کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے گئے یا نہیں؟ اسی وجہ سے اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ صحابی نہیں یا ہیں؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد تمہارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تھے یہ ان کے ساتھ نہیں گئے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لڑکے کی امامت کے جواز میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے البتہ جسے کی نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے سلسلے میں امام شافعی کے رد قول ہیں ایک قول ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جسے کی نماز میں بھی لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور دوسرے قول سے عدم جواز کا اثبات ہوتا ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ عہم فرماتے ہیں کہ نابالغ کی امامت جائز نہیں ہے البتہ نقل نماز کے سلسلہ میں علماء حنفیہ کے ہاں اختلاف ہے چنانچہ تلح کے مشائخ نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور اسی پر ان کا عمل ہے نیز مصر اور شام میں بھی اس پر عمل کیا جاتا ہے ان کے علاوہ دیگر علماء نے نقل نماز میں بھی نابالغ لڑکے کی امامت کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ علماء ماوراء النہر کا عمل اسی پر ہے۔

زعینی نے شرح کنز میں اس مسئلے کے متعلق کہا ہے کہ امام شافعی نے اس مسئلے میں کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے حضرت عمرو ابن سلمہ کے اس قول فقہ مونی تلح سے استدلال کیا ہے لیکن ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی روشنی میں کہ وہ لڑکا جس پر حدود واجب نہیں ہوئی امامت نہ کرے نابالغ لڑکے کی امامت جائز نہیں ہے اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی یہی ہے کہ لڑکا جب تک تکلم (یعنی بالغ) نہ ہو جائے امامت نہ کرے۔

ہند یہ جائز نہیں ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا نابالغ لڑکے کی اقتداء کرے جہاں تک عمرو ابن سلمہ کی امامت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ ان کی امامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ ان کی قوم کے لوگوں کے اپنے اجتہاد تھا کہ عمرو بن سلمہ کا نقل کے لوگوں سے قرآن کریم کی کچھ کچھ تھے اس لیے ان کو امام بنادیا۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرات شوافع حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے تو استدلال نہیں کرتے۔ ایک نابالغ لڑکے (عمرو ابن سلمہ) کے فعل کو مستدل بناتے ہیں۔

نماز میں معنوں کی ترتیب کا بیان:

(وَيُصَلِّى الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ النِّسَاءُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (يُجْلِسُ مِنْكُمْ أَوَّلُ الْأَخْلَامِ وَالنِّهْيُ) وَلَا يَأْتِي الْمَحَاذَةَ مُفْسِدَةً فَلْيُخَوِّنَ (وَأَنْ حَادَثَهُ امْرَأَةٌ وَهِيَ مُشْفَرٌّ كَانَ لِي صَلَاةٌ وَاحِدَةٌ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ إِنْ نَوَى الْإِمَامَ إِمَامَتَهَا) وَالْيَقَاسُ أَنْ لَا تَفْسُدَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ اغْتَبَاهَا بِصَلَاتِهَا حَيْثُ لَا تَفْسُدُ.

وَجَعَلَ الْإِسْحَاقَ حَسَنًا مَّا رَزَقْنَاهُ وَأَنَّهُ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَهُوَ الْمُخَاطَبُ بِهِ ذُو نَهَا لِيَكُونُ هُوَ النَّارُ لِكُلِّ قَرْصٍ  
الْمَقَامِ فَتَقْصِدَ صَلَاتَهُ ذُونَ صَلَاتِهَا ، كَالْمَأْمُومِ إِذَا تَقَدَّمَ عَلَى الْإِمَامِ ( وَإِنْ لَمْ يَتَوَّأَمَتْهَا لَمْ تَضُرَّهُ وَلَا  
تَجُوزُ صَلَاتُهَا ) لِأَنَّ الْإِسْحَاقَ لَا يَنْبَغُ ذُو نَهَا عِنْدَنَا إِحْلَاقًا لِزُفَرٍ وَرَحْمَةُ اللَّهِ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَلْزَمُهُ التَّزْيِيبُ  
لِىِ الْمَقَامِ لِيَتَوَقَّفَ عَلَى الْتَزَايِمِ كَالْإِقْدَالِ ، إِنَّمَا يُشْتَرَطُ بَيَّةُ الْإِمَامِيَّةِ إِذَا تَعَثَّتْ مُعَادِيَةً ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ  
يَجْنِبُهَا رَجُلٌ لِّفِيهِ رَوَايَتَانِ ، وَالْقَرُونِ عَلَى إِحْدَاهُمَا أَنَّ الْقَسَادَ فِي الْأَوَّلِ لَا يَزِمُ ، وَلِىِ الثَّانِي مُشْتَبَلٌ .

ترجمہ

مرد صنف بنائیں پھر سچے اور پھر عورتیں صف بنائیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بالغ مرد قریب رہیں  
کیونکہ عورت کا مد مقابل ہونا مسند نماز ہے۔ لہذا عورتوں کو متوخر کیا جائے۔ اور اگر کوئی عورت مرد کے مد مقابل ہوئی حالانکہ وہ  
دونوں میں ایک ہی نماز میں شریک ہیں تو اس مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس شرط کے ساتھ کہ امام نے اس عورت کی نیت کی  
ہو جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا فرمان بھی یہی ہے۔ کیونکہ وہ عورت کی نماز پر  
قیاس کرتے ہیں۔ اس لئے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ جبکہ استحسان کی دلیل وہ حدیث جو ہم بیان کر چکے ہیں اور وہ احادیث  
مشہورہ میں سے ہے۔ اور اس حکم میں خطاب مرد کو ہے نہ کہ عورت کو خطاب ہے۔ لہذا مرد ہی مقام فرض کا تبارک ہوگا اور اسی  
کی نماز فاسد ہوگی۔ اور عورت کی نماز فاسد نہ ہوگی جس طرح مقتدی کے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد نہیں  
ہوتی۔ اور اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو عورت کی محاذات مرد کیلئے نقصان دہ نہیں۔ اور عورت کی نماز جائز نہ  
ہوگی۔ کیونکہ ہمارے نزدیک نیت امامت کے بغیر اشتراک ثابت نہیں ہوتا جبکہ اس میں امام زفر علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے  
وہ فرماتے ہیں کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام پر ہر ایک کی ترتیب میں کھڑے ہونے کا مقام لازم ہے۔ اور یہی بات امام کے  
لازم کرنے پر موقوف رہے گی۔ جس طرح اقتداء کا حال ہے۔ اور امامت کی نیت اسی وقت شرط ہے جب عورت محاذی ہو کر  
اقتداء کرے۔ اور اگر عورت کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہو تو اس میں دو روایات ہیں۔ اور ان دونوں روایات میں فرق ہے ایک یہ  
کہ نماز کا فساد اول میں لازم ہونے کی وجہ سے ہے اور دوسرا یہ کہ فساد نماز میں احتمال ہے۔

شرح:

حضرت عبدالرحمن بن غنم سے روایت ہے کہ حضرت ابو مالک اشعری نے کہا کہ کیا میں تم کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی  
نماز کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پھر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے پہلے مردوں کی صف بنائی، پھر ان کے  
پیچھے نابالغ لڑکوں کی تب آپ نے نماز پڑھائی۔ ابو مالک نے آپ کی نماز کا تذکرہ کر کے کہا کہ آپ نے فرمایا نماز اس طرح  
ہوتی ہے، عبداللہ نے کہا میرا خیال ہے آپ نے یہ فرمایا کہ میری امت کی نماز یہی ہے۔

(سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۹۸، دارالحدیث ملتان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مردوں کے لیے سب سے بہتر صف پہلی صف ہے اور سب سے بری صف ان کی صف آخری صف ہے) کیونکہ وہ عورتوں کی صف سے متصل ہوتی ہے (اور عورتوں کے لئے بہتر صف ان کی آخری صف ہے اور برے صف ان کی پہلی صف ہے) کیونکہ وہ مردوں کے قریب ہے۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۹۹، دارالحدیث ملتان)

محاذات مفسدہ کی شرائط کا بیان:

(وَمِنْ شَرَائِطِ الْمُحَاذَةِ أَنْ تَكُونَ الصَّلَاةُ مُشْتَرَكَةً، وَأَنْ تَكُونَ مُعَلَّقَةً، وَأَنْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ الشَّهْرَةِ.

وَأَنْ لَا يَكُونَ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ) لَأَنَّهَا غَرِيبَةٌ مُفْسِدَةٌ بِالنَّصِّ، بِخِلَافِ الْفَيَاسِ كَثِيرًا عَمَّا جَمِيعُ مَا وَرَدَ بِهِ النَّصُّ.

ترجمہ:

اور نماز کو فاسد کرنے والی محاذات کی شرائط میں سے ہے۔ کہ وہ نماز مشترکہ، مطلقہ اور وہ عورت اہل شہوت میں سے ہو اور اس طرح مرد و عورت کے درمیان کوئی پردہ حائل بھی نہ ہو۔ کیونکہ محاذات کے مفسد نماز ہونے کا حکم نص سے معلوم ہوا ہے جبکہ یہ حکم قیاس کے خلاف ہے۔ لہذا ان تمام احکام میں نص کی رعایت کی جائے گی۔ جو ان کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ عورت کے محاذات سے مرد کی نماز فاسد ہونے کے شرائط و مسائل:

نماز میں عورت کا مرد کے آگے یا مرد کے برابر میں کھڑا ہونا اس طرح کہ عورت کا قدم مرد کے کسی عضو کے مقابل نماز کے دوران میں کسی وقت بھی ہو جائے مرد کی نماز کو فاسد کر دے گا اور قدم کا برابر ہونا پنڈلی یا ٹخنے کے برابر ہونے سے ہے، شرائط محاذات گیارہ ہیں جو یہ ہیں۔

۱. دو عورت ایسی ہو جو شہوت کی حد کو چھ گئی ہو اور جماع کے لائق ہو اگر نابالغ ہو، عمر کا اعتبار نہیں بلکہ جسم کی ساخت کا اعتبار ہوا اگرچہ نو سال سے کم عمر کی ہو اور اگر زیادہ عمر کی ہے لیکن ساخت کے اعتبار سے جماع کے قابل نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی، بڑھیا عورت کے محاذات سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ وہ کتنی ہی عمر کی ہو۔

۲. دونوں رکوع و تہجد دو نماز پڑھ رہے ہوں۔

۳. دونوں تحریمہ ٹی رو سے نماز میں شترت ہوں یعنی دونوں ایک ہی امام کے مقتدی ہوں یا عورت نے اپنی محاذی مرد کی تحریمہ پر تحریمہ باندھی ہو اور خواہ عورت ایک یا دو رکعت بعد میں آکر شامل ہوئی ہو۔

۴. دونوں ادا کی زکوٰۃ سے نماز میں مشترک ہوں یعنی وہ مرد اس عورت کا امام ہو یا وہ دونوں کسی دوسرے شخص کے مقتدی ہوں خواہ شرکت حقیقتاً ہو جیسا کہ مد رک اور خواہ مکلاً ہو جیسا کہ لاحق جب کہ اپنی الاحاظ نماز میں ہو۔

۵. مرد مکلف ہو یعنی عاقل و بالغ ہو۔

۶. عورت عاقلہ ہو یعنی ایسی ہو جس کی نماز صحیح ہوتی ہو پس مجنونہ یا جنس یا نفاس والی عورت کے محاذات سے مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۷. امام نے اس عورت کی یا مطلق عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو نیت کے وقت عورتوں کا حاضر ہونا ضروری نہیں نیت شروع نماز کے وقت معتبر ہے نماز شروع کرنے کے بعد اگر عورتوں کی امامت کی نیت کی یا عورتوں کی امامت کی نیت کی ہی نہیں تو محاذات سے مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ عورت کی نماز شروع ہی نہیں ہوگی بعد و عیدین میں عورتوں کی امامت کی نیت شرط نہیں ہے یہی صحیح ہے کہ ان نمازوں میں ان کی امامت کی نیت کرے یا نہ کرے مرد کی نماز عورت کے محاذات سے فاسد ہو جائے گی۔

۸. پورے رکن میں محاذات برابر رہی ہوں اس سے کم میں فسد نہیں۔ ۹. دونوں کی نماز پڑھنے کی جہت ایک ہی ہو۔

۱۰. نماز شروع کرنے کے بعد شامل ہونے والی عورت کو پیچھے بیٹھے کا اشارہ نہ کرنا مرد کی نماز کو فاسد کرتا ہے پس اگر اس نے عورت کو پیچھے بیٹھے کا اشارہ کر دیا تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ عورت کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ مرد نے اپنا فرض ادا کر دیا اور عورت نے اپنا فرض ترک کیا۔

۱۱. ان دونوں کے درمیان میں کچھ حائل نہ ہو پس اگر دونوں کے درمیان میں ستون یا دیوار یا کوئی اور پردہ یا سترہ حائل ہو تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی سترے کی کم سے کم مقدار ایک گز شرعی (ایک ہاتھ) بلندی اور ایک انگل کی مقدار موناٹی ہے یا دونوں کے درمیان میں اتنی جگہ خالی ہو جس میں ایک آدمی کھڑا ہو سکے، عورت کی نماز دو صورتوں کے سوا اور کسی صورت میں مرد کی محاذی کھڑے ہونے سے فاسد نہیں ہوتی اور وہ دو صورتیں یہ ہیں اول جب کہ مرد نے اس کو پیچھے بیٹھے کے لئے کہا اور وہ نہ بئی، دوم جب کہ وہ مرد خود امام ہو تو جب امام کی نماز فاسد ہو جائے گی تو اس مقتدی عورت کی نماز خود بخود فاسد ہو جائے گی، صف کے درمیان میں کھڑی ہوئی ایک عورت تین آدمیوں کی نماز فاسد کرتی ہے ایک اس کے دائیں طرف کا دوسرا بائیں طرف کا اور ایک اس کی پیچھے والی پہلی متصل صف کا تین پیچھے والا آدمی، دو عورتیں چار آدمیوں کی نماز فاسد کرتی ہیں ایک دائیں طرف کا دوسرا بائیں طرف کا اور دو آدمیوں کی نماز فاسد کرتی ہیں ایک دائیں طرف کے آدمی کی اور ایک بائیں طرف کے آدمی کی اور پیچھے والی ہر صف کے بالکل ان کے پیچھے والے تین تین آدمیوں کی نماز آخری صف تک فاسد کرتی ہیں اور تین سے زیادہ عورتیں پوری صف کے حکم میں ہو کر دائیں بائیں کے برابر والے ایک ایک آدمی کے علاوہ



بیچے والی تمام عورتوں کے تمام آدمیوں کی نماز قاسد کرتی ہیں۔ (زبدۃ الفقہ، کتاب الصلاۃ)

عورتوں کیلئے جماعت کرانے کا بیان:

(وَيُكْرَهُ لَهُنَّ حُضُورُ الْجَمَاعَاتِ) یعنی الشَّوَابُ مِنْهُنَّ لِمَا فِيهِ مِنْ خَوْفِ الْفِتْنَةِ (وَلَا بَأْسَ لِلْعَجُوزِ أَنْ تَخْرُجَ فِي السَّجَرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ) وَهَلَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَلَا لَا يَخْرُجْنَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا) لِأَنَّهُ لَا فِتْنَةَ لِقَلْبَةِ الرَّغْبَةِ إِلَيْهَا فَلَا يُكْرَهُ كَمَا فِي الْعِيدِ.

وَلَهُ أَنْ لِرُطْبَةِ الشَّيْءِ حَامِلٍ تَقَعُ الْفِتْنَةُ، غَيْرَ أَنَّ الْفَسَاقَ انْتِشَارَهُمْ فِي الطُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْجُمُعَةِ، أَمَّا فِي السَّجَرِ وَالْعِشَاءِ فَهُمْ لَا تَأْتُمُونَ، وَفِي الْمَغْرِبِ بِالطَّعَامِ مَشْغُولُونَ، وَالْجَنَابَةُ مُنْسَعَةٌ فَيُمْكِنُهَا الْإِعْزَالُ عَنْ الرِّجَالِ فَلَا يُكْرَهُ.

ترجمہ

اور عورتوں کا جماعتوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ یعنی جوان عورتیں کیونکہ انہی سے فتنے کا خوف ہے۔ جبکہ بزرگ، مغرب اور عشاء کی نماز میں بڑی عورتوں کے نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے نزدیک وہ تمام نمازوں کیلئے نکل سکتی ہیں۔ کیونکہ ان کی طرف قلت رغبت کی وجہ سے کوئی فتنہ نہیں۔ لہذا نماز عید کی حرج ان کیسے کوئی کراہت نہیں۔

اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک شدت ثبوت جماع کا سبب ہے۔ لہذا فتنہ واقع ہوگا۔ لیکن فقیر، عصر اور جمعہ میں فسق منتشر ہوتے ہیں۔ اور فجر وعشاء میں وہ سوائے ہوتے ہیں۔ اور مغرب میں کھانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور جنگل و سب سے لہذا عورتوں کا مردوں سے الگ رہنا ممکن ہے۔ لہذا (عید کی نماز کیلئے) ان کا نکلنا مکروہ نہیں۔

عورت کی جماعت کی شرعی حیثیت:

آکسفورڈ میں امریکہ سے درآدھ ایک صاحبہ ایضاً دو روزہ جماعت کی عورت نے دس بارہ مردوں کی مخلوط جماعت کی امامت کی اور جس فتنے کا آغاز اس عورت نے امریکہ میں کیا تھا۔ اُسے وہاں پڑھنا نہ دیکھ کر اب ربط نیہ کا قصد کیا ہے جہاں اس کی پڑائی اور جنس سے بھی کم افراد نے کی۔ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ "إِلَّا الْفِتْنَةُ نَاعِمَةٌ" "لَعَسَ السَّخَرُ مِنْ أَيْقَظِهَا" بخیر وقت خواہید ہے، اور جو اسے دیکھنے والے مستحق ہو۔

شرعی اعتبار سے ہم ان تین مسائل پر گفتگو کریں گے۔ خواتین کا مسجد میں نماز پڑھنا۔ ایک عورت کا عورتوں کی جماعت کی امامت کرنا۔ ایک عورت کا مخلوط جماعت کی امامت کرنا۔

پہلے مسئلہ کی حد تک اب کسی اہم کی محاش نہیں ہے قرن اول میں خواتین مسجد نبوی میں نماز پڑھ سکتی تھیں حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا مات کرتی ہیں، نبی کریم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے تھے اور عورتیں اپنی چادروں میں لپیٹی اس حالت میں نماز سے واپس جاتی تھیں کہ اندھیرے کی بنا پر پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ یہ حدیث سنن ابی داؤد کے علاوہ دوسری سب حدیث میں بھی موجود ہے لیکن ہم اس مضمون میں باقی احادیث بھی سنن ابی داؤد کے حوالہ سے پیش کر رہے ہیں۔ اور چونکہ نماز خواتین پر ہاجرات واجب نہیں ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں گھر پر نماز پڑھنے کی تلقین کی اور اُسے زیادہ بہتر قرار دیا۔ جیسا کہ ان دور واہتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

امام احمد اپنی سند کیساتھ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سوید الانصاری اپنی بیوی بھی ام حید (جو کہ ابی حید السعدی کی بیوی تھیں) کے بارے میں ذکر کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ کیساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو لیکن تمہارے لئے اپنے گھر (بیت) میں نماز پڑھنا، اپنے گھر کی چار دیواری (حجرہ) میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارے لئے اپنے گھر کی چار دیواری میں نماز پڑھنا، اپنے آگن (دار) میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے اپنے آگن میں نماز پڑھنا، اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارے لئے اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنا، میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

یہاں جہاں لفظ "دار" استعمال ہوا ہے اُسے میں نے آگن لیا ہے، لیکن آس سے جملہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے حضرت عائشہ رضہ اللہ عنہا کی اس حدیث کی بنا پر کہ رسول اللہ ﷺ نے گھروں (دور، جمع دار) میں مساجد بنانے کا حکم دیا اور کہا کہ انہیں صاف رکھا جائے اور خوشبو سے بھر پور رکھا جائے۔ (ابوداؤد)

شارح لکھتے ہیں کہ یہاں دور سے موادِ محلہ ہے کہ جس میں گھر پائے جاتے ہیں دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت کی نماز اپنے حجرہ یعنی چار دیواری سے زیادہ اپنے گھر میں افضل ہے۔ اور اس کی نماز اپنے سونے کے کمرے میں گھر سے زیادہ افضل ہے۔ (ابوداؤد)

یہاں چار دیواری کے مقابلہ میں گھر (بیت) کا لفظ اندرون خانہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ گویا انفرادیت کے اعتبار سے تشریب یوں ہوگی۔

سونے کا کمرہ (بیدروم) پھر اندرون خانہ (بیت)، پھر چار دیواری (حجرہ) پھر آگن یا محلہ کی مسجد (دار)، پھر محلہ کی جامع مسجد ام حید کی مذکورہ بالا حدیث کا نتیجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نصیحت سننے کے بعد انہوں نے اپنے گھر سے آخری گوشے میں مسجد (یعنی نماز کی جگہ) بنائی اور اللہ کی قسم وہ اپنے اللہ سے ملنے تک وہاں نماز پڑھتی رہیں۔

نبی کریم ﷺ نے جہاں خواتین کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی وہاں چند حریذ ہدایات بھی دیں۔

بروایت عبداللہ بن عمر انہوں نے ارشاد فرمایا: اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو، لیکن وہ اس طرح نکلیں کہ خوشبو سے

عاری ہوں (ابوداؤد : ) پھر بتایا کہ ان کی صفیں مردوں کی صفوں کے پیچھے ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مردوں کی بہترین صفیں پہلی صفیں ہیں اور بدترین آخری۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۹۹، دارالحدیث لبنان) عورتوں کی بہترین صفیں آخری ہیں اور بدترین پہلی۔ (ابوداؤد : ) یہاں بہترین اور بدترین اس لحاظ سے ہے کہ مردوں اور عورتوں میں جتنا بعد ہوگا وہ بہتر ہوگا۔ مردوں کی آخری صف اور عورتوں کی پہلی صف چونکہ قریب قریب ہوں گی جہاں ایک دوسرے کو دیکھنے اور نماز میں خلل واقع ہونے کا امکان ہوگا، انہیں بدترین قرار دیا۔

اس کا دوا مسجد میں مردوں اور عورتوں کے درمیان پردہ لگانے یا عورتوں کے لئے علیحدہ پارہ جگہ بنانے سے ہو سکتا ہے جیسا کہ آج کل مساجد میں کیا جاتا ہے، جن میں مسجد نبویؐ بھی شامل ہے۔ احادیث کی کتب سے ایک بات اور معلوم ہوتی ہے کہ خود صحابہؓ کے دور میں یہ احساس اگر جگہ ہوتا شروع ہو گیا تھا کہ مساجد میں عورتوں کے آنے سے فتنہ کو ہالکتی ہے اس لئے بعض لوگ مساجد میں عورتوں کے آنے پر خوش نہیں تھے لیکن نبی کریم ﷺ کی عطا کردہ اجازت کی مخالفت بھی نہیں کر سکتے تھے اس ضمن میں یہ تین احادیث ملاحظہ ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں : اگر نبی کریم ﷺ اس زمانے تک موجود رہتے اور دیکھتے کہ عورتوں نے کیا گل کھلائے ہیں تو انہیں وہ مسجدوں میں آنے سے ایسے ہی روک دیتے جیسے یہ اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا تھا۔ (ابوداؤد : )

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : عورتوں کو رات کے وقت مسجد جانے کی اجازت دیدو، اُن کا ایک بیٹا (بلال یا واقد) کہتا ہے کہ اللہ کی قسم : ہم اجازت نہیں دیں گے، اللہ کی قسم ! ہم اجازت نہیں دیں گے۔ اس پر عبداللہ بن عمر انہیں فٹا ہوئے اور اپنے غصہ کا اظہار کیا اور کہا : میں کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں : انہیں اجازت دو اور تم کہتے ہو کہ ہم اجازت نہیں دیں گے؟ (ابوداؤد : ) یہاں ہم عاتکہ بنت زید کا قصہ بھی درج کرتے ہیں۔ عاتکہ، معبد بن زید کی بہن ہیں جو عمرہ ہشترہ بائیس میں سے ہیں، ان کی پہلی شادی ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے عبداللہ سے ہوئی جو طائف کے محاصرے میں شہید ہوئے، دوسری شادی زید بن الخطاب سے ہوئی جو یامسہ کی جنگ میں شہید ہوئے، تیسری شادی حضرت عمرؓ سے ہوئی اور شادی کے وقت انہوں نے شرط رکھی کہ وہ نہ انہیں ماریں گے، نہ حق بات سے روکیں گے اور نہ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے سے منع کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد زید بن العوام نے بھی مذکورہ شرطوں پر اُن سے شادی کی لیکن وہ اُن کا مسجد میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے انہوں نے یہ حیلہ کیا کہ رات کے وقت اُن کے راستہ میں چھپ کر کھڑے ہو گئے اور جب وہ گزر رہی تھیں تو اُن کے کو لپے پر زور سے ہاتھ مارا۔ وہ فوراً لوٹ آئیں اور کہنے لگیں : واللہ زمانہ خراب ہو گیا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ نہیں نکلیں (ابن حجر : الاصابہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبویؐ میں عورتوں کے لئے علیحدہ دروازہ مخصوص کر دیا تھا۔ وہ لوگوں کو اس دروازے سے

اصل ہونے سے منع کیا کرتے تھے اور بقول نافع اپنی وفات تک اس دروازے سے خود داخل نہیں ہوئے (ابوداؤد)  
اب رہا دوسرا مسئلہ کہ عورتوں کی جماعت کی امامت کر سکتی ہے یا نہیں، تو اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ  
ایسا کرنا جائز ہے۔ عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں کہ: عورت عورتوں کی امامت کرائے تو صف کے درمیان کھڑی ہو (مسند  
عبدالرزاق) ان مذکورہ احادیث سے یہ باتیں بالکل واضح ہیں:

نماز سے پاکیزگی، اللہ سے قربت اور اجر و ثواب مقصود ہے، مسجد میں انسان جائے تو اپنی روحانیت کو بالائے کمر لے، دنیوی  
امور اور شیطانی دوسوں کا شکار نہ ہو، ہر وہ چیز جس سے نماز میں خلل آئے، مسجدوں سے دُور رکھی جائے۔

مردوں عورتوں کا اختلاط چونکہ فتنے کا باعث بن سکتا ہے اس لئے اولاً عورتوں پر جماعت کی نماز واجب نہیں کی گئی، انہیں  
گھروں میں نماز پڑھنے پر اُکسایا گیا، اگر وہ مسجد میں آئیں تو ان کے لئے علیحدہ دروازہ مخصوص کیا جاتا ہے، ان کی صفیں  
مردوں کی صفوں سے پیچھے قرار دی گئیں، اُن کے لئے گھر سے باہر نکلنے وقت خوشبو کا استعمال ناجائز قرار دیا گیا۔ اب ان  
کھنتوں کو ملاحظہ کیجئے اور تیسرے مسئلہ پر غور کیجئے کہ آیا کسی صورت میں بھی ایک عورت کو مردوں کے سامنے لاکر امام کی حیثیت  
سے کھڑا کیا جاسکتا ہے؟

جب باجماعت نماز اُن پر واجب ہی نہیں تو انہیں ایک واجب امر کے لئے کیسے مجبور کیا جاسکتا ہے، یہ تو ایسے ہی ہے کہ  
منعز افراد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کرنے سے رخصت دی گئی ہے لیکن آپ انہیں جہاد کرنے پر مجبور کریں، عورتوں پر  
بھی جہاد فرض نہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم کیوں نہ جہاد کریں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارا جہاد، حج اور  
عرواؤا کرنا ہے۔ عورتیں جن پر اللہ تعالیٰ نے حمل، ولادت، رضاعت اور تربیت اولاد کے ضمن میں اتنا بوجھ ڈالا ہے، کیا انہیں  
نزید بوجھ کا تحمل بنایا جائے کہ وہ مردوں کی طرح باجماعت نماز مسجد میں ادا کریں، بلکہ امامت بھی کرائیں؟ اگر اللہ نے انہیں  
ایک رخصت عطا کی ہے تو وہ اس رخصت سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں؟ ایام ماہواری میں ایک عورت کو نماز پڑھنے سے رخصت  
عطا کی گئی ہے۔ آج تک کسی عورت نے یہ۔ ال نہیں اٹھایا کہ جب مردوں کو کسی بھی سال میں نماز سے رخصت نہیں دی گئی تو  
ہمیں رخصت کیوں دی گئی ہے؟

سورۃ نور میں جہاں قلب مومن میں اللہ کے نور کے منعکس ہونے کی مثال دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس نور کی آبیاری  
اللہ کے گھروں میں ہوتی ہے۔ وہاں اُن مردوں، کی تعریف کی گئی ہے جو صبح و شام اللہ کے ان گھروں میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے  
ہیں۔ فرمایا: رجال، لا تلهیہم تحارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ و اقام الصلاۃ و اتیاء الزکاۃ "یہ وہ مرد ہیں جنہیں کوئی  
تجارت یا سودا اللہ کے ذکر، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہیں روکتا"

یعنی مسجدوں کا آباد کرنا۔ مثلاً مردوں کا کام ہے، عورتوں کو وہاں ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت ہے لیکن یہ ان پر لازم

نہیں ہے۔

اب آئیے اس ایک واقعہ کی طرف جو اس ضمن میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ ہے ام وروہ ۲۵۔ قہ جسے ابو داؤد نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔ پہلے الاصابہ سے ام وروہ کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں۔

جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے لیے تشریف لیجا رہے تھے، ام وروہ بنت نوفل الانصاریہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے بھی اجازت دیں کہ آپ کے ساتھ نکلوں اور سر بیضوں کی دیکھ بھال کروں اور ہو سکتا ہے کہ اللہ مجھے شہادت سے نوازیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھر میں ہی رہو، اللہ تمہیں شہادت سے سرفراز کرے گا۔ چنانچہ وہ شہیدۃ القہب سے لپکاری جاتی تھیں۔ وہ قرآن پڑھا کرتی تھیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اجازت چاہی کہ اپنے گھر میں ایک مؤذن ان کے لئے اذان دیا کرے تو نبی کریم ﷺ نے اجازت دی۔ انہوں نے اپنے غلام مرد اور لونڈی کو بتا رکھا تھا کہ ان کی وفات کے بعد وہ آزاد ہوں گے۔ (جسے عربی میں تدبیر، کہا جاتا ہے)۔ ان دونوں نے ایک رات ان کے سر پر ایک تکیہ رکھ کر انہیں مار دیا۔ اور خود بھاگ گئے۔ حضرت عمر کو صبح کے وقت اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا: جس کے پاس اس واقعہ کے بارے میں علم ہو یا ان دونوں کو جانتا ہو تو وہ مجھے بتائے اور انہیں میرے پاس لے کر آئے۔ چنانچہ وہ دونوں لائے گئے اور پھانسی پر چڑھائے گئے۔ مدینہ میں یہ دونوں پہلے دو شخص تھے جو مصلوب ہوئے، ابن السکن کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کے وقت کہا کہ آج رات میں نے اپنے خالہ ام وروہ کی قرأت کی آواز نہیں سنی، تو وہ ان کے گھر داخل ہوئے تو کچھ دھائی نہیں دیا۔ پھر اندر داخل ہوئے۔ تو گھر کے ایک کونے میں ایک کسل یا چادر میں ان کی لاش لپیٹی ہوئی پائی۔ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بچ گیا۔

پھر وہ نہ بچے۔ اور یہ خبر بیان کی اور کہا کہ ان دونوں کو ڈھونڈ کر لاؤ، ان دونوں کو لایا گیا۔ تو ان سے پوچھ گچھ کی، دونوں نے اقرار کیا تو پھر انہیں مصلوب کرنے کا حکم دیا۔ (الاصابہ) ابو داؤد نے ان الفاظ کا اضافہ کیا:

”نبی کریم ﷺ ان سے گھر میں ان کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے، ان کے لئے ایک مؤذن مقرر کیا جو ان کے لئے اذان دیتا تھا اور انہیں کہا کہ وہ اپنے گھر والوں (اہل دارحہ) کی امامت کرائیں۔ راوی عبد الرحمن بن خالد کہتے ہیں:

میں نے وہ مؤذن دیکھے۔ وہ ایک بڑی عمر کا بوڑھا شخص تھا۔ (ابو داؤد)

اسناد کے اعتبار سے یہ روایت قوی نہیں ہے کہ اس کے دو راوی عبد الرحمن بن خالد اور الولید بن مسعود کے حالات معلوم

نہیں۔

الولید کے بارے میں دو جہی لکھتے ہیں کہ بقول ابن حبان: اگر اس کی روایت کریں تو بہت غلطی کرتے ہیں اور قابلِ حجت نہیں۔ دوسرے محدثین ابن معین، ابی نعیم، ابو حاتم کے نزدیک وہ ثقہ ہیں۔ اگر اس روایت کو قبول بھی کیا جائے تو اس سے یہ

باتیں معلوم ہوتی ہیں :

ام روئے کے لئے یہ ایک خصوصی اجازت تھی کہ وہ مؤذن رکھیں اور اپنے گھروالوں کی امامت کرائیں۔ اور وہ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس طرح کے کسی دوسرے واقعہ کا ذکر نہیں ملتا۔ اپنے گھروالوں کی امامت کرانے کا حکم دیا تھا۔ اذان عام نہیں تھا۔

جس مؤذن کے مقرر کرنے کا حکم ہے اس کے بارے میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں کہ وہ اُن کے پیچھے نماز پڑھتا ہوا اذان دینے کے بعد نماز باجماعت کے لئے محل کی مسجد میں چلا جاتا ہو۔

حضرت عمران گھر کے قریب سے گذرتے تھے اور ان کی قراءت کی آواز سنتے تھے۔ لیکن وہ خود ان کی جماعت میں شامل نہیں ہوئے۔

یہ جماعت اُن کے اپنے آگن (دار) میں ہوتی تھی۔ محلہ کی مسجد نہ تھی۔ اس لئے کہ اس روایت میں ذکر ہے کہ اس واقعہ (یعنی اُن کی شہادت کے واقعے) کے بعد وہ اُن کے "دار" میں داخل ہوئے تو کچھ نظر نہ آیا۔ عجز بیت میں داخل ہوئے تو چادر میں لپٹی ہوئی اُن کی لاش کو پایا۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے گھر میں سوائے اس غلام مرد اور لونڈی کے اور کوئی نہ تھا کہ جن کی وہ امامت کراتی ہوں گی کوئی اور ہوتا تو پھر یہ قتل آسانی سے کیسے ہو جاتا۔ اس لئے اس روایت میں عورت کی اپنے گھر کے علاوہ عام مساجد میں امامت کرنا کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟

اگر یہ بات بڑے اجر و ثواب کی تھی تو قرن اول کی وہ خواتین اس عظیم خدمت سے کیسے محروم رہ گئیں جن میں حضرت عائشہؓ اور تمام امہات المؤمنین شامل ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے علم و فضل سے کون واقف نہیں۔ وہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سترتالیس سال زندہ رہیں۔ ہمیں ان کی وفات ہوئی۔ انہیں امامت کے لئے کیوں نہیں چننا گیا۔ اور پھر انہوں نے اس کا عظیم کے لئے اپنے آپ کو پیش کیوں نہ کیا؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی بھی عمل اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق نہ ہو۔

"امینہ وودود" کا عمل کہاں تک سنت کے مطابق ہے وہ تو آپ نے ملاحظہ کر لیا۔ اخلاص کا حال یوں جانچا جاسکتا ہے کہ اس دس بارہ آدمیوں کی جماعت کے لئے کمرے اور تصویر کا اہتمام کیا گیا تاکہ ریاکاری کے سارے ریکارڈ توڑے جائیں۔

"إلا إن العتة نائمة، ولعن الله من ابتغىها"

تراویح میں خواتین کی امامت :

کچھ عرصہ سے شہر میں خواتین کیلئے علیحدہ مقام پر نماز تراویح کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ بعض مقامات پر مرد و حفاظ قرآن کریم سناتے ہیں لیکن بعض جگہ حافظہ خواتین امامت کے فرائض انجام دیتے گئی ہیں اور قرآن شریف سناری ہیں، کیا شرعاً عورتوں کی امامت درست ہے؟

اہل سنت و جماعت کے پاس عورت کی امامت درست نہیں شریعت کا یہ حکم عورت کی حاجات و ضروریات کی مناسبت سے دیا گیا ہے (اس میں عورت کی تنقیص کا کوئی پہلو نہیں) عورت کے لئے بچکانہ فرض نمازیں گھر میں پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، جب فرض نماز کے لئے ان کی جماعت نہیں رکھی گئی تو سنت و قفل کے لئے ان کی جماعت کیسے درست ہوگی؟ عورتوں کے لئے جماعت کا مقرر نہ کیا جانا ان کے لئے اللہ کی ایک رحمت ہے اور اس میں بے شمار فوائد و مصالح ہیں۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس نے معاشرے کے ہر فرد کیلئے حدود و اصول و دائرہ کار متعین کر دیا ہے، خواتین کیلئے تدبیر منزل، امور خانہ داری اور تربیت اولاد کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور مرد کو سن جملہ اس کی ذمہ داریوں کے ایک منصب امامت بھی دیا گیا ہے۔ جہاں تک خواتین کی امامت کا مسئلہ ہے تو چونکہ عورتوں کیلئے امامت اصلاً نہیں ہے اسی لئے خواتین کی امامت مرد حضرات کیلئے درست نہیں اور خواتین کیلئے کسی خاتون کی امامت خواہ فرائض میں ہو یا نوافل میں مکروہ تحریمی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج 1 ص 75 میں ہے۔

وبسکرہ اسماء المرأة للنساء فی الصلوة کلھامن القرائض والنوافل اور فتاویٰ عالمگیری ج 1 ص 75 میں ہے :  
وصلوھن فرادی افضل ترجمہ: عورتوں کیلئے نماز یا جماعت ادا کرنے سے بہتر و افضل ہے کہ وہ تنہا ہی جماعت ادا کریں۔  
ادنیٰ کی اتویٰ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بیان:

قَالَ ( وَلَا يُمْسَلِي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ هُوَ لِي مَعْنَى الْمُسْتَحَاضَةِ ، وَلَا الطَّاهِرَةُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ )  
لِأَنَّ الصَّحِيحَ الْفَرْدِي خَالَا مِنَ الْمَعْلُوبِ ، وَالشَّيْءُ لَا يَتَضَمَّنُ مَا هُوَ فَوْقَهُ ، وَالْإِسَامُ ضَامِنٌ بِمَعْنَى اللَّهِ تَضَمَّنَ  
صَلَاتَهُ صَلَاةَ الْمُتَقَدِّدِ ( وَلَا ) يُمْسَلِي ( الْقَارِءُ خَلْفَ الْأُمِّيِّ وَلَا الْمُكْتَسِبِيُّ خَلْفَ الْعَارِي ) لِقَوْلِهِ خَالِيَهُمَا .  
ترجمہ:

اور طاہر اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ جو مستحاضہ کے حکم میں ہے۔ اور ای طرح طاہرہ مستحاضہ کے پیچھے نماز نہ پڑھے کیونکہ صحیح کا حال معذور سے قوی ہے۔ اور کوئی چیز اپنے سے مافوق کو محض نہیں ہوتی حالانکہ امام ضامن ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو محض نہیں ہے۔ اور قاری ان پڑھ کے پیچھے نہ پڑھے۔ اور پڑھنے والا نیکے کے پیچھے نہ پڑھے۔ کیونکہ قاری اور پڑھنے والے کی حالت ان پڑھ اور نیکے سے قوی ہے۔

شرح:

امام کیلئے اہل ہونا ضروری ہے اس کی تفصیل ہم آئندہ مسائل میں قاعدہ فقہیہ کے ساتھ بیان کر رہے ہیں مذکورہ مسئلہ کی دلیل وہاں آجائے گی۔

تیمم کرنے والا وضو کرنے والے کا امام بن سکتا ہے:

(وَيَجُوزُ أَنْ يُؤَمَّ الدَّخِيمُ الْمُتَوَضِّعِينَ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ طَهَارَةٌ ضَرُورِيَّةٌ وَالطَّهَارَةُ بِالْمَاءِ أَصْلِيَّةٌ وَلَهُمَا أَنَّهُ طَهَارَةٌ مُطْلَقَةٌ وَلِهَذَا لَا يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ .

ترجمہ:

اور تیمم کرنے والے کی وضو کرنے والوں کی امامت کرنا جائز ہے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنا طہارت اصلیہ ہے۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے۔ لہذا اسے ضرورت تک مقدر نہ کیا جائے گا۔

تیمم والے کی اقتداء میں وضو والے کی نماز:

اگر کسی وضو کرنے والے شخص نے ایسے امام کی اقتداء اختیار کی جو تیمم کرنے والا ہے تو اس کی نماز جائز ہوگی اس کی دلیل بھی طہارت کا عمومی فائدہ ہے۔ یہاں پر استثناء بطور دلیل کے بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ طہارت میں عموم ہے اور اس عموم کا ثبوت چونکہ نص سے ثابت ہے۔ یعنی جس طرح وضو والے کی نماز ہے اسی طرح بحکم نص تیمم والے کی بھی نماز ہے۔

لاح کی اقتداء میں وضو کرنے والوں کی نماز کا حکم:

(وَيَقُومُ الْمَسَاحُ الْقَائِلِينَ) لِأَنَّ الْخُفَّ مَبْلَغُ سِرِّيَةِ الْحَدِيثِ إِلَى الْقَدَمِ، وَمَا خَلَّ بِالْخُفِّ يُرِيدُ الْمَسْحَ، بِخِلَافِ الْمَسْحِ حَاجَةٍ لِأَنَّ الْحَدِيثَ لَمْ يَتَغَيَّرْ خَرَقًا مَعَ قِيَامِهِ حَقِيقَةً

ترجمہ:

اور مسح کرنے والا (پاؤں) دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔ کیونکہ حدیث کو قدم تک سرایت کرنے سے موزہ بھی روکنے والا ہے۔ اور جو کچھ موزے میں طول کر جائے موزہ ہی اسے دور کرنے والا ہے۔ بخلاف مستحاضہ کے کیونکہ اس کا حدیث ایسی چیز ہے جس کا زوال شرعی طور پر معتبر ہے۔ جبکہ حدیث حقیقی موجود ہے۔



قاعدہ چہم:

حالت اقوی کے تابع حالت ادنی ہوتی ہے جبکہ حالت اقوی حالت ادنی کے تابع نہیں ہوتی۔ (ماخوذ من لسانی)  
اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ شرعی احکام جن میں اتباع معتبر ہوتی ہے تو وہاں اس امر کا خاص اہتمام ہے کہ جو مضبوط  
حالت اور اہل حالت والا ہے اسکی اتباع کی جائے گی اور جو شرعی احکام کے مطابق معذور اور کمزور حالت والا ہے اس کی اتباع  
نہیں کی جائے گی۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔

اس قاعدے سے امام اور مقتدی کے متعلق بہت سے مسائل اخذ ہوتے ہیں کہ امام کا حال مقتدی کے حال سے اقوی ہوتا  
چاہیے۔ کیونکہ مقتدی کیلئے امام کی اتباع ضروری ہے اور اتباع اسی کی ہو سکتی ہے جو اقوی ہے۔ کیونکہ نماز میں اتباع کا جو حکم ہے  
اس کا موافق یہ ہے۔

ماح کی القاء میں مطلقین کی نماز:

اگر موزوں پر مسح کرنے والا ہو تو اسکی اقتداء میں پاؤں کو دھو کر وضو کرنے والے کی نماز جائز ہے (ہدایہ) اگرچہ پاؤں  
دھونے والوں کی حالت ماح سے اقوی ہے تاہم یہاں دوسرے قاعدے کا اطلاق کیا جا رہا ہے کہ جس طرح پاؤں دھونے  
والے کیلئے افادہ جہارت حاصل ہے اسی طرح موزوں پر مسح کیلئے افادہ طہارت عام ہے اور طہارت کی عمومیت کا اعتبار کرتے  
ہوئے اسکی اقتداء میں نماز کے جواز کی اجازت دی گئی ہے۔

قاعدہ کے پیچھے قائم کی نماز کا حکم:

(وَيُصَلِّي الْقَائِمُ خَلْفَ الْقَاعِدِ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ، وَهُوَ الْقِيَاسُ لِقَوْلِهِ خَالَ الْقَائِمِ  
وَسَخَنَ تَرَكْنَاهُ بِالنَّصِّ، وَهُوَ مَا رَوَى (أَنَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ صَلَّى آخِرَ صَلَاتِهِ قَاعِدًا وَالْقَوْمُ خَلْفَهُ  
قِيَامًا)

(وَيُصَلِّي الْمَوْمُ خَلْفَ مِثْلِهِ) لَا يَجُوزُ لِتَمَاسُ فِي الْحَالِ إِلَّا أَنْ يَوْمَ الْمُؤْتَمِّ قَاعِدًا وَالْإِمَامُ مُضْطَجِعًا،  
لِأَنَّ الْقُعُودَ مُتَّبِعٌ لِقَوْلِهِ بِه الْقَوْلُ (وَلَا يُصَلِّي الَّذِي يَرُكِعُ وَيَسْجُدُ خَلْفَ الْمَوْمِ) لِأَنَّ حَالَ الْمُفْتَدِي  
أَقْوَى، وَلِذَا خِلَافَ زَكَّرَ رَحِمَهُ اللَّهُ.

ترجمہ

اور رکڑے ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور امام محمد علیہ رحمہ نے فرمایا: پڑ  
نہیں کیونکہ قائم کی حالت اقوی ہے۔ اور ہم نے نص کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس میں نص وہ حدیث ہے کہ نبی کریم

ﷺ نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

اور اشارے سے نماز پڑھنے والا اپنی مثل اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھے۔ اس لئے کہ یہ دونوں حالت میں برابر ہیں لیکن مقتدی بیٹھ کر اشارہ کرے اور امام لیٹ کر اشارہ کرے۔ کیونکہ بیٹھنا معتبر تھا جو لیٹنے کی وجہ سے ثابت ہو گیا۔

اور رکوع و جعدہ کرنے والا اشارہ کرنے والے کی اقتداء نہ کرے۔ کیونکہ مقتدی کی حالت قوی ہے۔ اور اس میں امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔

امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی بیمار ہوئے تو کچھ صحابہ عیادت کیلئے حاضر ہوئے تو نبی نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ان صحابہ نے کھڑے ہو کر آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی تو نبی کریم ﷺ نے ان کو اشارہ سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور سلام بھیجئے کے بعد فرمایا امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ لہذا جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کی دائیں جانب چھل گئی۔ ہم آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے جب نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جب نماز پوری کر لی تو فرمایا امام کو اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ (سَبَّحَ اللہَ لَیْسَ حَمْدُہُ) کہے تو تم (رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ) کہو اور جب وہ جعدہ کرے تو تم بھی جعدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو بیٹھ کر نماز پڑھو۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امان اسی لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب (سَبَّحَ اللہَ لَیْسَ حَمْدُہُ) کہے تو (رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ) کہو اور اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بیٹھ کر نماز پڑھو۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور ابو بکر تکبیر کہہ کر لوگوں کو آپ کی تکبیر سنانا رہے تھے۔ آپ نے ہماری طرف التفات فرمایا تو ہمیں کھڑے دیکھ کر اشارہ فرمایا۔ ہم بیٹھ گئے اور آپ کی اقتداء میں بیٹھ کر نماز ادا کی اور جب سلام بھیجئے تو فرمایا قریب تھا کہ تم فارس و روم والوں کا سامع کرتے وہ اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں جبکہ بادشاہ بیٹھے ہوتے ہیں آئندہ ایسا نہ کرنا اپنے اماموں کی اقتداء کرو اگر امام کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔ (سنن ابن ماجہ)

نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنے کی ممانعت:

( وَلَا يُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَقَرِّفِ ) لِأَنَّ الْإِقْدَاءَ بِنَاءٌ ، وَوَصَفَ الْقَرِضِيَّةَ مَعْدُومٌ فِي حَقِّ الْإِمَامِ فَلَا يَنْتَحِقُ الْبِنَاءُ عَلَى الْمَعْدُومِ .

قَالَ ( وَلَا مَنْ يُصَلِّي قَوْضًا خَلْفَ مَنْ يُصَلِّي قَرَضًا آخَرُ ) لِأَنَّ الْإِقْدَاءَ ضَرْبُكَ وَمُؤَلَّفَةٌ فَلَا بُدَّ مِنْ الْإِتِّحَادِ .

وَعِنْدَ الشَّالِبِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُصَحِّحُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِأَنَّ الْإِقْدَاءَ عِنْدَمَا أَكَّاهُ عَلَى سَبِيلِ الْمُؤَلَّفَةِ ، وَعِنْدَنَا مَعْنَى التَّصْمِينِ مُرَافَعٌ ( وَيُصَلِّي الْمُتَقَرِّفُ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ ) لِأَنَّ الْحَاجَةَ فِي حَقِّهِ إِلَى أَصْلِي الصَّلَاةِ وَهُوَ مُوجُودٌ فِي حَقِّ الْإِمَامِ لِيَتَحَقَّقَ الْبِنَاءُ .

ترجمہ

اوافرض نماز پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ کیونکہ اقتداء کرنا بناء ہے جو کہ امام کے حق میں وصف فرضیت میں معدوم ہے۔ لہذا معدوم پر بناء ثابت نہ ہوگی۔

اوافرض نہ پڑھے وہ شخص کسی ایسے شخص کے پیچھے جو کوئی دوسرا فرض پڑھ رہا ہے۔ کیونکہ اقتداء شرکت و موافقت کا نام ہے جس میں اتحاد ضروری ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں اقتداء جائز ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے موافقت کے مطابق ادا ہو جاتی ہے۔ اور ہمارے نزدیک معنی یعنی کی رعایت کی جائے گی۔

اوفرفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ کیونکہ نفل پڑھنے والے کو اصل میں نماز کی ضرورت ہے جو امام کے حق میں موجود ہے۔ لہذا اس کی بناء ثابت ہو جائے گی۔

نفل پڑھنے والا فرض والے امام کی اقتداء کر سکتا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ آقائے نامداصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے آتے اور پھر اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھی اور پھر اپنی قوم کی امامت کی اور (نماز میں) سورہ بقرہ شروع کر دی (جب قرأت طویل ہوئی تو) ایک آدمی سلام پھیر کر جماعت سے نکل آیا اور تنہا نماز پڑھ کر چلا گیا لوگوں نے (جب یہ دیکھا تو اس سے کہا کہ فلاں! کیا تو منافق ہو گیا ہے) (کیونکہ جماعت سے جان بچا کر نکل بھاگنا تو منافقوں ہی کا کام ہے) اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم (میں منافق نہیں ہوا ہوں) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کروں گا چنانچہ وہ آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اونٹوں والے ہیں، دن کو کام کرتے ہیں (یعنی) اونٹوں

کے ذریعے پانی کھینچ کر درختوں کی آبیاشی کرتے ہیں اور دن بھر محنت و مشقت میں لگے رہتے ہیں) معاذرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے اور ہمیں نماز پڑھائی اور سورہ بقرہ شروع کر دی (لمبی قرأت ہونے اور اپنے تھکے ہوئے ہونے کی وجہ سے میں بدول ہو گیا) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا معاذ! کیا تم فتنے پیدا کرنے والے ہو؟ (یعنی کیا تم لوگوں سے جماعت ترک کرنا نہیں دین سے بیزار اور فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ) تم سورہ والتمس و فحما سورہ والضحیٰ سورہ واللیل اذا غشی اور سورہ سج ام ربک الاعلیٰ پڑھا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

یہ آدی نعوذ باللہ جماعت یا نماز سے متنفر نہیں ہوا تھا بلکہ چونکہ دن بھر کی محنت و مشقت کی وجہ سے تھکا ماندہ تھا اس لیے جب قرأت لمبی ہوئی اور نماز نے طوالت اختیار کی تو یہ مجبور ہو کر جماعت سے نکل آیا اور اپنی نماز تنہا پڑھ لی۔ اسی وجہ سے جماعت سے نکلے ہوئے باوجود اس کے کہ سلام پھیرنے کا کوئی موقعہ و محل نہ تھا اس نے سلام پھیرا کیونکہ اس نے سوچا کہ نماز سے سلام پھیر کر نکلے تاکہ کم سے کم نماز پوری ہونے کی مشابہت تو ہو ہی جائے۔

ایک دوسری روایت میں سبوح اسم ربک الاعلیٰ کے بعد کچھ اور سورتیں بھی ذکر کئی گئی ہیں مثلاً اذا السماء انفطرت اذا السماء انشقت اور سورہ بروج و سورہ طارق۔

حضرات شوافع نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتدا کرنا جائز ہے اس لئے کہ حضرت معاذ ابن جبل جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے تو ان کی فرض نماز ادا ہو جاتی تھی اور اپنی جماعت کے ساتھ جو نماز پڑھتے تھے نفل رہتی تھی اور ان کے مقتدیوں کی نماز فرض ہوتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کو جائز رکھا انہیں اس عمل سے منع نہیں کیا۔

علماء احناف کے نزدیک چونکہ فرض نماز پڑھنے والے کے لئے نفل نماز پڑھنے والے کی امامت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لیے حضرات شوافع کو جواب دیا جاتا ہے کہ نیت ایک ایسی شے ہے جس پر کوئی دوسرا آدمی مطلع نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ خود نیت کرنے والا یہ نہ بتائے کہ اس نے کیا نیت کی تھی۔ لہذا یہ غالب ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بہ نیت فرض نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طریقہ نماز سیکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی برکت و فضیلت حاصل کرنے نیز تہمت فداق سے بچنے کی خاطر بہ نیت نفل نماز پڑھتے ہوں پھر اپنی قوم کے پاس آ کر انہیں فرض نماز پڑھاتے ہوں گے تاکہ دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں لہذا حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کو اس صورت پر محمول کرنا ادنیٰ ہے کیونکہ یہ شکل تو بالاتفاق سب علماء کے نزدیک جائز ہے بخلاف پہلی شکل کے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

حضرت معاذ کے دوسرے نماز پڑھنے کی حقیقت:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (پہلے تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے اور پھر اپنی قوم کے پاس آ کر انہیں نماز پڑھاتے تھے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا کہ وہ عشاء کی سنتیں یا نفل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پڑھتے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت و سعادت حاصل ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے پھر وہاں سے اپنی قوم میں آ کر لوگوں کو فرض نماز پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشاء کی نماز (پہلے تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور وہ ان کے لیے نفل ہوتی۔

حضرت معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پہلے تو عشاء کی نماز پڑھتے وقت عشاء کی سنت کی نیت کرتے ہوں گے یا نفل نماز کی نیت کر لیتے ہوں گے پھر اپنی قوم کے پاس آ کر ان کی امامت کرتے اور اس وقت فرض نماز پڑھتے تھے۔

حدیث کے آخری الفاظ وہی لے ناقلہ کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ دوسرے نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک آدمی نے اپنے مکان میں تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اس کے بعد مسجد آیا تو دیکھا کہ وہاں اسی نماز کی جماعت ہو رہی ہے تو جو پہلے پڑھ چکا ہے۔ وہ مسجد میں جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے جماعت میں شریک ہو کر دوبارہ نماز پڑھ لیتا ہے اس صورت میں فرض نماز کی ادائیگی چونکہ پہلے ہو چکی ہے اس لیے یہ جماعت کی نماز اس کے لیے نفل ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی کسی مسجد کا امام ہے وہ اپنی مسجد میں نماز پڑھانے سے پہلے کسی خاص موقعہ پر یہ کسی خاص آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے یہ نفل نماز پڑھ لیتا ہے پھر اس کے بعد اپنی مسجد میں آ کر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے ایسی صورت میں بعد کی نماز فرض ادا ہوگی اور پہلی نماز نفل ہو جائے گی۔

اس تفصیل کو سمجھنے کے بعد اس جملے کا مطلب آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ دوسری نماز جو جماعت کے ساتھ فرض یا نفل ادا ہوتی ہے یہ پہلی نماز دوسرے پڑھنے والے کے حق میں ناقلہ یعنی خیر و بھلائی کی زیادتی اور ثواب کی کثرت کا باعث ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے اس جملے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ دوسری نماز جو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قوم کے ہمراہ پڑھتے تھے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نفل نماز اور ان کی قوم کی عشاء کی فرض نماز ہوتی تھی۔ حقیقت سے دور ہے کیونکہ یہ بات تو اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کہ اس مطلب کو بیان کرنے والے حضرت معاذ کا کوئی ایسا قول بھی پیش کریں جس میں حضرت معاذ خود یہ بتائیں کہ ان کی نیت دونوں مرتبہ کیا ہوتی تھی کیونکہ نیت کی حقیقت تو اس وقت تک معلوم نہیں ہوتی جب تک کہ نیت

کرنے والا اپنی نیت کے بارے میں خود نہ متاے کہ اس کی نیت کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت عطاء نماز پڑھتے وقت نیت ال میں کرتے ہوئے گے زبان سے اظہار نہیں کرتے ہوں گے جیسا کہ ابن ہمام نے نقل کیا ہے کہ نہ زبان سے نیت کرتا نہ مت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ زبان سے نیت کرتے تھے پھر یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ جملہ وہی نافرمان حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اضافہ ہے جو صحیح روایتوں میں موجود نہیں ہے چنانچہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت ام شافعی نے اپنے اجتہاد و مسلک کے مطابق اس کا اضافہ کیا ہے پھر یہ مشکوٰۃ کے اصل نسخے میں یہ جگہ خالی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ نے سنن کے کسی بھی طریق سے یہ جملہ نہیں پایا۔

محدث امام کے پیچھے مقتدی کی نماز کا حکم:

(وَمَنْ اتَّقَىٰ يَأْمَامَ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّ إِسَامَةَ مُعَدِّثَ أَعَادَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ أَمَّ قَوْمًا ثُمَّ كَفَّرَ اللَّهُ بَيْنَهُمَا أَوْ بَيْنَهُمَا أَصْلَحَهُ أَصْلَحَهُ وَأَعَادُوا) وَلَهُ عِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ بِنَاءً عَلَيَّ مَا تَقَدَّمَ، وَتَعْنُ تَعْبِيرُ مَعْنَى التَّصْمُنِ وَذَلِكَ فِي الْجَوَازِ وَالْقِسَادِ .

ترجمہ:

اور جس شخص نے ایسے امام کی اقتداء کی بعد میں پتہ چلا کہ اس کا امام محدث ہے تو وہ نماز کا اعادہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے قوم کی امامت کرائی پھر اسے پتہ چلا کہ وہ محدث تھا یا غیبی تھا تو اپنی نماز اور قوم بھی اپنی نماز کا اعادہ کریں۔ اور اس میں سابقہ بناء پر امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔ جبکہ ہم تصمینی معنی کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور تصمینی معنی جواز و فساد میں ہے۔

مسئلہ غلیفہ فی الصلوٰۃ میں دشواری کا بیان:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ صورت اختلاف کی ہے کہ امام قبل اس کے کہ وضو کرنے کو مسجد سے باہر نکلے مقتدیوں میں سے کسی صاحب امت کو اپنا غلیفہ کر دے اور وہ غلیفہ نہ کرے تو مقتدی اپنے میں سے ایک کو امام کر دیں یا ان میں سے کوئی خود ہی آگے بڑھ جائے بشرطیکہ امام ابھی مسجد سے خارج نہ ہوا ہو کہ غلیفہ اس کی جگہ جا کھڑا ہوا ان صورتوں میں بعد نماز شرط کثیرہ نماز قائم رہے گی اور اگر پانی مسجد ہی میں مل سکے کہ وضو کے لئے باہر جانا نہ پڑے تو ان باتوں کی حاجت نہیں بلکہ مقتدی اپنی حالت پر باقی رہیں اور امام وضو کر کے آجائے اور نماز جہاں سے چھوڑی تھی شروع کر دے مگر یہ مسئلہ اختلاف ایک سخت دشوار و کثیر الشقوق مسئلہ ہے جس میں بہت سے شرائط اور یکثرت اختلاف صور سے اختلاف احکام ہے جن کی پوری مراعات عام لوگوں سے کم متوقع، لہذا وہ ان امور کے خیال میں نہ پڑیں بلکہ جو بات احسن و افضل و اعلیٰ و اکمل ہے اسی پر کاربند رہیں یعنی اس نیت کو توڑ کر از سر نو نماز پڑھنا کہ جو لوگ علم کافی رکھتے اور مراعات جمیع احکام پر قادر ہیں ان کے لئے کسی

افضل یہی ہے تو عام لوگ ایک خلاف افضل بات کے حاصل کرنے کو ایسے راہ دشوار گزار میں کیوں پڑیں۔

(فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلوۃ، ج ۷)

ان پڑھ امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا بیان:

(وَإِذَا صَلَّى أُمِّي بِقَوْمٍ يَفْرَوْنَ وَيَقُومُ أُمِّيْنٌ فَصَلَّاهُمْ لَمَّا بَدَأَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَقَالَ: صَلَاةُ الْإِمَامِ وَمَنْ لَا يَقْرَأُ تَامَةً لِأَنَّهُ مَقْلُوبٌ أَمْ قَوْمًا مَقْلُوبِينَ وَغَيْرَ مَقْلُوبِينَ فَقَصَرَ تَحْتَمًا إِذَا أَمَّ الْعَارِي عُرَاةً وَلَا يَسِينُ.

وَلَهُ أَنَّ الْإِمَامَ تَرَكَ قِرْءَانَ الْقُرْآنِ مَعَ الْقُرْآنِ عَلَيْهَا فَتَقْصِدُ صَلَاتُهُ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَوْ الْقَلْبُ بِالْقَارِءِ تَكُونُ قِرَاءَةُ كُفْرًا لَهُ بِعِلَاقِ بِلَاقِ الْمَسْأَلَةِ وَأَمَّا لَهَا لِأَنَّ الْمَوْجُودَ فِي حَقِّ الْإِمَامِ لَا يَكُونُ مَوْجُودًا فِي حَقِّ الْمُقْتَدِي (وَلَوْ كَانَ يُصَلِّي الْأُمِّي وَخَلَّةَ وَالْقَارِءَ وَخَلَّةَ حَازَ) هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ لَمْ تَنْظُرْ مِنْهُمَا وَخَبْرَ فِي الْجَمَاعَةِ.

ترجمہ:

اگر کسی ان پڑھ نے ان پڑھوں اور قراء کی ایک قوم کو نماز پڑھائی تو امام اعظم کے نزدیک سب کی نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ صاحبین نے کہا کہ امام کی نماز اور جو قاری نہیں ہے اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ کیونکہ ایک عذر والے شخص نے دوسرے عذر والے کی امامت کر لی ہے جس طرح بچے نے بچوں اور ستر والوں کی امامت کر لی۔ اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ امام نے قرأت پر قادر ہونے کے باوجود اسے چھوڑ دیا ہے۔ لہذا امام کی نماز فاسد ہوگئی۔ اور اسی دلیل کی وجہ سے کہ اگر وہ کسی قاری کی اقتداء کرے تو قاری کی قرأت اس کی قرأت ہو جاتی۔ بخلاف اس مسئلہ کے اور اسی جیسے مسائل کہ جو چیز امام کے حق میں موجود ہے وہ مقتدی کے حق میں موجود نہیں۔

اور اگر ان پڑھ تنہا اپنی نماز پڑھتا ہے اور قاری تنہا اپنی نماز پڑھتا ہے تو جائز ہے کیونکہ ان دونوں میں جماعت کرانے کی رغبت نہیں ہوتی۔

امام کی نماز کا فساد مقتدیوں کی نماز کے فساد کو عظیم ہوا کرتا ہے:

مقتدی نماز میں اپنے امام کے تابع ہوتا ہے۔ اور تابعیت درجہ وجوب کی ہے اسی لئے یہ مسئلہ ہے کہ اگر امام کی نماز فاسد ہوئی تو اس کی نماز کے فساد کی وجہ سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

پہلی دو رکعات میں قرأت کے بعد ای کا امام ہوتا:

(فَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ فِي الْأَوَّلَيْنِ ثُمَّ قَلَّمَ فِي الْأُخْرَيْنِ أُمَّا فَسَدَتْ صَلَاتُهُمْ) وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا

تَفْسُدُ لِقَادَى قَرَضِ الْقِرَاءَةِ .

وَلَسْنَا أَنْ نَحْلُ رَكْعَةٍ صَلَاةً فَلَا تَحُلُو عَنْ الْقِرَاءَةِ إِنَّمَا تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا وَلَا تَقْدِيرٌ لِي حَقِّ الْأَمْنِيِّ لَا يُعْتَدَمُ  
الْأَهْلِيَّةُ، وَكَذَا عَلَى هَذَا لَوْ قُلْنَا فِي التَّشْهَدِ .

ترجمہ:

اور اگر امام نے پہلی دو رکعات میں قرأت کی اور آخری دو رکعات میں اسی کو خلیفہ بنا دیا۔ تو مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا: فاسد نہیں ہوگی۔ اس لئے فرض قرأت ادا ہوگئی ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے ہر رکعت حقیقت میں نماز ہے۔ لہذا وہ قرأت سے خالی نہ ہوگی۔ خواہ وہ قرأت حقیقت کے طور پر ہو یا مجازاً ہو اور اسی کے حق میں قرأت مقدر نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ اس میں الہیت ہی نہیں ہے۔ اور اگر امام نے اسی کو تشہد میں خلیفہ بنایا تو وہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

شرح:

جو امام نے اسے تشہد میں یا اس سے پہلے خلیفہ کیا اور اس نے امام کی جگہ پر پہنچنے کے بعد دوسرے شخص کو خلیفہ کیا تو نماز فاسد ہوگی اب اصلاح اس کے دوسرے کو خلیفہ کرنے سے متصور نہیں، فی الدوام المختار واستخلف الامام مباہ فی الاخرین ولو فی التشہد اما بعدہ فتصح لخروجه بصدقه تصد صلاتهم۔

در مختار میں ہے اگر اسی کو آخری دو رکعات حتیٰ کہ تشہد میں خلیفہ بنایا (تو امام کی نماز فاسد ہوگی) لیکن اس کے بعد صحیح ہے کیونکہ اس کا خروج بالا ارادہ ہے، لوگوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (در مختار باب الامتہ مطبوعہ مطبعہ چھپائی دہلی) اسی طرح دوسرا شخص امام کی جگہ پر بعد اس کے کہ امام مسجد سے خارج ہو پہنچا تو نماز فاسد ہوگئی اور جو خلیفہ اول کو ایک آیت قرآن کی یاد ہے تو وہ صالح خلافت تھا اسی صورت میں دوسرے کو خلیفہ کرنے سے نماز اس کی فاسد ہوگی کہ استکلاف بدون ضرورت کے نماز کو فاسد کرتا ہے۔

اگر یہ خلیفہ واقعی اسی ہے کہ ایک آیت بھی قرآن کی اسے یاد نہیں اور اس نے قبل اس کے کہ امام مسجد سے باہر جائے اور آپ امام کی جگہ پہنچے دوسرے شخص صالح امامت کو خلیفہ کر دیا اور وہ امام کے نکلنے سے پہلے اس کی جگہ پر پہنچ گیا تو نماز صحیح ہوگی کہ ہر چند انہی صلاحیت خلافت نہیں رکھتا لیکن اس حالت میں خلیفہ دوسرا شخص ہے یہ نہیں ہو سکتا۔



## بَابُ الْمَحْدُثِ فِي الصَّلَاةِ

﴿یہ باب نماز میں حدث لاحق ہو جانے کے بیان میں ہے﴾

باب المحدث کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدر الدین یعنی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب نماز میں واقع ہونے والے حدث کے احکام کے بیان میں ہے ان دونوں۔ بزواب میں مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ پہلے باب میں امام اور امامت کے بارے میں بیان ہوا ہے۔ پس یہ تمام احکام حدث کے متعلق ہیں۔ لہذا اس کے بعد حدث کا باب بیان کیا ہے۔ اور فصول کے درمیان مطابقت کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ فصول میں امام، مقتدی اور منفرد کے بیان میں قیس اور اب ان کے عوارض کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور یہ عوارض ان کی نماز کو مانع ہیں۔ (عوارض ہمیشہ موخر ہوتے ہیں)۔ (الہدایہ شرح الہدایہ، ج ۱، ص ۴۳۶، حقانیہ ماکان)

جب امام کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے:

(وَمَنْ سَبَقَهُ الْحَدَّثُ فِي الصَّلَاةِ انْصَرَفَ فَإِنْ كَانَ إِمَامًا اسْتَخْلَفَ وَتَوَضَّأَ وَتَنَى) (وَالْقِيَاسُ أَنْ يَسْتَقْبِلَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَجَمْعُ الْمَلَأَنَّ الْحَدَّثُ بِهَا فِيهَا وَالْمَشَى وَالْإِنْجِرَافُ بِفَيْسِدِهَا فَأَشْبَهَ الْحَدَّثُ الْعَمَلَةَ.

وَلَمَّا قُضِيَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ أَوْ أَمْسَى فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَتَنَى عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ) وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) إِذَا عَلَى أَحَدُكُمْ فَقَاءَ أَوْ رَعَفَ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى لَبِيهِ وَلْيَقْدَمْ مَنْ لَمْ يُسَبِّحْ بِشَيْءٍ) وَالْكَلْوَى فِيمَا يُسَبِّحُ قَوْلٌ مَا يَتَكَلَّمُ فَلَا يُلْحَقُ بِهِ

ترجمہ:

اور جس کو نماز میں حدث لاحق ہوا تو پھر چائے۔ پس اگر وہ امام ہے تو اپنا خلیفہ بنائے اور خود وضو کرے اور اسی پر بناء کرے۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس سے کہ یہ حدث نماز کے منافی ہے۔ چلنے اور قیلے سے پھرنے سے نماز قاسد ہو جاتی ہے لہذا یہ حدث، حدث عمد کے مشابہ ہو گیا۔ جبکہ ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ ہے۔ جس کو نماز میں قئے آئی یا کسیر پھوٹی یا نڈی خارج ہوئی تو وہ نماز سے پھر جائے۔ اور وضو کرے اپنی نماز کو بناء کرے۔ جب تک اس نے کلام نہ لیا ہو۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کسی شخص کو نماز میں قئے آئے یا کسیر پھوٹے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اور غیر مسبوق کو خلیفہ بنائے۔ اور اس کا ایسے حدث میں مبتلا ہونا جو غیر اختیاری ہو نہ کہ حدث اختیاری۔ لہذا حدث عمد کو غیر اختیاری حدث کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

نماز میں خلیفہ بنانے کا حکم فقہی:

جن صورتوں میں نماز جائز ہے ان میں امام کو بے وضو ہو جانے پر جائز ہے کہ کسی مقتدی کو خلیفہ کر دے اگرچہ وہ نہ جتازہ ہی ہو پس اگر امام بے وضو ہو گیا تو مقتدیوں میں سے کسی کو خلیفہ کر کے اپنی جگہ پر آگے بڑھا دے پھر وضو کر کے خلیفہ کے پیچھے اپنی نماز پوری کرے جب کہ اس کی نماز ختم نہ ہوئی ہو، اور اگر خلیفہ نماز سے فارغ ہو گیا تو پہلا امام اپنی جگہ پر آکر یا جہاں وضو کیا ہے وہیں پر اپنی نماز پوری کر لے اگر امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی تھا تو امام کو محدث ہوا تو وہ ایک مقتدی ہی اس کا خلیفہ ہو جائے گا اگرچہ امام اس کو خلیفہ نہ بنائے خلیفہ بنانے کے لئے تین شرطیں ہیں۔

اول: اپنا کی تمام شرطوں کا پایا جانا پس جن صورتوں میں اپنا جائز نہیں خلیفہ بنانا بھی جائز نہیں۔

دوم: امام اپنی جگہ سے پڑھنے کی حدود سے آگے نہ بڑھے اور وہ میدان میں دائیں یا بائیں یا پیچھے کی طرف تمام صفوں سے ہر طرف لٹکانا ہے اور آگے کی طرف سترہ کی حد تک اور اگر سترہ نہ ہو تو سجدے کی جگہ حد سے آگے بڑھنا ہے اور مسجد میں جب تک مسجد سے ہر نہیں لٹکا خلیفہ کرنا درست ہے۔

سوم: یہ کہ خلیفہ میں امام بننے کی صلاحیت ہو۔

نماز میں حدیث (یعنی بے وضو) ہو جانے اور بناء کی شرائط کا بیان:

اگر کوئی شخص نماز میں بے وضو ہو گیا، وہ وضو کر کے جہاں سے نماز چھوڑ کر گیا تھا اگر وہیں سے شروع کر کے نماز کو پوری کر لے تو اس کی نماز چند شرائط کے ساتھ درست ہو جائے گی (شرائط آگے درج ہیں) اس کو بتا کہتے ہیں یہ امام و مقتدی اور مغفرو تینوں کے لئے جائز ہے لیکن سرے سے پڑھنا افضل ہے اگر انتہیات پڑھنے کے بعد بیوضو ہو گیا تب بھی وضو کر کے نماز ختم کرے۔ بناء کی شرائط تیرہ ہیں۔

۱. وہ محدث وضو کا واجب کرنے والا ہو غسل کا واجب کرنے والا نہ ہو۔

۲. حدیث نادر الوجود نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو جو کبھی اتفاقاً ہوتا ہو ورنہ سرے سے نماز پڑھنا لازمی ہے۔

۳. حدیث سماوی (آسمانی، قدرتی) ہو، اس میں بندے کا کچھ اختیار نہ ہو ورنہ سرے سے پڑھنا لازمی ہے۔

۴. وہ حدیث نمازی کے بدن سے ہو، خارج سے نجاست وغیرہ بدن پر لگنا یا کو جائز نہیں کرتا۔

۵. اس نمازی نے کوئی رکن حدیث کے ساتھ ادا نہ کیا ہو۔

۶. بغیر غدر رکن ادا کرنے کی مقدار توقف بھی نہ کیا ہو۔

۷. کوئی رکن چلنے کی حالت میں ادا نہ کرے۔

جس رکن میں حدیث ہو وضو کرنے کے بعد اس رکن کو دوبارہ ادا کرے مثلاً رکوع یا سجدے میں بیوضو ہو گیا تو وضو کے بعد وہ

رکوع یا سجدہ دوبارہ کرے خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد کیونکہ ان تینوں کو پنا کرنا جائز ہے۔

۸. حدث کے بعد نماز کو توڑنے والا کوئی نفل نہ کرے مثلاً کھانا پینا وغیرہ۔

۹. حدث کے بعد وہ نفل جس کی نماز میں اجازت تھی اور وہ نماز کو توڑنے والا نہیں تھا اور اس نماز کی کو اس کی ضرورت ہے جیسے وضو کے لئے جانا وغیرہ ضرورت سے زائد نہ کرے ضرورت کی معاون چیز بھی ضرورت میں داخل ہے جیسے کسی برتن سے پانی لینا وغیرہ۔

۱۰. اس حدث آسانی کے بعد اس پر اس سے پہلے کا کوئی حدث ظاہر نہ ہو مثلاً کوئی شخص جو موزہ پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھا حدث کے بعد وضو کرنے گیا وضو کے درمیان میں مسح موزہ کی مدت پوری ہو گئی تو یہ پہلے حدث کا ظاہر ہونا کہلاتا ہے اب اس کو پنا جائز نہیں ہے سب سے پہلے ہٹا لائی ہے۔

۱۱. صاحب ترتیب کو حدیث سادی کے بعد اپنی کسی نماز کا فوت ہو جانا یاد نہ آئے۔

۱۲. مقتدی نے امام کے فارغ ہونے سے پہلے اپنی جگہ کے سوا دوسری جگہ اپنی نماز کے پورا نہ کیا تو جب کہ امام اور اس مقتدی کے درمیان کوئی ایسا حائل ہو جس کی وجہ سے وضو کی جگہ سے اقتدا جائز نہ ہو، منفرد وضو کی جگہ پر ہی پنا کر کے نماز پوری کر سکتا ہے۔

۱۳. اگر امام کو حدث ہوا ہے تو ایسے شخص کو غلیفہ نہ کرے جو امامت کے لائق نہ ہو مثلاً امی یا عورت یا نابالغ کو، ورنہ سب کی نماز فاسد ہو کر نئے سرے سے پڑھنی ہوگی۔

امتناب اختلاف کیلئے نئے سرے نماز پڑھنے کا حکم:

(وَالْإِسْتِنَافُ أَفْضَلُ) تَحَرُّوا عَنْ شِبْهِهِ الْعِلَافِ، وَقِيلَ إِنَّ الْمُنْفَرِدَ يَسْتَقْبِلُ وَالْإِمَامَ وَالْمُقْتَدِيَ يَتَّبِعُ صِبَاةَ الْفَضِيلَةِ الْجَمَاعَةِ (وَالْمُنْفَرِدُ إِنْ شَاءَ أَكَمَّ فِي مَنْزِلِهِ، وَإِنْ شَاءَ عَادَ إِلَى مَكَانِهِ)، وَالْمُقْتَدِيَ يَتَوَلَّى إِلَى مَكَانِهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ إِمَامُهُ قَدْ فَرَغَ أَوْ لَا يَكُونُ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ

(وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهُ أَتَتْهُ فَخَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يُحْدِثْ اسْتَقْبَلَ الصَّلَاةَ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ بَصَلَّى مَا بَقِيَ) وَالْقِيَّاسُ لِبَيْنَهُمَا الْإِسْتِقْبَالُ، وَهُوَ وَابَّةٌ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَوْ جُودَ الْإِنْصِرَافُ مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ۔

وَجَهْ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّهُ انْصَرَفَ عَلَى قَصْدِ الْإِصْلَاحِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ تَحَقَّقَ مَا لَوْ كَفَّمَهُ بَنَى عَلَى صَلَاحِهِ فَالْحَقُّ قَصْدُ الْإِصْلَاحِ بِحَقِيقَتِهِ مَا لَمْ يَخْتَلِفِ الْمَكَانُ بِالْخُرُوجِ،

اختلافی شبہ سے بچنے کیلئے سرے سے نماز پڑھنا افضل ہے۔ اور بعض فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ منفرد نے سر سے پڑھے جبکہ امام و مقتدی بنا کریں تاکہ جماعت کی فضیلت محفوظ رکھ سکیں۔

اور منفرد اگر چاہے تو ایسی جگہ نماز کو پورا کرے اور چاہے تو اپنی جگہ لوٹ آئے اور مقتدی جب لوٹ کر آیا یہاں تک کہ اس کا امام فارغ ہو چکا یا ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

اور شخص حدیث کا گمان کرتے ہوئے مسجد سے نکل گیا پھر اسے علم ہوا کہ وہ محدث نہیں ہوا۔ تو وہ نے سرے سے نماز پڑھے۔ اور اگر وہ مسجد سے باہر نہیں نکلا تو وہ بقیہ نماز پڑھے۔ ان دونوں صورتوں میں قیاس کا یہی تقاضہ ہے۔ کہ وہ نے سرے سے نماز پڑھے گا اور اسی طرح امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بھی ہے کیونکہ وہ قبیلے سے بغیر کسی عذر کے پھر چکا ہے۔

احسان کی دلیل یہ ہے کہ وہ شخص نماز کی اصلاح کی غرض سے بھرا تھا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر اس کا وہم ثابت ہو جاتا جو اس نے کیا تھا تو پھر بھی تو نماز پڑھ کر بنا کر لے۔ لہذا قصد اصلاح کو حقیقی اصلاح کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ جب تک خروج مسجد کی وجہ سے جگہ نہ بدلے۔

شرح:

آگاہ رہنا چاہئے کہ جواز بناء کی تیرہ شرائط ہیں، پھر فرمایا: امام کو ایسا حدیث لاحق ہو گیا جو بنا سے مانع نہیں تو وہ کسی کو وظیفہ بنا ئے یعنی اس کے لئے یہ جائز ہے جب تک اس نے صفوں سے تہجد نہیں کیا بشرطیکہ وہ حجر ایش ہو اور اگر مسجد میں ہو ہو تو جب تک مسجد سے خارج نہیں ہوا وظیفہ بنا سکتا ہے، اور اگر مسجد میں پانی ہو تو وظیفہ بنانے کی ضرورت نہیں البتہ اختلاف سے بچنے کے لئے سرے سے نماز ادا کرنا افضل ہے۔

اسی طرح دوسرا شخص امام کی جگہ پر بعد اس کے کہ امام مسجد سے خارج ہو چکا تو نماز قاسد ہو گئی اور جو وظیفہ اول کو ایک آیت قرآن کی یاد ہے تو وہ صالح خلافت تھا ایسی صورت میں دوسرے کو وظیفہ کرنے سے نماز اس کی قاسد ہو گئی کہ اختلاف بدون ضرورت کے نماز کو قاسد کرتا ہے۔

جب محدث امام نے وظیفہ بنایا پھر عدم حدیث ظاہر ہوا:

وَإِنْ كَانَ اسْتَحْلَفَ لِمَسَدَةٍ لِأَنَّ عَمَلَهُ مِنْ غَيْرِ عَمَلٍ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلَنَ أَنَّهُ افْتَحَ الصَّلَاةَ عَلَى غَيْرِ وَضُوءٍ فَلَانْصَرَفَ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ عَلَى وَضُوءٍ حَتَّى تَقْضَى وَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ لِأَنَّ الْإِنْصِرَافَ عَلَى سَبِيلِ الرِّفْضِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ تَحَقَّقَ مَا تَوَهَّمَهُ يَسْتَقْبِلُهُ فَهَذَا هُوَ الْحَرْفُ، وَمَكَانُ الصُّفُوفِ فِي الْمَصْرَاعِ لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ، وَلَوْ تَقَدَّمَ قَدَامَهُ فَالْحَدُّ هُوَ الشَّرْعُ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَيَقْدَرُ الصُّفُوفُ خَلْفَهُ، وَإِنْ كَانَ مُنْقَرِدًا لَمْ يَضَعْ سُجُودَهُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ.

ترجمہ:

اور اگر وہ ہم کرنے والے نے خلیفہ بنایا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے بغیر کسی عذر کے عمل کثیر کیا۔ مگر بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے یہ گمان کیا کہ اس نے نماز شروع ہی بغیر وضو کی تھی۔ پس وہ پھر گیا پھر اسے علم ہوا کہ وہ وضو پر ہے۔ تو اس کی نماز فاسد ہو گئی خواہ وہ مسجد سے نہ نکلا ہو۔ کیونکہ اس کا یہ خروج رخص (زیادتی) ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر وہی بات ثابت ہو جاتی جس کا اس نے وہم کیا تھا تو بھی وہ نئے سرے سے نماز پڑھتا۔ لہذا اصل یہی ہے اور صحراء میں مسجد کے حکم میں مغفون والی جگہ ہوگی۔ اور اگر وہ اگلی جانب بڑھا تو حد سترہ ہے اور اگر سترہ نہ ہو تو پیچھے دان مغفون کی مقدار کا اعتبار کریں گے اور اگر وہ اکیلا ہے تو ہر طرف سے اس کے مجھنے والی جگہ حد ہوگی۔

شرح:

خلیفہ اور قوم کی نماز کے جواز کے لئے شرط ہے کہ امام کے مسجد سے خارج ہونے سے پہلے پہلے خلیفہ محراب میں پہنچ جائے جبکہ اگر اراکین میں ہے اور اگر خلیفہ نے اپنی جگہ اور خلیفہ بنالیا تو فضلی کہتے ہیں کہ اگر اول نہیں نکلا اور خلیفہ نے امام کی جگہ بیٹے سے پہلے کوئی اور خلیفہ بنالیا تو جائز ہے گو یا دوسرا خود بنایا پہلے نے اسے بنایا ورنہ جائز نہ ہوگا۔ جب اسے علم ہوا کہ وہ وضو پر ہے اس صورت میں عمل کثیر کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

دوران نماز جنوں یا احکام وغیرہ کے حکم کا بیان:

(وَأِنْ جُنُّ أَوْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ انْغَمَى عَلَيَّ اسْتَقْبَلْتُ لِأَنَّهُ يَنْدُرُ وَجُودَ هَذِهِ الْعَوَارِضِ فَلَمْ يَكُنْ لِي مَعْنَى مَا وَرَدَ بِهِ النَّصُّ، وَكَذَلِكَ إِذَا قَهَقَهُ لِأَنَّهُ يَمْتَنِزِلُهُ الْكَلَامُ وَهُوَ قَاطِعٌ .  
(وَأِنْ حَصِرَ إِلَهُامًا عَنِ الْقِرَاءَةِ فَقَلَّمْ غَيْرُهُ أَجْزَأُ لَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَا يُجْزِئُهُمْ) لِأَنَّهُ يَنْدُرُ وَجُودُهُ فَاتَّخَذَ الْجَنَابَةُ فِي الصَّلَاةِ .  
وَلَهُ أَنْ يَلْغِي خِلَافَ لِعِلَّةِ الْعَجْزِ وَهُوَ مَا هُنَا الْقَرْمُ، وَالْعَجْزُ عَنِ الْقِرَاءَةِ غَيْرُ نَادٍ فَلَا يُلْغَى بِالْجَنَابَةِ .

ترجمہ:

اور اگر نمری پگل ہو گیا یا ادھکی صورت میں احکام ہو گیا یا اس پر غشی طاری ہوئی تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔ کیونکہ یہ عوارض شاذ و نادر ہوتے ہیں۔ لہذا یہ نص میں وارد معنی کے حکم میں نہ ہوں گے۔ اور اسی طرح قہقہہ ہے کیونکہ وہ کلام کے درجے میں ہے اور نماز کو کاٹنے والا ہے۔ اور اگر امام قمرت کرنے سے رک گیا تو اس نے دوسرے شخص کو آگے کر دیا۔ امام اعظم کے نزدیک وہ شخص کافی ہوگا جبکہ صحابین کے نزدیک وہ شخص کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح کا واقعہ نادر الوجود ہے لہذا یہ نماز میں جنابت کے مشابہ ہوگا۔

اور امام عظیم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے۔ خلیفہ بنانا علتِ عجز کی وجہ سے تھا۔ اور وہ یہاں لازمی تھی۔ جبکہ قرأت سے عاجز ہونا یہ غیر نادر ہے لہذا اس کو جنابت کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

حالت نماز میں انزالِ سالم نہ ہوا تو حکم:

فتح القدیر کی اس فرغ کا کیا ہوگا کہ اگر کسی شخص کو نماز میں احتلام ہوا مگر انزال نہ ہوا یہاں تک کہ اس نے نماز پوری کر لی تو انزال ہوا وہ نماز کا تو اہدہ نہ کرے گا مگر غسل کرے گا ہاں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ حرکتِ تدبیر بھی ہے اس کیلئے زمانہ کا ہونا ضروری ہے، تو غالباً اس کی صورت یہ ہوگی کہ اگر وہ قعدہ اخیرہ میں ہوا اور احتلام ہو جائے، اور بیٹھ نہ سکی اچھل کر نکلے، تو اگر تکب آتے میں اور نکلنے سے پہلے اس نے سلام پھیر دیا تو نماز نئے انداز انزال سے سالم رہا۔

(فتح القدیر، مرجعات الغسل نوریہ رضویہ سکھر، ۱۹: ۵۰)

اگر عجز قرأت کفایہ کے بعد واقع ہوا:

وَلَوْ قَرَأَ مَقْدَارَ مَا تَجَوَّزَ بِهِ الصَّلَاةُ لَا يَجُوزُ إِلَّا مَعَ جَمَاعٍ بِإِجْمَاعٍ لَعَدِمَ التَّحْجَةُ إِلَيْهِ (وَأَنَّ سَبْقَهُ  
الْبُحْدَثُ بَعْدَ التَّشْهُيدِ تَوْحَاتٌ وَسَلَّمٌ) لِأَنَّ التَّسْلِيمَ وَاجِبٌ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّوَضُّعِ لِتَأْتِي بِهِ ۱ وَإِنْ تَعَدَّى الْحَدَثُ  
فِي هَذِهِ الْحَالَةِ أَوْ تَكَثَّرَ أَوْ عَمِلَ عَمَلًا يَنْتَهِى الصَّلَاةُ تَمَّتْ صَلَاتُهُ ۲ لِأَنَّهُ يَتَعَذَّرُ الْبِنَاءُ لِيُوجِدَ الْقَاطِعَ ،  
لَكِنْ لَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَّقِ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْأَرْكَانِ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے اتنی مقدار میں قرأت کر لی جس سے نماز جائز ہو جائے تو اجماع کے مطابق اس کیلئے خلیفہ بنانا جائز نہیں۔  
کیونکہ اس کی طرف ضرورت نہیں۔ اور اگر نماز کی کوشش کے بعد حدث لاحق ہوا تو وہ وضو کرے اور سلام پھیرے۔ کیونکہ سلام واجب ہے۔ لہذا اسلام پھیرنے کیلئے وضو کرنا لازم ہوا۔

اور اگر اس نے اسی حالت میں عداً حدث کیا یا کلام کیا یا ایسا عمل کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ کیونکہ نماز کو کاٹنے کے وجود کی وجہ سے بنا و حذر ہے۔ لیکن اس پر نماز کا عداً وہی نہیں۔ کیونکہ نماز کے ارکانوں میں سے کوئی چیز باقی ہی نہ رہی (یعنی وہ سارے مکمل ہو چکے ہیں)

شرح:

اس مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ خلیفہ بنانا یہ ضرورت شرعیہ کی وجہ جائز ہوا تھا کہ جب کسی شخص میں عذر پایا گیا اور امام تھا تو اس کیلئے نماز کی حفاظت کیلئے ضروری تھا کہ وہ کسی کو خلیفہ بنائے لیکن جب یہ ضرورت اپنی اعلیٰ علت کے انتفاء کی وجہ سے ختم ہوگئی تو اب اس صورت میں خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح تشہد کے بعد والا مسئلہ ہے تو مشہور حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی ہے جس میں یہ ہے کہ

جب تک یہ کہہ لے یا کر لے تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہیں گے بعد از شہد حدث لاحق ہونے کی صورت میں اسے چاہیے کہ وضو کرے اور سلام پھیرے کیونکہ سلام پھیرنا واجب ہے۔ اگرچہ اتمام نماز کا بیان ہے تاہم وجوب سلام کو حکم بھی دلیل شرعی سے ثابت ہے۔ لہذا اتمام صلوٰۃ مع شہد کی طرح سلام کیلئے وضو کرنے کا حکم بھی دیا جائے گا۔

جب تحیم والے نے نماز میں پانی دیکھا تو حکم نماز:

(لَإِنْ رَأَى الْمُتَحَيِّمُ الْمَاءَ فِي صَلَاتِهِ بَطُلَتْ) وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلِ (وَلِنْ رَأَاهُ بَعْدَهَا قَدْ قَدَّرَ الشَّهْدُ أَوْ كَانَ مَاسِيًا فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مُسَجِّهِ أَوْ خَلَعَ خُفَّهُ بِعَمَلٍ بَيِّنٍ أَوْ كَانَ أَثْمًا فَتَعَلَّمَ سُورَةً أَوْ غُرْبَانًا فَوَجَدَ قُرْآنًا، أَوْ مِوَسِيًا فَقَدَّرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، أَوْ تَدَكَّرَ قَائِمَةً عَلَيْهِ قَبْلَ هَذِهِ أَوْ أَخَذَتْ الْإِمَامُ الْقَارِءُ فَاسْتَخْلَفَ أَثْمًا أَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي الْقُبُورِ أَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْقَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ، أَوْ كَانَ مَاسِيًا عَلَى السَّيْرِ لَمْ يَسْقُطْ عَنْ بُرْءِهِ، أَوْ كَانَ صَاحِبَ عِلْمٍ فَلَا يَطْلُعُ عَلَيْهِ كَالْمُسْتَحَاضَةِ وَمَنْ بَعَثَهَا بَعَثَتْ صَلَاتُهُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَلَا يَتِمُّ صَلَاتُهُ) وَقَبْلَ الْأَصْلِ لَهُ أَنْ الْخُرُوجَ عَنْ الصَّلَاةِ بِصَنْعِ الْمُصَلِّي قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَلَيْسَ بِفَرْضٍ عَلَيْهِ، فَأَعْوَضَ هَذِهِ الْفَوَاضِلَ عَنْهُ حَدِيثُ أَبِي مُسْعُودٍ وَحَسْبُ اللَّهِ عَنْهُ. وَلَهُ أَنَّهُ لَا يُسْكِنُهُ أَدَاءُ صَلَاةٍ أُخْرَى إِلَّا بِالْخُرُوجِ مِنْ هَذِهِ وَمَا لَا يَتَوَصَّلُ إِلَى الْقُرْآنِ إِلَّا بِهَذَا يَكُونُ قَرْضًا.

وَمَنْ غَسَّ قَوْلُهُ تَمَّتْ قَارِئَتُ الْقُرْآنِ، وَالْإِسْتِخْلَافُ لَيْسَ بِمُفْسِدٍ حَتَّى يَجُوزَ فِي سَقِّ الْقَارِءِ، وَإِنَّمَا الْقَسَادُ ضَرُورَةٌ حُكْمٌ خَزَعِيٌّ وَهُوَ عَدَمُ صَلَاحِيَةِ الْإِمَامَةِ.

ترجمہ:

اگر تحیم والے نے نماز میں پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہو گئی جس طرح پہلے یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔ اور اگر تحیم والے شہد میں بیٹھنے کی مقدار کے بعد پانی دیکھا یا وہ موزے پر سح کرنے والا تھا۔ پس اس کے موزوں کی مدت ختم ہو گئی۔ یا معمولی عمل کے ساتھ دونوں موزوں کا نکالا۔ یا ان پڑھ تھا اور اس نے کوئی سورۃ سیکھ لی۔ یا ننگا تھا اس نے کپڑا پایا۔ یا اشارے سے رکوع و سجود کرنے والا تھا کہ رکوع و سجود پر قادر ہو گیا۔ یا اس کو پہلے سے فائزہ یاد آ گئی۔ جس کی قضاء واجب تھی۔ یا قاری امام کو حدث لاحق ہوا اور اس نے ان پڑھ کو خلیفہ بنادیا۔ یا فجر میں سورج طلوع ہو گیا۔ یا جمعہ کی نماز میں وقت عصر داخل ہو گیا۔ یا وہ پٹی پر سح کرنے والا تھا۔ اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ یا وہ معذور ہو گیا حتیٰ کہ اس کا عذر ختم ہو گیا۔ جس طرح استفاضہ والی عورت اور وہ

معذور جو اس کے حکم میں ہے۔

تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوگی جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کی نماز مکمل ہوگی۔ اور کیا میا ہے کہ اس مسئلہ میں اصل (قانون) یہ ہے۔ کہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک نمازی کا نماز سے باہر جانا اختیاری فعل سے فرض ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک فرض نہیں ہے۔

لہذا امام اعظم کے نزدیک ان حالتوں میں عوارض کا پیش آنا ہے اسی طرح ہے جس طرح نماز کے درمیان عوارض کا پیش آنا ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک ایسا ہے جس طرح سلام کے بعد عوارض کا پیش آنا ہے۔ اور ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔ جبکہ امام اعظم کی دلیل یہ ہے۔ کہ اس صورت میں نمازی کیلئے دوسری نماز کو ادا کرنا ممکن ہی نہیں۔ جب تک اس نماز سے خروج نہ ہوگا۔ ہر وہ چیز جس کے بغیر فرض تک پہنچنا ممکن نہ ہو وہ بھی فرض ہوتی ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کے فرمان ”تَسْت“ کا معنی قریب تکمیل ہے۔ اور قاری حق میں نماز کا خلیفہ بنانا مفید نہیں ہے جبکہ نماز کے فساد کا حکم صرف حکم شرعی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس امام میں امامت کی صلاحیت ہی نہیں۔  
دوران نماز اگر تم والے کو پانی حاصل ہوا تو حکم شرعی:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ کہتے ہیں تیم والوں کی جماعت ہو رہی ہے انہیں پانی کے مالک نے پانی بہہ کر دیا جس پر وہ قابض بھی ہو گئے تو ان میں سے کسی کا تیم نہ ٹوٹے گا اس لئے کہ ہر ایک کو اتنا نہ پہنچے گا جو اس کیلئے کافی ہو یہ حکم بقول صاحبین ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول پر یہ بہہ ہی شیوع کی وجہ سے صحیح نہیں، اور اگر بہہ کرنے والے نے ان میں سے کسی ایک کو معین کر دیا تو اس کا تیم باطل ہو جائے گا باقی لوگوں کا نہیں یہاں تک کہ وہ شخص معین اگر امام تھا تو سب کی نماز باطل ہوگی۔ اسی طرح اگر غیر امام ہو۔ مگر یہ کہ جب لوگ نماز سے فارغ ہو گئے تو امام نے اس سے پانی مانگا اس نے دے دیا تو سب کے قول پر نماز فاسد ہوگی اس لئے کہ ظاہر ہو گیا کہ اس نے پانی پر قدرت ہوتے ہوئے نماز ادا کی۔ جانا چاہئے کہ مشائخ نے یہ تفریع فرمائی ہے کہ اگر کسی نے تیم سے نماز شروع کی پھر اس کے سامنے ایسا شخص نمودار ہوا جس کے پاس پانی ہے تو اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ پانی دے دے گا تو لگنے سے پہلے ہی نماز باطل ہوگی اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ وہ دیکھا تو نماز پوری کرے اور اگر اشتباہ کی صورت ہو تو نماز پوری کرے پھر اس سے مانگے اگر دے دے خواہ شمن مثل کے بدلے بیع وغیرہ سے ہی دے تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نماز کامل ہوگی۔ اسی طرح اگر انکار کرنے کے بعد دے مگر اس صورت میں وہ یہاں کسی دوسری نماز کیلئے وضو کرے گا۔ تو امام کے مانگنے کی صورت میں فساد نماز کو مطلقاً کہنا یا تو حالت اشتباہ پر محمول ہوگا یا اس پر کہ نہ دینے کا غالب ظن ہونے کی صورت میں عدم فساد اس سے متقید ہے کہ ابھی اس کے دینے کا حال ظاہر نہ ہوا ہو۔



اشاء عشری مسائل کی وضاحت و دلائل کا بیان:

یہ وہ معروف بارہ مسائل ہیں جن کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں نماز باطل ہو جائے گی۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک نماز باطل نہ ہوگی بلکہ صحیح ہوگی۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ نماز سے باہر جانا نمازی کے نفسِ اختیار سے فرض ہے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک یہ فرض نہیں ہے۔ لہذا اسی وجہ سے یہ اختلاف ہوا ہے اور وہ اختلاف فی مسائل درج ذیل ہیں۔

(۱) اگر قیتم کرنے والا نماز میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی دیکھے۔

(۲) اگر اس نے سوزوں پر سج کیا اور وہ مقدار تشہد بیٹھا کہ مدت مسح مکمل ہوگئی۔ (۳) اس نے کسی عملِ قلیل کے ساتھ دونوں موزوں کو نکالایا ان میں سے کسی ایک کو نکالا اور یہ عمل اس نے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کیا۔ (۴) اگر نمازی ان پڑھ تھا کہ اس نے تشہد کی مقدار میں بیٹھنے کے بعد کوئی سورۃ سیکھ لی۔ (۵) نمازی بغیر کپڑوں کے نماز پڑھ رہا تھا کہ مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد اس نے کپڑا پایا۔ (۶) نمازی اشارے سے رکوع و سجود کرنے والا تھا کہ مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد وہ رکوع و سجود پر قادر ہو گیا۔ (۷) نمازی کو مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد کوئی قضا نماز یاد آگئی۔ (۸) تشہد کی مقدار میں بیٹھنے کے بعد قاری امام نے کسی امی کو وظیفہ بتا دیا۔ (۹) مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد سورج طلوع ہو گیا۔ (۱۰) نمازی جمعہ کی نماز میں تھا کہ مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد عصر کا وقت داخل ہو گیا۔ (۱۱) نمازی پٹی پر سج کرنے والا تھا اور مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد اس کا زخم ٹھیک ہو گیا اور اس کی پٹی گر گئی۔ (۱۲) نمازی معذور تھا اور مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد اس کا عذر ختم ہو گیا۔

مسیبوت کی بجائے مد رک کی خلافت اولیٰ ہے:

(وَمَنْ اتَّقَىٰ بِإِسَامٍ بَعْدَ مَا صَلَّى وَكُنْةً فَلَا خَدَّتِ الْإِمَامُ فَلَكُمْ أَجْزَاؤُهُ) لَوْ جُودَ الْمُشَارَكَةِ لِي السَّخَرِيَّةِ، وَالْأَوَّلَىٰ لِلْإِمَامِ أَنْ يَقْلَمَ مِنْهُ كَرًا لِأَنَّهُ أَقْبَرُ عَلَىٰ ائْتِمَارِ صَلَاتِهِ، وَيَنْبَغِي لِهَذَا الْمَسْئُورِ أَنْ لَا يَقْلَمَ لِعَجْزِهِ عَنِ التَّسْلِيمِ (فَلَوْ تَقْلَمَ بِمَنْدُوبٍ مِنْ حَيْثُ انْتَهَى إِلَيْهِ الْإِمَامُ) لِحُجَابِهِ مَقَامَهُ (وَإِذَا انْتَهَى إِلَى السَّلَامِ يَقْلَمَ مِنْهُ كَمَا يَسْلَمُ بِهِمْ، فَلَوْ أَنَّهُ جَمَعَ أَمَّهُ صَلَاةَ الْإِمَامِ لَهَقَهُ لَوْ أَخَذَتْ مُعْتَمِدًا أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ وَصَلَاةُ الْقَوْمِ تَامَتْ) لِأَنَّ الْمُفْسِدَ فِي حَقِّهِ وَجَدَهُ فِي عِيَالِ الصَّلَاةِ وَلِي حَقِّهِمْ بَعْدَ تِمَامِ أَرْكَانِهَا وَالْإِمَامُ الْأَوَّلُ إِنْ كَانَ قَرَعَ لَا تَقْسُدُ صَلَاتُهُ، وَإِنْ لَمْ يَقْرَعْ تَقْسُدُ وَهُوَ الْأَصَحُّ

ترجمہ:

اور جس شخص نے ایسے امام کی اقتداء کی جس نے ایک رکعت پڑھ لی تھی۔ پس اس نے مسبوت کو مقدم کر دیا تو وہ کافی ہوگا کیونکہ تکبیر تحریرہ میں شرکت پائی گئی ہے۔ جبکہ امام کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ کسی مد رک کو وظیفہ بتائے۔ اس لئے مد رک امام کی نماز

کو پورا کرنے میں زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ اور مسبوق کیلئے مناسب نہیں کہ وہ مقدم ہو کیونکہ وہ تو سلام پھیرنے سے بھی عاجز ہے۔

اور اگر وہ مقدم ہو گیا تو وہاں سے ابتداء کرے جہاں تک امام پہنچا ہے۔ اس لئے کہ مسبوق امام کے قائم مقام ہے۔ اور جب یہ مسبوق سلام تک پہنچ جائے تو مدرک کو مقدم کرے۔ جو ان کے ساتھ سلام پھیرے۔

اگر مسبوق نے امام کی نماز پوری ہوتے ہی قہقہہ لگایا یا عمدہ اُحدث کیا یا کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی اور قوم کی نماز مکمل ہوگئی۔ کیونکہ درمیان نماز خلال اس کے حق میں مفسد نماز ہے جبکہ نمازیوں کے حق میں تکمیل ارکان کے بعد ہے اور امام اول اگر نماز سے فارغ ہو گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوئی اور فارغ نہ ہوا تو اس کی نماز بھی فاسد ہوگئی اور یہی صحیح روایت ہے۔

شرح:

علامہ ابن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مسبوق کو خلیفہ بنانے سے افضل یہ ہے کہ امام مدرک کو خلیفہ بنائے کیونکہ مدرک کلی طور پر خیر سے لیکر اس کی نماز کو پانے والا ہے۔ اور جہاں تک مسبوق کا تعلق ہے وہ اگرچہ تحریم میں شمولیت کی وجہ سے حقدار خلافت رکھتا ہے۔ تاہم اولی مدرک ہی ہے اور مدرک کے زیادہ حقدار ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ وہ صفت نماز میں امام کے ساتھ زیادہ واسطہ ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۱۲۰، بیروت)

مُسبوق اگر خلیفہ بنایا گیا تو اس کا خلیفہ بن کر نماز میں وہی طریقہ ہوگا جس طرح کوئی مسافر حالت اقامت والوں کی امامت کرتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ تم اپنی نماز کو پورا کرلو۔

تشریح پیش کیے بعد قہقہہ لگایا تو حکم نماز:

(قِيَانُكُمْ بَعْدَ الْإِمَامِ الْأَوَّلِ وَقَدْ قُتِلَ الشَّهِيْدُ ثُمَّ قَهَقَهُ أَوْ أَخَذَتْ مَعَهُمَا لَسَدَتْ صَلَاةُ الْوَلِيِّ لَمْ يُدْرِكْ أَوَّلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ عِنْدَ أَبِي حَوِيْفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَقَالَا : لَا تَفْسُدْ ، وَإِنْ تَحَلَّمْتَ أَوْ عَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ لَمْ تَفْسُدْ فِي قَرْلِهِمْ جَمِيعًا ) لَهَا أَنَّ صَلَاةَ الْمُتَقَدِّمِ بِنَاءً عَلَى صَلَاةِ الْإِمَامِ جَوَازٌ وَلَسَادًا وَلَمْ تَفْسُدْ صَلَاةُ الْإِمَامِ فَكَلَّا صَلَاتُهُ وَصَارَ كَالسَّلَامِ وَالْكَلَامِ .

وَلَمْ أَنَّ الْقَهَقَةَ مُفْسِدَةً لِلْجُزْءِ الَّذِي يَلَايِهِ مِنْ صَلَاةِ الْإِمَامِ لِقَوْلِهِمْ مَعَهُ مِنْ صَلَاةِ الْمُتَقَدِّمِ ، غَيْرَ أَنَّ الْإِمَامَ لَا يَتَحَاجُّ إِلَى الْبِنَاءِ وَالْمُسْبِقُ يَتَحَاجُّ إِلَيْهِ ، وَالْبِنَاءُ عَلَى الْقَائِدِ قَائِدٌ بِخِلَافِ السَّلَامِ لِأَنَّهُ مِنْهُ وَالْكَلَامُ فِي مَعْنَاهُ ، وَيَتَّصِفُ وَضوءُ الْإِمَامِ لَوْجُودِ الْقَهَقَةِ فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ .

ترجمہ:

اگر امام اول محدث نہیں ہوا اور وہ تشہد کی مقدار بیٹھا پھر اس نے قہقہہ لگایا یا عہد احمدت ہوا تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہوگی جس نے امام کی اول نماز نہ پائی۔ یہ امام اعظم کے نزدیک ہے۔  
 اور صاحبین نے کہا کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر اس نے کلام یا مسجد سے نکلا تو تمام کے قول کے مطابق اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جواز و فساد میں مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہوتی ہے اور جب امام کی نماز فاسد نہ ہوئی تو اسی طرح اس کی نماز بھی فاسد نہ ہوئی۔ لہذا یہ سلام و کلام کی طرح ہو گیا۔  
 اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ قہقہہ اس جز کو فاسد کرنے والا ہے جو امام کی نماز کے ساتھ ملا ہوا ہے پس اسی طرح مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی۔ کیونکہ امام بناء کا محتاج ہی نہیں رہا۔ اور مسبوق محتاج بناء ہے۔ اور جز فاسد پر بناء کرنا فاسد ہے بخلاف سلام کے کیونکہ وہ نماز کو پورا کرنے والا ہے اور کلام بھی اسی کے حکم میں ہے۔ قہقہہ کی وجہ سے امام کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ وہ حرمت نماز میں پایا گیا ہے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس عبارت میں لفظ ”الْإِمَامُ الْأَوَّلُ“ کا سوال ہے کیونکہ یہاں امام ثانی نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہاں خلیفہ بنانے کا کوئی مسئلہ ہے۔ بلکہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی امام نے مسبوقین اور بدرکین کو نماز پڑھائی۔ جب محل سلام کی طرف پہنچنے لگا تو اس نے قہقہہ لگایا یا اس نے عہد احمدت کیا تو سب کے نزدیک مسبوقین کی نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ ان کی نماز اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ جب تک وہ اپنی ایک رکعت قضاء امام کے حادث ہونے سے پہلے نہیں کر لیتے۔ کیونکہ اگر مسبوق کھڑا ہوا تو اس سے ترک واجب لازم آئے گا کیونکہ اس کیلئے حکم یہ ہے کہ امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ کھڑا ہو گیا تو اس پر مجدد ہوا لازم آئے گا۔ اب اس لئے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ امام نے جو حدث کیا وہ اس کے کھڑے ہونے کے بعد کیا ہے اور یہ شخص ترک واجب کی وجہ سے اپنی نماز میں مجد ہوا کا لزوم اور امام کی طرف سے آنے والے فساد کی حفاظت کرنے والا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۳۶۱، بیروت)

روک و بحدوس محدث لاحق ہونے کا حکم:

(وَمَنْ أَخَذَتْ لِي رُكُوعَهُ أَوْ سُجُودَهُ قَوْحًا وَبَنَى، وَلَا يَتَعَدَّ بِأَلْفِي أَخَذَتْ فِيهَا)، لِأَنَّ إِتِمَامَ الرُّكُوعِ بِإِلَاقِئَالٍ وَمَعَ الْاَحْذَرِ لَا يَتَحَقَّقُ قَلْبًا بَدَمِنَ الْإِعَادَةِ، وَلَوْ كَانَ إِسْمًا قَدَّمَ غَيْرَهُ دَامَ الْمُقَدَّمُ عَلَى الرُّكُوعِ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الْإِتِمَامُ بِإِلَاقِئَالَةٍ.

(وَلَوْ تَدَكَّرَ وَهُوَ رَاجِعٌ أَوْ مَسَاجِدَ أَنَّ عَلَيْهِ سَجْدَةٌ فَلَا تَحْطُ مِنْ رُكُوعِهِ أَوْ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ سُجُودِهِ)

لَمْ يُعِدْ أَحْزَاهُ (لان الصریب فی المال الصلوٰۃ لیس بشرط لَّانَ الْإِیْتِقَالَ مَعَ الطَّهَارَةِ شَرْطٌ وَقَدْ وَجَدَ  
وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ تَلَزَّمَتْ إِعَادَةُ الرُّكُوعِ لَّانَ الْقُوْمَةَ لَوْ حُضِرَتْ عِنْدَهُ.

ترجمہ:

اور جس شخص کو رکوع یا سجدے میں حدث لاحق ہوا تو وہ وضو کرے اور بناء کرے اور اس رکن کو شمار نہ کرے جس میں اس کو حدث لاحق ہوا ہے۔ کیونکہ رکن اس وقت پورا ہوتا ہے جب اس رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال ہو جائے۔ اور حدث کے ساتھ وہ ثابت نہیں ہوا لہذا اس کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر محدث امام ہو تو وہ دوسرے کو غلیفہ بنائے جو رکوع میں برابر رہے۔ کیونکہ تکمیل رکوع میں اس کیلئے دوام ممکن ہے۔

اگر نمازی کو رکوع و سجود کرنے کی حالت میں یاد آیا کہ اس پر سجدہ باقی ہے پس وہ رکوع سے اس کی طرف جھکا یا سجدے سے اس نے سر اٹھایا پس اس نے سجدہ کیا تو وہ رکوع و سجود کا اعادہ کرے گا۔ اور یہ بیان اولیت ہے۔ تاکہ افعال میں ترتیب بقدر امکان مکمل ہو۔ اور اگر اس نے رکوع و سجود کا اعادہ نہ کیا تو بھی کافی ہوگا۔ کیونکہ نماز کے افعال میں ترتیب شرط نہیں۔ جبکہ طہارت کے ساتھ انتقال شرط ہے جو پائی جا رہی ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک رکوع کا اعادہ لازم ہے کیونکہ ان کے نزدیک قیومہ فرض ہے۔

شرح:

علامہ ابن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہدایہ کے بعض نسخوں میں ”لا یعتد“ کی بجائے ”یُعید“ لکھا ہوا ہے۔ اور یہ دونوں مضمون معنی کیلئے قریب المعنی ہیں۔ کیونکہ عدم اعتداد اعادہ کو مستلزم ہے۔ کیونکہ رکن انتقال کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ اور انتقال حدث کے ساتھ تحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ قتل ہوتا بھی نماز کا جز ہے اور جز میں فساد قصد نماز ہے۔

(عتا یہ شرح الہدایہ ج ۲ ص ۱۲۲، بیروت)

امام اول محدث کا دوسرے امام کی اقتداء کرتا:

قَالَ ( وَمَنْ أَمَّ رَجُلًا وَاحِدًا فَاتَّخَذَتْ وَخْرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلَا مَأْتَمُومَ إِمَامَ تَوَى أَوْ لَمْ يَتَوَ ) لِمَا فِيهِ مِنْ

مِثَابَةِ الصَّلَاةِ، وَتَغْيِينِ الْأَوَّلِ لِقَطْعِ الْمُرَاحَمَةِ وَلَا مُرَاحَمَةَ خَافَتَا، وَتَغْيِينِ الْأَوَّلِ صَلَاتُهُ مُقْتَدِبًا بِالنَّاسِ  
كَمَا إِذَا اسْتَخْلَفَهُ حَقِيقَةً (وَلَوْ كَمْ يَكُنْ عِلْفُهُ إِلَّا صَبِيٌّ أَوْ امْرَأَةٌ لَبَلَّ تَفْسُدَ صَلَاتُهُ) لَا يَصِحُّ خِلَافٌ مَن لَّا  
يُصَلِّحُ لِلْإِمَامَةِ، وَلَبَلَّ لَا تَفْسُدُ لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ إِلَّا يَصِحُّ خِلَافٌ قَضَا وَهُوَ لَا يَصَلِّحُ لِلْإِمَامَةِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ:

اور جس شخص نے ایک ہی مرد کی امامت کرائی پھر امام محدث ہو گیا اور مسجد سے نکل گیا تو اب مقتدی ہی امام ہے۔ چاہے  
امام اول نے اس کی نیت کی یا نہ کی ہو۔ کیونکہ اسی میں نماز کی حفاظت ہے۔ امام اول کا معین کرنا اس لئے تھا تا کہ جھگڑا دور کیا  
جائے۔ اور یہاں ایک ہی مقتدی ہونے کی وجہ سے مراحمت ہی نہیں ہے۔ اور امام اول اپنی نماز کو دوسرے کی اقتداء کرتے  
ہوئے مکمل کرے۔ جس طرح حقیقی خلیفہ کرتا ہے۔ اور امام محدث کے پیچھے بیچے یا عورت کے سوا مقتدی ہی نہ ہو تو کہا گیا ہے  
کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا خلیفہ وہ بنا جو خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی نماز  
فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ بطور قصد خلیفہ پایا ہی نہیں گیا۔ اس لئے کہ وہ امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے  
والا ہے۔

شرح:

اس شخص کیلئے کوئی خلافت کی تعیین کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ خود ہی خلیفہ ہے اور خود ہی تابع و متبع ہونے کا حقدار  
بن گیا کیونکہ جب اس کا امام گیا تو اس کے بعد یہ اکیلا رہا ہے خواہ یہ خلیفہ بنے یا نہ بنے۔

### بَابُ مَا يَقْبَلُهُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا

﴿یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے نماز قاسد ہوتی ہے اور جو نماز میں مکروہ ہیں﴾  
فساد صلوٰۃ باب کی مطابقت کا بیان:

اس باب میں مصنف ان امور کا بیان کریں گے جن سے نماز قاسد ہو جاتی ہے اور جن سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ یہ نماز کے وہ عوارض ہیں جن سے نماز کے انقطاع کا یا کراہت کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ہم فصل فی الوضو میں بیان کر چکے ہیں کہ عوارض ہمیشہ موخر ہوا کرتے ہیں۔

نماز میں محدث ہو جانے تو کس طرح واپس جائے؟

حضرت سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز کے دوران حدث ہو جائے تو تاق تھاڑے واپس ہو جائے۔ دوسری سند سے یہی مروی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)  
نماز میں کلام کرنے کا بیان:

(وَمَنْ تَكَلَّمَ فِي صَلَاتِهِ عَامِيًا أَوْ سَاهِيًا بَطَلَتْ صَلَاتُهُ) عِلَالَةُ لِلْمُسْلِمِ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْعَمَلِ وَالنَّسَبِ، وَمَقْرُوعُهُ الْحَدِيثُ الْمَعْرُوفُ.

وَلَمَّا قُرِئَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِنْ صَلَاتَنَا هَذِهِ لَا تَصْلُحُ لَهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، وَإِنَّمَا هِيَ الْقَسْبُوحُ وَالْتَهْلِيلُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ) وَمَا زَوَّاهُ مَحْمُولٌ عَلَى وَفْقِ الْإِلَهِ.

بِحُكْمِ السَّلَامِ سَاهِيًا لِأَنَّهُ مِنَ الْأَذْكَارِ لِيُتَعَبَّرَ بِحُكْمِ الْإِلَهِ حَالَةَ النَّسَبِ وَكَلَامًا فِي حَالَةِ التَّعْمُّدِ لِمَا فِيهِ مِنْ كَلَامِ الْخَطِّابِ

ترجمہ

اور جس نے نماز میں جان بوجھ کر یا بھول کر کلام کیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ جبکہ اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ خطا اور لسان سے نماز باطل نہیں ہوتی اور ان کا استدلال وہ حدیث معروف ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک ہماری نماز لوگوں کے کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور بے شک یہ تواتر جمیل اور قرت قرآن ہے۔ اور ان کی روایت کردہ حدیث کو گناہ دور کرنے پر محمول کیا جائے گا۔

ہاں البتہ بھول کر سلام کرنے کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ بھی اذکار میں سے ہے لہذا اس کو حالت نماز میں ذکر اعتبار کر لیا جائے گا۔ اور حالت عمد میں کلام بھی کیونکہ اس میں کاف خطاب کا ہے۔

کلام کے مقدّم نماز ہونے میں اصل کا بیان:

ملائی تاری علی بن سلطان خنی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب کسی شخص نے نماز میں جواب دیا ہے تو اس کی اصل یہ ہے کہ کلام کی تین اقسام ہیں۔

(۱) جس کا عین اور معنی کلام تام نہ ہو بلکہ وہ ذکر ہو۔

(۲) جس کا عین کلام ہو اور اسی طرح اس کا معنی بھی کلام ہو۔

(۳) جس کا عین ذکر ہو اور معنی کلام ہو۔

جس کا عین اور معنی ذکر ہو وہ نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا وقوع غیر محل میں ہوا ہے۔ جس طرح وہ شخص جس نے رکوع و سجود میں قرأت کی یا جس نے تشہید میں قرأت کی تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ جبکہ اس نے ایسا بھول کر کیا ہو اور اگر کسی نے تورات و انجیل کی قرأت کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح بجز الراتق میں ہے۔

جس کا عین اور معنی دونوں کلام ہوں اس سے نماز فاسد ہو جائے گی خواہ یہ کلام قلیل ہو یا کثیر ہو اور اگر اس نے صرف ایک حرف پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح سراجیہ میں ہے۔

جس عین ذکر ہو اور معنی کلام ہو تو طرفین کے نزدیک وہ بھی نماز کو فاسد کرنے والا ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مصیبت کے وقت استرجاع یا سوال تو حید کے جواب میں "لا الہ الا اللہ یا خیر سنتے ہی "الحمد للہ" کہا اور اگر اس نے بطور اعلام ان کا قصد کیا تو وہ نماز میں ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر اس نے جواب کا ارادہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی بناء پر طرفین کے نزدیک بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(شرح الوکالیہ فی مسائل الہدایہ ج ۱، ص ۴۳۰، مکتبہ رشکاۃ الاسلامیہ)

قاعدہ فقہیہ:

ہر وہ کلام جو جواب میں واقع ہو وہ مقدّم صلوٰۃ ہوگا۔

نماز میں سلام کا جواب دینا صحیح ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سلام کا جواب دیتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد جب ہم نباشی کے ہاں سے واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے (حسب معمول) ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا جب آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز میں سلام کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے تھے آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کیوں نہیں دیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز خود ایک بڑا شغل ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ملک حبشہ کا بادشاہ ایک عیسائی تھا جس کا لقب نجاشی تھا چونکہ یہ ایک عالم تھا اس لیے جب توریت و انجیل کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی مہر حق ہونا معلوم ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لا کر اللہ کے اطاعت گزار بندوں میں شامل ہو گئے، جب ۹ھ میں ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت افسوس ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ہر ایک کھڑے ہو کر ان کے جنازے کی عاتبانہ نماز پڑھی۔ چونکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ عقیدت تھی اس لیے جب مسلمان مکہ میں کفار کے ہاتھوں بڑی اذیت ناک تکالیف میں مبتلا ہو گئے اور ان کی جانوں کے لالے پڑ گئے تو اکثر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان پر ان کے ملک کو ہجرت کر گئے انہوں نے اپنے ملک میں صحابہ کی آمد کو اپنے لیے دین و دنیا کی بہت بڑی سعادت سمجھ کر صحابہ کی بہت زیادہ خدمت کی اور ان کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے بعد میں جب صحابہ کو علم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جا چکے ہیں تو وہ بھی مدینہ چلے آئے۔

چنانچہ اسی وقت کا واقعہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرما رہے ہیں کہ حبشہ سے واپس آنے والے قافلے میں میں بھی شریک تھا جب ہم لوگ مدینہ پہنچ کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ہم نے حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے استفسار پر فرمایا کہ نماز خود ایک بہت بڑا شغل ہے یعنی نماز میں قرآن و تسبیحات اور دعا مانجاں پڑھنے کا شغل ہی اتنی اہمیت و عظمت کا حامل ہے کہ ایسی صورت میں کسی دوسرے آدمی سے سلام و کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے یا یہ کہ نمازی کا فرض ہے کہ نماز میں پورے انتہاک کے ساتھ مشغول رہے اور جو کچھ نماز میں پڑھے اس پر غور کرے اور نماز کے سوا کسی دوسری جانب خیال کو متوجہ نہ کرنے دے اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں کسی کے سلام کا جواب نہ دینا کسی سے گفتگو کا حرام ہے کیونکہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

سریا ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا مقصد نماز نہیں: شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی کسی کے سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارے سے دے یا اسی طرح کوئی آدمی نمازی سے کسی چیز کو طلب کرے اور وہ سریا ہاتھوں سے ہاں یا نہیں کا اشارہ کرے تو اس کی نماز فاسد تو نہیں البتہ مکروہ ہو جائے گی۔ (شرح منیۃ المصلی)



نماز میں رونے کا بیان:

(لَمَّا كَانَ فِيهَا أَوْ تَاوَهُ أَوْ بَكَى لَمْ يَنْتَفِعْ بِكَأْوِهِ، فَإِنْ كَانَ مِنْ دُخْرِ الْجَنَّةِ أَوْ النَّارِ لَمْ يَقْطَعْهَا) لِأَنَّهُ يَنْدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْخُشُوعِ (وَأِنْ كَانَ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ قَطَعَهَا) لِأَنَّ فِيهِ إِطْهَارَ الْجَرَحِ وَالنَّاسُفَ لَمَّا كَانَ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ. وَعَنْ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ قَوْلَهُ أَوْ لَا يُفْسِدُ فِي الْحَاكِنِ وَأَوْهُ يُفْسِدُ. وَقِيلَ الْأَصْلُ عِنْدَهُ أَنَّ الْكَلِمَةَ إِذَا اشْتَمَلَتْ عَلَى حَرْفَيْنِ وَمَا زَالِئَتَانِ أَوْ اخْتَصَمَتَا لَا تَفْسُدُ، وَإِنْ كَانَتَا أَصْلِيَّتَيْنِ تَفْسُدُ. وَحُرُوفُ الزَّوَالِدِ جَمْعُهَا فِي قَوْلِهِمُ الْيَوْمَ تَنْسَاهُ وَهَذَا لَا يَقْوَعُ لِأَنَّ كَلَامَ النَّاسِ فِي مُطَاعِهِمُ الْعُرْفُ يَتَّبِعُ وَجُودَ حُرُوفِ الْهَجَاءِ وَالْفَهَامِ الْمَعْنَى، وَيَتَّخِذُ ذَلِكَ فِي حُرُوفِ كُلِّهَا زَوَالِدًا.

ترجمہ

اور اگر اس نے نماز میں آہ دیکھا کہ حتیٰ کہ اس کا رونا بلند ہوا اگر تو وہ جنت یا دوزخ کی یاد میں رویا تو وہ اس کی نماز کو کاٹنے والا نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے خشوع کی زیادتی پر دلیل ہے۔ اور اگر وہ درد یا مصیبت کی وجہ سے رویا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی کیونکہ یہ جزع و الخسوس کا اظہار ہے۔ لہذا یہ لوگوں کے کلام سے ہو گیا۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک ”آہ“ دونوں حالتوں میں مفید نماز نہیں جبکہ ”آہ“ مفید نماز ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ان کے نزدیک اس میں اصل یہ ہے کہ کلمہ جب دو حرفوں پر مشتمل ہو خواہ وہ دونوں زائد ہوں یا ان میں سے ایک زائد ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر دونوں اصلی ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اہل لغت نے حروف زائد کو ”الْوَسْمُ تَنْسَاهُ“ میں جمع کیا ہے۔ اور یہ دلیل اس لئے قوی نہیں ہے کہ کلام الناس کا ہونا یہ اہل عرف کی اصطلاح کے تابع ہے۔ لہذا حروف ہجاء کے پائے جانے اور معنی سمجھنے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اور حالانکہ وہ سارے حروف زائد ہوتے ہیں۔

شرح:

حضرت مطرف کے والد (عبد اللہ بن الظہیر) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ رونے کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز ہوتی ہے۔ (سنن ابوداؤد)

نماز میں کھانسنے سے حکم نماز:

(وَإِنْ تَنَحَّضَ بِغَيْرِ عِلْمٍ بِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مَذْمُوعًا إِلَيْهِ) وَخَصَلَ بِهِ الْعُرُوفُ يَنْبَغِي أَنْ يُفْسِدَ عَنْهُمَا. وَإِنْ كَانَ يُغْلِي لَهَا عَفْوًا كَالْعَافِيَا) وَالْجَمْعُ إِذَا خَصَلَ بِهِ حُرُوفٌ. (وَمَنْ عَطَسَ لَقِيَ لَهْ أَوْ خَرَّ يَرْحَمُكُمُ اللَّهُ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ لَسَدَتْ صَلَاتُهُ) لِأَنَّهُ يَجْرِي فِي

مُعَاذَاتِ النَّاسِ لَكَانَ مِنْ كَلَامِهِمْ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ الْعَاطِسُ أَوْ السَّامِعُ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى مَا قَالُوا لِأَنَّهُ لَمْ يُعَاذَافَ جَوَابًا.

ترجمہ

اور اگر اس نے بغیر عذر کے کھانا اس طرح کہ وہ اس کو دفع نہ کر سکا ہو۔ اور اس کے کھانے سے ایسے حرف پیدا ہو جائیں تو مناسب یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک اس کی نماز قاسد ہو جائے گی۔ اور اگر عذر کے ساتھ ہے تو چھینک اور ڈکار کی طرح معاف ہے۔ جبکہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں۔

اور جس کو چھینک آئی تو دوسرے نمازی نے ”يَسُوْحَمُكَ اللَّهُ“ کہا تو اس کی نماز قاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا اجراء لوگوں کے خطابات میں جی رہی ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب چھینکنے والے نمازی یا سننے والے نمازی نے کہا ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ اس دلیل کی وجہ سے کہ یہ بطور جواب تعارف نہیں ہے۔

شرح:

حضرت رفاعة بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی نماز کے درمیان مجھے چھینک آگئی میں نے یہ کلمات حمد کہے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا سَجِيْرًا مُبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ سَمْنَا بِحَسْبِ زَيْتٍ وَ بَرْدٍ“ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے بہت زیادہ تعریف بہت پاکیزہ یعنی خالص با برکت اور برکت کی گئی جیسی (تعریف) کہ دوست رکھتا ہے ہمارا رب اور پسند کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکے تو (ہماری طرف) متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں باتیں کرنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کے خوف سے کوئی نہیں بولا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ یہی فرمایا جب بھی کوئی نہیں بولا جب تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تو رفاعہ نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے (میں نے دیکھا ہے) کہ تیس سے زیادہ فرشتے ان کلمات کو لے جانے میں جلدی کر رہے تھے کہ ان میں سے کون پہلے اس کو لے جائے۔ (جامع ترمذی، ابوداؤد، مشن نسائی)

ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں چھینکنے والے کے لئے حمد بیان کرنا جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ حمد دل میں کہے یا خلاف اولیٰ سے بچنے کی خاطر چھینک کے بعد سکوت اختیار کرے جیسا کہ شرح معنی میں مذکور ہے۔

غیر امام کو جب التماس دیا تو حکم نماز:

(وَإِنْ اسْتَفْتَحَ عَلَيْهِ فِي صَلَاتِهِ تَفْسُدُ) وَمَعْنَاهُ أَنْ يَفْتَحَ الْمُصَلِّي عَلَى غَيْرِ إِمَامِهِ لِأَنَّهُ تَعْلِيمٌ

وَتَعَلَّمْتُمْ لَكَانَ مِنْ جَنْسِ كَلَامِ النَّاسِ ، ثُمَّ حَرَّطَ التَّكْرَارَ لِي الْأَصْلَ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ كَيْفَ  
الْقَلِيلِ مِنْهُ ، وَلَمْ يَشْرُطْ لِي الْجَامِعَ الصَّغِيرَ لِأَنَّ الْكَلَامَ يَنْفَسُهُ قَاطِعٌ وَإِنْ قَلَّ .

ترجمہ:

اور اگر کسی نے لقمہ لینا چاہا اور نمازی نے اس کو لقمہ دیا تو اس کی نماز قاسد ہو جائے گی۔ مصنف کی اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ نمازی نے اپنے امام کے علاوہ کسی دوسرے امام کو لقمہ دیا ہو۔ کیونکہ سیکھنے کے حکم میں ہوگا۔ لہذا یہ کلام الناس سے شمار ہوگا۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے بسوط میں کلام کے تکرار کی شرط لازم کی ہے۔ کیونکہ یہ کام نماز کے کاموں میں سے نہیں ہے۔ لہذا اس کا قلیل معاف ہے اور جامع صغیر میں اس شرط کو بیان نہیں کیا۔ کیونکہ کلام خود ہی ذاتی طور پر مفسد نماز ہے۔ اگرچہ قصور اسی کیوں نہ ہو۔

شرح:

مذکورہ مسئلہ میں یہ واضح کہ غیر امام کو لقمہ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نماز کے افعال میں سے نہیں ہے۔ حالانکہ اگر کسی شخص نے اپنے امام کو بھی جواز نمازی مقدار قرأت کے بعد لقمہ دیا تو جائز نہیں ہے۔ جس طرح اپنے امام کو جواز نماز کی مقدار کے بعد لقمہ دینے کی ممانعت عدم ضرورت ہے یعنی فرض قرأت کر لینے کی وجہ سے اس کی نماز محفوظ ہے اسی طرح غیر امام کو لقمہ دینا بھی عدم ضرورت کی وجہ سے منع ہے کیونکہ اس کو لقمہ دینے میں نہ تو اس شخص کو نماز کی حفاظت ہے اور نہ ہی امام کی نماز کی حفاظت ہے۔ کیونکہ امام و مقتدی کے درمیان لقمہ دینے مشروعیت کی علت ہے کہ اس میں دونوں کی نمازوں کی حفاظت ہے۔ اور یہ علت یہاں پر مفقود ہے لہذا غیر امام کو لقمہ دینا ہرگز جائز نہیں۔ اگر لقمہ دیا اور اس نے لقمہ وصول کر لیا تو دونوں اقسام کے لوگوں کی نماز قاسد ہو جائے گی۔

مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینے کا بیان:

( وَإِنْ فَتَحَ عَلَى إِمَامِهِ لَمْ يَكُنْ تَكْلَامًا مُفْسِدًا ) اِنْخِصَّاسًا لِأَنَّهُ مُقْطَعٌ إِلَى إِصْلَاحِ صَلَاتِهِ لَكَانَ هَذَا مِنْ أَعْمَالِ صَلَاتِهِ مَعْنَى ( وَيَتَوَرَّى الْفَتْحُ عَلَى إِمَامِهِ ذَوْنُ الْفَرَاءَةِ ) هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ مَوْضِعٌ لَهُ ، وَلَفَرَاءُ ثُمَّ مَمْنُوعٌ عَنْهَا

( وَلَوْ كَانَ الْإِمَامُ انْتَقَلَ إِلَى آيَةِ أُخْرَى تَفْسَدُ صَلَاةُ الْفَاتِحِ وَتَفْسَدُ صَلَاةُ الْإِمَامِ ) لَوْ أَخَذَ بِقَوْلِهِ لَوْ جُودِ التَّلْفِيزِ وَالتَّلْفِيزُ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ وَيَتَوَرَّى لِلْمُقْتَدِي أَنْ لَا يَعْجَلَ بِالْفَتْحِ ، وَلِلْإِمَامِ أَنْ لَا يُجَنِّهَهُمْ إِلَيْهِ بَلْ يَرْجِعْ إِذَا جَاءَ أَوَّلُهُ أَوْ يَنْتَقِلَ إِلَى آيَةِ أُخْرَى .

ترجمہ

اور اگر مقتدی نے اپنے امام کو قلمہ دیا تو کلام مفید نماز نہ ہوگا۔ اور یہ دلیل استحسان کی وجہ سے ہے۔ اس لئے مقتدی تو اپنی نماز کو صحیح کرنے کی طرف مجبور ہو گیا ہے۔ لہذا یہ قلمہ دینا معنی کے اعتبار سے نماز کے افعال میں سے ہو گیا۔ اور مقتدی اپنے امام کو قلمہ دینے کی نیت کرے گا قرآن کی قرأت کی نیت نہ کرے۔ یہی صحیح روایت کے مطابق ہے۔ کیونکہ قلمہ دینا ایک ایسا حکم ہے جس کی اجازت خاص کی گئی ہے جبکہ قرأت قرآن سے منع کیا گیا ہے۔

اور اگر امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو اس صورت میں قلمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور امام نے اس کا قلمہ لیا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ مقتدی کی تلقین اور امام کا اس کو وصول کرنا بغیر کسی ضرورت کے ہے۔ اور مقتدی کیلئے طریقہ یہ ہے کہ وہ قلمہ دینے میں جلدی نہ کرے۔ اور امام کو بھی چاہیے کہ وہ قلمہ دینے پر مقتدیوں کو مجبور نہ کرے بلکہ وقت کے آجانے پر رکوع میں چلا جائے یا کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے۔

مفاسد نماز کے بیان میں احکام شرعیہ:

حضرت معاذیہ بن حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ (درمیان نماز) اچانک جماعت میں سے ایک آدمی کو چھینک آگئی میں نے (جواب میں) یرحمک اللہ کہا (یہ سن کر) لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا (کہ نماز میں چھینک کا جواب دیتے ہو) میں نے کہا کہ تمہاری ماں تمہیں گم کر دے تم لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہو لوگوں نے (میری گفتگو سن کر مجھے چپ کرانے اور اظہار تعجب کے لیے) اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے شروع کئے (جب) میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں (تو مجھے بہت غصہ آیا کیونکہ مجھے اس فعل کی برائی کا علم نہ تھا) لیکن میں خاموش رہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے (تو کیا کہوں) میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میں نے تو ایسا اچھا تعلیم دینے والا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا اللہ کی قسم انہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، اور نہ برا بھلا کہا، (ہاں اتنا) فرمایا کہ نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے، نماز تو تسبیح و تہلیل اور قرآن پڑھنے کا نام ہے یا آپ نے اس کی مانند کچھ اور فرمایا (یعنی راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی الفاظ فرمائے تھے یا اس کے مانند دوسرے الفاظ تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک نو مسلم ہوں (ابھی تک دین کے تمام احکام مجھے معلوم نہیں تھے ہاں) اب اللہ نے ہمیں اسلام کی دولت سے شرف فرمایا ہے، (تو دین کے تمام احکام یکے لوں گا پھر میں نے عرض کیا کہ) ہم میں سے بہت لوگ کانٹوں کے پاس جاتے ہیں (اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟) فرمایا تم ان کے پاس ہرگز نہ جایا کرو میں نے عرض کیا ہم میں سے بہت لوگ بدقالی (بھی) لیتے ہیں۔ فرمایا یہ ایک ایسی چیز ہے جسے وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں (یعنی یہ ان کا شخص وہم اور ذہن کی اختراع ہے جو کاموں کے نفع و نقصان میں کوئی اثر نہیں رکھتا) انہیں اپنے کام سے رکتا نہیں چاہئے معاذیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں میں نے پھر عرض کیا ہم میں سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں اور اس کے ذریعے وہ قیوب کی کچھ باتیں بتاتے ہیں) فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے لہذا جس آدمی کا خط کھینچنا اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہو وہ اس بات کو حاصل کر لیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

مؤلف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ لکھنے کی سخت مکتوب صحیح مسلم اور کتاب حمیدی میں اسی طرح دیکھا ہے (البتہ) صاحب جامع الاصول نے لفظ لکھنے کے اوپر لفظ کذا لکھ کر اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

و اشکل امیہ (یعنی تمہاری ماں تمہیں گم کرے) ان الفاظ کی تشریح پہلے بھی کسی موقع پر کی جا چکی ہے چنانچہ وہاں بتایا جا چکا ہے کہ اہل عرب کے ہاں یہ الفاظ ایسے موقع پر استعمال کئے جاتے تھے کہ مخاطب کی کوئی بات یا اس کا کوئی فعل قائل توجہ ہوتا تھا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں جھینکے والے نے الحمد للہ کہا ہو گا اس کے جواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یرحمک اللہ کہا۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں جھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا حرام ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اب اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مسند نماز نفل کا ارکاب کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز کو ٹانے کا حکم کیوں نہیں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ تو مسلم تھے اسلام قبول کئے ہوئے انہیں زیادہ دن نہیں گزرے تھے اس لیے انہیں معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ نماز میں گفتگو کرنا منسوخ ہو چکا ہے اب گفتگو کرنے سے نماز باطل ہو جاتا ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نواقض کی بناء پر انہیں نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی نماز میں یرحمک اللہ کہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں دوسرے آدمی کو خطاب کرنا پایا جاتا ہے اور اگر کوئی یرحمہ اللہ کہے تو نماز اس کی باطل نہیں ہوتی

حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ اگر کوئی اپنے نفس کے لیے یرحمک اللہ کہے تو نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ یرحمی اللہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (فتح القدیر باب الصلوٰۃ)

ارشاد نبوت اِنَّ هَذِهِ الصَّلٰوةُ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ (نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے) میں کلام الناس اس لیے فرمایا گیا ہے تاکہ اس حکم سے وہ قیوبات واذکار نفل جائیں جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں جو اگرچہ انسان کا کلام ہی ہیں لیکن ان سے انسان کو خطاب کرنے یا ان کو سمجھانے کا ارادہ نہیں ہوتا لہذا یہاں کلام الناس (انسان کی بات) سے مراد وہ کلام ہے جس میں لوگوں کو خطاب کیا گیا ہو یا خود مخاطب بننے کا ارادہ ہو۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی نمازی سے حالت نماز میں پوچھے کہ تمہارے پاس کیا اور کس قسم کا مال ہے؟ اور وہ نمازی جواب میں یہ آیت پڑھے (وَالَّذِينَ وَالِیَعَالِ وَالْحَمِیْمِ 16 - النحل 8) (گھوڑے، خیر اور گردھے) یا کسی نماز

پڑھنے والے کے آگے کوئی کتاب رکھی ہو اور ایک آدمی کبھی نامی سامنے کھڑا ہو اور اس آدمی کو خطاب کرنے کی نیت سے یہ آیت پڑھے (تَفْخِخْنِي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ) (19۔ مريم: 12)۔ (اے کبھی یہ کتاب لے لو) تو ان صورتوں میں نمازی نے اگرچہ قرآن کی آیتیں پڑھی ہیں لیکن یہ پڑھنا چونکہ ایک دوسرے آدمی کو خطاب کرنے کے ارادے سے ہے اس لیے نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہاں اگر خطاب کا ارادے نہ کرے بلکہ قرأت کے ارادے سے پڑھے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

کاہن کی تعریف :

عرب میں کاہن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو جنات شیاطین اور ارواح خبیثہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور شیاطین جمہونی سچی خبریں ان کو بتاتے تھے، اس طرح وہ لوگ علم غیب کا دعویٰ کر کے شیاطین و جنات کی پہنچائی ہوئی انجی باتوں کو غیب کی بات کہہ کر دوسرے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ ایسے لوگوں کے پاس جانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے چنانچہ ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی عراف یا کاہن کے پاس جائے اور ان کی بتائی ہوئی باتوں کو سچ جانے تو اس نے بیشک عمل علی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی چیز (یعنی قرآن) سے کفر کیا۔ اس روایت کو امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

عراف کے کہتے ہیں :

کاہن کی تعریف تو معلوم ہوگئی، اب یہ بھی جان لیجئے عراف کسے کہتے ہیں۔ عراف اس آدمی کو کہتے ہیں جو کسی عمل یا جادو و منتر کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت بیان کرتا ہے، چوری کی چیزوں کا پتہ بتاتا ہے اور مکان کی کسی گم شدہ چیز کا حال بتاتا ہے ان کے پاس بھی جانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

عمل رمل :

جس طرح جنات و شیاطین کے ذریعے یا علم نجوم کے ذریعہ غیب کی باتوں کا پتہ لگانے کی کچھ لوگ کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح رمل کے ذریعے بھی کچھ لوگ غیب کی باتوں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔

چنانچہ رمل اس علم کا نام ہے جس میں خط و کھنچ کر اور ان کے ذریعے حساب لگا کر پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حدیث کے الفاظ سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کے بارے میں ایک ایسا حکم بیان فرما دیا ہے جس سے کسی نہ کسی حد تک علم رمل کا جواز نکلا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

پہلے تو سمجھ لیجئے کہ وہ نبی جو علم رمل جانتے تھے اور خط کھینچتے تھے حضرت اور یس حضرت دانیال علیہما السلام تھے اس کے بعد حدیث کی طرف آئیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے علم رمل کا جواز نہیں ہوتا کیونکہ بقول خطابی یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلق بالمال کی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فَمَنْ وَفَّقَ خَطْبَهُ اِزْوَاجَ رَجُلٍ فَرَمَاہُ جَزَافًا ہے جس کا

مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کا خط کھینچنا اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کھینچنے کے موافق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ان نبی کا مجزہ تھا اور مجزہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک محدود رہتا ہے اور پھر یہ کہ اگر کوئی آدمی خط کھینچے اور کہے کہ یہ اس نبی کے خط کھینچنے اور کہے کہ یہ اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہے تو یہ غلط ہوگا اس لیے کہ خط کی موافقت صحیح طور پر تو اثر پائیس سے ثابت ہو سکتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں۔ لہذا ارشاد نبوت سے حاصل یہ نکلا کہ جب کسی رمال (علم دل جاننے والا) اور اس نبی کے خط میں موافقت نہیں ہو سکتی تو بھی عمل دل کا اختیار کرنا بھی درست نہیں۔

اسی طرح کہ دو اور سلسلے ہیں ان کا مدار حساب پر ہے جنہیں اصطلاحی طور پر عمل کعبہ اور عمل خرنج سے موسوم کیا جاتا ہے ان کے بارے میں بھی محققین علماء اور مشائخ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ اعمال بھی شرعاً جائز نہیں ہیں اور ان کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ آخر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کذا علامت صحت ہے یعنی اگر یہ ضرورت محسوس ہو کہ عبارت میں کسی ایسے لفظ پر کہ جس کے بارے میں عدم صحت کا گمان ہو گیا ہے کوئی ایسی علامت لگا دی جائے جس کے ذریعہ سے اس لفظ کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو اس موقع پر اس لفظ پر کذا لکھ دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ اسی طرح صحیح ہے، چونکہ اس حدیث کا لفظ کئی اصول میں ہے، مگر مصالح میں نہیں ہے، اس صورت میں یہ ممکن تھا کہ اس لفظ کے عدم صحت کا گمان ہو جاتا۔ اس لیے صاحب جامع الاصول نے اس لفظ پر کذا لکھ کر اس بات کی صحیح کر دی ہے کہ یہ لفظ اصول میں یوں ہی ہے اور یہ صحیح ہے۔

اگر نماز میں "لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے ساتھ جواب دیا تو حکم نماز:

(وَلَوْ اُتِیَ بِرَجُلٍ اَوْ رَجُلَیْنِ الصَّلَاةَ بِاِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ فَهَلْ ذَا کَلَامٍ مُّفْسِدٍ هُنْدَ اٰیِ حَیْثَ وَ مَحْمُودٌ وَ جَمْعُهُمَا اللّٰهُ ، وَ قَالَ اَبُو یُسُفٍ رَّحِمَۃُ اللّٰهِ : لَا یُکُوْنُ مُفْسِدًا ) وَ هَذَا الْیَعْلَافُ فِیْمَا اِذَا اُزَادَ بِوَجْوَانُہٗ .  
لَہٗ اَنۡہٗ تَنَاءٌ بِیَعْنِیۡہِ فَلَا یَتَغٰیۡرُ بِعَرَبِیَّتِہٖ ، وَلَہُمَا اَنۡہٗ اَخْرَجَ الْکَلَامَ مَخْرَجَ الْجَوَابِ وَ هُوَ یَخْتَلِیۡہُ فِیۡجَعْلُ جَوَابًا کَالْتَحْمِیۡمِۃِ وَ لَا یَسْتَرِجِعُ عَلٰی الْیَعْلَافِ فِی الصَّحِیۡحِ ( وَ اِنْ اُزَادَ اِغْلَاسَہٗ اَنۡہٗ فِی الصَّلَاةِ لَمْ تَفْسُدْ بِالْاِجْمَاعِ ) لِقَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ( اِذَا تَلَّثَ اَحَدُکُمْ نَائِیۡۃً فِی الصَّلَاةِ فَلَا یَسْتَحِبُّ )

ترجمہ

اگر نمازی نے نماز میں کسی کو "لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے ساتھ جواب دیا تو طرفین کے نزدیک یہ کلام مفسد نماز ہوگا۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: یہ کلام مفسد نماز نہ ہوگا۔ اور یہ اختلاف اس وقت ہے جب نمازی نے جواب کا ارادہ کیا ہو۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ثناء ہے لہذا اس سے نماز کا ارادہ تبدیل نہ ہوگا۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اسے جواب کے طور پر نکالا ہے۔ اور اس میں جواب کا احتمال بھی ہے لہذا اسے جواب ہی قرار دیں گے

جس طرح چھینک اور استرجاع کا جواب ہوتا ہے۔ اور صحیح روایت کے مطابق ان کا بھی یہی اختلافی سبب ہے۔ اور اگر اس نے اس سے یہ ارادہ کیا کہ وہ نماز میں ہے تو بے اتفاق نماز قاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تمہیں نماز میں کوئی واقعہ پیش آئے تو وہ تسبیح پڑھے۔

شرح:

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”أَدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ“ اور اس سے آپ ﷺ نے جواب کا ارادہ فرمایا ہے حالانکہ نماز قاسد نہیں ہوئی۔

شمس لامہ امام نسفی علیہ الرحمہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں قرأت مکمل ہو رہی تھی۔ لہذا اس کا حمل انتہائے قرأت ہے۔ اور قیاس کا بھی یہی قاضی ہے جس چیز سے اعلان کا ارادہ ہو اس سے نماز قاسد ہو جاتی ہے۔

(عنا یہ شرح الہدایہ ج ۲، ص ۱۳۱، بیروت)

ایک رکعت کے بعد دوسری نماز کو شروع کرنے کا حکم:

(وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ ثُمَّ اتَّخَذَ الْعَصْرَ أَوْ الْغَدُورَ لَقَدْ لَقِيَ الظُّهْرَ) لِأَنَّهُ صَحَّ شُرُوعُهُ فِي غَيْرِهِ لِمَعْنَوْجٍ عَنْهُ (وَلَوْ اتَّخَذَ الظُّهْرَ بَعْدَهَا صَلَّى مِنْهَا رَكْعَةً لَهَا هِيَ وَتَجَزَأُ بِبَيْتِكَ الرَّكْعَةُ) لِأَنَّهُ نَوَى الشُّرُوعَ فِي عَيْنِ مَا هُوَ لَهُ فَلَقِيَ رَكْعَتَهُ وَيَقِي الْمُنَوِّى عَلَى خَالِهِ

(وَإِذَا قَرَأَ الْإِسْمَ مِنَ الْمُصْحَفِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَلَقَالَ هِيَ تَأْتِي لِأَنَّهَا عِبَادَةُ النَّصَافِ إِلَى عِبَادَةِ الْغُورَى (إِلَّا أَنَّهُ يَكْذِبُ) لِأَنَّهُ تَشْبِيهُ بِصَنِيعِ أَهْلِ الْكِتَابِ .

وَلَا يَسِي عَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ عَمَلُ الْمُصْحَفِ وَالنَّكَرُ لَهُ وَتَقْلِيْبُ الْأَوْرَاقِ عَمَلٌ كَبِيرٌ، وَلَئِنَّ تَلَقُّنَ مِنْ الْمُصْحَفِ قَصَارَ كَمَا إِذَا تَلَقُّنَ مِنْ غَيْرِهِ، وَعَلَى هَذَا لَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَوْضُوعِ وَالْمَحْمُولِ، وَعَلَى الْأَوَّلِ يَفْتَوِيَانِ،

ترجمہ:

اور جس نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر اس نے نماز عصر شروع کی یا اس نے نفل شروع کیے تو اس کی ظہر کی نماز ٹوٹ گئی۔ اس لئے کہ جب اس نے ظہر کے غیر کو شروع کیا تو وہ ظہر سے خارج ہو گیا۔ اور اگر اس نے ظہر کی ایک رکعت کے بعد اسی ظہر کی نماز شروع کی تو اس کی وہی نماز ہوگی۔ کیونکہ اس نے اسی نماز کے شروع کرنے کی نیت کی ہے جس میں وہ خود موجود ہے۔ لہذا اس کی نیت لغو چلی جائے گی۔ اور نیت کردہ نماز باقی رہے گی۔



اور جب امام مصنف نے پڑھے تو امام اعظم کے نزدیک اس کی نماز قاسد ہو جائے گی جبکہ جامعین کے نزدیک اس کی نماز مکمل ہوگی۔ کیونکہ یہ ایک عبادت کا دوسری عبادت کے ساتھ مل جاتا ہے۔ لیکن یہ محروم ہے۔ کیونکہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ ہے۔ اور امام اعظم علیہ السلام کی دلیل یہ ہے کہ مصنف کا اٹھنا اور اس میں دیکھنا اور اس کے اوراق کو پلٹنا یہ عمل کثیر ہے اور سبب ہے کہ مصنف سے یکتا ایسا ہی ہے جس طرح کسی دوسرے شخص سے یکتا ہے۔ اور اسی دلیل کی بنیاد پر صل پر رکھے ہوئے اور اٹھائے ہوئے میں کوئی فرق نہیں۔ جبکہ پہلی صورت کے مطابق دونوں میں فرق ہے۔

حالت نماز میں قرآن اچھ میں پڑ کر قرأت کرنے کا حکم:

ابو عبد الرحمن رفتی ظاہر لکھتے ہیں۔ نماز کے دوران حالت قیام میں مصنف کو ہاتھ میں اٹھ کر نماز پڑھنے کا مسئلہ بظاہر بہت معرکہ آرا رہا ہے۔ بہت سے اہل مہربض موقوف روایات سے استدلال کر کے اس عمل کو جائز قرار دیتے ہیں، اور اس کے جزا میں ایک طویل مضمون اسکے جزا میں لکھا ہے جس میں انہوں نے موقوفات و مقطوعات کا سہارا لیا ہے اور موصوف کا خیال ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ اتفاقاً تک اسکے جزا پر اٹھتا ہے۔ جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ مصنف کو دوران نماز ہاتھ میں قاسم کسی موقوف روایت سے بھی ثابت نہیں ہے یا اسے ضرر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں کسی تابعی نے دوران نماز مصنف سے دیکھا ہے۔ لیکن حالت نماز میں مصنف اٹھنا وہاں بھی ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اور میں ممکن ہے کہ انہوں نے مصنف اپنے پیٹ سے قیام ہی، حال ہی، وقت ضرورت اس سے دیکھا ہو اور اہل علم کا عمومی بھی باطل ہے کیونکہ اس دور میں بھی اس امر کی حاکمیت نہ تھی۔ یہ بظاہر وہ وہی ہے۔

یعنی یہ مختلف موضوعات ہیں حالت نماز میں مصنف اٹھنا نہ جائز نہ۔ میں مصنف سے ملنا

اور دونوں ہی عمل صحیح نہیں ہیں، اس مضمون میں پہلے ہم ہر دو اہل ذہن کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ بعد موصوف نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان پر جبرور دیکھا جائے گا اور میرا کہنا ہے کہ وہ بعد موصوف اہل ذہن کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ خلاصہ نتیجہ پیش کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے عمل کو سیدہ اداکن بن جریج رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم وضع يده فليس على اليسرى (صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ باب وضع الیمنی علی یسری بعد بحیرۃ (401))

پھر آپ نے اپنا دائیں ہاتھ بائیں پر رکھا۔

اور حکم نقل کرتے ہوئے سیدہ اداکن بن جریج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كان يمسح يده بيمينه ثم يضع يده على اليسرى في الصلوة

لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہی اپنا دائیں ہاتھ بائیں پر رکھے۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان باب وضع الیمنی علی

الیسری فی الصلاۃ (740)

درج بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ: مصنف کو دوران نماز ہاتھ میں پکڑ کر قراءت کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور عمل کے مخالف ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔

حالت نماز میں مصنف سے دیکھ کر قراءت کرنا بھی منوع ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِصْبَاقِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَافٌ يَحْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ (صحیح بخاری کتاب الاذان باب الانقضاء فی الصلاۃ (751)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے دوران جھانکنے کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اپکنا ہے شیطان بندے کی نماز سے اسے اپکنا ہے۔ حدیث مذکورہ میں نمازی کو وقتاً فوقتاً ادھر ادھر جھانکنے سے منع کیا گیا ہے جبکہ مصنف سے دیکھ کر قراءت کرنا بالاقوال مسلسل مصنف کی جانب دیکھ رہا ہوتا ہے۔

فالمکین کے دلائل اور انکا جائزہ:

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں روایت ہے کہ ”کانت عائشہ یومها عندها ذکوان من المصحف“ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قلام ذکوان رحمہ اللہ انکی امامت قرآن مجید سے دیکھ کر کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 2/338 کتاب المصاحف، 797 سنن الکبریٰ للبیہقی (2/253)

۱۔ اس روایت میں مصنف کو ہاتھ میں تھامنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۲۔ نہ ہی اس دور میں مصنف اتنا چھوٹا تھا کہ اسے ہاتھ میں تھاما جاسکے۔ کیونکہ وہ چھ مصاحف جتنو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کر لوگوں کو ایک ہی قراءت پر جمع کیا تھا جن میں سے چار مصاحف مختلف علاقوں میں بھیج دیے گئے اور دو مصاحف مدینہ میں باقی رہے اور ایک مصنف قاضی ابوالنصر قصودہ (ملوکی حکومت کا آخری بادشاہ) کے مدرسہ میں اس قید کے پاس محفوظ تھا جسے اس نے مدرسہ کیساتے زویلہ نامی دروازے کے پاس بنوایا تھا اور وہیں اس نے آثار نبویہ کو جمع کیا تھا اور اس مصنف کی اس نے جلد بندی بھی کی اور اس پر لکھ دیا کہ یہ جلد مصنف عثمانی کی کتابت کے 874 سال بعد کی گئی ہے یعنی یہ 909ء میں جلد ہوا ہے اور پھر یہ وہیں پر تین صدیاں محفوظ رہا اور پھر اسکو 1305ء میں وہاں سے نکالا گیا اور اسکے بعد 1427ھ المکتبۃ المركزیہ لکھنؤ طاعت الاسلامیہ (مصر) نے اسکو سافٹ ویر کی شکل دے دی یہ مصنف 1087ء اور اقبال پر مشتمل ہے سائز 75\*67 سم ہے ہر صفحہ میں 12 سطریں ہیں بلندی 40 سم اور وزن 80 کلوگرام ہے۔ اور اسے وزنی اور اسے بڑے حجم کے مصنف کو ہاتھ میں تمام کر قیام کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ (سافٹ ویر کی صورت میں یہ مصنف دین خالص

ویب سائٹ پر موجود ہے

۳۔ اس دور میں مصحف سے دوران نماز قراءت کرنا طریقہ یہ تھا کہ مصحف کو سامنے یا پہلو میں رکھ لیا جاتا اور بوقت ضرورت اس سے دیکھ لیا جاتا جیسا کہ آگے آئے گا۔

۴۔ دونوں صورتوں یعنی مصحف سے دیکھ کر یا مصحف کو ہاتھ میں تھام کر دوران نماز قراءت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم عدم التفات اور وضع الیدین کے خلاف ہونے کی بناء پر ناقابل اعتبار ہے۔

۵۔ یہ موقوف روایت ہے جو دو کوئی نہیں ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف اور صرف وحی کی اتباع کرنے اور غیر وحی کی اتباع نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ (سورۃ الاعراف 3) لہذا یہ دین میں حجت نہیں ہے۔  
امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

کان محمد لا یری بأساً ان یوم الرجل القوم یقرأ فی المصحف امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ آدمی قوم کو امامت کروائے اور قراءت قرآن مجید سے دیکھ کر کرے۔ (مصحف ابن ابی شیبہ (2/337)

امام شعبہ رحمہ اللہ، امام حکم بن حنبلہ رحمہ اللہ سے اس بارہ میں روایت کرتے ہیں جو رمضان المبارک میں قرآن مجید کو ہاتھ میں پکڑ کر قراءت کرتا ہے آپ رحمہ اللہ اس میں رخصت دیتے تھے۔ (مصحف ابن ابی شیبہ (2/338)

۱۔ اس روایت کو پیش کرتے ہوئے "ادراج" سے کام لیا گیا ہے کیونکہ اس میں مصحف کو ہاتھ میں پکڑنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے الفاظ یوں ہیں

۲۔ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ الرَّحْلِ یَوْمَ قِي رَمَضَانَ یَقْرَأُ فِی الْمَصْحَفِ وَخَصَّ فِیْهِ . (مصحف ابن ابی شیبہ 2/338 ج (7296)

یعنی امام شعبہ رحمہ اللہ، امام حکم بن حنبلہ رحمہ اللہ سے اس بارہ میں روایت کرتے ہیں جو رمضان المبارک میں قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرتا ہے آپ رحمہ اللہ اس میں رخصت دیتے تھے۔

۳۔ باقی باتوں کا جواب پہلی دلیل کے جواب میں گزر چکا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ اور امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ نماز میں قرآن مجید پکڑ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مصحف ابن ابی شیبہ (2/338)

۱۔ حسب سابق اس میں بھی "ادراج" کیا گیا ہے اصل روایت کے الفاظ یوں ہیں:

عَنِ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ قَالَا لَا بَأْسَ بِهِ . (مصحف ابن ابی شیبہ 2/338 ج (7297)

حسن بصری اور محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔ یہ حرج کی نقلی کس بات سے کی جارہی ہے اس کا اس روایت میں ذکر نہیں اور اس کا اندازہ سابقہ روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔

جس میں مصنف سے دیکھ کر قراءت کا بیان ہے یا اس سے اگلی روایت سے حریص وضاحت ہو جاتی ہے کہ مصنف سے دیکھنا بھی وہ کب حرج نہیں سمجھتے۔ ملاحظہ ہو:

۳۔ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: لَا بَأْسَ أَنْ يَوْمَ فِي الْمَصْحَفِ إِذَا لَمْ يَجِدْ يَتْنِي مَنْ يَقْرَأُ طَائِعًا. (مصنف ابن ابی شیبہ: 2/338 ج 7299)

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی زبانی قرآن پڑھنے والا نہ ملے تو مصنف سے دیکھ کر امامت کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یعنی جب تک ایسا شخص موجود ہو جسکو قرآن یا قرآن کا کچھ حصہ زبانی یاد ہے اس وقت تک مصنف سے دیکھ کر امامت کروانے کی رخصت یہ صاحب بھی نہیں دیتے۔ خوب سمجھ لیں۔

۴۔ امام حسن بصری اور سعید بن المسیب سے اکیلے میں مصنف سے دیکھ کر قراءت کرنے کے بارہ میں مروی ہے:

عن سعيد والحسن أنهما قالَا: بغي الصلاة في رمضان: تردد ما معك من القرآن ولا تقرأ في المصحف إذا كان معك ما تقرأ به في ليلة المصاحف، 776، 775 ابن ابی شیبہ 2/339 کی سند صحیح ہے۔

سعید بن المسیب اور حسن بصری رحمہما اللہ دنوں قیام رمضان کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ جو قرآن آپکے یاد ہے اسے بار بار دہراتے رہو، اور مصنف سے دیکھ کر نہ پڑھو جب تک تمہیں اس قدر یاد ہو کہ تم ایک رات کا قیام کر سکو۔

۵۔ باقی تمام باتوں کا جواب پہلی دلیل کے جواب میں ہو چکا ہے۔

امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حالت نماز میں قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ 2/338)

۱۔ کیا کمال ہے کہ الفاظ سابقہ روایت اور اس روایت کے ایک ہی ہیں ملاحظہ فرمائیں: عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ. لیکن سابقہ روایت کا ترجمہ ذکر کرتے ہوئے "ہاتھ میں تھامنے" کا تذکرہ شاید معہود یعنی تھا۔

۲۔ ان باتوں کا جواب بھی پہلی دلیل کے جواب میں گزر چکا ہے۔

امام حنبل بن سعید الانصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا أَرَى بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الْمَصْحَفِ فِي رَمَضَانَ بَأْسًا

میں رمضان المبارک میں قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں خیال کرتا (کتاب المصاحف ج 805)

محمد بن عبد اللہ بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام زہری رحمہ اللہ سے قرآن مجید سے قراءت کر کے امامت کرانے کے بارہ میں پوچھا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: لِمَ يَزِلُّ النَّاسُ مِنْ ذَلِكَ الْإِسْلَامَ يَفْعَلُونَ ذَلِكَ (کتاب المصاحف ج

اسلام کے شروع سے لے کر ہر دور میں مسلمان ایسا کرتے آئے ہیں۔

۱۔ یہ امام زہری علیہ الرحمہ کا زعم ہے جو کہ باطل ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

۲۔ باقی جواب وہی ہے جو پہلی دلیل میں گزر چکا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے ایسے انسان کے بارہ میں پوچھا گیا جو رمضان میں قرآن مجید ہاتھ میں تمام کر امانت کراتا ہے تو

آپ نے فرمایا لا بأس بذلك وإذا اضطروا إلى ذلك (کتاب المصاحف ج 808)

مجبوری ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس روایت میں بھی حسب سابق "قرآن مجید ہاتھ میں تمام کر" کے الفاظ اپنی طرف سے اضافہ کیے گئے ہیں کیونکہ اس

روایت کی اصل عبارت یوں ہے: ابن زہب قال: سمعت مالكا ومنزل عن يوم الناس في رمضان في المصحف

؟ فقال: لا بأس بذلك إذا اضطروا إلى ذلك (المصاحف ج 808 دوسرا نسخہ 688)

ابن زہب فرماتے ہیں کہ امام مالک سے اس شخص کے بارہ میں سوال کیا گیا جو رمضان میں مصحف سے دیکھ کر امانت کرواتا

تو میں نے سنو اور فرماتے تھے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب وہ اس کام پر مجبور ہو جائیں تو (بطریق اولیٰ حرج نہیں)۔

امام ابو یوسف مختار فی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كان ابن سيرين يوصي بالمصحف إلى جنبه فإذا تردد نظره فيه

المصاحف ج 813 مصنف عبدالرزاق ج (3931)

امام ابن سیرین رحمہ اللہ جب نماز پڑھتے تو قرآن مجید انکے پہلو میں پڑا ہوتا، جب بھولتے تو اس سے دیکھ لیتے۔

۱۔ اس میں تو واضح ہوا کہ مصحف انکے ہاتھ میں نہ ہوتا تھا۔

۲۔ مصحف سے مسلسل دیکھنے کی دلیل اس میں بھی موجود نہیں ہے،

۳۔ مزید وضاحت ہو جاتی اگر کتاب المصاحف سے اسے قبل والی دو چار روایات نقل کر دی جاتیں تاکہ انکی نماز کی کیفیت مزید

واضح ہو جاتی وہ روایات درج ذیل ہیں:

رأيت ابن سيرين يوصي بالمصحف إلى جنبه فإذا تعابى في شيء أخذ فظفر فيه (المصاحف ج

809 دوسرا نسخہ 689)

میں نے ابن سیرین کو اُلٹی پالٹی (چوڑی) مار کر نماز پڑھتے دیکھا اور مصحف انکے پہلو میں تھا تو جب وہ بھولتے تو اس میں سے

دیکھ لیتے۔

كان محمد بن بشر المصنف فيضعه إلى جنبه فإذا شك نظره فيه وهو في صلاة التطوع (المصاحف ج

811 دوسرا نسخہ 691) واستاذ صحیح۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ مصحف کو کھول کر اپنے پہلو میں رکھ لیتے تو جب انگوٹھ ہوتا تو اس میں سے دیکھ لیتے اور یہ نقلی نماز کی بات ہے۔

یونس بن عیبد بن دینار العبیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دخلت علی ابن سیرین وهو یصلي قاعدة یقرأ فی مصحف وفي يده مروحة یتروح بها (المصنف ج 812 دوسرا نسخہ) 692

میں ابن سیرین کے پاس گیا اور وہ بیٹھ کر مصحف سے دیکھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور انکے ہاتھ میں پکھا تھا جس سے وہ ہوا لے رہے تھے۔

یعنی ابن سیرین بیٹھ کر نقلی نماز ادا فرماتے اور جس مقام سے تلاوت کرنا مقصود ہوتی مصحف کو اسی مقام سے کھول کر اپنے پہلو میں رکھ لیتے اور زبانی قراءت فرماتے اور جب کسی آیت کے بارہ میں شک پڑتا تو پھر مصحف سے دیکھ لیتے۔

امام ثابت البنانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: کان أنس بصلی وغلامہ یمسک المصحف خلفه فإذا تعابا فی آية فتح عليه (مصنف ابن ابی شیبہ، 2/338 السنن الکبری للبیہقی 3/212)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے۔ انکا غلام انکے پیچھے قرآن مجید پکڑ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ جب آپ کسی آیت پر رک جاتے تو وہ لقمہ دے دیتا تھا۔

۱۔ اس روایت کے ترجمہ میں بھی "کھڑا ہو جاتا تھا" کے الفاظ درج ہیں کیونکہ اسکی عبارت میں ایسے کوئی الفاظ نہیں ہیں جن سے غلام کا پیچھے کھڑا ہونا ثابت ہو۔

۲۔ اسی طرح اس روایت میں غلام کا معروف صلاۃ ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ غلام مصحف کو تمام کر پیچھے بیٹھا ہو اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو بوقت ضرورت لقمہ دے۔ اور ایسا تو آج کل بھی بعض مساجد میں ہوتا ہے۔ لہذا اس روایت سے استدلال باطل ہے کیونکہ اصول ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

۳۔ اگر یہ سب کچھ ثابت ہو بھی جائے تو بھی مردود ہے ان وجوہات کی بناء پر جو پہلی دلیل کے رد میں ذکر کی گئی ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دنا بعین رحمہم اللہ کا موقف:

گوکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دنا بعین عظام رحمہم اللہ کے اقوال و افعال دین ہمارا ہی و با اتفاق امت حجت نہیں ہیں لیکن صرف دعویٰ اجماع کی تلقین کھولنے کے لیے چند ایک پیش خدمت ہیں کیونکہ موصوف کا یہ زعم باطل ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے زمانے تک مصحف ہاتھ میں تھامنے یا مصحف سے دیکھ کر دوران نماز قراءت کرنے پر اجماع رہا ہے اور اختلاف بعد میں شروع ہوا۔

جس طرح کچھ صحابہ دنا بعین سے دوران نماز مصحف سے دیکھ کر قراءت کرنے کی رخصت مقبول ہے اسی طرح اسی طبقہ

سے اس کی کراہت و ممانعت بھی ماثور ہے۔

مثلاً: عن سويد بن حنظلہ رضی اللہ عنہ أنہ مر بقوم یومهم رجل فی المصحف فکفره ذلك فی رمضان ونحا المصحف أخرجه ابن أبي شیبہ فی المصنف - (7301) ط. عوالمہ 7224 ط. (الرشد)، وابن أبي داود فی المصنف (786)، 787 ط. البشائر الإسلامیة (وسند صحیح)

سیدنا سويد بن حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک قوم کے پاس سے گزرے، جنکو ایک شخص مصحف سے دیکھ کر امانت کروا رہا تھا تو آپ نے اسے تاپند فرمایا اور مصحف کو دور کر دیا، یہ رمضان کا واقعہ ہے۔

۲- عن محمّد أنه کان یکره أن یتشبهوا بأهل الکتاب یعنی أن یومهم فی المصحف المصاحف، 778 ابن أبي شیبہ، 2/124 مصنف عبدالرزاق (2/419)

مجاہد رحمہ اللہ مصحف سے امامت کروانے کو اہل کتاب سے مشابہت کی بناء پر تاپند فرماتے تھے۔

یہ حدیث حسن ہے اسکی ابن ابی شیبہ اور المصاحف والی سند میں لیث بن ابی سلیم شکلم فیہ ہے لیکن مصنف والی سند میں منصور بن المعتمر نے اسکی متابعت کر رکھی ہے جو کہ ثقہ ہے۔

اسی طرح کے اقوال حسن بصری، ابراہیم نخعی، حماد بن سلمہ، قتادہ بن دعامہ اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ (المصاحف، 789 ابن ابی شیبہ، 2/124 دوسرے نسخہ، 2/338 وسند حسن، مصنف ابن ابی شیبہ 3/339 المصاحف، 781 وسند صحیح، المصاحف 782 وسند صحیح)

اگر نماز نے لکھا ہو ابھی تو یہ حکم نماز:

وَلَوْ نَظَرُ إِلَى مَكْتُوبٍ وَلِهَيْمَةٌ فَالْصَّحِیحُ أَنَّهُ لَا تَقْسُدُ صَلَاتُهُ بِالْإِجْمَاعِ بِخِلَافِ مَا إِذَا خَلَفَ لَا يَقْرَأُ بِكِتَابٍ فَلَا يَنْتَهِی عَنْ قِرَائَتِهِ بِالنَّهْيِ عَنْهُ مِنْهُمُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَرَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُنَا لِكَ الْقَهْمُ، أَمَّا قَسَادُ الصَّلَاةِ فَبِالْفِعْلِ الْكَبِيرِ وَلَمْ يَرْجَعْ.

ترجمہ:

اور اگر نماز نے کتب کو دیکھا اور اس کو بھیجے تو یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ اجماع اس کی نماز قاسد نہ ہوگی۔ بخلاف اس کے کہ جب اس نے یہ قسم کھائی کہ وہ کتاب نہ پڑھے گا تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ صرف سمجھنے سے ہی حائل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ یہاں مقصود تو سمجھنا ہے اور جہاں تک نماز کی بات ہے تو وہ عمل کی طرح سے ہوتا ہے جو یہاں نہیں پایا گیا۔ نماز میں مصحف کو پڑھنے کے بارے میں فقہی احکام:

علامہ ملا علی قری علی بن سلطان خلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ نماز کی کا مصحف پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن

اس کی نماز قاسد نہ ہوگی کیونکہ قرأت بھی عبادت ہے۔ اور اس نے ایک عبادت کو دوسری عبادت کے ساتھ ملایا ہے۔ اور اس کی قرأت کی دلیل یہ ہے کہ یہ اہل کتاب کا عمل ہے۔ اور اس کو اٹھانا اور اس کے اوراق کو پلٹنا اور اس میں دیکھنا یہ عمل کثیر ہے۔ لہذا اگر اس نے اٹھایا نہیں تو مقصد نہیں ہے۔ (اگر عمل کثیر بن گیا تو نماز قاسد ہو جائے گی ہمارے ہاں عرف اہل شرع کا یہی ہے کہ نماز میں قرأت زبانی کی جاتی ہے۔ لہذا اگر کسی شخص نے دیکھ کر پڑھایا یا ہاتھ میں اٹھا کر پڑھا تو اسے نمازی نہ سمجھا جائے گا اور اس سے اس کی نماز قاسد ہو جائے گی۔) (ہذا ما عندی واللہ ورسولہ اعلم)۔

(شرح الوتائیہ فی مسائل الہدایہ، ج ۱، ص ۲۱۸، مکتبہ مشکاة الاسلامیہ)

اگر نمازی کے سامنے سے عورت گزرے تو حکم نماز:

(وَإِنْ مَرَّتُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ الْمُصَلِّيَ لَمْ تَجْعَلْ فَوْقَهُ الرَّكْعَةَ) يَقُولُ لَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يَنْقُطُ الصَّلَاةُ مَرُورَ فَتًى إِلَّا أَنْ الْمَارَّ أَتَمَّ) يَقُولُ لَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ .

(كُلُّ عِلْمٍ الْمَارَّ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ مِنَ الْوُزْرِ لَوْ قَفَّ أَنْ يَتِمَّ) وَإِلْسَامُ يَأْتِيكُمْ إِذَا مَرَّ بِكُمْ مَوْجِعُ سُجُودِهِ عَلَى مَا يَلِيلٌ وَلَا يَكُونُ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ وَتُعَادِي أَعْضَاءُ الْمَارِّ أَعْضَاءَهُ لَوْ تَحَانَ يُصَلِّي عَلَى الذَّكَانِ .

ترجمہ

اور اگر کسی نمازی کے سامنے سے عورت گزری تو اس کا یہ گزرنا نماز کو کاٹنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی چیز کا گزرنے کا نماز کو نہیں کاٹتا البتہ گزرنے والا گناہگار ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کے بجائے چالیس تک کھڑے رہنے کو بہتر خیال کرے۔ اور گناہگار اس وقت ہوگا جب وہ نجدے والی جگہ سے گزرے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی پردہ جب نہ ہو اور گزرنے والے کے اعضاء نمازی کے اعضاء کے مقابل ہو جائیں۔ اگرچہ وہ چوتھے پر بھی نماز پڑھتا ہو۔

نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کیلئے وعید کا بیان :-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامہ ارسلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کے بجائے چالیس تک کھڑے رہنے کو بہتر خیال کرے۔ (اس حدیث کے ایک راوی) حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال کہا گیا ہے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

حضرت امام محمد اوی نے مشکل الا تائیں فرمایا ہے کہ، یہاں چالیس سال مراد ہے نہ کہ چالیس مہینے یا چالیس دن۔ اور



انہوں نے یہ بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے ثابت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی جو اپنے بھائی کے آگے سے اس حال میں گزرتا ہے کہ وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے (یعنی نماز پڑھتا ہے) اور وہ (اس کا گناہ) جان لے تو اس کے لیے اپنی جگہ پر ایک سو برس تک کھڑے رہنا زیادہ بہتر سمجھے گا یہ نسبت اس کے کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔ (مشکل آثار، از امام طحاوی علیہ الرحمہ)

بہر حال ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے سے گزرنے بہت بڑا گناہ ہے جس کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کسی آدمی کو یہ معلوم ہو جائے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کا بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا کشتی خست ہے تو وہ چالیس برس یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق ایک سو برس تک اپنی جگہ پر مستحکم کھڑے رہنا زیادہ بہتر سمجھے گا یہ نسبت اس کے کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔

حضرت کشمیریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلے کے درمیان (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے) اس طرح پڑی رہتی تھی۔ جیسے جنازہ نمازیوں کے آگے رکھا ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

جنازہ کے کی مثال دے کر اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوتے تھے میں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی گوشے وغیرہ میں نہیں پڑی رہتی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پوری طرح لیٹی رہتی تھی اور اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہتے تھے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں نمازی کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

نمازی کے آگے سے گدی وغیرہ کا گزرنے کا نماز کو باطل نہیں کرتا:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن جب کہ میں بالغ ہونے کے قریب تھا گدھی پر بیٹھا ہوا آیا اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے) آگے کوئی دیوار نہیں تھی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سترہ نہیں کھینچا کر رکھا تھا) میں شخص صفوں کے سامنے سے گزرا، پھر گدھی سے اتر کر اسے چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا اور مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

اس واقعہ کو بیان کرنے سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بتانا مقصود ہے کہ نمازیوں کے آگے سے گدھی کے گزرنے سے نماز باطل نہیں ہوئی۔ اس وقت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ بالغ نہیں تھے اس لیے جب وہ نمازیوں کے آگے سے گزرے تو انہیں کسی نے روکا نہیں۔

میدان میں سترہ قائم کرنے کا بیان:

(وَيَنْبَغِي لِمَنْ يَصَلِّي فِي الصَّخْرَاءِ أَنْ يَتَّخِذَ أَمَامَهُ سُتْرَةً) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِذَا صَلَّى أَخَذَ كُمْ فِي الصَّخْرَاءِ فَلَيَجْعَلَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةً) (وَمَقْلَدُهَا ذِرَاعٌ قَصَاعِدًا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَتَجِزُّ أَخَذَ كُمْ إِذَا صَلَّى فِي الصَّخْرَاءِ أَنْ يَكُونَ أَمَامَهُ يَنْفِلُ مَوْخِرَةُ الرُّخْلِ) (وَلَيْلَ يَنْبَغِي أَنْ تَكُونَ فِي غِلْظِ الْأَصْبَحِ) لِأَنَّ مَا دُونَهُ لَا يَتَلَوُّ لِلنَّاسِ مِنْ بَعِيدٍ فَلَا يَخْصُلُ الْمَقْصُودُ (وَيَقْرُبُ مِنَ السُّتْرَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ صَلَّى إِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَتَذَنَّبْ مِنْهَا) (وَيَجْعَلُ السُّتْرَةَ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوْ عَلَى الْأَيْسَرِ) بِوَرْدَةِ الْأَثَرِ وَلَا يَتَأَسَّرُ بِتَوَكُّلِ السُّتْرَةِ إِذَا أَمِنَ الْمُرُورَ وَلَمْ يَوَاجِهْ الطَّرِيقَ .

ترجمہ:

اور جو آدمی صحراء میں نماز پڑھے اس کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے سامنے سترہ قائم کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص صحراء میں نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے سامنے سترہ بنائے۔ اور سترہ کی مقدار ایک گز یا اس سے زیادہ ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی نمازی جب صحراء میں عاجز آئے تو وہ اپنے سامنے مؤخرہ کی مثل کجاوے کو (سترہ بنائے)۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی موٹائی انگلی کی مقدار کے برابر ہو۔ کیونکہ اس سے کم موٹائی تو دیکھنے والے کو نظر ہی نہ آئے گی۔ جس کی وجہ سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔ اور نماز سترے کے قریب نماز پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص سترے کے ساتھ نماز پڑھے تو وہ سترے کے قریب رہے۔ اور وہ سترے کو اپنے دائیں یا بائیں حاجب کے سامنے بنائے۔ کیونکہ اثر اسی طرح وارد ہوا ہے۔ اور جب کسی کے گزرنے سے امن ہو تو سترہ کو ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ وہ راستے کے سامنے نہ ہو۔

احکام سترہ سے متعلق صاحب ہدایہ کی بیان کردہ احادیث کا بیان:

حضرت سیدنا ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو اور اس کے سامنے پالان کی جھجھلی لکڑی کے برابر کوئی شے ہو، تو وہ آڑ کے لئے کافی ہے۔ اگر اتنی بڑی (یا اس سے اونچی) کوئی شے اس کے سامنے نہ ہو اور گدھایا عورت یا سیاہ کتا سامنے سے گزر جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ میں نے کہا کہ اے ابو ذرؓ! یہ سیاہ کتنے کی کیا خصوصیت ہے اگر لال کتا ہو یا زرد ہو؟ انہوں نے کہا کہ اے میرے بھتیجے! میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے ایسے ہی پوچھا جیسے تو نے مجھ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: سیاہ کتا شیطان ہوتا ہے۔ (258: صحیح مسلم)

سترے کو قریب کھڑا کرنا چاہئے

حضرت بہن ابن حشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی سترے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ سترے کے قریب رہے تاکہ شیطان اس کی نماز نہ توڑے۔  
(سنن ابوداؤد)

سترے کے قریب رہنے کا مطلب یہ ہے کہ سترہ اتنا نزدیک کھڑا کیا جائے کہ عہدہ اس کے پاس ہو سکے تاکہ شیطان اس کی نماز میں کوئی غلط نہ ڈال سکے کیونکہ نمازی اگر سترے سے دور کھڑا ہوگا تو اس کے سامنے سے کسی کے گزرنے کا احتمال ہو گا۔ چنانچہ شیطان ایسی صورت میں اس کے دل میں دوساں و شہوات کے بیج بوئے گا جس سے حضوری قلب میں فرق آجائے گا۔ اور نماز میں حضوری قلب کی دولت میسر نہیں رہی تو گویا اس کی نماز ٹوٹ گئی اس لیے کہ نماز کا کمال اور ثواب بغیر حضوری قلب کے حاصل نہیں ہوتا لہذا سترے کے قریب کھڑا ہونے کی وجہ سے اس آفت سے حفاظت حاصل ہوگی۔  
سترہ پیشانی کے سامنے کھڑا نہیں کرنا چاہئے:

حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑی، ستون یا درخت کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے ہوں اور یہ چیزیں ٹھیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہوں بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایمی یا بائیں بھوؤں (امروں کے سامنے ہوتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سیدھ کا قصد نہ کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سترہ کھڑا کرتے تھے تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے تھے کہ سترہ پیشانی کے عین سامنے نہ ہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سترے کو دائیں یا بائیں بھوؤں کے سامنے کھڑا کرتے تھے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بت پرستی کی مشابہت نہ ہو۔

امام و مقتدی کیلئے احکام سترہ:

(وَسُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةٌ لِلْقَوْمِ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى بِطَحَاءٍ مَحْكَةً إِلَى عِزَّةٍ وَكَمْ يَكُنْ لِلْقَوْمِ سُتْرَةً (وَيُحْتَبَرُ الْفَرْزُ ذَوْنُ الْإِلْقَاءِ وَالْعَطْفِ) لِأَنَّ الْمَقْصُودَ لَا يَحْصُلُ بِهِ (وَيَذَرُ الْمَارَّ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ أَوْ مَرَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السُّتْرَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (افْرَوْا مَا اسْتَطَعْتُمْ) (وَيَذَرُ بِالْإِشَارَةِ) كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُولَدِي أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا (أَوْ يَذْفَعُ بِالنَّسِيحِ) لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قُلٍّ (وَيُخَوِّدُ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا) لِأَنَّ بِأَحْيَعِمَا كِفَايَةً.

ترجمہ

اور امام کا سترہ ہی قوم کا سترہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بطحا مکہ میں دار عسا کی طرف نماز پڑھی اور قوم کیلئے کوئی سترہ نہ تھا اور سترے میں گاڑ دینا معتبر ہے۔ ذوال دینا یا خط کھینچنا معتبر نہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ مقصود ہی حاصل نہیں ہوتا۔ اور سترہ نہ ہونے کی صورت میں نماز اس کو دور کرے۔ یا جب گزرنے والا نمازی اور سترے کے درمیان سے گزرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس قدر تم طاقت رکھتے ہو اسے دور کرو۔ اور وہ اشارے سے دور کرے جس طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹوں کو دور کیا تھا۔ یا اس کو تیغ کے ساتھ دور کرے۔ اسی روایت کی وجہ سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور ان دونوں کو تیغ کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کافی ہے۔

سترے اور نمازی کے درمیان سے گزرنے والے کو روکنے کا حکم:

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی کسی ایسی چیز (یعنی سترے) کی طرف نماز پڑھے جو اس کے اور لوگوں درمیان حائل رہے اور کوئی آدمی اس کے آگے سے (یعنی نمازی اور سترے کے درمیان) سے گزرنے کا ارادہ کرنے تو اسے روک دینا چاہئے اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دینا چاہئے کیونکہ وہ (ایسی صورت میں) شیطان ہے۔ (حدیث کے الفاظ صحیح البخاری کے ہیں اور مسلم نے اس روایت کو بالتحقیق نقل کیا ہے)۔

قتل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقۃً ایسے آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے بلکہ قتل سے مراد یہ ہے کہ چونکہ نمازی کے آگے سے گزرتا نہایت برا ہے اس لیے اگر کوئی آدمی نمازی کے آگے سے گزرتا چاہے تو اسے پوری طاقت و قوت کے ساتھ گزرنے سے روک کر اسے اتنی بڑی قلعی کے درکاب سے بچایا جائے۔

قاضی حیاض فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کو کسی ایسی چیز کے ذریعے روکا جائے جس کا استعمال اس روکنے کے سلسلے میں جائز ہو اور اس روک تھام میں اگر گزرنے والا آدمی مر جائے تو علماء کے نزدیک متفقہ طور پر اس کا قصاص نہیں ہوگا۔ ہاں دیت کے واجب ہونے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایسی شکل میں دیت واجب ہوگی اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ واجب نہیں ہوگی۔

حدیث میں ایسے آدمی کو شیطان کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے چونکہ اس آدمی کو بہکا کر اس غلط کام کو کرنے پر مجبور کیا لہذا وہ آدمی اس شیطانی کام کرنے کی بناء پر بخیر شیطان کے ہوا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا غلط کام کرنے والا آدمی انسانوں کا شیطان ہے اس لیے کہ شیطان کے معنی سرکش کے ہیں خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے ہو اسی لیے شریر انفس آدمی کو شیطان انس کہا جاتا ہے۔

ستر نماز کی محافظت کرتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت، گدھا اور کتا (نمازی کے آگے سے گزرنے کی صورت میں) نماز کو باطل کر دیتے ہیں اور کجاہ کی پچھلی کٹڑی کی مانند کسی چیز کو (نمازی کے آگے سے گزرا کر) رکھ لینا (نماز کے) اس باطل کر دینے کو بچا لیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

نمازی کے آگے سے گزرنے نماز کو باطل نہیں کرتا :

جمہور علمائے صحابہ و غیر ہم کا یہ مذہب ہے کہ کوئی چیز یا کوئی آدمی اگر نمازی کے آگے سے گزر جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی خواہ مذکورہ بالا تین چیزیں ہوں یا ان کے علاوہ کچھ اور ہوں۔ جہاں تک اس حدیث یا اسی طرح کی دوسری احادیث کا تعلق ہے سب دراصل نمازی کے سامنے سترہ کھڑا کرنے کی اہمیت اور تاکید بیان کرنے میں مبالغے کے طریقے پر ہیں۔ یا اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اگر نمازی کے آگے سے گزریں تو نماز میں خشوع و خضوع اور حضوری قلب کو کھو دیتی ہیں جو درحقیقت نماز کی اصل اور روح ہیں۔ یا پھر اس سے یہ مراد بھی لی جاسکتی ہے کہ نمازی کے آگے سے ان چیزوں کے گزرنے سے چونکہ نمازی کا دل ان کی طرف ہٹ جاتا ہے اور اس کا دل ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس لیے نماز بھی بطلان کے قریب پہنچ جاتی ہے۔

عورت، گدھے اور کتے کی تخصیص کی وجہ : حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے آگے سے صرف ان تین چیزوں کے گزرنے سے نماز پاش پڑ سکتا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر چیزوں کے گزرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان مذکورہ تین چیزوں کی تخصیص اسی لیے کی گئی ہے کہ ان کی طرف دل بہت زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے چنانچہ عورت کی حیثیت تو ظاہری ہے گدھے کا معاملہ بھی یہ ہے کہ گدھے کے ساتھ چونکہ اکثر و بیشتر شیاطین رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کے چپٹنے کے وقت اخوذ پڑنا مستحب ہے اس لیے جب گدھا نمازی کے آگے سے گزرے گا تو نمازی کا دل اس احساس کی بناء پر کہ اس کے ہمراہ شیاطین ہوں گے گدھے کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ یا ایسے ہی کتا نہ صرف یہ کہ نفس میں ہوتا ہے بلکہ اس سے تکلیف پہنچنے کا بھی خطرہ رہتا ہے اس لیے اس کے گزرنے کی صورت میں بھی ذہن پوری تیزی کے ساتھ اس کی طرف بٹک جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمادی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنا چاہے تو اپنے منہ کے سامنے کچھ (مثلاً دیوار و ستون وغیرہ) کر لے اور اگر کچھ نہ ملے تو اپنا عصا (ی) کھڑا کر لیا کرے اور اگر اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو ایک لکیر ہی کھینچ لیا کرے پھر اس کے آگے سے کوئی گزر جائے تو کچھ نقصان نہ ہوگا (یعنی شوش و خضوع میں غلط نہیں پڑے گا۔) (سنن ابوداؤد و سنن ابن ماجہ)

یہ حدیث اس بات کی اجازت دے رہی ہے کہ اگر کسی نمازی کو کوئی ایسی چیز دستیاب نہ ہو جو سترہ کے طور پر کام دے

کے تودہ اپنے عصا کو اپنے سامنے سترہ بنا کر کھڑا کر لے۔ اب اس سلسلہ میں اتنی اور سہولت دی گئی ہے کہ اگر زمین نرم ہو تو عصا کو زمین میں گاڑ دیا جائے اور اگر زمین سخت ہو کہ عصا کو گاڑنا مشکل ہو تو پھر اس شکل میں عصا کو گاڑنے کی بجائے اپنے سامنے طولا رکھ لیا جائے تاکہ گاڑنے کی مشابہت حاصل ہو جائے۔

فقدی کی کتاب شرح منہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنے عصا کو سترے کے طور پر بجائے زمین میں گاڑنے کے اپنے سامنے رکھ لے تو بعض علماء کے نزدیک تو اس کے لیے یہ سترے کے طور پر کافی ہو جائے گا۔ یعنی سترے کا حکم پورا ہو جائے گا مگر بعض علماء کے نزدیک یہ سترے کے طور پر کافی نہیں ہوگا۔

کفایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی سترے کے طور پر عصا کو بجائے گاڑنے کے سامنے رکھنا چاہے تو اسے عصا کو طولا رکھنا چاہئے نہ کہ عرضاً۔

سترے کے لیے کوئی بھی چیز موجود نہ ہونے کی شکل میں سامنے لکیر کھینچ لینے میں علماء کا اختلاف:

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہو رہی ہے کہ اگر کسی نمازی کو سترہ بنانے کے لیے کوئی چیز نہ ملے یہاں تک کہ اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو وہ اپنے سامنے صرف لکیر کھینچ کر نماز پڑھ لے اس کے لیے یہی لکیر سترہ بن جائے گی۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول قدیم اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہی ہے بلکہ حنفیہ میں بھی بعد کے بعض علماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

حنفیہ کے اکثر علماء اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک لکیر کھینچ لینا معتبر نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی قول جدید میں اپنے پہلے مسلک کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے وہ ضعیف اور مضطرب ہے۔ نیز یہ کہ نمازی اور سامنے سے گزرنے والے کے درمیان سترے کے طرز پر صرف لکیر کا حائل ہونا نہ صرف یہ کہ کوئی اعتبار نہیں رکھتا بلکہ دور سے معلوم و محیر بھی نہیں ہوتا۔ صاحب ہدایہ (رحمۃ اللہ) علیہ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ حضرت شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کا مفہوم بھی یہی ہے کہ لکیر کھینچنے کے بجائے سترہ کھڑا کرنا ہی اتباع سنت کی بناء پر اہل اہل اور بہتر ہے۔ کیونکہ سامنے کھڑا سترہ پوری طرح ظاہر ہونے کی وجہ سے امتیاز بھی رکھتا ہے اور نمازی کے دل کو تشنگ و شبہات سے نکال کر سکون خاطر اور اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے۔

اس کے بعد علماء نے وصف خط میں بھی اختلاف کیا ہے کہ لکیر کس طرح کھینچی جائے چنانچہ بعض علماء کے نزدیک لکیر بشل ہلال کھینچی جائے اور بعض حضرات نے جانب قبلہ طولا کھینچنے کو لکھا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لکیر عرضاً دائیں طرف سے بائیں طرف کو کھینچی جائے اور مختار طولا ہی کھینچا ہے۔

## فصل فی مکروہات الصلوٰۃ

﴿یہ فصل نماز سے باہر والے مکروہات کے بیان میں ہے﴾

مکروہات نماز والی فصل کی مطابقت کا بیان:

اس فصل سے پہلے مصنف نے حدیث فی الصلوٰۃ والی فصل کو ذکر کیا ہے۔ اور یہ احداث نقل ہیں۔ جبکہ نماز کے مکروہات ان کے مقابلے میں خفیف ہیں۔ حدیث نقل کو مقدم ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قاطع نماز ہے۔ جبکہ حدیث خفیف میں نماز مع الکراہت ہو جاتی ہے۔ لہذا نماز کے مفیدین کو پہلے ذکر کیا ہے تاکہ فساد نماز سے احتراز کیا جائے۔ جبکہ مکروہات کو بعد میں ذکر کیا کیونکہ ان پر وعید نقل ہے۔ اور ان کو بعد میں ذکر کرنے کی یہ وجہ بھی ہے کہ جو نماز مفید سے بچے اس میں کراہت پائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اگر اس میں مفید پایا گیا تو کراہت کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ نماز تو فاسد ہو چکی حکم کراہیت کی طرف جانے کا موقع ہی نہیں رہتا۔

نماز میں عیث کاموں کی کراہت کا بیان:

(وَمُكْرَهٌ لِلْمُصَلِّي أَنْ يَتَّخِذَ يَتْرُوبَهُ أَوْ يَجْسِدَهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ كَذِبًا، وَكَتَمًا مِنْهَا التَّكْتُ فِي الصَّلَاةِ) وَلَئِنْ التَّكْتُ خَارِجَ الصَّلَاةِ حَرَامٌ لَمَّا ظَنَنْتُ فِي الصَّلَاةِ (وَلَا يُقَلِّبُ الْقَبْصَ) لِأَنَّهُ نَوَاحٍ عَقَبَ (إِلَّا أَنْ لَا يُسْكِنَهُ مِنَ السُّجُودِ فَيَسُوهُ مَرَّةً وَاحِدَةً) (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَرَّةً بِأَنَّهُ ذَرَّ وَلَا فَلَزَّ) وَلَئِنْ فِيهِ إِصْلَاحٌ صَاحِبِهِ (وَلَا يُفَرِّقُ أَصَابِعَهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تُفَرِّقُ أَصَابِعَكَ وَأَنْتَ تَصَلِّي) (وَلَا يَتَخَصَّرُ) وَهُوَ وَضْعُ الْيَدِ عَلَى الْخَاصِرَةِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنِ الْإِغْيَاصِ فِي الصَّلَاةِ، وَلَئِنْ فِيهِ تَرَكَ الْوُضُوءِ الْمُسْنُونِ .

ترجمہ

اور نماز کی کیلئے اپنے کپڑے یا بدن سے کھینا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے۔ اور ان میں آپ ﷺ نے نماز میں عیث کو بھی ذکر کیا ہے۔ کیونکہ عیث نماز سے باہر حرام ہے تو تیرا نماز میں کیا خیال ہے۔

اور وہ نکھر یوں کو نہ ملے کیونکہ یہ بھی ایک عیث کام کی قسم ہے۔ لیکن جب اس کو سمجھ کر ناممکن نہ ہو تو وہ ایک مرتبہ اسے برابر کر دے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے ایسا یوں کر کر دے کہ اسے چھوڑ دو۔ کیونکہ اس کی میں نماز کی اصلاح ہے۔

اور وہ اپنی انگلیوں کو نہ چٹائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم انگلیوں کو نہ چٹاؤ جب تم حالت نماز میں ہو۔ اور تحضر بھی نہ کرے اور تحضر یہ ہے کہ ہاتھوں کو کھوکھ پر رکھنا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تحضر کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ترک سنت ہوتا ہے۔

**نماز میں کھینچنے کی ممانعت و کراہت کا بیان:**

عن یحییٰ بن کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسل عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: إِنْ أَلَلَّ تَعَالَى كِبَرُ لَحْمٍ سِنًا، أَلْعَبْتُ فِي الصَّلَاةِ وَالْمَنُ فِي الصَّدَقَةِ وَالرَّفَثُ فِي الصِّيَامِ، وَالْفِصْحُكَ عِنْدَ الْقُبُورِ، وَدُخُولُ الْمَسَاجِدِ وَأَنْتُمْ حُشْبٌ وَإِدْخَالُ الْعُيُونِ فِي الْبُيُوتِ بِغَيْرِ إِذْنٍ۔

(حاشیۃ الاتقان فی علوم القرآن الجامع الصغیر للسيوطی، السنن لسعید بن منصور)

حضرت یحییٰ بن کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسل روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے لئے چھ چیزیں ناپسند فرماتا ہے۔ نماز میں کھینچنا، صدقہ کر کے احسان جتنا، روزہ میں بخش گوئی کرنا، قبرستان میں ہنسا، مسجدوں میں حالت چٹابت میں داخل ہونا، بغیر اجازت کسی کے گھر میں نظر ڈالنا۔

**نماز میں تشبیک کی کراہت کا بیان:**

حضرت کعب ابن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اچھی طرح وضو کرے پھر نماز کا ارادہ کر کے مسجد کی طرف چلے (تو اسے چاہیے کہ راستے میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے کیونکہ وہ اس وقت سے گویا نماز میں ہے۔) (مشند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، ابوداؤد و ترمذی، نسائی، دارمی)

حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی وضو کرے تو اسے چاہئے کہ وہ وضو کی تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھے اور حضور قلب کے ساتھ وضو کرے تاکہ وضو پورے کمال اور حسن کے ساتھ ادا ہو۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جس قدر توجہ اور حضور قلب وضو میں حاصل ہوگا اسی قدر نماز میں خشوع و خضوع اور توجہ پیدا ہوگی۔

تشبیک کیا ہے؟ حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی وضو کے بعد نماز کے ارادے سے مسجد کی طرف چلے تو راستے میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر کھینچا نہ دے چلے کیونکہ جب وہ نماز کی نیت سے گھر سے نکلا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہے اور خشوع و خضوع کے معنائی ہونے کی وجہ سے تشبیک چونکہ نماز میں ممنوع ہے اس لیے نماز کے راستے میں بھی یہ ممنوع ہے اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جو چیز نماز میں ممنوع ہے وہ نماز کے لیے مسجد آتے ہوئے راستے میں بھی ممنوع ہوگی۔

اس حدیث سے اس بات پر حتمیہ مقصود ہے کہ بندے کو چاہئے کہ وہ نماز کے راستے میں حضور اور خشوع و ادب اور وقار کے



ساتھ چلے محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں ایک باب مسجد میں تشبیک کے موضوع پر قائم کیا ہے جس کے تحت انہوں نے دو حدیثیں نقل کی ہیں دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسجد میں انگلیوں کے درمیان تشبیک جائز ہے لہذا علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت شدہ ممانعت کا تعلق اس صورت میں ہے کہ جب کوئی آدمی انگلیوں کے درمیان تشبیک محض کھیل اور تفریح طبع کی خاطر کرے اور کوئی آدمی بطریق تمثیل کرے تو جائز ہے یا پھر صحیح البخاری کی روایت کردہ احادیث کی یہ توجیہ بھی کی جاسکتی ہے کہ ان احادیث کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ انگلیوں کے درمیان تشبیک کی ممانعت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

نماز میں کلام کرنا منع ہے:

حضرت سیدنا زید بن ارقم کہتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے، ہر شخص اپنے پاس والے سے نماز پڑھتے پڑھتے بات کرتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اللہ کے سامنے چپ چاپ (فرمانبردار ہو کر) کھڑے ہونا زل ہوئی تب سے ہمیں خاموش رہنے کا حکم ہوا اور بات کرنا منع ہو گیا۔ (صحیح مسلم، رقم ۳۳۳)

نماز میں اختصار کرنا منع ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں اختصار (یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا) دو چیزوں کے آرام لینے کی صورت ہے۔ (ابوداؤد)

سعید بن زیاد بن مسیح سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن عمر کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں نے اپنا ہاتھ کر پر رکھ لیا۔ جب نماز ہو چکی تو فرمایا یہ تو نماز میں حلب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ میدان حشر میں جب دو زنی کھڑے کھڑے بہت زیادہ تکلیف محسوس کریں گے تو وہ اپنے کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جائیں گے اور اس طرح وہ کچھ دیر کے لیے آرام اور سکون کی خواہش کریں گے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونے کو منع فرمایا ہے کہ دو چیزوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

دائیں بائیں گردن موڑنے کی کراہت کا بیان:

(وَلَا يَلْتَمِشْ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَوْ عَلِمَ الْمُصَلِّي مَنْ يَتَأَخَّرُ مَا لَطَمَتْ" (وَلَوْ نَظَرَ بِمُؤَخَّرِ عُنُقِهِ بَعْدَهُ وَيَسْرَهُ أَنْ يَلْوِي عُنُقَهُ لَا يُكْرَهُ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَلَا حِظَّ أَصْحَابَهُ فِي صَلَاتِهِ يَمُوقُ عُنُقَهُ۔

ترجمہ:

اور وہ نماز میں التفات نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کاش! نمازی یہ جان لیتا کہ وہ کس سے مناجات کر رہا ہے تو



مرا یہ ہے کہ نماز میں کوئی آدمی گردن گھما کر ادھر ادھر اس طرح دیکھے کہ نہ قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ ایسے آدمی کی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

اور اگر کوئی آدمی نماز میں ادھر ادھر اس طرح دیکھے کہ نہ کے ساتھ ساتھ سیدہ بھی قبلہ کی طرف بالکل پھر جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کن اکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنے سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ مکروہ ہوتی ہے البتہ یہ بھی خلاف اولیٰ ہے۔

نماز میں کتے کی طرح بیٹھنے کی کراہت کا بیان:

(وَلَا يُقْبَى وَلَا يَقْرَضُ ذِرَاعَيْهِ) (لِقَوْلِ نَبِيِّ كُرَاحِيَةِ اللَّهِ عَنْهُ: تَهْلِكُ خَلِيلِي عَنْ ثَلَاثٍ: أَنْ أَقْرَأَ نَفْسَ الذِّبْكَ، وَأَنْ أَلْبَسَ الْكَلْبَ، وَأَنْ أَقْرَضَ الْخِرَازِشَ الْفُضْلَ). وَأَنْ يَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ وَيَنْصَبَ رُكْبَتَيْهِ نَعْبًا هُوَ الصَّوْحُحُ.

ترجمہ

اور وہ اثناء نہ کرے اور اپنے بازوؤں کو نہ بچھائے۔ کیونکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میرے محبوب نے مجھے تین چیزوں سے منع کیا۔ (۱) یہ میں سرخ کی طرح چوڑے ماروں (۲) کتے کی طرح بیٹھوں (۳) لومڑی کی طرح ہاتھ بچھاؤں۔ اور اثناء یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں الٹین (ہٹ) کو زمین پر رکھے اور دونوں ٹخنوں کو کھڑا کر لے۔ یہی صحیح ہے۔ نماز میں اثناء کرنے کی ممانعت:

حضرت طاہس کہتے ہیں کہ ہم نے سیدنا ابن عباسؓ سے کہا کہ اثناء کی بیشک کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ سنت ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم تو اس بیشک کو آدمی پر (یا پاؤں پر) ستم سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ وہ تو تمہارے نبی ﷺ کی سنت ہے۔ اثناء یہ ہے کہ دونوں پاؤں کھڑے کر کے ایڑیوں پر بیٹھنا۔ (صحیح مسلم: 303)

نماز میں سلام کے جواب دینے کا بیان:

(وَلَا يُؤَدُّ السَّلَامَ بِالسَّيِّئَةِ) لِأَنَّهُ كَلَامٌ وَلَا يَبِيْهُ) لِأَنَّهُ سَلَامٌ مُعْنَى حَتَّى تَوْصَلَ بِرَبِّهِ السَّلَامُ لِنَفْسِهِ صَلَاحٌ

(وَلَا يَتَرَبَّعُ إِلَّا مِنْ غَيْرٍ) لِأَنَّهُ لِيُتْرَكَ مَنَاقِبُ الْقُدُوسِ وَلَا يَقْصُرُ حَقْرَةً) وَهُوَ أَنْ يَجْمَعَ حَقْرَةً عَلَى هَاضِمَةٍ وَشَدَّةٍ بِغَضَبٍ أَوْ بِصَغِيرٍ لِتَكْلِفِهِ، فَقَدْ رَوَى اللَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى أَنْ يُسَلِّىَ الرَّجُلُ وَهُوَ مُنْقَرِعٌ

ترجمہ

اور وہ اپنی زبان کے ساتھ سلام کا جواب نہ دے۔ کیونکہ یہ کلام ہے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے سلام کا جواب دے کیونکہ یہ کلام کے حکم میں ہے حتیٰ کہ اگر اس نے سلام کی نیت سے مصافحہ کر لیا تو اس کی نماز کا سبب ہو جائے گی۔

اور وہ بغیر غذر کے چار زانو ہو کر نہ بیٹھے۔ کیونکہ اس میں سنت قعود کا ترک کرنا آتا ہے۔ اور بالوں کا عقص نہ کرے۔ اور عقص یہ ہے کہ وہ اپنے بالوں کو پیشانی پر جمع کرتے ہوئے دھاگے کے ساتھ باندھے یا ان کو گوند سے چوڑا کرے۔ تاکہ وہ چپک جائیں۔ کیونکہ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معفوس کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

نماز میں سلام و کلام کا منوع ہونا ثابت ہے:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کو سلام کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ نماز میں ہوتے تھے اور آپ ﷺ ہمیں جواب بھی دے دیتا کرتے تھے۔ پھر جب ہم نمازشی (بادشاہ حبش) کے پاس سے لوٹ کر آئے تو ہم نے آپ ﷺ کو نماز میں سلام کیا تو آپ ﷺ نے ہمیں جواب نہ دیا اور نماز مکمل کرنے کے بعد فرمایا: نماز میں (اللہ کے ساتھ) مشغولیت ہوتی ہے۔ اس لیے نماز میں اور کسی طرف مشغول نہ ہونا چاہیے۔ (بخاری، رقم: ۶۲۴۰)

امام ابو داؤد علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ابتداء میں) ہم میں سے ایک آدمی اپنے برابر والے سے نماز میں (ضرورت کی) بات کر لیتا پس یہ آیت نازل ہوئی وَ قَوْمُوا لِلَّهِ قَانِیْنِ یعنی اللہ کے آگے خاموش کھڑے رہو پس اس طرح ہمیں سکوت کا حکم ہوا اور گفتگو کی ممانعت ہوئی۔ (سنن ابو داؤد)

حضرت سیدنا جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو نماز کے اختتام پر دائیں بائیں اسلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے۔ تو (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے ہو جیسے شریر گھوڑوں کی ڈیس بلی ہیں، تمہیں یہی کافی ہے کہ تم قعدہ میں اپنی رانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دائیں اور بائیں منہ موڑ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا کرو۔ (صحیح مسلم، رقم: ۳۱۱)

نماز میں سلام پھیرتے وقت جس طرح ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے سلام کرنا منع ہوا تو داخل نماز میں زبان سے یا اشارے سے سلام کرنا بدرجہ اولیٰ منع ہے۔

نماز کے مکروہات کا بیان:

امام ابو داؤد علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ظلم یا جہالت اور گنوار پن کی بات ہے کہ مرد نماز سے فارغ ہونے سے پہلے بار بار پیشانی کو بونچھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز میں اپنی انگلیاں مٹ چٹاؤ۔ (کہہ دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہو جیسے تم زبردستی قیام کر رہے ہو)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں منہ ڈھانپنے سے منع فرمایا۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صاحب کو نماز میں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھول (کرا لگ لگ کر) دیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جھانکی لے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے اور آواز نہ نکالے اس لئے کہ اس پر شیطان (خوش ہو کر) ہنستا ہے۔

حضرت عدی بن ثابت اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز میں تھوکتا، ریشٹ نکالنا، حیض اور نفاس شیطان کی طرف سے ہیں۔ (سنن ابوداؤد)

کف ثوب اور سدل ثوب کی ممانعت کا بیان:

(وَلَا يَمْسُكُ ثَوْبَهُ) لِأَنَّهُ نَوَعَ تَجَبُّرٍ (وَلَا يُسِيلُ قُوْنَهُ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَكُنْ عَنِ السَّلِيلِ ، وَهُوَ أَنْ يَجْعَلَ قُوْنَهُ عَلَى رَأْسِهِ وَيَحْتَبِيَهُ ثُمَّ يُرْسِلَ أَطْرَافَهُ مِنْ جَوَائِبِهِ

ترجمہ

اور وہ اپنے کپڑے کو فونڈ نہ کرے۔ کیونکہ یہ بھی تکبر کی قسم ہے اور نہ ہی اپنے کپڑے کو لٹکائے۔ کیونکہ سدل کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے اور سدل یہ ہے کہ اپنے کپڑے کو سر اور کندھوں پر ڈال کر اس کے کناروں کا اپنے اطراف میں لٹکا ہوا چھوڑ دے۔

کف شعر کے بارے میں دلائل شریعہ کا بیان:

یعنی نماز اس طرح پڑھنا کہ بالوں کا جوڑا بنایا ہو، اس سے بھی سر کا حلقہ نے منع فرمایا ہے۔ یہ متعدد روایات میں ہے کہ کف شعر نہ کیا جائے۔ ابوداؤد میں سند جید سے مروی ہے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ نماز اس حال میں پڑھ رہے ہیں کہ آپ نے اپنی زلفوں کا اپنی گردن پر جوڑا بنایا ہوا ہے، تو آپ نے جوڑا کھول دیا اور آپ (حضرت ابو رافع) نے فرمایا: میں نے سیدو عالم رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ وہ کفل الشیطان ہے۔ یعنی شیطان کا حصہ، یہ فرمایا، مقتد الشیطان ہے یعنی شیطان کے پیچھے کی جگہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا اس طرح پڑھنا نہایت ناپسندیدہ عمل اور

مکروہ ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن حارث کو اس حال میں نماز پڑھتے دیکھا کہ ان کے بال معقوص ہیں، (جوڑا بنایا ہوا) تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور ان کو کھونا شروع فرمایا اور ساتھ ہی ایک روایت سرکارِ اہل بیت علیہ السلام سے نقل فرمائی۔

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے حال میں نماز پڑھنا آپ کو ناپسند ہے۔ اس کے علاوہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث نے دلالت کی اس بات پر کہ اگر کسی نابالوں کا جوڑا بنا کر نماز ادا کی، تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔ آگے فرماتے ہیں: جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس طرح نماز پڑھنا منع ہے۔ چاہے نماز کے لئے ہی قصداً ایسا کیا ہو یا نماز سے پہلے کسی اور فرض کے لئے ایسا کیا گیا ہو۔ ہر حال میں اس طرح نماز ادا کرنا منع ہے۔ اور فرماتے ہیں: عقص کا معنی یہ ہے کہ سر کے وسط میں بالوں کو اکٹھا کر لیر جائے اور دھاگہ سے باندھا یا گوند سے چپکالیا جائے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کف شعر یعنی بالوں کو لپیٹ کر جوڑا بنا کر نماز پڑھنا واجب الاعداء ہے۔ تاہم علماء سے مکروہ تنزیہی کا بھی قول مروی ہے۔ بہر حال مطلقاً کراہت پر اتفاق ہے۔ آگے اختلاف کراہت تحریمی یا کراہت تنزیہی میں ہے۔ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اس حال میں جمدہ کر رہا ہے کہ اس کے بالوں کا جوڑا بنایا ہوا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: جوڑا کھول دے تاکہ بال بھی جمدہ کریں۔ (یہ تمام مضمون یعنی جمدہ نمبر 6 ص 91 پر درج ہے)۔

فتح اسہاری والے فرماتے ہیں کہ حضرت ابو رافع اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے مثل سے یہ مفہوم ملتا ہے کہ عین نماز کی حالت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جائز ہے کہ انہوں نے عملاً نماز کا جوڑا کھول دیا اور جوڑا بنانے سے منع فرمایا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ انہوں نے بھی نماز کی حالت میں تبلیغ فرمائی۔ آجکل فیشن کا دور ہے طرح طرح سے فشنی بال بنائے جاتے ہیں اور خلاف سنت انگریزی طرز پر بال رکھے جاتے ہیں۔ اس طرح کے بال بنا کر نماز میں منع ہے اور تقلید نصاریٰ سے ہے اور ایسی حالت میں نماز کا مکروہ ہونا واضح ہے۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ اکثر حضرات داڑھی منڈواتے یا کتراتے ہیں یہ بھی حرام ہے۔ ایک مشت یعنی چار انگلی کی مقدار داڑھی رکھنا واجب ہے۔ لیکن بعض حضرات کو ایسا کرتے بھی دیکھا ہے کہ داڑھی کو اتار دیتے ہیں لیکن داڑھی کے بال گرستے ہیں اور موزموز کر اس طرح بن لیتے ہیں کہ داڑھی چھوٹی معلوم ہو، یہ بھی سخت منع ہے اور کٹانے کے حکم میں داخل ہے اور اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

ہمارے بعض آئمہ بھی بہت کوتاہی کرتے ہیں، کچھ داڑھی کٹاتے ہیں اور کچھ داڑھی کو گرستے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ بالخصوص آئمہ حضرات کو اس کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ کف ثوب: لغوی معنی ہے کپڑا کا موڑنا اور جمدہ میں جاتے وقت اپنے کپڑے کو اوپر کی طرف کھینچتا ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے۔ جس طرح کف شعر کی ممانعت ہے ایسے ہی

کف ٹوب کی بھی ممانعت ہے۔ کف ٹوب میں تعیم ہے۔ خواہ نیچے کی جانب کپڑا گھر سا ہو یا پانچے کی جانب سے کپڑا لپٹا ہو یا کلائیوں پر کپڑا سمیٹا ہوا ہو۔ مطلق کف ٹوب ان سب صورتوں کو شامل ہے اور ان جیسی سب صورتیں منع اور مکروہ ہیں۔ بعض حضرات کا پاجامہ یا شلوار اتنی لمبی ہوتی ہے کہ ٹخنے کے نیچے تک جاتی ہے اور نماز پڑھتے وقت ٹخنوں کے اوپر کرنے کیلئے شلوار یا پاجامہ کو نیچے سے گھر کر لیتے ہیں یا پانچے کی جانب سے لپیٹ لیتے ہیں۔ یہ شدید مکروہ ہے۔ ٹھیک ہے ٹخنے کے نیچے تک کپڑا ہونا مکروہ ہے۔ لیکن یہ اس سے بھی زیادہ کراہت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ کھاتی لمبی شلوار وغیرہ سلوانی ہی نہ چاہیے کہ ٹخنے سے نیچے رہے کیونکہ یہ صرف نماز کی حالت میں ہی خرابی نہیں، بلکہ عام حالت میں بھی یہ ایسی ہی خرابی ہے۔ جتنی نماز کی حالت میں، کیونکہ جس حد بیٹ میں آپ نے منع فرمایا ہے وہ ہر حالت کو شامل ہے۔ خواہ نماز میں یا غیر نماز میں، پھر شلوار وغیرہ لمبی ہوتی ہے تو پھر یہ تکلفات کرنے پڑتے ہیں کبھی پانچے کی جانب سے کپڑا لپٹنا یا نیچے کی جانب سے کپڑا گھرنا اور کف ٹوب کرنا۔ جس سے سرکارِ مدعوہ لم نے منع فرمایا ہے۔ اس مذکورہ حدیث کے علاوہ بھی امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: مجھے کف ٹوب اور کف شعر سے منع فرمایا گیا اور ترمذی شریف میں بھی اس حدیث کی تخریج امام ترمذی نے فرمائی ہے اور یہ فرمایا: ہذا حدیث حسن صحیح۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں کف ٹوب چاہے نیچے کی جانب، چاہے ٹخنے کی جانب، چاہے کہلوں پر کپڑا لپٹنا سب صورتیں منع اور مکروہ ہیں اور فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے یہ کراہت تحریمی اور گناہ ہے۔

کف شعر کے متعلق اقوال فقہاء کرام:

در مختار میں ہے: کف ٹوب مکروہ ہے، یعنی کپڑے کا اٹھانا، اگرچہ کپڑا لمبی سے بچانے کیلئے کیا ہو جیسے آستین اور دامن کو موڑنا۔ اگر ایسی حالت میں نماز میں داخل ہوا کہ اس کی آستین یا اس کا دامن موڑا ہوا تھا اور اس قول سے اس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ نماز نا حالت نماز کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، خواہ نماز شروع کرنے سے پہلے یا دوران نماز ہو، سب صورتوں میں مکروہ ہے۔ (جلد 1 صفحہ 598) جو ہر نیزہ میں ہے: ولا یکف ٹوباً۔ اپنے کپڑے کو نہ موڑے اور کف ٹوب یہ ہے کہ سجدہ کرتے وقت اپنے سامنے سے یا پیچھے سے اپنا کپڑا اٹھانا اکثر نمازیوں کی عادت ہے کہ سجدہ میں چلتے وقت اپنا کپڑا دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھاتے ہیں یہ بھی کف ٹوب ہے اور یہ بھی شدید مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے: نمازی کیلئے کف ٹوب مکروہ ہے۔ (عموماً مطلقاً مکروہ بول کر فقہاء مکروہ تحریمی مراد لیتے ہیں)۔

علامہ شامی نے آستین پر کپڑا موڑنے کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے کہ نصف کلائی سے کم ہو تو نماز مکروہ تنزیہی ہوگی اور نصف کلائی یا اس سے اوپر تک آستین مڑی ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کف ٹوب تو دونوں





والے یہ گمان کریں کہ یہ شخص نماز سے خارج ہے تو اس کو گل گیر کہیں گے اور اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

جب امام کا سجدہ محراب میں ہو:

(وَلَا تَأْسَ بِأَنْ يَكُونَ مَقَامُ الْإِمَامِ فِي الْمَسْجِدِ وَسُجُودُهُ فِي الطَّاقِ، وَتُحْكِرُهُ أَنْ يَقُومَ فِي الطَّاقِ) لِأَنَّهُ نُسِبَةُ صَبِيحٍ أَقْبَلَ الْكِتَابَ مِنْ حَيْثُ تَغْصِصُ الْإِمَامُ بِالْمَكَانِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ سُجُودُهُ فِي الطَّاقِ (وَتُحْكِرُهُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ وَخَذَهُ عَلَى الدُّكَّانِ) لِمَا قُلْنَا (وَكَلَّا عَلَى الْقَلْبِ فِي ظَاهِرِ الرُّوَايَةِ) لِأَنَّهُ أَزْدَاءُ بِالْإِمَامِ (وَلَا تَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ إِلَى ظَهْرِ رَجُلٍ قَائِمٍ يَتَحَلَّثُ) لِأَنَّ ابْنَ عَمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا رَوَيْتَا أَنَّ يَسْقُوتُ بَنَافِعُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ (وَلَا تَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ مَصْحَفٌ مُعَلَّقٌ أَوْ سَيْفٌ مُعَلَّقٌ) لِأَنَّهُمَا لَا يُعْبَدَانِ، وَبِاخْتِيَارِهِ تَلَبُّثُ الْكِرَامَةِ.

ترجمہ:

اور جب امام مسجد میں ہو لیکن اس کا سجدہ محراب میں ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ یہ اہل کتاب کے عمل کے ساتھ تشبیہ ہے اس طرح کہ امام کا مکان خاص کیا جائے۔ بخلاف اس کے کہ جب اس کا سجدہ محراب میں ہو۔ اور امام کا اسیکے چپوترے پر کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے۔ جو ہم کہہ چکے ہیں۔ اور ظاہر الروایہ کے مطابق اس کا کس بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ اس طرح امام کی حقیر ہے۔

اور جو شخص باتیں کر رہا ہو اس کی چپڑی کی طرف نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے سفروں میں حضرت تابع رضی اللہ عنہ کا سرہ دالتے تھے۔

اور اگر آدمی کے سامنے صحیفہ یا کوارنگی ہوئی تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی لہذا اسی وجہ سے کرامت ثابت ہو جائے گی۔

شرح:

علامہ شامی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔ امام صاحب سے جو کچھ مروی ہے اس میں اصح یہ ہے کہ امام کا دو ستونوں کے درمیان یا مسجد کے کسی گوشے میں یا مسجد کی کسی ایک جانب یا کسی ستون کی طرف کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ یہ اہل سنت کے عمل کے خلاف ہے۔ اھ اور اس میں یہ بھی ہے کہ امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا سبقت سے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ محراب مساجد کے درمیان میں ہوتے ہیں اور یہ امام کے کھڑے ہونے کیلئے متعین ہوتے ہیں اھ اور تا تا خانہ میں ہے امام کا ضرورت کے بغیر محراب کے علاوہ کسی جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے اھ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر امام محراب چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کھڑا ہو گیا اگرچہ اس کا قیام وسط صف میں ہو تب بھی وہ مکروہ ہوگا کیونکہ یہ عمل اہل سنت کے خلاف ہے، اور یہ بات مقرر امام کے بارے میں ہے، اگر امام

مقرر نہیں یا تنہا نمازی ہے (تو پھر یہ پابندی نہیں) پس اس فائدہ کو قیسی جان۔

(ردالمحتار، باب ما یفسد الصلوۃ بمطبوۃ مصطفیٰ البابی مصر)  
سنت یہ ہے کہ امام مسجد کے وسط میں کھڑا ہو، اگر مثلاً اندر کی مسجد چھوٹی ہو اور باہر کی مسجد جنوب یا شمال کی طرف زیادہ وسیع ہو تو جب اندر پڑھائیں اُس حصہ کے وسط میں امام کھڑا ہو اور جب باہر پڑھائیں تو اس حصہ کے وسط میں خواہ وہ کسی در کے مقابل ہو یا سب دروں سے باہر ہو جائے۔

تصویر والے پتھر لے کر نماز پڑھنے کا بیان:

(وَلَا بُاسَ أَنْ مُمْصَلًى عَلَى سَاطِئِ فِيهِ تَصَاوِيرُ) لِأَنَّ فِيهِ اشْتِهَاءَ بِالصُّورِ (وَلَا يَسْجُدُ عَلَى التَّصَاوِيرِ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الصُّورَةِ، وَأُطْلِقَ الْكَرَاهَةُ فِي الْأَصْلِ لِأَنَّ الْمُصَلَّيَّ مُعْظَمٌ (وَالْمَكْرُوهُ أَنْ يَكُونَ لَوَاقٍ رَأْسِهِ فِي السَّقْفِ أَوْ يَمْنَنَ يَدَيْهِ أَوْ يَحْدِثَ تَصَاوِيرَ أَوْ صُورَةً مُعَلَّقَةً) لِتَحْدِثِ جَبَرِيلَ: إِنْ لَا تَدْخُلَ بَيْنَا فِيهِ كَلْبٌ أَوْ صُورَةٌ، وَلَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ صَغِيرَةً يَحْتَسِبُ لَا تَبْدُو لِلنَّاسِ وَلَا يَكْرَهُ لِأَنَّ الصَّمَارَ جَدًّا لَا يُعْبَدُ.

(وَإِذَا كَانَ الشَّمَالُ مَقْطُوعَ الرَّأْسِ) أَيْ مَمْحُوعَ الرَّأْسِ (فَلَيْسَ بِمَنْعَالٍ) لِأَنَّهُ لَا يُعْبَدُ بِذَوْنِ الرَّأْسِ وَصَارَ كَمَا إِذَا صَلَّى إِلَى شَمْعٍ أَوْ سِرَاجٍ عَلَى مَا قَالُوا.

(وَلَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ عَلَى وَسَادَةٍ مُلْقَاةٍ أَوْ عَلَى سَاطِئِ مَكْرُوهٍ لَا يَكْرَهُ) لِأَنَّهُ تَدَاوُسٌ وَتَوَطُّأٌ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ الْوَسَادَةُ مَنْصُوبَةً أَوْ كَانَتْ عَلَى الشَّعْرَةِ لِأَنَّهُ تَعْظِيمٌ لَهَا، وَأَخْلَعَا كَرَاهَةً أَنْ تَكُونَ أَمَامَ الْمُصَلِّي ثُمَّ مِنْ لَوَاقٍ رَأْسِهِ ثُمَّ عَلَى يَمِينِهِ ثُمَّ عَلَى شِمَالِهِ ثُمَّ خَلْفَهُ.

(وَلَوْ لَيْسَ تَوْبًا فِيهِ تَصَاوِيرُ يَكْرَهُ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ حَامِلَ الصَّنَمِ، وَالصَّلَاةُ جَائِزَةٌ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِأَنَّهُ يَحْتَمَلُ شَرَّ الْإِطْهَاءِ، وَتَعَادُ عَلَى وَجْهِ غَيْرِ مَكْرُوهٍ، وَهَذَا الْحُكْمُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ أَذِيتَ مَعَ الْكَرَاهَةِ وَلَا يَكْرَهُ بِمَنْعَالٍ غَيْرِ ذِي الرُّوحِ) لِأَنَّهُ لَا يُعْبَدُ

ترجمہ:

اور جس پتھر پر تصویریں بنی ہوئی ہوں اس پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے تصویروں کی ذلت و حقارت ہے۔ اور وہ تصویر پر مجبور نہ کرے کیونکہ یہ تصویر کی عبادت کے مشابہ ہوگا۔ جبکہ مسوط میں مطلقاً مکروہ لکھ ہے اس لئے جائے نماز تعظیم والی چیز ہے۔

اور نماز کے سر کے اوپر چھت میں یا اس کے سامنے یا اس کے دائیں یا بائیں یا محض تصویر کا رکنا مکروہ ہے۔ اس وجہ کی بناء پر

کہ حدیث جبرائیل ہے کہ ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویر ہو۔ اور اگر تصویر اتنی چھوٹی ہے کہ دیکھنے والے کو دیکھائی نہ دے تو مکروہ نہیں۔ کیونکہ بہت ہی چھوٹی چیزوں کی عبادت نہیں کی جاتی۔

اور ایسی تصاویر جن کا سر کتا ہو یا بھینس یا گھوڑا ہو تو وہ تصاویر بھی نہیں ہیں۔ اور وہ اس طرح ہو جائیں گیں جس طرح کسی نے موسم بقی یا چراغ کی طرف نماز پڑھی۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو مشائخ نے کہا ہے۔

اور اگر تصویر کسی رکھے ہوئے نیکے یا بچھونے پر ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نیکے اور بچھونا بچھائے جاتے ہیں بخلاف اس کے کہ جب نیکے لٹکا ہو یا تصویر پر دے پر ہو۔ کیونکہ اس میں تصویر کی تعظیم ہے اور سب سے زیادہ کراہت اس صورت میں ہے کہ جب کوئی تصویر نماز کے سامنے ہو۔ اس کے بعد نماز کی سر کے اوپر ہو اس کے بعد نماز کی دائیں یا بائیں پھر بائیں ہو اور پھر اس کے پیچھے ہو۔

اور ایسے کپڑے پہنے جس پر تصاویر ہوں تو مکروہ ہے اس لئے کہ یہ بیت اٹھانے والے کے مشابہ ہے۔ البتہ حکم صلوة ان تمام مکروہ صورتوں میں جائز ہے۔ کیونکہ اس میں تمام شرائط جمع ہیں۔ اور غیر مکروہ طریقہ پر نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ اور اسی طرح کا حکم ہر اس نماز کا ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ جبکہ غیر زنی روح چیز کی تصویر مکروہ نہیں کیونکہ اس کی عبادت نہیں کی جاتی۔

شرح:

حضرت سیدنا انسؓ کہتے ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک پردہ تھا کہ انھوں نے اس سے اپنے گھر کے ایک گوشے کو ڈھانپا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہمارے پاس سے اپنا یہ پردہ ہٹا دو اس لیے کہ نماز میں اس کی تصویریں برابر میرے سامنے آتی ہیں۔ (بخاری)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وَحَدَّثَنَا فِي الْأَضْمَلِ أَنَّ الْمُصَلِّيَ أَيُّ السَّحَابَةِ الَّتِي يُصَلِّي عَلَيْهَا مُعَظَّمُ فَوْضِعِ الصُّورَةِ فِيهِ تَنْظِيمٌ لَهَا خَيْسُهَا كَانَتْ مِنْهُ، بِحِلَافٍ وَضْعَهَا عَلَى الْبَسَاطِ الَّذِي لَمْ يُعَدَّ لِلصَّلَاةِ قَوْلُهُ وَيُكْرَهُ أَنْ تَكُونَ فَوْقَ رَأْسِهِ أَيُّ تَكْرَهُ الصَّلَاةَ وَفَوْقَ رَأْسِهِ الْبُخْ، فَلَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ خَلْفَهُ أَوْ تَحْتَ رِجْلَيْهِ فَفِي شَرْحِ عَنَابٍ لَا تَكْرَهُ الصَّلَاةَ. وَلَكِنْ تَكْرَهُ كَرَاهَةً خَفِلَ الصُّورَةُ فِي النَّيِّبِ لِلْحَدِيثِ (إِنَّ الْعَلَايِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْنَنَا فِيهِ كَلْبٌ أَوْ صُورَةٌ) وَإِلَّا أَنَّ هَذَا يَقْتَضِي كَرَاهَةً كَرَاهَةً فِي بَسَاطٍ مَقْرُوشٍ، وَعَدَمُ الْكَرَاهَةِ إِذَا كَانَتْ خَلْفَهُ وَصَرِيحٌ كَلَامِهِمْ فِي الْأَوَّلِ خِلَافَهُ.

وقوله وَأَشَدُّهَا كَرَاهَةً أَنْ تَكُونَ أَمَامَ الْمُصَلِّي إِلَى أَنْ قَالَ: لَمْ خَلْفَهُ يَقْتَضِي خِلَافَ النَّبِيِّ أَيْضًا، لَكِنْ قَدْ

يُقَالُ كَرَاهَةُ الصَّلَاةِ ثَبُتٌ بِاِغْتِيَارِ التَّشْيِيعِ بِعِبَادَةِ الْوَتَنِ وَلَيْسُوا يَسْتَدْبِرُونَهُ وَلَا يَطْلُونَهُ فِيهَا فَيَمَيَّا بَيْنَهُمْ مِمَّا ذَكَرْنَا مِنْ الْهَدَايَةِ نَظَرٌ.

وَقَدْ يُحْسَبُ بِأَنَّهُ لَا بُدَّ فِي ثُبُوتِهَا فِي الصَّلَاةِ بِاِغْتِيَارِ الْمَكَانِ كَمَا كُرِهَتْ الصَّلَاةُ فِي الْحِمَامِ عَلَى أَخْبِ التَّعْلِيلَيْنِ ، وَهُوَ كَوْنُهَا مَأْوَى الشَّيَاطِينِ ، وَهُوَ مُتَحَقِّقٌ هُنَا لِأَنَّ امْتِنَاعَ الْمَلَائِكَةِ .

(فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۳۲، بیروت)

نماز کے دوران میں سانپ اور بچھو کو مارنے کا حکم:

( وَلَا تَأْسَ بِقُلِّ الْحَيَاةِ وَالْعَرَبِ فِي الصَّلَاةِ ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ( اَقْلُوا الْأَسْوَدَيْنِ وَكُلُوا كُنْتُمْ فِي الصَّلَاةِ ) وَلَا تَبْ فِيهِ إِزَالَةُ الشَّغْلِ لِأَنَّهُ ذَرَأَ الْمَارِ وَنَسْتَوِي جَمِيعِ أَنْوَاعِ الْحَيَاةِ هُوَ الصَّبِيعُ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا .

ترجمہ

اور نماز میں سانپ اور بچھو کو مارنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو کالوں کا قتل کرو خواہ تم نماز میں ہو کیونکہ اس میں اشتکالیت کا الزام ہے۔ لہذا یہ گزرنے والے کو دفع کرنے کے مشابہ ہو گیا۔ اور سانپ کی تمام اقسام اسی حکم میں داخل ہیں۔ ہماری روایت کردہ حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے یہی صحیح ہے۔

دو کالوں کو مارنے کا حکم اور اس کا فقہی مضمون:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں دو کالوں یعنی سانپ اور بچھو کو مار ڈالو۔ احمد، ترمذی اور نسائی

ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے سانپ یا بچھو سامنے آجائے تو ان کو ایک چوٹ یا دو چوٹ کے ساتھ مارنا چاہیے اس سے زیادہ چوٹ نہ مارنی چاہیے کیونکہ یہ عمل کثیر ہو جائے گا جس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ شرح منیہ میں بعض مشائخ کا قول مذکور ہے کہ یہ (یعنی نماز میں سانپ یا بچھو مارنے کا حکم) اس صورت میں ہے جب کہ نماز کی کو بہت زیادہ یعنی تین قدم پہرے چلنا نہ پڑے اور نہ زیادہ مشغولیت ہو یعنی تین چوٹ پہرے مارنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اگر کوئی نمازی سانپ یا بچھو مارنے کی غرض سے پہرے چلنا نہ پڑے اور نہ زیادہ مشغولیت چلے گا یا پہرے چوٹیں مارے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اتنا زیادہ چلنا یا اتنی مقدار مشغولیت اختیار کرنا عمل کثیر ہے۔ سرخصی سے اسے بمسوط میں ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں یہ فرق نہ کیا جائے کہ تین قدم چلے سے یا تین چوٹیں مارنے سے نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ جس طرح حدیث پیش آجائے (یعنی وضو ٹوٹ جانے کی شکل میں زیادہ چلنے کی ہولت دی گئی ہے اسی طرح اس مسئلے میں بھی ہولت دی گئی ہے۔ لیکن تحقیق طور پر صحیح بات یہی ہے کہ تین قدم چلنے یا تین چوٹ مارنے سے نماز فاسد

ہو جاتی ہے۔

البتہ اتنی سہولت ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ سانپ یا کچھ نماز میں سامنے آ جائے اور اس کا مارنا ضروری ہو تو ایسی صورت میں ان کو مارنے کے لیے نماز توڑ دینا مباح ہے جیسا کہ کسی مظلوم کی فریاد سی یا کسی کو ڈوبنے اور ہلاکت سے بچانے کی خاطر نماز توڑ دینا مباح ہے یعنی اگر کسی کی چھت سے گر جانے یا آگ میں جل جانے یا کنویں وغیرہ میں ڈوب جانے کا قوی خطرہ ہو اور قریب ہی ایک آدمی نماز میں ہو تو اس نمازی کو چاہئے کہ نماز کو توڑ دے اور انہیں بچانے کی کوشش کرے یا اسی طرح کسی نمازی کو حالت نماز میں اپنی یا غیر کی کسی چیز کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو اور اس کی قیمت ایک درہم تک ہو تو اسے اس چیز کو بچانے کے لیے نماز توڑ دینا جائز ہے۔ اس حدیث سے بظاہر قویہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف کالے سانپ ہی کو مارا جا سکتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث میں کالے سانپ کی تخصیص محض تغلیبا کی گئی ہے چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ہر قسم کے سانپوں کو مارنا جائز ہے کالے سانپوں ہی کی تخصیص نہیں ہے۔

نماز میں تسبیحات کو شمار کرنے کا بیان:

(وَبُكْرَةُ عَدِّ النَّاسِ وَالْتَسْبِيحَاتِ بِأَلْفٍ فِي الصَّلَاةِ) وَتَحْدِيدُ عَدِّ السُّورَةِ لِأَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ أَهْمَالِ الصَّلَاةِ.

وَعَنْ أَبِي يُونُسَ وَمُحَمَّدٍ وَجَمْعِهِمَا اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا يَأْتِي بِذَلِكَ فِي الْقِرَائَةِ وَالنَّوَائِلِ جَمِيعًا مُرَافَعَةً لِسُنَّةِ الْقُرْآنِ وَالْعَمَلِ بِمَا جَاءَتْ بِهِ السُّنَّةُ فَلَمَّا بَيَّنَّاهُ أَنَّ بَعْدَ ذَلِكَ قَبْلَ الشَّرُوعِ فَوَسَّطَيْنِ عَنْ الْعَدِّ بَعْدَهُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ:

اور نماز میں آیات اور تسبیحات کو ہاتھ کے ساتھ شمار کرنا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح سورتوں کا شمار کرنا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ نماز کے کاموں میں سے نہیں ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے فرائض و نوافل میں قرأت مستنونہ کی رعایت اور اس حکم پر عمل ہوتا ہے جو سنت میں آیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نمازی کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ نماز کو شروع کرنے سے پہلے شمار کرے لہذا بعد میں شمار کرنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں۔ اور اللہ ہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

شرح:

نماز کے اندر ہاتھ کے ذریعہ تسبیحات کو شمار کرنا یا آیات کو شمار کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ شمار کرنا نماز کے کاموں میں سے نہیں ہے۔ اور جو فعل نماز کے افعال میں سے نہ ہو اگر وہ فساد تک پہنچنے نہ ہو تو وہ مکروہ ضرور ہوگا۔ لہذا اسی دلیل کے پیش نظر حکم کراہت ہی ثابت کیا جائے گا۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے کے باوجود نماز اپنی ہیئت مستنونہ پر جاری ہے۔ اور شمار کرنے میں نمازی کو تعدد اور تسلی بھی رہتی ہے لہذا اس میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں۔



کی طرح ہوں اسی بناء پر میں تم کو دین و ادب کی تعلیم دینا چاہوں پس جب تم بیت الخلاء میں جاؤ تو وہاں جا کر نہ تو قبلہ کی طرف رخ کرو اور نہ پشت، اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تین دھیلوں سے استنجاء کا حکم فرماتے تھے اور گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرنے کو منع فرماتے تھے۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت سیدنا ابویوبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم پاخانے کو جاؤ تو پیٹھ یا پاخانہ کرنے میں قبلہ کی طرف منہ نہ کرو، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔ (اس سے مراد ان علاقوں کے لوگ ہیں جن کا قبلہ شمال یا جنوب کی سمت ہو۔ جن کی سمت قبلہ مشرق یا مغرب میں ہے، وہ مشرق یا مغرب کی بجائے شمال یا جنوب کی منہ کریں گے) سیدنا ابویوبؓ نے کہا کہ پھر ہم شام کے ملک میں آئے اور دیکھا تو یثربین (بیت الخلاء) قبلہ کی طرف بنی ہوئی ہیں، ہم ان پر سے منہ پھیر لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، رقم ۱۰۹)

مسجد کی چھت پر دلی وغیرہ کی ممانعت کا بیان:

(وَتَكْسِرُهُ الْمُجَامَعَةُ لِقَوْلِ الْمَسْجِدِ وَالْبُؤُولِ وَالْتَعْلَى لَوْلَا سَطَحُ الْمَسْجِدِ لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَصِحَّ الْاِقْتِدَاءُ مِنْهُ بِمَنْ تَحْتَهُ، وَلَا يَطْلُ الْاِعْكَافُ بِالشُّعُودِ اِلَيْهِ، وَلَا يَحِلُّ لِلْجُنُبِ الْوُقُوفُ عَلَيْهِ) وَلَا تَأْسُ بِالْبُؤُولِ لِقَوْلِ نَبِيِّهِ (مَسْجِدٌ) وَالْمُؤَادَّ مَا أُعْذِلَ لِلْعَلَاةِ فِي الْبَيْتِ لِأَنَّهُ لَمْ يَأْعُدْ حُكْمُ الْمَسْجِدِ وَإِنْ لَكُنَّا اِلَيْهِ.

ترجمہ

مسجد کی چھت پر جماع کرنا اور پیٹھ یا پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ مسجد کی چھت بھی مسجد کا حکم رکھتی ہے اور مسجد کی چھت پر ہونے والے شخص کی مسجد کے نیچے والے شخص کی اقتداء کرنا صحیح ہے۔ اور چھت پر چڑھنے کی وجہ سے اعکاف باطل نہیں ہوتا۔ اور جنہی کیلئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہونا جائز نہیں۔

ایسے گھر کی چھت پر پیٹھ یا پاخانہ کرنے میں کوئی حرج نہیں جس میں مسجد ہو اور یہاں مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو اس نے گھر میں نماز کیلئے مقرر کر رکھی ہے۔ کیونکہ اس جگہ نے مسجد کا حکم نہیں لیا ہے اگرچہ عیس گھروں میں مسجدیں بنانے کی ترغیب دی گئی ہے شرح:

وَلَا تَبَاشِرُوهُمْ وَأَنْتُمْ عَلَيْكُمْ فِي الْمَسْجِدِ (البقرہ، ۱۸۷)

اور تم عورتوں سے مباشرت نہ کرو اور جب تم مساجد میں حالت اعکاف میں ہو۔

اعکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو این عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعکاف میں بیٹھا ہو خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں اس پر دن کے وقت یا رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے جب تک

اعتکاف پورا نہ ہو جائے حضرت ضحاک فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر جماع حرام کیا گیا مجاہد اور قتادہ بھی یہی کہتے ہیں پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب یا خانہ کے لئے یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے یوس و کنار وغیرہ جائز ہے نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لئے جائز ہے بلکہ بیماری یا رپری کے لئے بھی جائز نہیں۔

مساجد کے دروازوں کو بند کرنے کے حکم وجود علت و معدوم علت کا بیان:

(وَيُحْذَرُ أَنْ يُغْلَقَ بَابُ الْمَسْجِدِ) : لِأَنَّهُ يُغْلِقُ الْمَنْعَ مِنَ الصَّلَاةِ ، وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا بَعِثَ عَلَى مَسَاجِدِ الْمَسْجِدِ فِي غَيْرِ أَوَانِ الصَّلَاةِ (وَلَا بَأْسَ أَنْ يُنْقَضَ الْمَسْجِدُ بِالْجِصِّ وَالسَّاجِ وَمَاءِ اللَّغَبِ) وَقَوْلُهُ لَا بَأْسَ يُشِيرُ إِلَى أَنَّهُ لَا يُؤْجَرُ عَلَيْهِ لِكُنْهَ لَا يَأْتُمُ بِهِ ، وَقِيلَ هُوَ قُرْبَةٌ وَقَدْ إِذَا فَعَلَ مِنْ مَالٍ نَفْسِهِ ، أَمَّا الْمُتَوَلَّى فَيَفْعَلُ مِنْ مَالٍ الْوَلَفِ مَا يَرْجِعُ إِلَى إِحْكَامِ الْبَنَاءِ دُونَ مَا يَرْجِعُ إِلَى النَّفْسِ حَتَّى لَوْ فَعَلَ بِضَمٍّ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ:

اور مسجد کے دروازے کو بند کرنا مکروہ ہے کیونکہ نماز سے روکنے کے ساتھ مشتبه ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب مسجد کے سامان کے چوری ہونے کا خوف ہو تو سوائے نمازوں کے اوقات کے بند کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مسجد کے نقش کجی، سال کی ٹکڑی اور سونے کے پانی کے ساتھ سجانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ ”لا باس“ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نقش و نگار بنانے والے کو کوئی اجرت نہیں دی جائے گی۔ مکروہ اس کی وجہ سے گناہگار بھی نہیں ہوگا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ عبادت اس وقت ہے جب اس نے اپنے ذاتی مال سے ایسا کیا ہو۔ جبکہ متولی کے پاس وقت کامل ہوتا ہے اور وہ صرف مسجد کی عمارت کی مضبوطی کیلئے کام کرے گا اور اس کے نقش و نگار کیلئے کام نہیں کر سکتا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ ضامن ہوگا۔ اللہ ہی سب سے زیادہ صحیح کو جاننے والا ہے۔

دور حاضر میں مساجد کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم:

مساجد میں موجود سامان کی حفاظت کیلئے مساجد کے دروازوں کو بند کرنا جائز ہے۔ جبکہ بعض مساجد سے چیزیں چوری ہو جاتی ہیں۔ جس کے بارے میں بتاتے ہیں کہ بعض لوگ عقل سے عاری ہوتے ہیں اور انہیں چیزیں اٹھانے کی عادت ہوتی ہے جس طرح چاگی، نشئی وغیرہ ہوتے ہیں۔ لہذا مساجد کے سامان کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ اس لئے نمازوں کے اوقات کے علاوہ رات کو دن کے کچھ حصوں میں اگر دروازوں کو بند رکھا جائے تو جائز ہے۔



دور حاضر میں امت مسلمہ کو خارجی فتنے کا بھی سامنا ہے جو مساجد میں خود کش دھماکے کر دیتے ہیں۔ اس لئے ان کے فتنے سے بچنے کیلئے بھی مساجد کے دروازوں کو بند کرنا جائز ہے۔

مسجد حرام کے دروازے کو تالا لگانے اور کھولنے کا بیان:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے (اور مکہ فتح ہوا) تو آپ نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا دیا۔ (جو کعبہ کے ستولی، چابی بردار تھے) انھوں نے دروازہ کھولا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، بلال، اسلمہ بن زید اور عثمان بن طلحہ چاروں اندر تشریف لے گئے۔ پھر دروازہ بند کر دیا گیا اور وہاں تھوڑی دیر تک ٹھہر کر باہر آئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر بلال سے پوچھا کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر کیا کیا) انھوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر نماز پڑھی تھی۔ میں نے پوچھا کس جگہ؟ کہا کہ دونوں ستونوں کے درمیان۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ پوچھنا مجھے یاد نہ رہا کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۳۶۸)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَتَّعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں دوسرا یہ کہ اس سے مراد مشرکین ہیں نصرانی بھی بیت المقدس کی مسجد میں پلیدی ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے، بخت نصر نے جب بیت المقدس کی بربادی کے لئے چڑھائی کی تھی تو ان نصرا نیوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اور مذمتی تھی، بخت نصر بابل کا رہنے والا جو ہی تھا اور یہودیوں کی دشمنی پر نصرا نیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا اور اس لئے بھی کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تھا اور مشرکین نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ والے سال کعبہ سے روکا تھا یہاں تک کہ زوی طوی میں آپ کو قربانیاں دینا پڑیں اور مشرکین سے صلح کرنے کے بعد آپ وہیں سے واپس آ گئے حالانکہ یہ اس کی جگہ تھی باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی یہاں کوئی نہیں چھینڑا تھا اور ان کی کوشش یہی تھی کہ ذکر اللہ اور حج و عمرہ کرنے والی مسلم جماعت کو روک دیں حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے ابن جریر نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کعبہ سے اللہ کو برباد کرنے کی سعی نہیں کرتے تھے یہی نصاریٰ کی تھی کہ وہ بیت المقدس کی ویرانی کے درپے ہو گئے تھے۔ لیکن حقیقت میں دوسرا قول زیادہ صحیح ہے، ابن زید اور حضرت عباس کا قول بھی یہی ہے اور اس بات کو بھی نہ بھولنا چاہئے کہ جب نصرا نیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے روکا تھا اس وقت یہودی بھی محض بے دین ہو چکے تھے ان پر تو حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنتیں نازل ہو چکی تھیں وہ نافرمان اور حد سے تجاوز ہو چکے تھے اور نصرانی حضرت مسیح کے دین پر تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اوپر یہودی و نصاریٰ کی مذمت بیان ہوئی تھی۔



جو روایت امام اعظم سے سنت ہونے کی بیان کی گئی ہے اس کا بھی یہی معنی ہے۔ اور وتر عشاء کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے یہذا  
اسی کی اذان و اقامت اس کیلئے کافی ہے۔

وتر کے واجب ہونے میں دلائل کا بیان:

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وتر حق  
(یعنی واجب ہے) لہذا جو آدمی وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے (یعنی ہمارے تابعداروں میں سے) نہیں ہے، وتر حق ہے لہذا  
جو آدمی وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد)

وتر کی اہمیت اور اس کی حقیقت کو اس انداز سے بار بار بیان کرنا اور پھر اس کے نہ پڑھنے والے کے بارے میں یہ کہنا کہ  
جو آدمی وتر نہ پڑھے وہ ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے اس بات پر صریح دلیل ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے جیسے کہ  
احناف کا مسلک ہے۔

اگر وتر نہ جائے تو اسکی قضاء کا حکم:

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی وتر نہ پڑھے بغیر سو جائے یا  
اسے پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب بھی اسے یاد آئے یا نیند سے بیدار ہو تو (اس کی قضاء) پڑھ لے۔  
(جامع ترمذی ابوداؤد، سنن ابن ماجہ)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ نماز وتر واجب ہے کیونکہ اس کی قضاء کا حکم دیا گیا ہے۔

نماز وتر واجب ہے یا سنت کے بیان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب:

حضرت امام مکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت  
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ وتر کی نماز واجب ہے (یا سنت ہے) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے  
(کوئی صریح جواب دینے کی بجائے) فرمایا کہ وتر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی ہے اور دوسرے مسلمانوں  
نے بھی اودھ آدمی بار بار یہی سوال کرتا تھا اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی کہے جاتے تھے کہ وتر کی نماز رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی ہے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی پڑھی ہے۔ (عوطا)

کسی سوال کے جواب دینے کا ایک طبعی طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر مدلول (اصل جواب) کا ذکر  
نہ کیا جائے اور صرف دلیل بیان کر دی جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب ایک آدمی نے وتر کی  
نماز کے وجوب یا سنت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مدلول کے بجائے صرف دلیل پر اکتفاء کیا گو بیان کا مطلب یہ تھا  
کہ وتر کی نماز واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل طور پر بطریق مواظبت وتر کی نماز پڑھنا اور اہل اسلام کا اس



وتر کی رکعتیں تین ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور پہلی رکعت میں ”سبح اسم ربک الاعلیٰ“ دوسری رکعت میں ”قل یا ایہا الکافرون“ اور تیسری رکعت میں ”قل هو اللہ احد“ پڑھتے تھے۔ (سنن نسائی، ج ۱، ص ۲۳۹، مکتبہ امدادیہ لبنان)

ایک رکعت وتر پڑھنے کی ممانعت:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دم کی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کہ ایک شخص ایک رکعت نماز پڑھ کر اس سے (نمازوں کو) وتر کرے۔ (تمہید ابن عبدالبر، ج ۵، ص ۲۵۷، بیروت)

ان احادیث کے باوجود اگر کوئی گھٹیا پندرہویں صدی کے علماء موہی بیرونی کرتے ہوئے ایک بدعت کو مسلک بنالیں اور ان احادیث کا انکار کر دیں تو پھر سوائے فسوس، افسوس اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

وتر کا معنی:

وتر (لفظ وتر میں واؤ کو زیر اور زبردوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں مگر زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشہور ہے۔) ہر اس نماز کو کہہ سکتے ہیں جس میں طاق رکعتیں ہوں مگر فقہاء کے ہاں وتر اسی خاص نماز کو کہتے ہیں جس کا وقت غشاء کی نماز کے بعد ہے جو غام طور پر عشاء کے فوراً بعد ہی پڑھی جاتی ہے اور اس باب میں اسی نماز وتر کا بیان ہوگا۔

نماز وتر کے وجوب و سنت میں ائمہ فقہ کا مذہب:

نماز وتر کے سلسلہ میں ائمہ کے ہاں دو چیزوں میں اختلاف پایا جاتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ آیا نماز وتر واجب ہے یا سنت؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے حضرت امام شافعی اور حضرت قاضی ابویوسف فرماتے ہیں کہ سنت ہے۔

حضرت ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ سرکوشین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر کی نماز ہر مسلمان پر حق یعنی لازم ہے لہذا جو آدمی وتر پانچ رکعتیں پڑھنا چاہے وہ پانچ رکعتیں پڑھ لے، جو آدمی تین رکعتیں پڑھنا چاہے وہ تین رکعتیں پڑھ لے اور جو آدمی ایک ہی رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک ہی رکعت پڑھ لے۔ (ابوداؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ)

حق کے معنی میں واجب اور ثابت، لہذا حضرت امام ابوحنیفہ تو حق کے معنی واجب مراد لیتے ہیں، اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے، حضرت امام شافعی حق کے معنی ثابت مراد لیتے ہیں یعنی وتر کی نماز سنت سے ثابت ہے لہذا وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز سنت ہے چونکہ اس حدیث میں وتر کی رکعتوں کی تعداد پانچ بھی ثابت ہے اور تین اور ایک بھی، اس لیے حضرت سفیان ثوری اور دیگر ائمہ نے تو پانچ کے عدد کو اختیار کیا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے تین کے عدد کو قبول کیا ہے

اور حضرت ام شافعی نے ایک کے عدد کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔  
نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں:

علماء کے نزدیک دوسرا اختلاف یہ ہے کہ نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین؟ حنفیہ کے ہاں وتر کی تین رکعتیں ہیں جب کہ اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز وتر صرف ایک ہی رکعت ہے تاہم ان حضرات کے نزدیک بھی وتر کے لیے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے بلکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا جائے اس کے بعد ایک وتر پڑھی جائے۔  
نماز وتر کا طریقہ:

وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح (حنفیہ کے مسلک کے مطابق) تین رکعت پڑھی جاتی ہے، اس کے پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو فرض نمازوں کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ محض دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت مدنی جاتی ہے جب کہ وتر کی نماز میں تیس رکعتوں میں دوسری سورت پڑھنے کا حکم ہے اور تیسری رکعت میں دوسری سورت کے بعد دونوں ہاتھ بکیر کے ساتھ کانوں تک اٹھا کر (جس طرح کہ بکیر تحریمہ کے وقت اٹھاتے ہیں) پھر ہاندھے جائیں اور پورا آواز آہستہ دعا قنوت پڑھی جائے، دعا قنوت یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغِيْثُكَ وَنَسْتَعِيْذُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنُشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَحْلَعُ وَنَتَرَكُ مِنْ يَغْفِرُكَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنْزُكَ وَتِلْكَ نَفْسِيْ وَنَسْجُدُ وَابْتَكَ نَسْعِيْ وَنَحْفِيْ وَنَرْجُو رَحْمَتَكَ وَنَخْشَى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَفَّارِ مُلْحِقٌ .

اے اللہ! تجھی سے مدد مانگتے ہیں تجھی سے ہدایت کے طالب ہیں، تجھی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، ہم تیرے ہی سامنے توبہ کرتے ہیں، تیرے ہی اوپر ایمان لاتے ہیں تیری ہی اچھی تعریفیں بیان کرتے ہیں، ہم تیرا ہی شکر ادا کرتے ہیں ناشکری نہیں کرتے اور جو آدمی تیری ناشکری یا فرمانی کرے ہم اس کو چھوڑتے ہیں۔ اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیری ہی نماز پڑھتے ہیں تجھی کو بخود کرتے ہیں، تیری ہی طرف دوڑتے آتے ہیں، تیری ہی عبادت میں جہد مستغرق ہو جاتے ہیں، تیری رحمت کے امیدوار ہیں ہم تیرے ہی عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرا عذاب کافروں پر نازل ہونے والا ہے۔

اگر اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہتر ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِهْدِنِيْ فَيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فَيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّيْنِيْ فَيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَكَارِهْ لِيْ فَيْمَا اَعْطَيْتَ وَفِيْنِيْ شَرًّا فَيْمَا قَضَيْتَ لِاَنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يَقْضِيْ عَلَيَّكَ اِنَّهُ لَا يُدْبَلُ مِنْ وَّالِيَّتْ وَلَا يَمُوتُ مِنْ عَاقِبَتِ تَسَارَكَتْ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتْ .

اے اللہ! ان لوگوں کے ساتھ مجھ کو ہدایت دے جنہیں تو نے ہدایت بخشی، مجھے ان لوگوں کے ساتھ مصیبتوں اور آفتوں سے بچا جنہیں تو نے بچایا ہے، ان لوگوں کے ساتھ مجھ سے محبت کر جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں بے شک تو حاکم ہے حکم نہیں اور جس سے تو محبت کرے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزت نہیں پاسکتا، اے اللہ تیری ذات بزرگ و برتر ہے۔

اگر کسی کو دعوت یا نہ ہو تو وہ بجائے دعا قوت کے یہ پڑھ لے۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آرام دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اور اگر کوئی اس کے پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ يٰ اَبَا زَبْرَجِ تین مرتبہ کہہ لے۔

نماز وتر کی رکعتوں میں اختلاف فقہی کا بیان:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ (ایک رکعت) پہلی پڑھی ہوئی نماز کو ق کر دے گی۔ (صحیح البخاری ص ۱۱۱)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات کو پڑھی جانے والی نفل نمازیں دو رکعت کر کے پڑھی جائیں چنانچہ حضرت امام شافعی، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ افضل یہی ہے کہ رات میں نفل نماز اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔ حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات کو نماز میں مشغول رہنے والا آدمی جب یہ دیکھے کہ رات ختم ہو رہی ہے اور صبح نمودار ہونے والی ہے تو وہ ان نمازوں کے بعد ایک رکعت پڑھ لے تاکہ یہ ایک رکعت پہلی پڑھی ہوئی نمازوں کو طاق کر دے، اس طرح یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

امام طحاوی حنفی نے صلی رکعت واحدۃ الخ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک رکعت اس طرح پڑھے کہ اس سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے تاکہ یہ رکعت شفع یعنی اس ایک رکعت سے پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں کو طاق کر دے۔ گو ایک رکعت علیحدہ نہ پڑھی جائے بلکہ دو رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تو یہ کہیں ثابت ہی نہیں ہوتا کہ وتر کی ایک رکعت علیحدہ تکبیر تحریر کے ساتھ پڑھی جائے لہذا اس کے ذریعے وتر کی ایک رکعت ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

پھر وتر کی تین ہی رکعتیں ہونے کے سلسلہ میں حنفی کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ پتیرا

یعنی تنہا ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

جہاں تک صحابی اور سلف کے عمل کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اکثر فقہا صحابہ اور سلف کا معمول وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے ان کو اس سلسلے میں بہت زیادہ اہتمام تھا۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت سعید بن مسیب کو وتر ایک رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کیسی ناقص نماز پڑھتے ہو؟ دو رکعت اور پڑھو ورنہ تمہیں سزا دیں گا۔ (نہایت)

جامع ترمذی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وتر کی تین رکعتیں نقل کی ہیں اور اسی کو عمران بن حصین، حضرت عائشہ، عبد اللہ ابن عباس اور ابویوب کی طرف منسوب کیا ہے اور آخر میں انہوں نے صراحت کر دی ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اسی طرف ہے۔

حضرت عمر فاروق اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود کے بارے میں مؤطا امام محمد میں مذکور ہے کہ ان کے نزدیک بھی وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں۔ حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ سلف کا اسی پر معمول تھا۔ (ہدایہ)

تین رکعت کی وتر صحابہ میں مشہور تھی، ایک رکعت کی وتر تو عام طور پر لوگ جانتے بھی نہ تھے چنانچہ حضرت معاویہ کو عبد اللہ ابن عباس کے مولیٰ نے ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کو بہت تعجب ہوا انہوں نے حضرت عباس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے ان کی وحشت و حیرت یہ کہہ کر ختم کر دی کہ معاویہ فقیہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہو چکے ہیں ان پر اعتراض نہ کرو (صحیح البخاری)

یاد یہ کہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی حالتوں کا ذکر ہے آخر فضل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تین ہی رکعت پر تھا جو صحابہ میں مشہور ہوا اور ظاہر ہے کہ امت کے لیے آپ کا وہی فعل حجت اور دلیل بن سکتا ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں عمل اختیار فرمایا ہو۔

دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے:

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر پڑھتے تو قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے۔ (سنن ابن ماجہ)

دعائے قنوت پورا سال پڑھی جائے گی:

وَرَفَعْتُ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ عِلَالًا لِلشَّالِئِ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي غَيْرِ النِّصْفِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ (لقولہ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلْحَمَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ عَلَّمَهُ دُعَاءَ الْقَنُوتِ أَجْعَلْ هَذَا لِي وَفِرْكَ) مِنْ غَيْرِ قَضَلٍ .



(وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِنْ الْوُتْرِ (فَاصِحَةُ الْكِتَابِ وَمُؤَرَّةٌ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَاقْرَءُوا مَا تَسْرِمِنْ الْقُرْآنَ) (وَأَنْ أَرَادَ أَنْ يَقْتُلَ كَثِيرٌ) لِأَنَّ الْحَالَةَ كَذَلِكَ اخْتَلَفَتْ (وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَتًا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تَرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي مَنَاجِزِ مَوَاطِنَ) وَذَكَرَ مِنْهَا الْقُنُوتَ (وَلَا يَقْتُلُ فِي صَلَاةٍ غَيْرِهَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْقُبُورِ لَمَّا رَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَتَلَ فِي صَلَاةِ الْقُبُورِ شَهْرًا) ثُمَّ تَرَكَهُ

ترجمہ:

اور وہ پورا سال دعائے قنوت پڑھے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے رمضان المبارک نصف آخر کے سوا میں اختلاف کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو دعائے قنوت سکھائی تو فرمایا: اس کو اپنے وتر میں پڑھو۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں بیان کی گئی۔

اور وہ وتر کی ہر رکعت میں فاتحہ اور کئی سورت پڑھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور اگر وہ قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو قنوت پڑھے۔ کیونکہ حال بدل گیا اور رفع یدین کرے اور قنوت پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاتھ صرف ساتھ مقامات پر اٹھائے جائیں اور ان میں آپ نے قنوت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہ پڑھی جائے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں: فجر میں بھی قنوت پڑھی جائے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک ماہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھی پھر اسے چھوڑ دیا۔

رمضان کے آخری نصف میں دعائے قنوت پڑھنے میں امام شافعی کی دلیل وجواب:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو رمضان میں نماز تراویح کے لیے) جمع کیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنایا، حضرت ابی بن کعب نے ان کو بیس راتوں تک نماز پڑھائی اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ دعا قنوت سوائے آخری نصف رمضان کے اور دونوں میں نہیں پڑھی اور جب آخر کے دس روز سے وہ گئے تو حضرت ابی بن کعب مسجد میں نہ آئے بلکہ (وتر کی) نماز اپنے گھر میں پڑھنے لگے، لوگ کہتے کہ ابی بھاک گئے (ایوداؤد) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دعا قنوت کے بارے میں پوچھا کہ (رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟) تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا قنوت کبھی رکوع سے پہلے اور کبھی رکوع کے بعد پڑھی ہے۔

حضرت ابی بن کعب ایک جلیل القدر اور بڑی عظمت و شان کے مالک صحابی تھے، جہاں ان کی اور بہت سی امتیازی

خصوصیات تھیں وہیں آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

نیز یہ کہ صبح بد میں بڑے اونچے درجے کے قاری مانے جاتے تھے، اسی وجہ سے آپ کو سید القراء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی انہیں خصوصیات کی بنا پر انہیں رمضان میں تراویح کی نماز کے لیے ام مقرر فرمایا تاکہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھیں۔

یہ دونوں حدیثیں جو حضرت حسن بصری سے منقول ہیں حضرات شوافع کی مستدل ہیں۔

پہلی حدیث تو اس بات کی دلیل ہے کہ دعاء قنوت صرف رمضان کے آخری نصف حصے میں پڑھی جائے علماء احناف فرماتے ہیں کہ اول تو مطلقاً وتر میں دعاء قنوت کا پڑھنا شروع ہوا ہے اور چونکہ وتر کی نماز ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اس لیے دعاء قنوت بھی ہمیشہ پڑھی جائے گی۔

دوسرے یہ کہ زیادہ ایسی ہی احادیث وارد ہیں جن میں بلا تخصیص رمضان، وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے لہذا اس اعتبار سے بھی ہمیشہ وتر کی نماز میں دعاء قنوت کا پڑھنا اولیٰ اور ارجح ہوگا۔

دوسری حدیث شوافع کے لیے اس بات کی دلیل ہے کہ دعاء قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے اس کا جواب حنفی علماء کی جانب سے یہ دیا جاتا ہے کہ رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنے کے سلسلے میں احادیث زیادہ تعداد میں منقول ہیں، پھر یہ کہ صحابہ کا عمل بھی انہیں احادیث کے مطابق نقل کیا گیا ہے اس لیے احادیث پر عمل کرنا چاہیے۔

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ ان احادیث کا تعلق صرف ایک مہینے سے ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی ہے۔ مستقل طریقے سے رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھنے سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

ملاعی قاری فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رمضان کے آخری نصف حصے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غیوں کے لیے بعد دعا کرنے کی وجہ سے دعاء قنوت پڑھتے ہوں گے کیونکہ صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ :

جب آدھا رمضان گزر جائے تو (رمضان کے آخری نصف حصے میں) وتر میں کفار پر لعنت بھیجنا سنت ہے۔

ابن ابی کے الفاظ کہہ کر لوگوں نے حضرت ابی کو بھاگنے والے غلام کے ساتھ تشبیہ دی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کی نظر میں حضرت ابی کا یہ عمل کہ آخری دس دنوں میں مسجد میں نہیں آئے مگر وہ معلوم ہوا۔ حالانکہ حضرت ابی کسی عذر کی بناء پر ہی رمضان کے آخری عشرے میں مسجد نہیں آئے ہوں گے۔

اور غرض یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ان ایام میں غلط اختیار کرتے تھے تاکہ عبادت کا وہ کمال خلوت میں حاصل ہو جائے جو خلوت میں حاصل نہیں ہوتا۔

حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مینے تک (نہج کی نماز میں) رکوع کے بعد دعا قنوت پڑھی ہے اور اس پر دلیل صحیح البخاری صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جو عام اصول سے منقول ہے (لاحظہ فرمائیے اسی باب کی حدیث نمبر ۲)

آخری روایت کا مفہوم یہ ہے کہ کبھی (یعنی وتر میں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے اور کبھی (یعنی کسی حدیث دوپہ کے وقت) رکوع کے بعد پڑھتے تھے۔

اس مفہوم سے ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جائے گی جن میں سے بعض روایات تو رکوع کے بعد دعا قنوت پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔

فہر میں قنوت کی مسنونیت کا بیان:

(قَبْلَ أَنْ تَقْرَأَ الْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَسْكُتُ مَنْ خَلْفَهُ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتَابِعُهُ لَأَنَّهُ تَبِعَ الْإِمَامَ ، وَالْقُنُوتُ مُتَجَهِّدٌ فِيهِ .

وَلَهُمَا أَنَّهُ مَسْنُوعٌ وَلَا مَتَابَعَةَ فِيهِ ، ثُمَّ قِيلَ يَقِفُ قَائِمًا لِيَتَابَعَهُ لِيَمَّا تَجِبُ مَتَابَعُهُ ، وَقِيلَ يَقِفُ تَحْقِيقًا لِلْمُخَالَفَةِ لِأَنَّ السَّكْتَ حَرَكُ الدَّاعِي وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ .

وَكُلَّتِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى جَوَازِ الْإِقْدَاءِ بِالشُّفْعَوِيَّةِ وَعَلَى الْمَتَابَعَةِ فِي قِرَاءَةِ الْقُنُوتِ فِي الْوُتْرِ ، وَإِذَا عَلِمَ الْمُتَقَدِّمُ مِنْهُ مَا يُزْعَمُ بِهِ فَسَادَ صَلَاتِهِ كَالْقَصْدِ وَغَيْرِهِ لَا يُجْزِئُهُ الْإِقْدَاءُ بِهِ ، وَالْمُخْتَارُ فِي الْقُنُوتِ الْإِخْفَاءُ لِأَنَّهُ دُعَاءٌ وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اگر امام نے نہج کی نماز میں قنوت پڑھی تو طرفین کے نزدیک پیچھے والے خاموش رہیں گے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ وہ اس کی اتباع کریں گے۔ کیونکہ وہ اپنے امام کے تابع ہیں۔ اور قنوت خود مجتہد فیہ مسئلہ ہے۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ قنوت منسوخ ہے اور منسوخ مسئلے میں اتباع نہیں کی جاتی۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقتدی ضمیر جائے اور اس کے امام کی اتباع کرے جس کی اتباع واجب نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقتدی بیٹھ جائے تاکہ مخالفت ثابت ہو جائے۔ کیونکہ خاموش رہنے داعی شرکت ہوتا ہے۔ اور پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔

فقد شفیٰ اپنے اپنے والے امام کے پیچھے اقتداء کے جواز میں اس مسئلہ نے دلالت کی ہے۔ لہذا وتر میں وہ قنوت کی قرائت

میں اس کی اتباع کرے۔ اور جب مقتدی (حنفی) کو امام (شافعی) کے بارے میں ایسی بات معلوم ہو جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ جس طرح قصد وغیرہ ہیں۔ تو اس کی اقتداء کرنا کافی نہ ہوگا۔ اور محتار قنوت میں انشاء ہے کیونکہ یہ دعا ہے۔ اللہ ہی سے زیادہ جاننے والا ہے۔

ایک ماہ تک فجر میں قنوت پڑھی مگر پھر منسوخ ہو گئی:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک (رکوع کے بعد) دعا۔ قنوت پڑھی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مطلقاً فرض نمازوں میں یا یہ کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کو ترک کر دیا۔ (ابوداؤد، سنن نسائی)

اکثر اہل علم یہی فرماتے ہیں کہ دعا قنوت تو فجر کی نماز میں شروع ہے اور نہ وتر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں، چنانچہ یہ حضرات اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث بھی ہیں جو فرض نمازوں میں ترک قنوت پر دلالت کرتی ہیں، اہل علم اور محققین اس کی تفصیل مراقبات میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز میں تو دعائے قنوت ہمیشہ پڑھنی چاہیے اور نمازوں میں کسی حادثے اور وبا کے وقت پڑھی جائے۔

حضرت ابو مالک اشجعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم سے دریافت کیا کہ ابا جان! آپ نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہم کے پیچھے یہیں کوفہ میں تقریباً پانچ سال تک نماز پڑھی ہے کیا یہ حضرات دعا قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے بیٹے! قنوت بدعت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو مالک اپنے والد محترم سے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ بھی فجر کی نماز میں اور دیگر نمازوں میں قنوت پڑھتے تھے جیسا کہ اب بھی بعض لوگ ان نمازوں میں قنوت پڑھتے ہیں؟

اس کا جواب ان کے والد نے یہ دیا کہ جو لوگ فجر کی اور دوسری نمازوں میں مستقل طریقے سے یعنی ہمیشہ دعا قنوت پڑھتے ہیں وہ بدعت میں مبتلا ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وتر کے علاوہ فجر کی نماز میں صرف ایک مہینہ تک قنوت پڑھی ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کر دیا تھا جیسا کہ ابھی پچھلی حدیث میں ذکر کیا گیا، گویا کہ یہ حدیث حضرت امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے۔

حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں نماز فجر کے اندر قنوت نہ پڑھنا ذکر کیا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں لیکن ملا علی قاری نے اس قنوت کا جواب بہت معقول اور مدلل طریقے سے دیا ہے نیز انہوں نے خلفاء اربعہ سے بھی اس طرح کی روایتیں نقل کی ہیں۔

## بَابُ الْاَوَّلِ

### ﴿یہ باب نوافل کے بیان میں ہے﴾

نوافل کے باب کی مطابقت کا بیان:

اس سے پہلے مصنف نے فرض نمازیں اور اس کے واجب نماز جیسے وتر ہے اس کو بیان کیا ہے اور ان کے بعد سنن و نوافل کو بیان کر رہے ہیں۔ تاکہ نمازوں کی شرعی حیثیت کے مطابق ان کے مرتبے کو برقرار رکھا جائے۔  
سنن و نوافل نماز کی رکعتوں و تعداد کا بیان:

وَالسَّنَةُ رَكْعَتَانِ فِي الْفَجْرِ (وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَبَعْدَهَا رَكْعَتَانِ، وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الْعَصْرِ، وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الْعِشَاءِ، وَأَرْبَعٌ بَعْدَهَا، وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: (مَنْ قَامَ عَلَى نَتْنِ عَشْرَةِ رَكْعَةٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ) (وَقَسَرَ عَلَى نَحْوِ مَا ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ أَرْبَعٌ قَبْلَ الْعَصْرِ لِهَذَا سَمَاءُ فِي الْأَصْلِ حَسَنًا وَغَيْرَ لَا خِلَافَ لِمَا ذَكَرَ، وَالْأَفْضَلُ هُوَ الْأَرْبَعُ وَلَمْ يَذْكُرْ الْأَرْبَعُ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِهَذَا كَانَ مُسْتَحَبًّا لِعَلِّمِ الْمُؤَاطِقَةِ، وَذَكَرَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ، وَفِي غَوِيهِ ذَكَرَ الْأَرْبَعُ لِهَذَا غَيْرَ، إِلَّا أَنَّ الْأَرْبَعُ أَفْضَلُ خُصُوصًا عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ مَلِكِهِ، وَالْأَرْبَعُ قَبْلَ الظُّهْرِ بِسَلَامَةٍ وَاحِدَةٍ عِنْدَنَا، عَمَّا قَالَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِيهِ عِلَافُ الشَّافِعِيِّ).

ترجمہ

اور فجر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں اور عصر سے پہلے چار رکعتیں اور اگر چاہے تو دو رکعتیں پڑھے اور مغرب کے بعد دو اور عشاء سے پہلے چار اور چار اس کے بعد اور اگر چاہے تو اس کے بعد دو رکعتیں پڑھے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے دن رات میں بارہ رکعتوں پر دوام اختیار کیا اللہ اس کیلئے جنت میں گھر بنائے گا۔ اور جو آپ ﷺ نے اس کی تیسرے بیان فرمائی ہے وہی کتاب میں ذکر ہوئی ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے عصر کے پہلے والی چار رکعتوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس لئے امام محمد علیہ الرحمہ نے ان چار رکعتوں کا نام بمسوط میں حسن رکھا ہے۔ اور اختلاف آثار کی وجہ سے اختیار ہے جبکہ افضل یہ ہے کہ وہ چار رکعتیں پڑھے۔ اور عشاء سے پہلے والی بھی چار رکعتوں کا ذکر بھی نہیں ہوا ہے۔ لہذا وہ چار مستحب ہو گئیں۔ کیونکہ چار رکعتوں پر مواظبت نہیں پائی جاتی۔ اور ذکر کردہ حدیث میں عشاء کے بعد دو رکعتوں کا ذکر ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں چار رکعات کا بھی ذکر ہے۔ اس دلیل کے پیش نظر اس میں اختیار دیا گیا ہے

لیکن چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔ خاص طور پر امام اعظم کا مذہب معروف یہی ہے۔ اور تقریباً پہلے چار ہمارے نزدیک ایک سلام کے ساتھ ہیں۔ جس طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

نماز مغرب کے بعد دو سنتوں کا بیان:

حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب (مسجد میں) پڑھ کر میرے گھر تشریف لائے اور دو رکعتیں پڑھتے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ابو عبد اللہ اشبل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہمیں ہماری مسجد میں نماز مغرب پڑھا کر فرمایا وہ دو رکعتیں اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لو۔ (سنن ابن ماجہ)

فقہ حنفی کے مطابق سنتوں کی تفصیلی تعداد کا بیان:

نجر کے وقت فرض سے پہلے دو رکعت سنت موکدہ ہیں ان کی تاکید تمام مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے یہاں تک کہ بعض روایات میں امام ابوحنیفہ سے ان کا وجوب منقول ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے انکار سے کفر کا خوف رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑو چاہے تمہیں گھر کی کل ڈالین یعنی جان جانے کا خوف ہو تب بھی نہ چھوڑو اس سے مقصود صرف تاکید اور ترغیب ہے ورنہ جان کے خوف سے تو فرض کو چھوڑنا بھی جائز ہے۔

ظہر کے وقت فرض سے پہلے چار رکعت ایک سلام سے اور فرض کے بعد دو رکعت سنت موکدہ ہیں۔

جمعہ کے وقت فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ ہیں اور فرض کے بعد بھی ایک ہی سلام سے چار رکعتیں سنت ہیں۔

عصر کے وقت کوئی سنت موکدہ نہیں، ہاں فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔

مغرب کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

عشاء کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں اور فرض سے پہلے کی چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔

وتر کے بعد بھی دو رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں لہذا وتر کے بعد بھی دو رکعت مستحب ہیں۔

رات کی نماز یعنی تہجد وغیرہ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایات ان کے پڑھنے کے طریقے وغیرہ کے بارے میں منقول ہیں اس باب کے تحت نقل کی جائیں گی۔

رات کی نماز پڑھنے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روایتیں منقول ہیں ان میں سے جس روایت کے مطابق بھی نماز پڑھی جائے گی، اتباع نبوی کی فضیلت اور سنت کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوگی اگر ان تمام روایات کی اتباع کے پیش نظر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ کبھی تو کسی روایت کے مطابق پڑھی جائے اور کبھی کسی روایت کے مطابق، تو یہ طریقہ نہ

صرف یہ کہ انتہائی مناسب اور بہتر جگہ سنت کے عین مطابق ہوگا۔

رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں مختلف روایتیں منقول ہیں، چنانچہ تیرہ گیارہ نو اور سات رکعتیں منقول ہیں، بعض علماء نے پانچ رکعتیں بھی روایت کی ہیں، تاہم تیرہ سے زیادہ ثابت نہیں ہے، پھر یہ کہ بعض علماء نے یہ تعداد فجر کی سنت کے ساتھ ذکر کی ہے اور بعض نے فجر کی سنتوں کے علاوہ اور صحیح قول یہی ہے، اسی طرح وتر کی تعداد کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، بعض روایتوں میں تو وتر ایک رکعت کے ساتھ منقول ہے اور بعض میں تین رکعتوں کے ساتھ، نیز بعض روایات میں وتر کی رکعت کو بھی نماز تہجد کی رکعتوں میں شامل کر کے انہیں شمار کیا گیا ہے اور بعض روایات میں وتر کی رکعتوں کو ان سے الگ شمار کیا گیا ہے اسی طرح بعض روایات میں وتر کا اطلاق ایک رکعت پر کیا گیا ہے۔ اور بعض میں تین پانچ اور ساتھ تک پر کیا گیا ہے بلکہ بعض روایات میں تو رات کی تمام نماز کو وتر کہا گیا ہے۔

شب و روز کے نوافل کا بیان:

قَالَ ( وَتَوَالِلُ النَّهَارِ إِنْ شَاءَ صَلَّى بِسَلِيمَةٍ وَتَمَعَيْنِ وَإِنْ شَاءَ أَرَبَعًا ) وَتُكْرَهُ الزَّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ .  
وَأَمَّا نَافِلَةُ اللَّيْلِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ إِنْ صَلَّى قِمَانٍ رَكَعَاتٍ بِسَلِيمَةٍ جَزَاءُ ، وَتُكْرَهُ الزَّيَادَةُ ، وَقَالَ : لَا يَزِيدُ فِي  
اللَّيْلِ عَلَى رَكَعَتَيْنِ بِسَلِيمَةٍ .

وَلِى السَّامِعِ الصَّغِيرِ لَمْ يَذْكُرِ النَّمَايَ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ ، وَذَلِيلُ الْكُرَاهَةِ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ  
لَمْ يَزِدْ عَلَى ذَلِكَ ، وَلَوْلَا الْكُرَاهَةُ لَزَادَ تَعْلِيمًا لِلْجَوَارِ ، وَالْأَفْضَلُ فِي اللَّيْلِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ  
رَحِمَهُمَا اللَّهُ مَتْنِ مَتْنِ ، وَلِى النَّهَارِ أَرْبَعُ أَرْبَعُ ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيهِمَا مَتْنِ مَتْنِ ، وَعِنْدَ أَبِي  
حَنِيفَةَ فِيهِمَا أَرْبَعُ أَرْبَعُ .

لِلشَّافِعِيِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " ( صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَتْنِ مَتْنِ ) " وَلَهُمَا إِيغَابُ  
بِالْعَرَابِ ، وَلَآبِى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ( اللَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعِشَاءِ أَرْبَعًا أَرْبَعًا ) "  
رَوَتْهُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ، وَكَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يُؤَاطِبُ عَلَى الْأَرْبَعِ فِي الضُّحَى ، وَلَآئِنَّ أَقْدَرُ  
تَحْرِيمَةٍ لِيَكُونَ أَكْثَرُ مَشَقَّةً وَأَزِيدَ فَيُضِلُّهُ لِهَذَا لَوْ نَدَّرَ أَنْ يُصَلِّيَ أَرْبَعًا بِسَلِيمَةٍ لَا يَخْرُجُ عَنْهُ بِسَلِيمَتَيْنِ

وَعَلَى الْقَلْبِ يَخْرُجُ وَالْقَوَائِمُ تَوَكَّدَى بِجَمَاعَةٍ لَقَوَاهِ فِيهَا جَهَةُ التَّبَسُّمِ ، وَمَعْنَى مَا زَوَّاهُ حَقًّا لَا وَتَرًا ، وَالْأَلَّةُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور دن کے نوافل خواہ وہ ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے۔ اور اگر چاہے تو چار پڑھے۔ اور اس سے زیادہ مکروہ ہے۔ بہر حال رات کو نوافل امام اعظم کے نزدیک ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھے جب بھی جائز ہے۔ اور اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے اور صاحبین نے فرمایا: کہ رات کے نوافل ایک سلام کے ساتھ دو رکعات سے زیادہ نہ کرے۔ جبکہ جامع صغیر میں امام محمد علیہ الرحمہ آٹھ رکعتیں نوافل کا ذکر نہیں کیا۔ اور ان کی کراہت کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر زیادتی نہیں کی۔ اگر کراہت نہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ جواز کی تعلیم کے طور پر زیادہ کرتے۔ لہذا صاحبین کے نزدیک رات کے نوافل دو، دو رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک شب دو روز دونوں کے نوافل میں دو، دو رکعتیں ہیں۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں میں چار، چار رکعتیں ہیں۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ شب دو روز کی نماز دو، دو رکعتیں ہیں۔ جبکہ صاحبین نے اس کو تراویح پر قیاس کیا ہے۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ روایت حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائی ہے۔ اور آپ ﷺ نے چاشت میں چار رکعتوں پر دوام فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ تحریم کے اعتبار سے دوام ہے۔ اس لئے کہ مشقت بھی زیادہ ہو اور فضیلت بھی زیادہ ہو۔ لہذا اگر کسی نے نذر مانی کہ وہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھے گا۔ تو دو سلاموں کے ساتھ چار رکعتیں پڑھ کر اس نذر سے نہیں نکل سکا۔ جبکہ اس کے برعکس وہ نکل جائے گا۔ اور تراویح کی جماعت کے ساتھ ادا ہونے کی وجہ سے اس میں سہولت کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کا معنی ”جوڑا“ ہے غافل نہیں ہے۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جانتے والا ہے۔

دن اور رات میں نوافل کی تعداد رکعات میں فقہی تصریحات:

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال



صلاة الليل والنهار مثنى مثنى قال أبو عيسى اختلف أصحاب شعبة في حديث ابن عمر فرفعه بعضهم وأوقفه بعضهم وروى عن عبد الله المعمرى عن نافع عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم نحو هذا والصحيح ما روى عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم قال صلاة الليل مثنى مثنى وروى الثقات عن عبد الله بن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم ولم يذكرُوا فيه صلاة النهار وقد روى عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر أنه كان يصلي بالليل مثنى مثنى وبالنهار أربعاً وقد اختلف أهل العلم في ذلك فرأى بعضهم أن صلاة الليل والنهار مثنى مثنى وهو قول الشافعي وأحمد وقال بعضهم صلاة الليل مثنى مثنى و (رأوا) صلاة التطوع بالنهار أربعاً مثل الأربع قبل الظهر وغيرها من صلاة التطوع وهو قول سفيان الثوري وابن المبارك وإسحق صحيح - (جامع ترمذی - ج ۱، باب ما جاء أن صلاة الليل والنهار مثنى مثنى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دن اور رات کی نماز دو، دو (رکعتیں) ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اصحاب شعبہ نے حدیث ابن عمر کے بارے میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے یہ مرفوع ہے اور بعض نے اسے موقوف کہا ہے۔ جبکہ عبداللہ عمری نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح حدیث بیان کی ہے۔

جبکہ صحیح روایت وہ ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رات کی نماز دو، دو (رکعتیں) کہا ہے اور جو شافعی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں مسلوۃ الہما رکعہا کا ذکر نہیں ہے۔ اور جو روایت عبيد اللہ نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں یہ ہے کہ آپ رات کو دو، دو اور دن کو چار رکعات پڑھتے تھے۔

تحقیق اہل علم نے اس میں اختلاف کیا ہے ان میں بعض نے کہا کہ دن رات کی نماز دو، دو رکعتیں ہیں۔ یہی قول امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ رات کی نماز دو، دو رکعتیں ہیں۔ (جیسا کہ صاحبین کا موقف ہے) اور ان کے سوانے کہا ہے کہ دن کے تو اہل ظہر کی چار ستوں کی طرح چار رکعات ہیں۔ (جیسا کہ امام اعظم علیہ الرحمہ کا موقف ہے)۔ اور اس کے علاوہ سفيان ثوري، ابن مبارک اور اسحاق نے کہا ہے نفل نماز جائز ہے۔ (جامع ترمذی)

## فصل فی القراءۃ

﴿یہ فصل قرأت کے بیان میں ہے﴾

قرأت کے بیان والی فصل کی مطابقت کا بیان:

فرائض، واجبات اور نوافل کو بیان کرنے کے بعد قرأت والی فصل کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ قرأت چونکہ ان تینوں قسم کی نمازوں میں مختلف احکام کے ساتھ شروع ہوئی ہے۔ لہذا اس فصل کو ان تینوں نمازوں سے مؤخر کیا ہے۔ تاکہ احکام قرأت کو ان نمازوں کی شرعی حیثیت کے ساتھ سمجھا جائے۔ فرائض میں قرأت کا حکم واجبات و سنن و نوافل سے مختلف ہے۔ فرض نمازوں میں قرأت کا بیان:

(الْقِرَاءَةُ فِي الْقُرْآنِ وَاجِبَةٌ فِي الرُّكْعَتَيْنِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الرُّكْعَتَيْنِ مُخْلَهَا يَقُولُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ" وَكُلُّ رُكْعَةٍ صَلَاةٌ وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي ثَلَاثٍ وَرُكْعَتَيْنِ إِذَا قَامَ لِلْأَخِيرِ مَقَامَ الْكُلِّ تَجْزِئًا.

وَلَقَدْ قَوْلَهُ تَعَالَى (فَاقْرَءْ) وَأَمَّا تَجْزِئُ الْقُرْآنَ (وَالْأَمْرُ بِالْفَعْلِ لَا يَهْتَضِي الْعُكُورُ) وَإِنَّمَا أَوْجِبْنَا فِي الثَّانِيَةِ اسْتِحْلَاقَ الْبِأَلَاءِ وَلَمْ نُلْزِمْنَا بِقِرَاءَتَيْنِ كِلَانِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ، فَكُنَّا الْأَخِيرَتَانِ قِيَارًا قَابِلِيَهُمَا إِلَى عِثْرِ الشُّوْطِ بِالسُّفْرِ، وَصِفَةِ الْقِرَاءَةِ وَكُلِّدَهَا فَلَا يُلْتَحَقَانِ بِهِمَا، وَالصَّلَاةُ لِيَمَّا رُوِيَ مَذْكُورَةٌ تُعْصَرُ بِهَا تَقْصِيرُكَ إِلَى الْكَامِلَةِ وَهِيَ الرُّكْعَتَانِ غُرْلًا كَمَنْ خَلَفَ لَا يُصَلِّي صَلَاةً بِمُخْلَافٍ مَا إِذَا خَلَفَ لَا يُصَلِّي

ترجمہ:

فرض کی دو رکعتوں میں قرأت واجب ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اس کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قرأت کے بغیر نماز ہی نہیں۔ اور ہر رکعت نماز ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ تین رکعتوں میں فرض ہے۔ کیونکہ آسانی کے پیش نظر اکثر کمال کے قائم مقام کروایا جاتا ہے۔

اور ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کا فرمان "فَاقْرَءْ" وَأَمَّا تَجْزِئُ الْقُرْآنَ "اور امر یا فعل تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔ لہذا ہم نے پہلی سے استدلال کرتے ہوئے دوسری میں قرأت کو واجب کر لیا۔ کیونکہ یہ دونوں رکعتیں ہر طرح سے ہم شکل ہیں۔ بہر حال آخری دو رکعتیں تو وہ سفر کے ساتھ حق سقوط اور صفت قرأت اور اس کی مقدار میں جدا ہو گئیں۔ لہذا ان دونوں کو پہلی دونوں کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے گا۔ اور امام شافعی کی روایت کردہ حدیث میں لفظ "صَلَاةٌ" کے صریح ہونے کی وجہ سے اس کو صلوٰۃ کاملہ کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اور عرف میں بھی دو رکعتیں ہیں۔ جس طرح کسی نے قسم کھائی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا

بخلاف اس کے کہ جب اس نے ”لا یصلی“ کہہ کر قسم کھائی۔

احادیث سے حکم قرأت کا بیان:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام (کی مقدار) کا اندازہ کرتے، چنانچہ ہم نے اندازہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں اہم تنزیل المسجدہ پڑھنے کے بعد قیام کرتے تھے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہر رکعت میں تیس آیتیں پڑھنے کے بعد قیام کرتے تھے اور (ظہر کی) آخری دو رکعتوں میں اس کے نصف کے بعد قیام کا ہم نے اندازہ کیا۔ (صحیح مسلم)

الم تنزیل المسجدہ کے بعد رکعت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں رکعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعی قیام کی مقدار سورہ الم تنزیل المسجدہ ہوئی تھی یا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں الم اسجدہ پڑھنے کے بعد قرأت کرتے تھے اس آخری مطلب کی تائید دوسری روایت بھی کرتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بعد قرأت کرتے تھے اور الم تنزیل المسجدہ میں آیتیں آیتیں ہیں، اگر پہلے مطلب کو صحیح مانا جائے تو یہ دوسری روایت کے خلاف ہوگا لہذا بہتر یہی ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں سورہ الم تنزیل المسجدہ کی بعد قرأت کرتے تھے۔

نماز سے قرأت اولین کا استدلال:

فقہاء احناف کے موقف میں یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت کا ثبوت حالت سرفروانی نماز بھی ہے کیونکہ اس سے آخری دو رکعتیں ہی ساقط ہو جاتی ہیں۔ لہذا آخری دو رکعتوں کا متوسط ہی اس بات کی دلیل ہے کہ شفع ثانی الگ نماز ہے۔ اس کا مقیاس علیہ شفع اولیٰ ہے۔ لہذا جب شفع اولیٰ ہو گیا تو ثانی بھی ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آخری رکعتوں میں قرأت نہ کی جائے گی۔ بلکہ صرف پہلی دو رکعتوں میں قرأت کافی ہوگی۔

فرائض کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کا بیان:

(وَهُوَ مُعْتَرِئِي الْأَخْرَجَيْنِ) مَعْنَاهُ إِنْ شَاءَ مَسَكْتَ وَإِنْ شَاءَ كَرَأَ وَإِنْ شَاءَ مَسَحَ، كَذَا رَوَى عَنْ أَبِي حَبِشَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَهُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عَلِيٍّ وَآلِهِ مَسْعُودٍ وَعَلِيشَةَ وَحَبِشَةَ اللَّهُ عَنْهُمْ إِلَّا أَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ يَقْرَأَ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ دَاوِمٌ عَلَى ذَلِكَ، وَلِهَذَا لَا يَجِبُ السُّهُؤُ بِتَرْكِهَا فِي ظَاهِرِ الزَّوَايَةِ .

ترجمہ

اور اسے آخری دو رکعتوں میں اختیار ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو خاموش رہے اور اگر وہ چاہے تو پڑھے۔ اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے اسی طرح حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اور اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ حضرت

عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا ہے۔ جبکہ فضیلت قرأت کرنے کو ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی ہے۔ لہذا اسی دلیل کی بنیاد پر ظاہر الرویۃ کے مطابق ترک قرأت کی وجہ سے عید ہو واجب نہ ہوگا۔ نماز کی رکعات میں قرأت میں فقہی اختلاف کا بیان:

علامہ ابن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نماز میں کتنی رکعات میں قرأت کی جائے یہ مسئلہ عمدہ یعنی اس کے بارے پانچ موقف ہیں۔ (۱) احتلاف کے نزدیک پہلی دو رکعات میں قرأت فرض ہے۔ (۲) امام شافعی کے نزدیک تمام رکعات میں قرأت ہے (۳) امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک تین رکعات میں قرأت ہے (۴) امام حسن بصری کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قرأت ہے (۵) امام ابو بکر ام کے نزدیک تمام اذکار کی طرح ساری نماز میں قرأت سنت ہے۔

ابو بکر ام کا قول فاسد ہے کیونکہ تمام اذکار سنت طریقے پر مشروع ہیں اور ان میں ہر حال میں اخفاء واجب ہے۔ جبکہ قرأت کی اکثر نمازوں میں جبر واجب ہے۔ کیونکہ اگر یہ سنت ہوتی تو اس میں اخفاء ہوتا۔ جبکہ نص و اجماع کے خلاف ہے۔

امام حسن بصری علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”قَافِرٌ وَاَمَّا تَسْتَرِينَ الْقُرْآنَ“ اور امر بکرا کا تقاضہ نہیں کرتا۔ جس طرح رکوع و سجود میں بکرا نہیں ہوتا۔ لہذا قرأت صرف ایک رکعت میں واجب ہوگی۔

امام مالک علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ قرأت تمام رکعات میں واجب ہے کیونکہ حدیث ”قرأت کے بغیر نماز نہیں“ لہذا اکثر مکمل کے قائم مقام کیا۔ تاکہ آسانی پیش نظر رہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ہر رکعت نماز ہے۔ اور جس نے ایک رکعت کسی کے پیچھے پڑھی تو وہ حادث ہو جائے گا۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ”قَافِرٌ وَاَمَّا تَسْتَرِينَ الْقُرْآنَ“ ہے شک امر بالفعل بکرا کا تقاضہ نہیں کرتا۔ جسے اصول کی کتب میں سمجھ چکے ہو۔ اور جو تم نے خرواحد ذکر کی ہے وہ نہ تو نص قرآن کے معارض آسکتی ہے اور نہ اس سے نص پر زیادتی کی جائے گی۔ لہذا ہم نے پہلی سے استدلال کرتے ہوئے دوسری رکعت کی قرأت کو واجب کر لیا۔ کیونکہ اس کی دلالت اسی کے وجہ سے ہے۔ کیونکہ ان دونوں (پہلی، دوسری) کی شکل ایک ہی ہے۔

اگر کسی نے کہا کہ پہلی رکعت تو ثناء، تہجد اور ہمسلمہ کی وجہ سے دوسری سے الگ ہو گئی تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ (ثناء، تہجد، ہمسلمہ) امر زائد ہے۔ ارکان میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ (عمانیہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۲۰۵، بیروت)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دوسری میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے اور بعد کی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں (بھی) آیت سنا دیا کرتے تھے اور دوسری رکعت کی بہ نسبت پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرتے تھے

اسی طرح عصر اور فجر کی نمازیں بھی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)  
آخری رکعتوں میں قرأت کے بارے میں فقہی مذاہب:

حدیث کے ان الفاظ سے (و حزننا قیامہ فی الاخرین) (علم) کی آخری دو رکعتوں میں اس سے نصف کا ہم نے اعجاز کیا ہے۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم کی آخری دونوں رکعتوں میں بھی سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت جو پہلی دونوں رکعتوں کی سورتوں سے مختصر ہوتی تھی پڑھتے تھے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک قول جدید کے مطابق یہی ہے لیکن ان کے ہاں فتوے ان کے قول قدیم پر ہے جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے مطابق ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

لہذا اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل سنت پر محمول نہیں بلکہ بیان جواز پر محمول ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کبھی کبھی کوئی اور سورہ بھی ملا کر قرأت کرتے تھے تاکہ لوگوں کو مطمئن ہو جائے کہ اس طرح پڑھنا بھی جائز ہے لیکن اتنی بات جان لینی چاہئے کہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا ہی سنت ہے بلکہ احناف کا کہنا تو یہ ہے کہ اگر کوئی آدی سورہ فاتحہ بھی نہ پڑھے بلکہ صرف تسبیح (یعنی سبحان اللہ وغیرہ کہہ لے تو بھی جائز ہے لیکن قرأت افضل ہے، امام حنفی، امام ثوری اور کوفہ کے تمام علماء کرام کا قول بھی یہی ہے۔

محیط میں یہ لکھا کہ اگر کوئی آدی آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بجائے قصد سکوت اختیار کرے تو یہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ایک غلط فعل ہوگا۔ حسن بن زیاد نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں قرأت کرنا واجب ہے۔ ابن شیبہ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت کرنا واجب ہے اور آخری دونوں رکعتوں میں تسبیح پر اکتفاء کرنا واجب نہیں بلکہ اگر کوئی آدی آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورہ بھی پڑھ لے تو مجبوراً سو واجب نہیں ہوگا اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے اور کسی دوسری سورت کا ترک کرنا واجب نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ مجبوراً کبھی کبھی واجب کو چھوڑ دینے یا واجب پر عمل نہ کرنے ہی کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں ادنیٰ اور صحیح یہ ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورہ کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دونوں رکعتوں میں کبھی کبھی سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورہ یا کچھ آیتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے لیکن سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورہ کا نہ پڑھنا ہی مستحب ہے۔

نوافل کی تمام رکعتوں میں وجوب قرأت کا بیان:

(وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ لِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ وَلِي جَمِيعِ الْوُتْرِ) اَمَّا النَّفْلُ فَلِأَنَّ كُلَّ خَفِيعٍ مِنْهُ صَلَاةٌ عَلَى حَسَبِهِ، وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ كَخَيْرِيَّةٍ مُتَبَدِّلَةٍ، وَلِهَذَا لَا يَجِبُ بِالْخَيْرِيَّةِ الْأُولَى إِلَّا رَكَعَتَانِ لِي الْمَشْهُورُ عَنْ أَصْحَابِنَا وَرَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَلِهَذَا قَالُوا يُسْتَفْتَحُ إِلَى الثَّالِثَةِ، وَأَمَّا الْوُتْرُ فَلِلْإِخْيَاطِ.  
قَالَ (وَمَنْ خَرَعَ فِي ثَلَاثَةٍ ثُمَّ أَلْسَنَهَا لِقَضَائِهَا) وَلَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِهِ وَلَا لُزُومَ عَلَى الْمُتَبَرِّعِ. وَلَكِنْ أَنَّ الْمُؤَدَّى وَقَعَ قُرْبَةً فَلْيُزَمُ الْإِتِمَامُ ضَرُورَةً حِينَئِذٍ عَنِ الْبُطْلَانِ

ترجمہ:

نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے۔ نفل کی ہر رکعت میں وجوب قرأت اس لئے ہے کہ اس کی ہر رکعت الگ نماز ہے۔ اور تیسری رکعت میں کھڑا ہونے سے تحریر کی مثل ہے۔ اسی لئے ہمارے اصحاب کے مشہور قول کے مطابق پہلی تحریر سے صرف دو رکعتیں واجب ہوتی ہیں۔ اور اسی کی بنیاد پر مشائخ نے کہا ہے کہ تیسری رکعت میں ”شاء“ پڑھے۔ اور وتر کا حکم احتیاط کی وجہ سے ہے۔

فرمایا: جس نے نفل شروع کیے پھر ان کو توڑ دیا تو وہ ان کی قضاء کرے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس پر کوئی قضاء نہیں۔ کیونکہ وہ فضیلت ہے۔ اور فضیلت کا اس پر لزوم نہیں۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے جس قدر نفل کو ادا کیا وہ قربت واقع ہو گیا لہذا بطور ضرورت اس کو بطلان سے محفوظ رکھنا لازمی ہے۔

شرح:

نوافل اور وتر اور اسی طرح سنن کی تمام رکعتوں میں قرأت کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ فرائض کے سوا باقی تمام نمازیں اپنی تعریف و حمد میں ہر رکعت کے اعتبار سے مستقل حکم قرأت رکھتی ہیں۔ جبکہ اسی مسئلہ بنیاد پر فرائض و نوافل میں ایک واضح فرق بھی ہے۔ جہاں تک نوافل کو شروع کرنے اور پھر اس میں اتنی رکعات کو پورا کرنے یا شروع کرنے کے بعد دو رکعات پڑھ کر چھوڑ دینے کا مسئلہ ہے تو اس میں ائمہ فقہ کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک ترک کی ہوئی نماز کی قضاء کرے گا کیونکہ اس نے اگرچہ خود واجب کیا ہے تاہم جب کوئی حکم واجب ہو جاتا ہے تو اس کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فضیلت جانتے ہوئے حکم قضاء لازم نہ کیا۔

چار نفل پڑھنے والے نے جب دوسری دو کو قاسد کر دیا:

(وَأَنَّ صَلَاتِي أَرْبَعًا وَقَرَأْتِي الْأُولَتَيْنِ وَلَكِنَّهُمَا الْأَخْرَتَيْنِ لَعَنِي رَكَعَتَيْنِ) لِأَنَّ الشُّفْعَ الْأَوَّلَ قَدْ نَمَّ، وَالْقِيَامُ إِلَى الثَّالِثَةِ بِمَنْزِلَةِ خَيْرِيَّةٍ مُتَبَدِّلَةٍ لِكَيْلَا يَكُونَ مُلْزَمًا، هَذَا إِذَا أَلْسَنَ الْأَخْرَتَيْنِ بَعْدَ الشُّرُوعِ

بِهِمَا، وَلَوْ أَفْسَدَ قَبْلَ الشَّرْعِ فِي الشَّعْبِ النَّاسُ لَا يَقْضَى الْأَخَرَتَيْنِ: وَعَنْ أَبِي يُونُسَ أَنَّهُ يَقْضَى اغْتِبَارًا لِلشَّرْعِ بِالْأَثَرِ.

وَلَهُمَا أَنَّ الشَّرْعَ يَلْزَمُ مَا خُوعَ فِيهِ وَمَا لَا صِحَّةَ لَهُ إِلَّا بِهِ، وَصِحَّةُ الشَّعْبِ الْأَوَّلِ لَا تَعَلُّقُ بِالنَّاسِ، بِخِلَافِ الرِّكَعَةِ الثَّانِيَةِ، وَعَلَى هَذَا سُنَّةُ الظُّهْرِ لِأَنَّهَا نَائِلَةٌ وَقِيلَ يَقْضَى أَنْ تَقَامَ اخْتِصَارًا لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ:

اور اگر اس نے چار رکعت شروع کیے اور اس نے دو میں قرأت کی پھر اس نے قعدہ کیا اور پھر اس نے آخری دو کو فاسد کر دیا تو وہ دو رکعتوں کی قضاء کرے۔ کیونکہ پہلا فتح مکمل ہو چکا ہے اور تیسری رکعت کی طرف قیام بنی تحریر کے مقام میں ہے لہذا وہی اس کی دو رکعتوں کو لازم کرنے والا ہے۔ اور یہ حکم قضاء اس وقت ہے جب اس نے آخری دو کو شروع کرنے کے بعد فاسد کیا ہو۔ اور اگر اس نے شفع ثانی کے پہلے فاسد کیا ہے تو آخری دو کی قضاء نہیں ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نذر پر قیاس کرتے ہوئے قضاء کا حکم دیتے ہیں۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ شروع کر لینا بھی لازم کرتا ہے جس میں شروع ہوا ہے۔ اور وہ تو اس کے بغیر صحیح ہی نہیں ہوتا۔ اور شفع اول کی صحت کا شفع ثانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ بخلاف رکعت ثانیہ کے۔ اسی اختلاف کے مطابق ظہر کی سنت ہے کیونکہ وہ نفل ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بطور احتیاط وہ چار کی قضاء کرے کیونکہ وہ ایک ہی نماز کے درجے میں ہیں۔

دلیل استنباط میں امام ابو یوسف اور طرفین کے اختلاف کا بیان:

مسئلہ مذکورہ میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ قضاء حکم کی دلیل کی وجہ سے دیتے ہیں کہ اس شخص کا نوافل شروع کر لینے کے بعد اس کے حق میں ان کو پورا کرنا اس طرح ہو گیا جس طرح کسی شخص نے مذکور کو پورا کرنا ہوتا ہے اور نذر میں چونکہ جس وصف کا اس نے نذر میں اقرار کیا ہے اسی وصف کے ساتھ کلی طور پر پورا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا وہ نوافل میں دو رکعتوں کی قضاء کرے گا کیونکہ اس کے بعد چار رکعات نوافل مکمل نہیں ہوتے۔

جبکہ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے شروع کیا تو اس پر چار لازم ہو گئے ہیں۔ اور جب اس نے تیسری رکعت شروع کی تو وہ دو بھی لازم ہو گئے کیونکہ اس کے حق میں تیسری رکعت بھی تحریر کا حکم رکھتی ہے۔

حاصل حکام یہ ہوا کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک دلیل نذر کا تقاضہ یہ ہے کہ پورا کیا جائے اور طرفین میں یہاں الرحمہ کے نزدیک جب تیسری رکعت میں کھڑا ہو گیا تو تکبیر بہ منزلے تحریر کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔

چار رکعتوں میں سے کسی میں قرأت نہ کرنے کا بیان و حکم:

(وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَلَمْ يَقْرَأْ فِيهِنَّ هَيْثَا أَعَادَ رَكَعَتَيْنِ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَجَعَهُمَا اللَّهُ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَجَعَهُ اللَّهُ يَقْضِي أَرْبَعًا،

وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَجْوِبٍ: وَالْأَوَّلُ فِيهَا أَنَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَجَعَهُ اللَّهُ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي الْأَوَّلَيْنِ أَوْ فِي إِحْدَاهُمَا يُوجِبُ بَطْلَانَ التَّخْرِيمَةِ لِأَنَّهَا تَعَقَّدُ لِلْإِقْمَالِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَجَعَهُ اللَّهُ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي الشَّفَعِ الْأَوَّلِ لَا يُوجِبُ بَطْلَانَ التَّخْرِيمَةِ، وَإِنَّمَا يُوجِبُ قَسَادَ الْأَدَاءِ لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ وَثَمَنٌ وَإِلَّا، أَلَا تَرَى أَنَّ الصَّلَاةَ وَجُودًا بِدُونِهَا غَيْرُ اللَّهِ لَا صِحَّةَ لِلْأَدَاءِ إِلَّا بِهَا، وَلَقَسَادَ الْأَدَاءِ لَا يَزِيدُ عَلَى تَرْكِهِ فَلَا يَبْطُلُ التَّخْرِيمَةُ.

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَجَعَهُ اللَّهُ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي الْأَوَّلَيْنِ يُوجِبُ بَطْلَانَ التَّخْرِيمَةِ، وَفِي إِحْدَاهُمَا لَا يُوجِبُ لِأَنَّ كُلَّ شَفَعٍ مِنَ التَّشْرُوعِ صَلَاةٌ عَلَى حِدَةٍ وَلَقَسَادًا بِتَرَكِ الْقِرَاءَةِ فِي رَكَعَةٍ وَاحِدَةٍ مُبْخَصَةً فِيهِ لِقَضَائِنَا بِالْقَسَادِ فِي حَقِّ وَجُوبِ الْقَضَاءِ وَحُكْمِنَا بِبَقَاءِ التَّخْرِيمَةِ فِي حَقِّ لُزُومِ الشَّفَعِ الثَّانِي اخْتِيَارًا، إِذَا كُنْتَ هَذَا تَقُولُ: إِذَا لَمْ يَقْرَأْ فِي الْكُلِّ كُنْصِي رَكَعَتَيْنِ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ التَّخْرِيمَةَ لَقَدْ بَطَلَتْ بِتَرَكِ الْقِرَاءَةِ فِي الشَّفَعِ الْأَوَّلِ عِنْدَهُمَا فَلَمْ يَبْصَحْ الشَّرُوعُ فِي الشَّفَعِ الثَّانِي وَتَبَيَّنَتْ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَجَعَهُ اللَّهُ قَصْحَ الشَّرُوعِ فِي الشَّفَعِ الثَّانِي ثُمَّ إِذَا قَسَدَ الْكُلُّ بِتَرَكِ الْقِرَاءَةِ فِيهِ لَعَلَّيْهِ قَضَاءُ الْأَرْبَعِ عِنْدَهُ.

ترجمہ:

طرفین کے نزدیک جب کسی شخص نے چار رکعتیں نفل اس طرح پڑھیں کہ ان میں سے کسی رکعت میں بھی قرأت نہیں کی۔ تو وہ دو رکعتوں کا اعادہ کرے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ چار رکعتوں کی قضاء کرے۔

اس مسئلہ کی آٹھ صورتیں ہیں۔ اور قانون اس میں یہ ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک پہلی رکعت میں یا ان میں سے کسی ایک میں قرأت کو چھوڑنا تحریر کو باطل کرنے کا موجب ہے۔ کیونکہ تحریر افعال (نماز) کو باندھنے والی ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک پہلے شفع میں ترک قرأت تحریر کو باطل کرنے کا موجب نہیں ہے۔ بلکہ فساد ادا کا موجب ہے کیونکہ قرأت رکنِ زائد ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ قرأت کے بغیر بھی وجوہ صلوٰۃ ہے۔ لیکن قرأت کے بغیر اس کی ادا گنجلی صحیح نہیں۔ اور ادا کا فساد ہونا ترک ادا سے زیادہ نقصان دہ نہیں ہے۔ لہذا تحریر باطل نہ ہوگی۔

اور امام اعظم کے نزدیک پہلی دونوں میں ترک قرأت تحریر کو باطل کرنے کا موجب ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک میں ترک قرأت تحریر کو باطل کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ نفل کا ہر شفع الگ نماز ہے اور ایک رکعت میں ترک قرأت کی وجہ سے فساد



مختلف تیرہ ہے۔

لہذا ہم نے حکم فساد وجوب قضاء کے حق میں دے دیا۔ اور احتیاط کے پیش نظر تحریر یہ کی تھا، کا حکم شفع ثانی کے لزوم کے حق میں دے دیا۔ جب اصول ثابت ہو چکا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ طرفین کے نزدیک تمام رکعتوں کی صورت میں دور رکعتوں کی قضاء کرے۔ کیونکہ ان کے نزدیک پہلا شفع میں ترک قرأت کی وجہ سے تحریر باطل ہوگی۔ لہذا شفع ثانی کو شروع کرنا ہی درست نہیں ہے۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک تحریر باقی ہے لہذا شفع ثانی کو شروع کرنا بھی صحیح ہے اور پھر جب اس نے ترک قرأت کی وجہ سے ساری چاروں کو فاسد کیا۔ تو چاروں کی قضاء واجب ہوگی۔ مسائل ثنائیہ والے مسئلہ میں امام ابو یوسف اور طرفین کا موقف:

اگر کسی شخص نے چار رکعت فو اخل پڑھے اور کسی میں بھی قرأت نہ کی تو طرفین کے نزدیک دور رکعت کی قضاء کرنا واجب ہے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک چار رکعت کی قضاء واجب ہے دلیل وہی ہے کہ امام ابو یوسف نذر پر قیاس کرتے ہیں اور طرفین کے نزدیک جب تیسری رکعت شروع نہ ہوئی تو حکم قضاء آخری دور رکعتوں کا کیونکر دیا جائے گا۔ بہر حال مسئلہ کی مندرجہ ذیل آٹھ صورتیں ہیں۔

(۱) چاروں میں قرأت نہ کی (۲) چاروں میں قرأت کی (۳) پہلی دو میں قرأت ترک کی (۴) دوسری دو میں قرأت ترک کی (۵) صرف پہلی رکعت میں قرأت ترک کی (۶) فقط دوسری رکعت میں قرأت ترک کی (۷) صرف تیسری رکعت میں قرأت ترک کی (۸) صرف چوتھی رکعت میں قرأت ترک کی۔

اس مسئلہ کی مزید صورتیں بھی فقہاء نے بیان کی ہیں۔ تاہم دلائل کے پیش مزید صورتیں انہی کے تابع ہوں یعنی ان کے حکم میں امام ابو یوسف اور طرفین کے اختلاف کا لیا گیا جائے گا۔ اگر پہلی دور رکعتوں میں قرأت کی تو آخری دو کی قضاء کا بیان:

(وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأَوَّلَيْنِ لَا غَيْرَ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأَخْرَتَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ) لِأَنَّ السَّخَرِيَّةَ لَمْ تَبْطُلْ فَصَحَّ الشَّرْعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي ثُمَّ قَسَادَةُ بَرَكَةِ الْقِرَاءَةِ لَا يُوجِبُ قَسَادَةَ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ .  
(وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأَخْرَتَيْنِ لَا غَيْرَ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأَوَّلَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ) لِأَنَّ عِنْدَهُمَا لَمْ يَصِحَّ الشَّرْعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي . وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِنَّ صَحَّ فَقَدْ أَذَاعَا .

ترجمہ:

اور اگر اس نے صرف پہلی دور رکعتوں میں قرأت کی تو وہ پانچواں آخری دو کی قضاء واجب ہے کیونکہ اس کی تحریر باطل

نہیں ہوئی۔ لہذا شفع ثانی کو شروع کرنا صحیح ہوا۔ پھر اس میں ترک قرأت کا فساد شفع اول کے فساد کو واجب نہیں۔ اور اگر اس نے صرف آخری دو رکعتوں میں قرأت کی تو یہ اجماع پہلی دو کی قضاء اس پر واجب ہے۔ اس لئے کہ طریقین کے نزدیک شفع ثانی کو شروع کرنا صحیح نہیں۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اگرچہ صحیح ہے۔ لیکن اس نے (شفع ثانی) کو ادا کیا ہے۔

شرح:

اس مسئلہ میں بھی امام ابو یوسف علیہ الرحمہ اور طرفین کے موقف کی دلیل گزر چکی ہے۔

پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی اور آخری دو میں سے ایک میں قرأت کی تو حکم:

( وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُولَىٰ وَاخْتَدَى الْأُخْرَىٰ لَعَلَّهُ الْاُخْرَىٰ بِالْإِجْمَاعِ ، وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُخْرَىٰ وَاخْتَدَى الْأُولَىٰ لَعَلَّهُ الْاُولَىٰ بِالْإِجْمَاعِ ، وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُولَىٰ وَاخْتَدَى الْأُخْرَىٰ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَضَاءُ الْأَرْبَعِ ، وَكَذَا عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ التَّخْرِيمَةَ بِالْيَدِ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ لَضَاءُ الْأُولَىٰ لِأَنَّ التَّخْرِيمَةَ قَدْ ارْتَفَعَتْ عِنْدَهُ .

وَقَدْ أَكْرَأَ أَبُو يُسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذِهِ الرُّوَايَةَ عَنْهُ وَقَالَ: رَوَيْتُ لَكَ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ  
يُزَمُّ لِقَاءَ رُفْعَتَيْنِ، وَمُعَمَّدَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَمْ يَرْجِعْ عَنْ رِوَايَتِهِ عَنْهُ.

ترجمہ:

اور اگر اس نے پہلی دور کتوں اور آخری دور کتوں میں سے کسی ایک میں قرأت کی تو اس پر پانچواں آخری دور کتوں کی قضاء واجب ہے۔ اور اسی طرح اگر اس نے آخری دور کتوں میں قرأت کی اور پہلی دو میں سے کسی ایک میں قرأت کی تو تب بھی اس پر پانچواں پہلی کی قضاء واجب ہے۔

اور اگر پہلی دو رکعتوں میں سے ایک اور آخری دو رکعتوں میں سے کسی ایک میں قرأت کی تو امام ابو یوسف اور امام اعظم کے نزدیک چار رکعتوں کی قضاء کرے گا۔ کیونکہ تحریر باقی ہے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر پہلی دو کی قضاء واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک تحریر اٹھ چکی ہے۔

اور بے شک امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے ان کی اس روایت کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے امام اعظم سے نہیں یہ روایت بتائی کہ اس پر درود کعتوں کی قضاء واجب ہے۔ لیکن امام محمد علیہ الرحمہ نے اس روایت میں ان سے رجوع نہیں کیا۔

شرح:

اس مسئلہ کی توضیح میں علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ یوں تحقیق انق فرماتے ہیں۔

(قَوْلُهُ فَعَلَيْهِ قِصَاصُ الْأَخْرَجِينَ) وَهَذَا إِذَا كَانَ قَعْدٌ وَإِلَّا قُضِيَ أُرْبَعًا قَوْلُهُ وَمُحَمَّدٌ لَمْ يَرْجِعْ عَنْ رِوَايَتِهِ عَنْهُ  
(وَاعْتَمَدَتْ الْمَشَايِخُ رِوَايَةَ مُحَمَّدٍ مَعَ تَضَرُّعِهِمْ فِي الْأَصُولِ بِأَنْ تَكْذِيبُ الْأَصْلِ الْقَرْعُ يُسْقِطُ الرِّوَايَةَ إِذَا  
كَانَ ضَرِيحًا، وَالْجَبَارَةُ الْمَذْكُورَةُ فِي الْكِتَابِ وَغَيْرِهِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ مِنْ مِثْلِ الصَّرِيحِ عَلَى مَا بَعُرَفَ فِي ذَلِكَ  
الْمَوْضِعِ فَلْيَكُنْ لَا بَاءَ عَلَى اللَّهِ بِرِوَايَةِ بَلْ تَفْرِيعٌ صَحِيحٌ عَلَى أَصْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِلَّا فَهَوُ مُشْكِلٌ) (قَوْلُهُ قَالَ) أَيْ  
مُحَمَّدٌ تَفْسِيرُ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَ لَمَّا ذَكَرَ أَنَّ السُّنْفَ أُرْبَعًا أُرْبَعًا مُطْلَقًا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا وَرَدَّ عَلَيْهِ  
ظَاهِرُ هَذَا الْحَدِيثِ، وَهُوَ مَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُعِينَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ قَالَ: قَالَ عُمَرُ  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يُصَلِّي بَعْدَ صَلَاةٍ مِثْلَهَا، وَقَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِيِّ قَالَا  
:قَالَ عَبْدُ اللَّهِ لَا يُصَلِّي عَلَى لَبِ صَلَاةٍ مِثْلَهَا، فَفَسَّرَهُ بِأَنَّ الْمُرَادَ رَكْعَتَيْنِ بِقِرَاءَةٍ وَرَكْعَتَيْنِ بِلَا قِرَاءَةٍ إِذْ هُوَ  
مَتْرُوكُ الظَّاهِرِ اتِّفَاقًا لِأَنَّهُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ الظَّاهِرِ عَقِيبَ الظَّاهِرِ الْمُقْصُورَةِ.

وَكُنْدًا الْعِشَاءَ وَالْفَسْحَ عَقِيبَ رَكْعَتَيْهِ، أَوْ هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى تَكَرُّرِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى هَيْئَتِهِ  
الْأُولَى، أَوْ عَلَى النِّهَازِ عَنْ قِصَاصِ الْفَرَاغِ مَخْلَعَةِ الْخَلَالِ فِي الْمَوْذَى فَإِنَّهُ مَذْكُورٌ لِمَا فِي أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِي  
عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِسَارٍ قَالَ: أَتَيْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الْبَلَاطِ وَهُمْ يُصَلُّونَ، قُلْتُ: أَلَا تُصَلِّي مَعَهُمْ؟  
قَالَ: قَدْ صَلَّيْتُ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ (لَا تُصَلُّوا صَلَاةً فِي يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ) وَرَوَى  
مَالِكٌ فِي الْمَوْطِئِ

حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ: إِنِّي أُصَلِّي فِي بَيْتِي ثُمَّ أُدْرِكُ الصَّلَاةَ مَعَ الْإِمَامِ أَفَأُصَلِّي مَعَهُ؟  
فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: نَعَمْ، قَالَ: أَتَيْتُهُمَا أَجْعَلُ صَلَاتِي، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَيْسَ ذَلِكَ إِلَيْكَ إِنَّمَا ذَلِكَ إِلَى اللَّهِ يَجْعَلُ  
أَيُّهُمَا شَاءَ.

وَقَالَ: هَذَا مِنْ ابْنِ عُمَرَ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْإِدْرِيَّ رَوَى عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِسَارٍ عَنْهُ إِنَّمَا أَرَادَ كِلْتَاهُمَا عَلَى وَجْهِ  
الْقَرَضِ، أَوْ إِذَا صَلَّى فِي جَمَاعَةٍ فَلَا يُبِيدُ انْتِهَى.

وَفِيهِ نَفْيُ لِقَوْلِ الشَّاعِبِيِّ بِإِبَاحَةِ الْإِعَادَةِ مُطْلَقًا وَإِنْ صَلَّاهَا فِي جَمَاعَةٍ.  
وَأَمَّا كَوْنُ الْحَدِيثِ الْمَذْكُورِ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا هُوَ ظَاهِرُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ أَعْلَمَ بِهِ،  
وَمُحَمَّدٌ رَجَمَهُ اللَّهُ أَعْلَمَ بِذَلِكَ مِنْهُ. (فتح القدير، ج ٢، ص ٤٣٠، بيروت)

جامع صغیر کی تصنیف کے بعد امام محمد اور امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کا ذکر:

صاحب ہدایہ کے مذکورہ متن میں جس مسئلہ کا ذکر ہے اس سے مصنف کا اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی ہے کہ جس وقت

امام محمد علیہ الرحمہ جامع صغیر کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔ تو انہوں نے اپنی کتاب امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کو سنائی۔ اور یہی مسئلہ بیان ہوا تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے امام محمد سے کہا کہ یہ روایت امام صاحب سے تمہارے سامنے بیان نہیں ہوئی بلکہ میں نے امام اعظم کے سامنے تمہیں یہی روایت بیان کی تھی کہ اس شخص پر دو رکعتیں قضاء واجب ہے۔

جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا کہ نہیں اس طرح نہیں ہے بلکہ تم نے مجھ سے اس طرح روایت کی تھی کہ امام اعظم کے نزدیک اس شخص پر چار رکعتوں کی قضاء واجب ہے۔

اگر اس نے پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت کی تو حکم:

(وَلَوْ قَرَأَ اِلٰى اَحَدَى الْاُولٰٓئِکِیْنَ لَا غَیْرَ لِقَضٰی اَرْبَعًا عَنْکُمَا ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ لِقَضٰی رَمَضَتَیْنِ ، وَلَوْ قَرَأَ اِلٰى اَحَدَى الْاٰخَرَتَیْنِ لَا غَیْرَ لِقَضٰی اَرْبَعًا عِنْدَ اَبِی یُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَعِنْدَکُمَا رَمَضَتَیْنِ) قَالَ (وَتَفْسِیْرُ قَوْلِهِ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " ( لَا یُصَلِّیْ بَعْدَ صَلَاةٍ وَمِثْلُهَا ) " یُخْبِرُ رَمَضَتَیْنِ بِغَرَاءٍ وَرَمَضَتَیْنِ بِغَیْرِ قِرَاءٍ وَفَیْکُنُوْنَ بَیْنَ قِرَاطِیَةِ الْوَرَاءِ وَ اِلٰی رَمَضَتِی الْاٰخِرَتَیْنِ مِثْلُهَا ۔

ترجمہ:

اگر اس نے صرف پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی تو شیخین کے نزدیک وہ چار کی قضاء کرے گا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک دو کی قضاء کرے گا۔ اور اگر اس نے آخری دو رکعتوں میں سے صرف کسی ایک میں قرأت کی تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ چار کی قضاء کرے گا اور طرفین کے نزدیک دو کی قضاء کرے گا۔ اور نبی کریم ﷺ کے فرمان " لَا یُصَلِّیْ بَعْدَ صَلَاةٍ وَمِثْلُهَا " کی تفسیر یہی ہے یعنی وہ دو رکعتیں قرأت کے ساتھ اور دو رکعتیں بغیر قرأت کے نہ پڑھے۔ لہذا یہی نفل کی تمام رکعات میں قرأت کی فریضت کا بیان ہو گیا ہے۔

شرح:

علامہ بدر الدین یعنی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حدیث " ( لَا یُصَلِّیْ بَعْدَ صَلَاةٍ وَمِثْلُهَا ) " جس تفسیر جامع صغیر میں امام محمد علیہ الرحمہ نے کی ہے اور اس حدیث کو ذرا بیان کیا ہے جبکہ یہ بھی ثابت ہے کہ یہ حدیث حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول پر موقوف ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس کو مصنف میں مغیرہ بن ابراہیم سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " ( لَا یُصَلِّیْ بَعْدَ صَلَاةٍ وَمِثْلُهَا ) " اور ابن ادریس نے حمین سے انہوں نے ابراہیم اور شعبی سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " لَا یُصَلِّیْ عَلٰی اَثَرِ صَوْتٍ مِثْلُهَا " اور جامع صغیر کی شرح میں فقیر البیہقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ " اور امام طحاوی علیہ الرحمہ نے شرح الآثار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے

روایت کیا ہے کہ "کان یکرہ ان یصلی بعد صلوٰۃ مثلاً" (البتا یہ شرح الہدایہ ج ۳ ص ۸۵، بخاری طبعان)

قیام پر قدرت کے باوجود نفل کو بیٹھ کر پڑھنے کا بیان:

(وَيُصَلِّي النَّافِلَةَ قَاعِدًا مَعَ الْقُضْرِ عَلَى الْيَمَامِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "صَلَاةُ الْقَاعِدِ عَلَى النُّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ" وَلَآنَ الصَّلَاةَ عَمَرٌ مَوْضُوعٌ وَرَبَّمَا يُشَلُّ عَلَيْهِ الْيَمَامُ لِمَجْعُورٍ لَكَ تَرْكُهُ عَنِّي لَا يَنْقُطِعُ عَنْهُ. وَاعْتَظُوا بِكَيْفِيَةِ الْقُضْرِ وَالْمُعْتَارِ أَنَّ يَتَعَمَّدَ كَمَا يَتَعَمَّدُ فِي خَالَةِ الشَّهَادَةِ لِأَنَّهُ عَهْدٌ مَشْرُوعًا فِي الصَّلَاةِ.

ترجمہ

اور قیام پر قدرت ہونے کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیٹھ کر نماز پڑھنے والی کی نماز قائم کی نماز سے نصف (ثواب) رکھتی ہے۔ کیونکہ نماز کو بھلائی بنایا گیا ہے۔ اور اکثر اوقات بندے پر قیام مشکل ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کا ترک جائز ہے۔ تاکہ وہ نفل ہی ختم نہ کر بیٹھے۔ اور فقہاء نے بیٹھنے کے طریقے میں اختلاف کیا ہے۔ اور مختار یہ ہے کہ وہ اس طرح بیٹھے جس طرح تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔ کیونکہ نماز میں یہی بیٹھنا شروع و ختم ہونا ہے۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب سے گزرے تو فرمایا بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز (ثواب کے اعتبار سے) آدھی ہے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز سے۔ (سنن ابن ماجہ) حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے تو دیکھا کچھ لوگ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں تو فرمایا بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز آدھی ہے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز سے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہ کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔ فرمایا جس نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو یہ افضل ہے اور جس نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو اس کو کھڑے ہونے والے سے آدھا ثواب ملے گا اور جس نے لیٹ کر نماز پڑھی تو اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

فرائض کے برعکس نوافل بیٹھ کر بھی پڑھے جاسکتے ہیں چاہے کوئی عذر موجود نہ ہو لیکن بیٹھ کر نفل پڑھنے سے آدھا اجر ملتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔

مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي شُبْحَةٍ قَاعِدًا حَتَّى يَخْلُفَ قَبْلَ وَقَايِهِ بَعَامٍ (صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین و قصرها باب جواز النافلة قائما و قاعداً)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبح سے ایک سال پہلے تک رات کے نوافل بیٹھ کر ادا کرتے ہوئے نہیں



جبکہ فوائد ظہیریہ میں ہے کہ نفل کی جس طرح اس نے ابتداء کی تھی اسی طرح اس کی انتہاء کرے کیونکہ انتہاء کو پورا کرنا ابتداء کی بہ نسبت آسان ہے۔ (عناہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۲۲۵، بیروت)

شہر سے باہر جانوروں پر نفل پڑنے کا بیان:

(وَمَنْ كَانَ عَارِجَ الْغَضْرِ يَتَقَلُّ عَلَى قَائِمِهِ إِلَى أَىِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ يَوْمَهُ لِمَاءٌ) لِحَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ " (رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَهُوَ مُتَوَجِّعٌ إِلَى غَمَرٍ يَوْمَهُ لِمَاءٌ) " وَلَأنَّ السَّرَافِلَ غَيْرَ مُنْعَصَةٍ بِوَقْتٍ فَلَوْ أَنَّ زَمَانَهُ النَّزُولُ وَالْإِسْقَابُ تَقَطَّعَ عَنْهُ النَّافِلَةُ أَوْ يَتَقَطَّعُ هُوَ عَنِ النَّافِلَةِ، أَمَا الْقَرِائِنُ كَمُنْعَصَةٍ بِوَقْتٍ، وَالسَّنَنُ وَالْوُائِبُ لَوَائِلُ.

وَعَنْ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَنْزِلُ لِسَيِّدَةِ الْقَمْصِ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ مِنْ سَائِرِهَا، وَالتَّقْيِيدُ بِعَارِجِ الْغَضْرِ يَخْلِي اخْتِيارَ السَّفَرِ وَالْجَوَازِ فِي الْغَضْرِ. وَعَنْ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي الْغَضْرِ أَيْضًا، وَوَجْهُ الظَّاهِرُ أَنَّ النَّصَّ وَزَكَ عَارِجَ الْغَضْرِ وَالْحَاجَةُ إِلَى الرُّكُوبِ لِيُؤْخَذَ بِهِ أَغْلَبَ.

ترجمہ:

اور جس آدمی شہر سے باہر ہو وہ اپنی سواری پر نفل پڑے جس سمت چاہے متوجہ ہو اور اشارہ کرے گا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہمارے نماز پر نماز پڑھتے دیکھا اور آپ خیر کی طرف متوجہ تھے اور اشارہ فرماتے تھے۔ کیونکہ نوافل کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ لہذا اگر ہم نے اس پر نزول اور جہت قبلہ کو لازم کر دیا تو اس سے نفل ختم ہو جائیں گے یا پھر وہ قائلے سے ختم ہو جائے گا۔ جبکہ فرائض وقت کے ساتھ خاص ہیں اور سنن نوافل کے مرتبے میں ہیں۔

اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ فجر کی سنن کیلئے اترے گا کیونکہ ان کی تاکید تمام سنن سے زیادہ ہے۔ اور خارج مصر کی شرط لگا کر شرط سفر کو ختم کرنا ہے اور شہر میں جواز کی نفی کرتا ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک شہر میں بھی جائز ہے۔ اور انکی دلیل ظاہر ہے۔ کیونکہ نص بیرون شہر کے حکم میں بیان ہوئی ہے اور بیرون شہر میں سواری کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

سواری پر نماز نماز پڑھنے کے حلق احادیث کا بیان:

ام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد)

سیدنا جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نفل نماز سوار ہونے کی حالت میں ہی پڑھ لیتے تھے حالانکہ

آپ ﷺ قبل کی بجائے کبھی اور سنت جاتے ہوتے۔ (بخاری ۵۸۲)

نیدان انس سے روایت ہے کہ انہوں نے گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھی اور ان کا منہ قبلہ کے بائیں طرف تھا (جب وہ نماز پڑھ چکے) تو پوچھا گیا کہ آپ نے خلاف قبلہ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں (کبھی) ایسا نہ کرتا۔ (بخاری ۵۸۳)

سواری پر نفل نماز پڑھنے میں فقہاء متاف کا نظریہ:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو رات کی نماز علاوہ فرض نماز کے اپنی سواری پر اشارے سے پڑھتے اور سواری کا منہ جس سمت ہوتا اسی سمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی منہ ہوتا نیز نماز وتر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری ہی پر پڑھ لیتے تھے۔ (صحیح البخاری صحیح مسلم)

خَبِثَتْ نَفْسُ جَنْهَتْ بِهٖ كَمَا مَطْلَبُ يَهٗ كَهٗ كَدَّ حُرَّ سَوَارِي كَا مَنَّهُ هَوَا (ادھر ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی منہ کئے ہوئے نماز پڑھتے رہتے تھے لیکن خبیثہ تحریر کے وقت اپنا روئے مبارک بھر صورت قبلہ کی طرف رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوگا اشارے سے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اور جہدہ اشارہ سے کرتے تھے نیز یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہدہ کا جو اشارہ کرتے وہ رکوع کے اشارے سے پست ہوتا تھا۔

اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں اول تو یہ کہ سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز ہے لیکن فرض نہیں اس حدیث میں اگرچہ رات کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسری روایتوں میں عام نفل نمازوں کا ذکر موجود ہے لہذا یہ حکم سنت موکدہ اور اس کے علاوہ دیگر سنن و نوافل نمازوں کو بھی شامل ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ فجر کی سنتوں کے لیے سواری سے اتر جانا مستحب ہے بلکہ ایک دوسری روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کو سواری سے اتر کر پڑھنا واجب ہے۔ اسی لیے اس نماز کو بغیر کسی عذر کے بیٹھے بیٹھے پڑھنا جائز نہیں ہے فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن مندوب و جلیل اعتدال کی صورت میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھ لینا جائز ہے۔

(۱) کوئی آدمی جنگل میں ہو اور اپنے مال یا اپنی جان کی ہلاکت کا خوف ہو مثلاً یہ ڈر ہو کہ اگر سواری سے اتر کر نماز پڑھنے لگوں گا تو کوئی چور یا راجزن مال و اسباب لے کر چلا جائے گا یا کوئی درندہ نقصان پہنچائے گا یا قافلے سے ٹکرائے جاؤں گا یا راستہ بھول جاؤں (۲) سواری میں کوئی ایسا سرکش جانور ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس پر اترنے کے بعد پھر چڑھنا ممکن نہ ہو۔ (۳) نماز پڑھنے والا اتنا ضعیف اور بوڑھا ہو کہ خود نہ سواری سے اتر سکا ہو اور سواری پر چڑھنے پر قادر ہو اور نہ کوئی ایسا آدمی پاس موجود ہو جو سواری سے اتار سکے اور اس پر چڑھ سکے۔ (۴) زمین پر اتنا کچھ ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہے۔ (۵) یا بارش کا عذر ہو۔



جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کا تعلق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز بھی سواری پر پڑھ لیتے تھے تو اس کے بارے میں امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نماز وتر کے حکم کی تاکید کے پیش نظر اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے سواری پر وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر جب لوگوں کے ذہن میں اس نماز کی تاکید و اہمیت بیٹھ گئی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اتنی تاکید فرمادی کہ اس کے چھوڑنے کو روکا نہیں رکھا تو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز بھی سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

حضرت امام محمد نے اپنی کتاب مؤطا میں صحابہ تابعین کے ایسے بہت آثار نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات وتر کی نماز پڑھنے کے لیے اپنی سواریوں سے اتر جاتے تھے۔

علامہ شمسی فرماتے ہیں کہ نماز فرض کی طرح جنازہ کی نماز، صنت مانی ہوئی نماز، زوارہ و جہدہ تلاوت کہ جس کی آیت مجیدہ کی تلاوت زمین پر کی گئی سواری پر جائز نہیں ہے۔

حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ مستحب ہوتا ہے کہ سواری پر نماز پڑھنا سفر کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ امامہ جہور کا یہی مسلک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ و حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا محقق اور صحیح مسلک یہ ہے کہ سواری پر نماز کا جواز نماز کے شہر سے باہر ہونے کے ساتھ مشروط ہے خواہ مسافر ہو یا نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی مسافر بھی شہر کے اندر ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے اگرچہ مکروہ ان کے نزدیک بھی ہے حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مسافر شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ شہر سے کتنے فاصلے پر ہونے کی صورت میں سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک کم سے کم دو فرسخ (چھ میل) شہر سے باہر ہونا ضروری ہے بعض حضرات نے تین فرسخ اور بعض حضرات نے ایک کوس متعین کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ شہر و آبادی کے مکانات سے باہر ہوتے ہی سواری پر نماز نفل پڑھنا جائز ہے جیسا کہ قصر نماز کے جواز کے سلسلے میں قاعدہ ہے۔

سواری پر نماز پڑھنے کے مسائل:

۱ شہر یا بستی سے باہر گھوڑے وغیرہ جانور پر سوار ہو کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ کوئی عذر ہو یا نہ ہو، اور حاکم کو جانور جاتا ہو ادھر ہی کو نماز پڑھے کیونکہ سواری پر نماز میں قبیلہ کی طرف منہ کرنا شرط نہیں ہے لیکن اگر شروع کرتے وقت ممکن ہو تو استقبال قبلہ مستحب ہے جانور کے رخ کے خلاف سمت کو نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

۲. شہر (آبادی) کے اندر جانور پر سوار ہو کر نفل نماز پڑھنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں، امام ابو یوسف کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

۳. شہر سے باہر نکلنے کے بعد مسافر اور غیر مسافر اس حکم میں برابر ہیں اس لئے اگر کوئی شخص اپنی کھیتوں وغیرہ کی طرف یا گردو لواخ میں جاتا ہو اور سفر شرعی نہ ہو تب بھی سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔

۴. سنّت منکدہ وغیرہ منکدہ سب نفل کے حکم میں ہیں لیکن سنّت فجر امام ابوحنیفہ کے نزدیک بلا عذر سواری پر پڑھنا جائز نہیں۔

۵. سواری پر نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اشاروں سے نماز پڑھے یعنی جس طرح سواری پر بیٹھا ہو نیت باندھ کر قرأت وغیرہ بدستور پڑھ کر رکوع و سجدہ اشارہ سے کرے اور سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ جھکا ہوا اور بدستور قعدے میں تشهد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے اور سجدہ میں کسی چیز پر ہاتھ نہ رکھے خواہ جانور چلا ہو یا کھڑا ہو اس لئے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

۶. شہر سے باہر سواری پر نماز پڑھنے میں اگر جانور اپنے آپ چلا ہو تو ہاتھ نہ لگنا جائز نہیں اور اگر اپنے آپ نہ چلا ہو تو عمل قلیل سے ہاتھ لگنے میں نماز فاسد نہیں ہوگی اور عمل کثیر سے ہاتھ لگنے میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

۷. اگر نفل نماز زمین پر شروع کی پھر جانور پر سوار ہو کر اس کو پورا کیا تو جائز نہیں اور اگر سواری پر شروع کی اور زمین پر اتار کر پورا کیا تو جائز ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ عمل قلیل سے اترا ہو مثلاً پاؤں ایک طرف کو لٹکا کر پھسل جائے۔

۸. اگر سواری کے جانور پر نجاست ہو تو وہ مانع نماز نہیں، خواہ قلیل ہو یا کثیر لیکن نمازی کے بدن یا لباس پر ناپاکی ہوگی تو نماز جائز نہ ہوگی۔

۹. ہر شخص کو اپنی اپنی سواری پر اکیلے اکیلے نماز پڑھنے چاہئے اگر وہ جماعت سے پڑھیں گے تو امام کی نماز جائز ہوگی جماعت کی جائز نہ ہوگی اور اگر مقتدی سب ایک ہی جانور پر سوار ہوں تو سب کی نماز جائز ہو جائے گی۔

۱۰. جانور پر محمل (سماری) میں اور گاڑی میں نفل نماز پڑھنے کا وہی حکم ہے جو جانور پر پڑھنے کا بیان ہوا۔

۱۱. پیدل چلنے کی حالت میں بالا جماع نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

سواری پر نفل شروع کرنے والے کی بناء کا بیان:

(لَإِنْ انْتَحَى الطَّوْعَ رَاكِبًا لَمْ يَزَلْ يَتِي، وَإِنْ صَلَّى رُكْعَةً نَزَلَ لَا قُمْ رَكِبَ اسْتَقْبَلَ) لِأَنَّ إِخْرَامَ الرَّاكِبِ انْتَقَظَ مَجْزُؤًا لِلرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لِقَوْلِهِ عَلَى النَّزُولِ، لِأَنَّ أَمْرًا يَهْمَا صَحَّ، وَإِخْرَامُ النَّازِلِ انْتَقَظَ لِبُجُوبِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ فَلَا يَقْدِرُ عَلَى تَوَكُّفِهِ مَا لَوْ مَرَّ مِنْ غَيْرِ عَلَيْهِ.

وَعَنْ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَسْتَقْبِلُ إِذَا نَزَلَ أَيْضًا، وَحَكَاهُ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا نَزَلَ بَعْدَ مَا

صَلَّى رَكْعَةً، وَالْأَصَحُّ هُوَ الْأَوَّلُ وَهُوَ الظَّاهِرُ.

ترجمہ:

اگر اس نے نفل نماز سواری پر شروع کی پھر وہ اتر آیا تو اسی پر بناء کرے گا۔ اور اگر اس نے زمین پر ایک رکعت پڑھی اور پھر سوار ہو گیا تو نئے سرے سے پڑھے۔ کیونکہ سواری تحریمہ رکوع و سجود کیلئے معتقد ہوئی تھی۔ اس لئے کہ وہ اترنے پر قادر ہے۔ لہذا اگر وہ دونوں (رکوع و سجود) کرے گا تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ اور زمین پر اترنا رکوع و سجود کے وجوب کو معتقد کرنے والا ہے کیونکہ وہ اس کے لزوم کے پیش نظر اس کو بغیر عذر کے ترک نہیں کر سکتا۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جب وہ اترے تو نئے سرے سے پڑھے۔ اور اسی طرح امام غزالی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب وہ ایک رکعت پڑھ کر اترے۔ اور زیادہ صحیح پہلا قول ہے اور دوسری ظاہر ہے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ مسئلہ ظاہر الروایت سے لیا گیا ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص سواری سے اترے گا اور بناء کرتے ہوئے رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھے گا تو اس صورت میں اس نماز کے بعض ارکان رکوع و سجود کے ساتھ ادا ہوئے اور بعض اشارے کے ساتھ ادا ہوئے۔ لہذا اس کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔

اور اسی طرح اگر نازل سوار ہوا تو وہ نئے سے نماز پڑھے اور اگر اس نے بناء کی تو اس نے بعض نماز کو رکوع و سجود کے ساتھ پڑھا اور بعض کو اشارے سے پڑھا جبکہ دوسری اولیٰ ہے۔

جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ اس مسئلہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں اس شخص کا بناء کرنا صحیح ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رکوع و سجود کرنے والے کا اشارے سے پڑھی ہوئی نماز پر بناء کرنا جائز ہے۔

اسی مسئلہ کے بارے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں نئے سرے سے نماز پڑھے گا اور اس کی دلیل میں وہ ظاہر الروایت والا اسلوب اپناتے ہیں۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۴۳۳، بیروت)

## فصل فی قیام رمضان

### ﴿یہ فصل رمضان میں قیام کے بیان میں ہے﴾

قیام رمضان والی فصل کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ فصل رمضان المبارک کے مہینے میں راتوں کے قیام کے احکام کے بیان ہے۔ مصنف نے حدیث کی اتباع کرتے ہوئے قیام کا لفظ اختیار کیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو قیام رمضان کی ترغیب دلاتے۔ اور فرمایا: جس نے رمضان میں ایمان و احسان کے ساتھ قیام کیا اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اس فصل کی باب النوافل سے مناسبت یہ ہے کہ اس کی تمام رکعات میں قرأت ہے اور تراویح کی بھی تمام رکعات میں قرأت ہے۔ لہذا ان دونوں نمازوں کی قرأت کے اعتبار سے ایک ہی جنس ہوئی۔ اور مبسوط میں ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی نے بھی تراویح کا انکار نہیں کیا۔ جبکہ اہل روافض اس کا انکار کرتے ہیں۔

(البنایہ شرح الہدایہ ج ۳، ص ۱۰۰، حقانیہ ملتان)

نماز تراویح کا اعتبار لغت :

تراویح، تر ویح کی جمع ہے اور آرام و انزاحت کے واسطے ایک مرتبہ بیٹھے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ علامہ ابن منظور علم لغت کی عظیم کتاب لسان العرب میں تحریر فرماتے ہیں۔ (التراویح، جمع تر ویح و ہی المرة الواحدة من الراحة تفعلیة منها مثل تسلیمة من السلام، و الترویح فی شهر رمضان سمیت بذلك لاستراحة القوم بعد کل اربع رکعات) تراویح، تر ویح کی جمع ہے اور ایک مرتبہ آرام کرنے کا نام ہے مادہ راحت سے بروزن تفعلیہ صیغہ اولیٰ سلام سے وزن تسمیہ، اور مادہ رمضان کی نماز تراویح کو بھی اسلئے تراویح کہتے ہیں کہ لوگ ہر چار رکعت کے بعد آرام کرتے ہیں۔

(لسان العرب، ج 5 مادہ روح، ص 360)

صاحب مجمع البحرین لفظ تراویح کے ذیل میں قیام تراویح۔ (التراویح تفاعل من الراحة لان کلاما من المتراویح یریح صاحبه و صلاة التراویح المختارة من هذا الباب لان المعصی یستریح بعد کل اربع) تراویح مادہ راحت سے بہ تفاعل کا مصدر ہے یعنی دوامیوں کا یکے بعد دیگرے صبح سے شام تک کونکے سے پانی کھینچنا، اسلئے کہ انہیں بھی ایک شخص دوسرے کے لئے استراحت و آرام کا باعث ہوتا ہے اور نماز تراویح بھی اسی باب سے ہے چونکہ نماز گزار ہر چار رکعت کے بعد آرام کرتا ہے۔ (مجمع البحرین، ج 2-1 مادہ روح، ص 244)

تراویح باعتبار اصطلاح اور فقہاء کے مطابق تعداد کا بیان :

علم لغت کے دو ماہر اور خیریت فن کے بیانات سے معنی لغوی کے ساتھ ساتھ اصطلاحی معنی بھی واضح دروٹن ہو جاتے ہیں اگرچہ نماز تراویح کیا ہے؟ اور نماز تراویح کس کو کہتے ہیں؟ انکی تلاش میں زیادہ سرگرداں ہونے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ ماہ مبارک رمضان میں اہلسنت کی مساجد میں یہ فعل عملاً دیکھا جاسکتا ہے یعنی مذہب اہلسنت کے نزدیک ماہ مبارک رمضان میں نماز مغرب و عشاء کے بعد ناقلہ نمازوں کو باجماعت انجام دینا تراویح کہلاتا ہے اور اب نماز تراویح پر اسقدر اصرار دیا کہ ہے کہ نماز تراویح مذہب اہلسنت کے لئے شعار اور پیمان بن گئی ہے۔

نماز تراویح میں لوگوں کو جمع کرنے کا بیان:

(يُسْتَحَبُّ أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ فِي قَهْرٍ وَرَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ فَيَقْرَأَ فِيهِمْ إِمَامُهُمْ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ ، كُلُّ تَرْوِيحَةٍ بِسِتِّ سَلَمَتَيْنِ ، وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيحَتَيْنِ مَقْدَارُ تَرْوِيحَةٍ ، ثُمَّ يُؤَيِّرُ بِهِمْ) ذَكَرَ لَفْظُ الْإِسْتِحْبَابِ وَالْأَمْرُ أَنَّهَا مَنَّةٌ ، كَذَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ وَاعَلَبَ عَلَيْهَا الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَيْنَ الْعَدْرَيْنِ قَرَأَ فِيهِ الْمُوَاعِظَةَ وَهُوَ عَشِيَّةٌ أَنْ تَكْتُبَ عَلَيْهَا ترجمہ:

رمضان المبارک میں عشاء کے بعد لوگوں کا جمع ہونا مستحب ہے۔ پس امام ان کو پانچ ترویحات پڑھائے۔ ہر ترویحدو مسلمانوں کے ساتھ ہو۔ اور ہر ترویحدو لوگوں کے درمیان ایک ترویحدی مقدار بیٹھے۔ پھر وہ ان کو تڑپڑھائے۔ اور لفظ استحباب کا ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔ امام حسن نے امام اعظم سے اسی روایت کیا ہے۔ کیونکہ خلفاء راشدین نے اسی پر دوام فرمایا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے ترک مواظبت کا عند بیان فرمایا ہے۔ اور وہ ہم پر فرض ہونے کا اندیشہ تھا۔

تعداد تراویح میں فقہی مذاہب کا بیان:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ تراویح پڑھنا سنت ہے اور اسے کسی حال میں ترک کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام رمضان میں نماز تراویح پڑھی اور گاہے ترک کرتے ہوئے فرمایا میں اس خوف سے مسلسل نہیں پڑھتا کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے۔

احادیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء راشدین ہمیشہ تراویح پڑھتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لوگو! میرے اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر سختی کے ساتھ عمل کرو۔ فقہی بعض کتابوں میں مرقوم ہے اگر شہر کے باشندے تراویح پڑھنا چھوڑ دیں تو حاکم وقت کے لیے لازمی ہے کہ وہ تارکین تراویح کو قتل کر دے۔

روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے غلام زکوان کے پیچھے تراویح پڑھتی تھیں اور یہی عمل ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا کہ وہ دیگر خواتین کے ساتھ جماعت کے طور پر اپنے غلام امام حسن بصری کی امامت میں تراویح پڑھتی تھیں، جسے ہم تفصیل کے ساتھ چند عنوانات میں بیان کرتے ہیں۔

ہمارے مسلک شریعت اسلامیہ میں بیس رکعات تراویح پڑھنا ہی سنت ہے۔ بیہقی نے صحیح اسناد کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ (20) رکعات تراویح پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی (20) رکعات ہی پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں (3) وتر پڑھتے تھے۔ بعض محدثین کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے لیکن خفیوں کے نزدیک حدیث مذکورہ بالا مقبول و مستند علیہ ہے اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ تراویح کی (20) رکعات ہی پڑھتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تراویح کی (36) رکعات ہیں اور دوسری روایت میں (39) رکعات مذکور ہیں جن میں وتر بھی شامل ہیں۔ یہ عمل صرف باشندگان مدینہ منورہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ باشندگان مکہ معظمہ کا دستور رہا ہے کہ وہ خانہ کعبہ کے ساتھ چکر لگاتے اور طواف کی دو دور رکعتیں ہر دو رکعات تراویح اور وتر کے درمیان ادا کرتے اور باشندگان مدینہ خانہ کعبہ کے اطراف طواف کرنے کی فضیلت سے دور رہنے کے سبب (20) رکعات تراویح کے بعد چار چار رکعات مزید پڑھتے ہیں اور اپنی ان اضافہ کردہ (16) رکعات کو (سہ عشریہ) کہتے ہیں اور ان کی یہ عادت آج تک جاری و ساری ہے۔ اس طرح (36) رکعات تراویح کے نام سے کہی جاسکتی ہیں۔ نیز اسی طرح (36) رکعات پڑھنے کی روایت آنحضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منسوب کی جاتی ہے جو مشہور نہیں ہے۔

بحالت موجودہ اگر آج بھی (20) رکعات تراویح پر مزید اضافہ کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور مانع نہیں۔ اور اس میں امام و مقتدی کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ سب برابر ہیں۔ سہ عشریہ کو علیحدہ پڑھنا مناسب ہے کیونکہ سوائے تراویح کے کوئی اور نماز باجماعت پڑھنا ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔ اور باشندگان مدینہ جو سہ عشریہ کو باجماعت ادا کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے نزدیک نفل باجماعت پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

متاخرین علماء مصر شیخ قاسم خلی کا بیان ہے کہ باجماعت نفل ادا کرنا غلط مکروہ ہے کیونکہ نفل پڑھنا اگر مستحب ہوتے تو دوسری نمازوں کی مانند ان کا باجماعت پڑھنا افضل ہوتا۔ اور اگر نماز نفل باجماعت پڑھنے کا حکم ہوتا تو شب بیداری نماز تہجد باجماعت ادا کر کے طالب فضیلت پاتے اور اس صورت میں نماز نفل باجماعت ادا کرنا افضل ہو سکتی تھی۔ اور جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طرز عمل و عبادت سے نفل باجماعت ادا کرنے کی کوئی روایت نہیں ہے تو اس صورت

میں بھی معلوم ہو کہ نخل باجماعت ادا کرنے میں کوئی فضیلت و برتری نہیں ہے۔

نماز تراویح کی شرعی حیثیت کا بیان:

(وَالسُّنَّةُ لَهَا الْجَمَاعَةُ) لَكِنْ عَلَى وَجْهِ الْكِفَايَةِ، حَتَّى تَوَاقَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ عَنْ الْإِثْمَانِ كَانُوا مُبْسُوتِينَ، وَلَوْ أَنَّهَا الْبَعْضُ لَالْتَمَعَلَفَ عَنْ الْجَمَاعَةِ تَارِكًا لِلْفَضِيلَةِ لِأَنَّ الْفَرَادَ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ رَوَى عَنْهُمْ التَّخَلُّفَ

وَالْمُسْتَحَبُّ لِمَا الْجُلُوسُ بَيْنَ التَّرَوُّعَيْنِ بِمَقْدَارِ التَّرَوُّعَةِ، وَكَذَا بَيْنَ الْخَاصِمَةِ وَبَيْنَ الْوُفْرِ لِعَادَةِ أَهْلِ الْحَرَمَيْنِ، وَامْتَحَسَنَ الْبَعْضُ الْإِسْتِرَاحَةَ عَلَى عَمَسِ تَمْلِيحَاتٍ وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ.

ترجمہ:

تراویح میں سنت جماعت ہے۔ البتہ یہ بطور کفایہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر مسجد والے ان کو قائم کرنے میں رک گئے تو سب گناہگار ہوں گے۔ اور اگر بعض نے ان کو قائم کر لیا تو وہ جانے والا فضیلت کو چھوڑنے والا ہو گا۔ کیونکہ پیچھے رہ جانے کے بعد اکیلے پڑھنے کا بیان صحیح ہے کہ امام رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

اور دو ترویعوں کے درمیان ایک تروییح کی مقدار بیضا مستحب ہے۔ اور اسی طرح پانچویں اور دسویں کے درمیان بیٹھے کیونکہ اہل حرمین کی عادت ہے۔ اور بعض نے تراویح کے پانچ سلاموں کے بعد استراحت کو مستحسن کہا ہے جو کچھ صحیح نہیں ہے۔ تراویح میں رکعت ہیں فقہ حنفی کے مطابق دلائل:

نماز تراویح کی تعداد میں غیر مقلدین کے موقف کی کیا حیثیت ہے۔ اسے جاننے کیلئے ہم یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ دلائل بیان کر دیتے ہیں۔ تاکہ لوگوں کو غیر مقلدین کے جعلی جھنڈوں کا علم ہو جائے۔

عَنْ عَابِثَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ صَلَّى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ، ثُمَّ صَلَّى مِنْ الْقَابِلَةِ، فَكَثُرَ النَّاسُ، ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ السُّبْحَةِ الثَّالِثَةِ أَوْ أَرْبَعَةِ، فَسَمِعُوا مَخْرَجَ إِلَيْهِمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ، قَالَ: بَقَدْ رَأَيْتُ إِلَيْكَ صَعْتَكُمْ، وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْ مَخْرُوجٍ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ، وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَقَدْ لَفِظَ الْحَدِيثُ.

رد من حربہ و ابن حبان: نَوَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَرْتَعِلُهُمْ فِي قِيَامِ مَقْصَدٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْتِيَ بِغَيْرِهِمْ ثُمَّ يَقُولُ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاجْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَتَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَصَلَّى مِنْ خِلَافَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ حَتَّى جَمَعَهُمْ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَصَلَّى بِهِمْ فَكَانَ ذَلِكَ لَوْ أَنَّ جَمْعَهُمْ مِنْ غَيْرِهِ.

رَمَضَانَ. وَأَخْرَجَهُ الْعَسْقَلَانِيُّ فِي التَّلْخِصِ: أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِالنَّاسِ عِشْرِينَ زَكَاةً لَيْلَتَيْنِ فَلَمَّا كَانَ فِي السَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ اجْتَمَعَ النَّاسُ فَلَمْ يُخْرُجْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ قَالَ مِنَ الْغَدِ: تَحْيِيَّتُكُمْ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَلَا تُطِيقُوهَا. (آخرجه اسبخاری فی الصحیح، کتاب: التہجد، باب: تحریض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی صلاة اللیل والنوافل من غیر ایجاب، 380/1، الرقم 1077:، وفی کتاب: صلاة التراويح، باب: فضل من قام رمضان، 708/2، الرقم 1908:، شهر رمضان، 202/3، الرقم 1604. و وعد الرزاق فی المصنف، 43/3، الرقم 4723:، والبیہقی فی السنن الکبری، 492/2، الرقم 4377:، وفی السنن الصغری، 480/1، الرقم 486:، والعسقلانی فی تلخیص الحیر، 21/2)

حضرت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں (نفل) نماز پڑھی تو لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگلی رات نماز پڑھی تو اور زیادہ لوگ جمع ہو گئے پھر تیسری یا چوتھی رات بھی اکٹھے ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا: میں نے دیکھا جو تم نے کیا اور مجھے تمہارے پاس (نماز پڑھانے کے لئے) آنے سے صرف اس اندیشہ نے روکا کہ یہ تم پر فرض کر دی جائے گی اور یہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔

امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے ان الفاظ کا اضافہ کیا: اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں قیام رمضان کی رغبت دلایا کرتے تھے لیکن حکماً نہیں فرماتے تھے چنانچہ (ترغیب کے لئے) فرماتے کہ جو شخص رمضان المبارک میں ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ قیام کرتا ہے تو اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک تک قیام رمضان کی یہی صورت برقرار رہی اور یہی صورت خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے اوائل دور تک جاری رہی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کر دیا اور وہ انہیں نماز (تراویح) پڑھایا کرتے تھے لہذا یہ وہ ابتدائی زمانہ ہے جب لوگ نماز تراویح کے لئے (جامعات) اکٹھے ہوتے تھے۔

اور امام عسقلانی نے التلخیص میں بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دو راتیں 20 رکعت نماز تراویح پڑھائی جب تیسری رات لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف (حجرہ مبارک سے باہر) تشریف نہیں لائے۔ پھر صبح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہوا کہ (نماز تراویح) تم پر فرض کر دی جائے گی لیکن تم اس کی طاقت نہ رکھو گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حجرہ مبارک



سے) بابر تشریف لائے تو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ) رمضان المبارک میں لوگ مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ کون ہیں؟ عرض کیا گیا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن پاک یاد نہیں اور حضرت ابی بن کعب نماز پڑھتے ہیں اور یہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے درست کیا اور کتنا ہی اچھا عمل ہے جو انہوں نے کیا۔

(ابوداؤد میسنن، کتاب: الصلاة، باب: فی قیام شہر رمضان، 50/2، الرقم 1377)

اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے فرمایا: انہوں نے کتنا احسن اقدام یا کتنا اچھا عمل کیا اور ان کے اس عمل کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند نہیں فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز تراویح پڑھنے کی رغبت دلایا کرتے تھے لیکن حکمائیں فرماتے تھے چنانچہ فرماتے کہ جس نے رمضان المبارک میں حصول ثواب کی نیت سے اور حالت ایمان کے ساتھ قیام کیا تو اس کے سابقہ (تمام) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک تک نماز تراویح کی یہی صورت برقرار رہی اور خلفائے ابوبکر رضی اللہ عنہ میں اور پھر خلفائے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شروع تک یہی صورت برقرار رہی۔ (البحار فی الصحیح، کتاب: صلاة التراويح، باب: فضل من قام رمضان، 707/2)

حضرت عبدالرحمن بن عبد القادری روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلے تو لوگ متفرق تھے کوئی نماز پڑھ رہا تھا اور کسی کی اقتداء میں ایک گروہ نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو اچھا ہو گا پس انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا، پھر میں ایک اور رات ان کے ساتھ نکلا اور لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (انہیں دیکھ کر) فرمایا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے، اور جو لوگ اس نماز (تراویح) سے سوتے ہیں وہ نثر زادا کرنے والوں سے زیادہ بہتر ہیں اور اس سے ان کی مراد وہ لوگ تھے (جو رات کو جلدی سو کر) رات کے چبھلے پہر میں نماز ادا کرتے تھے اور تراویح ادا کر کے دالے لوگ رات کے پہلے پہر میں نماز ادا کرتے تھے۔

(مسنن فی الموطأ، کتاب: الصلاة فی رمضان، باب: الترغیب فی الصلاة فی رمضان، 114/1، الرقم

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر فرمایا تو سب مہینوں پر اسے فضیلت دی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایمان اور حصول ثواب کی نیت کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کرتا ہے تو وہ گناہوں سے یوں پاک صاف

ہو جاتا ہے جیسے وہ اس دن تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔ (النسائی فی السنن، کتاب: الصیام، باب: ذکر اختلاف یحییٰ بن ابی کثیر والنضر بن شیبان فیہ، 158/4، الرقم: 2208.2210)۔  
اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کیے ہیں اور میں نے تمہارے لئے اس کے قیام (نماز تراویح) کو سنت قرار دیا ہے لہذا جو شخص ایمان اور حصول ثواب کی نیت کے ساتھ ماہ رمضان کے دنوں میں روزے رکھتا ہے اور راتوں میں قیام کرتا ہے وہ گناہوں سے یوں پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ اس دن تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔

حضرت یزید بن رومان نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ (بشمول وتر) 23 رکعت پڑھتے تھے۔ (والبیہقی فی السنن الکبریٰ، 496/2، الرقم: 4394)۔

حضرت مالک نے داود بن حصین سے روایت کیا، انہوں نے حضرت اعراب کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ رمضان میں کافروں پر لعنت کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا (نماز تراویح میں) قاری سورہ بقرہ کو آٹھ رکعتوں میں پڑھتا اور جب باقی بارہ رکعتیں پڑھی جاتیں تو لوگ دیکھتے کہ امام انہیں ہلکی (مختصر) کر دیتا۔

(المالک فی الموطأ، کتاب: الصلاة فی رمضان، باب: ما جاء فی قیام رمضان، 115/1، الرقم: 753)۔  
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے (اس حدیث کی شرح میں) بیان کیا کہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر شوافع اور احناف کا مذہب ہے۔ اسی طرح حنفی نے امام تہمتی سے بیان کیا۔ (ولی اللہ دہلوی فی المسوی من أحادیث الموطأ، 1/175)۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ماہ رمضان میں تراویح کے لئے اکٹھا کیا۔ مردوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عورتوں کو حضرت سلیمان بن حمہ رضی اللہ عنہ تراویح پڑھاتے۔ (البیہقی فی السنن الکبریٰ، 493/2، الرقم: 4380، والحقلاقی فی فتح الباری، 253.4 - 252، الرقم: 1905)۔

امام ابو یوسف ترمذی رضی اللہ عنہ نے اپنی سنن میں فرمایا: اکثر اہل علم کا مذہب بیس رکعت تراویح ہے جو کہ حضرت علی، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر اصحاب سے مروی ہے اور یہی (کبار تابعین) سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہم کا قول ہے اور امام شافعی نے فرمایا: میں نے اپنے شریک میں (اہل علم کو) بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔ (الترمذی فی السنن، کتاب: الصوم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: ما جاء فی قیام شهر رمضان، 169/3، الرقم: 806)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے (ابن أبی شیبہ فی المصنف، 164/2، الرقم 7692 والطرسی فی المعجم الأوسط، 243/1، الرقم 798، 324/5)۔

حضرت سائب بن یزید نے بیان کیا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فجر کے قریب تراویح سے فارغ ہوتے تھے اور ہم (بشمول وتر) تیس رکعات پڑھتے تھے۔ (عبد الرزاق فی المصنف، 261/4، الرقم 7733، وابن حزم فی الاحکام، 2۔ 230)۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كُنَّا نَأْتِي قَوْمًا عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً، قَالَ: كُنَّا نَأْتِيَهُمْ بِالْعِشْرِينَ وَكَانُوا يَقُولُونَ عَلَى عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ شَيْءٍ الْيَقِينِ، رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَالْقُرَيْبِيُّ وَابْنُ الْحُبَّادِ. إِسْنَادُهُ وَرِجَالُهُ يَفْقَهُونَ كَمَا قَالَ الْقُرَيْبِيُّ. (البيهقي في السنن الكبرى، 496/2، الرقم 4393، وابن الحسن فریابی فی کتاب الصیام، 131/1، الرقم 176، وقال: إسناده ورجاله ثقات، وابن حزم فی المسند، 413/1، الرقم 2825، والمبارکفوری فی تحفة الأحوذی، 3۔ 447)۔

حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور ان میں سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں شدت قیام کی وجہ سے وہ اپنی لاشیوں سے ٹپک لگاتے تھے۔

ابو حصب نے بیان کیا کہ ہمیں حضرت سید بن غفلہ ماہ رمضان میں نماز تراویح پانچ ترویحوں (یعنی بیس رکعت میں) پڑھاتے تھے۔ (البيهقي في السنن الكبرى، 446/2، الرقم 4395، والبخاري في الكنى، 28/1، الرقم 234)۔

حضرت ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو دایا اور ان میں سے ایک شخص کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ان میں وتر پڑھاتے تھے۔ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دیگر سند سے بھی مروی ہے (البيهقي في السنن الكبرى، 496/2، الرقم 4396، وسمبارکفوری فی تحفة الأحوذی، 3۔ 444)۔

حضرت ابو الحسناء بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رمضان میں پانچ ترویحوں میں بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا (وابن قدامة فی المعنى، 456/1، وقال: هذا كالإجماع)۔

حضرت عبدالعزیز بن رفیع نے بیان کیا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

حضرت حسن (بصری) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی ابن بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں قیام رمضان کے لئے اکٹھا کیا تو وہ انہیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(ابن تیمیہ فی مجموع فتاویٰ، 2/401)

حضرت زعفرانی امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے لوگوں کو مدینہ منورہ میں انیس (39) اور کمرہ میں تیس (23) رکعت (بیس تراویح اور تین وتر) پڑھتے دیکھا۔

(المعقلانی فی فتح الباری، 4/253، والشوکانی فی نیل الأوطار، 3/64)

ابن رشد قرطبی نے فرمایا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے دو اقوال میں سے ایک میں اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور امام داؤد غابری رضی اللہ عنہم نے بیس تراویح کا قیام پسند کیا ہے اور تین وتر اس کے علاوہ ہیں۔۔۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ نے یزید بن رومان سے روایت بیان کی فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تیس (23) رکعت (تراویح بشمول تین وتر) کا قیام کیا کرتے تھے۔ (ابن رشد فی بدایۃ المجتہد، 1/152)

ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ (مجموع فتاویٰ) میں کہا کہ ثابت ہوا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے تو اکثر اہل علم نے اسے سنت مانا ہے۔ اس لئے کہ وہ مجاہدین اور انصار (تمام) صحابہ کرام کے درمیان (ان کی موجودگی میں) قیام کرتے (بیس رکعت پڑھاتے) اور ان صحابہ میں سے کبھی بھی کسی نے انہیں تیس روکا (ابن تیمیہ فی مجموع فتاویٰ، 1/191، وإسماعیل بن محمد الأنصاری فی تصحیح حدیث صلاة التراويح عشرين ركعة، 1/35)

مجموع الفتاویٰ النجدیہ میں ہے کہ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے تعداد رکعات تراویح سے متعلق سوال کے جواب میں بیان کیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز تراویح کے لئے جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے (إسماعیل بن محمد الأنصاری فی تصحیح حدیث صلاة التراويح عشرين ركعة، 1/35 - (المہاج السوی من الحدیث النبوی)

آج کل اسی نجدی کی اولاد لوگوں کو آٹھ رکعات تراویح پڑھاتے ہیں۔ نہ جانے اپنے باپ کی بات مانتے ہوئے بھی انہیں کس چیز نے روک رکھا ہے۔ حالانکہ عتقاد میں شیخ نجدی کے سچے پیروکار ہیں۔ اور اعمال میں کیوں اس کی مخالفت کرتے ہیں یا محض اہل سنت، اہل حق سے عناد کا سبب ہے۔ ساڑھے چودہ سال کے قریب عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی حرمین

شریفین میں بیس رکعات تراویح پڑھائی جاتی ہے۔ ہمارے بعض فقہ پرور علماء وہاں بیس پڑھتے ہیں اور برصغیر پاک و ہند میں آتے آتے وہ بیس آٹھ میں تبدیل کر لیتے ہیں کیونکہ بیس بدلنا ان کا شعبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحابہ کرام و اہل بیت رضی اللہ عنہم کا سچا پیروکار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نماز تراویح کے وقت کا بیان:

وَقَوْلُهُ ثُمَّ يُؤْتِرُ بِهِمْ يُشِيرُ إِلَى أَنَّ وَقْتُهَا بَعْدَ الْعِشَاءِ قَبْلَ الْوُتْرِ، وَبِهِ قَالَ عَامَّةُ الْمُشَايِخِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّ وَقْتُهَا بَعْدَ الْعِشَاءِ إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ قَبْلَ الْوُتْرِ وَبَعْدَهُ لِأَنَّهَا لَوِ الْوَلُّ مَسْتُتٌ بَعْدَ الْعِشَاءِ، وَلَمْ يَذْكُرْ لَقَرَّ الْقُرَاءَ بِهَا، وَكَثُرَ الْمُشَايِخُ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَى أَنَّ السَّنَةَ لَهَا الْخَتَمُ مَرَّةً فَلَا يُتْرَكُ لِكَسَلِ الْقَوْمِ، بِمَخْلَافِ مَا بَعْدَ التَّشَهُُّدِ مِنَ الدَّعَوَاتِ حَيْثُ يُتْرَكُهَا لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ (وَلَا يُصَلِّي الْوُتْرَ بِجَمَاعَةٍ فِي غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ) عَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ:

اور مصنف کا قول ”ثُمَّ يُؤْتِرُ بِهِ“ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نماز تراویح کا وقت عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے ہے۔ اور یہی عام مشائخ نے کہا ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ عشاء کے بعد سے رات کے آخر تک ہے خواہ وہ وتر سے پہلے یا اس کے بعد ہو۔ کیونکہ تراویح بھی نفل ہے جو عشاء کے بعد جاری کی گئی ہے۔ اور مصنف نے مقدار قرأت کو ذکر نہیں کیا جبکہ اکثر مشائخ نے کہا ہے ایک مرتبہ قرآن مکمل کرنا سنت ہے۔ لہذا اسے قوم کی سستی کی وجہ سے چھوڑا نہ جائے۔ بخلاف تشہد کی دعاؤں کے کیونکہ ان کے سنت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو چھوڑا جاسکتا ہے۔ اور غیر رمضان میں وتر جماعت کے ساتھ نہ پڑھے۔ اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام غنی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ سنت تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے تابع ہے۔ لہذا صحیح یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اور وتر سے پہلے ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ تراویح کا وقت وہی جو نماز عشاء کا وقت ہے لہذا نماز عشاء کا بار اوقات نماز تراویح کا وقت ہے۔

جبکہ ان میں سے صحیح ترین روایت یہ ہے کہ نماز تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد جیسا کہ عشاء کی سنتوں کا وقت ہے اور وتر کی نماز سے پہلے ہے۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۴۵۳، بیروت)

## بَابُ إِذْرَاكِ الظُّهْرِ بِرَكْعَتَيْهِ

﴿یہ باب فرض کو پالینے کے بیان میں ہے﴾

باب اور اک فریضہ کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس سے پہلے باب میں نوافل کا بیان ہے کیونکہ ان سے فرض مکمل ہوتے ہیں اور اس باب میں اور اک فریضہ کا بیان کیا ہے تاکہ فرض کو ادائے کامل کے طور پر یعنی جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اور اس باب کے مسائل جامع صغیر سے ہیں۔ (البنائے شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۱۱۴، تھانیہ لبنان)

دوران نوافل جماعت کے شروع ہونے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ ثُمَّ أَقْبَضَ بِصَلَاتِهِ عَنْ الْبُطْلَانِ) ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ إِحْرَاقًا لِلصَّلَاةِ الْجَمَاعَةِ (وَإِنْ لَمْ يَقْبِضْ إِلَّا وَلَّى بِالسَّجْدَةِ يَقْطَعُ وَتَشْرَعُ مَعَ الْإِمَامِ هُوَ الصَّحِيحُ) لِأَنَّهُ يَمْتَحِلُ الرُّفُضَ، وَهَذَا الْقَطْعُ لِلْإِكْمَالِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي النَّفْلِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْإِكْمَالِ، وَكَوْنًا فِي السَّنَةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ فَأَقْبَضَ أَوْ عَطَبَ يَقْطَعُ عَلَى رَأْسِ الرَّكْعَتَيْنِ، يُرْوَى ذَلِكَ عَنْ أَبِي يُونُسَ وَرَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَدْ قِيلَ يُعْطَى.

ترجمہ:

اور جس نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی کہ جماعت کھڑی ہوگئی تو وہ ایک رکعت کو باطل ہونے سے بچانے کیلئے دوسری رکعت اس کے ساتھ ملائے۔ پھر وہ قوم کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ جماعت کی فضیلت کو حاصل کرنے والا ہو۔ اور اگر اس نے پہلی رکعت کو سجدے کے ساتھ عقید نہیں کیا تو وہ اسے ختم کرنے اور صحیح قول کے مطابق امام کے ساتھ نماز شروع کر دے۔ کیونکہ یہ ختم کرنے کی جگہ ہے۔ اور یہ توڑنا مکمل کرنے کیلئے ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب وہ نفل میں ہو کیونکہ نفل کو ختم کرنا مکمل کرنے کیلئے نہیں ہے۔

اور اگر کوئی شخص ظہر اور جمعہ سے پہلے والی سنن میں تھا کہ اقامت شروع ہوگئی یا خطبہ شروع ہو گیا تو دور رکعتیں پڑھ کر ختم کرے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یہی روایت بیان کی گئی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مکمل کرے۔

شرح:

علامہ بن ہمام عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ فقیر سعدی سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ فتویٰ دیا کہ ظہر کی چار سنتوں کو پورا کر کے الہ نوافل کی چار رکعتیں پوری نہیں کر سکتا۔ اس فتویٰ دینے کے بعد میں نے نو اور میں امام

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد پڑھا اس میں لکھا تھا کہ جب امام جمعہ کیلئے نکلے تو اگر اس نے ایک رکعت پڑھی ہے تو وہ دوسری اضافہ کر کے سلام پھیر دے۔ اسے پڑھنے کے بعد میں نے اس مسئلہ سے رجوع کیا۔ اسی طرح امام سرخسی اور امام بقالی مائل ہوئے ہیں۔ البتہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ وہ نماز پوری کرے۔ لیکن پہلی حکم زیادہ صحیح ہے۔

(فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۶۲، بیروت)

نماز کی جماعت کمزری ہونے سے پہلے وہ تین رکعتیں پڑھ چکا ہے:

(وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى قَلِيلًا مِنَ الظُّهْرِ يَجْمَعُهَا) لِأَنَّ لِلْأَخْصَرِ حُكْمَ الْكُلِّ فَلَا يَحْتَمِلُ النِّقْضَ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الثَّلَاثَةِ بَعْدَ وَلَمْ يَقْبَلْهَا بِالسُّجْدَةِ حَتَّى يَقْطَعَهَا لِأَنَّهُ مَحَلُّ الرِّفْعِ وَيَسْتَحِبُّ، إِنْ شَاءَ تَعَادٍ وَقَعْدَ وَسَلَّمَ، وَإِنْ شَاءَ كَثُرَ قَلِيلًا يَتَوَيَّرُ الدُّخُولُ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ (وَإِذَا أَسْمَهَا يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ وَالَّذِي يُصَلِّي مَعَهُمْ تَالِفًا) لِأَنَّ الْقَرَضَ لَا يَتَكْرَّرُ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ

اور اگر اس نے ظہر کی تین رکعتیں پڑھی ہیں تو وہ ان کو مکمل کرے کیونکہ اگر کل کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہذا وہ کسی نقص کو اٹھانے والا نہیں ہے۔ خلاف اس کے کہ جب وہ ابھی تیسری میں گیا ہے اور اس نے اس کو جمعہ کے ساتھ متقدم بھی نہیں کیا تو اس کو قسم کر دے کیونکہ یہ اسے قسم کرنے کی جگہ ہے۔ اور اسے اختیار ہے۔ اگر وہ چاہے تو لوٹ آئے اور بیٹھ جائے اور سلام پھیرے اور اگر وہ چاہے تو کھڑے کھڑے تکبیر کہے اور امام کی نماز میں داخل ہونے کی نیت کرے۔ اور جب نماز کو مکمل کر لے تو قوم کے ساتھ شامل ہو جائے اور ان کے ساتھ جو بھی نماز پڑھے گا وہ نفل ہوگی۔ کیونکہ فرض ایک وقت میں کر نہیں ہوا۔

شرح:

اس مسئلہ کی دلیل واضح ہے کیونکہ تین رکعتوں کو پورا کرنے میں اس کی جماعت فوت ہونے کا کوئی خدشہ نہیں ہے۔ کیونکہ اصل میں مسائل جماعت کی حفاظت سے متعلق ہیں۔ لہذا جماعت کی حفاظت کی جائے۔ کیونکہ اس سے فریضہ بھی ادا ہوتا ہے اور جماعت کا اجر بھی اس میں شامل ہے۔

چرکی منتوں کو پڑھنے اور جماعت سے ملنے کا حکم:

(فَإِنْ صَلَّى مِنَ الظُّهْرِ رَكْعَةً ثُمَّ أَلْبَسَتْ يَقْطَعُ وَيَدْخُلُ مَعَهُمْ) لِأَنَّهُ لَوْ أَضَافَ إِلَيْهَا أُخْرَى تَقَوُّهُ الْجَمَاعَةُ، وَكَذَا إِذَا قَامَ إِلَى الثَّلَاثَةِ قَبْلَ أَنْ يَقْبَلَهَا بِالسُّجْدَةِ، وَيَعْدُ الْإِمَامُ لَا يَشْرَعُ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ لِكِرَاهَةِ التَّفَلُّ بِعَدِّ الْفَجْرِ، وَكَذَا بَعْدَ الْعَصْرِ لِمَا قُلْنَا، وَكَذَا بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي ظَاهِرِ الرُّوَايَةِ لِأَنَّ التَّفَلُّ بِالثَّلَاثِ مَكْرُوهٌ، وَلِي جَعَلَهَا أَرْبَعًا مَعَالَفَةً لِإِمَامِهِ.

ترجمہ

اور اگر اس نے فجر کی ایک رکعت پڑھی تھی کہ اقامت کہہ دی گئی تو وہ نماز ختم کرے اور جماعت میں ان کے ساتھ شامل ہو جائے۔ کیونکہ

اگر اس نے دوسری رکعت ملائی تو جماعت فوت ہو جائے گی۔ اور اسی طرح جب وہ دوسری رکعت کی طرف اس کو مسجد کے ساتھ مقید کرنے پہلے کھڑا ہو گیا۔ اور ایسے نماز فجر پڑھ لینے کے بعد امام کے ساتھ نماز شروع نہ کرے کیونکہ فجر کے بعد نفل مکروہ ہے۔ اور اسی طرح عصر کے بعد کاکم ہے جس کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور ظاہر الروایۃ کے مطابق نماز مغرب کے بعد بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ تین رکعت نفل مکروہ ہے اور اس کو چار کرنے میں امام کی مخالفت لازم آئے گی۔

فرض نماز کی تکمیل ہو جائے تو کوئی نماز نہ پڑھی جائے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی ہو جائے (یعنی فرض نماز کے لیے تکبیر کی جائے) تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موزن کے تکبیر کہنے کے بعد فجر کی سنتیں بھی نہ پڑھنی چاہئیں بلکہ امام کے ساتھ فرض نماز میں شریک ہو جانا چاہیے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مسلک ہے مگر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر فجر کی سنتیں پڑھنے میں فرض کی ایک رکعت بھی ہاتھ لگ جائے کالیقین ہو تو سنتیں پڑھ لی جائیں اس کے بعد جماعت میں شریک ہو جائے تاکہ سنتوں کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے۔ لیکن اس صورت میں سنتیں صف سے الگ ایک طرف پڑھنی چاہئیں ہاں اگر سنتیں پڑھنے میں فرض نماز کی دونوں رکعتیں فوت ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اس صورت میں سنتیں چھوڑ دیں۔

حضرت ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو حکم ذکر کیا گیا ہے فجر کی سنتیں اس لیے اٹھنی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

صلو ہا وان طردتکم الخبل فجر کی سنتیں (ضرور) پڑھو اگرچہ تمہیں لنگر ہائے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں کو پڑھنے کی بڑی تاکید ہے انہیں چھوڑنا نہیں چاہیے۔

حضرت علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتیں تمام سنتوں میں سب سے زیادہ اہم اور قوی تر ہیں یہاں تک کہ حسن کی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ روایت ہے کہ فجر کی سنتوں کو بلا غدر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔



اذان کے بعد مسجد سے نکلنے والے کے بیان میں:

( وَمَنْ دَخَلَ مَسْجِدًا فَلَهُ أَذْنٌ لِيهِ يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يَخْرُجَ حَتَّى يُصَلِّيَ ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " ( لَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ النِّدَاءِ إِلَّا مُتَأَمِّلًا أَوْ رَجُلٌ يَخْرُجُ لِحَاجَةٍ يُرِيدُ الرُّجُوعَ )  
 " قَالَ ( إِلَّا إِذَا كَانَ مَعَهُ يَنْتَظِمُ بِهِ أَمْرٌ جَمَاعِي ) لِأَنَّهُ تَرَكَ صُورَةَ تَكْوِيلٍ مَعْنَى ( وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى وَكَانَتْ الظُّهْرُ أَوْ الْعِشَاءُ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَخْرُجَ ) لِأَنَّهُ أَجَابَ دَاعِيَ اللَّهِ مَرَّةً ( إِلَّا إِذَا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ لِي الْأَقَامَةِ ) لِأَنَّهُ يَتَّبِعُهُ بِمُخَالَفَةِ الْجَمَاعَةِ عَيْنًا ( وَإِنْ كَانَتْ الْعَصْرُ أَوْ الْمَغْرِبُ أَوْ الْقَجْرُ خَرَجَ وَإِنْ أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِيهَا ) لِكَرَاهَةِ التَّغْلِيلِ بَعْلَمَا .

ترجمہ

اور مسجد میں اذان ہو جانے کے بعد اگر کوئی اس میں داخل ہوا تو اس کیلئے نکلنا مکروہ ہے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھے نہ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اذان کے بعد مسجد سے صرف منافق نکلتا ہے۔ یا وہ شخص جسے کوئی ضرورت ہو جبکہ وہ واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

فرمایا: البتہ وہ شخص جو جماعت کا انتظام کرنے والا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہری طور پر ترک جماعت ہے جبکہ محکی طور پر محکم جماعت ہے۔ اور وہ اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہے اور یہ نماز ظہر یا عشاء ہے تو اس کیلئے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک مرتبہ اذان والے کو جواب دے چکا ہے۔ لیکن جب مؤذن نے اقامت کہی تو اس صورت میں اسے سرعام مخالفت کی وجہ سے تہمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اگر وہ نماز عصر مغرب اور فجر میں نکل جائے خواہ مؤذن اقامت شروع کر دے کیونکہ ان کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

فدحشی کے مطابق کن نمازوں میں نفل اقامت اور دست نہیں:

حضرت نافع راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس آدمی نے مغرب یا فجر کی نماز (تہما) پڑھ لی اور پھر ان نمازوں کو امام کے ساتھ پایا (یعنی جہاں جماعت ہو رعقی وہاں پہنچ گیا) تو وہ ان کو دوبارہ نہ پڑھے۔ (مالک)

یہ حدیث حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کی تائید کرتی ہے کیونکہ ان کے ہاں صرف مغرب اور فجر کی نمازوں کا اعادہ ممنوع ہے مگر حنفیہ کے ہاں عصر کی نماز بھی اس حکم میں ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک تمام نمازوں میں اعادہ ہو سکتا ہے اس حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ کدورہ بالا حکم اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے پہلی مرتبہ جماعت سے نہیں بلکہ تہما نماز پڑھی ہو لہذا پہلی مرتبہ جماعت سے نماز پڑھ لینے کی شکل میں تو بطریق اولیٰ دوبارہ

نماز پڑھنی چاہیے۔

جماعت فجر کے دوران سن پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ تَنَهَى إِلَى الْإِيمَانِ فِي صَلَاةِ الْقَبْرِ وَهُوَ لَمْ يُصَلِّ رُكْعَتَيِ الْقَبْرِ: إِنْ خَشِيَ أَنْ تَقُوتَهُ رُكْعَةُ وَيُذْرِكَ الْأُخْرَى يُصَلِّي رُكْعَتَيِ الْقَبْرِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ) لِأَنَّهُ أَهْكُنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الْقَبْرَيْنِ (وَأَنْ خَشِيَ قُوَّتَهُمَا دَخَلَ مَعَ الْإِيمَانِ) لِأَنَّ قَوَابِ الْجَمَاعَةِ أَغْلَمُ، وَالْوَعْدَ بِالْفَرَكِ الزَّمْ، بِخِلَافِ سُنَّةِ الظُّهْرِ حَيْثُ يَسْرُكُهُمَا فِي الْحَالَتَيْنِ لِأَنَّهُ يُمَكِّنُهُ إِذَا دَاوَاهَا فِي الْوَقْتِ بَعْدَ الْقَرْضِ هُوَ الصَّحِيحُ، وَإِنَّمَا الْإِخْلَافُ بَيْنَ أَبِي يُسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ فِي تَقْلِيدِيهَا عَلَى الرُّكْعَتَيْنِ وَتَأْخِيرِهَا عَنْهُمَا، وَلَا كَذَلِكَ سُنَّةُ الْقَبْرِ عَلَى مَا نَبَّيْنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

وَالْتَقْيَةُ بِالْأَدَاوَةِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ بِذَلِكَ عَلَى الْحَرَاةِ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا كَانَ الْإِيمَانُ فِي الصَّلَاةِ الْأَفْضَلُ فِي عَامَّةِ السَّنَةِ وَالنَّوَائِلِ الْمُتَزَلُّ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

ترجمہ:

اور جو آدمی نماز فجر میں ایماں کی طرف گیا حالانکہ اس نے فجر کی دو سن نہیں پڑھیں۔ اگر خوف ہو کہ اس کی ایک رکعت فوت ہو جائے گی۔ اور وہ دوسری رکعت کو پالے گا۔ تو وہ فجر کی دو سن مسجد کے دروازے کے پاس پڑھے پھر وہ داخل ہو جائے کیونکہ اس کیلئے دونوں فضیلتیں جمع کر لینا ممکن ہے۔ اور اگر اسے دوسری رکعت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ کیونکہ جماعت کا ثواب عظیم ہے اور اس کو چھوڑنے پر وعید نہایت سخت ہے۔ بخلاف سن ظہر کے کیونکہ دونوں حالتوں میں ان کا ترک کرنے میں ممکن ہے کہ انہیں فرض کے وقت ہی میں ادا کیا جاسکتا ہے یہی صحیح ہے۔ البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ کے درمیان اختلاف دو رکعتوں کے تقدیم و تاخیر میں ہے۔ اور فجر کی سن میں ایسا نہیں ہے۔ جسے ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

مسجد کے دروازے کے پاس ادا کرنے کی قید لگانا مسجد میں ادا ہونے کی راہت پر دلالت کرتی ہے۔ جبکہ امام نماز میں ہو۔ کیونکہ تمام سن و نوافل میں فضیلت انہیں گھر میں پڑھنے میں ہے۔ اور یہی نبی کریم ﷺ نے روایت کیا گیا ہے۔

شرح:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر جانے کہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہو جائے گا تو سنتیں پڑھ لے اگرچہ اختیارات ہی ملتے سمجھے ورنہ فرضوں میں شریک ہو جائے، اور اول سنتوں کو تقاضا کرنا چاہے تو بعد بلندی آفتاب کے فرضوں کے بعد طلوع سے پہلے جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۸، باب اور اک فریضہ)

ناز فجر کی سنتوں کی قضاء کا حکم:

قَالَ ( وَإِذَا قَامَتَهُ وَنَحْنَا الْقَجْرُ لَا يَقْضِيهِمَا قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ ) لِأَنَّهُ يَنْتَفِي تَقْلًا مُطْلَقًا وَهُوَ مَكْرُوهٌ بَعْدَ الصُّبْحِ ( وَلَا يَنْتَفِي بِقِيَامِهَا عِنْدَ أَيِّ حَيْفَةٍ وَأَيُّ يَوْسَفَ .  
وَقَالَ مُحَمَّدٌ : أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقْضِيَهُمَا إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَضَاهُمَا بَعْدَ  
ارْتِفَاعِ الشَّمْسِ عِدَّةً لَيْلَةً التَّعْرِيسَ .

وَلَهُمَا أَنْ الْأَصْلُ فِي السُّنَّةِ أَنْ لَا تَقْضَى لِأَخْصَاصِ الْقَضَاءِ بِالْوَجِبِ ، وَالْحَدِيثُ وَزَدَ فِي قَضَائِهَا  
تَبَعًا لِلْفَرَضِ لِكَيْ مَا زَوَّاهُ عَلَى الْأَصْلِ ، وَإِنَّمَا تَقْضَى تَبَعًا لَهُ ، وَهُوَ يُصَلِّي بِالْجَمَاعَةِ أَوْ وَحْدَهُ إِلَى وَقْتِ  
الزَّوَالِ ، وَلَهُمَا بَعْدَهُ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ . وَأَمَّا سَائِرُ السُّنَنِ مِثْلُهَا فَلَا تَقْضَى بَعْدَ الْوَلْتِ  
وَخِدَّةً ، وَاخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِي قَضَائِهَا تَبَعًا لِلْفَرَضِ .

ترجمہ

اور جس آدمی کی فجر کی دو سنتیں قضاء ہو گئیں تو وہ طلوع سورج سے پہلے ان کی قضاء نہ کرے۔ کیونکہ وہ مطلقاً نفل باقی رہ  
گئیں اور نفل پڑھنا صبح کے بعد مکروہ ہے۔ جبکہ شیخین کے نزدیک سورج بلند ہونے کے بعد بھی قضاء نہیں ہے۔  
اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: مجھے تو یہ پسند ہے کہ میں وقت زوال تک ان کی قضاء کرنے کا حکم دوں۔ کیونکہ نبی کریم  
ﷺ نے تعریس کی رات کو سورج کے بلند ہو جانے کے بعد ان کو قضاء کیا تھا۔

اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اصل یہ ہے کہ ان کی قضاء نہ کی جائے کیونکہ قضاء واجب کے ساتھ خاص ہے۔ اور  
حدیث میں ان کی قضاء کا بیان فرض کے تابع ہونے کی وجہ سے ذکر ہوئی ہے۔ لہذا اس کے سوا اپنی اصل پر باقی ہے۔ اور ان کی  
قضاء فرض کے تابع ہوگی خواہ وہ جماعت سے پڑھے یا اکیلا پڑھنے والا ہو۔ اور اس کے بعد میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔  
اور تمام سنتوں کی قضاء وقت کے بعد تہانہ ہوگی۔ جبکہ فرض کے تابعیت میں ان کی قضاء پر مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔  
شرح:

حضرت محمد ابن ابراہیم، قیس ابن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے  
ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ فجر کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھا رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ صبح کی  
نماز دو رکعت ہے (پھر فرمایا کہ) دو رکعت ہی پڑھو !! اس آدمی نے عرض کیا کہ فجر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں (سنت)  
میں نے نہیں پڑھی تھیں انہیں کو میں نے اس وقت پڑھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہ سن کر) خاموش ہو گئے۔

(سنن ابوداؤد)

امام ترمذی نے بھی اس طرح نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم کا قیس ابن عمرو سے سننا ثابت نہیں ہے، نیز شرح السنہ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قیس ابن فہد سے اسی طرح منقول ہے۔

حدیث کے جملہ صَلَوة الصُّبْح رکعتیں سے پہلے ایک لفظ مقدر ہے یعنی یہ عبارت پوری طرح یوں ہے اِحْمَلُوا صَلَوة الصُّبْح رَكْعَتَيْنِ۔ لفظ رکعتیں نفی زیادیت کی تاکید کے لیے مکرر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی فرض دو ہی رکعتیں پڑھو اس کے بعد اور کوئی نماز نہ پڑھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازی کا جواب سن کر خاموش رہے۔ محدثین کی اصطلاح میں اس خاموشی کو تقریر کہا جاتا ہے رسول اللہ کے سامنے کوئی عمل کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل سے راضی ہوئے، لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی فرض نماز سے پہلے کی دو سنتیں نہ پڑھی جائیں تو فرض پڑھنے کے بعد ان کی قضا پڑھنی چاہیے، چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مسلک ہے۔

فجر کی سنتوں کی قضا میں فقہاء احناف کا مسلک دو لاکل:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک اس سلسلے میں یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کی قضا تو طلوع آفتاب سے پہلے ہے اور نہ طلوع کے بعد ہے لیکن سنتیں اگر فرض کے ساتھ فوت ہوں گی تو وہ بھی فرض کے ساتھ زوال آفتاب سے پہلے پہلے قضا پڑھی جائیں گی۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محض سنتوں کی بھی قضا پڑھی جاسکتی ہے مگر طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ سنتوں میں اصل عدم قضا ہے اور قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور حدیث جو سنتوں کے قضا کے اثبات میں وارد ہے وہ ان سنتوں کے بارے میں ہے جو فرض کے ساتھ فوت ہوگئی ہوں بقیہ سنتیں اپنی اصل (عدم قضا پر) ہیں گی یعنی ان کی قضا نہیں کی جائے گی جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو محمد ابن ابراہیم کی یہ حدیث چونکہ ضعیف ہے اس لیے اسے کسی مسلک کی بنیاد اور دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے۔

اسی طرح دوسرے اوقات کی سنتوں کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ وقت کے بعد تہا ان کی قضا نہ کی جائے البتہ وہ سنتیں جو فرض کے ساتھ فوت ہوگئی ہوں فرض کے ساتھ ان کی قضا کے بارے میں اختلاف ہے۔

سنن ابن ماجہ کی ایک روایت جو سند کے اعتبار سے صحیح ہے اس میں احناف کے مسلک کی دلیل نہایت واضح ہے ہم افادیت کے پیش نظر اسے پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فجر کی سنتیں رہ گئیں تو آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے سورج چڑھنے کے بعد قضاء فرمائیں۔ (سنن ابن ماجہ)

مذکر ایک رکعت ظہر میں شمار ہوگا یا نہیں:

«وَمَنْ أَذْرَكَ مِنَ الظُّهْرِ رَكْعَةً وَكَمْ يَذْرُوكَ الْفَلَاحُ فَإِنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ : قَدْ أَذْرَكَ فَضْلَ الْجَمَاعَةِ» لِأَنَّ مَنْ أَذْرَكَ آخِرَ الشَّيْءِ فَقَدْ أَذْرَكَ قَصَارَ مُحَرَّرًا كَأَوَّلِ الْجَمَاعَةِ لِكُنْهُ لَمْ يُصَلِّهَا بِالْجَمَاعَةِ حَقِيقَةً وَلِهَذَا يَحْتَثُّ بِهِ لِيُؤْمِنَهُ لَا يَذْرُوكَ الْجَمَاعَةَ ، وَلَا يَحْتَثُّ لِيُؤْمِنَهُ لَا يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ .

ترجمہ

اور جس نے ظہر کی ایک رکعت پائی اور اس نے تین رکعتوں کو نہیں پایا تو وہ ظہر کو جماعت کے ساتھ پڑھنے والا نہیں ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ اس نے جماعت کی فضیلت کو پایا ہے۔ کیونکہ جس نے آخری کو پایا تو وہ اس چیز کو پایا جسے والا ہے۔ لہذا وہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے والا ہے۔ البتہ اس نے ظہر کی جماعت کو حقیقت کے ساتھ نہیں پڑھا اور اسی طرح اپنی قسم ”لَا يَذْرُوكَ الْجَمَاعَةَ“ میں حاث ہو جائے گا۔ اور وہ اپنی قسم ”لَا يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ“ میں حاث نہ ہو گا۔

ادارک جماعت سے متعلق احکام فقہیہ:

اگر کوئی آدمی نفل نماز شروع کر چکا ہو اور فرض جماعت ہونے لگے تو اس کو چاہیے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اگرچہ چار رکعت نفل کی نیت کی ہو۔ یہی حکم ظہر اور جمعہ کی سنت موکدہ کا ہے کہ اگر شروع کر چکا ہو اور فرض ہونے لگے تو دو ہی رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ان سنتوں کو فرض کے بعد پڑھ لے۔ ظہر کی سنتیں ان سنتوں کے بعد پڑھی جائیں جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

اگر فرض نماز ہو رہی ہو تو پھر سنتیں وغیرہ شروع نہ کی جائیں بشرطیکہ کسی رکعت کے چلے جانے کا خوف ہو یا اگر یقین یا گمان غالب ہو کہ کوئی رکعت نہ جانے پائے گی تو پڑھ لے۔ مثلاً ظہر کے وقت جب فرض شروع ہو جائے اور خوف ہو کہ سنت پڑھنے سے کوئی رکعت جاتی رہے گی تو پھر موکدہ سنتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں چھوڑ دے اور فرض کے بعد دو رکعت سنت موکدہ پڑھ کر ان سنتوں کو پڑھ لے مگر فجر کی سنتیں چونکہ زیادہ موکدہ ہیں لہذا ان کے لیے حکم ہے کہ اگر فرض شروع ہو چکا ہو تب بھی ادا کر لی جائیں، بشرطیکہ عقدہ اخیرہ مل جانے کی امید ہو اور اگر عقدہ اخیرہ کے بھی نہ ملنے کا خوف ہو تو پھر نہ پڑھے۔

(ماخوذ از علم الفقہ ۱۲)

اگر یہ خوف ہو کہ فجر کی سنتیں اگر نماز کے سنن و مستحبات وغیرہ کی پابندی سے ادا کی جائیں تو جماعت نہ ملے گی تو ایسی

حالت میں چاہیے کہ صرف فرائض اور واجبات پر اختصار کرے اور سنن وغیرہ چھوڑ دے۔ فرض شروع ہو جانے کی صورت میں جو سننیں پڑھی جائیں خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی تو وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں جو مسجد سے علیحدہ ہو اس لیے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو تو پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو نصف سے علیحدہ مسجد کے کسی گوشے میں پڑھ لے اور یہ بھی نہ ہو تو نہ پڑھے۔ اگر جماعت کا قعدہ مل جائے اور رکعتیں نہ ملیں جب بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا اگرچہ اصطلاح فقہاء میں اس کو جماعت کی نماز نہیں کہتے۔ جماعت سے ادا کرنا جب ہی کہا جائے گا کہ جب کل رکعتیں مل جائیں۔ یا اکثر رکعتیں مل جائیں مثلاً چار رکعت والی نماز کی تین رکعت مل جائیں یا تین رکعت والی نماز کی دو رکعت مل جائیں اگرچہ بعض فقہاء کے نزدیک جب تک کل رکعتیں نہ ملیں جماعت میں شمار نہیں ہوتا۔

جس رکعت کا رکوع الہام کے ساتھ مل جائے گا تو سمجھا جائے کہ وہ رکعت مل گئی۔ ہاں اگر رکوع نہ ملے تو پھر اس رکعت کا شمار ملنے میں نہ ہوگا۔

فرض نماز کی ادا ہو چکی کے بعد اسی مسجد میں نوافل کا بیان:

(وَمَنْ آتَى مَسْجِدًا قَدْ صَلَّى فِيهِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَتَخَوَّعَ قَبْلَ الْمَكْتُوبَةِ مَا بَدَأَ لَهُ مَا كَانَ فِي الْوَقْتِ) وَزُأْفُهُ إِذَا كَانَ فِي الْوَقْتِ سَعَةً وَإِنْ كَانَ فِيهِ ضِيقٌ تَرَكَهُ.

فَقِيلَ هَذَا فِي ظَهْرِ سُنَّةِ الظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ لِأَنَّ لَهُمَا زِيَادَةً مَرْتَبَةً، قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي سُنَّةِ الظُّهْرِ. (صَلُّوْهُمَا وَلَوْ حُرْكَتُمْ الْغَمَلُ) "وَلَا فِي الْأَعْرَافِ" (مَنْ تَرَكَهُ الْأَرْبَعُ قَبْلَ الظُّهْرِ لَمْ تَنَلْهُ فَسَاعَتَيْنِ) "وَقِيلَ هَذَا فِي السَّجْدَةِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَأَعْلَبَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَقَامَةِ الْمَكْتُوباتِ بِجَمَاعَةٍ، وَلَا سُنَّةَ دُونَ الْمُوَاطِئَةِ، وَالْأَوَّلَى أَنَّ لَا يَتْرُكُهَا فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا لِكُرْبِهَا مُكْتَلَبَاتٍ لِلْفَرَادِصِ إِلَّا إِذَا خَافَ قُوتَ الْوَقْتِ.

ترجمہ

اور جو شخص کسی ایسی مسجد میں آیا جس میں نماز ہو چکی ہے تو اس کیلئے کوئی حرج نہیں کہ وہ فرض سے پہلے نوافل پڑھے وقت کی گنجائش کے مطابق جس قدر چاہے پڑھے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب وقت میں وسعت ہو اور اگر وقت تنگ ہو تو (نفل) چھوڑ دے۔

اور کہا گیا ہے کہ حکم نماز ظہر و فجر کی سنتوں کے علاوہ میں ہے۔ کیونکہ ان دونوں کی فضیلت زیادہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فجر کی سنتوں کے بارے میں فرمایا: ان کو پڑھو اگرچہ تمہیں گھوڑے روٹھ ڈالیں۔ اور دوسری حدیث میں ہے۔ جس نے ظہر سے پہلے چار رکعتیں چھوڑ دیں اس کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکم تمام سنتوں کے بارے میں ہے کیونکہ

نبی کریم ﷺ نے جماعت کے فرائض کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر دوام فرمایا ہے۔ اور سنت ثابت ہی مواظبت سے ہوا کرتی ہے۔ افضل یہ ہے کہ ان سنن کو کسی حال میں بھی نہ چھوڑا جائے کیونکہ یہ فرائض کو پورا کرنے والی ہیں۔ البتہ جب وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو۔ (تو جائز ہے واللہ اعلم)۔

ظہر کی سنتوں کی قضاء فرائض والی سنتوں کے بعد ہوگی:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظہر سے پہلے چار رکعتیں فوت ہو جاتیں تو فرض کے بعد دو سنتیں پڑھ کر ان چار رکعتوں کو پڑھ لیتے۔ (سنن ابن ماجہ)

جس نے امام کو رکوع میں نہ پایا تو عدد رکعت نہ ہو سکا:

(وَمَنْ تَنَهَّيْ إِلَى الْإِيمَامِ فَمِنْ رُكُوعِهِ فَكَبَّرَ وَوَقَفَ عَلَى رَأْسِهِ لَا يَبْصُرُ مِنْ رِجَالِكَ الْوُضُوءَ عِلَاقًا لِزُكُورٍ) هُوَ يَقُولُ: أَذْرَكَ الْإِيمَامَ فِيمَا لَكَ حُكْمُ الْإِيمَامِ فَصَارَ حُكْمًا لَوْ أَذْرَكَهُ لِي حَقِيقَةُ الْإِيمَامِ وَلَوْ أَنَّ الشَّرْطَ هُوَ الْمُسَارَكَةُ لِي لَفَعَلِ الصَّلَاةَ وَلَمْ يُوجَدْ لِي الْإِيمَامُ وَلَا لِي الرُّكُوعُ

ترجمہ

اور جس شخص نے امام کو رکوع میں پایا پس اس نے تکبیر کہی اور کچھ ٹھہرا حتیٰ کہ امام نے رکوع سے سر اٹھایا تو اس رکعت کو پانے والا نہیں ہے۔ جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس نے امام کو ایسے حال میں پایا کہ وہ حکم قیام تھا۔ لہذا وہ حقیقت میں قیام کو پانے والا ہے۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ افعال نماز میں مشارکت شرط ہے جو نہ رکوع میں پائی جا رہی ہے اور نہ ہی قیام میں پائی جا رہی ہے۔

رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت ہو جاتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم (جماعت میں شریک ہونے کے لیے) نماز میں آؤ اور مجھے سجدے کی حالت میں پاؤ تو تم بھی سجدے میں چلے جاؤ اور اس سجدے کو کسی حساب میں نہ لگاؤ ہاں جس آدمی نے (امام کے ساتھ) رکوع پایا تو اس نے پوری رکعت پائی۔ (ابوداؤد)

علامہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آدمی جماعت میں آکر اس حال میں شریک ہو کہ امام سجدے میں ہو اور وہ بھی سجدے میں چلا جائے تو اس کی پوری رکعت نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی آدمی اس حال میں شریک ہو کہ امام رکوع میں ہو اور اسے رکوع مل جائے تو اس کی پوری رکعت ادا ہو جاتی ہے چنانچہ اس حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی آدمی جماعت میں اس وقت شریک ہو جب امام سجدے میں ہو تو وہ سجدے میں چلا جائے۔ مگر اس سجدے کی وجہ سے وہ اس رکعت کا ادا کرنا نہ سمجھے کیونکہ جس طرح رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت مل جاتی ہے اسی طرح سجدے میں شریک ہونے پر پوری

رکعت نہیں ملتی۔

دوسرے جزو کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں (۱) حدیث میں لفظ رکعت سے رکوع مراد ہے اور صلوٰۃ سے رکعت یعنی جس نے امام کو رکوع میں پایا اور وہ رکوع اس نے بھی پایا تو اس کو پوری رکعت مل گئی (۲) رکعت اور صلوٰۃ دونوں اپنے حقیقی معنی میں استعمال کئے گئے ہیں اس طرح حدیث کے اس جزو کا مطلب یہ ہوگا کہ جس آدمی نے جماعت میں ایک رکعت بھی پالی تو اس نے امام کے ساتھ پوری نماز کو پایا لہذا اسے نماز یا جماعت کو ثواب بھی ملے گا اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہوگی۔

امام سے پہلے رکوع کیا تو حکم:

(وَكُذِّبَ الْمُقْتَدِي قَبْلَ اِمَامِهِ فَادْرَكَهُ الْاِئْتَامُ فِيهِ جَزَاءٌ وَقَالَ زَكَرِيُّ: لَا يُجْزِئُهُ لَآءٌ مَا آتَى بِهِ قَبْلَ الْاِئْتَامِ عَمْرُو مَعْقِدٌ بِهِ هَكَذَا مَا يَتَّبِعُهُ عَلَيْهِ. وَلَمَّا اَنَّ الشَّرْطَ هُوَ الْمَشَارَكَةُ فِي جُزْءٍ وَاحِدٍ كَمَا فِي الطَّرَفِ الْاَوَّلِ . ترجمہ

اور اگر مقتدی نے امام سے پہلے رکوع کر لیا پھر امام نے اس کو رکوع میں پایا تو جائز ہے۔ اور امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ مقتدی نے جو رکوع امام سے پہلے کیا وہ معتبر نہیں ہے۔ جو اس پر مبنی ہوگا وہ بھی اسی طرح غیر معتبر ہوگا۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط ایک پہلی طرف ایک طرح ایک جزو ہے۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ امام سے پہلے سر اٹھانے پر وعید:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آدمی جو امام سے پہلے (رکوع و سجود سے) سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ جل شانہ اس کے سر کو بدل کر گدھے جیسا سر کر دے گا۔ (بخاری و مسلم) جو آدمی نماز کے ارکان امام کے ساتھ ادا نہیں کرتا بلکہ امام سے پہلے ہی ادا کر لیتا ہے مثلاً رکوع و سجود سے امام کے سر اٹھانے سے پہلے اپنا سر اٹھا لیتا ہے تو ایسے آدمی کے بارے میں مذکور بالا حدیث سخت ترین وعید ہے۔

گو علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے گدھے کی مانند کم فہم و عقل کر دے گا کیونکہ تمام جانوروں میں گدھے ای سب سے زیادہ کم فہم ہوتا ہے لہذا یہ مسخ حقیقی نہیں ہو گا بلکہ مسخ معنوی ہوگا تاہم علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کو اپنے حقیقی معنی پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس امت میں بھی مسخ ممکن ہے جیسا کہ 'باب اشراف السلۃ' میں مذکور ہے اور اس کے مونسید ایک روایت ہے کہ یہ الفاظ ہیں کہ ان بحول اللہ صورتہ جاری یعنی اللہ تعالیٰ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کی صورت کو گدھے جیسی صورت کر دے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ اس امت میں بھی مسخ جائز ہے لہذا اس حدیث کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرتا جائز ہے۔



علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مسخ خاص ہے اور امت کے لیے جو مسخ ممتنع ہے وہ مسخ عام ہے چنانچہ احادیث صحیحہ سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

مسخ صورت کا ایک عبرت ناک واقعہ:

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذکورہ بالا قول کی تائید ایک عبرت ناک واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو ایک جلیل القدر محدث سے منقول ہے کہ وہ طلب علم اور حصول حدیث کی خاطر دمشق کے ایک عالم کے پاس پہنچے جو اپنے علم و فضل کی بناء پر بہت مشہور تھا انہوں نے اس عالم سے درس لیتا شروع کیا مگر حصول علم کے دوران یہ واقعہ طالب علم کے لیے بڑا حیرت ناک بنا رہا کہ استاد پوری مدت کبھی بھی ان کے سامنے نہیں آیا یا درس کے وقت استاد اور شاگرد کے درمیان ایک پردہ حائل رہتا تھا ان کو اس کی بڑی خواہش تھی کہ کم سے کم ایک مرتبہ اپنے استاد کے چہرے کی زیارت تو کریں۔ چنانچہ جب انہیں اس عالم کی خدمت میں رہتے ہوئے بہت کافی عرصہ گزر گیا تو اس نے یہ محسوس کر لیا کہ طالب علم حصول حدیث کے شوق اور تعلق شیخ کے بھرپور جذبات کا پوری طرح خالی ہے تو استاد نے ایک دن درمیان میں حائل پردہ کو اٹھایا ان کی حیرت اور تعجب کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ جو جلیل القدر عالم اور ان کا استاد جس کے علم و فضل کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اپنے انسانی چہرے سے محروم ہے بلکہ اس کا منہ گدھے جیسا ہے استاد نے شاگرد کی حیرت اور تعجب کو دیکھتے ہوئے جو بات کہی اسے سنئے اور اس نے عبرت حاصل کیجئے۔ اس نے کہا اے میرے بیٹے! نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پھل کرنے سے بچنا میں نے جب یہ حدیث سنی کہ کیا جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے جیسا کر دے تو مجھے بہت تعجب ہوا۔ اور میں نے اسے بعید از امکان تصور کیا چنانچہ (یہ میری بد قسمتی کہ میں نے حجاز کے طور پر) نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پھل کی جس کا نتیجہ میرے بیٹے اس وقت تھا کہ ہمارے سامنے ہے کہ میرا چہرہ واقعی گدھے کے چہرے جیسا ہو گیا۔

بہر حال ملاحظہ قاری اس کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد راسل شدید تہدید اور انتہائی وعید کے طور پر ہے یا یہ کہ ایسے آدمی کو برزخ اور دوزخ میں اس عذاب کے اندر جھٹلایا جائے گا۔

## بَابُ الْقَضَاءِ وَالْإِقْبَالِ

﴿یہ باب فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے بیان میں ہے﴾

باب قضاء الغوات کی مطابقت کا بیان:

اس باب کو سابقہ الابواب سے مؤخر کرنے کی وجہ حسب ذیل ہیں۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اداء اصل ہے جبکہ قضاء اسی کی فرع ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اداء حکم شرعی سے کمال طریقے سے بری الذمہ ہوتا ہے جبکہ قضاء طریقہ ناقص ہے۔ اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ ادا حکم ادا انگلی میں اس طرح ہے کہ جس طرح کسی کو اصلی چیز پر درکنا ہے۔ جبکہ قضاء اس طرح ہے کہ کسی کو ملٹی چیز پر درکنا ہے۔ اس کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اداء اجر و ثواب کے ساتھ ہے جبکہ قضاء جزو تو بخ کے ساتھ ہے۔ اس کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ اداء سے حکم شرعی علی غلظہ رہتا ہے جبکہ قضاء میں حکم شرعی علی غیر غلظہ ہو جاتا ہے۔ اس کی چھٹی وجہ یہ ہے۔ اداء کیلئے اوقات معینہ ہیں جبکہ قضاء میں اوقات کی تعیین ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ اوقات مباحہ میں جب چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ احکام شرع میں تعیین اوقات سے ادا انگلی میں آسانی ہے۔ اور ہم میں سہولت ہے۔ اس کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ وجود قضاء وجود اداء کا محتاج ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک اصل نماز یعنی اداء کا حکم نہیں پایا جاتا اور پھر جب اس کی ادا انگلی کو ترک نہ کیا جائے تب تک حکم قضاء ثابت نہ ہوگا۔ لہذا سلب جزی کے طور پر بھی قضاء کا وجود حکم اداء پر موقوف ہے۔ (المن صادق رضوی علیہ رحمۃ)

فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنے کا بیان:

(وَمَنْ لَمَّا تَمَّ صَلَاتُهُ إِذَا ذَكَرَهَا وَفَلَّمَهَا عَلَى فَرَضِ الْوَلْتِ) وَالْأَصْلُ لَهُ أَنَّ التَّرْتِيبَ بَيْنَ الْقَوَالِبِ وَفَرَضِ الْوَلْتِ عِنْدَنَا مُسْتَعْتَبٌ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ مُسْتَعْتَبٌ لِأَنَّ كُلَّ فَرَضٍ أَصْلٌ يَنْفَعُهُ فَلَا يَكُونُ حَرَكًا لِيُغَيِّرَهُ.

وَلَمَّا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَلَمْ يَذْكُرْهَا إِلَّا وَهُوَ مَعَ الْإِيمَانِ فَلْيُصَلِّ أَلَيْسَ هُوَ فِيهَا ثُمَّ يُصَلِّ أَلَيْسَ ذَكَرَهَا ثُمَّ يُعِدُّ أَلَيْسَ صَلَّى مَعَ الْإِيمَانِ)

"(وَلَوْ خَافَ قَرَأَ الْوَلْتِ يَقْلَمُ الْوَلْتِيَّةَ ثُمَّ يَقْضِيهَا) لِأَنَّ التَّرْتِيبَ يَسْقُطُ بِطَوْبِ الْوَلْتِ، وَكَذَا بِالنِّسْيَانِ وَكَثَرَةُ الْقَوَالِبِ كَمَا لَا يُؤَدَّى إِلَى تَقْوِيَةِ الْوَلْتِيَّةِ،

وَلَوْ قَلَمَ الْقَائِمَةُ جَارَ لِأَنَّ النَّهْيَ عَنْ تَقْدِيمِهَا لِمَعْنَى فِي غَيْرِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الْوَلْتِ سَعَةً وَقَلَمَ الْوَلْتِيَّةَ عَيْتَ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ أَكْثَرُ قَبْلَ وَلِيَهَا النَّبَاتُ بِالْحَدِيثِ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص کی نماز فوت ہو جائے تو وہ یاد آنے پر اس کی قضاء کرے اور وقتی فرض پر مقدم کرے۔ کیونکہ قانون یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وقتی نمازوں اور فوت ہونے والی نمازوں کے درمیان ترجیح واجب ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحب ہے۔ کیونکہ ہر فرض ذات کے اعتبار سے اصل ہے۔ لہذا وہ دوسرے کیلئے شرط نہ ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز بھلا کر سو گیا یا جس نے نماز کو بھلا دیا پس اسے یاد نہ رہا لیکن جب وہ امام کے ساتھ ہے تو وہی نماز پڑھے۔ جس میں وہ موجود ہے۔ پھر وہ پڑھے جو اس کو یاد آئی ہے اور پھر اس کا اعادہ کرے جو اس نے امام کے ساتھ پڑھی ہے۔

اور اگر اس کو وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو وہ وقفہ کو مقدم کرے اور پھر قضاء نماز پڑھے۔ کیونکہ وقت کی تنگی کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح بھول جانے اور کثرت فوائد کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے تاکہ وقفہ کی تقویت لازم نہ آئے۔

اور اگر اس نے تنگی وقت کے باوجود فائز کو مقدم کیا تو جائز ہے کیونکہ فائز کو مقدم کرنے کی ممانعت ایسے حکم کی وجہ سے ہے جو غیر کے حق میں ہے۔ بخلاف اس کے جب وقت میں وسعت ہو اور اس نے وقفہ کو مقدم کیا تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے نماز کو اس وقت سے پہلے ادا کر لیا ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

نیند کی وجہ سے یا بھولنے سے جس کی نماز رہ گئی؟

امام ابن ماجہ لکھتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا اس مرد کے متعلق جس کی نماز بھولنے سے یا سوتے رہنے کی وجہ سے چھوٹ جائے؟ فرمایا جب یاد آئے (یا بیدار ہوں) تو پڑھ لے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو نماز بھول جائے تو جب یاد آئے تو پڑھ لے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر چلتے رہے، جب آپ کو آنکھ آنے لگی تو اتر پڑے اور بلال سے کہا ہمارے لئے تم رات کا خیال رکھو۔ بلال نے جتنا مقدر میں تھا نفل ادا کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی سو گئے، جب فجر قریب ہوئی تو بلال نے اپنی اونٹنی کے ساتھ ٹیک لگا دی فجر (مشرق) کی طرف منہ کر کے، پس بلال پر اسی اونٹنی پر ٹیک کی حالت میں نیند غالب آ گئی نہ ان کی آنکھ کھلی نہ کسی اور صحابی کی، یہاں تک کہ ان کو دھوپ محسوس ہوئی تو سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگے اور گھبرا کر فرمایا ارے بلال! (یہ کیا ہوا؟) بلال نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول! میری جان کو اسی نے روک رکھا جس نے آپ کی جان کو روک رکھا، آپ نے فرمایا اونٹوں کو چلاؤ لوگوں نے تھوڑی دیر تک اپنے اونٹوں کو چلایا

(آپ اس جگہ سے چلے گئے کیونکہ وہاں شیطان تھا جیسے دوسری روایت میں ہے) پھر آپ نے وضو کیا اور صبح کی نماز پڑھائی جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قائم کر نماز کو میری یاد کی خاطر اور ابن شہاب اس آیت کو یوں پڑھتے۔ (وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي 14) 20- طہ 14:-

حضرت ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے غیند میں کوتاہی کا ذکر کیا، کہا سوتے رہے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سوتے میں کچھ کوتاہی نہیں کوتاہی تو جانتے میں ہے، اس لئے جب ہم میں سے کوئی بھی نماز بھول سے چھوڑ دے یا غیند میں چھوڑ جائے تو جب یاد آئے تو اس وقت پڑھ لے اور آئندہ وقت پر نماز پڑھے۔ ابو قتادہ کے شاگرد عبد اللہ بن ربیع کہتے ہیں کہ میں یہ حدیث بیان کر رہا تھا کہ عمران بن حصین نے سنا تو فرمایا اے جوان! سوچ کر حدیث بیان کرنا کیونکہ اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس میں سے کسی بات کی بھی تردید نہ فرمائی۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب یاد آئے، پڑھ لے، اس کا کفارہ بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ (سورہ طہ میں) فرماتا ہے: اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ (بخاری، ۳۶۶)

نوٹ شدہ نمازوں میں ترتیب کا بیان:

(وَكُنَّ صَلَوَاتُكُمْ فِي الْقَعَاءِ كَمَا وَجَّهْتُمْ فِي الْأَصْلِ) " (لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَى الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ خَيْرٌ لِّعَنْزَلِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْغَنَدِيِّ لِقَضَائِهِمْ مُرَكَّبًا، ثُمَّ قَالَ: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أَصْلَى) " (لَا أَنْ تَزِيدَ الْقَوْلَاتِ عَلَى سِتِّ صَلَوَاتٍ) (لَآ الْقَوْلَاتِ قَدْ كَثُرَتْ) (فَتَسْقُطُ التَّكْرِيرُ فِيمَا بَيْنَ الْقَوْلَاتِ) (نَفْسُهَا كَمَا سَقَطَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْوَلِيَّةِ، وَخَدَّ الْكُفْرَةِ أَنْ تَصِيرَ الْقَوْلَاتِ سِتًّا لِعُرُوجِ وَقْتِ الصَّلَاةِ السَّادِسَةِ وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْمَذْكُورِ فِي الْجَمْعِ الصَّغِيرِ، وَهُوَ قَوْلُهُ " (وَأَنْ لَّاتَهُ أَكْثَرُ مِنْ صَلَاةِ يَوْمٍ وَكَلِمَةٍ أَجْزَأُ أَنْ يَتْلُوَهَا) (لَآ إِذَا رَأَى عَلَى يَوْمٍ وَكَلِمَةٍ تَصِيرُ سِتًّا).

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ اعْتَبَرَ ذُخُولَ وَقْتِ السَّادِسَةِ، وَالْأَوَّلُ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْكُفْرَةَ بِالذُّخُولِ فِي عَدِّ التَّكْرَارِ وَذَلِكَ فِي الْأَوَّلِ،

ترجمہ:

اور اگر انکی چند نمازیں قضاء ہوئی ہیں تو ان کی قضاء میں وہی ترتیب رکھے جس طرح وہ اصل میں واجب ہوئیں تھیں کیونکہ

نبی کریم ﷺ جب یوم خندق نمازوں سے معروف کیے گئے تو آپ ﷺ نے ترتیب سے قضاء کیا۔ پھر فرمایا: تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو۔ لیکن جب یہ فرائض زیادہ ہو کر چھ ہو گئیں۔ تو یہ کثرت فرائض ہو گئی ہیں ان کے درمیان ترتیب ساقط ہو گئی۔ اور سوط اسی طرح ہے جس طرح وہ قہر اور فائتہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اور کثرت کی تعریف یہ ہے کہ جب چھٹی نماز کا وقت نکل جائے۔ اور جامع صغیر میں بھی مرد و کر کی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب ایک دن رات سے زیادہ ہو گئیں۔ تو جائز ہو جائے گی وہ نماز جس نے ابتداء کی تھی۔ کیونکہ جب وہ ایک دن رات زیادہ ہوئیں تو وہ چھ ہو گئیں۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ سے بھی روایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے چھٹی نماز کے وقت کے داخل ہونے کا اعتبار کیا ہے لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ کثرت تکرار کی حد میں داخل ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور یہ پہلے قول کی صورت میں ہوگا۔

قضاء نمازوں کی ترتیب میں فقہی مذاہب کا بیان:

جہور اہل علم کے مسلک کے مطابق نمازوں کی قضاء میں ترتیب واجب ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ "المفتی" میں لکھتے ہیں۔ اور بالجملة یہ کہ قضاء میں ترتیب واجب ہے۔

امام احمد نے کئی ایک جگہ بھی بیان کیا ہے۔ اور غفری، زہری، ربیعہ، یحییٰ انصاری، امام مالک، لیث، اور امام ابو حنیفہ اور اسحاق رحمہم اللہ عیضاً سے اسی طرح منقول ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: واجب نہیں؛ کیونکہ فرض فوت شدہ ہے چنانچہ اس میں ترتیب واجب نہیں، جس طرح روزے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اس میں ترتیب واجب ہے، چاہے کئی بھی زیادہ ہوں، ابام احمد نے یہی بیان کیا ہے۔ اور امام مالک اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ کہتے ہیں۔

ایک دن اور رات کی نمازوں سے زیادہ میں ترتیب واجب نہیں؛ کیونکہ اس سے زیادہ میں ترتیب کا معتبر ہونا اس کے لیے مشقت ہے، اور یہ تکرار میں داخل ہونے کا باعث ہے، چنانچہ روزوں کی قضاء میں عدم ترتیب کی طرح ساقط ہو جائیگی۔

(المفتی لابن قدامہ المقدسی) (1) (352)

چنانچہ اس سے حاصل یہ ہوا کہ اسلاف، مالکیہ، حنابلہ میں سے جہور اہل علم کے ہاں ترتیب واجب ہے، لیکن اتنا ہے کہ مالکی اور اسلاف کے ہاں ایک دن اور رات سے زیادہ ہونے کی صورت میں ترتیب واجب نہیں۔

ترتیب کی صورت یہ ہوگی کہ جس طرح معروف نماز ادا کی جاتی ہے اسی طرح قضاء بھی ادا کی جائیگی، چنانچہ مثلاً جس کی ظہر، عصر کی نماز رہ گئی تو وہ پہلے ظہر اور پھر عصر کی نماز ادا کرے گا۔

لیکن مجملے اور جہالت کی بنا پر ترتیب ساقط ہو جائیگی، اور اسی طرح موجودہ نماز کا وقت نکل جانے اور جماعت رہ جانے کا

خدا ہو تو پہلے حاضر نماز ادا ہوگی اور پھر فوت شدہ رائج ہوگی۔

اس لیے جس کی دو نمازیں رہ گئی ہو مثلاً ظہر اور عصر اور اس نے بھول کر پہلے عصر کی نماز ادا کر لی یا ترتیب کے وجہ سے جاہل ہونے کی بنا پر تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔

اور اگر یہ خدا ہو کہ قضاء وائی نماز ادا کرنے سے موجودہ عصر کی نماز کا اختیاری وقت نکل جائیگا تو وہ عصر کی نماز پہلے ادا کرے، اور پھر اپنی فوت شدہ کی قضاء کرے۔

اور اسی طرح اگر وہ مسجد میں داخل ہو تو کیا وہ جماعت کے ساتھ موجودہ اور حاضر نماز ادا کرے یا کہ فوت شدہ نماز کی قضاء کرے۔ امام احمد ایک روایت میں کہتے ہیں اور ابن تیمیہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے کہ جماعت رہ جانے کے خوف سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ (الشرح لمح) (2 / 138 - 144)

فوائد قدیمہ و جدیدہ کا بیان:

وَلَوْ اجْتَمَعَتِ الْقَوَائِلُ الْقَدِيمَةُ وَالْحَدِيثَةُ، لَبِلَ تَحْوَزُ الْوَقْفَةِ مَعَ تَذَكُّرِ الْحَدِيثِ لِكُنْفَرَةِ الْقَوَائِلِ، وَلَبِلَ لَا تَحْوَزُ وَيُجْعَلُ الْمَاجِسِي كَأَن لَمْ يَكُنْ رَجُزًا لَّهُ عَنِ النَّهْأَنِ  
وَلَوْ لَطَسَ بِمَضْنِ الْقَوَائِلِ حَتَّى قُلَّ مَا بَقِيَ عَادَ الْفَرْقُ بَيْنَ هَذِهِ الْقَضِيَّتَيْنِ، فَإِنَّهُ زَوِيَ عَنْ مُحْتَمِلٍ يُمْسِنُ تَوَكُّعَ صَلَاةِ يَوْمٍ وَلَكِنَّهُ، وَيُجْعَلُ بَقِيضِي مِنَ الْقَدَمِ مَعَ كُلِّ وَقْفَةٍ فَإِنَّهُ لَاقَوَائِلُ جَائِزَةٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ، وَالْوَقْفِيَّاتُ لَا يَسْتَعِينُ أَنْ قَلَمَتَهَا لَذُخُولِ الْقَوَائِلِ فِي عَدِّ الْقَضِيَّةِ، وَإِنْ أَمَرَهَا فَكُلُّكَ إِلَّا الْعِشَاءَ  
الْأَخِيرَةَ لِأَنَّهُ لَا قَائِمَةَ عَلَيْهِ فِي عَدِّهَا

ترجمہ:

اور اگر قدیمہ و جدیدہ فوت شدہ نمازیں جمع ہو گئیں تو کہا گیا ہے کہ جدیدہ یاد ہونے کے باوجود وہی کو ادا کرنا جائز ہے کیونکہ فوائد کی کثرت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ اور گزری ہوئی نمازوں کو معدوم قرار دیا جائے تاکہ اسے سستی کا احساس ہو جائے۔

اور اگر اس نے کچھ فوائد قضاء کیں کہ باقی چھ سے کم رہ گئیں تو بعض کے نزدیک اس کی ترتیب لوٹ آئے گی اور زیادہ ظاہر یہی قول ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جس نے دن رات میں نماز کو چھوڑا اور اگلے دن ہر نماز کے ساتھ قاضی کی قضا کی۔ تو جائز ہے کیونکہ فوائد ہر حال میں جائز ہوتی ہیں۔ اور اگر وہی کو مقدم پڑھا تو وہ وہی قاضی ہے۔ کیونکہ وہ قلت کی مقدار میں داخل ہو گئیں۔ اور عشا آخرہ کے سوا اگر وہی کو مؤخر کرے تب قاضی ہے۔ کیونکہ ادا ہو گئی کی حالت میں اس کے گمان کے مطابق اس پر کوئی قاضی نہیں ہے۔

شرح:-

قضاء نمازوں میں کثرت بھی ترتیب کو ساقط کرنے والی ہے لیکن جب اس نے کثیر نمازیں جو اس پر قضاء کے طور پر واجب تھیں ان کو پڑھ لیا حتیٰ کہ چھ نمازیں باقی رہ گئیں تو بعض فقہاء کے نزدیک علت کثرت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے ترتیب لوٹ آئے گی۔

ظہر نہ پڑھنے والے کا نماز عصر پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى النُّصْرَ وَهُوَ ذَا بَحْرٍ أَنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ لَهُمْ قَابِلَةً إِلَّا إِذَا كَانَ فِي آخِرِ الْوَلَايَةِ وَهُوَ مَسْأَلَةُ التَّرْتِيبِ) وَإِذَا قَسَدَتْ الْقَرْجِيَّةُ لَا يَتَحَلَّى أَصْلُ الصَّلَاةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَتَحَلَّى لِأَنَّ التَّعْرِيمَةَ عَقِدَتْ لِلْقُرْصِ، فَإِذَا بَعَلَتْ الْقَرْجِيَّةُ بَعَلَتْ.

وَلَهُمَا أَنَّهُ عَقِدَتْ لِأَصْلِ الصَّلَاةِ بِوَضْعِ الْقَرْجِيَّةِ لَمْ يَكُنْ مِنْ ضَرُورَةٍ يُطْلَقُ الْوَضْعُ يُطْلَقُ الْأَصْلُ) ثُمَّ التَّعْرِيمُ بِفَسَادِ مَوْقُوفًا، حَتَّى كَوَّ صَلَّى سِتَّ صَلَوَاتٍ وَلَمْ يُعِدَّ الظُّهْرَ انْقَلَبَ الْكُلُّ جَائِزًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَعِنْدَهُمَا بِفَسَادِ قَسَادًا بَاقًا لَا جَوَازَ لَهُ بِحَالٍ) وَلَقَدْ حُرِفَ ذَلِكَ فِي مَوْجُودِهِ.

ترجمہ:

اور جس نے عصر کی نماز پڑھی حالانکہ اس کو یاد ہے کہ اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تو یہ عصر فاسد ہوگی۔ مگر جب اس کا آخری وقت ہو جائے۔ اور یہ مسئلہ ترتیب ہے۔ اور جب فرضیت فاسد ہوگی تو شیخین کے نزدیک اصل نماز باطل نہ ہوگی۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ فرض کو باء معنے والی تحریمہ ہے اور جب وہ باطل ہوئی تو فرضیت بھی باطل ہوگی اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تحریر صرف فرضیت کے ساتھ اصل نماز کو باء معنے والی ہے۔ لہذا وصف کا باطل ہونا اصل کے باطل ہونے کو لازم نہیں ہے۔

پھر عصر کا فساد موقوف ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر اس نے چھ نمازیں پڑھیں اور اس نے ظہر کا اعادہ نہ کیا تو امام اعظم کے نزدیک ساری نمازیں جائز ہو کر فاسد ہو جائیں گیں۔ اور صاحبین کے نزدیک مصرعینی طور پر فاسد ہوگی اور اب کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ اور اس کا حکم اس کے اپنے موقع پر معلوم ہو چکا ہے۔

شرح:

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کی عصر کا فساد موقوف ہو جائے گا اس کا معنی یہ ہے کہ نماز اس نے پڑھی جبکہ اس پر ترتیب واجب تھی۔ ترک وجوب کی وجہ سے اس کی نماز میں فساد آگیا البتہ جب وہ شخص چھ نمازیں پڑھ لیتا ہے یعنی ترتیب جیسے ہی اس کے ذمے سے ساقط ہوگی اسی وقت اس کی موقوف نماز کا اعتبار کر لیا جائے گا۔

جبکہ صاحبین عبادات میں اس طرح کے وقف کے قائل نہیں ہیں۔

بحر پڑھنے والا جبکہ اسے وتروں کی قضاء یاد ہے:

(وَلَوْ صَلَّى الْفَجْرَ وَهُوَ ذَاكِرٌ أَنَّهُ لَمْ يُؤْتِرْ لَهِيَ فَايَسَّةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) خِلَافًا لَهُمَا ، وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى أَنَّ الْوُتْرَ وَاجِبَةٌ عِنْدَهُ سَنَةً عَنْهُمَا ، وَلَا تَرْيِبٌ بَيْنَ الْفَرَاغِ وَالسَّنَةِ ، وَعَلَى هَذَا إِذَا صَلَّى الْعِشَاءَ لَمْ تَوْضَأْ وَصَلَّى السُّنَّةَ وَالْوُتْرَ لَمْ يَكُنْ أَنَّهُ صَلَّى الْعِشَاءَ بِغَيْرِ طَهَارَةٍ لِعِنْدَهُ يُعِيدُ الْعِشَاءَ وَالسُّنَنَ قَوْلَ الْوُتْرِ ، لِأَنَّ الْوُتْرَ قَوْضٌ عَلَى حَقٍّ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا يُعِيدُ الْوُتْرَ أَيْضًا لِغَيْرِهِ تَبَعًا لِلْعِشَاءِ ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے فجر کی نماز پڑھی اور اسے یہ یاد ہے کہ اس نے وتر نہیں پڑھے تو اس کی یہ نماز فاسد ہے۔ یہ امام اعظم کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے اختلاف کیا ہے۔ اور اختلاف کی بناء یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک وتر واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک وتر مست ہے۔ اور فرائض و سنن کے درمیان ترتیب نہیں ہے۔ اور اختلاف کی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ جب کسی نے عشاء کی نماز پڑھی پھر اس نے وضو کیا اور اس نے سنت اور نماز وتر پڑھی پھر اس پر ظاہر ہوا کہ اس نے نماز عشاء بغیر وضو کے پڑھی ہے۔ پس امام اعظم کے نزدیک وہ عشاء و سنن دونوں کا اعادہ کرے سوائے وتر کے کیونکہ ان کے نزدیک وتر ایک انگ فرض ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک وہ اسی طرح وتر کا اعادہ بھی کرے گا۔ کیونکہ وہ عشاء کے تابع ہیں۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

قضاء نمازوں کی ترتیب بھولنے میں فقہی مذاہب کا بیان:

ائمہ ثلاث امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے کہ فوت شدہ نمازیں قضاء کرتے وقت ترتیب واجب ہے، اس کی دلیل خندق والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ نمازیں رہ گئیں تو آپ نے ترتیب کے ساتھ انہیں قضاء کر کے ادا کیا تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق والے روز عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد ادا کی اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی "صحیح بخاری حدیث نمبر (641) اور ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "تم نماز اس طرح ادا کرو جس طرح تم نے مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے" صحیح بخاری حدیث نمبر (631) (المصنف ابن قدامہ 2 / 336) اگر ترتیب بھول جائے تو کیا ساقط ہو جائیگی؟

اس کا جواب یہ ہے جی ہاں بھول جانے کی صورت میں ترتیب ساقط ہو جائیگی، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور بھول، اور جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو معاف کر دیا گیا ہے"



سکن ابن ماجہ حدیث نمبر (2043) نے صحیح ابن ماجہ حدیث نمبر (1662) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ رحمہما اللہ دونوں کا مسلک بھی یہی ہے۔

فتح القدیر (1/424) اور المغنی ابن قدامہ (2/340) اور الشرح (2/139)۔

اور اگر کوئی شخص نماز بھول جائے اور دوسری نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد اسے یاد آئے تو اس کی تین حالتیں ہیں :

1- موجودہ نماز شروع کرنے سے پہلے رہ جانے والی نماز یاد آ جائے تو اس وقت اسے فوت شدہ نماز پہلے ادا کرنا ہوگی اور پھر موجودہ نماز ادا کرے گا۔

2- موجودہ نماز مکمل کرنے کے بعد فوت شدہ نماز یاد آئے کہ اس نے تو وہ نماز ادا ہی نہیں کی، چنانچہ اس کی موجودہ نماز صحیح ہو گی اور وہ صرف فوت شدہ نماز ہی ادا کرے گا، بھول جانے کی بنا پر ترتیب کے ساتھ ادا کی گئی میں معذور ہوگا۔

3- اسے موجودہ نماز ادا کرنے کے دوران یاد آئے کہ اس نے تو اس سے قبل والی نماز ادا نہیں کی، تو اس حالت میں وہ موجودہ نماز مکمل کرے اور یہ اس کے لیے نفل ہوگے، اور پھر وہ فوت شدہ نماز ادا کرنے کے بعد موجودہ نماز ترتیب کے ساتھ ادا کرے گا، امام احمد رحمہ اللہ قتالی کا مسلک یہی ہے۔ (المغنی ابن قدامہ (2/340-336)

اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول یہی ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطا میں روایت کیا ہے کہ نفع بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہا کرتے تھے : "جس کی بھی کوئی نماز رہ گئی ہو اور اسے امام کے ساتھ جا جماعت نماز ادا کرتے ہوئے یاد آئے، تو امام کی سلام پھیرنے کے بعد رہ جانے والی فوت شدہ نماز ادا کرے، اور پھر اس کے بعد دوسری نماز ادا کرے" دیکھیں : موطا امام مالک حدیث نمبر (408)

اور ابن تیمیہ کہتے ہیں۔

(دوران نماز جب بھی فوت شدہ نماز یاد آئے تو یہ ایسے ہی ہوگی جیسے اسے نماز شروع کرنے سے قبل یاد آتی، اور اگر موجودہ نماز کے دوران یاد نہیں آتی بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یاد آئے تو جمہور علماء کرام مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، کے ہاں اس کی موجودہ نماز کفایت کر جائیگی۔) (الفتاویٰ الکبریٰ (1/112)

جس نماز میں ہے اسے پوری کرنا بطور انتخاب ہے، نہ کہ واجب، چنانچہ اگر وہ اس نماز کو توڑ کر فوت شدہ نماز ادا کرے اور پھر موجودہ نماز اس کے بعد ادا کر لے تو جائز ہوگا۔

میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو کہا : میں عشاء کی نماز ادا کر رہا تھا، مجھے دوران نماز یاد آیا کہ میں نے تو مغرب کی نماز ادا نہیں کی، چنانچہ میں عشاء کی نماز ادا کر لی، اور پھر مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد عشاء کی نماز پڑھائی؟

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کہنے لگے : آپ نے صحیح میں نے کہا : جب مجھے دوران نماز یاد آیا تھا تو کیا مجھے نماز تو نہیں دینی چاہیے تھی؟ امام احمد رحمہ اللہ کہنے لگے : کیوں نہیں، میں نے کہا : تو پھر میں نے صحیح کیسے کیا؟ وہ کہنے لگے : یہ سب جائز ہے۔

دیکھیں : المغنی ابن قدامہ (2/339)

اور بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ : جو موجودہ نماز ادا کر رہا ہے اسے مکمل کرے، اور پھر بعد میں فوت شدہ نماز ادا کر لے، تو اس پر موجودہ نماز دوبارہ لوٹانی لازم نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہی ہے۔ المجموع (3/70)

## باب فی رد السہو

﴿یہ باب سہو کے سجدوں کے بیان میں ہے﴾

باب سجدہ سہو کی مطابقت کا بیان:

نماز میں بعض ایسے عوارض لاحق ہوتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن سجدہ سہو بھی انہی عوارض میں سے بعض عوارض کے بدلے میں کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی عارضہ ہے لیکن اس عارضہ سے حفاظت کیلئے سجدہ سہو لازم کیا گیا ہے تاکہ نماز کی حفاظت رہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے اس باب کو دیگر عوارض سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ اور سجدہ تلاوت سے مقدم ذکر کرنے کی وجہ اس باب میں کثرت وقوع کی علت ہے۔

سجدہ سہو کرنے کا حکم:

نماز کے سنن و مستحبات اگر ترک ہو جائیں تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی یعنی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور نماز کے فرائض میں سے کوئی چیز اگر سہواً یا عمداً چھوٹ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے جس کا کوئی تدارک نہیں جس کی وجہ سے نماز کا اعادہ ضروری ہوتا ہے۔ نماز کے واجبات میں سے اگر کوئی چیز عمداً چھوڑی جائے تو اس کا بھی تدارک نہیں ہو سکتا اور نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر نماز کے واجبات میں سے کوئی چیز عمداً نہیں بلکہ سہواً چھوڑ دی جائے تو اس کا تدارک ہو سکتا ہے اور وہ تدارک یہ ہے کہ قعدہ اخیر میں التیات درود شریف اور دعا حسب معمول پڑھ کر سلام پھیرا جائے انہی سجدوں کو سجدہ سہو کہا جاتا ہے۔

سجدہ سہو کے وجوب و ادائیگی کا طریقہ:

(يَسْجُدُ لِلْسَهْوِ فِي الزَّمَانَةِ وَالْفَضَائِلِ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ السَّلَامِ ثُمَّ يَتَنَهَّدُ ثُمَّ يُسَلِّمُ) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يَسْجُدُ قَبْلَ السَّلَامِ لِمَا رَوَى (أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ سَجْدَةٌ لِلْسَهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ) وَنَحْنُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ (لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ السَّلَامِ) وَرَوَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ (سَجْدَةٌ سَجْدَتَيْنِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ) فَتَعَارَضَتْ رَوَايَاتُهُ فَقِيلَ قَبْلَهُ التَّمَسُّكُ بِقَوْلِهِ سَالِمًا، وَلَئِنْ سَجَدَ السَّهْوِ وَمَا لَا يَتَكَرَّرُ فَيُؤَخَّرُ عَنِ السَّلَامِ حَتَّى لَوْ سَهَا عَنِ السَّلَامِ يَنْجِبُ بِهِ، وَهَذَا خِلَافٌ لِمَا فِي الْأَوَّلَيْنِ، وَيَأْتِي بِتَسْلِيمَتَيْنِ هُوَ الصَّحِيحُ صَرَفًا لِلْسَّلَامِ الْمَذْكُورِ إِلَى مَا هُوَ الْمَعْنُودُ.

ترجمہ

زائداتی و نقصان کی صورت میں وہ سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کرے پھر وہ تشہد پڑھے پھر وہ سلام پھیرے۔ جبکہ امام شافعی حنفیہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کرے۔ اس کی روایت کی وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ نے سلام

سے پہلے عہدہ ہو گیا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر سہو کیلئے سلام کے بعد دو عہدے ہیں۔ اور روایت بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سہو کے بعد عہدے سلام کے بعد کیے۔ لہذا دونوں روایات کا فعل میں تعارض واقع ہوا۔ تو قوی حدیث کو تمام لینا باقی رہ گیا۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ عہدہ سہو ان امور میں سے ہے جن میں نگرانی نہیں ہوتا لہذا اسے سلام سے مؤخر کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر اس سے سلام میں سہو ہو تو وہ بھی پورا ہو جائے۔ اور یہ اختلاف اولیت میں ہے اور وہ دو مسلمانوں کے ساتھ رہائے یہی صحیح ہے۔ جبکہ احادیث میں ذکر کردہ سلام عہدہ کی طرف لوٹنے والا ہے۔

عہدہ سہو کی شرعی حیثیت کا بیان:

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھائی (درمیان نماز) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سلام پھیر کر) دو عہدے کئے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات پڑھی اور سلام پھیرا۔ (سنن ابوداؤد)

امام شافعی کے نزدیک عہدہ سہو سلام سے پہلے کرنے کا حکم:

حضرت عبداللہ ابن حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی اور پہلی دو رکعتیں پڑھ کر (پہلے قعدے میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لیے) کھڑے ہو گئے، دوسرے لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے اور (آخری قعدے میں) لوگ سلام پھیرنے کے منتظر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے بیٹھے بگیر کھی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو عہدے کئے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔ (صحیح البخاری صحیح مسلم)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک میں اس حدیث کے مطابق عہدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہی کیا جاتا ہے لیکن دوسری روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد ہی عہدہ سہو کیا ہے نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی ثابت ہوا ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد ہی عہدہ سہو کیا کرتے تھے لہذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک عہدہ سہو کے بعد تشہد، درود و دعا پڑھنے کا حکم:

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھائی (درمیان نماز) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سلام پھیر کر) دو عہدے کئے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات پڑھی اور سلام پھیرا۔ (سنن ابوداؤد) ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث سن

غریب ہے۔

حضرت عمران کا قول فسجد سجدة کا مطلب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر سہو کے دونوں جہدے کیے جیسا کہ تیسری فصل کی پہلی حدیث سے (جوانیس سے مروی ہے) بصرحت معلوم ہو جائے گی۔

اس حدیث میں نماز کا وہ رکن ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ادائیگی کو بھول گئے تھے نیز اس حدیث میں جہدے کے بعد تشہد پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسری روایتوں میں تشہد کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عمران کی اس روایت کی روشنی میں جو تیسری فصل میں آ رہی ہے یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے کہ پہلے سلام پھیر کر پھر جہدہ سہو کرنا چاہیے۔ اسی طرح امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے بلکہ شوافع و مالکیہ کے بعض حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس مسئلے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ درود و دعا جو احتیات میں پڑھی جاتی ہیں اسے تشہد میں پڑھنا چاہیے جو جہدہ سہو سے پہلے ہے یا جہدہ کے بعد کے تشہد میں پڑھنا چاہیے؟ چنانچہ امام کرخی نے تو یہ اختیار کیا ہے کہ درود و دعا جہدہ سہو کے بعد کے تشہد میں پڑھے جائیں اور ہدایہ میں بھی اسی کو صحیح کہا گیا ہے۔ البتہ ہدایہ کی بعض شرح میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جہدہ سہو سے پہلے تشہد میں پڑھنا بہتر ہے۔ امام طحاوی کا قول یہ ہے کہ دونوں تشہد میں پڑھنا چاہیے۔ شیخ ابن ہمام نے بھی امام طحاوی کے قول کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے۔ (فتح القدیر)

سہو کے دو جہدوں کے بارے میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر موقع پر جہدہ سہو سلام سے پہلے کرنا چاہیے۔ اس طرح وہ ان احادیث کو کہ جن سے سلام سے پہلے جہدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ان احادیث پر کہ جن سے سلام کے بعد جہدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام سے پہلے جہدہ کیا ہے اس موقع پر سلام سے پہلے ہی جہدہ کرنا چاہیے اور جس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد جہدہ کیا ہے اس موقع پر سلام پھیر کر ہی جہدہ کیا جائے علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول سب سے قوی اور بہتر ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تمام مواقع پر سلام پھیر کر جہدہ سہو کرنا چاہیے کیونکہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ صحیح احادیث وارد ہیں۔ نیز کہ ابو داؤد، ابن ماجہ اور عبد الرزاق نے ثوبان کی یہ روایت نقل کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر سہو کے لیے سلام پھیرنے کے بعد دو جہدے ہیں لہذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل متفہم و مروی ہے

کہ کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کیا ہے اور کبھی سلام پھیرنے کے بعد۔ تو ایسی صورت میں امام اعظم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو بطور دلیل اختیار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک قول فعل سے قوی ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

تعدہ کہوئیں تشهد درود شریف پڑھنے کا بیان:

وَيَأْتِي بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالْغَاوِلِي قَعْدَةَ الشَّهْرِ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الدُّعَاءَ مَوْضِعُهُ آخِرُ الصَّلَاةِ.

قَالَ ( وَيَلْتَزِمُهُ الشَّهْرُ إِذَا زَادَ فِي صَلَاتِهِ لَعْلًا مِنْ جَنَسِهَا لَيْسَ مِنْهَا ) وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ سَجْدَةَ الشَّهْرِ وَاجِبَةٌ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهَا تَجِبُ لِتَجْبِرَ لِقَصْرِ تَمَكُّنٍ فِي الْعِمَادَةِ فَتَكُونُ وَاجِبَةً كَالْغَاوِلِي الْحَيُّ ، وَإِذَا كَانَ وَاجِبًا لَا يَجِبُ إِلَّا بِتَرْكِ وَاجِبٍ أَوْ تَأْخِيرِهِ أَوْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ سَاهِبًا هَذَا هُوَ الْأَصْلُ ، وَإِنَّمَا وَجِبَ بِالْإِذَا فَإِنَّهَا لَا تَعْرَى عَنْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ أَوْ تَرْكِ وَاجِبٍ .

قَالَ ( وَيَلْتَزِمُهُ إِذَا تَرَكَ لَعْلًا مَسْنُونًا ) كَأَنَّهُ أَرَادَ بِوَفْعَلَا وَاجِبًا إِلَّا أَنَّهُ أَرَادَ بِتَسْمِيَةِ سُنَّةٍ أَنَّ وَجُوبَهَا كَبَتْ بِالسُّنَّةِ .

ترجمہ

اور وہ تعدہ کہوئیں درود شریف اور دعا پڑھے۔ یہی صحیح ہے اس لئے کہ دعا کا مقام نماز کے آخر میں ہے۔ فرمایا: جس نے نماز میں ایسے کام کی زیادتی کی جو بیض نماز سے نہ ہو تو سجدہ کہو واجب ہو گیا۔ اس قول کی دلائل یہ ہے کہ سجدہ کہو واجب ہے۔ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا وجوب نماز میں موجود ہونے والے نقصان کو پورا کرنے کی وجہ سے ہے لہذا یہ واجب ہوا۔ جس طرح حج میں قربانی دینے کا حکم ہے۔ اور قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ جب یہ واجب ہے تو اس کا وجوب ترک واجب تاخیر واجب یا بھول کر تاخیر رکن کی صورت میں ثابت ہوگا۔ اور بے شک اس کا وجوب زیادتی کی صورت میں اس وجہ سے ہے کہ رکن کی تاخیر یا ترک واجب سے خالی نہیں ہوتا۔

فرمایا۔ اور جب اس نے سنت کو ترک کیا تو بھی لازم ہے۔ جب اس فعل سے واجب کا ارادہ ہو لیکن اس کا نام سنت اس وجہ سے ہے کہ اس کو وجوب سنت سے ثابت ہے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مصنف کا یہ کہنا کہ ”وَالسَّلَامُ وَالْغَاوِلِي قَعْدَةَ الشَّهْرِ هُوَ الصَّحِيحُ“ یہاں طحاوی علیہ الرحمہ کے قول سے اسرار اڑی وجہ سے ہے کیونکہ امام طحاوی علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں تعدوں

میں درود شریف و دعا پڑھی جائے گی۔ (فتح القدیر، ج ۳، ص ۳۱، بیروت)

ترک فاتحہ و قنوت وغیرہ کی صورت میں مجیدہ ہو گا بیان:

قَالَ (أَوْ تَرَكَ لِرَاءَ الْقَابِلَةِ) لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ (أَوْ الْقُنُوتُ أَوْ التَّشَهُّدُ أَوْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ) لِأَنَّهَا وَاجِبَاتٌ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَاعْتَبَ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ تَوَكُّفٍ مَرَّةً وَهِيَ أَمَارَةُ الْوُجُوبِ وَلِأَنَّهَا تُضَافُ إِلَى جَمِيعِ الصَّلَاةِ فَكُلٌّ عَلَى الْآخَرِ مِنْ تَحْصِيلِهَا وَذَلِكَ بِالْوُجُوبِ ثُمَّ ذِكْرُ التَّشَهُّدِ بِحُتْمِلِ الْقَعْدَةِ الْأُولَى وَالثَّانِيَةِ وَالْفِرَاءَةِ لِهَيْمًا وَكُلُّ ذَلِكَ وَاجِبٌ، وَلِهَا سَجْدَةٌ هُوَ الصَّحِيحُ.

ترجمہ:

فرمایا: ایسے ہی اگر اس نے سورۃ فاتحہ پڑھنی چھوڑ دی تو بھی یہ واجب ہو گیا۔ یا اس نے قنوت، تشہد اور تکبیرات عیدین ترک کیں تو بھی واجب ہو گیا کیونکہ یہ نماز کے واجبات میں سے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان پر ایک مرتبہ بھی ترک نہ کیا بلکہ ان کو دوام اختیار فرمایا ہے۔ اور یہی اس کے وجوب کی علامت ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں مکمل نماز کی طرف منسوب ہوتی ہیں لہذا ان کی دلالت اس بات پر ہے کہ یہ نماز کے خصائص میں سے ہے اور یہی اختصاص (ثبوت) وجوب ہے۔ بہر حال تشہد اولیٰ ہوا یا دوسرا دونوں قعدہ کو اٹھانے والے ہیں۔ اور ان دونوں میں پڑھنا ہے لہذا ان سب میں مجیدہ ہو گا واجب ہو گا۔ یہی صحیح ہے۔

شرح:

کسی واجب کے چھوٹ جانے سے یا واجب یا فرض میں دیر ہو جانے سے۔۔۔ 2۔ کسی فرض میں تاخیر ہو جانے سے یا کسی فرض کو مقدم کر دینے سے۔ 3۔ فرض نماز کی پہلی رکعت یا دوسری رکعت یا پہلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ چھوٹ جانے سے۔ 4۔ نماز واجب یا سنت یا نفل کی کسی بھی رکعت میں سورۃ فاتحہ چھوٹ جانے سے۔ 5۔ فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت کے سوا ہر نماز کی کسی بھی رکعت میں سورۃ فاتحہ چھوٹ جانے سے۔ 6۔ سورۃ فاتحہ سے پہلے سورۃ پڑھ جانے سے۔ 7۔ کسی رکعت میں دو کوغ یا تین سجدے کر لینے سے۔ 8۔ قعدہ اولیٰ بیٹھنے یا قعدہ اخیرہ میں اتنیات چھوٹ جانے سے۔ 9۔ قعدہ اولیٰ چھوٹ کر تیسری رکعت کے کھڑے ہو جانے سے۔ 10۔ امام کو جن رکعتوں میں بلند آواز سے قرات پڑھنا ہے، ان میں آہستہ پڑھ جانے سے یا جن رکعتوں میں امام آہستہ پڑھتا ہے ان میں بلند آواز سے قرات کر دینے سے۔ 11۔ وتروں میں دعائے قنوت بھول جانے سے۔

سرمیں جبر اور جبر میں ہر کی وجہ سے وجوب مجیدہ کا بیان:

(وَلَوْ جَهَرَ الْإِمَامُ لِيَمَّا يُخَافُ أَوْ خَافَتْ لِيَمَّا يَجْهَرُ تَلَوْنُهُ مَسْجِدَنَا السُّهُرِ) لِأَنَّ الْجَهَرَ فِي مَوْضِعِهِ

وَالْمُخَافَةُ لِي مَوْضِعِهَا مِنَ الْوَاجِبَاتِ .

وَاعْتَلَفَتِ الرَّوَايَةُ لِي الْحَقْدَارِ ، وَالْأَصَحُّ لَقَدْ مَا تَجَوَّزُ بِهِ الصَّلَاةُ لِي الْفَضْلَيْنِ لِأَنَّ التَّيْسِيرَ مِنَ الْجَهْرِ وَالْإِخْفَاءِ لَا يُمَكِّنُ إِلَّا خَيْرًا زُغْنَةً ، وَعَنْ كَثِيرٍ مُمَكِّنٌ ، وَمَا يَصِحُّ بِهِ الصَّلَاةُ كَثِيرٌ غَيْرَ أَنَّ ذَلِكَ عِنْدَهُ آيَةٌ وَاحِدَةٌ وَعِنْدَهُمَا ثَلَاثُ آيَاتٍ ، وَهَذَا لِي حَقُّ الْإِيمَانِ دُونَ الْمُنْفَرِدِ لِأَنَّ الْجَهْرَ وَالْمُخَافَةَ مِنَ خَصَائِصِ الْجَمَاعَةِ .

ترجمہ:

اور اگر امام نے سری نماز میں جہر کیا یا جہری میں آہستہ پڑھا تو اس پر بہو کے دو جہدے لازم ہو گئے۔ کیونکہ جہر کو اپنی جگہ میں رکھنا اور اخفاء کو اپنی جگہ میں رکھنا یہ واجبات میں سے ہے۔

جبکہ مقدار میں روایات کا اختلاف ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں میں اتنی مقدار جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تحوز سے ہتھے جہر و اخفاء سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ جبکہ کثیر سے بچنا ممکن ہے۔ اور کثیر وہ ہوگا جس سے نماز جائز ہو جاتی ہو اور امام اعظم کے نزدیک ایک آیت ہے اور صاحبین کے نزدیک تین آیات ہیں۔ کیونکہ یہ امام کے حق میں ہے نہ کہ منفرد کے حق میں ہے۔ اور جہر و مخافت یہ جماعت کے خصائص میں سے ہے۔

شرح:

اگر امام اُن رکعتوں میں جن میں آہستہ پڑھنا واجب ہے جیسے ظہر و عصر کی سب رکعات اور عشاء کی پہلی دو اور مغرب کی تیسری اتنا قرآن عظیم جس سے فرض قرأت ادا ہو سکے (اور وہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ایک آیت ہے) بھولی کر یا واز پڑھ جائیگا تو بلاشبہ سجدہ بہو واجب ہوگا، اگر بلا غرضی سجدہ نہ کیا یا اس قدر قصداً واز پڑھا تو نماز کا بچھڑنا واجب ہے، اور اگر اس مقدار سے کم مثلاً ایک آدھ کلمہ یا واز بلند نکل جائے تو مذہب راجح میں کچھ حرج نہیں۔

علامہ ابن عابدین شافعی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔

لا سرار يجب على الامام والمنعرد فيما يسرفيه وهو صلوة الظهر والعصر والثالثة من المغرب ولا حرير من لعشاء و صلاة الكسوف والاستسقاء كما في الخبر الحسن في نمازوں میں امام منفرد دونوں پر اسرار (سُر) قرأت واجب ہے اور نماز ظہر، عصر، مغرب کی تیسری رکعت، عشاء کی آخری دو رکعت، نماز کسوف اور نماز استسقاء ہیں۔ (رد المحتار باب صفة الصلوة مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

تحت مسجدتان بترك واجب سهوا كالجهر فيما يخافت فيه وعكسه والاصح تقديره بفرد ما تحوز به

الصلوة في الفصلين۔

سوا ترک واجب سے وجہ کے لازم آتے ہیں مثلاً سری نماز میں جہر اُقرأت کر لے یا اسکا کس، اور صبح یہی ہے کہ دو دنوں صورتوں میں اتنی قرأت سے جہدہ لازم ہو جائے گا جس سے نماز ادا ہو جاتی ہو۔ (ذریعہ تار باب جہود اسحو مطبوعہ مجبائی دہلی)

سہواً کی وجہ سے مقتدی پر لزوم ہو گا کیا ان:

قَالَ ( وَسَهُوَ الْإِمَامُ يُوجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُودَ ) لِقَوْلِهِ السَّبَبُ الْمُوجِبُ لِي حَقِّ الْأَصْلِي وَلِهَذَا يَلْزَمُهُ حُكْمُ الْإِقَامَةِ بِنَيْتِ الْإِمَامِ ( فَإِنْ لَمْ يَسْجُدِ الْإِمَامُ لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمِّ ) لِأَنَّهُ يَصِيرُ مُخَالِفًا لِإِمَامِهِ ، وَمَا لَزَمَ الْآدَاءَ إِلَّا مُتَابِعًا .

ترجمہ:

فرمایا: اور اگر امام بھول گیا تو مقتدی پر بھی جہدہ ہو گا واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ امام کے حق میں وجوب جہدہ کا سبب مقرر ہو چکا ہے۔ اور اسی دلیل کی بنیاد پر حکم اقامت نیت امام کی وجہ سے مقتدی پر لازم ہوتا ہے۔ پس اگر امام جہدہ نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے۔ کیونکہ اس طرح وہ امام کا مخالف بن جائے گا۔ اور ادائیگی تو صرف اسی کی اتباع سے ہوگی۔

شرح:

علامہ شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مسبق اپنے امام کے ساتھ جہدہ کرے، جہدہ کی قید اس لئے کہ سلام میں امام کی اتباع نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ جہدہ کرے اور تشہد پڑھے اور جب امام سلام پھیرے تو وہ بغیر رکعتوں کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہو جائے، اگر اس نے سلام پھیرا اور اس کا سلام پھیرا نداشت تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں، اگر اس نے بھول کر سلام پھیرا تو اس صورت میں جہدہ نہ ہو گا جب امام سے پہلے یا معاً امام کے ساتھ ساتھ بغیر تاخیر سلام پھیرا ہو، اور اگر سلام امام کے بعد سلام پھیرا تو اب جہدہ لازم ہے کیونکہ اب وہ تنہا و مفرد ہے، بحر، اور یہاں محبت سے مراد مراقبت ہے اور اس کا وقوع بہت کم ہے، اسی طرح شرح المغنیہ میں ہے کہ اگر اس نے یہ گمان کرتے ہوئے سلام پھیر دیا کہ اس پر سلام لازم تھا تو یہ عہد اسلام ہو گا جو کہ بنائے نماز سے مانع ہے۔ (رد المحتار، باب سجود السہو مطبوعہ مصطفیٰ البانی مصر)

سہو مقتدی ہے امام کے بری الذمہ ہونے کا بیان:

( فَإِنْ سَهَا الْمُؤْتَمِّ لَمْ يَلْزَمْ الْإِمَامُ وَلَا الْمُؤْتَمِّ السُّجُودَ ) لِأَنَّهُ لَوْ سَجَدَ وَحْدَهُ كَانَ مُخَالِفًا لِإِمَامِهِ ، وَلَوْ تَابَعَهُ الْإِمَامُ يَتَقَلَّبُ الْأَصْلُ بَعْدًا .

( وَمَنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأُولَى ثُمَّ تَذَكَّرَ وَهُوَ إِلَى حَالَةِ الْقَعْدَةِ الْقَرْبِ عَادَ وَقَعَدَ وَتَشْهَدُ لِأَنَّمَا يَقْرُبُ مِنَ الشَّيْءِ بِأَخْذِ حُكْمِهِ ، ثُمَّ قِيلَ يَسْجُدُ لِلشَّيْءِ لِلتَّائِيهِ .

وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَسْجُدُ كَمَا إِذَا لَمْ يَقُمْ ) وَلَوْ كَانَ إِلَى الْإِمَامِ الْقَرْبُ لَمْ يَعُدْ ) لِأَنَّهُ كَالْقَالِمِ مَعْنَى )



يَسْجُدُ لِلَّهِ وَلَئِنْ تَرَكُ الْوَاجِبَ .

ترجمہ

اگر مقتدی بھول گیا تو امام مقتدی پر جہدہ سہولاً لازم نہ آئے گا۔ کیونکہ اگر وہ اکیلا جہدہ سہو کرے تو وہ اپنے امام کا مخالف بن جائے اور امام کی اس کی اتباع کر کے تو اصل تابع میں منتقل ہوتا ہے۔  
اور جو شخص پہلے قعدہ کو بھول گیا پھر اسے یاد آیا جبکہ وہ حالت قعدہ کے قریب تھا تو لوٹ جائے اور بیٹھے اور تشهد پڑھے۔ کیونکہ شی نے قریب والے کا حکم پکڑا ہے۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ تاخیر کی وجہ سے وہ جہدہ سہو کرے۔  
اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ جہدہ سہو نہ کرے کیونکہ وہ تو کھڑا ہی نہیں ہوا۔ اور اگر وہ قیام کے قریب تھا تو نہ لوٹے کیونکہ وہ قائم کے حکم میں ہے۔ اور وہ جہدہ سہو کرے کیونکہ یہ ترک واجب ہے۔

شرح:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام دو رکعت پڑھ کر (پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لیے) کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اسے یاد آجائے تو اسے چاہیے کہ وہ (قعدہ کے لیے) بیٹھ جائے اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو چکا ہو (اس کے بعد اسے یاد آئے) تو وہ (ب) نہ بیٹھے اور (آخری قعدہ میں) سہو کے دو جہدے کرے۔ (سنن ابوداؤد، مؤسن ابن ماجہ)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صورت مذکورہ میں معتبر پوری طرح کھڑا ہونا یا پوری طرح کھڑا نہ ہونا ہے۔ اس سلسلہ میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا آدمی اگر بیٹھنے کے قریب تر ہو جائے تو انقیات پڑھے اور اگر کھڑے ہونے کے قریب تر ہو تو نہ بیٹھے بلکہ اپنی بقیہ دونوں رکعتیں پوری کر لے۔

قریب تر بیٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے وقت اس کے چپے کا بدن (مثلاً ٹانگیں وغیرہ) سیدھا نہ ہو جائے اور اگر چپے کا بدن سیدھا ہو جائے تو کھڑے ہونے کے قریب تر ہوگا۔

شیخ ابن اہمام نے کہا ہے کہ اقربیت کے سلسلہ میں امام ابو یوسف کی بھی ایک روایت ہے جس کو صحیح ابن زری کے مشائخ نے اختیار کیا ہے مگر جب کہ اوپر بتایا گیا صحیح مسلک یہی ہے کہ جب تک پورا کھڑا نہ ہو جائے بیٹھا جاسکتا ہے پورا کھڑا ہونے کی صورت میں بیٹھا نہیں چاہیے، یہی قول صحیح ہے اور اس کی تائید یہ حدیث بھی کرتی ہے۔

اگر کوئی آدمی کھڑا ہونے سے پہلے قعدہ کے لیے بیٹھ جائے تو اس کے لیے جہدہ سہو کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہاں جو آدمی پورا کھڑا ہو جائے اور اس سے پہلے قعدہ چھوٹ جائے تو اس کو جہدہ سہو کرنا ہوگا۔

اس سلسلے میں تنی بات اور جان لیجئے جب کوئی آدمی پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے ہے پوری طرح کھڑا ہو

جائے تو اس کو بیٹھنا نہیں چاہیے کیونکہ اگر وہ بیٹھ جائے گا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ (فتح القدیر)  
اگر وہ قعدہ آخرہ بھول جائے تو حکم:

(وَاِنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْاٰخِرَةِ حَتَّى قَامَ اِلَى الْخَامِسَةِ وَرَجَعَ اِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ لِاَنَّ فِيهِ اِصْلَاحَ صَلَاتِهِ وَامْكُنَهُ ذَلِكَ لِأَنَّ مَا دُونَ الرَّكْعَةِ بِمَحَلِّ الرُّفُضِ .

قَالَ (وَالْفِي الْخَامِسَةِ) لِأَنَّهُ رَجَعَ اِلَى شَيْءٍ مَحَلَّهُ قَبْلَهَا فَتَرْتِضُ (وَسَجَدَ لِلشَّهْرِ) لِأَنَّهُ اٰخَرُ وَاجِبًا .

ترجمہ

اور اگر وہ آخری قعدہ بھول گیا حتیٰ کہ وہ پانچویں کی طرف کھڑا ہو گیا۔ تو جب تک اس نے سجدہ نہیں کیا وہ قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ کیونکہ اس نماز میں اصلاح اسی میں ہے۔ اور ایسا ممکن بھی ہے کہ ایک رکعت سے کم کو چھوڑا جاسکتا ہے۔ اور فرمایا: کہ وہ پانچویں رکعت کو فضول قرار دے کیونکہ وہ ایسی چیز کی طرف لوٹا ہے جس کا کل پانچویں رکعت سے پہلے ہے۔ لہذا اس کو چھوڑ دے۔ اور سجدہ ہو کرے کیونکہ اس نے واجب میں تاخیر کی ہے۔

شرح:

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (آپ کا ام گرامی محمد اور کنیت ابو بکر) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کے تیس بچے تھے جو آپ کی زندگی ہی میں سوائے ایک کے وفات پا گئے صرف ایک صاحبزادے عبداللہ بن محمد بن سیرین بقید حیات تھے۔ ستر سال کی عمر میں ۱۰ھ میں ان انتقال ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا (ایک دن) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز جس کا نام ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو بتایا تھا مگر میں بھول گیا، ہمیں پڑھائی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور تیسری رکعت کے لیے اٹھنے کی بجائے سلام پھیر لیا، پھر اس کنویں کے سہارے جو مسجد میں عرضا کھڑی تھی کھڑے ہو گئے اور (محسوس ایسا ہوتا تھا) گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنا بایاں رخسار مبارک اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا۔ جلد باز لوگ (جو نماز کی ادائیگی کے بعد ذکر اور دعا وغیرہ کے لیے نہیں ٹھہرتے تھے) مسجد کے دروازوں سے جانے لگے، صحابہ کہنے لگے کیا نماز میں کمی ہو گئی ہے؟ (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت کے بجائے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟) صحابہ کے درمیان (جو مسجد میں باقی رہ گئے تھے) حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے مگر خوف کی وجہ سے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنے کی جرات نہ ہوئی صحابہ میں ایک اور آدمی (بھی) تھے جن کے ہاتھ لمبے تھے اور جنہیں (اسی وجہ سے) ذوالیدین (یعنی ہاتھوں والا کے لقب سے) پکارا جاتا تھا

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھول گئے ہیں یا نماز میں کمی ہوگئی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے پھر (صحابہ سے مخاطب ہوئے اور) فرمایا کیا تم بھی یہی کہتے ہو جو ذوالیدین کہہ رہے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں یہی بات ہے اور یہ سن کر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے آئے اور جو نماز (یعنی دو رکعت) چھوٹ گئی تھی اسے پڑھا اور سلام پھیر کر تکبیر کہی اور حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی کچھ طویل سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا لوگ ابن سیرین سے پوچھنے لگے کہ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے عمران بن حصین سے یہ خبر ملی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے مگر اللہ ظاہر بخاری کے ہیں۔

اور صحیح البخاری و مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ذوالیدین کے جواب میں) لم انس ولم تقصر (یعنی نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے) کے بجائے یہ فرمایا کہ جو کہ تم کہہ رہے ہو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں سے کچھ ضرور ہوا ہے۔ علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث کی بہت لمبی چوڑی شرح کی گئی ہے اگر اس کو یہاں نقل کی جائے تو بات بڑی لمبی ہو جائے گی البتہ اتنا تا دینا ضرور یہ ہے کہ اس حدیث کے بارے میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا اشکال تو یہ ہے کہ علماء کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ خبر میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہونا ناممکن ہے اور افعال میں بھی اختلاف ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ذوالیدین کے جواب میں جو یہ فرمایا کہ نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے کیا خلاف واقعہ نہیں ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر میں بھی سہو ہو سکتا تھا۔ اس کا جواب مختصر طریقہ پر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو ہونا ان خبروں میں ناممکن ہے جو تبلیغ شرائع و دینی عم اور وحی الہی سے متعلق ہیں نہ کہ تمام خبروں میں۔

دوسرا یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افعال بھی سرزد ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو بھی کی مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ جو رکعتیں باقی رہ گئیں تھیں انہیں کو پورا کر لیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب علامہ نے یہ دیا ہے کہ مفید نماز وہ کلام و افعال ہیں جو قصد واقع ہوئے ہوں نہ کہ وہ کلام و افعال جو سہو ہو گئے ہوں جیسے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک ہے۔ لیکن چونکہ یہ جواب نہ صرف یہ کہ خود اپنے اندر جھوٹ رکھتا ہے بلکہ خفیہ کے مسلک کے مطابق بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاں مطلقاً کلام مفید صلوة ہے خواہ قصد صادر ہوا ہو یا سہو۔ اس لیے

عہد خفیہ کے نزدیک اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ نماز میں کلام اور فعل کا جواز منسوخ نہیں ہوا تھا۔

حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز میں کلام مطلقاً مقصد مصلوٰۃ ہے خواہ قصد ہو یا سہواً اگر ان کے ہاں اتنی عجائز بھی ہے کہ نماز میں جو کلام امام یا مقتدی سے نماز کی کسی مصلحت کے پیش نظر صادر ہوا ہو گا وہ مقصد نماز نہیں ہوگا جیسا کہ حدیث مذکورہ میں پیش آ رہے صورت ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو جب حضرت ابن سیرین لوگوں کے سامنے بیان کر چکے تو ان سے بطریق استفہام اکثر لوگوں نے پوچھا کہ کیا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تم مسلم بھی کہا تھا گویا ان لوگوں کے پوچھنے کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ ہو سلام کے بعد کیا تھا یا پہلے کیا تھا اس کے جواب میں ابن سیرین نے کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تو یہ الفاظ مجھے یاد نہیں پڑتے، ہاں حضرت عمران ابن حصین نے یہی حدیث مجھ سے روایت کی ہے ان کی روایت میں تم مسلم کے الفاظ موجود ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ ہو سلام کے بعد کیا تھا اور میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تم مسلم کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ عمران ابن حصین ہی کی روایت سے اس جگہ لایا ہوں۔

بھول کر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لینے کا بیان:

(وَإِنْ قِيلَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بِكُلِّ قَرُصَةٍ عَسَلْنَا حِكْلًا لِلشَّافِعِيِّ لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ شُرُوعَهُ لِي النَّافِلَةِ قَبْلَ اكْتِمَالِ أَرْكَانِ الْمَكْنُونَةِ، وَمِنْ ضَرُورَتِهِ خُرُوجُهُ عَنِ الْقَرُصِ وَهَذَا لِأَنَّ الرُّكْعَةَ بِسَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ صَلَاةٌ حَقِيقَةٌ حَتَّى يَخْتَبِرَ بِهَا فِي يَمِينِهِ لَا يُصَلِّي .

(وَلَحَوْلَتْ صَلَاتُهُ نَفْلًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ) حِكْلًا لِمُحَمَّدٍ عَلَى مَا مَرَّ (فَيَضُمُّ إِلَيْهَا رُكْعَةً سَادِسَةً وَلَوْ لَمْ يَضُمَّ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ مَطْنُونٌ، ثُمَّ إِنَّمَا يُبْطَلُ قَرُصُهُ بِوَضْعِ السَّبِيحَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّهُ مُسْجُودٌ كَامِلٌ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ بِرُقُوعِهِ لِأَنَّ تَمَامَ الشَّيْءِ بِأَرْبَعِهِ وَهُوَ الرُّقُوعُ وَلَمْ يَبْصَحْ مَعَ الْحَدِيثِ، وَلَمَرَّةً الْإِحْلَافُ تَظْهَرُ لِيَمَّا إِذَا سَبَقَهُ الْحَدِيثُ فِي السُّجُودِ بَنَى عِنْدَ مُحَمَّدٍ حِكْلًا لِأَبِي يُوسُفَ .

ترجمہ

اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدے کے ساتھ مقید کر دیا تو ہمارے نزدیک اس کا فرض باطل ہو جائے گا۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس نے فرض کے ارکان مکمل کرنے سے پہلے اس نے نقل کو مستحکم کر دیا ہے۔ حالانکہ فرض سے انکشاف کی ضرورت ہے۔ اور ایک سجدہ کے ساتھ یہ اس کی حقیقی نماز ہے حتیٰ کہ وہ تم "لا یصلیٰ"

میں اس سے حادث ہونا چاہئے گا۔

اور شیخین کے نزدیک اس کی نماز بدل کی نفل ہوگئی اور اس میں امام محمد علیہ الرحمہ کا اختلاف گزر چکا ہے۔ پس وہ چھٹی رکعت ملائے اور اگر اس نے نہ ملائی تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مظلون ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا فرض پیشانی زمین پر رکھنے کے ساتھ ہی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ بھی سجدہ کامل ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک سر کو اٹھانے کے ساتھ کیونکہ شئی اپنے آخر سے مکمل ہوتی ہے۔ اور اٹھانا ہے۔ اور یہ سر اٹھانا حدث کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ اور اس اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب اس کو سجدے میں حدث لاحق ہو۔ اس صورت میں وہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک بناہ کرے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

چھٹی رکعت ملا کر نفل بنانے کا بیان:

احناف کے ہاں پانچ رکعت ادا کر لینے کی صورت میں مسئلے کی کچھ تفصیل ہے۔ چنانچہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اسے یاد آ جائے تو اسے چاہیے کہ فوراً بیٹھ جائے اور اتحیات پڑھ کر سجدہ ہو کر لے۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو پھر نہیں بیٹھ سکتا اور اس کی یہ نماز اگر فرض کی نیت سے پڑھا تھا تو فرض ادا نہیں ہوگا بلکہ نفل ہو جائے گی۔ اور اس کو اختیار ہوگا کہ ایک رکعت کے ساتھ دوسری رکعت اور ملا دے تاکہ یہ رکعت بھی ضائع نہ ہو اور دوسری رکعتیں یہ بھی نفل ہو جائیں۔ اگر عصر اور فجر میں یہ واقعہ پیش آئے تب بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لیے کہ عصر و فجر کے فرض کے بعد نفل مکروہ ہے اور یہ رکعتیں فرض نہیں رہی بلکہ نفل ہوگئی ہیں پس گویا فرض سے پہلے نفل پڑھی گئی ہیں اور اس میں کچھ کراہت نہیں۔ مغرب کے فرض میں صرف یہی رکعت کافی ہے دوسری رکعت نہ ملائی جائے، ورنہ پانچ رکعتیں ہو جائیں گی اور نفل میں طاق رکعتیں منقول نہیں اور اس صورت میں سجدہ ہو کر ضرورت نہ ہوگی۔ یہ شکل تو قعدہ اخیرہ میں بیٹھے بغیر رکعت کے لیے اٹھ جانے کی تھی۔

قعدہ اخیرہ میں مقدار تشہد بیٹھنے کا بیان:

(وَلَوْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ عَادَ إِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ وَسَلِّمْ) لِأَنَّ التَّسْلِيمَ فِي خَالَةِ الْوَيْلَامِ غَيْرُ مَشْرُوعٍ، وَأَمْكُنَةُ الْإِقَامَةِ عَلَى وَجْهِهٍ بِالْقُعُودِ لِأَنَّ مَا دُونَ الرُّكُوعِ بِمَحَلِّ الرُّفُضِ. (وَأِنْ قَعَدَ الْخَامِسَةَ بِالسَّجْدَةِ ثُمَّ تَذَكَّرَ ضَمَّ إِلَيْهَا رُكْعَةً أُخْرَى وَتَمَّ فَرَضَهُ) لِأَنَّ الْبَاقِيَ إِصَابَةً لَفْظَةِ السَّلَامِ وَهِيَ وَاجِبَةٌ، وَإِنَّمَا بَضَمُ إِلَيْهَا أُخْرَى، لِتَصِيرَ الرُّكْعَتَانِ ثَلَاثًا لِأَنَّ الرُّكْعَةَ الْوَاحِدَةَ لَا تُجْزِئُهُ (لِنَهْيِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ التَّهَوُّرِ)، ثُمَّ لَا تَتَوَسَّانِ عَنْ سُنَّةِ الظُّهْرِ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْمُوَاطَّعَةَ عَلَيْهَا بِتَخَرُّبِيَّةٍ مُبْتَدَأَةٍ.

ترجمہ:

اور اگر وہ چوتھی رکعت میں قعدہ کرے پھر وہ کھڑا ہو گیا اور سلام نہیں پھیرا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ جب تک اس نے پانچویں کا سجدہ نہیں کیا۔ اور سلام پھیرے۔ کیونکہ حالت قیام میں سلام پھیرنا غیر مشروع ہے۔ اور قعدہ کی حالت شرعی کے ساتھ سلام پھیرنا ممکن ہے۔ کیونکہ ایک رکعت سے کم کو چھوڑنے کی جگہ ہے۔

اور اگر اس نے سجدے کے ساتھ پانچویں رکعت کو مقید کر دیا پھر اس کو یاد آیا تو وہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملائے تو اس کا فرض مکمل ہو چکا کیونکہ اس کا اب باقی صرف سلام تک پہنچنا تھا اور وہ واجب ہے۔ اور دوسری رکعت کا ملانا اس لئے تھا تاکہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں۔ کیونکہ ایک رکعت کافی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دم کی نماز سے منع ہے۔ پھر یہ دو رکعت ظہر کی سنتوں کے قائم مقام نہ ہوں گی یہی صحیح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان دو رکعتوں پر نئی تحریر کے ساتھ دوام فرمایا ہے۔

شرح:

اگر کوئی آدمی قعدہ اخیرہ میں اتقیات پڑھنے کے بعد ریختہ کر سلام پھیرنے سے پہلے پانچویں رکعت کے پے کھڑا ہو جائے تو اگر وہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کر چکا ہو تو فوراً بیٹھ جائے اور چونکہ سلام کے ادا کرنے میں جو واجب تھا تاخیر ہو گئی اس لیے سجدہ سو کر لے اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکے بعد یاد آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ اب نہ بیٹھے بلکہ ایک رکعت اور ملا دے تاکہ یہ پانچوں رکعت ضائع نہ ہو اور اگر رکعت نہ ملائے بلکہ پانچویں رکعت کے بعد سلام پھیر دے تب بھی جائز ہے مگر ملا دینا بہتر ہے۔ اس صورت میں اس کی وہ رکعتیں اگر فرض نیت کی تھیں تو فرض ادا ہوں گی نفل نہ ہوں گی۔ عصر اور فجر کے فرض میں بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لیے کہ عصر اور فجر کے فرض کے بعد قصد افضل پڑھنا مکروہ ہے اور اگر سہوا پڑھ بھی لیا جائے تو کچھ کراہت نہیں۔ اس صورت میں فرض کے بعد رکعتیں پڑھی گئیں ہیں یہ ان مکر وہ سنتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں جو فرض کے بعد ظہر و مغرب اور عشاء کے وقت مسنون ہیں کیونکہ ان سنتوں کا تحریر سے ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

سہو کے دو وجہوں کے احسان ہونے کا بیان:

(وَيَسْجُدُ لِلَّهِوَ اسْتِحْسَانًا) لِمَكْنِ النَّقْصَانِ فِي الْقُرْصِ بِالْخُرُوجِ لَا عَلَى الْوُجْهِ الْمَسْنُونِ. وَلِي النَّفْلِ بِالْأَحْوَالِ لَا عَلَى الْوُجْهِ الْمَسْنُونِ، وَلَوْ قَطَعَهَا لَمْ يَلْزَمَهُ الْقَضَاءُ لِأَنَّهُ مَطْنُونَ، وَلَوْ الْقَضَى بِهِ إِنْسَانٌ فِيهِمَا يُصَلِّي سَاعًا عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ الْمُرَادَى بِهِ لَوِ الْتَحَرِيمَةُ، وَعِنْدَهُمَا رَكْعَتَيْنِ لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ خُرُوجَهُ عَنِ الْقُرْصِ وَلَوْ أَلْسَدَهُ الْمُتَقَدِّدِي فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ اعْتِبَارًا بِالْإِمَامِ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَقْضِي رَكْعَتَيْنِ لِأَنَّ الشُّفُوطَ بِقَارِضٍ يَخْصُ الْإِمَامَ.

ترجمہ:

اور وہ بطور احسان سب کے دو بچے کرے کیونکہ فرض میں نقصان غیر مسنون طریقے سے خروج پر ہوا اور غسل میں غیر مسنون طریقے سے دخول پر ہوا ہے۔ اور اگر اس نے نفل کو ختم کر دیا تو اس کی قضاء واجب نہ ہوگی کیونکہ وہ مظلون ہے۔ اگر کسی شخص نے ان دو رکعتوں میں اس کی اقتداء کی تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ چھ رکعتیں پڑھے گا۔ کیونکہ اسی تحریمہ کے ساتھ اتنی ہی تعداد ادا کی گئی ہے۔ جبکہ شیخین کے نزدیک صرف دو رکعتیں پڑھے گا۔ کیونکہ اس کا فرض سے نکلنا مستحکم ہو چکا ہے۔ اور اگر مقتدی نے اس کو قاسد کر دیا تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر قضاء نہیں ہے۔ کیونکہ اسے امام پر قیاس کیا جائے گا۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک دو رکعتیں قضاء کرے کیونکہ عارضہ کی وجہ سے سقوط صرف امام کے ساتھ خاص ہے۔

شرح:

بچہ سب کے دلیل احسان ہونے کے بارے میں علامہ ابن ہمام نقلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وَلَقِيْنَسُ أَنْ لَا يَسْجُدَ لِأَنَّهُ ضَارٌّ إِلَى صَلَاةٍ غَيْرِ أَلْتِي سَهَا فِيهَا، وَمَنْ سَهَا فِي صَلَاةٍ لَا يَسْجُدُ فِي أُخْرَى، وَجَعَلَ الْإِسْتِحْسَانَ أَنَّ النُّقْصَانَ دَخَلَ فِي فَرْضِهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ بِتَرْكِهِ الْوَاجِبِ، وَهُوَ السَّلَامُ، وَهَذَا مُنْفِلٌ بِنَاءً عَلَى تَحْرِيمَةِ الْأَوَّلَى فَيَحْتَمِلُ فِي حَقِّ السُّهُوِّ كَاتِبَتُهُمَا وَاحِدَةً، كَمَنْ صَلَّى سِتًّا تَطَوُّعًا بِتَسْمِيَةٍ وَسَهْوٍ بِي سَنَفْعِ الْأَوَّلِ يَسْجُدُ فِي الْآخِرِ وَإِنْ كَانَ كُلُّ شُعْبٍ صَلَاةً عَلَى جِدَّةٍ بِنَاءً عَلَى الْإِتِّحَادِ الْحُكْمِيِّ، لِكَالَّذِينَ يَوْسُفُ اتِّحَادِ التَّحْرِيمَةِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ النُّقْصَانُ فِي النَّعْلِ بِالْذُّخُولِ لَا عَلَى لُوحِهِ الْوَاجِبِ، بِذَلِكَ لَوْ اجْتَبَأَ يُشْرَعُ فِي النَّعْلِ بِتَحْرِيمَةِ مُبْتَدَأِ النَّعْلِ، وَغَيْرِهِ كَأَنَّ لِفَرْضِ، كَلَّفَا فِي الْكَلَامِ، (فتح القدیر، ۳، ص ۶۱، بیروت)

نفل میں بھولنے والے کے بچہ کو کیا جائے:

قَالَ ( وَمَنْ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ تَطَوُّعًا فَسَهَا فِيهِمَا وَسَجَدَ لِلْسُّهُوِّ ثُمَّ لَرَأَى أَنْ يُصَلِّيَ أُخْرَى لَمْ يَنْ ) لِأَنَّ السُّجُودَ يَتَطَلَّلُ لَوْ تَوَرَّعَ فِي وَسْطِ الصَّلَاةِ، بِخِلَافِ الْمَسَائِلِ إِذَا سَجَدَ السُّهُوِّ ثُمَّ نَوَى الْإِقَامَةَ حَيْثُ يَتَنَى لِأَنَّهُ لَوْ كُنْ يَنْ يَتَطَلَّلُ جَمِيعَ الصَّلَاةِ، وَمَعَ هَذَا لَوْ أَكْدَى صَحَّ لِقَاءُ التَّحْرِيمَةِ. وَيُطْلَ سَجُودَ السُّهُوِّ هُوَ الصَّحِيحُ .

ترجمہ:

امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے۔ کہ جس آدمی نے دو رکعتیں نفل پڑھیں اور ان میں بھول گیا اور اس نے بچہ ہو کر پھر اس نے پسند کیا کہ دوسری دو رکعتیں پڑھے تو وہ بنا نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کے درمیان میں واقع ہونے کی وجہ سے بچہ ہو کر اس کو باطل کرنے والا ہے۔ بخلاف مسافر کے کیونکہ جب اس نے بچہ ہو کر یا بجز نیت قیامت کی تو وہ بناء کرے۔

اس لئے کہ اگر اس نے بناء نہ کی تو اس کی ساری نماز باطل ہو جائے گی۔ تحریر کے باقی ہونے کی وجہ سے اگر اس نے اسی طرح کیا تو صحیح ہے۔ اور مجدد بہو باطل ہو جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بناء نہ کرنے دلیل یہی ہے کہ اس میں بناء عربی نہیں۔ لہذا وہ بناء نہیں کرے گا۔ (فتح القدیر، ج ۳، ص ۶۲، بیروت)

جب سلام پھیرنے والے امام پر مجدد ہو تو اس کا بیان:

(وَمَنْ سَلَّمَ وَهَلَكُوا سَجَدْنَا السُّجُودَ لَكَ رَجُلٌ فِي صَلَاتِهِ بَعْدَ التَّسْلِيمِ ، فَإِنْ سَجَدَ الْإِمَامُ كَانَ دَائِعًا وَلَا فَلَاحَ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ : هُوَ دَائِعٌ سَجَدَ الْإِمَامُ أَوْ لَمْ يَسْجُدْ ، لِأَنَّ عِنْدَهُ سَلَامٌ مِّنْ عَلَيْهِ السُّجُودُ لَا يُغْرِجُهُ عَنْ الصَّلَاةِ أَصْلًا لِأَنَّهَا وَجَبَتْ جَبْرًا لِلتَّقْصَانِ فَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ فِي إِحْرَامِ الصَّلَاةِ وَعِنْدَهُمَا يُغْرِجُهُ عَلَى تَسْلِيمِ السُّجُودِ لِأَنَّهُ مُحَلَّلٌ فِي نَفْسِهِ ، وَأَمَّا لَا يَفْعَلُ لِجَابِئِهِ إِلَى آدَامِ السَّجْدَةِ فَلَا يَظْهَرُ ذَوْلُهَا ، وَلَا حَاجَةٌ عَلَى الْغُيُوبِ عِلْمُ الْعَزْدِ ، وَيَظْهَرُ الْإِخْلَافُ فِي هَذَا فِي الْبَاقِ الطَّاهِرِ بِالْقَهْقَرَةِ وَلَتَغْيِيرِ الْقَرَضِ بَيِّنَةُ الْإِقَامَةِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ .

ترجمہ:

اور جس نے سلام پھیرا اور اس پر سہو کے دو جہرے تھے پس ایک شخص اس کی نماز میں سلام کے بعد داخل ہوا۔ پس اگر امام نے سجدہ کیا تو وہ داخل ہونے والا ہے ورنہ نہیں۔ اور یہ شیخین کے نزدیک ہے۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ امام سجدہ کرے یا نہ کرے وہ نماز میں داخل ہونے والا ہے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک اس کا سلام اس کو نماز سے بالکل خارج کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ پر مجدد بہو لازم ہے۔ کیونکہ سجدہ بہو کا وجوب نقصان کو دور کرنے والا ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ وہ شخص نماز کے احرام میں ہے۔ اور شیخین کے نزدیک وہ سلام تو قف کے طریقے پر اس کا نکالنے والا ہے۔ کیونکہ سلام خود اس کا حلال کرنے والا ہے۔ اور اذانے سجدہ کی ضرورت کے پیش نظر وہ کوئی عمل نہ کرے گا۔ جو سجدہ سے بغیر ظاہر نہ ہوگا۔ اور عدم غود پر قیاس کرنے کی وجہ سے کوئی ضروری نہیں ہے۔ اور یہ اختلاف تہجد کے ساتھ وضو ٹوٹنے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اور نیت اقامت کی وجہ سے تغیر فرض کی صورت میں ہوگا۔

شرح:

صورت مسئلہ واضح ہے کہ اگر نماز کے دخول کے بعد امام نے سجدہ سہو کیا تو وہ نماز امامی کا تابع ہو گیا۔ اور اگر امام



نہ جہدہ ہو نہ کیا تو وہ نمازی اپنی نماز میں امام کے تابع نہ ہوگا۔ کیونکہ جماعت کے ساتھ شرکت ثابت نہ ہوئی۔ لہذا وہ جماعت کے احکام سے باہر رہے گا۔ یعنی اگر جہدہ ہو لہا امام پر تھا اس نے نہ کیا تو وہ امام اور اس کے ساتھ دوسرے لوگ جماعت میں جو شریک ہیں۔ ان پر جہدہ ہو لہا زم ہے لیکن اس بعد میں آنے والے نمازی پر جہدہ ہو لہا زم نہ ہوگا۔ جب نماز کو ختم کرنے والے نے سلام پھیرا حالانکہ اس جہدہ ہو لہا زم تھا:

وَمَنْ سَلَّمَ يُرِيدُ بِهِ طَعْمُ الصَّلَاةِ وَعَلَيْهِ سَهْوٌ فَلْيَكْفِهِ أَنْ يُسْجِدَ لِلْسَهْوِ لِأَنَّ هَذَا السَّلَامَ غَيْرُ لَاطِعٍ وَرَيْثُهُ تَغْيِيرُ الْمَشْرُوعِ فَلَفَتْ.

(وَمَنْ سَلَّمَ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَنْدِرِ الْاَلَا صَلَاتِي أَمْ أَوْبَعَا وَذَلِكَ أَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهُ اسْتِغْنَاءٌ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِذَا هَكَذَا أَخَذْتُمْ فِي صَلَاتِهِ اللَّهُ تَحَمَّ صَلَاتِي فَلْيَسْتَقْبِلِ الصَّلَاةَ)

ترجمہ:

اور جس آدمی نے نماز کو ختم کرنے کی وجہ سے سلام پھیرا اور اس پر جہدہ ہو تھا تو وہ جہدہ ہو کرے کیونکہ اس کا یہ سلام اس کی نماز کو ختم کرنے والا نہیں ہے۔ اور شروع میں تبدیلی لانے والی نیت فضول ہے۔ اور جسے اپنی نماز میں شک پیدا ہوا لہذا وہ نہیں جانتا کہ اس نے تین پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں۔ اور اس کا یہ پہلا شک ہے۔ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں کسی کو اپنی نماز میں شک ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی تو اسے چاہیے کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔

شرح:

وَمَا أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو مَاجَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ (إِذَا سَهَوَ أَخَذْتُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَنْدِرِ وَاحِدَةً صَلَّى أَوْ ثِنْتَيْنِ فَلْيَسْ عَلَى وَاحِدَةٍ، فَإِنْ لَمْ يَنْدِرِ ثِنْتَيْنِ صَلَّى أَوْ ثَلَاثًا فَلْيَسْ عَلَى ثِنْتَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَنْدِرِ ثَلَاثًا صَلَّى أَوْ أَرْبَعًا فَلْيَسْ عَلَى ثَلَاثٍ، وَيُسْجِدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ) ذَلِ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

فَسَمَاعٌ يَسْتَدْرِكُ الْكُلَّ سَلَكُوا فِيهَا طَرِيقَ الْجَمْعِ بِحُمُلٍ كُلِّ مَحْمُولٍ بَعْدَهُ حُمُلُهُ عَسَى مَا لَاؤُلُ عَسَى مَا إِذَا كَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ عَرَضَ لَهُ يَسْ مُطْلَقًا فِي عُمُرِهِ أَوْ فِي تِلْكَ الصَّلَاةِ بَلَى إِسْرَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ الْجَلَافِ، وَاجْتِزِ الْحُمُلُ عَلَى مَا إِذَا كَانَ الشُّكُّ لَيْسَ عَادَةً

نماز میں بار بار ہو کر آئے کا بیان:

(وَإِنْ كَانَ يَتَعَرَّضُ لَهُ كَثِيرًا بَلَى عَلَى أَكْثَرِ رَأْيِهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ)

فَلْيَحْزَرْ الصَّوَابَ) (وَإِنْ كُنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رَأْيٌ بَنَى عَلَى الْيَقِينِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ (مَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَذَرْ أَلَا تَأْتِ صَلَاتِي أَمْ أَرَأَيْتَ بَنَى عَلَى الْأَقْلِ) وَإِلَّا سَقَطَ بِالسَّلَامِ أَوَّلِي، لِأَنَّهُ عَرِفَ مُخْلًا دُونَ الْكَلَامِ، وَمَجْرُذُ النَّيَةِ يَلْفُو، وَعِنْدَ الْبِنَاءِ عَلَى الْأَقْلِ يَقَعْدُ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ يَتَوَكَّفُ أَجْرُ صَلَاتِهِ حَتَّى لَا يَبْصُرَ تَارِكًا قَرْضَ الْفِعْلَةِ.

ترجمہ

اور اگر اس کو کئی مرتبہ شک ہو تو وہ غالب رائے پر بناء کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کو اپنی نماز میں شک تو صحیح کی کوشش کرے۔ اور اس کی کوئی رائے نہ تو وہ یقین پر عمل کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جسے اپنی نماز میں شک ہو وہ نہیں جانتا کہ اس نے تین یا چار پڑھی ہیں تو کم پر بناء کرے۔ اور غصے سے سلام کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ حلال کرنے والا سلام ہے کلام نہیں ہے۔ اور خالی نیت فضول جائے گی۔ اور کم بناء کرنے کی صورت میں وہ ہر اس جگہ قعدہ کرے جس کا اس نماز کا آخر ہونے کا خیال ہے۔ تاکہ وہ قعدہ فرض کا تارک نہ بنے۔

شک کی صورت میں کم پر بناء کرنے میں لغوی غائب کا بیان:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو نماز میں ہوا اور تجھے اس بارے میں شک ہو جائے کہ رکعتیں تین ہوئیں یا چار مگر ظن غالب یہ ہو کہ چار ہوئیں تو تشہد پڑھ اور دو جہدے کر بیٹھے بیٹھے سلام سے پہلے اور (سلام کے بعد) پھر تشہد پڑھ اور سلام پھیر۔ ابو داؤد نے کہا عبدالواحد نے یہ حدیث بواسطہ خصیف موقوفہ روایت کی ہے اور سفیان، شریک اور اسراہیل نے عبدالواحد کی موافقت کی ہے اور متن حدیث میں اختلاف کیا ہے اور اس کو مستند نہیں کیا۔ (سنن ابو داؤد)

حضرت عطاء ابن یسار حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی درمیان نماز شک میں مبتلا ہو جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا شک دور کرے اور جس عذر پر اسے یقین ہو اس پر بناء کرے (یعنی کسی ایک عدد کا یقین کر کے نماز پوری کر لے) اور پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو جہدے کر لے۔ اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ پانچ رکعتیں ان دو جہدوں کے ذریعے اس کی نماز کو کھت کر دیں گی اور اگر اس نے پوری چار رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ دونوں جہدے شیطان کی ذمت کا سبب بنیں گے مسلم اور مالک نے اس روایت کو عطاء سے بطریق ارسال نقل کیا ہے نیز امام مالک کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نمازی ان دونوں جہدوں کے ذریعے پانچ رکعتوں کو کھت کر دے گا۔ (مشکوۃ المصابیح)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے درمیان نماز وہ شک و شبہ میں مبتلا ہو گیا یعنی اسے یاد نہیں رہا کہ اس

نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اسے چاہئے کہ وہ کتر عدد کا تعین کرے اور اسی کا گمان غالب کر کے نماز پڑھ لے مثلاً اسے یہ شبہ ہو کہ نہ معلوم میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اس صورت میں اس تین رکعتوں کا تعین کر کے نماز پوری کرنی چاہیے اور پھر آخری قعدے میں انہیات پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے دائیں طرف سلام پھیر کر سہو کے دو جہرے کرنا چاہئے۔ صحیح البخاری کی روایت میں سلام پھیرنے سے پہلے سہوہ کرنے کی قید نہیں ہے چنانچہ اسی وجہ سے ائمہ کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ جب سلام پھیرنے سے پہلے کرنے چاہئے یا سلام پھیرنے کے بعد۔ اس مسئلے کی تفصیل ہم آئندہ کسی حدیث کے فائدہ کے ضمن میں بیان کریں گے۔

حدیث میں سہو کے دونوں جہروں کا فائدہ بھی بتایا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی آدمی نے مذکورہ صورت میں تین رکعت کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھ لی حالانکہ حقیقت میں وہ چار رکعتیں پہلے پڑھ چکا تھا اس طرح اس کی پانچ رکعتیں ہو گئی تو پانچ رکعتیں ان دونوں جہروں کی وجہ سے اس کی نماز کو قبیح (جفت کر دیں گی کیونکہ وہ دونوں جہرے ایک رکعت کے حکم میں ہیں یعنی یہ پانچ رکعتیں ان دونوں جہروں سے مل کر چھ رکعت کے حکم میں ہو جائیں گی اور اگر اس نے حقیقت میں تین ہی رکعتیں پڑھی ہیں اور سہو کی صورت میں اس نے تین ہی کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھی اور اس کی چار رکعتیں پوری ہو گئیں تو اس کے وہ دونوں جہرے شیطان کی ذلت کا سبب بن جائیں گے۔ یعنی اس صورت میں جب کہ اس آدمی نے چار ہی رکعتیں پڑھی ہیں تو دونوں جہروں کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ نماز کو جفت کر دیں جیسا کہ پہلی صورت (پانچ رکعتیں پڑھنے کی صورت) میں ان دونوں جہروں کی ضرورت تھی لیکن ان دونوں جہروں کو جو بظاہر زائد معلوم ہوتے ہیں یہ فائدہ ہوا کہ ان سے شیطان کی ذلت و ناکامی ہوئی۔ کیونکہ شیطان کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ نماز کو خشک و شبہ میں مبتلا کر کے اسے عبادت سے باز رکھے حالانکہ نماز نے اس کے برعکس دو جہرے اور کر کے عبادت چھوڑنے کی بجائے اس میں زیادتی کی جو یقینی بات ہے کہ شیطان کی ناکامی و نامرادی کا باعث ہے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خشک کی صورت میں اقل (کتر) کو اختیار کرنا چاہئے تحریر (غالب گمان) پر عمل نہ کیا جائے چنانچہ جمہور ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ترمذی کا قول یہ ہے کہ اہل علم میں سے بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ خشک کی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یعنی اگر کسی کو درمیان نماز میں رکعتوں کی تعداد کے بارے میں شک ہو جائے تو اسے چاہیے کہ نماز کو از سر نو پڑھے۔

اس مسئلے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر اس آدمی کی عادت خشک کرنے کی نہ ہو تو اسے چاہیے کہ پھر نئے سرے سے نماز پڑھے اور اگر اس کو خشک ہونے کی عادت ہو تو اپنے غالب گمان پر عمل کرے یعنی جتنی رکعتیں اس کو غالب گمان سے یاد ہیں تو اسی قدر

رکعتیں سمجھ کر پڑھ چکا ہے اور اگر غالب گمان کی طرف نہ ہو تو کتر عدد کو اختیار کرے مثلاً کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہو کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور غالب گمان کی طرف نہ ہو تو اسے کو چاہیے کہ تین رکعتیں شمار کرے اور ایک رکعت اور پڑھ کر نماز پوری کر لے پھر سجدہ ہو کر لے۔

اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ غالب گمان پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں غالب گمان کو اختیار کرنے کی اصل موجود ہے جیسا کہ اگر کوئی آدمی کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا چاہے جہاں سے قبلے کی سمت معلوم نہ ہو سکے تو اس کے لیے حکم ہے کہ وہ جس سمت کے بارے میں غالب گمان رکھے کہ ادر قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کی نماز ہو جائے گی۔ غالب گمان کو اختیار کرنے کے سلسلے میں احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صحیح رائے قائم کر کے (یعنی کسی ایک پہلو پر غالب گمان کر کے) نماز پوری کر لے اس حدیث کو بخشی نے بھی شرح نقایہ میں نقل کیا ہے نیز جامع الاصول میں بھی نسائی سے ایک حدیث تحری (غالب گمان) پر عمل کرنے کے صحیح ہونے کے بارے میں منقول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب موطا میں تحری کی افادیت کے سلسلے میں یہ کہتے ہوئے کہ تحری کے سلسلے میں بہت آثار وارد ہیں بڑی اچھی بات یہ کہی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے یعنی تحری کو قابل قبول نہ قرار دیا جائے تو شک اور سہو سے نجات ملنی بڑے مشکل ہوگی اور پھر شک و شبہ کی صورت میں ابادہ بڑی پریشانی کا باعث بن جائے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موقع پر مسئلہ مذکورہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس موقع پر حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں تین احادیث منقول ہیں۔ پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں جب بھی کسی کو شک واقع ہو جائے تو وہ نماز کو از سر نو پڑھے دوسری حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ صحیح بات کو حاصل کرنے کے لئے تحری کرے۔ یعنی غالب گمان پر عمل کرے۔ تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب نماز میں شک واقع ہو تو یقیناً پر عمل کرنا چاہیے یعنی جس پہلو پر یقین ہو اسی پر عمل کیا جائے

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان تینوں حدیثوں کو اپنے مسلک میں جمع کر دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے پہلی حدیث کو توجہ شک واقع ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے، دوسری حدیث کو کسی ایک پہلو پر غالب گمان ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور تیسری حدیث کو کسی بھی پہلو پر غالب گمان نہ ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم کے مسلک کے کمال جامعیت اور انتہائی محقق ہونے کی دلیل ہے۔

## باب شوالہ الثانی فی مرض

﴿یہ باب مریض کے طریقہ نماز کے بیان میں ہے﴾

باب ملوۃ المریض کی مطابقت کا بیان:

یہاں پر مریض بمعنی مارض ہے۔ اور اقبل باب سے مناسبت یہ ہے کہ سجدہ سہو میں بھی عارضہ پیدا ہوتا ہے جس کے اسباب میں کثرت ہے۔ اور مرض چونکہ عارضہ مادی ہے۔ اور اس کے اسباب میں بہ نسبت سہو کے کمال ہے۔ لہذا اقل کے پیش نظر اس کے سہو سے مؤخر ذکر کیا ہے۔

قیام پر عدم قدرت کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا بیان:

( إِذَا عَجَزَ الْمَرِيضُ عَنِ الْقِيَامِ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ ) ( لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَلَّ قَائِمًا ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ قَاعِدًا ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ لَعَلِّي الْمَجْنِبُ تَوَمُّدًا لِيَمَاءٍ ) ، وَلَئِنْ طَعَاكَ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ .

قَالَ ( فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعِ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ أَوْ مَا لِيَمَاءٍ ) يَعْنِي قَاعِدًا ، وَلَئِنَّ وَسْعَ مَقْلِهِ ( وَجَعَلَ سُجُودَهُ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِهِ ) ، وَلَئِنَّ قَائِمًا مَقَامَهُمَا قَاعِدًا مُحْكَمَهُمَا ( وَلَا يَرْفَعُ إِلَى وَجْهِهِ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ( إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ فَاسْجُدْ وَلَا قَائِمًا يَزِيدُكَ ) فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ ذَلِكَ وَهُوَ يَخْفِضُ رَأْسَهُ أَجْزَأُ ؛ لِيُجُودَ الْإِيمَاءُ ، فَإِنْ وَضَعَ ذَلِكَ عَلَى جَنْبَيْهِ لَا يُجْزِئُهُ لَا لِيَمَاءِهِ .

ترجمہ:

مریض جب قیام پر قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اور اگر (کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر) قادر نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو سکو تو (پھر) کروت پر پڑھو۔ کیونکہ طاعت طاقت کے مطابق ہے۔ فرمایا پس اگر رکوع و سجود پر کی طاقت نہ رکھے تو وہ اشارے سے پڑھے۔ کیونکہ میں اس کا طریقہ ہے۔ اور وہ اپنے سجدے میں رکوع کی نسبت زیادہ نیچے۔ کیونکہ یہ اشارہ انہی دونوں کے قائم مقام ہے۔ لہذا اس نے انہی کا حکم یکساں کیا۔ اور کسی چیز کو اٹھا کر چرے کی طرف نہ لائے تاکہ اس پر سجدہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تو زمین پر سجدہ کرنے کی حاجت رکھتا ہے تو قدر نہ اپنے سر سے اشارہ کر۔ پس اگر اس نے ایسا کیا تو وہ سر کو جھکانے والا ہے لہذا اکافی ہوا۔ کیونکہ اشارہ پایا گیا اگر اس نے چیز کو اپنی پیشانی پر رکھ دیا تو اشارہ معدوم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

شرح:

اس کی شرح آئندہ آنے والی عبارت کی شرح جمع کر دی گئی ہے۔ اور اس میں اصل عدم قدرت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جہاں کہیں بھی یہ علت پائی جائے یعنی جو شخص بھی کسی عذر کی وجہ سے معذور ہو گیا تو اس کیلئے جس طرح ممکن ہو اسی طرح اس کو نماز کا حکم دیا جائے گا۔

تعود کی عدم قدرت پر لیٹ کر نماز پڑھنے کا بیان:

(لَیْن لَمْ یَسْتَطِعِ الْقَعْدُ اسْتَلْقَى عَلٰی ظَهْرِهِ وَجَعَلَ رِجْلَیْهِ اِلَى الْقِبْلَةِ وَاقْوَمَ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (يُصَلِّي الْمَرِيضُ قَائِمًا اِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ لِقَاعِدًا اِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَى قَفَاهُ يَوْمُ اِسْمَاءَ، لَیْن لَمْ یَسْتَطِعْ لَالَهُ تَعَالٰی اَحْبَى بِقَبُولِ الْعُلْمِیْنَةِ) قَالَ (وَإِنْ اسْتَلْقَى عَلٰی جَنْبِهِ وَوَجْهُهُ اِلَى الْقِبْلَةِ قَائِمًا) (جَارٍ) لِمَا رَوْنَاهُ مِنْ قَبْلِ اَنْ اَنْ اَلْاَوَّلَى هِيَ الْاَوَّلَى عِنْدَنَا حَقًّا لِلشَّالِیْعِ اِلَّا اِنْ اِشَارَةَ الْمُسْتَلْقَى نَقَعَ اِلَى هَوَاءِ الْكُفْبَةِ، وَ اِشَارَةُ الْمُسْتَطِجِعِ عَلٰی جَنْبِهِ اِلَى جَانِبِ قَدَمَيْهِ، وَیَبِ تَنَادَى الصَّلَاةَ.

ترجمہ

اگر وہ بیٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنی پشت پر لیٹ جائے اور اپنے پاؤں کو قبلہ جانب رکھے اور اشارے کے ساتھ رکوع و سجود کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے پس اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتے تو گدی کے بل لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے۔ اور اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو زیادہ حق رکھتا ہے کہ وہ اس کا عذر قبول کرے۔

اور اگر بیمار کروٹ پر لیٹے اور اس کا چہرہ قبلہ جانب ہو اور اس نے اشارہ کیا تو جائز ہے۔ اسی روایت کی وجہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کی پہلی صورت افضل ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ چپٹ لیٹنے والا کا اشارہ ہوائے کعبہ پر پڑتا ہے اور لیٹنے والے کا اشارہ اس کے دونوں قدموں پر پڑتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ نماز ادا ہوتی ہے۔

معذوری کی حالت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم:

حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ سرور کو تین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اور اگر (کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر) قادر نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی) قادر نہ ہو سکو تو (پھر) کروٹ پر پڑھو۔ (صحیح البخاری)

اگر کوئی آدمی کسی عذر شدیدی مثلاً سخت بیماری وغیرہ کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر اپنی نماز ادا کرے اور

اگر عذر اتنا شدید ہو کہ بیٹھ کر بھی قدرت سے باہر ہو تو پھر آخری مرحلہ یہ ہے کہ (لیٹے لیٹے) کروٹ سے قہر ہو کر پڑھ لے پھر اس میں بھی اتنی آسانی کہ اگر کوئی آدمی قبلے کی طرف منہ نہ کر سکے یا یہ کہ کوئی آدمی ایسا پاس موجود نہ ہو جو معذور کا منہ قبلے کی طرف کر سکے تو جس طرف بھی منہ ہوا وہی کی طرف پڑھ لے، ایسے موقع پر کسی بھی سمت منہ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔  
 حنفی فرماتے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھنے کے سلسلے میں افضل یہ ہے کہ دو قبلہ ہو کر چٹ لیٹے کندھے کے نیچے ٹیکہ رکھ کر سر کو اونچا کرے اور اشاروں سے نماز پڑھے۔ چنانچہ دار قطنی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے چٹ لیٹ کر ہی نماز پڑھنے کا اثبات ہوتا ہے یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے بارہ میں حنفی کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بطور خاص حضرت عمران کے لیے فرمایا تھا کیونکہ وہ یواسیر کے مرض میں مبتلا تھے اور چٹ نہیں لیٹ سکتے تھے لہذا یہ حدیث دوسروں کے لیے حجت نہیں ہو سکتی۔

آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرض نماز کے لیے ارشاد فرمایا ہے اس لیے نقل نمازوں میں یہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔  
 سر کے اشارے سے بھی عاجز آنے والے کی نماز کا بیان:

(فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْإِمَامُ بِرَأْيِهِ اخْتَارَ الصَّلَاةَ عَنْهُ، وَلَا يُؤْمَرُ بِعَيْنِهِ وَلَا يُلَاقِيهِ وَلَا يَجْعَلِيهِ) عِلَاوًا  
 لِمَا قَدْ رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ، وَلَا أَنْ تَصْبُ إِلَيْهِ بِالرُّأْيِ مُنْتَبِعٌ، وَلَا قِيَامٌ عَلَى الرَّأْسِ إِلَّا أَنْ يَتَأَذَى بِوَرُكِّهِ  
 الصَّلَاةَ دُونَ الْعَيْنِ وَأُخْبِيهَا.

وَلَوْلَا اخْتَارَ عَنْهُ إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ لَا تَنْفُطُ عَنْهُ الصَّلَاةُ وَإِنْ كَانَ الْعَمَلُ أَكْثَرَ مِنْ يَوْمٍ وَلَكِنَّهُ إِذَا كَانَ  
 مُفِيدًا هُوَ الصَّوْمُ، إِلَّا أَنْ يَنْفُطُ عَنْهُ الصَّلَاةُ بِخَلْفِ الْغَمْفَى عَلَيْهِ.

ترجمہ:

اگر دوسرے اشارے کی طاقت بھی نہ رکھتا تو وہ نماز کو مؤثر کر دے۔ وہ آنکھ، دل اور حواسِ جنین کا اشارہ نہ کرے۔ ہر وہی پہلی روایت کردہ حدیث کی وجہ سے امام زفر علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ رائے سے بدل قائم کرنا منع ہے۔ اور اس پر قیاس بھی نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ سر کے ساتھ نماز کا ایک رکن ادا ہوتا ہے۔ جبکہ آنکھ اور اس کی پینیس یعنی قلب و حواسِ جنین، کوئی رکن ادا نہیں ہوتا۔ اور صاحبِ تدویر علیہ الرحمہ کا یہ قول: ”اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ نماز اس سے ساقط نہ ہو گی۔ خواہ عجز ایک دن رات سے زیادہ ہو۔ صحیح روایت کے مطابق جب وہ اتفاق پانے والا ہو۔ کیونکہ مریض خطاب کے مفہوم کو سمجھنے والا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس پر بے ہوش طاری ہو گئی۔

قاعدہ فقہیہ:

کیونکہ رائے سے بدل قائم کرنا منع ہے۔

اسی طرح احکام شرعیہ میں یہ حکمت ہے کہ احکام مکلف کی طاقت کے مطابق اس پر لازم کیے گئے ہیں۔ اور یہ اصول شرعی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ لہذا جس قدر انسان مکلف میں صلاحیت ہوگی احکام شرعیہ اسی کے اعتبار سے اس پر لازم ہوں گے۔

قدرت قیام پر قادر جبکہ رکوع و سجود پر عدم قدرت کا بیان:

قَالَ ( وَإِنْ كُنْتَ عَلَى الْإِيمَانِ وَلَمْ تَقْدِرْ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لَمْ تَلْزِمَهُ الْإِيمَانُ وَتُعْلَى لِقَاعِدًا يَوْمَهُ لِعِبَادَةٍ ) لِأَنَّ رُكْبَتَةَ الْإِيمَانِ لِلرُّكُوعِ بِهِيَ إِلَى السُّجُودِ لِمَا فِيهَا مِنْ رَهَائَةِ الصُّطْبِ ، لِذَا كَانَ لَا يَتَعَبُّهُ السُّجُودُ لَا يَكُونُ وَكُنَّا قِيَمَتُهُ ، وَالْأَفْضَلُ هُوَ الْإِيمَانُ قَاعِدًا ، لِأَنَّهُ أَخْبَرَهُ بِالسُّجُودِ .

( وَإِنْ صَلَّى الصَّوْحِبُ بَعْضَ صَلَاتِهِ لَأَيِّمًا ثُمَّ حَدَّثَ بِهِ مَرَضٌ مِنْهَا قَاعِدًا يَوْمَهُ يَوْمَهُ إِنْ لَمْ يَغْيُرْ أَوْ مُسْتَلْقًا إِنْ لَمْ يَغْيُرْ ) لِأَنَّهُ بِنَاءُ الْأَذْنَى عَلَى الْأَعْلَى فَصَارَ كَمَا لَقِيَهُ .

ترجمہ:

اور اگر مریض قیام پر قدرت رکھتا ہے لیکن وہ رکوع و سجود پر قادر نہیں تو اس پر قیام لازم نہیں ہے بلکہ وہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔ کیونکہ قیام کا رکن اس وجہ سے ہے تاکہ اس کے دیلے سے سجدہ کیا جائے۔ جس میں انتہائی تقطیع ہے۔ لہذا جس قیام کے بعد سجدہ نہ ہو وہ قیام کرکے نہ ہوگا۔ ایسے عذر والے کو اختیار ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔ کیونکہ حقیقی سجدے کے یہی مشابہ ہے۔

اور اگر کسی تندرست شخص نے کچھ نماز قیام کے ساتھ پڑھی پھر وہ بیمار ہو گیا تو وہ رکوع و سجود کے ساتھ یا اشارے کے ساتھ نماز کو پورا کرے۔ اگر اس قادر نہ ہو تو لیٹ کر مکمل کرے۔ کیونکہ اس نے ادنیٰ کی اعلیٰ پر بناء کی ہے جو اقتداء کی طرح ہے۔

شرح:

مسئلہ کورہ کا ثبوت یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ حرمت سے اباحت کی طرف منتقل ہونے کیلئے قوی اسباب کا ہونا ضروری ہے جبکہ اباحت سے حرمت کی طرف منتقل ہونے کیلئے معمولی سبب بھی کافی ہوتا ہے۔ (الاشیاء)

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان اسکی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون صرف تین اسباب سے حلال ہوتا ہے۔ ۱۔ نکاح کے بعد نہ کرنا۔ ۲۔ جان کا بدلہ جان۔ ۳۔ اور جو شخص اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔



(صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۹، تہذیب کتب خانہ کراچی)

مسلمان کے خون میں اصل حرمت ہے لیکن اس حدیث میں تین ایسے قوی اسباب ذکر ہوئے ہیں جو مسلمان کے خون کی حرمت کو اباحت کی منتقل کر دیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قوی اسباب کی وجہ سے حرمت اباحت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اباحت سے حرمت کی طرف:

حضرت انس بن مالک رسول اللہ ﷺ سے مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ قاتل پر قصاص ہی ہے مگر جبکہ کوئی شخص معاف کر دے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۹۳، تہذیب کتب خانہ کراچی)

قتل کی وجہ سے قاتل کا خون مباح ہو چکا لیکن جب مقتول کے ورثاء نے قاتل کو معاف کر دیا تو یہ معمولی سبب ہے جسکی وجہ سے قاتل کے خون کی اباحت کی طرف منتقل ہو گئی۔

مریض کا دوران نماز قدرت پالینے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا يَزُجُّ وَيَسْجُدُ لِمَرْضٍ ثُمَّ صَحَّ بَنَى عَلَى صَلَاتِهِ قَاعِدًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَقَالَ مُعْتَمِدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: اسْتَغْفَلَ بِنَاءً عَلَى اخْتِلَافِهِمْ فِي الْإِقْدَادِ وَقَدْ تَقَلَّمَ بِنَاءَهُ) وَإِنْ صَلَّيْ بِنَاءً يَتَقَصَّرُ صَلَاتُهُ بِإِبْنَاءِهِ ثُمَّ لَكَزَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ اسْتَغْفَلَ عَنْهُمْ جَمِيعًا، وَلَا لَئِنْ لَا يَجُوزُ الْإِقْدَادُ الرَّاكِعَ بِالْمُجْرِمِ، فَكَلَّا الْبِنَاءُ.

ترجمہ:

اگر جو مریض کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھے پھر وہ تندرست ہو گیا تو وہ اسی بناء پر کھڑ ہو کر نماز ادا کرے یہ شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: نئے سرے سے پڑھے۔ اس اختلاف کی بنیاد ان کی اقتداء میں اختلاف ہے۔ جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

اور اگر اس نے کچھ نماز اشارے کے ساتھ پڑھی پھر وہ رکوع و سجود پر قادر ہو گیا۔ تو سب کے نزدیک نئے سرے سے پڑھے۔ کیونکہ رکوع کرنے والے کی اقتداء اشارہ والے کے پیچھے جائز نہیں ہے۔ یہی حکم بناء کا ہے۔

شرح:

اس کی شرح بھی قاعدہ مذکورہ میں گزر چکی ہے کہ احکام حرمت سے علت کی طرف اور ممانعت سے اباحت کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں لیکن دلائل شرعیہ کے ساتھ حکم خاص ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جس کسی کا دل چاہے کسی حکم کو ممانعت کی طرف یا اباحت کی طرف منتقل کر دے۔

نوافل کھڑے ہو کر یا ٹیک لگا کر پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ افْتَحَ النُّطْرُوحَ فَلَيْمًا ثُمَّ اَقْبَلَا بِأَنْ يَتَوَكَّأَ عَلَى عَصَا أَوْ حَائِطٍ أَوْ يَتَقَعَّدُ) : لِأَنَّ هَذَا غَلْزٌ ، وَإِنْ كَانَ الْاِتِّكَاءُ بِغَيْرِ غَلْزٍ يُكْرَهُ ، لِأَنَّهُ إِسَاءَةٌ فِي الْأَدَبِ .

وَلَيْسَ لَا يُكْرَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، لِأَنَّهُ لَوْ قَعَدَ عِنْدَهُ بِغَيْرِ غَلْزٍ يَجُوزُ ، لَكَلَّا لَا يُكْرَهُ الْاِتِّكَاءُ ، وَعِنْدَهُمَا يُكْرَهُ ، لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْقُعُودُ عِنْدَهُمَا فَيُكْرَهُ الْاِتِّكَاءُ ( وَإِنْ لَعَدَ بِغَيْرِ غَلْزٍ يُكْرَهُ بِإِلْتِفَاقٍ )

وَتَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَهُ وَلَا تَجُوزُ عِنْدَهُمَا ، وَقَدْ مَرَّ فِي بَابِ النُّوَافِلِ

ترجمہ:

اور جس نے کھڑے ہو کر نوافل شروع کیے پھر وہ تھک جائے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ کسی عصا، دیوار، ٹیک لگائے یا بیٹھ جائے کیونکہ یہ عذر ہے۔ اگر اس کا ٹیک لگانا بغیر کسی عذر کے ہے تو مکروہ ہے کیونکہ اس میں بے ادبی ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے کیونکہ آپ کے نزدیک اگر وہ بغیر عذر کے بیٹھا تو جائز ہے اور ایسے ہی ٹیک لگانا بھی مکروہ نہیں ہے۔ جبکہ صاحبین نے نزدیک بیٹھنا مکروہ ہے لہذا ایک بھی مکروہ ہے۔ اور اگر وہ بغیر عذر کے بیٹھ گیا تو یہ اتفاقاً مکروہ ہے۔ البتہ امام اعظم کے نزدیک اس کی نماز جائز ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کی نماز جائز نہیں ہے۔ جس طرح نوافل کے باب میں گذر چکا ہے۔

شرح:

حضرت ہلال بن سیاف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مقام رقد میں آیا تو میرے ایک دوست نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں کسی صحابی سے ملنے کا اشتیاق ہے؟ میں نے کہا یہ تو بڑی سعادت ہے پس ہم واپسہ بن معبد کے پاس گئے میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ پہلے ہم ان کی وضعتیچ دیکھیں تو ہم نے دیکھا کہ وہ ایک ٹوپی اوڑھے ہوئے ہیں جو سر سے چپکی ہوئی تھی اور دو طرف کنارے نکلے ہوئے تھے اور اس پر ایک خاکی رنگ کی خز کی بنی ہوئی برساتی پکین رکھی تھی اور وہ اپنی نماز میں ایک لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے (جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو) ہم نے ان کو سلام کیا اور (نماز میں) سہارا لگانے کے متعلق دریافت کیا انہوں نے کہا کہ مجھ سے ام قیس بنت محسن نے بیان کیا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر زیادہ ہو گئی اور جسم کا گوشت بڑھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مصلے پر ایک ستون بنوایا اور اس سے ٹیک لگا کر نماز پڑھنے لگے۔ (سنن ابوداؤد)

کشتی میں بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى فِي السَّفِينَةِ قَاعًا مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ أَجْزَأُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَالْيَقَامُ الْفَضْلُ وَقَالَ :

لَا يَجْزِيهِ إِلَّا مِنْ غَيْرٍ)؛ لِأَنَّ الْقِيَامَ مَقْلُوبٌ عَلَيْهِ فَلَا يَتْرُكُ إِلَّا لِيَلْمَى. وَلَكِنَّهُ أَنَّ الْغَالِبَ فِيهَا دَوْرَانُ الرَّأْسِ وَهُوَ كَالْمُتَحَقِّقِ، إِلَّا أَنَّ الْقِيَامَ الْفَضْلُ؛ لِأَنَّهُ أَبْعَدُ عَنْ شَبْهِةِ الْخِلَافِ، وَالْخُرُوجُ الْفَضْلُ إِنْ امْتَكَنَهُ، لِأَنَّهُ اسْتَكْنَى لِقَلْبِهِ، وَالْخِلَافُ فِي غَيْرِ الْمَرْبُوعَةِ وَالْمَرْبُوعَةُ كَالشَّطِّ هُوَ الصَّحِيحُ.

ترجمہ:

اور جس نے کشتی میں بغیر کسی علت کے بیٹھ کر نماز پڑھی تو امام اعظم کے نزدیک کافی ہے البتہ قیام افضل ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ عذر کے بغیر کافی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قیام پر قدرت رکھنے والا ہے لہذا اس کو کسی علت کے سوا ترک نہ کیا جائے گا۔ اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ عام طور پر کشتی میں سرکا گھومنا ہے اور وہ ثابت کی طرح ہے۔ لیکن فضیلت قیام ہی کو ہے۔ کیونکہ وہی (قیام) شبا اختلاف کو دور کرنے والا ہے۔ اور جس قدر ممکن ہو کشتی سے نکلنا افضل ہے۔ کیونکہ اسی میں سکون قلب ہے۔ اور یہ اختلاف اس کشتی میں ہے جو باندھی ہوئی نہ ہو اور باندھی ہوئی کشتی کنارے کی طرح ہے۔ یہی حکم صحیح ہے۔

شرح:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر کسی عذر کے چلتی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا صحیح ہے۔ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ روایت ہے۔

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا رَكِبَ السَّفِينَةَ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَالسَّفِينَةُ مَحْبُوسَةً صَلَّى قَائِمًا وَإِذَا كَانَتْ تَسِيرُ صَلَّى قَاعِدًا فِي حِمَاةٍ. (السنن الكبرى للبيهقي باب القِيَامِ فِي الْقَرِيبَةِ وَإِنْ كَانَ فِي السَّفِينَةِ مَعَ الْقُدْرَةِ)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر عذر کے چلتی کشتی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اور صاحبین کی دلیل یہ روایت ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ إِلَى الْحَبَشَةِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ أَصَلِّي فِي السَّفِينَةِ قَالَ صَلِّ فِيهَا قَائِمًا إِلَّا أَنْ تَخَافَ الْفَرْقَ (دارقطنی باب صِفَةِ الصَّلَاةِ فِي السَّفَرِ وَالْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ غُلْبٍ وَصِفَةُ الصَّلَاةِ فِي السَّفِينَةِ)

اگر کشتی ساحل سے بندھی ہوئی ہو تو اس میں کھڑے ہونے کی قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز جائز نہیں، اگر وہ کشتی سے نہ نکل سکا ہو تو خواہ کشتی بندھی ہو یا چل رہی ہو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا رَكِبَ السَّفِينَةَ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَالسَّفِينَةُ مَحْبُوسَةً صَلَّى قَائِمًا وَإِذَا كَانَتْ تَسِيرُ صَلَّى قَاعِدًا، فِي حِمَاةٍ. (السنن الكبرى للبيهقي باب القِيَامِ فِي الْقَرِيبَةِ وَإِنْ كَانَ فِي السَّفِينَةِ مَعَ الْقُدْرَةِ)

عَنْ ثَابِتٍ ابْنِ أَبِي لَيْسٍ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ السَّفِينَةَ فِي الصَّلَاةِ فِي السَّفِينَةِ؟ فَقَالَ: إِنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَخْرُجَ فَلْيَخْرُجْ، وَإِلَّا فَلْيُصَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ اسْتَطَاعَ، وَإِلَّا فَلْيُصَلِّ قَاعِدًا وَيَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ كُلَّمَا تَحَرَّفَتْ (مصنف ابن أبي شيبة مَنْ قَالَ: صَلِّ فِيهَا قَائِمًا)

پانچ نمازوں میں بے ہوش رہی تو حکم ملو:

(وَمَنْ أَغْصَى عَلَيْهِ غَمَسَ صَلَوَاتٍ أَوْ ذُلُوكَهَا لَعْنَى، وَإِنْ كَانَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يَقْضَ) وَهَذَا  
اِسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ إِذَا اسْتَوْعَبَ الْإِغْمَاءُ وَقَدْ صَلَّاهُ كَامِلًا لِتَحَقُّقِ الْعَجْزِ فَالْجُنُونُ.

وَجَهْ إِلَى اسْتِحْسَانِ أَنَّ الْمُدَّةَ إِذَا طَالَتْ كَثُرَتْ الْقَوَالِثُ فَيُخْرَجُ إِلَى الْإِدَاءِ، وَإِذَا قَصُرَتْ قَلَّتْ فَلَاحِجٌ، وَالْكَبِيرُ أَنْ تَزِيدَ عَلَى يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، لِأَنَّهُ يَدْخُلُ فِي حَدِّ الشُّكْرِ، وَالْجُنُونُ كَالْإِغْمَاءِ: كَذَا ذِكْرُهُ أَبُو سَلِيمَانَ رَحِمَهُ اللَّهُ، بِعَكْلِ النَّوْمِ، لِأَنَّ اِسْتِدْرَاجَهُ نَادِرٌ فَيَلْحَقُ بِالْقَاصِرِ، ثُمَّ الزِّيَادَةُ تُعْتَبَرُ مِنْ حَيْثُ الْأَوْقَاتُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، لِأَنَّ الشُّكْرَ لَا يَتَحَقَّقُ بِهِ، وَعِنْدَهُمَا مِنْ حَيْثُ السَّاعَاتُ هُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

ترجمہ:

اور جس پر پانچ یا اس سے کم نمازوں تک بے ہوشی طاری رہی تو قضاء کرے اور اگر اس سے زیادہ تک بے ہوشی رہی تو قضاء نہ کرے۔ اور یہ دلیل استحسان کے پیش نظر ہے۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پر کوئی قضاء نہیں ہے۔ جب انما نے اسے ایک نماز کے وقت تک گھیر لیا ہو۔ کیونکہ عجز ثابت ہو جائے گا لہذا یہ جنون کے مشابہ ہو گیا۔

اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ انما کی مدت جب لمبی ہو جائے گی تو قضاء نمازوں کی کثرت ہو جائے گی جن کو پڑھنے سے حرج لازم آئے گا اور جب مدت انما کم ہوگی تو نمازیں بھی ٹھوڑی قضاء ہوں گیں اور حرج بھی لازم نہ آئے گا۔ اور بشرط اسے کہیں گے کہ جب ایک دن رات سے زیادہ ہوں کیونکہ وہ حد تک راسخ داخل ہو جاتی ہیں۔

اور جنون انما کی طرح ہے۔ اسی طرح حضرت ابوسلمانی نے ذکر کیا ہے۔ بخلاف نیند کے کیونکہ نیند کا اکتالسا ہونا نادر ہے۔ لہذا نیند کو عذر قاصر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک کثرت کا اعتبار اوقات کی طرف سے کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر اسی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ شیخین کے نزدیک ساعات سے ہے اور یہی حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے۔ اللہ ہی سب سے زیادہ صحیح کو جائے والا ہے۔

شرح:

جس پر پانچ یا کم بے ہوشی طاری ہو جائے اور بیہوشی اور جنون پانچ نمازوں تک یا اس سے کم تک مسلسل رہے تو افادہ ہو جائے گا بعد اس کی قضاء کرے۔

عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي ثَوْبٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ أَبِي عُمَرَ أَنَّ أَهْلَ الْغَمَسِ عَلَيْهِ أَكْثَرُ مِنْ يَوْمَيْنِ فَلَمْ يَقْضِهِ. (دارقطنی باب  
الرَّجُلُ يُغْمَى عَلَيْهِ وَقَدْ جَاءَ وَقَدْ صَلَّاهُ هَلْ يَقْضِي أَمْ لَا)  
قنونی عالمگیری ج 1 ص 121 میں ہے

ولا قضاء على مجنون ولا على مغمى عليه ما فاتته في تلك الحالة وزادت القوائت على يوم وليلة.

## بَابُ تِلْكَ السُّجْدَةِ الْمَلَكُوتِيَّةِ

﴿یہ باب سجدہ تلاوت کے بیان میں ہے﴾

سجدہ تلاوت والے باب کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب سجدہ تلاوت کے احکام میں ہے۔ یہاں اضافت سبب کی یہ جوئے مسبب کی طرف ہے۔ جس طرح خیاریع، خیاریع اور حج بیت اللہ میں نسبت سبب کی یہ جوئے مسبب کی طرف کی گئی ہے کیونکہ تلاوت تالی کے حق میں اور سماع سامع کے حق میں سبب ہے۔ لہذا مناسب یہ تھا کہ یہ کہا جاتا "باب سجود التلاوة والسماع" اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تلاوت سبب ہے۔ البتہ سماع کی سمیت میں اختلاف ہے۔ بلکہ بعض نے کہا ہے کہ سماع سبب نہیں ہے۔

اس باب کو سجدہ سہو کے ساتھ اس ملایا گیا ہے کہ ان دونوں کے احکام میں سجدے کا بیان ہے اور مریض والے باب نے اس سے موخر کیا گیا ہے کہ مرض عارضہ ساوی ہے۔ پس اسے سجدہ تلاوت سے مقدم کر دیا۔

(الہدایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۲۱۲، حقانیہ ملتان)

قرآن میں سجدوں کا بیان:

قَالَ (سُجُودُ التَّلَاوَةِ فِي الْقُرْآنِ أَرْبَعُ عَشْرَةَ سَجْدَةً: فِي آيَةِ الْأَعْرَافِ، وَآيَةِ الرَّغْدِ وَالنُّعْلِ، وَآيَةِ إِسْرَافِيلَ، وَمَرْسَمَ وَالْأُولَى فِي الْحَجِّ، وَالْفُرْقَانِ وَالنَّمْلِ، وَالْمِ تَنْزِيلِ وَهْنٍ، وَحَمَّ السَّجْدَةِ، وَالنُّعْمِ، (وَإِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ) وَالْقُرْآنِ).

كَذَا كُنِيَ فِي مُصْطَفَى عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ وَالسَّجْدَةُ الثَّانِيَةُ فِي الْحَجِّ لِلصَّلَاةِ عِنْدَنَا، وَمَوْجِعُ السَّجْدَةِ فِي حَمِّ السَّجْدَةِ عِنْدَ قَوْلِهِ (لَا يَسْتَمُونَ) فِي قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَهُوَ الْمَأْخُذُ لِلِاخْتِيَاطِ

ترجمہ:

امام قدوری علیہ الرحمہ نے فرمایا: قرآن میں تلاوت کے چودہ سجدے ہیں۔ سورۃ اعراف کے آخر میں، رعد میں، نمل میں، بنی اسرائیل میں، مریم میں، اور حج میں پہلا اور فرقان میں، نمل میں، الم تَنْزِيلِ، ص، حم السجدة، نجم، وَإِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ اور اقراء میں ہیں۔

حضرت شہنشاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں اسی طرح ہے لہذا اسی اعتقاد کیا جائے گا۔ اور سورۃ حج میں دوسرا سجدہ ہمارے

نزدیک نماز کیلئے ہے۔ اور ”تم السجدہ“ میں سجدے کا مقام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق ”...“ ہے۔ اور اس کو احتیاط کے پیش نظر اخذ کیا گیا ہے۔

سورہ نجم کا سجدہ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں سجدہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں جنوں اور سب آدمیوں نے (مجھی) سجدہ کیا۔ (صحیح البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ آیت (فَاسْجُدْ لِلَّهِ وَاعْبُدْ 53 - النجم 62) سجدہ کروا دیا اور عبادت کرو۔ پر پڑھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی فرمانبرداری کی غرض سے سجدہ کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو تمام مسلمانوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سجدہ کیا، اسی طرح مشرکین نے بھی جب بتوں یعنی لات و منات اور عزی کے نام سے تو انہوں نے بھی سجدہ کیا، یا پھر مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مسجد الحرام کے اندر جب سورہ نجم کی این آیتوں۔

(الْمِثْرَةُ يَوْمَ الثَّلَاثِ وَالْعِزَّى 19 وَمَنْشُورَةُ النَّبَاةِ الْأَخْزَى 20 أَلَكُمُ الذَّكْرُ وَلَهُ الْأُنْثَى 21 53 - النجم 19)

یعنی بھلا تم لوگوں نے لات و عزی کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت کہیں اللہ ہو سکتے ہیں مشرکوں) کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں۔ کو پڑھنے لگے تو شیطان ملعون نے اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ پڑھا بَلَّتِ الْفَرَاتِيسُ الْعَلَى وَإِنْ شَفَا عَنْهُمْ لَقَرْتَنِي۔ یعنی یہ بت بلند مرغایاں ہیں اور چٹکتان کی شفاعت امید بخش ہے۔

مشرکین یہ سمجھے کہ (نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے اس سے وہ بہت زیادہ خوش ہوئے چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کر ڈالا۔

بعض مفسرین نے اس موقع پر یہ تفسیر کی ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے ادا نہیں کئے تھے بلکہ نعوذ باللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سہوً نکل گئے تھے۔ یہ قول بالکل غلط اور محض ذاتی اختراع ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شیطان ملعون نے اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ الفاظ ادا کر دیئے جس سے مشرکین یہ سمجھ بیٹھے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں۔

حدیث میں مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور سب آدمیوں سے مراد وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت موجود تھے۔ لفظ اُنْ تعظیم بعد تخصیص ہے۔

سورہ الشقاق اور سورہ علق کے مجھے ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (سورہ اشفاق یعنی إذا السماء انشقت اور (سورہ علق یعنی اقرأ باسم ربك میں مجھہ کیا۔ (صحیح مسلم)

مجھہ تلاوت واجب ہے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (کی کوئی آیت) پڑھتے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے تھے تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کرتے ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھہ کرتے اور (اس وقت) ہم لوگوں کا اس قدر اثر و دام ہوتا تھا کہ ہم میں سے بعض کو تو اپنی پیشانی ٹیک کر مجھہ کرنے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کی کوئی آیت تلاوت فرماتے تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھہ کرنے کے لیے اتنے زیادہ لوگوں کا ہجوم ہو جاتا تھا کہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے بعض لوگوں کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھہ کرنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا اور وہ پھر بعد میں مجھہ کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مجھہ تلاوت واجب ہے کیونکہ اگر تلاوت کا مجھہ واجب نہ ہوتا تو لوگ اتنا زیادہ اجتماع اور اثر و دام کیوں کرتے۔

ایسے موقع پر جب کہ تلاوت کرنے والے کے پاس لوگ بیٹھے ہوں اور اس کی تلاوت سن رہے ہوں تو مجھے کی کوئی آیت پڑھنے کے بعد مجھہ کرنے کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا آدمی آگے ہو جائے اور تلاوت سننے والے اس کے پیچھے ہو کر صف باندھیں اس طرح سب لوگ مجھہ کر لیں۔ یہ اقتداء صوریہ ہے حقیقۃً اقتداء نہیں ہے۔

دو مجھوں کی وجہ سے سورہ حج کی فضیلت:

حضرت عقبہ ابن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سورہ حج کو اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو مجھہ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جو آدمی دونوں مجھہ سے نہ کرے تو وہ ان دونوں مجھوں کی آیتوں کو نہ پڑھے۔ (سنن ابوداؤد جامع ترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے اور مصاحف میں مثل شرح السنۃ کے فلا یقرأہما (تو وہ دونوں مجھوں کی آیتوں کو نہ پڑھے) کے بجائے فلا یقرأہا (تو وہ اس سورۃ کو نہ پڑھے) کے الفاظ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی مجھہ کی ان دونوں آیتوں کو نہ پڑھے تو اسے وہ آیتیں ہی نہ پڑھنی چاہئیں تاکہ وہ ترک واجب کا گنہگار نہ ہو یعنی قرآن کریم پڑھنے والے کے حق میں مجھہ کی آیت کی

تلاوت کی وجہ سے ایک جگہ شروع ہوا ہے اور مجدد تلاوت کرنا تلاوت کے حقوق سے ہے لہذا اگر کوئی آدمی مجدد تلاوت ترک کرنے کے لئے دُڑے ہو تو اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ ان آیتوں ہی کو نہ پڑھے جن کی وجہ سے مجدد واجب ہو جاتا ہے کیونکہ مجدد واجب ہے اور اس کو چھوڑنے والا گنہگار ہوتا ہے اس لیے ترک مجدد سے ترک تلاوت ادنیٰ ہے۔

مشکوٰۃ کے ایک دوسرے صحیح نسخہ میں، بجائے قلاقر احما کے ظلم قرا احما کے الفاظ ہیں اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے وہ دونوں مجددے نہ کئے گویا اس نے انہیں پڑھائی نہیں مگر جب اس نے اس آیت کے تقاضے پر عمل نہ کیا تو اس کا پڑھنا نہ پڑھنا دونوں بڑا بڑا ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سورہ حج کا دوسرا جگہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک واجب نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ مجدد نماز کا ہے کیونکہ وہاں لفظ ارکعوا کا ذکر ہوتا اس بات کا قرینہ ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آخر میں ہذا حدیث میں اسنادہ بالقوی کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

سورہ الم تزل اسجدہ کا سجدہ:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا اور کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور لوگوں کو یہ گمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ الم تزل اسجدہ پڑھی ہے۔ (ابوداؤد)

صحابہ نے محض مجدد سے معلوم نہیں کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الم تزل اسجدہ پڑھی ہے بلکہ سورت کی ایک آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوگی اس سے انہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورۃ پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آہستہ آواز سے پڑھی جانے والی نمازوں میں) کبھی کبھی ایک آیت یا دو بلند بھی پڑھ دیا کرتے تھے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں سورۃ کی قرأت ہو رہی ہے یا یہ کہ انتہائی شوق اور حضور قلب کی وجہ سے بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان مقدس سے کوئی آیت یا دو بلند جاری ہو جاتی تھی۔

بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پڑھ کر جب سجدہ کیا اور سجدے سے اٹھے تو بقیہ سورۃ پوری نہیں کی بلکہ رکوع میں چلے گئے چنانچہ یہ جائز ہے اگرچہ افضل یہی ہے کہ سجدے سے اٹھ کر بقیہ سورۃ پوری کی جائے اس کے بعد رکوع کیا جائے لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بیان جواز کی خاطر کیا ہو یا وجود یہ نص سے بصراحت تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ سورۃ پوری نہیں کی اور رکوع میں چلے گئے تاہم بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض رکوع پراکتفا نہیں کیا بلکہ مستحقاً سجدہ کیا جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ایسی صورت میں رکوع ہی میں سجدہ ادا ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ افضل اور اولیٰ چونکہ سجدہ کر لینا ہی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل طریقہ کو اختیار فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سورہ نجم میں سجدہ نہ کرنا:

حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ نجم تلاوت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

فقہاء احناف و شوافع کی سورہ نجم میں سجدہ نہ کرنے کی توجیہ و جواب:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر سورہ نجم میں سجدہ بیان تجواز کے لیے نہیں کیا، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ مفصل میں سجدہ نہیں ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہیں کیا اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے اس حدیث کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر سجدہ یا تو اس لیے نہیں کیا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو نہیں تھے، یا یہ کہ وہ وقت کراہت تھا، یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ اس لیے ترک کیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سجدہ تلاوت فرض نہیں ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ سجدہ تلاوت فی الغور واجب نہیں ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تو سجدہ نہ کیا ہوا البتہ بعد میں کسی وقت کر لیا ہو۔ لہذا اس سے کوئی آدی یہ نہ سمجھے کہ سورہ نجم کا سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ گزر چکا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دوسرے لوگوں نے بھی سورہ نجم کا سجدہ کیا تھا۔

سورہ ص کا سجدہ:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا سورہ ص کا سجدہ بہت تاکید کی سجدوں میں سے نہیں ہے اور میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورہ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مجاہد نے بیان کیا کہ میں نے حضرات عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا میں سورہ ص میں سجدہ کروں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت (وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ ذُو الشُّلُبَيْنِ) 6۔ الانعام (84) سے فِیْہِذَاھُمْ اٰتٰیہ پڑھی اور فرمایا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جنہیں پہلے نبیوں کی اتباع کا حکم تھا۔ (صحیح البخاری)

(لَیْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ بہت تاکید کی سجدوں میں سے نہیں) کا مطلب فقہ حنفی کی رو سے یہ ہے کہ یہ سجدہ فرائض

میں سے نہیں ہے بلکہ واجبات تلاوت میں سے ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ کرنا حضرت داؤد علیہ السلام کی موافقت اور ان کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر تھا۔

حضرت ابن عبودہ نے حضرت مجاہد کے سوال کے جواب میں پہلے آیت پڑھی جس سے اس بات کی دلیل دینا مقصود تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنہیں سابقہ انبیاء کرام کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے تو جنہیں بطریق اولیٰ ان کی پیروی کرنی چاہیے یعنی جب حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی موافقت و پیروی میں سجدہ کیا تو ہم کو چاہیے کہ ہم بھی سجدہ کریں۔

قرآن میں کل کتنے سجدے ہیں؟

حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (یعنی عمرو ابن العاص کو) قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین تو مفصل (سورتوں میں ہیں اور دو سجدے سورہ حج میں ہیں)۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں لفظ اقراء کے بجائے لفظ اقرا لکھا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے سامنے پڑھوں۔ اس حدیث کے مطابق قرآن کریم کی پندرہ آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے ایک سجدہ واجب ہوتا ہے آیتوں کی تفصیل یہ ہے سورہ اعراف کے آخر میں یہ آیت

آیت (رَبِّ الْاَلَمِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ 7) - الاعراف (206)

بیشک جو لوگ (یعنی فرشتے) تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے غرور اور انکار نہیں کرتے اور اس کا سجدہ کرتے ہیں۔ (اس آیت میں ولہ یسجدون پڑکھہ ہے۔

(۲) سورہ رعد کے دوسرے رکوع میں یہ آیت

آیت (وَلَيْسَ يَسْجُدَ مَرْفِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُم بِالْعُدْوِ وَالْاَصَالِ 13) - الرعد (15) وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں خوشی سے، کوئی ناخوشی سے اور ان کا سایہ صبح و شام۔ (اس آیت میں بالعدو والاصال سجدہ ہے۔

(۳) سورہ فصل کے پانچویں رکوع کے آخر کی یہ آیت

آیت (وَلَيْسَ يَسْجُدَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ 49) - 16

اُنکل 49): اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی، اور وہ ذرا بھی غرور نہیں کرتے اور اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں نیز انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ (اس آیت میں و یفعلون مابو مروں پر سجدہ ہے۔

(۳) سورہ بنی اسرائیل کے بارہویں رکوع میں یہ آیت آیت (و یحجزون لِّلْأَذْقَانِ یَسْکُونُ وَ یَرِیدُہُمْ حُشُوناً) 17۔ الاسراء 109):

اور وہ منہ کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اس سے ان میں اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ اس آیت میں و یریدہم خشوعاً پر سجدہ ہے۔

(۵) سورہ مریم کے چوتھے رکوع میں یہ آیت

آیت (وَاذْکُتْ لِّیْ عَلَیْہِمْ اِنَّہُ الرِّحْمٰنُ غَرَّوْا سِحْدًا وَبَکِیًّا 19)۔ (مریم 58):

جب پرچی جاتی ہیں ان پر چمن کی آستین تو گرتے ہیں وہ سجدہ کرنے کے لیے روتے ہوئے (یہ انبیاء اور ان کے اصحاب کا حال بیان کیا گیا ہے)۔ اس آیت میں سجدہ و بکیا پر سجدہ ہے۔

(۶) سورہ حج کے دوسرے رکوع میں آیت

آیت (اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَابُّ وَ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَ کَثِیْرٌ حَقٌّ عَلَیْہِ الْعَذَابُ وَ مَنْ یُّہِنِ اللّٰہَ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ) 22۔ الحج (18):

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جالور اور بہت سے انسان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے آدمی ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جس آدمی کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(اس آیت میں یسجد لہ پر سجدہ ہے مگر پوری آیت پڑھنے کے بعد سجدہ ہے۔

(۷) سورہ حج کے آخری رکوع کی یہ آیت

آیت (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَاعْمَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ) 22۔

الحج (77):

اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرتے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیک کام کرو تا کہ فلاح پاؤ۔ اس آیت

میں لعلکم تفلحون پر سجدہ ہے۔

(۸) سورہ فرقان کے پانچویں رکوع کی یہ آیت

آیت (وَرَادَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا) 25 -

العرفان (60): اس آیت میں وزادہم نفورا پر سجدہ ہے۔

اور جب ان (عرب کے کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ سجدہ کرو حُرْن کو تو کہتے ہیں کہ حُرْن کیا چیز ہے۔ کیا ہم سجدہ کر لیں اس کو جس کو تم کہتے ہو اور ہم کو نفرت بڑھتی ہے۔ اس آیت میں لا یسکتیرون پر سجدہ ہے۔

(۹) سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں آیت

آیت (الَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْغَبَّاءَ فِي السَّمَواتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْبُونَ 25  
اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ) (النمل: 25)

اور نہیں سمجھتے کہ اللہ کو جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور تمہارے پوشیدہ و ظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں؟ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

(۱۰) سورہ الم حٰزِلِ اسجدہ کے دوسرے رکوع میں یہ آیت

آیت (أَنسَأُ مُؤْمِنِينَ بَيْنَا الَّذِيْنَ إِذَا دُخِرُوا بِهَِا غَرُّوا مُسْعِدًا وَنَسَبُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ) 32 -  
الاسجدہ (35)

ہماری آجیوں پر وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں کہ جب انہیں وہ آیتیں یاد دلائی جائیں تو سجدہ کرنے کے لیے گر جائیں اور اللہ کی حمد و ثناء بیان کریں اور یہ لوگ غرور نہیں کرتے۔

(۱۱) سورہ قس کے دوسرے رکوع میں یہ آیت

آیت (وَأَخْرَجْنَا مِمَّا دَخَلُوا فِيَّ الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَجَاءُوا بِغُلَامَيْهِمَا صَالِحَيْنِ فَخَلَا لَهُمَا فِي الْمَدِينَةِ الْمَغْلَبَةُ 24 فَفَقَرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَؤْلُعًا وَحَسَنَ مَّآبٍ 25) 38 - ص (24):  
اور (داؤد علیہ السلام) گر پڑے سجدہ کے لیے اور تو بہ کی۔ پس ہم نے ان کو بخش دیا اور بے شک ہمارے ہاں ان کا تقرب ہے اور عمدہ مقام ہے۔ (اس آیت میں وحسن مآب پر سجدہ ہے۔

(۱۲) سورہ حم سجدہ کے پانچویں رکوع میں یہ آیت

آیت (فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ) 41 - فصلت (38)  
اگر یہ لوگ سرکش کریں تو (اللہ کو بھی ان کی پرواہ نہیں جو فرشتے) تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور کبھی جھکتے ہی نہیں (اس آیت میں لا یسمعون پر سجدہ ہے یا تعبدون پر ہے

(۱۳) سورہ غم کے آخر میں یہ آیت

آیت (فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا 62) 53 - النجم (62) سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔ (اس آیت میں واعبدو پر سجدہ ہے۔

(۱۳) سورہ انشقاق میں یہ آیت

آیت (فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ 20 وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ 21) 84 - الانشقاق (24):

تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔

(اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہاں رب العرش العظیم اور بعض کے نزدیک لعلمکم نغیبوں پر سجدہ ہے۔) (اس آیت میں لا یسجدون پر سجدہ ہے۔

(۱۵) سورہ علق میں یہ آیت

(وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ 19) (96) - اعلق (19): آیت میں واقترِب پر سجدہ ہے۔

(اے محمد!) سجدہ کیجئے اور اللہ کے نزدیک ہو جائیے۔

جو تلاوت کی تعداد میں تقبی نماز کا بیان :

ائمہ کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں کل کتنی آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے یا سننے سے ایک سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت امام احمد نے اس حدیث کے مطابق کہا ہے کہ ایسی آیتیں پندرہ ہیں جن کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے چنانچہ انہوں نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں آیت سجدہ کی تعداد چودہ ہے۔ اس طرح کہ سورہ حج میں تو دو سجدہ ہے ہیں اور سورہ ص میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں آیت سجدہ کی تعداد گیارہ ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ سورہ ص، سورہ نجم، سورہ الشیث اور سورہ اتراس میں سجدہ نہیں ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کل سجدوں کی تعداد چودہ ہے اس طرح کہ سورہ حج میں دو سجدہ ہیں بلکہ ایک ہی سجدہ ہے جو دوسرے رکوع میں ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عمر و ابن العاص کی یہ حدیث جس سے سجدوں کی تعداد پندرہ ثابت ہوتی ہے ضعیف ہے اور اس کو دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس کے بعض راوی مشہور ہیں۔

نماز میں بھی سجدہ تلاوت کرنا چاہیے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز فرض اور نماز نفل میں اگر کسی آیت سجدہ کی قرأت کی جائے تو نماز ہی میں سجدہ کیا جائے یعنی جو سجدہ تلاوت نماز میں واجب ہوا اسے خارج نماز میں ادا نہ کیا جائے۔ آیت سجدہ

اگر فرض نماز میں پڑھی جائے تو اس کے بعدے میں نماز کی طرح سبحان ربی الاعلیٰ کہنا ہی بہتر ہے اور اگر نفل نماز میں یا خارق نماز میں پڑھی جائے تو اس کے بعدے میں اختیار ہے کہ سبحان ربی الاعلیٰ کہا جائے اور تسبیحیں جو احادیث میں وارد ہوئی پڑھی جائیں مثلاً یہ تسبیح

سُحْدًا وَخُحًى لِّبَدْنِي خَلْفَهُ، وَضَوْزَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ قَتَبْتُكَ اللَّهُ أَحْسَنَ الْحَالِقِينَ۔

میرے چہرے نے اس ذات کو سجود کیا جس نے اس کو پیدا کیا جس نے اسی کو بنالیا اور اس میں کان و ذہن کچھ پیدا کیس اپنی طاقت اور قوت سے پس بزرگ ہے اللہ اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

نماز میں آخر سورۃ میں سجدہ کی آیت آ جانے کا مسئلہ: بعض علماء کا یہ قول ہے کہ نماز میں سجدہ کی جو آیت آخر سورۃ میں آ جائے تو رکوع کرنا ہی سجدہ کے لیے کافی ہو جاتا ہے یعنی رکوع کرنے میں سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جاتا ہے۔ یہ قول حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور یہی مسلک حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔

فقہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ اگر آیت سجدہ نماز میں پڑھی جائے اور فوراً رکوع کیا جائے یا آیت سجدہ کے بعد دو تین آیتیں پڑھ کر رکوع کر لیا جائے اور اس رکوع میں جھکتے وقت سجدہ تلاوت کی بھی نیت کر لی جائے تو سجدہ ادا ہو جائے گا اور اگر کسی طرح آیت سجدہ پڑھنے کے بعد نماز کا سجدہ کیا تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا اور اس میں نیت کی بھی ضرورت نہ ہوگی مگر شرط یہ ہے کہ ہر دو صوت میں آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ قرأت نہ کی گئی ہو کیونکہ آیتوں کے پڑھنے میں تو اختلاف بھی ہے مگر یہ مسئلہ متعلق علیہ ہے کہ تین سے زیادہ آیتیں پڑھنے کی صورت میں نماز کے رکوع یا سجود میں سجدہ تلاوت ادا نہیں ہوگا بلکہ الگ سے سجدہ تلاوت کرنا ضروری ہوگا۔

سجدہ تلاوت کے وجوب کا بیان:

وَالسَّجْدَةُ وَاجِبَةٌ فِي هَذِهِ النُّوَاجِعِ عَلَى النَّالِي وَالسَّامِعِ) مَوَاءَ قَصْدٍ سَمَاعِ الْقُرْآنِ أَوْ لَمْ يَقْصِدْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا وَعَلَى مَنْ تَلَاهَا) وَهِيَ كَلِمَةٌ اِيجَابٌ وَهُوَ خَيْرٌ مُّقْبِلٌ بِالْقَصْدِ (وَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَهَا وَسَجَدَهَا الْمُتَأَمُّومُ مَعَهُ) لَا يُلَازِمُهُ مُتَابَعَتُهُ

ترجمہ

اور ان مقامات پر سامع و نالی پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ چاہے وہ سننے کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سجدہ اس پر ہے جس نے اس کو سنا اور اس پر بھی ہے جس نے اس کو پڑھا۔ اور یہ کلمہ ایجاب ہے۔ لہذا یہ قصد کے ساتھ مقید نہ ہو گا۔ اور جب امام آیت سجدہ تلاوت کرے تو وہ سجدہ کرے اور مقتدی بھی اس کے ساتھ سجدہ کریں۔ کیونکہ امام کی اتباع لازم ہے۔

مجیدہ تلاوت کے وجوب میں فقہ حنفی و شافعی کا اختلاف:

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تلاوت کا مجیدہ واجب ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک مجیدہ تلاوت سنت ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے آیت مجیدہ پڑھی۔ اور انہوں نے مجیدہ نہیں کیا اور نبی کریم ﷺ نے بھی مجیدہ نہیں کیا۔ اور انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ ہمارے امام ہیں۔ اگر آپ نے مجیدہ کیا تو ہم بھی آپ کے ساتھ مجیدہ کریں گے۔ لہذا اگر مجیدہ تلاوت واجب ہوتا تو حضرت زید مجیدہ ترک نہ کرتے اور نہ ہی نبی کریم ﷺ مجیدے کو ترک فرماتے۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ مجیدے آیات کی دلالت وجوب پر ہے کیونکہ بعض آیات میں مجیدہ کرنے کا امر ہے۔ اور بعض آیات میں ترک مجیدہ پر وعید کا ذکر ہوا ہے۔ لہذا ان آیات مجیدہ میں حکم امر اور ترک مجیدہ پر وعید والی آیات سے استدلال یہ ہے کہ مجیدہ کرنا واجب ہے۔ (محیط برہانی فی فقہ نعمانی، ج ۲، ص ۳۴، بیروت)

تلاوت کرنے والے اور سننے والے دونوں پر مجیدہ تلاوت واجب ہے:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن کریم پڑھتے اور جب مجیدے کی کسی آیت پر پہنچتے تو تکبیر کہتے اور مجیدہ کرتے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجیدہ کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوگئی کہ مجیدہ تلاوت قاری (یعنی قرآن کریم پڑھنے والے) اور سامع (یعنی تلاوت سننے والے) دونوں پر واجب ہے۔

صرف مجیدے کے وقت تکبیر کہنی چاہیے:

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مجیدہ تلاوت کے لیے تکبیر صرف مجیدے میں جاتے وقت کہنی چاہیے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا اسی پر عمل ہے۔

البتہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ جب کوئی آدمی مجیدہ تلاوت کرے تو اسے پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریر کہنی چاہیے اس کے بعد مجیدے کے لیے دوسری تکبیر کہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ مجیدہ تلاوت کے وقت پہلے کھڑے ہونا اور اس کے بعد کھڑے میں جانا مستحب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مکہ کے سال (کوئی) آیت پڑھی چنانچہ تمام لوگوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) مجیدہ تلاوت کیا مجیدہ کرنے والوں میں سے بعض تو سوار یوں پر تھے (اور بعض زمین پر تھے سوار یوں والے اپنے ہاتھ ہی پر مجیدہ کرتے تھے۔) (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو آیت مجیدہ کے ساتھ کچھ اور آیتیں بھی ملا کر پڑھی ہوں گی یا پھر محض آیت مجیدہ بیان جواز کے لیے پڑھی ہوگی، کیونکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق صرف آیت مجیدہ کی تلاوت کرنا خلاف استحباب ہے۔

سوار یوں والے اپنے ہاتھ ہی پر مجیدہ کرتے تھے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی ساریوں مثلاً گھوڑے وغیرہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنے ہاتھوں کو زمین وغیرہ پر رکھ کر ان پر مجیدہ کرتے تھے اس طرح انہیں حالت مجیدہ میں زمین کی سی سختی حاصل ہو جاتی تھی۔

حضرت ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی آدمی گردن جھکا کر اپنے ہاتھوں پر مجیدہ کرے تو اس کا مجیدہ جائز ہو جائے گا اور یہی قول حضرت امام ابو حنیفہ کا ہے البتہ حضرت امام شافعی کا یہ قول نہیں ہے۔

علامہ ابن ملک نے حضرت امام اعظم کا جو یہ قول ذکر کیا ہے یہ ان کے مسلک میں غیر مشہور ہے چنانچہ شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی ہجوم واڑ دوام کی وجہ سے اپنی ران پر مجیدہ کر لے تو جائز ہوگا اسی طرح ران کے علاوہ کسی دوسرے عضو پر بھی مجیدہ کرنا جائز ہے جب کہ اسے کوئی ایسا عذر پیش ہو جو مجیدہ کرنے سے مانع ہو، بغیر عذر ایسا کرنا جائز نہ ہوگا نیز اگر کوئی آدمی اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر اس پر مجیدہ کر لے تو اگر چہ اسے کوئی عذر نہ ہو یہ جائز ہے مگر مکروہ ہوا۔

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی بیمار ہو مجیدہ کی کوئی آیت پڑھے اور مجیدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے مجیدہ کا اشارہ کر لینا کافی ہوگا۔ (فتح القدیر)

مقتدی کے مجیدہ تلاوت میں امام اس کی اجازت نہ کرے:

(وَإِذَا قُلَا السَّلَامُ لَمْ يَسْجُدْ الْإِمَامُ وَلَا الْمَأْمُومُ فِي الصَّلَاةِ وَلَا بَعْدَ الْقَرَاءَةِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَسْجُدُونَهَا إِذَا قَرَأُوا، لِأَنَّ السَّبَّ لَمْ يَقْرَأْ، وَلَا مَنَعَ بِخِلَافِ خَالَةِ الصَّلَاةِ لِأَنَّهُ يُؤَدَّى إِلَى خِلَافٍ وَضَحِ الْإِمَامَةُ أَوْ التَّكْوِينُ.

وَلَهُمَا أَنَّ الْمُتَقَدِّمَ مَخْبُورٌ عَنِ الْقِرَاءَةِ لِتَقَاذِ تَصَرُّفِ الْإِمَامِ عَلَيْهِ، وَتَصَرُّفِ الْمَخْبُورِ لَا حُكْمَ لَهُ، بِخِلَافِ الْجُنُبِ وَالْحَائِضِ، لِأَنَّهُمَا عَنِ الْقِرَاءَةِ مُنْهَيَانِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَى الْحَائِضِ يَتَلَوَّنَهَا كَمَا لَا يَجِبُ بِسَمَاعِهَا، لِأَنَّمَا أَهْلِيَّةُ الصَّلَاةِ، بِخِلَافِ الْجُنُبِ.

ترجمہ:

اور جب مقتدی نے تلاوت کی تو امام مجیدہ نہ کرے اور نہ ہی وہ مقتدی نماز میں مجیدہ کرے اور نہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مجیدہ کرے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: جب وہ فارغ ہوں تو وہ سب مجیدہ کریں۔ کیونکہ سب مقرر ہو چکا ہے۔ اور حالت نماز کے سوا مانع کوئی نہیں ہے۔ اور یہ سب چونکہ امامت کے طریقے اور نماز کے طریقے کے خلاف



بچنے والا تھا۔ (اور اب فارغ ہونے کے بعد وہ قسم ہو گیا لہذا سجدہ سب کریں گے)۔

اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کو قرأت سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ اس پر امام کا تصرف نافذ ہے لہذا اردو کے محکمے کا تصرف کوئی حکم نہیں رکھتا۔ بخلاف جنبی و حائض کے کیونکہ ان دونوں کا قرأت منع کیا گیا ہے۔ لیکن حائض پر اس کی تلاوت کی وجہ سے واجب نہ ہوگا جس طرح اسکی ساعت کی وجہ سے واجب نہ ہوا۔ کیونکہ اس میں نماز کی اہلیت معدوم ہے۔ جبکہ جنبی میں ایسا نہیں ہے۔

شرح:

مقتدی نماز کے احکام میں اور نماز کسی حکم کے واجب ہونے امام کے تابع ہے جبکہ امام کسی طرح مقتدی کے حالت نماز میں کسی چیز کو واجب کر لینے میں اس کے تابع نہیں۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ امام کی اتباع دیگر وجوہات سے قوی ہے اور قوی کے ہوتے ہوئے کسی ضعیف حکم کی طرف جانا جائز نہیں۔

نماز سے باہر آیت سجدہ سننے والے کا حکم:

(وَلَوْ سَمِعَهَا رَجُلٌ خَارِجَ الصَّلَاةِ سَجْدَهَا) هُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّ الْحَجَرَ كَبَتْ فِي حَقِّهِمْ فَلَا يَنْدُوهُمْ (وَأَنْ سَمِعُوا وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ سَجْدَةً مِنْ رَجُلٍ لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَسْجُدُوا بِهَا فِي الصَّلَاةِ) لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِصَلَاةٍ، لِأَنَّ سَمَاعَهُمْ هَذِهِ السَّجْدَةَ لَيْسَ مِنَ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ (وَسَجَدُوا بِهَا بِنَدْوِهَا) لِتَحْقِيقِ سَبَبِهَا (وَلَوْ سَجَدُوا فِي الصَّلَاةِ لَمْ يُجْزِئَهُمْ) لِأَنَّهُ نَاقِصٌ لِمَكَانِ النُّهْيِ فَلَا يَتَأَذَى بِهِ الْكَامِلُ. قَالَ (وَأَعَادُوهَا) لِتَقَرُّرِ سَبَبِهَا (وَلَمْ يُعِيدُوا الصَّلَاةَ) لِأَنَّ مُسَجَّدَةَ السَّجْدَةِ لَا يُنَافِي إِحْرَامَ الصَّلَاةِ. وَلِجِي النَّوَائِذِ أَنَّهَا تَفْسُدُ لِأَنَّهُمْ زَادُوا فِيهَا مَا لَيْسَ مِنْهَا، وَقِيلَ هُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ.

ترجمہ

اور اگر کسی شخص نے نماز سے باہر اس کو سنا تو وہ سجدہ کرے۔ کیونکہ حکم حجر مقتدیوں کے حق میں ثابت ہوا ہے جو ان سے آگے نہ بڑھے گا۔ اور جب نمازیوں نے حالت نماز میں ایسے شخص سے سنا جو نماز میں ان کے ساتھ نہیں ہے وہ نماز میں سجدہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں ہے۔ اور ان لوگوں کا سن لینا یہ نماز کے کاموں میں سے نہیں ہے۔ اور وہ نماز کے بعد سجدہ کریں گے۔ اس لئے کہ سجدہ کا سبب تحقیق ہو چکا ہے۔

اور اگر انہوں نے نماز میں سجدہ کر لیا تو یہ کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ حکم ممانعت کی وجہ سے ادا ناقص ہوئی۔ لہذا ادا کے کمال کے طور پر ادا نہ ہوا۔

صاحب براہ نے کہا ہے کہ وہ اس سجدہ کا اعادہ کریں کیونکہ اس کا سبب ثابت ہو چکا ہے۔ اور وہ نماز کا اعادہ نہ کریں

کیونکہ محض عجدہ احرام صلوات کے منافی نہیں ہے۔ جبکہ نوافل اور میں ہے کہ اس کی نماز قاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے اس چیز کو زیادہ کیا ہے جو نماز میں سے نہیں ہے۔ اور بھی کہا گیا ہے کہ ایک قول امام محمد علیہ الرحمہ کا بھی یہی ہے۔  
شرح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ابن آدم (یعنی بندہ مومن) عجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور (پڑھنے والا یا سننے والا) عجدہ کرتا ہے تو اس وقت شیطان لعین روتا ہوا ایک طرف ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ! ہائے افسوس ابن آدم کو عجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے عجدہ کیا اور (اس کے بدلے میں) وہ جنت کا حقدار ہے اور مجھے عجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے (عجدہ نہ کر کے پروردگار کی) نافرمانی کی چنانچہ (اس کے نتیجے میں) مجھے آگ ملی۔ (صحیح مسلم)

خارج نماز سننے والے پر وہ جب عجدے کا بیان:

(لَمَّا قَرَأَ الْإِمَامُ وَسَمِعَهَا رَجُلٌ كَيْسَ مَعَهُ فِي الصَّلَاةِ فَدَخَلَ مَعَهُ بَعْدَهَا سَجَدَهَا الْإِمَامُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَهَا) ، لِأَنَّهُ صَارَ مُدْرِكًا لَهَا بِإِذْنِ الرَّكْعَةِ (وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَهَا سَجَدَهَا مَعَهُ) ، لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَسْمَعْهَا سَجَدَهَا مَعَهُ لَهَا هَذَا أَوَّلِي (وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُ سَجَدَهَا وَخَذَهُ) لِيَتَحَقَّقَ السَّبَبُ . (وَكُلُّ سَجْدَةٍ وَجِبَتْ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَسْجُدْ فِيهَا لَمْ تَقْضَ خَارِجَ الصَّلَاةِ) ، لِأَنَّهَا صَلَاحِيَّةٌ وَلَهَا مَرْئِيَّةُ الصَّلَاةِ ، فَلَا تَتَأَدَّى بِالنَّاقِصِ

ترجمہ:

پس اگر امام نے پڑھا اور اس آدمی نے سنا جو امام کے ساتھ نماز میں نہیں ہے۔ پھر وہ شخص عجدہ کرنے کے بعد امام کے ساتھ داخل ہو گیا۔ تو اس پر عجدہ کرنا واجب نہ رہا کیونکہ وہ رکعت کو پانے کی وجہ سے عجدے کو پانے والا ہو گیا ہے۔ اور اگر وہ امام کے عجدہ کرنے سے پہلے وہ داخل ہوا تو وہ امام کے ساتھ عجدہ کرے۔ اس لئے کہ اگر اس نے آیت عجدہ نہ بھی سنا ہوتا تب بھی اس پر عجدہ واجب ہوتا ہے۔ لہذا یہاں سننے کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ واجب ہو گیا۔ اور اگر وہ امام کے ساتھ داخل نہ ہوا تو بھی اسے میں یہ عجدہ کرے کیونکہ اس کا سبب ثابت ہے۔

اور ہر وہ عجدہ جو نماز میں واجب ہوا ہے پس اس نے جب اسے نماز میں ادا نہ کیا تو وہ خارج نماز میں اس کی قضاء نہ کی جائے گی۔ کیونکہ یہ عجدہ صلواتیہ ہے اور عجدہ نماز کو فضیلت حاصل ہے لہذا وہ نقص کے ساتھ ادا نہ ہوگا۔

شرح:

سامع وتالی کی اصل میں اس مسئلہ کی دلیل گزر چکی ہے کیونکہ عجدہ تلاوت کا وجوب سامع وتالی دونوں پر ہے۔

بار بار آیت مجیدہ پڑھنے پر وجوب مجیدہ کا بیان:

(وَمَنْ تَلَا سَجْدَةً فَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتَّى دَخَلَ فِي صَلَاتِهِ لِعَادَتِهَا وَسَجَدَ أَجْزَأُ لَهُ السَّجْدَةُ عَنِ التَّلَاوَةِ) ، لِأَنَّ الثَّانِيَةَ أَلْفَوْى لِحُكْمِهَا صَلَاتِيَّةٌ فَاسْتَبَعَتْ الْأُولَى . وَلِى السُّوَادِ يَسْجُدُ أُخْرَى بَعْدَ الْفَرَاغِ لِأَنَّ لِلأُولَى قُوَّةَ السَّبَبِ فَاسْتَبَعَتْ . فَلَنَا : لِثَانِيَةِ قُوَّةِ اتِّصَالِ الْمُتَقَرُّودِ لِمُتَجَعِّتِهَا (وَأَنَّ تَلَاَهَا فَسَجَدَ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ قَلَّا مَا سَجَدَ لَهَا) ، لِأَنَّ الثَّانِيَةَ هِيَ الْمُنْتَبِغَةُ وَلَا وَجْهَ إِلَى اتِّخَاظِهَا بِأَلْفَوْى ، لِأَنَّهُ يُؤَدَّى إِلَى سَبَبِ الْحُكْمِ عَلَى السَّبَبِ

ترجمہ:

اور جس نے آیت مجیدہ پڑھی جبکہ مجیدہ نہ کیا حتیٰ کہ وہ نماز میں داخل ہو گیا پس اس نے پھر اسی آیت مجیدہ کو پڑھ دیا اور مجیدہ کیا تو یہ مجیدہ اس کی دونوں تلاوتوں کو کافی ہوگا۔ کیونکہ دوسرا مجیدہ زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ مجیدہ صلوتیہ ہے۔ لہذا پہلا اس کے تابع ہوگا۔ جبکہ نوادریں میں ہے کہ دوسرا مجیدہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کرے۔ کیونکہ پہلے مجیدہ کو تقدم قوی حاصل ہے۔ پس وہ دونوں برابر ہو گئے۔ ہم نے کہا کہ دوسرا مجیدہ اتصال مقصود کی وجہ سے ترجیح پا گیا لہذا دوسرے کو ترجیح حاصل ہے۔ اگر اس نے نماز سے باہر تلاوت کی اور مجیدہ کیا اور پھر وہ نماز میں داخل ہوا پس اس نے پھر اسی آیت کو پڑھا تو اس کیلئے بھی مجیدہ کرے۔ کیونکہ دوسرا مجیدہ تو تابع کرنے والا تھا لیکن اول مجیدہ کے ساتھ لاحق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب پر تقدم حکم کا باعث ہوگا۔

شرح:

تکرار مجلس واحدہ میں زیادتی کا متقاضی نہیں ہے۔ البتہ تہدیلی مجلس کی صورت میں تکرار حکم میں تکرار کو مستلزم ہے۔

ایک ہی مجلس میں تکرار آیت مجیدہ کا بیان:

(وَمَنْ تَكَرَّرَ تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ أَجْزَأُ لَهُ سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ ، فَإِنْ قَرَأَهَا فِي مَجْلِسَيْنِ فَسَجَدَهَا ثُمَّ دَعَبَ وَرَجَعَ لِقَرَأَتِهَا سَجَدَتْهَا ثَانِيَةً ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ سَجَدَ لِلأُولَى فَقَلْبُهُ السَّجْدَتَانِ) ، فَلَا أَضَلَّ أَنْ مَنَى السَّجْدَةَ عَلَى التَّدَاخُلِ دَفْعًا لِلْحَرَجِ ، وَهُوَ قَدْ دَخَلَ فِي السَّبَبِ دُونَ الْحُكْمِ ، وَهَذَا أَلْفَوْى بِالْجِهَادَاتِ وَالثَّانِي بِالْمَقْرَبَاتِ وَإِمَّا تَدَاخُلِ عِنْدَ التَّحَادِ الْمَجْلِسِ لِحُكْمِهِ جَامِعًا ، لِلْمَقْرَبَاتِ لِإِذَا اخْتَلَفَتْ عَادَةُ الْحُكْمِ إِلَى الْأَصْلِ ، وَلَا يَخْتَلِفُ بِمَجْرَدِ الْقِيَامِ بِعِلَاقِ الْمُتَعَمَّرَةِ ، لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِعْرَاضِ وَهُوَ الْمُطْلَقُ هُنَاكَ . وَلِى تَسْدِيقِ الْقَرَبِ بِتَكَرُّرِ الْوُجُوبِ ، وَلِى الْمُنْتَقِلِ مِنْ غُصْنٍ إِلَى غُصْنٍ كَذَلِكَ لِي الْأَصَحُّ ، وَكَذَا لِي الثَّانِيَةِ لِلَاخِيَاطِ .

ترجمہ:

اور جس شخص نے آیت مجیدہ کو ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھا تو اس کیلئے ایک ہی مجیدہ کافی ہوگا۔ اور اگر اس نے اپنی مجلس میں پڑھا پھر مجیدہ کیا پھر وہ کہیں چلا گیا واپس آکر پھر اسی آیت کو پڑھا تو دوبارہ مجیدہ کرے۔ اور اس نے پہلی مرتبہ کا مجیدہ نہیں کیا تو اس پر دو مجیدہ واجب ہیں۔ قانون یہ ہے کہ حرج کو دور کرنے کیلئے مجیدہ کا دارودر مداخلت پر ہے۔ اور یہ مداخلت سبب میں ہے حکم میں نہیں ہے۔ عبادات میں یہی مداخلت زیادہ ملی ہوئی ہے جبکہ عقوبات میں ثانی زیادہ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اور تداخل کا ممکن زیادہ اتحاد مجلس کی صورت میں ہے۔ کیونکہ مجلس ہی متفرقات کو جمع کرنے والی ہے۔ جب مجلس مختلف ہو جائے تو حکم اصل کی طرف لوٹ جائے گا۔ اور محض قیام سے مجلس مختلف نہ ہوگی۔ بخلاف اختیار کے کہ اس کی دلیل تو اعراض پر ہے اور وہی اس کو باطل کرنے والا ہے۔ اور تانتے میں آتے جاتے میں مجیدہ میں نگرار واجب ہوگا۔ اور زیادہ صحیح قول کے مطابق ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف جاتے ہوئے بھی یہی حکم ہے۔ اور کھلیان روندنے میں احتیاط کے پیش نظر یہی حکم ہے۔

شرح:

اس کی دلیل بھی یہی ہے کہ سبب کا نکرار ان مسائل میں اس وقت موثر ہوتا ہے جب مجلس تبدیل ہو اور اگر مجلس تبدیل نہ ہو تو سبب کا نکرار حکم کے نکرار میں کچھ اثر انداز نہیں ہوتا۔  
تجدیلی مجلس کی صورت میں آیت مجیدہ کا حکم:

(وَلَوْ تَبَدَّلَ مَجْلِسُ السَّامِعِ ذُوْنَ النَّالِي يَتَكَرَّرُ الْوُجُوْبُ) ، لِأَنَّ السَّبَبَ لِي حَقِّهِ السَّمَاعُ (وَعَلَمًا إِذَا تَبَدَّلَ مَجْلِسُ النَّالِي ذُوْنَ السَّامِعِ) عَلَى مَا قِيلَ ، وَالْأَمْرُ أَنَّ اللَّهَ لَا يَتَكَرَّرُ الْوُجُوْبُ عَلَى السَّامِعِ لِمَا قُلْنَا .  
(وَمَنْ أَرَادَ السُّجُودَ كَثْرًا وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَثُرَ وَدَلَّعَ رَأْسَهُ) اغْتِيَارًا بِسَجْدَةِ الصَّلَاةِ وَفَوَ السُّجُودِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَحَسْبُ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ (وَلَا تَشْهَدُ عَلَيْهِ وَلَا سَلَامٌ) ، لِأَنَّ ذَلِكَ لِلتَّحْلِيلِ وَفَوَ يَسْتَعْدِي سَبَقَ التَّخْرِيمَةِ وَهِيَ مُتَعَدِّةٌ .

ترجمہ:

اور اگر پڑھنے والے کی مجلس تبدیل ہوگئی ہوئے تلاوت کرنے والے کو تو سامع پر وجوب نکرار ہو جائے گا۔ کیونکہ حق سامع میں سبب ہی اسی طرح ہے۔ اور اسی طرح جب سامع کے سوا اتالی کی مجلس تبدیل ہوئی تو بھی وہی حکم ہے جو کہا گیا ہے جبکہ زیادہ صحیح یہ روایت ہے۔ کہ سامع پر نگرار واجب نہ ہوگا جس کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور جس نے مجیدہ تلاوت کرنے کا ارادہ کیا تو وہ بکیر کہے اور فرض یحین نہ کرے۔ پھر نماز کے مجیدہ پر قیاس کرتے ہوئے پھر وہ بکیر کہتے ہوئے مجیدہ سے سرائٹھائے۔ اور یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ اور اس پر

کوئی تشبہہ و سلام نہیں۔ اس لئے سلام خروج نماز کیلئے ہوتا ہے۔ اور اس کا تقاضہ سبقت تحریمہ ہے اور وہ یہاں معدوم ہے۔

شرح:

علامہ حنفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ سجدہ و تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رخ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتے ہو سجدہ میں جائے اور کم سے کم تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کے پھر اللہ اکبر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے، پس نہ اس میں اللہ کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانا ہے نہ اس میں تشبہہ ہے نہ سلام۔ (در مختار، ج 1 ص 513)

ایک مجلس میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کر لیا۔ پھر اسی مجلس میں دوبارہ اُسی آیت کی تلاوت کی تو دوسرا سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر بار بار آیت سجدہ پڑھی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا اور اگر مجلس بدل کر وہی آیت سجدہ پڑھی تو جتنی مجلسوں میں اس آیت کو پڑھے گا اتنے ہی سجدے اُس پر واجب ہو جائیں گے۔

مجلس بدلنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً کبھی تو جگہ بدل جانے سے مجلس بدل جاتی ہے۔ جیسے مدرسہ ایک مجلس سے اور مسجد ایک مجلس سے اور کبھی ایک ہی جگہ میں کام بدل جانے سے مجلس بدل جاتی ہے۔ جیسے ایک ہی جگہ بیٹھ کر سبق پڑھا یا تو یہ مجلس درس ہوئی۔ پھر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے لوگوں نے کھانا شروع کر دیا تو یہ مجلس بدل گئی کہ پہلے مجلس درس تھی اب مجلس طعام ہو گئی۔ کسی گھر میں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں چلے جانے سے محض بدل جانے سے مجلس بدل جاتی ہے۔ کسی بڑے ہال میں ایک کونے سے دوسرے کونے میں چلے جانے سے مجلس بدل جاتی ہے وغیرہ وغیرہ، مجلس کے بدل جانے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ (در مختار، ج 1 ص 520 و التعلیل، ج 1 ص 126)

درمیان قرأت میں آیت سجدہ کو چھوڑنا مکروہ ہے:

قَالَ (وَيُحْكِرُهُ أَنْ يَقْرَأَ السُّورَةَ فِي الصَّلَاةِ أَوْ غَيْرَهَا وَيَدْعَ آيَةَ السَّجْدَةِ) ؛ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الْإِسْتِكَافَ عَنْهَا (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَقْرَأَ آيَةَ السَّجْدَةِ وَيَدْعَ مَا سِوَاهَا) ؛ لِأَنَّهُ مُبَادَرَةٌ إِلَيْهَا .  
قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقْرَأَ قَبْلَهَا آيَةً أَوْ آيَتَيْنِ دَفْعًا لِرُغْمِ التَّفْصِيلِ وَاسْتَحْضَانِ الْخُفَاءِ  
كَمَا بَشَفَقَهُ عَلَى السَّامِعِينَ .

ترجمہ:

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ نماز یا غیر نماز میں کسی سورۃ کو پڑھنا اور آیت سجدہ کو چھوڑنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کا یہ عمل سجدہ سے اعراض کے مشابہ ہے۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ آیت سجدہ کو پڑھے اور اس کے سوا کو چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ تو سجدہ میں بڑھنے کی طرف اقدام ہے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ مجھے پسند یہ ہے کہ تفصیل کے وہم کو دور کرنے کیلئے آیت سجدہ سے پہلے ایک یا دو آیات پڑھ لے۔ سامعین پر شفقت کے پیش نظر نے علماء نے اس کے اخفاء کو تحسن قرار دیا ہے۔

شرح:

حکم کراہت کی دلیل واضح ہے کہ قرآن مجید میں سجدے کا حکم بھی اسی طرح قابل تنظیم ہے جس طرح باقی احکام ہیں۔

## بَابُ الْمَسْفَرِ

### ﴿یہ باب نماز سفر کے بیان میں ہے﴾

مسافر کی نماز والے باب کی مناسبت کا بیان:

نماز کو مکمل پڑھنا یہ عزیمت ہے جبکہ قصر نماز جو حالت سفر میں پڑھی جاتی ہے یہ رخصت ہے۔ وجود عزیمت وجود رخصت سے مقدم ہوتا ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مکمل نماز پڑھنے کا حکم حالت اصلہ ہے جبکہ قصر حالت فرعیہ ہے حالت اصلہ ہمیشہ حالت فرعیہ سے مقدم ہوتی ہے۔ اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ عزیمت علی الاطلاق ہوتی ہے جبکہ حالت رخصت متعید ہوتی ہے اور مطلق ہمیشہ متعید پر مقدم ہوتا ہے۔

نماز سفر کا بیان:

مسافر جب اپنے گھروں یا شہر کی آبادی سے باہر نکل جائے تو اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعت والی فرض نماز کی دو رکعتیں ہی پڑھنا واجب ہے اگر کوئی آدمی سفر کی حالت میں جب کہ اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعتیں پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور دو واجب کو چھوڑنے والا ہوگا یعنی ایک واجب تو قصر کا ترک ہوگا اور دوسرے قعدہ اخیرہ کے بعد فوراً سلام پھیرنا، کیونکہ مسافر کے حق میں پہلے قعدہ ہی قعدہ اخیرہ ہوتا ہے اس کے بعد اسے فوراً سلام پھیر دینا چاہیے اگر اس نے نہیں پھیرا بلکہ کھڑا ہو گیا اس طرح اس نے دوسرے واجب کو ترک کیا۔

اس موقع پر اتنی بات بھی جانتے چلئے کہ مسافر کے لیے قصر کے جواز میں کسی بھی عالم اور کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو قصر واجب ہے لیکن امام شافعی کے ہاں قصر ادائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر قصر نہیں کرے گا تو وہ امام صاحب کے مسلک کی رو سے گنہگار ہوگا، مگر حضرت شافعی کا مسلک اسے گنہگار نہیں قرار دے گا۔ بلکہ ادائی و افضل چیز کو ترک کرنے والا کہلائے گا۔

سفر کے عذر شرعی ہونے کا بیان:

السَّفَرُ الَّذِي يَتَعَيَّرُ بِهِ الْأَحْكَامُ أَنْ يَقْصِدَ الْإِنْسَانُ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيْلِيهَا سَيْرَ الْإِبِلِ وَمَنْشَى الْأَقْدَامِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (يَمَسُّحُ الْمُقِيمُ كَمَا لَيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيْلِيهَا) عَمَّ بِالرَّخْصَةِ الْجَنَسِ.

وَمِنْ ضَرُورَتِهِ عُمُومُ التَّعْيِيرِ وَقَلَرُ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ بَيِّنَتَيْنِ وَأَكْثَرُ الْيَوْمِ الثَّلَاثِ، وَالشَّافِعِيُّ بَيِّنَتَيْنِ وَلَيْلَةٍ فِي قَوْلِهِ، وَتَحْقِيقُ الْبَيِّنَتَيْنِ حُجَّةٌ عَلَيْهِمَا (وَالسَّيْرُ الْمَذْكُورُ هُوَ التَّوَسُّطُ) وَعَنْ أَبِي حَبِيبَةَ

رَحِمَهُ اللَّهُ التَّغْدِيرُ بِالْمَرَجِلِ وَهُوَ قَرِيبٌ مِنَ الْأَوَّلِ وَلَا مُغْتَبَرٌ بِالْقَرَابَةِ هُوَ الْعَصِيبُ (وَلَا يُغْتَبَرُ السَّهْرُ فِي الْمَاءِ) مَعْنَاهُ لَا يُغْتَبَرُ بِهِ السَّهْرُ فِي الْمَاءِ، لَكِنَّا الْمُغْتَبَرُ فِي الْبُحْرِ، لَمَّا يَلْبِثُ بِحَالِهِ كَمَا فِي الْجَبَلِ.

ترجمہ

وہ سفر جس سے احکام تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ کہ انسان تین دن اور اس کی راتوں میں اونٹ کی چال یا قدموں کی چال سے چلنے کا ارادہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مقیم مسح پورا کرے ایک دن اور رات اور مسافر تین دن اور اس کی راتوں میں مسح پورا کرے۔ اور یہ جنس رخصت کو عام ہے۔ اور اس کے لوازمات سے قیاس عام ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فخر کی مدت دو دن اور تیسرے دن کا اکثر شمار کیا ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے ایک قول کے مطابق ایک دن اور ایک رات ہے۔ اور یہ حدیث دونوں کے خلاف دلیل ہے۔ اور چلنے سے مراد درمیانی چال ہے۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مراحل کا اندازہ ہے اور وہی پہلے کے قریب ہے۔ جبکہ فرائخ کے ساتھ اعتبار نہیں کیا جائے گا اور بھی صحیح ہے۔ اور پانی میں چلنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ خشکی کا چلنا پانی میں چلنے پر اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ سمندر میں اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ اپنی حالت میں پہاڑ کی حالت کی طرح ملا ہوا ہے۔

مسافت کے بارے فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روایت کے مطابق ایک روز کی مسافت اور دوسری روایت کے مطابق دو روز کی مسافت کو مقرر کیا ہے لیکن ان کے مسلک کی کتاب حاوی میں سولہ فرائخ کا تعین کیا گیا ہے اور یہی مسلک حضرت امام مالک و حضرت امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ نے مسافت قصر کے سلسلے میں تین منزلیں کی حد مقرر کی ہیں اور ایک منزل اتنی مسافت پر ہو کہ چھوٹے دنوں میں قافلہ صبح کو چل کر دوپہر کے بعد منزل پر پہنچ جائے۔ حضرت امام ابو یوسف دو روز اور تیسرے روز کے اکثر حصہ کی مسافت کو مسافت قصر قرار دیا ہے۔

اصحاب غواہر (دو جماعت جو صرف حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل پیرا ہوتی ہے) نے مطلقاً سفر کا اعتبار کیا ہے یعنی ان کے نزدیک مسافت قصر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے خواہ سفر لمبا ہو یا چھوٹا ہو ہر صورت میں نماز قصر ادا کی جائے گی۔

اس سلسلے میں اگر چاروں ائمہ کے مسلک کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت اور نتیجے کے اعتبار سے سب کا یکساں ہی مسلک ہے کیونکہ حنیفہ کے نزدیک مشہور مسلک کے مطابق مسافت قصر (۴۸) میل مقرر ہے، حاوی قول کے مطابق شوافع کے ہاں سولہ فرائخ مقرر ہے اور سولہ فرائخ حساب کے اعتبار سے (۴۷) میل کے برابر ہے اسی طرح حضرت امام مالک و حضرت امام احمد کا بھی مسلک ہے لہذا چاروں مسلک میں مسافت قصر (۴۸) میل ہوگی۔

میل کی مسافت کا بیان:

میل تین فرسخ کا ہوتا ہے اور ہر فرسخ بارہ ہزار قدموں کا ہوتا ہے۔ اس میں شجاع نے کہا ہے کہ میل تین ہزار پانچ سو گز سے لیکر چار ہزار گزوں کا ہوتا ہے۔ اور میل کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے اس کی وجہ سے حرج لازم آتا ہے۔ جو کہ اٹھایا گیا ہے۔  
(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱، ص ۱۸۵، بیروت)

مسافت قصر کا بیان:

قصر اتنی مسافت کے لیے واجب ہوتا ہے جو متوسط چال سے تین دن سے کم میں طے نہیں ہو سکتی۔ متوسط چال سے مراد آدمی یا اونٹ کی متوسط رفتار ہے تین دن کی مسافت ہے یہ مراد ہے کہ صبح سے دو پہر تک چلے نہ یہ کہ صبح سے شام تک، اسی لیے فقہاء نے موجودہ زمانے میں اس مسافت کا اندازہ اڑتالیس میل کیا ہے گویا اگر کوئی آدمی اڑتالیس میل (تقریباً ۸ کلومیٹر) کی مسافت کے لیے اپنے گھر سے سفر پر نکلے تو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکلتے ہی اس پر قصر واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی مسافت قصر (یعنی ۲۸ میل یا ۸ کلومیٹر) کو کسی تیز سواری مثلاً گھوڑے یا ریل وغیرہ کے ذریعے تین دن سے کم میں طے کرے تب بھی وہ مسافر سمجھا جائے گا اسے بھی قصر نماز پڑھنی چاہیے۔

مدت قصر کا بیان:

مسافر کو اس وقت تک قصر کرنا چاہیے۔ جب تک کہ اپنے وطن اصلی نہ پہنچ جائے یا کسی مقام پر کم سے کم پندرہ دن ٹھہرنے کا قصد نہ کرے بشرطیکہ وہ مقام ٹھہرنے کے لائق ہو اگر کوئی آدمی دریا میں ٹھہرنے کی نیت کرے یا دارالحرب میں یا اسی طرح جنگل میں تو اس نیت کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ ہاں خانہ بدوش لوگ اگر جنگل میں بھی پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں تو یہ نیت صحیح ہو جائے گی اس لیے کہ وہ جنگلوں میں ہی رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔

اگر کوئی آدمی اس مقدار مسافت کو قطع کرنے سے قبل کہ جس کا سفر میں اعتبار کیا گیا ہے کسی مقام پر ٹھہرنے کی یا اپنے وطن لوٹ جانے کی نیت کرے تو وہ یتیم ہو جائے گا۔ اگرچہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو اب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے سفر کے ارادے کو ختم کر دیا ہے۔

مدت اقامت میں فقہاء احناف و شوافع کا فقہی استدلال:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر مدینہ سے مکہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (چار رکعتوں والی نماز کی) دو دور کعتیں پڑھیں یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آئے۔ حضرت انس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ مکہ میں کچھ دن ٹھہرے تھے؟ حضرت انس نے فرمایا کہ (ہاں) ہم لوگ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔ (بخاری صحیح مسلم)

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء صحابہ کا قیام مکہ میں دس دن اس طرح رہا کہ آپ صلی



اللہ علیہ وسلم کہ میں ذی الحجہ کی چار تاریخ کو پہنچے تھے اور ارکان حج وغیرہ سے فراغت کے بعد چودہویں ذی الحجہ کی صبح کو وہاں سے مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت سفر میں کسی جگہ دس دن ٹھہرنے سے کوئی آدمی مقیم نہیں ہوتا اس کے لیے قصر نماز پڑھنی چاہیے جب کہ یہ حدیث بظاہر حضرت امام شافعی کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی آدمی کئی چاروں سے زیادہ ٹھہرے گا تو پھر اس کے لیے قصر جائز نہیں اسے پوری نماز پڑھنی ضروری ہوگی اس کی پوری تفصیل اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کہیں) سفر پر تشریف لے گئے اور وہاں انیس دن قیام فرمایا (دوران قیام) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعتیں نماز پڑھتے رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بھی جب مکہ اور اپنے (یعنی مدینہ) کے درمیان کہیں انیس دن قیام کرتے ہیں تو دو دو رکعتیں نماز پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ (صحیح ابوداؤد)

فہام تسعة عشر یوما کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انیس دن بغیر اقامت کے اس طرح ٹھہرے کہ امر وز فردائیں وہاں سے روانہ ہو جانے کا ارادہ فرماتے رہے مگر بلا قصد و ارادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام وہاں انیس دن ہو گیا۔ مگر اس سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر کوئی آدمی حالت سفر میں کہیں انیس دن ٹھہر چکے تو وہ قصر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ہاں انیس دن بعد اس کے لیے قصر جائز نہیں ہوگا اس مسئلے میں حضرت عبداللہ ابن عباس منفرد ہیں اور کسی کا بھی یہ مسلک نہیں ہے۔

مد اقامت کے سلسلے میں ابتداء باب میں تفصیل کے ساتھ مسئلہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس موقع پر پھر جان لیجئے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی حالت سفر میں کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے بلکہ وہ پوری نماز پڑھے اور اگر کوئی آدمی پندرہ دن یا پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو قصر نماز پڑھے بلکہ اگر وہ اقامت کی نیت نہ کرے اور آج کل میں وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتا رہے اور اس طرح بلا قصد و ارادہ اس کے قیام کا سلسلہ برسوں تک بھی دراز ہو جائے تب بھی وہ قصر نماز پڑھتا رہے، ام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی مسئلہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عبداللہ ابن عمر وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

حضرت ام محمد نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ازربلیجان میں چھ مہینے اس طرح ٹھہرے رہے کہ آج کل میں وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے رہے مگر بلا قصد و ارادہ ان کا قیام اس قدر طویل ہو گیا چنانچہ وہ اس مدت میں برابر قصر نماز پڑھتے رہے اس موقع پر دیگر صحابہ بھی ان کے ہمراہ تھے اسی طرح حضرت انس بھی مروان کے بیٹے عبدالمک کے

ہمراہ شام میں دو مہینے تک بلا قصد ارادہ ٹھہرے رہے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔

اس مسئلے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی جگہ علاوہ دونوں آنے اور جانے کے چار روز سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ مقیم ہو جاتا ہے اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے وہ پوری نماز پڑھے اسی طرح اقامت کی نیت کے بغیر لمبر و فرما میں چلنے کا ارادہ کرتے کرتے بلا قصد و ارادہ اٹھارہ دن سے زیادہ ٹھہر جائے تو تب بھی اس کے لیے قصر جائز نہیں ہوگا وہ پوری نماز پڑھے امام شافعی کی فقہ میں یہی معتد اور صحیح قول ہے۔

مسافر چار رکعتوں والے فرائض میں دو رکعتیں پڑھے گا:

قَالَ ( وَكَرِضُ الْمَسَافِرِ فِي الرُّبَاعِيَةِ وَتَعْنَانِ لَا يُؤِيدُ عَلَيْهِمَا ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ قَرَضَهُ الْأَرْبَعُ وَالْقَصْرُ رُخْصَةٌ اِغْتِيَا زَا بِالصَّوْمِ .

وَلَمَّا أَنَّ الشَّافِعَ النَّبَايَ لَا يَقْضِي وَلَا يُؤَقِّمُ عَلَى تَرْكِهِ ، وَهَذَا آيَةُ النَّافِلَةِ بِعِلَالِ الصَّوْمِ ، لِأَنَّهُ يَقْضِي ( وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَقَعْدَ فِي النَّافِلَةِ قَدَرُ الشَّهْدِ أَجْزَأُ لَهُ الْأَوَّلَانِ عَنِ الْقَرَضِ وَالْأَخْرَجَاتُ لَهُ نَافِلَةٌ ) اِغْتِيَا زَا بِالصَّغِيرِ ، وَيَصِيرُ مُسَيِّئًا لِتَأْخِيرِ السَّلَامِ ( وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ فِي النَّافِلَةِ قَدَرُهَا بَطَلَتْ ) ، لَا يَحْتَاطُ النَّافِلَةُ بِهَا قَبْلَ اِحْتِمَالِ اُرْتِكَابِهَا .

ترجمہ

فرمایا: اور مسافر کی فرض چار میں دو رکعتیں ہیں۔ اور ان دونوں پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ روزے پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا فرض تو چار رکعتیں ہی ہے جبکہ رخصت قصر ہے۔

جبکہ ہمارے نزدیک شفعہ ثانی کی قضاء نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کے ترک سے گناہگار ہوگا۔ اور یہی اس کے نفل ہونے کی علامت ہے بخلاف روزے کے کیونکہ اس کی قضاء کی جاتی ہے۔ اور اگر اس نے چار رکعتیں پڑھیں۔ اور دوسری میں تشہد کی مقدار قعدہ کیا تو پہلی دونوں رکعتیں فرض کیلئے کافی ہوں گی۔ اور دوسری دو اس کے حق میں نفل ہوں گی۔ اسے فجر پر قیاس کیا جائے گا۔ اور تاخیر سلام کی وجہ سے وہ گناہگار ہوگا۔ اور اگر وہ دوسری تشہد کی مقدار قعدہ بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ فرض کے ارکان پورے ہونے سے پہلے ہی نفل اس میں مل گئے۔

شرح

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانه نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضرت میں چار رکعتیں فرض کی ہیں۔ اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔ (صحیح مسلم)

وفی السفر وبعین احناف کے مسلک کی صریح دلیل ہے کہ سفر کی حالت میں دو ہی رکعتیں پڑھی جائیں پوری نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

حالت سفر میں پوری نماز پڑھنے سے متعلق فقہ شافعی اور اس کی دلیل و حجاب:

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ جِفْتُمْ أَنْ يُفَتِّتَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا  
إِنَّ الْكَافِرِينَ كَذِبُوا أَلْسِنًا (النساء ۱۰۱)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی وضاحت میں فقہاء شوافع نے یہ دلیل اخذ کی ہے۔ کہ تم پر کوئی حرج نہیں کا معنی یہ ہے کہ قصر تمہارے لئے رخصت ہے۔ اگر تم عزیمت پر عمل کرتے ہوئے پوری نماز پڑھو تو اس میں بھی تمہارے لئے کوئی حرج نہیں۔ جبکہ فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ قصر کی رخصت یہ شارع کی طرف سے صدقہ جسے قبول کرنا چاہیے اور اس کو قبول نہ کرنا چاہز نہیں۔

یعنی ابن امیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم تو اس میں ہیں پھر ہم کیوں قصر کرتے ہیں فرمایا اس کا مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے تم اس کا صدقہ قبول کرو۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں ”فأقبلوا“ امر کا صیغہ ہے جو وجوب کا قاعدہ دیتا ہے۔ لہذا قصر کرنے کا وجوب ثابت ہو جائے گا جیسا کہ فقہاء احناف کا موقف ہے۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں چار رکعت والی نماز کو پورا پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ جو چیزیں قابل تسلیم نہیں ہیں ان کا صدقہ استقامت محض ہے نہ کمال اقبال نہیں رکھتا۔ آیت کے نزول کے وقت سفر اندیشہ سے خالی نہ ہوتے تھے اس لئے آیت میں اس کا ذکر بیان حالی ہے شرط قصر نہیں حضرت عبداللہ بن عمر کی قراءت بھی دلیل ہے جس میں ”إِنْ جِفْتُمْ“ ”بغیر“ ”إِنْ جِفْتُمْ“ کے ہے صحابہ کا بھی یہی عمل تھا کہ ان کے سفروں میں بھی قصر فرماتے جیسا کہ اوپر کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور احادیث سے بھی یہ ثابت ہے اور پوری چار پڑھنے میں اللہ تعالیٰ کی صدقہ کا ذکر کرنا لازم آتا ہے لہذا قصر ضروری ہے۔

مسئلہ: جس سفر میں قصر کیا جاتا ہے اس کی اوئی مدت تین رات دن کی مسافت ہے جو اونٹ یا پیادل کی متوسط رفتار سے طے کی جاتی ہو اور اس کی مقدار میں خشکی اور دریا اور پہاڑوں میں مختلف ہو جاتی ہیں جو مسافت متوسطہ رفتار سے چلنے والے تین روز میں طے کرتے ہوں اور اس کے سفر میں قصر ہوگا۔

مسئلہ: مسافر کی جلدی اور دریا کا اعتبار نہیں خواہ وہ تین روز کی مسافت تین گھنٹہ میں طے کرے جب بھی قصر ہوگا اور اگر ایک

روز کی مسافت تین روز سے زیادہ میں طے کرے تو قصر نہ ہوگا غرض اعتبار مسافت کا ہے۔ (خزان العرفان)  
فقہاء شوافع کی دوسری دلیل اور اس کا جواب:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سفر کی حالت میں) کم رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور پوری بھی پڑھی ہیں۔ (شرح السنہ)  
چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مکمل اسی حدیث پر ہے وہ فرماتے ہیں کہ سفر میں قصر کرنا بھی جائز ہے اور پوری نماز پڑھنا بھی جائز ہے جب کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک سفر میں پوری نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی آدمی قصر نہیں کرے گا بلکہ پوری نماز پڑھے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔

یہ حدیث اگرچہ امام شافعی کی دلیل ہے لیکن اہل نظر کا کہنا ہے کہ اس حدیث کے سلسلہ روایت میں ابراہیم بن یحییٰ کا نام بھی آتا ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف قرار دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب سفر السعاده فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرتبہ صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے اور سفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے اور دارقطنی اور بیہقی وغیرہ نے جو روایت نقل کی ہے جس سے حالت سفر میں اتمام اور قصر دونوں کا جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ دارقطنی نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا تعلق حکم اول سے ہوگا یعنی ابتداء میں تو اتمام اور قصر دونوں جائز تھے۔ مگر بعد میں قصر ہی کو ضروری قرار دیدیا گیا۔

یہاں حضرت عائشہ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حدیث کے پہلے جزء کا تعلق تو ان نمازوں سے ہے جن میں قصر کیا جاتا ہے مثلاً چار رکعتوں والی نماز اور دوسرے جزء کا تعلق ان نمازوں سے ہے جن میں قصر ہوتا ہی نہیں جیسے تین یا دو رکعتوں والی نماز یعنی چار رکعتوں والی نماز میں تو قصر کرتے تھے اور تین و دو رکعتوں والی نماز کو پورا کر کے پڑھتے تھے اسی مفہوم کو مراد لینے سے ظاہری معنی و مفہوم سے زیادہ دور جانا نہیں پڑتا کیونکہ قصر و اتمام دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مفہوم ہو جاتے ہیں اور یہ توجہ بہت مناسب اور قریب از حقیقت ہے۔

قصر صرف چار رکعتوں والی نمازوں ہی میں جائز ہے:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ظہر کی دو رکعتیں اور اس کے بعد (یعنی سنت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غریں بھی نماز پڑھی ہے اور شہر (یعنی حضر) میں بھی، چنانچہ میں نے شہر میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد (سنت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں سفر و شہر میں کوئی (زیادتی) نہیں کرتے تھے اور مغرب ہی کی نماز دن کے وتر (کہلاتے) ہیں اور اس کے بعد (سنت کی) دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوئی کہ سفر کی حالت میں قصر ان ہی نمازوں میں جائز ہے جو چار رکعتوں والی ہیں جیسے ظہر، عصر اور عشاء جو نماز چار رکعت والی نہیں ہیں جیسے مغرب اور فجر ان میں قصر جائز نہیں ہے۔ یہ نمازیں جس طرح حضر میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح انہیں سفر میں پڑھنا چاہیے۔

وہی وتر السہار کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نماز وتر رات کے وتر ہیں اسی طرح مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں گویا اس قول سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ وتر کی نماز ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں۔

ابن ملک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سنت مذکورہ حضر کی طرح سفر میں پڑھنی چاہیے۔ مگر حنفیہ کے ہاں معتد اور صحیح قول یہ ہے کہ جب مسافر کسی جگہ منزل کرے تو وہاں سنتیں پڑھ لے مگر راستے میں پھوڑ دے نہ پڑھے۔

حالات سفر میں سنن ووافل پڑھنے کا حکم:

حضرت خضص بن عاصم بن عمر فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد محترم نے حدیث سنائی فرمایا کہ سفر میں ابن عمر کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہم ان کے ساتھ واپس ہوئے اور وہ بھی واپس ہو گئے۔ فرمایا کہ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا نفل پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا اگر میں نے نفل پڑھنی ہوتے تو فرض نماز کو بھی پورا کر لیتا۔ اے میرے بھتیجے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا۔ آپ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ کچھ نہ پڑھا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ پھر میں ابوبکر کے ساتھ بھی رہا۔ آپ نے بھی دو رکعت سے زیادہ کچھ نہ پڑھا۔ پھر میں عمر کے ساتھ بھی رہا آپ نے بھی دو رکعت سے زیادہ کچھ نہ پڑھا۔ میں عثمان کے ساتھ رہا۔ آپ نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں حضرات کو اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بہترین نمونہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

نماز قصر کی اہتمام کرنے کا بیان:

(وَإِذَا لَارِقَ الْمَسَافِرُ يَوْتَ الْعِصْرِ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ) ؛ لِأَنَّ الْإِقَامَةَ تَتَعَلَّقُ بِدُخُولِهَا فَيَتَعَلَّقُ السَّفَرُ بِالْخُرُوجِ عَنْهَا .

وَلِيهِ الْأَثَرُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْبُخْصَ لَقَصَرْنَا (وَلَا يَزَالُ عَلَى حُكْمِ السَّفَرِ حَتَّى يَنْبُوَ الْإِقَامَةُ فِي بَلَدٍ أَوْ قَرْيَةٍ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا أَوْ أَكْثَرَ ، وَإِنْ لَوِيَ أَقْلٌ مِنْ ذَلِكَ قَصَرَ) ؛ لِأَنَّهُ لَا

بَلَدٌ مِنْ اَعْيَانٍ مُكَدِّرٍ لَّانَ السَّفَرِ بِجَمِيعِهِ اللَّهُتَ لَقَدْ كُنَّا هَا بِمَلَكَةِ الطُّهْرِ لَا نُكَلِّمُا مُكَلِّمَانِ مُوجِبَتَانِ ، وَهُوَ مَا لَوْ  
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عَمْرٍ وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، وَالْأَثَرُ فِي مَقِيلِهِ كَالْخَبَرِ ، وَالتَّقْيِيدُ بِالْبَلَدَةِ وَالْفَرِيقَةُ بِبُشَيْرٍ إِلَى  
أَنَّهُ لَا تَصِحُّ رَيْبَةُ الْإِقَامَةِ فِي الْمَقَارَةِ وَهُوَ الظَّاهِرُ

ترجمہ

اور مسافر شہر کے گھروں سے جدا ہو تو وہ دور کتیس پڑھے گا۔ کیونکہ حکم اقامت گھروں میں دخول کے ساتھ متعلق ہے۔ لہذا  
سفران سے خروج کے متعلق ہوگا۔ اور کی دلیل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے کہ اگر ہم ان جھوپڑیوں سے آگے  
بڑھے تو ہم قہر کریں گے۔

اور جب وہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ دنوں کے قیام کی نیت نہیں کرے گا اس وقت تک حکم سفر اس  
سے زائل نہ ہوگا۔ اور اگر اس کے کم کی نیت کی تو وہ قہر کرے۔ کیونکہ قیام میں مدت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ سفر کے اندر بھی  
ظہرنا ہوتا ہے۔ لہذا ہم نے مدت اقامت کو مدت طہر پر قیاس کر لیا۔ کیونکہ دونوں مدتیں حکم کو واجب کرنے والی ہیں۔ اور یہی  
حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ماثور ہے۔ اور اس باب میں صحابی کا قول حدیث کی طرح  
ہوتا ہے۔ شہر اور گاؤں کی قید سے اس بات کو طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جنگل میں اقامت کی نیت کرنا درست نہیں۔ یہی  
طہر ہے۔

فتاے شہر کی تعریف:

جو جگہ خوشہ نہ ہو اس میں صحت جمعہ کیلئے فتاے مصر ہونا ضرور ہے فتاے مصر حوالی شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصالح  
شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عید گاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظت شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اُس کی  
جمعہ دینی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچھریاں، اگرچہ مواضع شہر سے کتنے ہی سہل ہوں اگرچہ بیچ میں کچھ کھیت حاصل  
ہوں، اور جو نہ شہر ہے نہ فتاے شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرض ظہر و مسے سے ساقط نہ ہوگا۔  
علامہ علاء الدین ہکلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

صحت جمعہ کے لئے شہر یا فتاے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور فتاے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے  
لئے ہو بخود متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان ہو۔

(در مختار، باب الجمع، مطبوعہ مطبعہ حیدرآباد دہلی)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے سال پندرہ شب تک قیام فرمایا (اور  
اس دوران) نماز قہر پڑھتے رہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انیس روز تک قیام فرمایا دو در کعتیں پڑھتے رہے اور ہم بھی جب انیس دن تک قیام کریں تو دو در کعتیں پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ قیام کریں تو چار کعتیں پڑھتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

شہر میں دخول و خروج سے مسافت کا بیان:

(وَلَوْ دَخَلَ مِصْرًا عَلَى عَزْمٍ أَنْ يَخْرُجَ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ وَلَمْ يَبْهُ مُلَّةَ الْإِقَامَةِ حَتَّى يَبْعَى عَلَى ذَلِكَ مِيزِينَ قَصْرًا) لِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَقَامَ بِأَذْرِ بَجَانِ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَكَانَ يَقْصُرُ. وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَوَوْا أَنَّ اللَّهَ عَنْهُمْ مِثْلَ ذَلِكَ.

(وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ أَرْضَ الْحَرْبِ لَسَوْوَا الْإِقَامَةَ بِهَا قَصْرًا وَكَذَا إِذَا حَاصَرُوا لَهَا مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا) لِأَنَّ الدَّخَلَ بَيْنَ أَنْ يَهْزِمَ لَيْسَ وَأَنْ يَنْهَزِمَ لَيْسَ فَلَمْ تَكُنْ ذَا إِقَامَةٍ (وَكَذَا إِذَا حَاصَرُوا أَهْلَ الْبُعْثَى فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فِي غَيْرِ مِصْرٍ أَوْ حَاصَرُوهُمْ فِي الْبَحْرِ) لِأَنَّ حَالَهُمْ مُبْطِلٌ عَنْ مَقَرِّهِمْ، وَهَذَا زُفَرٌ وَرَحِمَةُ اللَّهِ: يَصِحُّ فِي الْأَوْجُهَيْنِ إِذَا كَانَ الشُّكُّ لَهُمْ لِلتَّحْكُمِ مِنَ الْقَرَارِ ظَاهِرًا. وَهَذَا أَبِي يُوسُفَ وَرَحِمَةُ اللَّهِ يَصِحُّ إِذَا تَحَالَوُا إِلَى بُيُوتِ الْمَدِينَةِ لِأَنَّهُ مُوجِبُ الْإِقَامَةِ.

ترجمہ:

اگر کوئی شخص شہر میں اس نیت کے ساتھ داخل ہوا کہ وہ ایک دو دن کے بعد چلا جائے گا۔ اور اس نے اقامت کی نیت کی حتیٰ کہ وہ کئی سال وہاں ٹھہر گیا۔ تو وہ قصر کرے گا کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آذربجان میں چھ ماہ قیام کیا اور آپ قصر کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی اسی طرح روایت بیان کی گئی ہے۔

اور اگر کوئی لشکر کفار کے ملک میں داخل ہوا اور انہوں نے اقامت کی نیت بھی کی تب وہ قصر کریں گے۔ اور اسی طرح جب انہوں نے دار الحرب میں کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کیا۔ کیونکہ داخل ہونے والا لشکر اس خیال میں ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ وہ شکست کھا کر بھاگ جائے اور دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ شکست دیکر قیام پزیر ہو جائے۔ کیونکہ یہ دارالاقامت نہیں ہے۔

اور اسی طرح جب انہوں نے دارالاسلام میں اہل بیعت کا غیر شہر میں محاصرہ کیا یا انہوں نے سمندر میں محاصرہ کیا۔ کیونکہ ان کی حالت ان کی عزیمت کو باطل کرنے والی ہے۔ اور امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ کیونکہ ظاہری طور ان کو طاقت دلاتا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک تب ٹھیک ہے جب وہ مٹی کے گھروں میں قیام کریں کیونکہ وہی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

بغیر نیت اقامت کی ماہِ ظہر نے کی صورت میں حکمِ قصر میں مذہبِ فقہاء:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی حالتِ سفر میں کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے بلکہ وہ پوری نماز پڑھے اور اگر کوئی آدمی پندرہ دن یا پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو قصر نماز پڑھے بلکہ اگر وہ اقامت کی نیت نہ کرے اور آج کل میں وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتا رہے اور اس طرح بلا قصد ارادہ اس کے قیام کا سلسلہ برسوں تک بھی دوڑا ہو جائے تب بھی وہ قصر نماز پڑھتا رہے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہی مسئلہ طیل القدر صحابہ ثلاثہ حضرت عبداللہ ابن عمر وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

حضرت امام محمد نے کتاب الاثار میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ازربا یحیٰان میں چھ مہینے اس طرح ٹھہرے رہے کہ آج کل میں وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے رہے مگر بلا قصد ارادہ ان کا قیام اس قدر طویل ہو گیا چنانچہ وہ اس مدت میں برابر قصر نماز پڑھتے رہے اس موقع پر دیگر صحابہ بھی ان کے ہمراہ تھے اسی طرح حضرت انس بھی مروان کے بیٹے عبدالملک کے ہمراہ شام میں دو مہینے تک بلا قصد ارادہ ٹھہرے رہے اور وہاں دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔

اس مسئلے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی جگہ علاوہ دو دن آنے اور جانے کے چار روز سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ مقیم ہو جاتا ہے اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے وہ پوری نماز پڑھے اسی طرح اقامت کی نیت کے بغیر امروز و فردا میں چلنے کا ارادہ کرتے کرتے بلا قصد ارادہ اشارہ دن سے زیادہ ٹھہر جائے تب بھی اس کے لیے قصر جائز نہیں ہو گا وہ پوری نماز پڑھے امام شافعی کی فقہ میں یہی مستند اور صحیح قول ہے۔

خیمہ بردار لوگوں کی نیت کا اعتبار:

(وَكَيْفَ الْإِسْلَامِيَّةُ مِنْ أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْأَنْعَامِ، قِيلَ لَا تَصِيحُ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُمْ مُقِيمُونَ) مُرَوًى  
فَإِنَّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْإِسْلَامِيَّةَ أَهْلٌ فَلَا تَبْطَلُ بِالْإِنْقِطَاعِ مِنْ مَوْعِي إِلَى مَوْعِي

ترجمہ:

اور گھاس والے خیمہ بردار لوگوں کی نیت اقامت صحیح نہیں ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ مقیم ہیں۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ اقامت اصل ہے لہذا وہ ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف انتقال سے باطل نہ ہو گی۔

شرح:

جھوپڑیوں میں رہنے والوں کا یہ انداز سفر شرعی کی طرح معتبر ہو کر احکام میں مؤثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں وہ تکالیف جو علتِ رخصت بنتی ہیں وہ نہیں ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں اقامت پائی جاتی ہے۔



مسافر مقیم کی اقتداء میں پوری نماز پڑھے گا:

(وَإِنْ أَمَدَى الْمَسَافِرُ بِالْمُقِيمِ فِي الْوَقْتِ أَمَّ أَرْبَعًا ، لِأَنَّهُ يَتَغَيَّرُ قَرَضُهُ إِلَى أَرْبَعٍ لِلتَّغْيِيرِ كَمَا يَتَغَيَّرُ بَيْنَةُ الْإِقَامَةِ لِاتِّصَالِ الْمُغَيَّرِ بِالسَّبَبِ وَهُوَ الْوَقْتُ (وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ فِي فَلَانِيَةٍ لَمْ تُجْزِهِ) ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَغَيَّرُ بَعْدَ الْوَقْتِ لِانْقِضَاءِ السَّبَبِ ، كَمَا لَا يَتَغَيَّرُ بَيْنَةُ الْإِقَامَةِ لِيَكُونَ الْإِقْدَاءُ الْمُغْتَرِضِ بِالْمُقْتَدِلِ فِي حَقِّ الْقَعْدَةِ أَوْ الْفِرَاءَةِ .

ترجمہ:

اور اگر مسافر نے مقیم کی اقتداء کی تو چار رکعات مکمل پڑھے۔ کیونکہ اجاب کی وجہ سے اس فرض چار میں تبدیل ہو گیا۔ جس طرح وہ نیت اقامت کی وجہ سے تبدیل ہو جاتا ہے۔ لہذا اتصال سبب یعنی وقت کی وجہ سے ہوا ہے۔ اور اگر وہ اس کے ساتھ کسی فاسد میں داخل ہوا تو چار نہیں۔ کیونکہ وقت کے بعد اس میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا سبب ختم ہو گیا۔ جس طرح (فاسد نماز) نیت اقامت کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوتی۔ لہذا فرض پڑھنے والے کی اقتداء ایسے شخص کے پیچھے ہوگی جس کے حق میں قعدہ یا قرأت نفل ہے۔

شرح:

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام کی اجاب قوی ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مقتدی نیت میں امام کے تابع ہوتا ہے۔

جب مسافر اقامت والوں کا امام ہو:

(وَإِنْ صَلَّى الْمَسَافِرُ بِالْمُقِيمِينَ وَتَحْتَجَّيْنِ سَلَّمَ وَأَمَّ الْمُقِيمُونَ صَلَاتَهُمْ لِأَنَّ الْمُقْتَدِيَ الْقَوْمِ الْمَوَاقِفَ فِي الرَّحْمَتَيْنِ يَتَفَرَّدُ فِي الْبَابِ كَالْمَسْبُوقِ ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَقْرَأُ فِي الْأَصَحِّ ؛ لِأَنَّهُ مُقْتَدٍ تَحْرِيمًا لَا فِعْلًا وَالْقَرَضُ صَارَ مُؤَدًى فَيُتْرَكُهَا اخْتِيَاظًا ، بِخِلَافِ الْمَسْبُوقِ ؛ لِأَنَّهُ أَذْرَكَ قِرَاءَةً فَالْقَوْمُ فَلَمْ يَتَذَكَّرُوا الْقَرَضَ لَكَانَ الْإِتِّبَانُ أَوْلَى ، قَالَ ﴿ وَنُتَحَبُّ لِلْإِتِّبَانِ إِذَا سَلَّمَ أَنْ يَقُولَ : ائْتَمُوا صَلَاتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفَرٌ ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَهُ حِينَ صَلَّى بِأَهْلِ مَكَّةَ وَهُوَ مُسَافِرٌ .

ترجمہ:

اور اگر مسافر مقیموں کو نماز پڑھائے تو وہ دو رکعات پر سلام پھیرے اور مقیم اپنی نماز کو پورا کریں کیونکہ مقتدی کا التزام موافقت میں صرف دو رکعتوں میں ہے۔ پس باقی میں مسبوق کی طرح منفرد ہوگا۔ لیکن قول صحیح کے مطابق جب وہ قرأت نہ کرے۔ اس لئے کہ وہ مقتدی تحریر کے اعتبار سے ہے اور نفل کے اعتبار سے نہیں ہے۔ اور فرض ادا کر چکا ہے۔ لہذا احتیاطاً قرأت کو چھوڑ دے بخلاف مسبوق کے کیونکہ وہ ابھی تک نفل قرأت پانے والا ہے اور اس نے فرض قرأت ادا نہیں کی۔ لہذا

اس کا قرأت کرنا افضل ہے۔

اور امام کیلئے مستحب یہ ہے کہ وہ سلام پھیرے تو یوں کہے ”اَتَمُّوْا صَلَاتُكُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفُوْرٌ“ تم اپنی نماز کو پورا کرو، ہم تو قوم مسافر ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حالت سفر میں اہل مکہ کو نماز پڑھائی تھی تو آپ ﷺ نے ایسے ہی کہا تھا۔ مسافر کا مقیم کی افتاء میں نماز مکمل پڑھنے کا سبب:

مسافر بھی مقیم کی افتاء کو رکھتا ہے مگر وقت کے اندر، وقت کے بعد نہیں۔ اس لیے کہ مسافر جب مقیم کی افتاء کرے گا تو امام کی اتباع میں چار رکعت یہ بھی پڑھے گا اور امام کا قعدہ اولیٰ نفل ہوگا اور اس کا فرض، امام کی تحریر قعدہ اولیٰ کے نفل ہونے کے ساتھ ہوگی اور مسافر مقتدی کی اس کی فرضیت کے ساتھ پس فرض نماز پڑھنے والے کی افتاء نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے ہوئی اور یہ درست نہیں۔

شہر میں داخل ہو گیا تو پوری نماز پڑھے گا:

(وَإِذَا دَخَلَ الْمَسَافِرُ فِي مَضَرِّهِ أَمَّهُ الصَّلَاةُ وَإِنْ لَمْ يَتَوَّ الْمَقَامَ فِيهِ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كَانُوا يُسَافِرُونَ وَيَتَوَدُّونَ إِلَى أَوْطَانِهِمْ مُقِيمِينَ مِنْ غَيْرِ عَزْمٍ جَدِيدٍ .  
(وَمَنْ كَانَ لَهُ وَكَانَ لَمَّا تَقَرَّرَ عَنْهُ وَاسْتَوْدَعَ غَيْرَهُ ثُمَّ سَافَرَ وَدَخَلَ وَكَانَ الْأَوَّلَ قَصْرًا) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَقَرَّرْ وَكَانَ لَهُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَعْدَ الْهَجْرَةِ عَدَّ نَفْسَهُ بِمَحَلَّةٍ مِنَ الْمَسَافِرِينَ ؛ وَهَذَا لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ الْوُطْنَ الْأَصْلِيَّ يَتَطَّلُ بِمَنْزِلِهِ ذَوْنُ السَّفَرِ ، وَوُطْنُ الْإِقَامَةِ يَتَطَّلُ بِمَنْزِلِهِ وَبِالْأَصْلِيِّ تَرْتَجِمُ:

اور جب کوئی مسافر شہر میں داخل ہو گیا تو وہ پوری نماز پڑھے اگرچہ اس نے اس میں اقامت کی نیت نہ کی ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر کیا اور اپنے وطن کی طرف واپس آتے ہی بغیر کسی عزمے اور ارادے کے مقیم ہو جاتے۔

اور جس بندے کا کوئی وطن تھا پھر وہ اس وطن سے منتقل ہو گیا اور اس کے سوا کسی اور جگہ کو وطن نہ پایا اور پھر سفر کرتے ہوئے پہلے وطن میں داخل ہو گیا۔ تو وہ قصر نماز پڑھے گا۔ کیونکہ اب وہ اس کا وطن نہیں رہا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد مکہ المکرمہ میں اپنے آپ کو مسافر شمار کیا اور یہ قاعدہ ہے کہ وطن اصلی اپنی شمل وطن سے باطل ہو جاتا ہے۔ جبکہ سفر سے پائل نہیں ہوتا اور وطن اقامت بھی اپنی شمل وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے۔ اور سفر اور وطن اصلی سے بھی باطل ہو جاتا ہے۔

وطن اصلی کے ابطال کا بیان:

وطن اصلی اپنے جیسے قوی وطن سے باطل ہو جاتا ہے اس قوت میں اعتبار شرعی حکم کا ہے جسے صاحب ہدایہ نے بیان کر دیا ہے  
حالات سفر میں سواری پر نماز ادا کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو رات کی نماز علاوہ  
فرض نماز کے اپنی سواری پر اشارے سے پڑھتے اور سواری کا منہ جس سمت ہوتا اسی سمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی منہ ہوتا نیز  
نماز وتر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری ہی پر پڑھ لیتے تھے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

خَبْتُ نَوَ جَهْتُ بِہ کا مطلب یہ ہے کہ کہ جدھر سواری کا منہ ہوتا (ادھر ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی منہ کئے ہوئے  
نماز پڑھتے رہتے تھے لیکن بکیر تحریر کے وقت اپنا روئے مبارک بہر صورت قبلہ ہی کی طرف رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہو گا اشارے سے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اور ہجدہ اشارہ سے کرتے تھے نیز  
یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجدہ کا جو اشارہ کرتے وہ رکوع کے اشارے سے پست ہوتا تھا۔

اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں اول تو یہ کہ سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز ہے لیکن فرض نہیں اس حدیث میں اگرچہ  
رات کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسری روایتوں میں عام نفل نمازوں کا ذکر موجود ہے لہذا یہ حکم سنت موکدہ اور اس کے علاوہ  
دیگر سنن و اوافل نمازوں کو بھی شامل ہے۔

مگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ فجر کی سنتوں کے لیے سواری سے اتر چنا  
مستحب ہے بلکہ ایک دوسری روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کو سواری سے اتر کر پڑھنا واجب ہے۔ اسی لیے اس  
نماز کو بغیر کسی عذر کے بیٹھے بیٹھے پڑھنا جائز نہیں ہے فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن مندبہ ذیل اہل اہل کی صورت  
میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھ لینا جائز ہے۔

(۱) کوئی آدمی جنگل میں ہو اور اپنے مال یا اپنی جان کی ہلاکت کا خوف غالب ہو مثلاً یہ ڈر ہو کہ اگر سواری سے اتر کر نماز  
پڑھنے لگوں گا تو کوئی چور یا زہرزن مال و اسباب لے کر چلا جائے گا یا کوئی درندہ نقصان پہنچائے گا یا قافلے سے بچھڑ جاؤں گا یا  
راستہ بھول جاؤں (۲) سواری میں کوئی ایسا سرکش جانور ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس پر اترنے کے بعد پھر چڑھنا ممکن نہ ہو۔  
(۳) نماز پڑھنے والا اتنا ضعیف اور بوڑھا ہو کہ خود نہ تو سواری سے اتر سکا ہو اور سواری پر چڑھنے پر قادر نہ ہو کوئی ایسا آدمی  
پاس موجود ہو جو سواری سے اتار سکے اور اس پر چڑھ سکے۔ (۴) زمین پر اتنا کچھ ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہے۔ (۵) یا  
بارش کا عذر ہو۔

بہر حال ان صورتوں میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ اہل اہل اور ضرورتیں شرعی و قواعد قوانین سے مستثنی  
ہوتی ہیں۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کا تعلق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز بھی سواری پر پڑھ لیتے تھے تو اس کے بارے میں امام غماوی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نماز وتر کے حکم کی تاکید کے پیش نظر اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے سواری پر وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر جب لوگوں کے ذہن میں اس نماز کی تاکید و اہمیت بیٹھ گئی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اتنی تاکید فرمادی کہ اس کے چھوڑنے کو رد انہیں رکھا تو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز بھی سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے حضرت امام محمد نے اپنی کتاب مؤطا میں صحابہ و تابعین کے ایسے بہت آثار نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات وتر کی نماز پڑھنے کے لیے اپنی سواریوں سے اتر جاتے تھے۔

علامہ ششی فرماتے ہیں کہ نماز فرض کی طرح جنازہ کی نماز، صنت مانی ہوئی نماز نذر اور وہ جہدہ تلاوت کہ جس آیت جہدہ کی تلاوت زمین پر کی گئی سواری پر جائز نہیں ہے۔

حدیث سے دوسرا مسلکہ یہ مستحب ہوتا ہے کہ سواری پر نماز پڑھنا سفر کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ ائمہ جمہور کا یہی مسلک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ و حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا محقق اور صحیح مسلک یہ ہے کہ سواری پر نماز کا جواز نماز کے شہر سے باہر ہونے کے ساتھ مشروط ہے خواہ مسافر ہو یا نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی مسافر بھی شہر کے اندر ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے اگرچہ مکہ و ان کے نزدیک بھی ہے حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مسافر شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ شہر سے کتنے فاصلے پر ہونے کی صورت میں سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک کم سے کم دو فرسخ (چھ میل) شہر سے باہر ہونا ضروری ہے بعض حضرات نے تین فرسخ اور بعض حضرات نے ایک کوں متعین کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ شہر و آبادی کے مکانات سے باہر ہوتے ہی سواری پر نماز نفل پڑھنا جائز ہے جیسا کہ قصر نماز کے جواز کے سلسلے میں قاعدہ ہے۔

مسافر کی دو شرطوں میں نیت کر کے کامیاب:

(وَإِذَا نَوَى الْمَسَافِرُ أَنْ يُقِيمَ بِمَكَانٍ وَعِنَى خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَمْ يُمْ الصَّلَاةَ) : لَا أَنْ غَيَّرَ النِّيَّةَ لِي مَوْضِعَيْنِ يَفْتَضِلُّ اغْتِيَابَ كَهَا لِي مَوَاجِعَ ، وَهُوَ مُتَعَبٌ ، وَلَا أَنْ السَّفَرَ لَا يَمُرُّ عَنْهُ إِلَّا إِذَا نَوَى الْمَسَافِرُ أَنْ يُقِيمَ بِاللَّيْلِ لِي أَحْلِيهِمَا فَيَقِيمُ مَقِيمًا يَدْخُلُهُ فِيهِ ، لِأَنَّ إِقَامَةَ الْمَوْعِدِ مَضَالَةَ إِلَى مَقِيلِهِ .

ترجمہ:

اور جب مسافر کہ اور مٹی میں اقامت کی چندہ دن کی نیت کرے تو وہ پوری نماز پڑھے کیونکہ دونوں جگہوں میں نیت

کے اعتبار کا تقاضا یہ ہے کہ چند مقامات میں نیت معتبر ہو اور وہ ممتنع ہے۔ کیونکہ سفر اس سے خالی نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ ان دونوں میں سے کسی ایک میں رات کے قیام کی نیت کرے تو اس مقام میں داخل ہونے کے ساتھ ہی مقیم ہو جائے گا۔ کیونکہ آدمی کا مقیم ہونا اس کی رات گزارنے کے مقام کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

شرح:

اختلاف مقامات کی وجہ سے نیت مسافر غیر معتبر ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک محتسب ہوتی ہے اور اصول شرعی ہے کہ جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

حالت سفر میں حکم قضاء مکمل پڑھی جائے گی:

(وَمَنْ قَاتَنُ صَلَاةٍ فِي السَّفَرِ لِقَضَائِهَا فِي الْحَضَرِ رُكْعَتَيْنِ، وَمَنْ قَاتَنُ فِي الْحَضَرِ لِقَضَائِهَا فِي السَّفَرِ أَرْبَعًا) لِأَنَّ الْقَضَاءَ بِحَسَبِ الْأَذَا، وَالْمُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ آخِرُ الْوَلْتِ، لِأَنَّ الْمُعْتَبَرُ فِي السَّيْرِ عِنْدَ عِلْمِ الْأَذَا فِي الْوَلْتِ.

ترجمہ:

اور جس بندے کی سفر میں نماز قضاء ہوئی تو شہر میں دو رکعتوں کی قضاء کرے۔ اور جس کی نماز حضر میں قضاء ہوئی تو وہ حالت سفر میں چار رکعتیں پڑھے۔ کیونکہ قضاء بحسب ادا ہے۔ اور اس میں آخری وقت کا اعتبار ہے۔ اور اعتبار اسی لئے ہے کہ اس نے اس کو وقت کے اندر ادا نہیں کیا۔

شرح:

اس مسئلہ دلیل واضح ہے کہ جو نماز جس طرح قضاء ہوئی ہے اس کو اسی طرح پڑھا جائے گا۔ جیسا نذر کے روزوں کو پورا کرنے کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

سفر رخصت شرعیہ میں عموم کا بیان:

(وَالْعَاصِي وَالْمُطِيعُ فِي سَفَرِهِمَا فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَسْفَرُ الْمُعْصِيَةُ لَا يُفِيدُ الرُّخْصَةَ؛ لِأَنَّهَا تَبَيَّنَتْ تَخْفِيفًا فَلَا تَتَعَلَّقُ بِمَا يُوجِبُ التَّغْلِيطَ، وَلَنَا إِطْلَاقُ النُّصُوصِ، وَلِأَنَّ نَفْسَ السَّفَرِ لَيْسَ بِمُعْصِيَةٍ، وَإِنَّمَا الْمُعْصِيَةُ مَا يَكُونُ بَعْدَهُ أَوْ يُجَاوِزُهُ لَصَلَحَ مُتَعَلِّقُ الرُّخْصَةِ.

ترجمہ:

اور سفر کی رخصت میں عاصی اور مطیع دونوں برابر ہیں۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: سفر معصیت رخصت کا فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ رخصت آسانی کیلئے ثابت ہوئی ہے لہذا یہ تخفیف اس چیز سے متعلق نہ ہوگی جو تغلیط کو واجب کرنے والی ہے

اور ہمارے نزدیک نصوص کے مطلق ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ نفس سفر تو معصیت نہیں ہے۔ جبکہ معصیت سفر کے بعد پیدا ہو گی یا اس کے ساتھ ہوگی لہذا وہ سفر رخصت سے متعلق ہوگا۔

سفر طاعت و معصیت میں فقہ شافعی و حنفی کے اختلاف کا بیان:

علاء ابن محمود الباری طحیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ سفر کی تین اقسام ہیں۔

(۱) سفر طاعت، جس طرح حج کرنے کیلئے سفر کرنا ہے۔

(۲) سفر باحت، جس طرح تجارت کا سفر ہے۔

(۳) سفر معصیت، جس طرح ڈاکوؤں کا سفر کرنا، غلام سے آقا سے بھاگنے کا سفر اور کسی عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا ہے۔

پہلے دو سفروں کیلئے علی الاطلاق اجازت ہے۔ جبکہ تیسرے سفر میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ رخصت سفر احکام میں تخفیف کیلئے ثابت ہوئی ہے۔ اور جب کوئی شخص معصیت کا سفر کرے گا تو اس کی وجہ سے اس پر شریعت کی طرف سے سختی کا حکم ہوگا۔ اور تخفیف میں حکم کی اضافت ایسے وصف کی جانب ہے جس کا تقاضہ احکام میں سہولت ہے نہ کہ فساد ہے اور سفر معصیت فساد ہے۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم سفر میں وارد ہونے والی نص مطلق ہے جو اپنے اطلاق پر جاری رہے گی۔

”وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) (فَرَضَ الْمُسَافِرُ رُكْعَتَيْنِ بِوَقْتِنِ) مَسْجِدِ الْمَقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيْلَاتِهَا“

ان میں ہے ہر ایک حکم اطلاق پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ آپ اصول کی کتب میں پہچان چکے ہیں۔ اور اگر آپ اس حکم پر یہ زیادتی کریں کہ وہ سفر مفید ہے اس قید کے ساتھ کہ وہ معصیت کا نہ ہو تو اس سے مطلق حکم کا نسخ لازم آئے گا جو جائز نہیں۔

(عن یہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۳۸۵، بیروت)

## بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ

﴿یہ باب نماز جمعہ کے بیان میں ہے﴾

باب نماز جمعہ کی مناسبت کا بیان:

نماز جمعہ کی نماز مسافر کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ جس طرح جمعہ شرائط کے سقوط کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح نماز سفر بھی شرائط سفر کے معدوم ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ جس طرح نماز سفر مقید ہے اسی طرح جمعہ بھی مقید ہے۔ یعنی دونوں میں شرائط پائی جاتی ہیں۔

لفظ جمعہ کی وجہ تسمیہ اور معنی و مفہوم کا بیان:

لفظ جمعہ ہم کے ساکن کے ساتھ اور جمع ہم کے فتح کے ساتھ ہر دو طرح سے بولا گیا ہے۔

قال فی الفتح قد اختلف فی تسمیة الیوم بالجمعة مع الاتفاق علی انه کان لیسعی فی الحاہلیة والعروبة بفتح العین وضم الراء وبالحولۃ الخ یعنی جمعہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عہد جاہلیت میں اس کو یعر وہ کہا کرتے تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس دن مخلوق کی خلقت تکمیل کو پہنچی اس لیے اسے جمعہ کہا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تحقیق آدم کی تکمیل اسی دن ہوئی اس وجہ سے اسے جمعہ کہا گیا۔ ابن حید میں سند صحیح ہے مروی ہے کہ حضرت اسد بن زرارہ کے ساتھ انصار نے جمع ہو کر نماز ادا کی اور حضرت اسد بن زرارہ نے ان کو وعظ فرمایا پس اس کا نام انہوں نے جمعہ رکھ دیا کیوں کہ وہ سب اس میں جمع ہوئے یہ بھی ہے کہ کعب بن لوی اس دن اپنی قوم کو حرم شریف میں جمع کر کے ان کو وعظ کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس حرم سے ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ یوم عروہ کا نام سب سے پہلے یوم جمعہ کعب بن لوی ہی نے رکھا۔ یہ دن بڑی فضیلت رکھتا ہے اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں جو نیک دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی روش کے مطابق نماز جمعہ کی فرضیت کے لیے آیت قرآنی سے استدلال فرمایا جیسا کہ باب ذیل سے ظاہر ہے۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکپوری فرماتے ہیں۔

جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کو آنے کی اجازت ہو تا کہ نام کے معنی کا ثبوت ہو۔ (بدائع الصنائع فصل شرائط الجمعة مطبوعہ راجہ ایم سعید کتب خانہ کراچی)

جمعہ پڑھنے والوں کو جمعہ کا دن:

(ایسی دلہن کو جس کو اسکے چلہ عروسی میں خراماں خراماں لے جایا جائے) کی طرح اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہوگا۔ یہ دن ان حضرات کیلئے روشن ہوگا جس کی روشنی میں یہ چلیں گے ان جمعہ پڑھنے والوں کے رنگ پہاڑی برف کی طرح سفید ہونگے۔

جمعۃ المبارک کو دنوں کا سردار کہا جاتا ہے۔ اس مبارک دن کو اللہ جل جہدہ نے خصوصی شان سے نوازا ہے مگر اس زمانہ میں اس کے قدر دان بہت ہی کم رہ گئے ہیں۔ ابوطالب کی فرماتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری میں دیکھا جاتا تھا کہ سحری اور فجر کے بعد لوگوں سے راستے بھرے ہوتے تھے۔ لوگ دیے لٹکے چلتے تھے اور عید کے دنوں کی طرح رش کر دیتے تھے۔ حتیٰ کہ یہ صورت حال ختم ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلی بدعت جو اسلام میں شروع ہوئی وہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں سویرے سویرے نہ پہنچنے کی ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کیا ہو گیا؟ مسلمان! یہودیوں اور عیسائیوں سے حیا کیوں نہیں کرتے وہ تو اپنے گرجا گھروں کی طرف صبح سویرے پہنچ جاتے ہیں۔ ہفتہ کے دن یا ہفتہ کو اور دنیا کے طلبکار بازاروں میں خرید و فروخت اور منافع کیلئے سویرے سویرے پہنچ جاتے ہیں۔ یہ آخرت کے طالب ان سے آگے کیوں نہیں بڑھتے۔ فخر و دُعا عالم خاتم الانبیاء سرور دُعا عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مقدس جمعۃ المبارک کی شان کو چار چاند لگا رہا ہے۔

کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں چوبیس گھنٹیاں ہیں۔ ان میں کوئی گھنٹی ایسی نہیں گزرتی مگر اللہ جل شانہ کی طرف سے اس میں چھ لاکھ مسلمان دوزخ سے آزاد کر دیے جاتے ہیں۔ بعض راویوں نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں ان سب پر دوزخ واجب ہو چکی تھی۔ (مسند ابویعلیٰ باسنادہ)

دوسری جگہ فرمان حبیب کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار ہے اور ان سب سے بڑا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کے دن اور عید الفطر کے دن سے بھی بڑا دن ہے۔ اس میں پانچ خصوصیات ہیں۔

1. اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔
2. اسی میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا۔
3. اسی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وفات دی۔
4. اسی میں ایک گھنٹی ایسی ہے جب بھی کوئی بندہ اس میں اللہ سے سوال کرتا ہے اللہ اس کو عطا کرتے ہیں جب تک کہ وہ اس میں حرام چیز کا سوال نہ کرے۔
5. اسی میں قیامت قائم ہوگی۔ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی آسمان اور کوئی زمین اور کوئی ہوا اور کوئی پہاڑ اور کوئی دریا و سمندر تیار ہوا۔



نہیں ہے مگر یہ سارے جمعہ کے دن سے محبت کرتے ہیں۔ (مسند احمد ابن ماجہ باسناد حسن)  
قیامت کے دن جمعہ کی نماز پڑھنے والوں کی شان بھی ملاحظہ ہو کہ رب ذوالجلال کے ہاں کس قدر رفعت و شان اور انعامات حاصل کریں گے۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں روز قیامت تمام دلوں کو ان کی اپنی اصلی حالت پر پیش کیا جائیگا جبکہ جمعۃ المبارک کو چمکتا دیکھا ہوا پیش کیا جائیگا۔

یہ دن ان حضرات کیلئے روشن ہوگا اور اس کی روشنی میں یہ چلیں گے ان جمعہ پڑھنے والوں کے رنگ پہ نئی برف کی طرح سفید ہونگے۔ ان کی خوشبو مشک (کتوری) کی طرح ہوگی۔ یہ کافروں کے پہاڑ پر آپس میں ہاتھ کرتے ہوئے۔ ان کی طرف جنات اور انسان دیکھتے ہوئے جب تک یہ جمعہ والے جنت میں داخل نہیں ہونگے ان پر رشک کی لگاہ کوئیں پھیریں گے۔ ان کے ساتھ کوئی نہیں بیٹھ سکے گا سوائے ان اذان دینے والوں کے جو صرف اللہ کی رضا کیلئے اذان دیتے تھے۔  
(ابن خزیمہ سند حسن)

نماز جمعہ کیلئے تیاری کرنا، غسل کرنا، ناخن کاٹنا، زیر ناف بال کاٹنا، مسواک کرنا، سر ملگانا، خوشبو لگانا، نئے یا صاف ستھرے کپڑے پہننا۔ سب سے پہلے اور جلدی جامع مسجد جانا مستحب ہے اور ایک ہفتہ کے گنہ بھی معاف ہوتے ہیں۔  
آئیے شاد کار کائنات، فخر موجودات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک فرمان کو سننے اور دیکھتے ہیں۔  
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اور اپنی توفیق کے مطابق پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور نیکی لگاتا ہے اور اپنے گھر میں موجود خوشبو لگاتا ہے پھر گھر سے نکلتا ہے تو کسی بھی قسم کے دو شخصوں میں علیحدگی نہیں ڈالتا، پھر جو اس کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے سنت موکدہ نماز کو ادا کرتا ہے پھر جب امام خطبہ شروع کرتا ہے تو یہ خاموش ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس جمعہ سے لیکر اگلے جمعہ تک کے صغیر و کناہ معاف فرمادیتے ہیں۔  
(بخاری شریف)

لفظ جمعہ جو ہفتہ کے ایک دن کا نام ہے فصیح زبان و لغت کے اعتبار سے جیم اور میم دونوں کے پیش کے ساتھ ہے لیکن جیم کے پیش اور میم کے سکون کے ساتھ بھی مستعمل ہوا ہے۔

اس دن کو جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمع اور پوری کی گئی تھی۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس دن کو جمعے کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب بہشت سے دنیا میں اتارے گئے تو اسی دن زمین پر وہ حضرت حوا کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ علماء نے اور بھی وجہ تسمیہ بیان کئے ہیں چنانچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس دن چونکہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں اس لیے اسے یوم الجمعہ کہا جاتا ہے۔

جمعہ اسلامی نام ہے زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروہ کہا جاتا تھا۔ لیکن بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ عروہ بہت قدیم نام تھا مگر زمانہ جاہلیت میں یہ نام بدل گیا تھا اور اس دن کو جمعہ کہا جانے لگا تھا۔

جمعہ کا روز نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی ایک امتیازی اور شرف و فضیلت کا دن مانا جاتا تھا مگر اسلام نے اس دن کو اس کی حقیقی عظمت و فضیلت کے پیش نظر بہت ہی زیادہ باعظمت و بافضیلت دن قرار دیا۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نماز سے زیادہ اور کوئی عبادت پسند نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بندوں پر اللہ جل شانہ کی طرف سے جو بے انتہا نعمتوں کی بارش ہوتی ہے اور جن کا سلسلہ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک ہے۔ بلکہ پیدائش سے قبل اور موت کے بعد بھی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہمکنار رہتا ہے۔ اس کے اوائے شکر کے لئے ہر دن میں پانچ وقت نماز مقرر کی اور ہفتے کے دن چونکہ تمام دنوں سے زیادہ نعمتیں بندوں پر نازل ہوتی ہیں۔ اس لئے اس دن ایک خاص نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ جماعت کے باب میں جماعت کی حکمتیں اور اس کے فائدے بیان کئے جا چکے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ جماعت میں جتنی زیادہ کثرت ہوگی اور مسلمان جتنی بڑی تعداد میں نماز کے لیے جمع ہوں گے اسی قدر ان فوائد کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اور یہی اسی وقت ممکن ہے۔ جب کہ مخلوق کے مسلمان اور اس مقام کے اکثر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں چونکہ ہر روز پانچوں وقت اس قدر اجتماع لوگوں کی پریشانی و تکلیف کے پیش نظر ممکن نہیں ہوتا اس لیے شریعت نے ہفتے میں ایک دن ایسا مقرر فرمادیا جس میں مختلف مخلوق اور گاہکوں کے مسلمان آپس میں ایک جگہ جمع ہو کر اس عبادت کو اداء کریں اور چونکہ ہفتے کا دن تمام دنوں میں سے افضل و اشرف تھا لہذا یہ تخصیص اسی دن کے لیے کی گئی۔

اگلی امتوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس دن عبادت کا حکم فرمایا مگر انہوں نے اپنے تبر و سرکشی اور اپنی بد نصیبی کی بناء پر اس میں اختلاف کیا اور ان کی اس سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس عظیم سعادت سے محروم رہے اور یہ فضیلت و سعادت بھی اسی امت مرحومہ کے حصے میں پڑی ہے۔ یہود نے سینچر کا دن مقرر کر لیا اس خیال سے کہ اس دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا۔ عیسائیوں نے اتوار کا دن مقرر کیا۔ اس خیال سے کہ یہ دن ابتدائے آفرینش کا ہے۔

چنانچہ اب تک یہ دونوں فرقے ان دنوں میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں، اپنے تمام کام کاج چھوڑ کر اس دن چرچ و عبادت گاہوں میں ضرور جاتے ہیں۔ عیسائی حکومتوں میں اتوار کے دن اسی سبب سے تمام دفاتر و تعلیم گاہوں میں تعطیل ہوتی ہے۔ بعض مسلم حکومتوں کی یہ مرعوبیت اور بد نصیبی ہے کہ وہ بھی عیسائی حکومتوں کے اس خالص مذہبی طرز عمل کو بدل نہ سکیں اور اپنے ملکوں میں بجائے جمعہ کے اتوار کے دن عام تعطیل کرنے پر مجبور ہیں۔

نماز جمعہ کی فریضت :

نماز جمعہ فرض عین ہے قرآن مجید، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اسلام کے شعائر اعظم میں

ہے نماز جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور اس کو بلا عذر چھوڑنے والا فاسق ہے، نماز جمعہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

آیت (بَاقِيَهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (62) (المجموعہ 9:)) اسے ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لیے اذان کہی جائے تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

امام زرقانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: جمہور کے نزدیک صحیح مشہور یہی ہے کہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوا، آیت (جمعہ) مدنی ہے جو دال ہے کہ جمعہ کی فرضیت مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ میں ہوئی، اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے، شیخ ابو حامد کہتے ہیں کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوا تھا، حافظ کہتے ہیں کہ یہ قول غریب ہے۔

(شرح المواہب اللدنیہ للزرقانی الباب الثانی فی ذکر صلوٰۃ الجمعة مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر)

زرقانی کی شرح موطائیں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفر ہجرت کے موقع پر جمعہ کے دن قبا سے مدینہ طیبہ کی طرف چلے تو دن خوب بلند ہو چکا تھا عقدہ بنو سالم بن عوف میں جمعہ کا وقت ہو گیا تو آپ نے ان کی مسجد میں جمعہ ادا فرمایا، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد الجمعہ قرار پا گیا، یہ پہلا جمعہ تھا جو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ادا فرمایا، ابن اسحاق نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ (شرح زرقانی للموطا، ج ۱، ص ۲۲۰، مطبوعہ مصر)

نماز جمعہ کے گھگھونے کی شرائط کا بیان:

(لَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ إِلَّا فِي مَضَرٍّ جَامِعٍ، أَوْ فِي مَضَلٍّ أَمِيرٍ، وَلَا تَجُوزُ فِي الْقَرْيَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا جُمُعَةُ وَلَا تَشْرِيقٌ وَلَا تَغْرِبٌ وَلَا أَحْسَى إِلَّا فِي مَضَرٍّ جَامِعٍ) وَالْمَضَرُّ الْجَامِعُ: كُلُّ مَوْجِعٍ لَهُ أَمِيرٌ وَقَاهِ يَنْقُذُ الْأَخْطَامَ.

وَيُتِمُّ الْعُلُوَّةَ، وَهَذَا مِنْهُ أَيْ يُؤْمَفُ وَجَمْعُ اللَّهِ، وَعَنْهُ أَهْلُهُ إِذَا اجْتَمَعُوا فِي أَكْثَرِ مَسَاجِدِهِمْ لَمْ يَسْفَهُمْ، وَالْأَوَّلُ اخْتِيَارُ الْكُرْحِيِّ وَهُوَ الظَّاهِرُ، وَالثَّانِي اخْتِيَارُ النَّجْدِيِّ، وَالْحَكْمُ غَيْرُ مَقْصُودٍ عَلَى الْمُضَلِّ بَلْ تَجُوزُ فِي جَمِيعِ أَلْيَةِ الْمَضَرِّ، لِأَنَّهَا يَمْتَنَزِلُ فِي حَوَالِجِ أَهْلِهِ.

ترجمہ:

اور جمعہ صرف شہر یا اس کی حدود میں صحیح ہے۔ جبکہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جمعہ تشریق، عید الفطر اور عید الاضحیٰ صرف جامع شہر میں جائز ہے۔ اور جامع شہر اسے کہتے ہیں۔ ہر وہ شہر جس کیلئے امیر اور قاضی ہوں جو احکام نافذ کریں۔ اور حدود کو قائم کریں۔ یہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت بیان کی گئی ہے اور آپ سے یہ بھی روایت

ہے کہ جب سب لوگ وہاں کی ایک مسجد میں جمع ہوں تو وہ اس میں سمانہ سکتے ہوں۔ پہلے قول کو امام کرنی علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے اور دوسرے قول کو امام گنجی علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے۔ اور حکم جواز مسجد کی فتاویٰ پر نہیں بلکہ شہر کی تمام فتاویٰ میں جائز ہے۔ کیونکہ اہل شہر کی ضروریات وہ شہر کے درجے میں ہیں۔ جامع شہر کی تعریف:

امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ اپنی مصنف میں لکھتے ہیں کہ ہمیں ابن جریج نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے بیان کیا کہ جب تک کسی جامع قریب میں ہوں تو وہاں جمعہ کے لئے اذان ہو تو تم پر جمعہ کے لئے جانا فرض ہے خواہ اذان سنیں ہو یا نہ، کہتے ہیں میں نے عطاء سے پوچھا کہ جامع قریب کون سا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا جس میں جماعت، امیر، قاضی اور متعدد کوپے اس میں ملتے جلتے ہوں جس طرح مذہب ہے۔

(المصنف لعبدالرزاق باب القری الصغار مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

علامہ ابراہیم طبری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

شہر کی وہ صحیح تعریف جسے صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے یہ ہے کہ وہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کر سکیں، اور صاحب وقایہ کے پہلی تعریف کو اختیار کرنے پر ان کی طرف سے صدر الشریعہ کا یہ غدر کرنا کہ احکام شرع خصوصاً حدود کے نافذ میں سستی کا ظہور ہو رہا ہے مگر وہ ہے کیونکہ مراد اقامت حدود پر قادر ہونا ہے جیسے کہ فقہ الفقہاء میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تصریح ہے کہ وہ شہر کبیر ہو اس میں شاہراہیں، بازار اور وہاں سرائے ہوں اور اس میں کوئی نہ کوئی ایسا والی ہو جو عالم سے مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو خواہ اپنے دبدبہ اور علم کی بنا پر یا غیر علم کی وجہ سے تاکہ حوادث میں اس کی طرف رجوع کر سکیں اور یہی اصح ہے۔ (شرح منہج، ص ۵۵۰، سبیل الایضی لاہور)

جہاں جواز جمعہ میں شک تو کیا کرنا چاہیے:

علامہ ابراہیم طبری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس اختلاف اور تعریف شہر میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس جگہ جواز جمعہ میں شک ہو وہاں ظہر کی نیت سے چار رکعات ادا کرنی چاہئیں، تو احتیاطی بہتر ہے کیونکہ یہاں بڑا سخت اختلاف ہے اور جمعہ کا ضرورت کے پیش نظر متعدد جگہ پر جواز کے فتویٰ کا صحیح ہونا شرعاً تقویٰ کے طور پر احتیاط کے منافی نہیں۔ (شرح منہج، ص ۵۵۰، سبیل الایضی لاہور)

فتاے شہر کی تعریف:

جو جگہ خود شہر نہ ہو اس میں محنت جمعہ کیلئے فتاے مصر ہونا ضرور ہے فتاے مصر حوالی شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصانع شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عید گاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظت شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اس کی

چھاؤنی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا پکھریاں، اگرچہ مواضع شہر سے کتنے ہی میل ہوں اگرچہ بیچ میں کچھ کھیت حاصل ہوں، اور جو نہ شہر ہے نہ قرائے شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرض ظہر نہ سمے ساقط نہ ہوگا۔ علامہ علاؤ الدین صلفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

صحیح جمعہ کے لئے شہر یا قرائے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور قرائے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے لئے ہو، خواہ متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ان اکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان ہو۔ (در مختار، باب الجمعہ، مطبوعہ مطبع مجاہد دہلی)

مثنیٰ میں نماز جمعہ کا بیان:

(وَكَمْحُورُ يَجْتَمِعُ إِذَا كَانَ الْأَمِيرُ أَمِيرَ الْحِجَازِ، أَوْ كَانَ مُسَافِرًا عِنْدَهُمَا، وَقَدْ قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا جُمُعَةَ يَجْتَمِعُ إِلَّا لَهَا مِنَ الْفَرَسِ حَتَّى لَا يُعِيدَ بِهَا. وَلَكِنَّمَا أَتَاهَا تَقَصُّرُ فِي أَهَامِ الْمُؤَسَّسِ وَعَدَمِ التَّعْيِيدِ لِلتَّعْظِيمِ، وَلَا جُمُعَةَ بِعَرَاكَاتٍ فِي قَرْيَتِهِمْ جَمِيعًا، وَلَا قَرْيَةَ قَضَاءٍ وَيَجْتَمِعُ أَهْلُهَا بِالْعَلِيْفَةِ وَأَمِيرِ الْحِجَازِ، إِلَّا أَنْ يُولِيَ لَهَا لَهَا، أَمَّا أَمِيرُ الْمُؤَسَّسِ فَيَكُنِي أَمُورُ الْحُجَّ لَا غَيْرُ.

ترجمہ:

اگر حجاز کا امیر ہو تو مقام مثنیٰ میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ یا پھر مسلمانوں کا وہ خلیفہ جو بطور مسافر وہاں موجود ہو۔ یہ حکم جواز شیخین کے نزدیک ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: مقام مثنیٰ میں جمعہ نہیں ہے۔ کیونکہ مثنیٰ گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے یہاں تک کہ اس میں عید الاضحیٰ بھی نہیں پڑھی جاتی۔ جبکہ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حج کے موسم میں مثنیٰ شہر میں جاتا ہے۔ اور عید کی نماز کا نہ ہو سہولت کے پیش نظر ہے۔ اور میدان عرفات میں جمعہ جائز نہیں۔ کیونکہ وہ خالی میدان ہے۔ جبکہ مثنیٰ میں مکانات بنے ہوئے ہیں اور اس میں خلیفہ و امیر حجاز کی قید اس وجہ لگائی گئی ہے کہ ولایت بھی تو ان دونوں کی ہے۔ جبکہ امیر موسیٰ صرف امور حج کا ناظم ہے۔

شرح

ائمہ احناف کا یہ اختلاف شرط کی بنیاد پر ہے یعنی مثنیٰ کو گاؤں قرار دیا جائے گا یا شہر قرار دیا جائے لہذا اسی اعتبار سے فقہاء احناف کا اختلاف ہے۔

جمعہ کیلئے سلطان کی شرط کا بیان:

(وَلَا يَجُوزُ إِقامَتُهَا إِلَّا لِلْسلْطَانِ أَوْ لِمَنْ أَمَرَهُ الْسلْطَانُ) لِأَنَّهَا تَقَامُ بِجَمْعٍ عَظِيمٍ، وَقَدْ نَفَعَ الْمَنَازِعَةَ فِي التَّقْدِيمِ وَالْتَقْدِيمِ، وَقَدْ نَفَعَ فِي غَيْرِهِ فَلَا بُدَّ مِنْهُ تَتَوَحُّدًا لِأَمْرِهِ.

(وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْوُقُوفُ فَتَصِحُّ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ وَلَا تَصِحُّ بَعْدَهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِذَا مَا لَكَ الشُّنْسُ فَصَلِّ بِالنَّاسِ الْجُمُعَةِ) (وَلَوْ غَرَجَ الْوُقُوفُ وَهُوَ فِيهَا اسْتَبَقَلَ الظُّهْرَ وَلَا يَنْبِيهِ عَلَيْهَا) لَا يَخْتَلِفُهُمَا .

ترجمہ:

سلطان یا اس کی اجازت کے بغیر جو قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جو ایک عظیم جماعت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے۔ اور اس میں تقدم و تقدیم میں تنازع واقع ہو سکتا ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی کسی بات پر جھگڑا ہو سکتا ہے۔ لہذا احمد کو پورا کرنے کیلئے غلیظہ یا اس کے قائم مقام کا ہونا ضروری ہے۔

اور اس کی شرائط میں وقت بھی شرط ہے۔ پس جو صرف ظہر کے وقت میں صحیح ہے۔ اس کے بعد صحیح نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب سورج ڈھل جائے تو لوگوں کو جوہر پڑھانا اور اگر یہ وقت خارج ہو جائے اور نمازی جمعہ میں ہے تو وہ نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھے۔ اور ان دونوں کے خلتف ہونے سے ظہر کی جمعہ پڑھنا نہ کرے۔

سلطان و تابع نہ ہونے کی وجہ سے قیام جمعہ میں ممانعت کی علت:

صاحب ہدایہ کی عبارت سے یہ واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ سلطان و نائب سلطان نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ تقدم و تاخر میں جھگڑا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کی دیگر مسائل جن کا تعلق احکام دینیہ سے ہوتا ہے ان میں بھی جھگڑا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہر قسم کے معاملات کو نفاذ کیلئے ضروری ہے کہ اس میں کوئی سلطان و قاضی وغیرہ یا وہ لوگ جو ان معاملات کو اپنے کنٹرول میں لیکر بخوبی حل کر سکتے ہوں۔ ان کا ہونا ضروری ہے۔

جمعہ غلطی کی شرط کا بیان:

(وَمِنْهَا الْخُطْبَةُ) لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا صَلَّاهَا بِدُونِ الْجُمُعَةِ فِي عُمْرِهِ (وَهِيَ قَبْلَ الصَّلَاةِ بَعْدَ الزَّوَالِ) بِوَزْنِ الثَّنَةِ (وَيُخْطَبُ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ) بِهَجْرَةِ التَّوَارُثِ (وَيُخْطَبُ قَالِمًا عَلَى طَهَارَةٍ) لِأَنَّ الْقِيَامَ فِيهِمَا مُتَوَارِثٌ، ثُمَّ هِيَ شَرْطُ الصَّلَاةِ فَيَسْتَحِبُّ فِيهَا الطَّهَارَةُ كَالْأَذَانِ .

(وَلَوْ خُطِبَ قَاعِدًا أَوْ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ جَازَ) لِحُضُولِ الْمَقْصُودِ إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِمَخَالَفَةِ التَّوَارُثِ وَلِلْفَصْلِ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الصَّلَاةِ

(قَدْ انْقَضَرَ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ جَازَ عَنْهُ أَبِي خَبِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ. وَقَالَا: لَا بَدَّ مِنْ ذِكْرِ طَوِيلٍ يُسَمَّى خُطْبَةً) لِأَنَّ الْخُطْبَةَ هِيَ الْوَأَجِبَةُ، وَالتَّسْبِيحَةُ أَوْ التَّحْمِيدَةُ لَا تُسَمَّى خُطْبَةً.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَجُوزُ حَتَّى يَخْطُبَ خُطْبَتَيْنِ اِغْتَابًا لِلْمُعْتَارِفِ. وَلَهُ قَوْلُهُ تَعَالَى ( فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ) مِنْ غَيْرِ فَضْلٍ. وَعَنْ عُفْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ فَإِنْ رَجَعَ عَلَيْهِ فَتَزَلَّ وَصَلَّى.

ترجمہ:

اور اس کی شرائط میں خطبہ بھی شرط ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی عمر مبارک میں بھی اس کو جمعہ کے بغیر نہیں پڑھا۔ اور خطبہ نماز سے پہلے اور زوال کے بعد شرط ہے۔ اسی طرح سنت میں بیان ہوا ہے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر فرق کرے کیونکہ یہی ثواب جاری ہوتا ہے۔ اور با وضو کھڑے ہو کر خطبہ دے کیونکہ اس میں قیام متواتر ہے۔ اور یہ خطبہ نماز جمعہ کیلئے شرط ہے۔ البتہ اس میں طہارت مستحب ہے جس طرح اذان میں ہے۔ اور اگر اس نے بیٹھ کر بغیر طہارت کے خطبہ دیا تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ مقصد حاصل ہو گیا لیکن ثواب کی مخالفت کی وجہ سے اور نماز اور خطبہ کے درمیان فاصلہ ہو جانے کی وجہ سے اس طرح کرنا مکروہ ہے۔

اگر اس نے ذکر اللہ پر اکتفا کیا تو امام اعظم کے نزدیک جائز ہے جبکہ صاحبین نے کہا کہ اتنا طویل خطبہ جس کا نام خطبہ ہو دینا ضروری ہے۔ کیونکہ خطبہ واجب ہے جبکہ تنبیہ و تحذیر کا نام خطبہ نہیں ہے۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا جائز نہیں لیکن وہ عرف کا اعتبار کرتے ہوئے دو خطبے پڑھے۔ اور امام اعظم کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ“ لہذا اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہا تو آپ کی زبان رک گئی تو آپ اترے۔ اور نماز پڑھائی۔

جمعہ کیلئے جماعت کے شرط ہونے کا حکم:

(وَمِنْ شَرَايِهَا الْجَمَاعَةُ) لِأَنَّ الْجَمْعَةَ مُشْتَقَّةٌ مِنْهَا (وَاللَّهُمَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ثَلَاثَةُ يَسْوَى الْإِمَامِ، وَقَالَ: الثَّانِ يَسْوَاهُ) قَالَ: وَالْأَصَحُّ أَنَّ هَذَا قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَخَلَدٍ. لَأَنَّ لِي الْإِمَامَ مَعْنَى الْجَمَاعَةِ هِيَ مُنْبَتَةٌ عَنْهُ. وَلَهُمَا أَنَّ الْجَمْعَ الصَّوْبَ إِنَّمَا هُوَ الثَّلَاثُ، لِأَنَّهُ جَمْعٌ تَسْمِيَةً وَمَعْنًى، وَالْجَمَاعَةُ شَرْطٌ عَلَى جَمْعِهِ، وَكَذَا الْإِمَامُ فَلَا يُعْتَبَرُ مِنْهُمْ.

ترجمہ:

اور اس کی شرائط میں سے جماعت بھی شرط ہے۔ کیونکہ جمعہ تو شتق ہی جماعت سے ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک کم از کم امام کے سوا تین افراد ہوں اور صاحبین نے کہا کہ امام کے سوا دو ہوں۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تثنیہ جمع کے حکم میں ہے۔ اور جمعہ اسی سے نکلا ہے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے صحیح جمع تین ہی ہے۔ کیونکہ تین نام و حکم دونوں کے اعتبار سے صحیح ہے۔ اور جماعت الگ شرط ہے اور اسی طرح

امام ان میں شمار نہ کیا جائے گا۔

شرح: جماعت کے بغیر جمعہ معتبر نہیں ہے اس کی دلیل شرائط جمعہ میں گزر چکی ہے۔  
غیر مرد رک جمعہ والوں کی طہر کا حکم:

(وَأَنَّ لَفَسْرَ النَّاسِ قَبْلَ أَنْ يُرَكَّعَ الْإِمَامُ وَيَسْجُدَ وَلَمْ يَتَّقِ إِلَّا النِّسَاءَ وَالصَّبِيَّانَ اسْتَقْبَلَ الظُّهَرَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: إِذَا لَفَسَرُوا عَنْهُ يَمْلِكُهَا الصَّلَاةُ صَلَّى الْجُمُعَةَ، فَإِنْ تَقَرَّوْا عَنْهُ يَمْلِكُهَا رَكْعَتَا رَكْعَةٍ وَسَجْدَةٍ سَجْدَةٍ بَنَى عَلَى الْجُمُعَةِ) عِلَاقًا لِرُفُوهُ. وَهُوَ يَقُولُ: إِنَّهَا حَرُطٌ فَلَا بُدَّ مِنْ ذَوَائِمِهَا كَالْوَقِيتِ وَلَكِنَّمَا أَنَّ الْجَمَاعَةَ حَرُطٌ إِلَّا نَقَادَ فَلَا يَشْتَرُطُ ذَوَائِمُهَا كَالْمُطَاعَةِ.

وَلَا يَبْسِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْإِنْعَادَ بِالشَّرْعِ فِي الصَّلَاةِ، وَلَا يَتِمُّ ذَلِكَ إِلَّا بِصَلَامِ الرُّكْعَةِ لِأَنَّ مَا دُونَهَا لَيْسَ بِصَلَاةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ ذَوَائِمِهَا لِأَنَّهَا بِخِلَافِ الْمُطَاعَةِ لِأَنَّهَا تَتَابَى الصَّلَاةُ فَلَا يَشْتَرُطُ ذَوَائِمُهَا، وَلَا مُعْتَبَرُ بِقَاوِ التَّسْوِانِ، وَكَذَلِكَ الصَّبِيَّانِ، لِأَنَّهُ لَا تَتَّبَعُ بِهِمُ الْجُمُعَةُ فَلَا تَتِمُّ بِهِمُ الْجَمَاعَةُ.

ترجمہ:

اگر لوگ بچوں اور عورتوں کے سوا امام جمعہ کے رکوع و سجود سے پہلے بھاگ گئے تو امام اعظم کے نزدیک نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھے۔ جبکہ صاحبین نے فرمایا: اگر لوگ امام کے جمعہ شروع کرنے کے بعد بھاگے ہیں تو امام جمعہ پڑھے گا۔ اور اگر رکوع و سجدہ کرنے کے بعد بھاگے تو امام جمعہ پڑھنا نہ کرے۔ جبکہ امام زعفرانیہ رحمہ اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جماعت شرط ہے لہذا اس کا آخر تک ہونا ضروری ہے۔ جس طرح وقت کا ہونا ضروری ہے۔ اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جماعت جمعہ کے معتقد ہونے کیلئے شرط ہے لہذا اس کا آخر تک رہنا ضروری نہیں۔ جس طرح خطبہ کا ہونا ہے۔ اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے۔ جمعہ کا انعقاد نماز کے شروع کرنے سے ہوتا ہے۔ اور انعقاد ایک رکعت کے پورا ہونے سے مکمل ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک رکعت سے کم تو نماز ہی نہ رہی۔ لہذا ایک رکعت تک جماعت کا دوام لازمی ہے۔ بخلاف خطبہ کے کیونکہ وہ تو نماز کے متناہی ہے پس خطبہ کا ایک رکعت تک دوام شرط نہیں ہے۔ اور عورتوں اور بچوں کے باقی رہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ جمعہ کا انعقاد ہی نہیں ہوا۔ لہذا ان کے ساتھ جماعت مکمل نہ ہوئی۔

شرح: اس اختلاف کی بنیاد بھی وجود شرط یعنی وجود جماعت کے ساتھ متعید ہے۔

جن لوگوں پر جمعہ کی فرضیت عملی اثر انداز نہیں:

(وَلَا تَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلَى مُسَافِرٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا مَرِيضٍ وَلَا عَبْدٍ وَلَا أَعْمَى) لِأَنَّ الْمُسَافِرَ يَخْرُجُ فِي الْمَحْضُورِ، وَكَذَلِكَ الْمَرِيضُ وَالْأَعْمَى، وَالْعَبْدُ مَشْغُولٌ بِخَلْقَةِ الْمَوْلَى، وَالْمَرْأَةُ بِخَلْقَةِ الزَّوْجِ فَلَيْزُوا



ذَلَعَا لِلْحَرْجِ وَالضَّرَرِ (فَإِنْ حَضَرُوا وَصَلُوا مَعَ النَّاسِ أَجَزَ أَمَّهُمْ عَنْ قَرْضِ الْوَقْتِ) وَلَا تَنْهَمُ تَحْمَلُوهُ  
فَصَارُوا كَالْمُسَافِرِ إِذَا صَامَ.

(وَيَجُوزُ لِلْمُسَافِرِ وَالْعَبْدِ وَالْمَرِيضِ أَنْ يَقُومَ فِي الْجُمُعَةِ) وَقَالَ زُكْرُو: لَا يُجْزِلُهُ، لِأَنَّهُ لَا قَرْضَ عَلَيْهِ  
فَأَخْبَهُ النَّبِيُّ وَالْمَرْأَةُ.

وَلَمَّا أَنَّ هَذِهِ رُخْصَةٌ، فَإِذَا حَضَرُوا يَتِمُّ قَرْضًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، فَمَا النَّبِيُّ فَمَسْلُوبُ الْأَهْلِيَّةِ، وَالْمَرْأَةُ  
لَا تَصْلُحُ لِإِمَامَةِ الرَّجَالِ، وَتَتَعَلَّقُ بِهِمُ الْجُمُعَةُ، وَلَا تَنْهَمُ صَلَحُوا لِلْإِمَامَةِ فَيَصْلَحُونَ لِلْإِقْدَاعِ بِطَرِيقِ  
الْأَوَّلَى.

ترجمہ:

مسافر، عورت، مریض، غلام اور نابینے پر جمعہ واجب نہیں۔ اس لئے کہ مسافر کو جمعہ کیلئے نکلنے میں حرج ہوگا۔ یہی عذر  
مریض اور نابینا میں ہے۔ اور غلام اپنے آقا کی خدمت میں مصروف ہے۔ اور عورت اپنے خاوند کی خدمت میں مصروف ہے۔  
لہذا دفع حرج و ضرر کے پیش نظر یہ لوگ معذور قرار دیئے گئے۔

اگر یہ لوگ جمعہ کیلئے حاضر ہوں اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں تو اس وقت کا فرض ان سے ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ ان لوگوں  
نے اس حکم کو اس شخص کی طرح اٹھایا ہے جس طرح مسافر نے روزہ رکھا ہے۔

اور مسافر، غلام اور مریض کیلئے جائز ہے کہ وہ جمعہ کی امامت کرائیں۔ اور امام ذفر علیہ الرحمہ نے کہا کہ کافی نہیں ہے کیونکہ  
ان پر فرض نہیں ہے۔ لہذا وہ بچے اور عورت کے مشابہ ہو گئے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رخصت تھی جب یہ لوگ حاضر ہو گئے تو ان پر فرض واقع ہو گیا جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔  
جبکہ بچے میں امامت کی اہلیت ہی نہیں۔ اور ایسی طرح عورت مردوں کی امامت کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اور مسافر، غلام اور مریض  
کے ساتھ جمعہ کا انعقاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ امامت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پس ان کی اقتداء بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی۔

شرح:

امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہر مسلمان پر واجب ہے سوائے چار طرح کے لوگوں کے ایک غلام پر  
دوسرے عورت پر، تیسرے بچے پر، چوتھے بیمار پر ابو داؤد کہتے ہیں کہ طارق بن شہاب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو  
دیکھا ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سنا نہیں۔

جمعہ کے دن ظہر کی کراہت کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنَزِلِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ وَلَا عُدْرَ لَهُ ثَمَرَةٌ لَهُ ذَلِكَ وَجَارَتْ صَلَاتُهُ) وَقَالَ زُفَرٌ: لَا يُجْزِئُهُ، لِأَنَّهُ عِنْدَهُ الْجُمُعَةُ هِيَ الْغَرِيبَةُ أَصْلًا. وَالظُّهْرُ كَالْبَدَلِ عَنْهَا، وَلَا مَصِيرَ إِلَى الْبَدَلِ مَعَ الْفُتْرَةِ عَلَى الْأَصْلِ.

وَلَمَّا أَنَّ أَصْلَ الْفَرْضِ هُوَ الظُّهْرُ عَلَى حَقِّ الْكَالَةِ، هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ إِلَّا أَنَّهُ تَأْمُرُ بِإِسْقَاطِهِ بِأَدَاءِ الْجُمُعَةِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ مُتَعَمَّنٌ مِنْ أَدَاءِ الظُّهْرِ بِنَفْسِهِ دُونَ الْجُمُعَةِ لَوْ قُفِيَ عَلَى شَرِيطٍ لَا يَتِمُّ بِهِ وَخَدَهُ، وَعَلَى التَّعَمُّنِ يَلُورُ التَّكْلِيفُ.

ترجمہ:

اور جس نے اپنے گھر میں جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی حالانکہ اسے کوئی عذر نہ تھا تو اس کیلئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ البتہ نماز جائز ہو جائے گی۔ جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس کی نماز کافی نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ فرض اصلی ہے۔ اور ظہر اس کا بدل ہے۔ اور اصل پر قدرت ہونے کے باوجود بدل کی طرف جاسکتا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ سب کیلئے فرض اصلی ظہر ہے۔ یہی ظاہر ہے۔ لیکن جمعہ کی ادائیگی اس کا سقوط مامور ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ ظہر کی ادائیگی پر ہر شخص بذات خود قدرت رکھتا ہے۔ جبکہ جمعہ میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ جمعہ ایسی شرائط کے ساتھ ہے کہ ایسا آدمی ان کو پورا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ قدرت پر مکلف ہونے کا دار و مدار ہے۔ (قاعدہ تھیہ)

شرح:

اس دن جمعہ کی نماز کو ظہر فضیلت دی گئی ہے۔

ظہر کی طرف جانے والا جمعہ کی طرف جائے تو حکم تعمی:

(فَبِإِنْ بَدَأَ أَنَّهُ أَنْ يُخْضَرَهَا تَوَجُّعًا إِلَيْهَا وَالْإِمَامُ بِهَا يَطْلُ ظَهْرُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ بِالسَّغِيِّ، وَقَالَا: لَا يَطْلُ حَتَّى يَدْخُلَ مَعَ الْإِمَامِ) لِأَنَّ السَّغْيَ دُونَ الظُّهْرِ فَلَا يَنْقُصُهُ بَعْدَ تَسَابُهِ، وَالْجُمُعَةُ لَوْ قُفِيَ فَيُنْقُصُهَا وَصَارَ كَمَا إِذَا تَوَجُّعًا بَعْدَ اقْتِرَاحِ الْإِمَامِ.

وَلَمَّا أَنَّ السَّغْيَ إِلَى الْجُمُعَةِ مِنْ خَصَائِصِ الْجُمُعَةِ فَيَنْزِلُ مَنَزِلُهَا عَلَى حَقِّ ارْتِفَاعِ الظُّهْرِ اخْتِصَاصًا بِخِلَافِ مَا بَعْدَ اقْتِرَاحِ مِنْهَا؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِسَغْيٍ إِلَيْهَا.

ترجمہ:

پس اگر اس پر واضح ہوا کہ جمعہ حاضر ہے اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور امام بھی جمعہ میں تھا تو اس شخص کی ظہر باطل ہو

جائے گی۔ اور صاحبین نے فرمایا: باطل نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ امام کے ساتھ داخل ہو جائے۔ کیونکہ یہ سنی ظہر سے تھوڑی ہے لہذا ظہر مکمل ہونے کے بعد سنی اس کو نہ توڑے گی۔ اور جمعہ ظہر سے بڑھ کر ہے اور وہ اس کو توڑ دے گا۔ لہذا یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح کوئی شخص امام کے فارغ ہونے کے بعد متوجہ ہوا ہے۔

اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی طرف سنی کرنا یہ جمعہ کے خصائص میں سے ہے۔ لہذا ظہر کو توڑنے میں سنی کو بطور احتیاط جمعہ کے منزلیں میں لے آئیں گے۔ بخلاف اس کے کہ جب امام جمعہ سے ہی فارغ ہو چکا ہو کیونکہ تب وہ جمعہ کی طرف سنی ہی نہیں ہوگی۔

شرح:

اس مسئلہ دلیل یہ ہے تو قی کے ہوتے ہوئے ضعیف سبب کا اعتبار نہیں کیا جاتا روز جمعہ ظہر سے جمعہ کا سبب قوی ہے۔

معدور کی جمعہ کے دن نماز ظہر کا بیان:

(وَمِنْكُمْ أَنْ يَصَلِّيَ الْمَعْدُورُونَ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْبَيْتِ ، وَكَذَلِكَ أَهْلُ الشَّجَرِ ) لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِخْلَالِ بِالْجُمُعَةِ إِذْ هِيَ جَامِعَةٌ لِلْجَمَاعَاتِ ، وَالْمَعْدُورُ قَدْ يَفْتَدِي بِهِ غَيْرَهُ بِخِلَافِ أَهْلِ السَّوَادِ ، لِأَنَّهُ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِمْ (وَلَوْ صَلَّيْ قَوْمٌ أَجْزَأَتْهُمْ) لَا يَجْمَعُونَ فَرَأَيْتُمْ . ترجمہ:

اور معدور کیسے جمعہ کے دن شہر میں جماعت کے ساتھ ظہر پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح قیدیوں کیسے بھی حکم ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے جمعہ میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ اور جمعہ تو تمام جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے۔ جبکہ معدور کے ساتھ کبھی کوئی غیر معدور بھی اقتداء کر لیتا ہے۔ بخلاف گاؤں والوں کے کیونکہ ان پر جمعہ لازم نہیں ہے۔ اور اگر کسی قوم نے اس دن ظہر جماعت کے ساتھ پڑھی تو ان کیلئے کافی ہوگا کیونکہ اس میں تمام شرائط جمع ہیں۔

شرح: کیونکہ اس طرح سنی اجماع کی طرف عدم اعتدال پیدا ہوگا۔

جس نے امام کو جمعہ میں پایا اس کی بناء کا حکم:

(وَمَنْ أَذْرَكَ الْيَوْمَ الْجُمُعَةَ صَلَّى مَعَهُ مَا أَفْرَكَهُ) وَمَنْ عَلَى الْجُمُعَةِ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَا أَذْرَكْتُمْ فَاصْلَوْا ، وَمَا فَاتَكُمْ فَافْعَلُوا) (وَإِنْ كَانَ أَذْرَكَهُ فِي الشَّهَادَةِ أَوْ فِي سُجُودِ الشَّهَادَةِ بَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ عِنْدَهُمَا .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : إِنْ أَذْرَكَ مَعَهُ أَكْثَرَ الرُّكُوعِ الْخَالِيَةِ بَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ ، وَإِنْ أَذْرَكَ أَقَلَّهَا بَنَى عَلَيْهَا الظُّهْرَ ) لِأَنَّهُ جُمُعَةٌ مِنْ وَجْهِ ظُهُورِ مِنْ وَجْهِ لِقَوَاتِ بَعْضِ الشَّرَائِطِ فِي حَقِّهِ ، فَيَصَلِّي

أَرْبَعًا اِغْتِبَارًا لِلظَّهْرِ وَتَعَدُّ لَا مَحَالَةَ عَلَى وَأَسْرِ الرَّكْعَتَيْنِ اِغْتِبَارًا لِلْجُمُعَةِ، وَتَقَرُّ إِلَى الْأَخْرَجَيْنِ لِاحْتِمَالِ التَّفْصِيَةِ. وَلَكِنَّمَا أَنَّهُ مُدْرِكٌ لِلْجُمُعَةِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ حَتَّى يَشْفُرَ بِرُكْبَةِ الْجُمُعَةِ، وَهِيَ رَكْعَتَانِ، وَلَا وَجْهَ لِمَا ذُكِرَ إِلَّا لِنَهْمَا مُتَغَيِّلَانِ فَلَا يَتَّبِعِي أَخَذَهُمَا عَلَى تَحْرِيمَةِ الْأَخِيرِ.

ترجمہ

اور جس نے امام کو جمعہ میں پایا تو وہ بھی پڑھا جو اس نے پایا ہے۔ اور جمعہ پر ہی بنا کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم جس قدر پاؤ اسے پڑھا اور جو فوت ہو جائے اس کی قضاء کرو۔ اور اگر اس نے امام کو تہجد میں پایا یا سجدہ سہو میں پایا تو شیخین کے نزدیک وہ جمعہ پر بنا کرے۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: اگر اس نے دوسری رکعت کا اکثر حصہ پایا ہے تو وہ جمعہ پر بنا کرے اور اگر اس نے کم حصہ پایا ہے تو وہ ظہر پر بنا کرے۔ کیونکہ اس کی یہ نماز من وجہ جمعہ اور من وجہ ظہر ہے۔ اس لئے کہ اسکے حق میں بعض شرائط فوت ہوگئی ہیں۔ لہذا وہ شخص ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے چار رکعات پڑھے گا۔ اور جمعہ کا اعتبار کرتے ہوئے دو رکعات پر یقین رکھتے ہوئے قعدہ کرے۔ اور احتمال نقل کی وجہ سے آخری دو رکعات میں قرأت کرے۔ جبکہ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں جمعہ کو پانے والا ہے۔ حتیٰ کہ اس پر لازم ہے کہ وہ جمعہ کی نیت کرے۔ اور جمعہ کی دو رکعات ہیں۔ اور جو امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نمازیں مختلف ہیں کسی ایک کی بھی دوسرے کی تحریم سے بناء نہیں کی جاسکتی۔

مدرک رکعت مدرک جمعہ ہونے میں شیخین کے موقف کی بنیاد میں احادیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے نماز کی ایک رکعت امام کے ساتھ پائی اس نے نماز پائی۔ (صحیح البخاری صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو جمعہ کی ایک رکعت ہی (امام کے ساتھ) ملے وہ دوسری (بعد میں) اس کے ساتھ ملے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو نماز کی (صرف) ایک رکعت ملی تو اس کو بھی (گویا کہ) وہ نماز مل گئی۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو جمعہ یا کسی اور نماز کی ایک رکعت بھی مل گئی تو وہ اس کو وہ نماز مل گئی۔ (سنن ابن ماجہ)

یہ حکم عام طور پر تمام نمازوں کے لیے ہے جمعہ ہی کے لیے مخصوص نہیں۔ کتاب الصلوٰۃ کے باب ما علی المأموم من تعریبا اسی مضمون کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ من ادرك ركعة فقد ادرك الصلوة اس کی وضاحت وہاں بھی کی جا چکی ہے۔ لیکن اس

حدیث کو جو یہاں نقل کی جا رہی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمعے کی نماز کے ساتھ مخصوص و متعید کیا ہے اور اس کی بنیاد انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت پر رکھی ہے جو اسی باب کے آخر میں آ رہی ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ جس آدمی کی نماز میں امام کے ساتھ نماز کا جو حصہ بھی ملے اسے امام کے ساتھ ادا کرے اور اس حصہ پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ مائدہ کتم فصلوا و ما فانکم فافضوا یعنی نماز کا جو حصہ امام کے ساتھ پاؤ اسے ادا کرو اور جو کچھ رہ جائے اسے پورا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی آدمی جمعہ کی نماز میں بالکل آخر میں اس حال میں شریک ہوا کہ امام التحیات میں تھا یا سجدہ سو میں تھا تو اسے چاہیے کہ وہ اسی حالت میں جماعت میں شریک ہو جائے اور امام کے ساتھ اسے نماز جمعہ کا جو بھی حصہ ہاتھ لگا ہے اسی پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی امام کے ساتھ جمعے کی دوسری رکعت کا اکثر حصہ پائے تو اسے اس حصے پر جمعے کی بناء کرنی چاہیے۔ لیکن جس آدمی کو دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہ ملے تو اس پر جمعہ کی بناء نہ کرے بلکہ ظہر کی بناء کرے۔

دوسری رکعت کا اکثر حصہ پانے سے مراد دوسری رکعت کا رکوع پانا ہے۔ یعنی اگر کوئی آدمی دوسری رکعت کے رکوع میں بھی شریک ہو گیا تو اسے اکثر حصہ مل گیا اور اگر امام کے رکوع سے سرائخانے کے بعد وہ جماعت میں شریک ہوا تو اسے اکثر حصہ پانا نہیں کہیں گے۔

شیخ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف نے اپنے مذکورہ بالا مسلک کی بنیاد جس حدیث پر رکھی ہے وہ حدیث بھی مطلق ہے جمعہ کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ سے قبل چار رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ)

جمعہ کے بعد کی سنتیں:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم جمعہ کے بعد نماز پڑھو تو چار رکعت پڑھو۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو آدمی جمعہ کی فرض نماز کے بعد نماز پڑھنے والا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ چار رکعت پڑھے صحیح مسلم اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ پانے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی جمعہ کی نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے بعد چار رکعت سنتیں بھی پڑھے۔

وقت خطبہ نماز و کلام کی ممانعت کا بیان:

(وَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَوَكَّلَ النَّاسُ الصَّلَاةَ وَالْكَلَامَ حَتَّى يَفْرَغَ مِنْ خُطْبَتِهِ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا: لَا يَأْسُ بِالْكَلَامِ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ قَبْلَ أَنْ يَخْطُبَ وَإِذَا نَزَلَ بَلَّ أَنْ يُكْثَرَ، لِأَنَّ الْكُرَاهَةَ لِلِإِعْلَالِ يَفْرِضُ الْإِسْتِمَاعَ وَلَا اسْتِمَاعَ هُنَا، بِخِلَافِ الصَّلَاةِ؛ لِأَنَّهَا قَدْ تَمْتَعَتْ.

وَأَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ) مِنْ غَيْرِ فَضْلٍ، وَلِأَنَّ الْكَلَامَ قَدْ يَمْتَعُ طَبَعًا فَأَذْبَحَ الصَّلَاةَ.

ترجمہ

اور جب امام جمعہ کے دن نکلے تو لوگ نماز و کلام کو چھوڑ دیں حتیٰ کہ امام خطبے سے فارغ ہو جائے۔ اور صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ جب امام خطبے سے پہلے آیا ہے تو کلام میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسی طرح جب وہ بغیر کہنے سے پہلے خبر سے اترے۔ کیونکہ ساعت میں حرج کی وجہ سے حکم کراہت ہے۔ اور یہاں کوئی ساعت نہیں ہے۔ بخلاف نماز کے کیونکہ وہ کبھی طویل ہو جاتی ہے۔

اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے۔ جب امام نکلے تو کوئی نماز اور کوئی کلام نہیں ہے۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ لہذا کلام طبعی طور پر لیا جاتا ہے لہذا یہ نماز کے مشابہ ہو گیا۔

شرح:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی جمعے کے دن اس حالت میں جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو بات چیت میں مشغول ہو تو وہ اس گدھے کی مانند ہے کہ جس پر کتا میں لاو دی گئیں ہوں اور جو آدمی اس (بات چیت میں مشغول رہنے والے) سے کہے چپ رہو تو اس کے لیے نیچے کا ثواب نہیں ہے۔

(مسند احمد بن حنبل)

گدھے کی مثل کا مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی اس گدھے کی طرح ہے جس کی پشت پر کتا میں لاو دی جائیں یہ دراصل عالم کے علم پر عمل نہ کرنے سے کنایہ ہے نیز اس بات سے کہ اس آدمی نے اجتہادی محنت و مشقت برداشت کر کے علم حاصل کیا مگر اس علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

جو آدمی مشغول گفتگو کا خواہش ہونے کے لیے کہے اس کو بھی جیسے کا ثواب اس لیے نہیں ملتا کہ اس سے ایسا فتوا اور بے فائدہ کلام صادر ہوا جس کی ممانعت ثابت ہو چکی ہے۔

خطبہ کے وقت خاموشی کا حکم:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کے روز امام خطبہ دے رہا ہو اور تم اپنے ساتھی سے کہو کہ خاموش ہو جاؤ تو تم نے لغو کلام کیا۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے روز کھڑے ہو کر (خطبہ میں) سورہ تبارک پڑھی پھر میں تذکیر بایام اللہ فرمائی (گزشتہ قوموں کی جزا و سزا کا ذکر کر کے عبرت دلائی) اس وقت ابوالدرداء یا ابوذر میں سے کسی ایک نے مجھے ہاتھ لگا کر پوچھا یہ سورت کب نازل ہوئی؟ میں تو ابھی سن رہا ہوں۔ تو حضرت ابی نے اشارہ سے ان کو خاموش رہنے کو کہا جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوالدرداء یا ابوذر (میں سے جس نے سوال کیا تھا) میں نے آپ سے پوچھا کہ یہ سورت کب نازل ہوئی؟ تو آپ نے مجھے بتایا نہیں۔ حضرت ابی نے کہا تمہیں آج کی اس نماز میں سے کبھی لغو بات حصہ میں آئی۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابوذر کی بات آپ کے سامنے رکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابی نے سچ کہا۔ (سنن ابن ماجہ)

خطبہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور اس کی وضاحت :

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا مال تباہ و برباد ہو گیا، میرے اہل و عیال بھوکے ہیں ہمارے لیے دعا کیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی یا اسی طرح بعض روایتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ کی حالت میں بات چیت کرنا ثابت ہے تو ان روایتوں کے بارے میں کئی احتمال ہیں اول تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعاء میں مشغول ہونا یا بات چیت کرنا خطبہ کی حالت میں نہیں تھا بلکہ یا تو خطبہ شروع ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعایا بات چیت میں مشغول ہوئے ایک احتمال یہ ہے کہ ان روایتوں کا تعلق اس زمانے سے ہے جب کہ خطبہ کی حالت میں اس قسم کی مشغولیت ممنوع نہیں تھی یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

حضرت سلمان راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی جسے کے دن نہائے اور جس قدر ہو سکے پاکی حاصل کرے اور اپنے پاس سے (یعنی گھر میں جو بلا تکلف میسر ہو سکے) تیل ڈالے اور اپنے گھر سے عطر لگائے اور پھر مسجد کے لیے نکلے اور (مسجد پہنچ کر) دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ رکھے اور پھر جتنی بھی اس کے مقدور میں ہو (یعنی جسے کی سنت و اہل یا قضاء نماز پڑھے اور امام کے خطبہ پڑھتے وقت خاموش رہے تو اس جمعہ اور گزشتہ جمعہ کے درمیان کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (صحیح البخاری)

اور جس قدر ہو سکے پاکی اختیار کرے کا مطلب یہ ہے کہ پس کتروائے، ناخن کٹوائے، زیر ناف کے بال صاف کرے

بغوں کے بال دور کرے اور پاک و صاف کپڑے پہنے۔

دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ کرے کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد میں باپ بیٹا یا ایسے دو آدمی جو آپس میں محبت و تعلق رکھتے ہوں ایک جگہ پاس بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان نہ بیٹھے یا دو آدمیوں کے درمیان اگر جگہ نہ ہو تو وہاں نہ بیٹھے کہ انہیں تکلیف ہوگی ہاں اگر جگہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

یا فرق نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو پھلانگتا ہوا؟ صفوں کو چیرتا پھاڑتا آگے کی صفوں میں نہ جائے بلکہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے اور اگر بغیر پھلانگے اور بغیر صفوں کے چرے پھاڑے پہلی صف میں پہنچ سکتا ہے تو آگے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں یہ حکم اس صورت کا ہے جب کہ آگے کی صفوں میں جگہ نہ ہو۔ ہاں اگر یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں آگے کی صفوں میں جاؤں گا تو لوگ مجھے وہاں بیٹھنے کی جگہ دیدیں گے یا یہ کہ اگلی صفوں میں جگہ خالی پڑی ہو تو پھر صفوں کو چیر پھاڑ کر بھی آگے جانا درست ہوگا کیونکہ یہ پچھلی صفوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا قصور ہے کہ وہ آگے بڑھ کر پہلی صفوں میں کیوں نہیں بیٹھے اور خالی جگہ کو پر کیوں نہیں کرتے۔

درحقیقت یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ نماز جمعہ کے لیے اول وقت مسجد پہنچ جانا چاہیے۔ تاکہ وہاں فرق نہ کرنے اور صفوں کو چیرنے پھاڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے غسل کیا پھر جمعہ میں آیا اور جس قدر کہ اس کے نصیب میں تھی نماز پڑھی پھر امام کے خطبے سے فارغ ہونے تک خاموش رہا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس جمعے سے گزشتہ جمعے تک بلکہ اس سے تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (صحیح البخاری)

تین دن کی زیادتی اس لیے ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا زیادہ ہوتا ہے لہذا جمعے سے جمعہ تک تو سات دن ہوئے اور تین دن کا اسی میں اضافہ کر دیا گیا تاکہ وہ اپنی پوری ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (یعنی آداب وضو کی رعایت کے ساتھ) پھر جمعہ میں آیا اور (اگر نزدیک تھا تو) خطبہ سنا اور (اگر دور تھا تو خطبہ سن سکتا تھا) تو خاموش رہا تو اس (جمعے) کے اور گزشتہ جمعے کے درمیان بلکہ اس سے بھی تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے سنگریوں کو چھوا اس نے لغو کیا۔ (صحیح مسلم)

سنگریوں کو چھوا یعنی نماز میں سنگریوں سے خشل کیا یا اس طور کے سجدے کی جگہ برابر کرنے کے لیے انہیں ایک مرتبہ سے زیادہ برابر کیا بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خطبے کے وقت سنگریوں سے کھیلنا۔

لغو کے معنی باطل اور بے فائدہ بات لہذا نمازی کے سنگریوں سے کھیلنے یا سنگریوں کو چھونے کو لغو کے ساتھ مشابہت اس



لیے دی گئی ہے کہ یہ فعل خطبہ سننے سے مانع ہوتا ہے۔

بعد کی طرف سعی کے وقت کا بیان:

(وَإِذَا أَدَّيْنَا الْمُؤَدَّنُونَ الْأَذَانَ الْأَوَّلَ تَرَكْنَا النَّاسَ الْبَيْعَ وَالشَّرَاءَ وَتَوَجَّهُوا إِلَى الْجُمُعَةِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ) (وَإِذَا صَعِدَ الْإِمَامُ الْمِنْبَرَ جَلَسَ وَأَدَّيْنَا الْمُؤَدَّنُونَ بَيْنَ يَدَيِ الْمِنْبَرِ) يَذْكُرُكَ جَزَى التَّوَارِثِ وَلَمْ يُكُنْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا هَذَا الْأَذَانُ، وَلِهَذَا قِيلَ: هُوَ الْمُسْتَعْرَفِي وَجُوبِ السَّغْيِ وَحُرْمَةِ الْبَيْعِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْمَغْتَبَرِ هُوَ الْأَوَّلُ إِذَا كَانَ بَعْدَ الزَّوَالِ لِحُصُولِ الْإِعْلَامِ بِهِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ..

ترجمہ

اور جب مؤدنین نے پہلی اذان دی تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ کر جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ" اور جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤدّن منبر کے سامنے اذان دے کیونکہ یہی متواتر ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں یہ اذان تھی۔ اسی دلیل کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ وجوب سعی اور حرمت بیع اسی اذان کے ساتھ ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اذان اول کا اعتبار ہے۔ جو زوال کے بعد ہوتی ہے۔ کیونکہ اعلان اسی کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

شرح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بیٹے کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر آکھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جو آدمی مسجد میں اول وقت آتا ہے پہلے وہ اس کا نام لکھتے ہیں پھر اس کے بعد پہلے آنے والوں کا نام لکھتے ہیں اور جو آدمی مسجد میں اول (وقت) جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آدمی مکہ میں قربانی کے لیے اونت بھیجتا ہے۔ (کہ جس کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے) پھر اس کے بعد جو آدمی جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آدمی مکہ میں قربانی کے لیے گائے بھیجتا ہے۔ پھر اس کے بعد جو آدمی آتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آدمی دنپہ بھیجتا ہے پھر اس کے بعد جو آدمی آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی صدقہ میں مرغی دیتا ہے پھر اس کے بعد جو آدمی آتا ہے وہ صدقہ میں انڈا دینے والے کی مانند ہوتا ہے اور جب امام (خطبہ کے لیے منبر پر) آتا ہے تو وہ اپنے جھینے لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

## باب العیدین

﴿یہ باب عیدین کی نماز کے بیان میں ہے﴾

باب نماز عیدین کی مناسبت کا بیان:

عیدین کی نماز کی مطابقت جمعہ کے ساتھ واضح ہے۔ کیونکہ اس میں قیاس ہی اسی پر کیا جاتا ہے۔  
عید کا معنی:

عربی زبان میں لفظ عید "عود" سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی لوٹنا ہے۔ اسکی وضعی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لغویوں میں سے عصر آئمہ کا ادراک کرنے والے غلیل بن احمد فراہیدی (۱۰۷ھ) کتاب العین ۱۲۲ پر یوں بیان کرتے ہیں: عود بار بار لوٹنے کو کہا جاتا ہے اور "عودہ" ایک دفعہ لوٹنا ہے جیسا کہ ملک الموت اہل میت کو کہتا ہے: میں بار بار تمہارے ہاں آؤں گا یہاں تک کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔

لفظ عید کی وضاحت کرتے ہوئے غلیل بن احمد فراہیدی (۱۰۷ھ) کتاب العین ۱۲۲ پر یوں بیان کرتے ہیں: "کل یوم جمع" جس دن لوگ اکٹھے ہوں اس دن کو عید کہتے ہیں۔ عید اصل میں واو کیساتھ تھا اسکی واو کو یا میں تبدیل کیا اور پھر جمع اور تغیر میں اسی طرح رہنے یا لہذا اسکی جمع "ایام" اور اسکی تغیر "عید" آتی ہے اور یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

دوسرے لغویوں نے بھی اسی معنی کو بیان کیا ہے جیسا کہ لسان العرب ۳/۳۱۸ میں ابن منظور (متوفی ۷۱۱ھ) نے ان الفاظ کے ساتھ عید کو بیان کیا ہے:

"و العید کُلُّ یوم فیہ جمع، و اشتقاقہ من عاد یعود کانہم عادو اللہ، و قبل: اشتقاقہ من العادة لأنہم اعتادوہ، و الجمع أعیاد"

انسان اور عید کا تصور

حزن اور سرور انسانی سرشت اور فطرت میں پوشیدہ ان کیفیات میں سے ہیں جو عام طور پر کسی سبب کی وجہ سے انسان کو عارض ہوتی ہیں لہذا غم و اندوہ اور خوشی و فرحت کسی چیز کا عکس العمل ہوتا ہے یعنی اس غمی کے پیچھے کوئی واقعہ یا خبر یا عمل ہوتا ہے جو اس غمی کا موجب بنتا ہے اور اسی طرح کوئی خبر، واقعہ، فعل یا عمل ہوتا ہے جو اس خوشی کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ پس اس بناء پر حزن و سرور اور انسان کا چوڑی دامن کا ساتھ ہے۔ البتہ حزن و سرور کا اظہار کبھی انسان کی شخصی اور انفرادی زندگی تک محدود ہوتا ہے لیکن کبھی اسکی محدودیت اس کی ذات سے وسیع تر اجتماعی صورت اختیار کر لیتی ہے یعنی انسان اس خوشی و غمی کو اجتماعی صورت میں

انجام دیتا ہے اور عید کا لفظ حقیقت میں اسی اجتماعی صورت کیلئے وضع ہوا ہے۔ اس کا مشاہدہ عید کے لغوی معنی میں کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال تاریخ انسانی کے متعلق دقیق ترین کسی عیب و شک سے پاکیزہ معلومات فراہم کرنے کا منبع قرآن عید کے تصور کو صراحت کے ساتھ بنی اسرائیل کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہتا ہے کہ

"قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ"

"حضرت عیسیٰ بن مریم نے خدا کی بارگاہ میں عرض کیا اے بارالہا! تم ہمارے لئے آسمان سے مائدہ نازل فرما دے اولین اور آخرین کیلئے عید اور تمہاری جانب سے معجزہ ہو اور تم ہی بہترین رازقین میں سے ہو"

اسکے لئے تفسیر المیزان ۸۳۲/۶ تفسیر آلوسی اور دیگر تفاسیر میں سورہ مائدہ کی ۱۱۴ ویں آیت کے ذیل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کا اپنی قوم کے سوال کے جواب میں حضرت کا خدا سے دعا کا کرنا اور پھر اس دعا میں "نن" اور "عید" کے الفاظ کا استعمال اس قوم میں اس تصور کی خبر دیتا ہے جس پر آیت اسلام سے پہلے تصور عید کی موجودیت پر دلالت کرتی ہے اگرچہ بنی اسرائیل سے پہلے بھی اس تصور کی جانب حضرت ابراہیم کے قصے میں انبیاء کی ۵۷ دیں اور ۵۸ ویں آیت میں مفسرین کے بقول "مہرین" اور "س معنائی" میں اشارہ موجود ہے۔

نماز عید ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے:

قَالَ ( وَتَجِبُ صَلَاةُ الْعِيدِ عَلَى كُلِّ مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ ) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ ، فَأَوَّلُ سُنَّةٍ ، وَالثَّانِي قَرِيبَةٌ ، وَلَا يَتْرُكُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا . قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَهَذَا تَنْصِيفُ عَلَى الشَّيْءِ ، وَالْأَوَّلُ عَلَى الْوُجُوبِ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ . وَجَهُ الْأَوَّلِ مُوَاطَأَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا ، وَجَهُ الثَّانِي قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ عَقِيبَ سُؤَالِهِ : ( هَلْ عَلَى غَيْرِهِمْ ؟ ) فَقَالَ : لَا إِلَّا أَنْ تَكُونُوا ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ ، وَتَسْمِيَةُ سُنَّةٍ لَوْجُوبِهِ بِالسَّنَةِ .

ترجمہ:

اور نماز عید ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر نماز جمعہ واجب ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے جب ایک دن میں دو عیدیں جمع ہو جائیں تو پہلی سنت ہے اور دوسری فرض ہے۔ لہذا ان دونوں میں کسی ایک کو بھی چھوڑا نہیں جائے گا۔ ص جب ہدایہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اور عید کی نماز کی سنت نص سے ہے۔ اور پہلی واجب ہے۔ اور یہی روایت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ

ہے۔ اور پہلی کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر دوام فرمایا ہے اور دوسری کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جب اعرابی نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ان کے سوا بھی مجھ پر کوئی نماز لازم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ جس قدر نفل ہو سکے۔ اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور اس کا سنت نام رکھنا اس وجہ سے ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ہے۔  
شرح:

وجوب عید کا وجوب بعد پر قیاس کرنے کی علت:

بعد کے تمام احکام پڑھ لینے کے بعد یہ قیاس اخذ ہوتا ہے کہ عید کی نماز کا وجوب لوگوں سے حرج دور کرنے کی وجہ سے ہے عید الفطر کی مشن کا بیان:

(وَيُسَبِّحُ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى وَيَتَغَيَّلَ وَيَسْنَاكَ وَيَتَكَلَّبَ) لَمَّا رَوَى (اللَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَطْعَمُ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى، وَكَانَ يَتَغَيَّلُ فِي الْيَمِينِ) وَلَئِنَّهُ يَوْمُ اجْتِمَاعٍ كَسَنَ فِيهِ الْغُلَّ وَالطَّبَّ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ (وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ رِيَابِهِ) وَلَئِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَتْ لَهُ جُبَّةٌ فَلَبَّ أَوْ صُوفٍ يَلْبَسُهَا فِي الْأَعْيَادِ .

(وَيُؤَدَّى صَلَوةُ الْفِطْرِ) إِغْنَاءَ لِلتَّقْيِيرِ لِيَخْرُجَ قَلْبُهُ لِلصَّلَاةِ (وَيَتَوَجَّهُ إِلَى الْمُصَلَّى، وَلَا يُكَبِّرُ حَتَّى آتِيَ حَبِيقَةَ رَحْمَةِ اللَّهِ فِي طَرِيقِ الْمُصَلَّى، وَعِنْدَهُمَا يُكَبِّرُ) اغْتِبَارًا بِالْأَضْحَى .

وَلَهُ أَنَّ الْأَصْلَ لِمَا لِي الشَّاءِ الْإِحْقَاءُ، وَالشَّرْعُ وَزَعْدُهُ لِي الْأَضْحَى وَلَئِنَّهُ يَوْمٌ تَكْبِيرٍ، وَلَا كَذَلِكَ يَوْمَ الْفِطْرِ .

(وَلَا يَسْتَقِلُّ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ الْعِيدِ) وَلَئِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مَعَ حِرْصِهِ عَلَى الصَّلَاةِ، ثُمَّ قَبْلَ الْكِرَاةِ فِي الْمُصَلَّى خَاصَّةً، وَقَبْلَ فِيهِ وَفِي غَيْرِهِ عَامَّةً، وَلَئِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَفْعَلْهُ .

ترجمہ:

نمازی کیسے مستحب یہ ہے کہ وہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے کچھ کھائے، غسل کرے اور مسواک کر دے اور خوشبو لگائے۔ اسی روایت کی وجہ سے جو بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے کچھ تناول فرماتے اور آپ ﷺ عیدین کے غسل فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ اجتماع کا دن ہے لہذا اس میں غسل کرنا خوشبو لگانا اسی طرح سنت ہے جس طرح جمعہ میں سنت ہے۔ اور وہ اچھا لباس پہنے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے پاس فداک یا صوف کا جبہ تھا جو آپ ﷺ عیدین کے موقع پر پہنا کرتے تھے۔

اور وہ صدقہ فطر ادا کرنے تاکہ فقیر کا دل بے نیاز ہو کر نماز کیلئے فارغ ہو جائے۔ اور وہ عید گاہ کی طرف متوجہ ہو اور امام اعظم کے نزدیک راستے میں بکیر نہ کہے جبکہ صاحبین کے نزدیک عید الاضحیٰ پر قیاس کرتے ہوئے وہ بکیر کہے۔ امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ شاہ اور ذکر میں اصل انقضاء ہے جبکہ حجر کے ساتھ حکم شرعی عید الاضحیٰ کے بارے میں ہے۔ کیونکہ عید الاضحیٰ تو دن ہی بکیر کا ہے۔ جبکہ عید الفطر میں ایسا نہیں ہے۔

عید کی نماز سے پہلے عید گاہ میں غلی نماز نہ پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا حالانکہ آپ ﷺ کو نماز کا بہت شوق تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکم کراہت عید گاہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ بھی فقہاء نے کہا ہے کہ حکم کراہت عید گاہ وغیرہ عید گاہ کیلئے عام ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔

ترج:

عید کی نماز میں قرأت کے احکام باب القرات میں گزر چکے ہیں۔

نماز عید کے وقت کا بیان:

(وَإِذَا حَلَّتِ الصَّلَاةُ بِازْتِمَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَفُتْهَا إِلَى الزَّوَالِ ، فَإِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ خَرَجَ وَفُتْهَا )  
لَأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي الْعِيدَ وَالشَّمْسُ عَلَى قَيْدِ رَمَحٍ أَوْ رُمَحَيْنِ ، وَلَمَّا شَهِدُوا بِإِلْهَالِ بَعْدَ  
الزَّوَالِ أَمَرَ بِالْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى مِنَ الْقَيْدِ .

ترجمہ:

جب سورج بند ہو جائے تو نماز مباح ہو جائے گی حتیٰ کہ وقت زوال داخل ہونے تک۔ اور جب سورج وصل گیا تو عید کی نماز کا وقت خارج ہو گیا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ اس وقت نماز عید پڑھا کرتے تھے جب سورج ایک نیزہ یا دو نیزوں تک بلند ہو جاتا۔ اور جب لاٹوں نے زوال کے بعد ہلال کی گواہی دی تو آپ نے اگلے دن عید گاہ کی طرف نماز کا حکم دیا۔

نماز عید کا طریقہ:

( وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رُكْعَتَيْنِ ، يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ وَكَلَامًا بَعْدَهَا ، ثُمَّ يَقْرَأُ الْفَاتِحَةَ وَسُورَةً ، وَيُكَبِّرُ ثَلَاثِينَ يَرْكَعُ بِهَا .  
ثُمَّ يَتَعَدَّى إِلَى الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِالْقِرَاءَةِ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ كَلَامًا بَعْدَهَا ، وَيُكَبِّرُ رَابِعَةً يَرْكَعُ بِهَا ) وَهَذَا قَوْلُ ابْنِ  
مَسْعُودٍ ، وَهُوَ قَوْلُنَا .

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ وَخَمْسًا بَعْدَهَا وَفِي الثَّانِيَةِ يُكَبِّرُ خَمْسًا ثُمَّ يَقْرَأُ . وَفِي  
رَوَايَةٍ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا ، وَظَهَرَ عَمَلُ الْعَامَّةِ الْيَوْمَ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ لِأَمْرِ نَبِيِّهِ الْمُخْلَعَاءِ . فَكُنَّا الْمَذْهَبَ فَالْقَوْلُ

أَوَّلُ؛ لِأَنَّ التَّكْبِيرَ وَزَلَعَ الْأَيْدَى خِلَافَ الْمَقْهُودِ فَكَانَ الْأَخَذُ بِالْأَقْلَى أَوَّلَی ثُمَّ بِالتَّكْبِيرَاتِ مِنْ أَعْلَامِ  
الَّذِينَ حَتَّى يَجْهَرَ بِهِ فَكَانَ الْأَصْلُ فِيهِ الْجَمْعُ وَفِي الرَّكْعَةِ الْأَوَّلَى يَجِبُ إِنْحَافُهَا بِتَكْبِيرَةِ الْإِفْتِتَاحِ لِقَوِيَّتِهَا  
مِنْ حَيْثُ الْفَرِیضَةُ وَالسُّبْحُ، وَفِي الثَّانِيَةِ لَمْ يُوجَدْ إِلَّا تَكْبِيرَةُ الرَّكْعَةِ فَوَجِبَ الضَّمُّ إِلَيْهَا، وَالشَّافِعِيُّ  
أَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ، إِلَّا أَنَّهُ حَمَلَ الْعُرْوَةَ كُلَّهُ عَلَى الزَّوَالِدِ فَصَارَتْ التَّكْبِيرَاتُ عِنْدَهُ خَمْسَ عَشْرَةَ  
أَوْ سِتَّ عَشْرَةَ.

ترجمہ:

اور امام لوگوں کو دو رکعات نماز پڑھائے۔ اور پہلی رکعت شروع کرنے کیلئے ایک تکبیر کہے۔ اور بعد میں تین تکبیریں  
کہے۔ پھر فاتحہ اور سورۃ پڑھے۔ اور ایک تکبیر کہتا ہوا رکوع کرے۔ پھر دوسری رکعت کو قرأت سے شروع کرے۔ پھر اس کے  
بعد تین تکبیریں کہے۔ اور چوتھی تکبیر کہتے ہوئے رکوع کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی فرمان ہے۔ اور ہمارا  
بھی یہی مسلک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلے شروع کرنے کیلئے تکبیر کہے تو اس کے بعد پانچ تکبیریں کہے۔ اور  
دوسری رکعت میں بھی پانچ تکبیریں کہے۔ اور اس کے بعد قرأت کرے۔ جبکہ ایک روایت کے مطابق چار تکبیریں کہے۔ آج  
کل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر عمل ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اولاد میں سے خلفاء ہیں۔ لہذا  
انہوں نے لوگوں کو اسی پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہی بات مذہب کی تو وہ پہلا قول ہے کیونکہ تکبیر اور ہاتھ اٹھانا خلاف معبود  
ہے۔ لہذا اقلیل کو لینا افضل ہے۔ اور تکبیرات دینی اعلام سے ہیں۔ لہذا ان میں جبر کیا جائے۔ پس ان تکبیرات میں اصل  
اجتماع ہے۔ اور پہلی رکعت میں ان تکبیروں کو تکبیر تحریر سے ملانا واجب ہے۔ کیونکہ فرضیت و سنت کی وجہ سے تکبیر تحریر قوی  
ہے۔ جبکہ دوسری رکعت میں رکوع میں پائی جائے گی۔ لہذا رکوع والی تکبیر کے ساتھ ملانا واجب ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ  
نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پکڑا ہے۔ لیکن انہوں نے روایت کردہ تعداد کو زائد پر محمول کیا ہے۔ اس طرح  
امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک تمام تکبیرات کی تعداد پندرہ یا سولہ ہوگئی۔

فقہ حنفی کے مطابق تکبیرات تشریق کی تعداد کا بیان:

حضرت سعید ابن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ و حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ رسول  
کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید النضر و بقر عید کی نماز میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ  
جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے  
حضرت حذیفہ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ابوموسیٰ نے سچ کہا (ابوداؤد)

حضرت ابو موسیٰ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں بھی ہر رکعت میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اس طرح کہ پہلی رکعت میں تو قرأت سے پہلے تکبیر تحریرہ سمیت چار تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں متضاد احادیث منقول ہیں اسی وجہ سے ائمہ کے مسلک میں بھی اختلاف ظاہر ہوا ہے چنانچہ تینوں اماموں کے نزدیک عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کے ہاں تو پہلی رکعت میں سات تکبیریں مع تکبیر تحریرہ کے ہیں اور اسی طرح دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام سمیت ہیں جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریرہ کے علاوہ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام کے علاوہ ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر تحریرہ کے علاوہ تین تکبیریں پہلی رکعت میں اور تکبیر رکوع کے علاوہ تین تکبیریں دوسری رکعت میں ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اسی کو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بھی اختیار کیا ہے جبکہ حضرت امام شافعی کے مسلک کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عباس کا مسلک ہے جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے حضرت امام شافعی استدلال کرتے ہیں تو ان کی صحت وضعف اور ان کی اسناد و طرق کے بارے میں بہت زیادہ اعتراضات ہیں جس کو یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ علماء حنفیہ اپنے مسلک کے بارے میں کہتے ہیں کہ تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں جب متضاد اور مختلف احادیث سامنے آئیں تو ہم نے ان میں سے ان احادیث کو اپنا معمول پورا قرار دیا جن میں تکبیرات کی تعداد کم منقول تھی کیونکہ عیدین کی زائد تکبیریں اور رفع یدین بہر حال خلاف معمول ہیں اس لیے کم تعداد کا اختیار کرنا ہی اولیٰ ہوگا۔

تکبیرات عیدین میں رفع یدین کرنے کا بیان:

قَالَ ( وَتَرْفَعُ يَدَيْهِ لِي تَكْبِيرَاتِ الْوُعْدَيْنِ ) يُرِيدُ بِهِ مَا يَسُوَّى تَكْبِيرَتَي الرَّكْعَتَيْنِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ( لَا تَرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَى سَبْعِ مَوَاطِنَ ) وَذَكَرُوا مِنْ جَمَلِهَا تَكْبِيرَاتِ الْأَعْيَادِ . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَرْفَعُ ، وَالْحَنَفِيُّ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا .

قَالَ ( لَمْ يَخْطُبْ بَعْدَ الصَّلَاةِ عَطَبَيْنِ ) بِذَلِكَ وَرَدَ النَّقْلُ الْمُسْتَعْيِضُ ( يَعْلَمُ النَّاسُ لَهَا صَدَقَةُ الْفِطْرِ بِأَحْكَامِهَا ) لِأَنَّهَا شَرِعتٌ لَا جِلْدَ .

ترجمہ:

اور وہ عیدین کی تکبیرات میں رفع یدین کرے۔ رکوع والی تکبیر کے سوا تکبیریں مراد ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ رفع یدین صرف سات مقامات پر کیا جائے۔ اور ان تمام میں تکبیرات عیدین کا بھی ذکر فرمایا۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک رفع یدین نہ کیا جائے ان پر ہماری روایت حجت ہے۔

پھر وہ نماز کے بعد دو خطبے پڑھے جس طرح نفل سے حاصل ہوا ہے۔ اس میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام سکھائے کیونکہ اس کی مشروعیت ہی اس وجہ سے کی گئی ہے۔

نماز عید کے قضاء کرنے کا طریقہ:

(وَمَنْ قَاتَنَهُ صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِسْلَامِ لَمْ يَقْضِهَا) ؛ لِأَنَّ الصَّلَاةَ بِهَذِهِ الصَّلَاةِ لَمْ تُعَرَفْ قُرْبَةً إِلَّا بِشَرَايِعِ لَا تَقِيْمُ بِالْمُنْقَرِدِ .

ترجمہ:

اور جس شخص کی عید کی نماز امام کے ساتھ سے فوت ہو جائے۔ وہ اس کی قضا نہ کرے اس لئے کہ نماز عید کا اس صفت کے ساتھ عبادت ہونا معلوم نہیں۔ مگر ایسی یہ نماز شرائط کے ساتھ ہے جو منفرد سے پوری نہیں ہو سکتیں۔

شرح: جماعت کے سوا یہ نماز نہیں پڑھی جاتی۔ لہذا اس کا وجوب مطلق بالجماعت ہے۔

رکوعیت ہلال کے بیان میں:

(لَإِنْ هُمْ الْهَلَالُ وَهَيَلُوا حَسَنَ الْإِسْلَامِ بِرُؤْيَا الْهَلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيدَ مِنَ الْقَدِ) ؛ لِأَنَّ هَذَا تَأْخِيرٌ بِعَلْوٍ وَقَدْ وَرَدَ فِيهِ الْحَدِيثُ ( لَإِنْ حَدَّثَ غُلَزٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ ) ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا أَنْ لَا تَقْضَى كَالْجُمُعَةِ إِلَّا أَنَّا قَرَرْنَا بِالْحَدِيثِ ، وَقَدْ وَرَدَ بِالتَّأْخِيرِ إِلَى الْيَوْمِ الثَّانِي عَنْهُ الْعُلُو .

ترجمہ:

اگر چاند بادل میں چھپ گیا اور لوگوں نے زوال کے بعد رؤیت ہلال کی گواہی دی تو امام دوسرے دن عید کی نماز پڑھائے کیونکہ اس میں تاخیر عذر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور اس میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔ پس اگر ایسا عذر واقع ہوا کہ وہ دوسرے دن بھی عید کی نماز نہ پڑھ سکے تو اس کے بعد وہ نماز عید نہ پڑھیں گے۔ کیونکہ اس کی اصل یہ ہے کہ یہ جمعہ کی طرح قضا نہ کی جائے مگر ہم نے حدیث کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اس میں عذر کی وجہ سے یوم ثانی تک تاخیر کا حکم وارد ہوا ہے۔



چاند کی شہادت زوال کے بعد آئے تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے:

حضرت عیسیٰ بن اسی اپنے چچا اس سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے، تس کرتے ہیں کہ ایک قافلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ شہادت دی کہ انہوں نے کل عید کا چاند دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو قافلہ کا حکم دیا اور فرمایا کہ صبح عید گاہ جائیں۔ (ابوداؤد، سنن نسائی)

رمضان کی تیسویں شب یعنی اقیس تاریخ کو اہل مدینہ نے عید کا چاند نہیں دیکھا چنانچہ انہوں نے تیس تاریخ کو روزہ رکھا۔ اتفاق سے کسی روز ایک قافلہ باہر سے مدینہ آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کی شہادت دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ کی شہادت کو ماننے ہوئے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کر دیں۔ اور چونکہ چاند ہونے کی یہ شہادت زوال آفتاب کے بعد آئی تھی اور نماز عید کا وقت نہ رہا تھا۔ جبکہ ایک روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ انہم فدموا احمر السباد (یعنی قافلہ دان کے آخری حصہ میں دینے لگے تھے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید کے بارے میں یہ حکم دیا کہ کل صبح ادا کی جائے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اسی پر عمل ہے کہ آفتاب بلند ہونے کے بعد نماز عید کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور زوال آفتاب تک دہتا ہے۔

شرح منید میں لکھا کہ اگر کوئی ایسا نہ دیکھیں آجائے جو عید الفطر کے روز زوال آفتاب سے پہلے نماز عید کی دعا کی لیے مانع ہو تو عید کی نماز اس روز پڑھنے کی بجائے دوسرے روز زوال آفتاب سے پہلے ادا کر دی جائے۔ اگر دوسرے دن بھی کوئی عذر نماز کی ادائیگی کے لیے مانع ہو تو پھر نماز نہ پڑھی جائے۔

بخلاف بقر عید کی نماز کے کہ اگر اس کی ادائیگی کے لیے کوئی عذر پہلے اور دوسرے روز مانع ہو تو تیسرے روز بھی اس کی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ ویسے بقر عید کی نماز میں بلا عذر بھی دوسرے یا تیسرے دن تک تاخیر جائز ہے مگر کر دے۔

عید الاضحیٰ کے دن سنن کا بیان:

(وَيُسْتَحَبُّ لِيَوْمِ الْأَضْحَى أَنْ يَتَّخِذَ وَيَتَغَيَّبَ) لِمَا ذَكَرْنَا (وَيُلَوَّحُ الْأَكْلَ حَتَّى يَقْرَعَ مِنَ الصَّلَاةِ) لِمَا رَوَى (أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَعْلَمُ فِي يَوْمِ النَّحْرِ حَتَّى يَرْجِعَ لِمَا كُنْ مِنْ الْأَضْحَى).

وَيَتَوَجَّهُ إِلَى الْمُضَلَّى (وَهُوَ يُكَبِّرُ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الطَّرِيقِ (وَيُضَلِّي رُكْعَتَيْنِ كَمَا يُضَلِّي) كَذَلِكَ لِقَوْلِ (وَيُخَطِّبُ بَعْلَهَا عَطْفَتَيْنِ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَذَلِكَ لِقَوْلِ (وَيَعْلَمُ النَّاسُ فِيهَا الْأَضْحَى وَكَبِيرُ النَّشْرِ) لِأَنَّهُ مَشْرُوعُ الْوَقْتِ، وَالْحَطْبَةُ مَا شَرَعَتْ إِلَّا لِتَلْبِيهِ.

ترجمہ:

اور عید الاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ وہ غسل کرے اور خوشبو لگائے۔ جیسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور وہ حد سے دیر نہ کرے

حتیٰ کہ عید کی نماز سے فارغ ہو جائے۔ اسی روایت کی وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ قربانی کے دن کھانا تناول نہ فرماتے تھے حتیٰ کہ نماز سے واپس آتے اور قربانی سے کھانا تناول فرمایا کرتے۔

اور وہ عید گاہ جہتے ہوئے تکبیر کہے کیونکہ نبی کریم ﷺ راستے میں تکبیر کہا کرتے تھے۔ اور امام عید الفطر کی طرح دور رکعت نماز پڑھتے۔ اسی طرح منقول ہے اور اس کے بعد وہ دو خطبے پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اور اس میں وہ لوگوں کو قربانی اور تکبیرات تشریح کے احکام سکھائے۔ کیونکہ یہی اس کا وقت شروع ہے اور خطبے کی مشروعیت ہی اسی کی تعلیم کیلئے ہوئی ہے۔

عیدین کی سنتیں اور احادیث نبوی ﷺ:

- 1 آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عید کے دن اپنی حمری چادر (مکن میں بنی ہوئی ایک عمدہ چادر) پہنتا کرتے تھے (شافعی)۔  
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے (موطا) عیدین کے دن غسل کرنا خوبصورت (سننے یا دھلے ہوئے) کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا چاہئے
- 2 عید الفطر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نماز کے لئے نہیں نکلا کرتے تھے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند کھجوریں نہ کھا لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم طاق تعداد (1، 3، 5، 7) میں کھجور کھایا کرتے تھے۔ (بخاری)  
اگر عید الفطر والے دن کھجوریں میسر نہ ہوں تو کوئی بھی میٹھی چیز عید گاہ جانے سے پہلے کھا لیتی چاہئے لیکن عید الاضحیٰ میں نماز عید ادا کرنے کے بعد کھانا کھانا مسنون ہے بہتر ہے کہ قربانی کا گوشت کھایا جائے۔ (مسند احمد)
- 3 عید الاضحیٰ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس نہ آجاتے۔

(ترمذی)

- 4 عید الاضحیٰ والے دن نماز عید سے واپس آکر قربانی کے گوشت میں سے ہی کھایا کرتے تھے۔ (احمد)
- 5 آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر نکل کر عید گاہ میں نماز عید ادا کیا کرتے تھے البتہ اگر بارش ہوتی تو مسجد میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ (ابوداؤد)
- 6 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف پیدل جایا کرتے تھے (ابن ماجہ۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)  
عید گاہ اگر گھر کے قریب ہو تو عید گاہ کی طرف پیدل جانا مسنون ہے اگر عید گاہ گھر سے کافی دور ہو تو سواری پر بھی جایا جاسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید کے دن صبح سورج نکلنے ہی عید گاہ تشریف لے جاتے اور عید گاہ تک آواز بلند تکبیریں پڑھتے ہوئے جاتے تھے۔

لَهُ أَكْثَرُ اللَّهُ أَكْثَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْثَرُ اللَّهُ أَكْثَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ

اور پھر عید گاہ میں بھی تکبیریں کہتے رہتے۔ جب امام خطبہ شروع کر دیتا تو تکبیریں پڑھنا چھوڑ دیتے۔ (شافعی رحمہ اللہ)  
ذو الحجہ کے پہلے 10 دن پورے سال میں نہایت اہم ہیں اس لئے ان 10 دنوں میں اور ایام تشریق (11، 12 اور 13  
ذو الحجہ) میں ذکر اللہ بہت زیادہ کرنا چاہئے۔ (منہج ص 11 بخاری کتاب العیدین۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)  
7 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن ہم چھوٹی بچیاں، جوان (پردہ والی) اور  
حائضہ عورتوں کو بھی (عید گاہ) لے جائیں۔ البتہ حائضہ عورتیں نماز سے الگ رہیں اور مسلمانوں کی (صرف) دعا میں  
شریک ہوں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعض عورتیں ایسا بھی ہیں جن کے پاس چادر نہیں ہوتی۔ فرمایا  
جس عورت کے پاس چادر نہ ہو اس کی، لیکن کو چاہئے کہ اسے اپنی چادر پہنا کر ساتھ لے لے۔

(بخاری۔ عن ام عطیہ رضی اللہ عنہا)

8 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید کی نماز کے لئے کوئی ذرا نہیں کہی جاتی تھی اور نہ  
ای عیدین (کے میدان) میں منبر ہوتا تھا امام کھڑا رہتا تھا۔ (بخاری)

9 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لئے عید گاہ تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 2 رکعت نماز (نہ عید)  
پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ ہی بعد میں (بخاری)۔ (نوٹ: جب کسی کی نماز عید  
جماعت سے رہ جائے تو وہ 2 رکعت (نماز ظہر سے پہلے) نماز عید ادا کر لے (بخاری)۔ اسی طرح اگر کسی کی ایک رکعت نکل  
جائے تو اہم کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لے۔ اگر کسی کی نماز فجر وقت پر ادا نہیں ہو سکی ہو تو گھر پر یہ نماز فجر پڑھ کر چائے  
10 جب آپ علیہ السلام عید کے بعد اپنے ساتھیوں سے ملے تو یہ کلمات کہتے تھے: اللَّهُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ (اللہ مجھ سے اور  
آپ سے قبول فرمائے۔

عید کے دن مندرجہ ذیل کام کرنے مستحب ہیں:

غسل کر خمر دوں کو خوشبو استعمال کرنا۔ صدقہ فطر عید گاہ جانے سے پہلے ادا کرنا (یا نماز عید سے پہلے تو ضرور ادا کر دے۔  
عید خضر کے لئے جانے سے پہلے بھجوریں طاق عدد میں کھانا اور پانی پیکر عید گاہ جانا۔ عید الاضحیٰ (بقرب عید) کے دن عید گاہ  
جانے سے پہلے کچھ نہ کھانا۔ (منہج احادیث بخاری، مسلم)

اگر یوم اول نماز عید ہو تو حکم شرعی:

(لَإِنْ كَانَ غُلُوٌّ مِّنَ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْأَضْحَىٰ صَلَّاهَا مِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَلَا يُصَلِّيَهَا بَعْدَ ذَلِكَ  
وَلَا أَنَّ الصَّلَاةَ مُؤَقَّتَةٌ بَوَلَّيْتُ الْأَضْحَىٰ فَتَقَدَّمَ بِهَا يَوْمَ لَيْلَةٍ مِّنْهُ لِي النَّاسِ مِنْ غَيْرِ غُلُوٍّ لِمُخَالَفَةِ

الْمَنْقُول . ترجمہ:

اگر کسی عذر کی وجہ سے ایام الاضعی کے دن عید نماز نہ پڑھ سکے تو دوسرے یا تیسرے دن پڑھیں اور اس کے بعد نہ پڑھیں کیونکہ یہ نماز قربانی کے وقت کے ساتھ موقت ہے۔ لہذا اس کا وقت بھی ایام قربانی کے ساتھ معید ہوگا۔ البتہ نفل کی سختی کی وجہ سے بغیر عذر کے تاخیر کرنے والا گناہگار ہوگا۔

شرح. فتاویٰ حاشیہ میں ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے عید الفطر پہلے دن رہ گئی تو دوسرے دن ادا کی جائے اور اگر عذر نہ تھا تو دوسرے دن تک پڑھی جاسکتی، اور اگر دوسرے دن بھی نہ پڑھی جاسکی خواہ عذر تھا یا نہیں، تو اس کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی، باقی نماز عید الاضعی اگر عذر یا بغیر عذر پہلے دن رہ گئی تو دوسرے دن پڑھ لی جائے، اگر دوسرے دن فوت ہو گئی عذر تھا یا نہ تھا تو تیسرے دن پڑھ لی جائے، اور اگر تیسرے دن بھی رہ گئی خواہ عذر تھا یا نہ تھا تو اس کے بعد ادا نہیں کی جاسکتی۔ (فتاویٰ قاضی خاں، باب صلوة العیدین مطبوعہ، مثنوی نو لکھنؤ لکھنؤ)

امام زطی حنفی لکھتے ہیں کہ یہاں عذر نفی کر اہت کے لئے ہے، حتیٰ کہ اگر بغیر عذر کے تین دن نماز مؤخر کر دی تو اب بھی نماز جائز البتہ تاخیر کر کے نہ کیا اور فطر میں عذر جواز کے لئے ہے حتیٰ کہ اگر بغیر عذر کے نماز دوسرے دن تک مؤخر کی تو اب اس کی ادائیگی جائز نہ ہوگی۔ (تہمین الحقائق، باب الحمد)

علامہ حنفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ عذر مثلاً بارش کی وجہ سے فقط دوسرے دن زوال تک مؤخر کی جاسکتی ہے اور عید الفطر کے احکام عید الاضعی کی طرح ہیں لیکن عید الاضعی کو بلا عذر ایام آخر کے تیسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے، ہاں کراہت ہے اور عذر ہوگا تو کراہت نہیں ہوگی، یہاں عذر کا ہونا نفی کر اہت کے لئے ہے اور عید الفطر میں صحت کے لئے ضروری ہے۔

(درمختار، باب العیدین، مطبوعہ مطبعہ چبھائی دہلی)

عرفہ والوں کے ساتھ اشباعہ کا بیان:

(وَالْتَعْرِيفُ الَّذِي يَضَعُهُ النَّاسُ لِمَسْ بَشَىءٍ) وَهُوَ أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي بَيْتِ الْمَوَاضِعِ تَسْبِيحًا بِأَلْوَانِ الْخَيْسَنِ بِعَرَفَةَ؛ لِأَنَّ الْوُقُوفَ عَرَفَ عِبَادَةٍ مُخْتَصَّةٍ بِمَكَانٍ مُخْصُوصٍ فَلَا يَكُونُ عِبَادَةُ دُورِهِ كَسَائِرِ الْمَنَاسِكِ .

ترجمہ: اور جو لوگوں نے تعریف کی ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے اور وہ یہ ہے عرفہ کے دن لوگ ایک میدان میں جمع ہوتے ہیں اس طرح کہ وہ وہاں کھڑے ہونے والوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ کیونکہ وقوف عرفہ مخصوص عبادت کے ساتھ مخصوص جگہ کے ساتھ خاص ہے۔ لہذا اس کے سوا کھڑا ہونا عبادت نہ ہوگا۔ جس طرح تمام مناسک میں ہوتا ہے۔ شرح عرفہ کی عبادت مناسک کے ساتھ خاص ہے لہذا دوسرے احکام میں نہ پالی جائے گی۔

## فصل فی تکبیرات التشریق

﴿یہ فصل تکبیرات تشریق کے بیان میں ہے﴾

تکبیر تشریق کی فصل کی مطابقت کا بیان:

عیدین کی نماز کے ساتھ ان تکبیروں کی مطابقت واضح ہے۔ لہذا اسی وجہ عیدین کے باب کے بعد اس فصل کا ذکر کیا ہے۔

کلمات کو تکبیر تشریق کہا جاتا ہے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر، واللہ الحمد۔

ذوالحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے ذوالحجہ کی تیرہ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد فوراً بلند آواز سے تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے، البتہ عورتیں آہستہ سے کہیں۔

حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق تکبیرات تشریق امام، مقتدی، مسبوق، منفرد، شری، و بیہائی، مقیم، مسافر، مرد اور عورت سب پر واجب ہے۔ حضرات فقہا کرام کے نزدیک یہی قول مفتی ہے، اس لیے تمام افراد کو تکبیرات تشریق ہر فرض نماز کے بعد کہہ لینی چاہئیں۔

تکبیرات تشریق پڑھنے کا بیان:

(وَلْيَسْأَلِ الْمُكَبِّرُ التَّشْرِيقَ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَيَنْتَهِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْغُصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ) حَنْدُ أَبِي حَنِيفَةَ.

وَقَالَا: يَنْتَهِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْغُصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، وَالْمَسْأَلَةُ مُخْتَلِفَةٌ بَيْنَ الصَّحَابَةِ، فَأَخَذَا بِقَوْلِ عَلِيٍّ أَخَذًا بِأَلَّا كَثِيرٌ، إِذْ هُوَ الْإِخْتِطَاطُ فِي الْعِبَادَاتِ، وَأَخَذَ يَقُولُ ابْنُ مَسْعُودٍ أَخَذًا بِأَلَّا قَلِيلٌ، لِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ بَذْعَةٌ.

وَالتَّكْبِيرُ أَنْ يَقُولَ مَرَّةً وَاحِدَةً: اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ هَذَا هُوَ الْمَأْثُورُ عَنِ الْغُلِيلِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ.

ترجمہ:

اور وہ عہد کے دن فجر کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق شروع کرے۔ اور نحر کے دن عصر کے بعد ختم کرے۔ یہ امام اعظم عیالہ الرحمہ کے نزدیک ہے۔

اور صاحبین نے فرمایا ایام تشریق کے آخری دن کی عصر کے بعد ختم کرے۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ لہذا صاحبین نے اکثر پر عمل کرنے کا استدلال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان کو اپنایا ہے۔ کیونکہ عبادات میں احتیاط یہی ہے۔ جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ نے قلیل کو اپنانے کا استدلال سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان سے لیا ہے۔ تکبیر جبر کے ساتھ کہا بدعت ہے۔ اور وہ تکبیر یہ ہے: "اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا

اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، وَلِلَّهِ الْحَمْدُ“ یہی حضرت ابراہیم علیہ الرحمہ سے نقل کی گئی ہے۔  
تکبیرات تشریق کی تعداد میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت کبیر ابن عبد اللہ اپنے والد سے اور وہ کبیر کے دادا سے یعنی اپنے والد محرم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کیں۔ (جامع ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)  
مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے تحریر اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ سات تکبیریں کیں۔ اسی طرح دوسری رکعت میں قیام اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ پانچ تکبیریں کیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اسی پر عمل ہے۔

حضرت سعید ابن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو موسیٰ و حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید و بقر عید کی نماز میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے حضرت حذیفہ نے (یہ نہ کر) فرمایا کہ ابو موسیٰ نے سچ کہا (ابوداؤد)

حضرت ابو موسیٰ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں بھی ہر رکعت میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اس طرح کہ پہلی رکعت میں تو قرأت سے پہلے تکبیر تحریر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں متفاد احادیث منقول ہیں اسی وجہ سے ائمہ کے مسلک میں بھی اختلاف ظاہر ہوا ہے چنانچہ تینوں ائمہوں کے نزدیک عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کے ہاں تو پہلی رکعت میں سات تکبیریں و تکبیر تحریر کے ہیں اور اسی طرح دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام سمیت ہیں جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریر کے علاوہ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام کے علاوہ ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر تحریر کے علاوہ تین تکبیریں پہلی رکعت میں اور تکبیر رکوع کے علاوہ تین تکبیریں دوسری رکعت میں ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز ای کو حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے بھی اختیار کیا ہے جبکہ حضرت امام شافعی کے مسلک کے مطابق حضرت عبد اللہ ابن عباس کا مسلک ہے یہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے حضرت امام شافعی استدلال کرتے ہیں تو ان کی صحت و ضعف اور ان کی اسناد و طرق کے بارہ میں بہت زیادہ اعتراضات ہیں جس کو یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ علاوہ ضعیف اپنے مسلک کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں جب متفاد اور مختلف احادیث سامنے آئیں تو ہم نے ان میں سے ان احادیث کو اپنا معمول پر قرار دیا جن میں

تکبیرات کی تعداد کم منقول تھی کیونکہ عیدین کی زائد تکبیریں اور رفع یدین بہر حال خلاف معمول ہیں اس لیے کم تعداد کا اختیار کرنا ہی اولیٰ ہوگا۔

نمازوں کے بعد تکبیرات تشریق پڑھنے کا بیان:

(وَهُوَ عَقِيبُ الصَّلَاةِ الْمَقْرُوءَةِ عَلَى الْمُتَقِيمِينَ فِي الْأَمْصَارِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ الْمُسْتَفْعَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَيْسَ عَلَى جَمَاعَاتِ النَّسَاءِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُنَّ رَجُلٌ، وَلَا عَلَى جَمَاعَةِ الْمُسَافِرِينَ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ مُقِيمٌ۔

وَقَالَا: هُوَ عَلَى كُلِّ مَنْ صَلَّى الْمَكْتُوبَةَ، لِأَنَّهُ تَبِعَ الْمَكْتُوبَةَ، وَلَهُ مَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ. وَالتَّشْرِيقُ هُوَ التَّكْبِيرُ كَذَا لِقَوْلِ عَنِ الْخَلِيلِ بْنِ أَحْمَدَ، وَلَئِنْ الْجَهْرُ بِالتَّكْبِيرِ خِلَافَ السُّنَّةِ، وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهِ عِنْدَ أَهْلِ شِمَالِ هَذِهِ الشَّرَاطِ، إِلَّا أَنَّهُ يَجِبُ عَلَى النَّسَاءِ إِذَا الْقَدَّيْنِ بِالرِّجَالِ، وَعَلَى الْمُسَافِرِينَ عِنْدَ الْقِدَالِهِمْ بِالْمُقِيمِ بِطَرِيقِ السُّبُحَةِ۔

قَالَ يَتَقَوَّبُ: صَلَّيْتُ بِهِمْ الْمَغْرِبَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعْتُ أَنَّ أَكْبَرَ فَكَبَّرَ أَبُو حَنِيفَةَ. دَلَّ أَنَّ الْإِمَامَ وَإِنْ تَرَكَ التَّكْبِيرَ لَا يَنْتَرِكُهُ الْمُتَقَدِّسُ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَا يُؤَدِّي إِلَى خُرْمَةِ الصَّلَاةِ وَلَمْ يَكُنْ الْإِمَامُ فِيهِ حَتْمًا وَإِنَّمَا هُوَ مُسْتَحَبٌّ۔

ترجمہ:

شہروں میں مقیم لوگ جو مستحب جماعتوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ان پر نمازوں کے بعد ہے۔ لہذا عورتوں کی جماعتوں پر یہ تکبیر نہیں ہے۔ جبکہ ان کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو۔ اور مسافروں کی جماعتوں پر بھی تکبیر نہیں ہے جبکہ ان کے ساتھ کوئی مقیم نہ ہو۔

اور حدیثین نے فرمایا: تکبیر ہر اس شخص پر ہے جو فرض پڑھے۔ کیونکہ تکبیر فرض نماز کے تابع ہے۔ جبکہ امام اعظم کی دلیل وہی حدیث ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور تشریق تکبیر ہی ہے اسی طرح حضرت عقیل بن احمد سے نقل کیا گیا ہے۔ کیونکہ جہر کے ساتھ تکبیر خلاف سنت ہے۔ اور حکم شرعی ان شرائط کے جمع ہونے کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ مگر تکبیر عورتوں پر بھی واجب ہو جائے گی جبکہ وہ کسی مرد کی اقتداء کریں۔ اور اسی طرح تابع ہونے کی وجہ مسافروں پر بھی واجب ہو جائے گی جب وہ کسی مقیم کی اقتداء کریں۔ اور امام ابو یوسف (یعقوب) نے کہا ہے۔ میں نے عرفہ کے دن مغرب کی نماز پڑھائی اور تکبیر تشریق کہنا بھول گیا تو امام اعظم نے تکبیر کی۔ اس قصہ کی اس بات پر دلالت ہے کہ اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدی اس کو ترک نہ کرے اس نے تکبیر تحریر نماز کے اندر ادا نہیں کی جاتی۔ لہذا اس کے کہنے میں امام کا ہونا واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔

شرح:

اس مسئلہ کی وضاحت میں یہی دلیل ہے کہ تکبیرات تشریق فرض نماز کے تابع ہیں۔ اور اس کی شرح سابقہ عبارات میں گزر چکی ہے۔

## بَابُ نَمَازِ الْكَسُوفِ

﴿یہ باب نماز کسوف کے بیان میں ہے﴾

باب نماز کسوف کی مطابقت:

اس نماز کا وقوع قلیل ہوتا ہے اسی وجہ سے مصنف نے اس کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ پھر ان کے وقوع کا سبب غشی ہے۔ سورج گرہن کے وقت رسول اللہ ﷺ کی نماز:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں (ہجرت کے بعد ایک مرتبہ) سورج گرہن ہوا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نداء والے کو (لوگوں کے درمیان) بھیجا کہ وہ منادی کر دے کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی نماز جمع کرنے والی ہے چنانچہ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور دو رکعت نماز پڑھائی جن میں چار رکوع کئے اور چار جہدے کئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (جتنے طویل رکوع اور جہدے میں نے اس دن نماز خسوف میں کئے) اس سے زیادہ طویل میں نے نہ کبھی رکوع کیا اور نہ کبھی جہدہ کیا۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

نماز خسوف میں لوگوں کو جمع کرنے کے لیے الصلوٰۃ جامعۃ پکار کر کہنا سنت ہے خاص طور پر جب کہ لوگ اس نماز کے لیے جمع نہ ہوئے ہوں۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ نماز جماعت کے ساتھ جامع مسجد میں یا عید گاہ میں پڑھی جائے نیز یہ نماز اوقات مکروہہ میں نہ پڑھی جائے۔

فصلی اربع رکعات اس کے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکوع اور چار جہدے کئے یعنی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو جہدے کئے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک میں دوسری نمازوں کی طرح اس نماز میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے ان کی دس دو احادیث ہیں جن سے ایک ہی رکوع کرنا ثابت ہے بلکہ اس باب میں ایک حدیث قوی بھی منقول ہے اور یہ اصول ہے کہ جہاں قول اور فصل ثابت ہوتے ہیں تو فصل پر قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔

سورج گرہن کا حقیقی سبب

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ (اس طرح) نماز پڑھی کہ سورہ بقرہ کی قرأت کی بعد بطویل قیام فرمایا (یعنی اتنی دیر تک قیام میں کھڑے رہے جتنی دیر تک سورہ بقرہ پڑھی جاسکتی ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا، رکوع بھی اتنا طویل تھا، رکوع سے سر اٹھا یا اور بڑی دیر تک کھڑے رہے لیکن یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا، پھر (دوبارہ) رکوع کیا، یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور جہدہ کیا، پھر (دوسری رکعت کے لیے) کھڑے ہوئے اور بہت



طویل قیام کیا مگر یہ قیام پہلی رکعت کے قیام سے کم تھا، پھر رکوع میں گئے یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے اور دیر تک کھڑے رہے مگر یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا، پھر رکوع میں گئے یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ کیا اس کے بعد (یعنی التیمات اور سلام کے بعد) نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج اور چاند اللہ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں! یہ نہ کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن ہوتے ہیں اور نہ کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے جب تم یہ دیکھو کہ (یہ گرہن میں آ گئے ہیں) تو اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (نماز کے دوران) ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ سے کسی چیز کو لینے کا ارادہ کیا پھر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے ہٹنے ہوئے دیکھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب تم نے مجھے کسی چیز کے لینے کیلئے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا تو اس وقت) میں نے جنت کو دیکھا تھا اور اس میں سے خوشہ انگوٹھ لینے کا ارادہ کیا تھا، اگر میں خوشہ انگوٹھ لے لیتا تو بلاشبہ تم اسے دیتی دینا تک کھاتے اور جب تم نے مجھے پیچھے ہٹے ہوئے دیکھا تھا (اس وقت) میں نے دوزخ دیکھی تھی (اس کی گہری کے پینچنے کے ذریعے پیچھے ہٹ گیا تھا) چنانچہ آج کے دن کی طرح کسی دن میں نے ایسی ہولناک جگہ بھی نہیں دیکھی اور دوزخ میں میں نے زیادہ گور تیش ہی دیکھی ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس وجہ سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کے گھر کی وجہ سے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا عورتیں اللہ کے گھر میں جھلا ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ شوہروں کی نعمتوں اور احسان کا کفران کرتی ہیں (یعنی شوہروں کی ناشکر و نافرمانی کرتی ہیں اور کسی کا احسان نہیں مانتیں) چنانچہ تم ان میں سے کسی کے ساتھ مدتوں تک بھلائی کرتے رہو مگر جب بھی وہ کسی چیز کو اپنی مرضی کے خلاف پائے گی تو یہی کہے گئے کہ میں نے کبھی تمہارے یہاں بھلائی نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

آیتان من ایت اللہ کا مطلب یہ ہے کہ سورج و چاند اللہ کی الوہیت اور اس کی قدرت کی نشانیاں میں سے اس بات کی دو نشانیاں ہیں کہ یہ دونوں رب قدوس کے تاجدار اور فرمانبردار پیدا کئے گئے ہیں انہیں اپنی طرف سے کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت تو کیا ہوتی ہے ان میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے اندر کسی قسم کے پیدا ہوئے نقصان اور عیب کو ختم کر سکیں۔ لہذا کیسے بد عقل و کند فہم آدمی کہ وہ لوگ جو اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہوئے چاند سورج کو معبود قرار دیتے ہیں ان کے سامنے اپنی پیشانی جھکاتے ہیں؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جاہلیت کے اس عقیدہ کو ختم فرمایا کہ کس عظیم حادثہ مثلا کسی بڑے آدمی کے مرنے اور بداء عام یعنی قتل و غیرہ کی وجہ سے سورج و چاند گرہن میں آتے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ یہ خیالات باطل اور اعتقادات قاسد ہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ ان دونوں کو گرہن میں جھلا کر کے صرف اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔

فاذکر اللہ کا مطلب یہ ہے کہ چاند سورج گرہن کے وقت اگر نماز کے وقت مکروہ نہ ہوں تو کسوف و خسوف کی نماز پڑھو اور اگر اوقات مکروہ ہوں تو پھر نماز نہ پڑھو بلکہ پروردگار کی تسبیح و تہلیل اور بحیرہ نیر استغفار میں مشغول ہو جاؤ۔ لیکن یہ بات جان لو

کہ یہ حکم امر انتخابی کے طور پر ہے و جب کے طور پر نہیں ہے کیونکہ نماز رکوف و خروف واجب نہیں ہے۔ بلکہ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک سنت ہے۔

سورج گرہن کی نماز کا بیان:

بِقَالَ ( إِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكَعَتَيْنِ كَهَيئَةِ السَّائِلَةِ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ رُكُوعٌ وَاحِدٌ ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : رُكُوعَانِ .

لَهُ مَا رَوَتْ عَائِشَةُ ، وَلَبَّاسُ بْنُ عَمْرٍو ، وَالتَّحَالُ أَخْبَفَ عَلَى الرِّجَالِ لِقُرْبِهِمْ لَمَّا كَانَ التَّرْجِيعُ لِرِوَايَتِهِ ( وَيُكُونُ الْقِرَاءَةُ فِيهِمَا يُخْفِي عَنْ أَبِي خَيْفَةَ ، وَقَالَ يَهْجَرُ ) وَعَنْ مُحَمَّدٍ مِثْلَ قَوْلِ أَبِي خَيْفَةَ أَمَّا الشَّافِعِيُّ فَيُحِبُّ الْقِرَاءَةَ فِيهِمَا الْأَفْعَلُ ، وَيُخَفِّفُ إِنْ شَاءَ لِأَنَّ الْمُسْتَوْنَ اسْتِغْنَابَ الْوَقْفِ بِالصَّلَاةِ وَاللُّغَاءِ ، فَإِذَا خَفَّتْ أَخْلَفْنَا طَوْلَ الْأَعْرِ .

وَأَمَّا الْأَخْفَاءُ وَالْجَهْرُ فَلَهُمَا رِوَايَةُ عَائِشَةَ ( أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهَرَ فِيهِمَا ) وَلِأَبِي خَيْفَةَ رِوَايَةُ أَبِي عُبَّاسٍ وَسَمُرَةَ وَحَسَى اللَّهُ عَنْهُمْ ، وَالتَّرْجِيعُ لَمْ يَزَلْ قَبْلَ ، كُنْثٍ وَإِنَّمَا صَلَاةُ النَّهَارِ وَهِيَ خُفْيَاءُ .

ترجمہ:

جب سورج گرہن ہو جائے تو امام کو گوں کوٹھ کی طرح اس طرح دو رکعت نماز پڑھائے۔ کہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ دو رکوع ہیں۔ امام شافعی کی دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے اور ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اور اس نماز کا حال مردوں پر زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ وہی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ لہذا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص والی روایت کو ترجیح دی جائے گی اور وہ دونوں رکعات میں قرأت طویل کرے۔ یہ قرأت امام اعظم کے نزدیک خفی جبکہ صاحبین کے نزدیک جبر کے ساتھ کرے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ سے ایک روایت امام اعظم کی طرح بھی مروی ہے۔ بہر حال قرأت میں طوالت بیان فضیلت ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو قرأت میں تخفیف کر دے۔ کیونکہ سنت تو یہ ہے کہ وقت رکوف کو نماز دو دعا کے ساتھ گھیرنا ہے لہذا ان دونوں میں سے جب کسی ایک کو کم کرے تو دوسرے کو لمبا کر دے۔ اور ہجر و اخفاء کے مسئلے میں صاحبین کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہما والی روایت ہے۔ اور دلیل ترجیح پہلے گزر چکی ہے۔ اور قرأت خفی کا قیمن نہ ہوگا کیونکہ دن کی نمازیں سری ہیں۔

نماز رکوف میں سری قرأت کرنے میں فقہاء حنفی کی دلیل:

حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سورج گرہن کے وقت (اس طرح) نماز پڑھائی (کہ) ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں سنتے تھے۔

(جامع ترمذی، ابوداؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ)

یہ حدیث اور اسی قسم کی اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کسوف میں امام بااواز بلند قرأت نہ کرے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما السلام کا مسلک یہ ہے۔ صحیح البخاری و صحیح مسلم نیز دوسری کتابوں میں ایسی روایات بھی منقول ہیں کہ جن سے نماز کسوف کی قرأت کا بااواز بلند ہونا ثابت ہوتا ہے۔ روایات کے اس تعارض کے پیش نظر حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب روایتوں میں تعارض پیدا ہوا تو ان روایتوں کو ترجیح دینا ضروری ہوا جن سے قرأت کا آہستہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ دن کی نماز میں قرأت کا آہستہ ہونا اصل ہے۔ (فتح القدیر)

امام بخاری اور امام مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف یعنی چاند گرہن کی نماز میں قرأت بااواز بلند پڑھی تھی۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

نماز کسوف میں طوالت کا بیان:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (بھی) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کی طرح روایت منقول ہے چنانچہ انہوں نے یہ (بھی) فرمایا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو پڑا طویل سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہوئے تو (آفتاب) روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دگوں کے سامنے) خطبہ ارشاد فرمایا، چنانچہ (پہلے) آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں فرمائی اور پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشان ہیں، نہ تو کسی کی موت کی وجہ انہیں گرہن لگتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے چنانچہ جب تم گرہن دیکھو تو خدا سے دعا مانگو، تکبیر کہو اور نماز پڑھو نیز اللہ کی راہ میں خیرات کرو۔ پھر فرمایا کہ اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! قسم ہے پروردگار کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ جب کہ اس کا کوئی بندہ زنا کرتا ہے یا اس کی کوئی ہندی زنا میں مبتلا ہوتی ہے اور اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! قسم ہے خدا کی، اگر تم لوگ وہ چیز جان لو جو میں جانتا ہوں (یعنی یوم آخرت کی ہونے کی اور پروردگار کا غضب) تو اس میں کوئی شک نہیں تمہارا ہشتاکم اور تمہارا نایادہ ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک کسوف میں دو رکوع کرنے کا بیان:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر جزوے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کچھ رکوع اور چار سجدے کے ساتھ نماز پڑھائی۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت دو رکعت نماز آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ اس طرح پڑھائی کہ ہر رکعت میں چار چار رکوع اور دو دو سجدے کئے اور اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے ان احادیث کو ترجیح دی ہے جن میں ہر رکعت میں صرف ایک رکوع کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اصل یہی ہے کہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو بلکہ اس بارے میں قوی اور قطعی دونوں طرح کی احادیث منقول ہیں۔ پھر یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مستدل روایت کے علاوہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دوسرے اکثر اہل علم حضرات کے یہاں یہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر گریہن دیر تک رہے تو یہ جائز ہے کہ ہر رکعت میں تین یا چار یا پانچ رکوع بھی کئے جاسکتے ہیں۔

فقہاء احناف کی مؤید رکوع واحد میں دلیل:

امام نسائی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھ لی شروع کی (یعنی دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھتے اگر گرہن ختم نہ ہوتا تو پھر دو رکعت نماز پڑھتے اسی طرح گرہن تک نماز پڑھتے رہے) اور (اللہ تعالیٰ سے یہ دعا) مانگتے (کہ یا اللہ آفتاب روشن کر دے یا یہ کہ ہر دو دو رکعت کے بعد لوگوں سے گرہن کے بارے میں پوچھتے کہ گرہن ختم ہوا یا نہیں؟ اگر لوگ کہتے کہ ابھی گرہن باقی ہے تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے) جہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا۔ (ابوداؤد) اور سنن نسائی کی روایت ہے کہ جب سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی جس میں رکوع و وجہ کرتے تھے سنن نسائی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک روز جب کہ سورج کو گرہن ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلالت کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ زمین پر رہنے والے بڑے آدمیوں میں سے کسی بڑے آدمی کے مرنے کی وجہ سے سورج اور چاند کو گرہن لگتا ہے، حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) سورج و چاند تو کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے۔ یہ دونوں محض اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں، اللہ جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تغیر (مثلاً گرہن، روشنی اور اندھیرا) پیدا کرتا ہے۔ لہذا جب ان میں سے کوئی گرہن میں آئے تو تم نماز پڑھنی شروع کر دو یہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ظاہر ہو جائے (یعنی عذاب آجائے یا قیامت شروع ہو جائے)۔ (سنن نسائی)

حدیث کے الفاظ ہماری نماز کی طرح کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف کی ہر رکعت میں کئی کئی رکوع نہیں کئے بلکہ جس طرح کہ ہم روزمرہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں ایک ایک رکوع اور دو دو وجہ کئے۔ یہ حدیث احناف کے مسلک کی دلیل ہیں اس کے علاوہ اور احادیث بھی منقول ہیں جو اس مسئلہ میں احناف کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔

سورج گرہن والی نماز کی دعا کا بیان:

(وَبَدْعُوْا بَعْدَهَا حَتّٰی تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ هَلِهِ الْأَفْرَاجِ)

حَتَّمَا فَازَعَوْا إِلَى اللَّهِ بِالْعَمَاءِ، وَالسُّنَّةِ فِي الْأَذْعِيَةِ تَأْمِيرَهَا عَنِ الصَّلَاةِ (وَيُصَلِّي بِهِمُ الْإِمَامُ الَّذِي يُصَلِّي بِهِمُ الْجُمُعَةَ لِأَنَّهُمْ يَحْضُرُونَ صَلَاتِي النَّاسِ فَرَادَى) تَعَزُّوْا عَنِ الْيَقِيَةِ.

ترجمہ:

اور وہ نماز کے بعد دعا کرے یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم خوف والی اشیاء کو دیکھو تو دعا کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اور دعا میں سنت ان کے نماز کے بعد ہوتا ہے۔ اور نماز کو سو فی ان کو وہی امام پڑھائے جو انہیں جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے۔ اور اگر وہ امام نہ ہو تو لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تاکہ فتنے سے بچ جائیں۔

نوٹ اس کی شرح سابقہ عبارت کی شرح میں گزر چکی ہے۔

چاند گرہن میں جماعت کرانے کا بیان:

(وَكَيْسَ فِي غُسُوفِ الْقَمَرِ جَمَاعَةٌ لِيُصَلُّوا لِاجْتِمَاعِ فِي اللَّيْلِ (أَوْ لِعَوْفِ الْيَقِيَةِ)، وَإِنَّمَا يُصَلِّي كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِذَا رَأَيْتُمْ حَتَّمًا مِنْ هَذِهِ الْأَقْوَالِ فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ) (وَكَيْسَ فِي الْكُسُوفِ عَطْبَةً) لِأَنَّهُ لَمْ يَنْقَلْ.

ترجمہ:

چاند گرہن میں جماعت نہیں ہے۔ کیونکہ لوگوں کا رات جمع ہونا حذر رہے یا پھر فتنے کا خوف ہے۔ اور بے شک ہر شخص اپنی نماز خود پڑھے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تک خوفناک چیزوں میں سے دیکھو تو نماز کی طرف آ جاؤ۔ اور کسوف میں خطبہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ معقول ہی نہیں ہوا۔

نماز خسوف کی قرأت

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف یعنی چاند گرہن کی نماز میں قرأت بآواز بلند پڑھی تھی۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

سورج گرہن کی نماز بالا اتفاقاً جمہور علماء کے نزدیک مسنون ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز دو رکعت باجماعت بغیر خطبہ کے ہے۔ چاند گرہن کی نماز میں دو رکعت ہے مگر اس میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر آدمی الگ الگ یہ نماز پڑھے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دونوں میں جماعت اور خطبہ ہے۔

## بَابُ الْإِسْتِغْثَاءِ

﴿یہ باب بارش طلب کرنے کے بیان میں ہے﴾

باب الاستغناء کی مطابقت کا بیان:

اس باب کی سابقہ باب سے مطابقت واضح ہے کیونکہ ان دونوں میں لوگوں کی کثیر تعداد کو جمع کیا جاتا ہے۔

استغناء کا فقہی مفہوم:

استغناء کے لغوی معنی ہیں پانی طلب کرنا اور اصطلاح شریعت میں اس کا مطلب ہے خطہ اور خشک سالی میں طلب بارش کے لیے بتائے گئے طریقوں کے مطابق نماز پڑھنا اور دعا کرنا۔

حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہمراہ طلب بارش کے لیے عید گاہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی جس میں بلند آواز سے قرأت فرمائی اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعا کے لیے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور قبلہ رخ ہوتے وقت اپنی چادر پھیر دی تھی۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

ائمہ فقہ کے نزدیک نماز استغناء میں تھما ہوا:

حضرت امام شافعی اور صاحبین (حضرت امام یوسف اور حضرت امام محمد) کے نزدیک استغناء کی نماز عید کی نماز کی طرح ہے اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ استغناء کی دو رکعت نماز اسی طرح پڑھی جائے جیسا کہ دوسری نماز پڑھی جاتی ہے۔

چادر پھیرنا دراصل تغیر حالت کے لیے اچھا ٹھکانہ لینے کے درجہ میں ہے جس طرح چادر الٹ پلٹ دی گئی ہے اسی طرح موجودہ حالت میں بھی تبدیلی اور تغیر ہو جائے یا اس طور کہ خطہ کے بدلہ ارزانی ہو جائے اور خشک سالی کی بجائے باران رحمت سے دنیا سیراب ہو جائے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک استغناء میں نماز نہیں ہے:

(قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَيْسَ فِي الْإِسْتِغْثَاءِ صَلَاةٌ مَسْنُونَةٌ فِي جَمَاعَةٍ، لِأَنَّ صَلَاتِ النَّاسِ وَخَدَاتِهَا جَزَاءٌ، وَإِنَّمَا الْإِسْتِغْثَاءُ الدُّعَاءُ وَالْإِسْتِغْفَارُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا) الْآيَةُ، (وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَغْفَى وَلَمْ تَزُودْ عَنْهُ الصَّلَاةُ)

ترجمہ

امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا: استسقاء میں کوئی نماز جماعت کے ساتھ سنت نہیں۔ لہذا اگر لوگ اکیسے اکیلے پڑھیں تو جائز ہے اور بے شک استسقاء صرف دعا و استغفار کا نام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا“ اور رسول اللہ ﷺ استسقاء فرمایا جبکہ آپ سے نماز کی روایت مروی نہیں ہے۔ نماز جمعہ والی دعا سے استسقاء کے عدم نماز ہونے کا استدلال:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگوں پر قحط سالی پڑی تو جمعہ کے دن اس حالت میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ایک اعرابی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مال تلف ہو گیا اور بچے بھوکے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے (بارش کی) دعا کیجئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہم (اس وقت) آسمان میں ایک کھڑا بھی بادل کا ندیکھتے تھے مگر تم اس ذات (پاک) کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو سینے بھی نہ پائے کہ بادل پھاڑوں کی طرح چھا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منبر پر سے اترے نہیں یہاں تک کہ میں نے بارش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک پر چلتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس دن ہم پر بارش ہوئی اور دوسرے دن اور تیسرے دن اور چوتھے دن (اسی طرح) دوسرے جمعہ تک بارش رتی رتی رہی تو وہی اعرابی (یا انس رضی اللہ عنہ نے) کہا کہ (کوئی) دوسرا (آدی جمعہ کے وقت) پھر کھڑا ہو گیا اور اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ (بارش کی کثرت سے) مکان گر گئے اور مال ڈوب گیا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا فرمائیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ! ہمارے آس پاس میںہ برسا اور ہم پر نہ برسا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بادل کے جس کھڑے کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ ہٹ جاتا تھا اور پورا زمینہ (بادل سے صاف ہو کر) مثل حوض کے ہو گیا اور دایقہ کا ناسا ایک سینے تک بہتا رہا اور جو شخص کسی طرف سے آتا تھا وہ بارش کی کیفیت بیان کرتا تھا۔

(صحیح بخاری، حدیث نمبر 519)

صحابین کے نزدیک استسقاء نماز ہے:

(وَقَالَا: يٰصَلَّى الْإِيمَانِ رُكْعَتَيْنِ) لِمَا رَوَى (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِيهِ رُكْعَتَيْنِ كَصَلَاةِ الْوُعِيدِ) رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ..

قُلْنَا: فَعَلَهُ سَرْعَةً وَتَرَكَهُ أُخْرَى فَلَمْ يَكُنْ سُنَّةً، وَقَدْ ذَكَرَ لِي الْأَاضِلُ قَوْلَ مُحَمَّدٍ وَخَدَهُ. (وَيَبْهَرُ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ) اغْتِبَارًا بِصَلَاةِ الْوُعِيدِ..

(ثُمَّ يَخْطُبُ) لِمَا رَوَى (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ) ثُمَّ هِيَ كَخُطْبَةِ الْوُعِيدِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خُطْبَةٌ وَاحِدَةٌ (وَلَا خُطْبَةٌ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ) ، لِأَنَّهَا تَبَعٌ لِلْجَمَاعَةِ وَلَا جَمَاعَةٌ عِنْدَهُ (وَتَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِالْإِدْعَاءِ) لِمَا رَوَى (أَبُو حَبِيبَةَ) اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوْلَ رِذَاءَةٍ (وَيَقْلِبُ رِذَاءَةً) لِمَا رَوَيْنَا . قَالَ : وَهَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ ، أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ فَلَا يَقْلِبُ رِذَاءَةً ، لِأَنَّهُ دُعَاءٌ فَيُعْتَبَرُ بِسَائِرِ الْأَدْعِيَةِ وَمَا رَوَاهُ كَانَ تَقَارُلاً (وَلَا يَقْلِبُ الْقَوْمُ أَرْوِثَهُمْ) ، لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ أَنَّهُ أَمَرَهُمْ بِذَلِكَ . (وَلَا يَحْضُرُ أَهْلُ اللَّمَّةِ إِلَّا مُسْتَقَاءً) ، لِأَنَّهُ لَا يُنْزَلُ الرَّحْمَةُ ، وَإِنَّمَا تُنْزَلُ عَلَيْهِمُ اللَّعْنَةُ .

ترجمہ

اور صاحبین علیہم الرحمہ نے فرمایا امام دور کلمات پڑھے۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے نماز عید کی طرح دو رکعت نماز پڑھی۔ اور اس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایسا کیا پھر اسے چھوڑ دیا لہذا یہ سنت نہ ہوا۔ جبکہ مبسوط میں مذکور ہے کہ یہ امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے۔

صاحبین کے نزدیک عید پر قیاس کرتے ہوئے دونوں رکعات میں قرأت جبر سے کرے۔ اور پھر وہ خطبہ پڑھے۔ اس لئے کہ روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خطبہ پڑھا ہے۔ لہذا یہ خطبہ عید کے خطبہ کی طرح ہو گیا۔ صاحبین کے نزدیک ایک ہی خطبہ ہے۔

جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس میں خطبہ نہیں ہے کیونکہ جماعت کے تابع ہے اور آپ کے نزدیک جماعت ہی نہیں ہے۔

اور وہ قبلہ رخ ہو کر دعائے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگی۔ اور اپنی چادر کو اٹھ دے اور اس کا انعقاد کرے اسی روایت کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا: یہ امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک رداء قلب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی دعا ہے اور اسے دوسری دعاؤں پر قیاس کیا جائے گا۔ رجوع روایت بیان کی گئی وہ محض نیکی کے طور پر تھی۔۔۔۔۔ اور قوم اپنی چادروں میں رداء قلب نہ کریں کیونکہ اس طرح محنتوں ہی نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ ذی لوگ اس میں شامل نہ ہوں کیونکہ استسقاء نزول رحمت کی طلب کی دعا ہے جبکہ زمیوں پر لعنت نازل ہوتی ہے۔

نماز استسقاء کے بارے میں فقہاء احناف کا مذہب:

نماز استسقاء کے سلسلہ میں خود خفیہ کے یہاں دو قول ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ استسقاء نماز نہیں ہے بلکہ دعا استسقاء ہے وہ فرماتے ہیں کہ جن اکثر احادیث میں استسقاء کا ذکر آیا ہے ان میں نماز مذکور نہیں ہے بلکہ صرف دعا



کرنا مذکور ہے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں صحیح روایت منقول ہے۔ کہ انھوں نے استسقاء کے لیے صرف دعا و استغفار پر اکتفا فرمایا نماز نہیں پڑھی، اگر اس سلسلہ میں نماز مسنون ہوتی تو وہ ترک نہ کرتے۔ اور ایسے ضروری مشہور واقعات کا انہیں معلوم نہ ہونا جب کہ زمانہ نبوت کو بھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے بعید ہے اور معلوم ہونے کی صورت میں اسے ترک کرنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان سے بعید تر ہے۔

صاحبین کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ ان حضرات کے نزدیک نہ صرف یہ کہ استسقاء کے لیے نماز منقول اور مسنون ہے بلکہ اس نماز میں جماعت اور خطبہ بھی مشروع ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول لا صلوة فی الاستسقاء (یعنی استسقاء کے لیے نماز نہیں ہے) کی مراد یہ ہے کہ اس نماز کے لیے جماعت خطبہ اور خصوصیت سنت و شرط نہیں، اگر ہر آدمی الگ الگ نفل نماز پڑھے اور دعا و استغفار کرے تو بہتر ہے۔ اس وقت حنفیہ کے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ نفل نماز استسقاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہے جس کا ایک واضح ثبوت مذکور بالا حدیث سے ہے۔

نماز استسقاء کے سلسلہ میں فیض اعلیٰ ہے کہ اس کی دونوں رکعتوں میں سے پہلی رکعت سورہ قیام یا سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں اقرب الساعۃ یا سورۃ غاشیہ کی قرات کی جائے۔

استسقاء کی دو رکعت نماز سنت ہے۔ صاحبین امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور کا یہی قول ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استسقاء صرف دعا ہے۔

ردائے قلب کا بیان و طریقہ:

حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کا بکثرت لے گئے اور ہاں بارش باگنی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ ہوئے تو اپنی چادر کا دایاں کونہ گھما کر اپنے بائیں کندھے پر لائے اور چادر کا بایاں کونہ گھما کر اپنے دائیں کندھے پر لائے پھر اللہ تعالیٰ سے (بارش کے لیے) دعا مانگی۔ (سنن ابوداؤد)

چادر پھیرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لے جا کر دائیں ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے کا کونہ پکڑ جائے اور بائیں ہاتھ سے چادر کی دائیں جانب کے نیچے کا کونہ پکڑ لیا جائے پھر دونوں ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے اس طرح پھیر اور پٹا جائے کہ دائیں ہاتھ چادر کا پکڑا ہوا کونہ دائیں موٹے سے پر آ جائے اور بائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونہ بائیں موٹے سے پر آ جائے اس طریقہ سے چادر کو دایاں کونہ تو بائیں ہو جائے گا اور بایاں کونہ دائیں ہو جائے گا۔ نیز اوپر نیچے پہنچ جانے گا اور نیچے کا حصہ اوپر جائے گا۔

نماز استقامت میں خلیہ و دعا کے بیان میں مذاہب فقہاء:

امام ابو داؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عید گاہ میں منبر رکھا جائے چنانچہ جب عید گاہ میں منبر رکھ دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ایک دن کے بارے میں طے کیا کہ اس دن سب لوگ عید گاہ چلیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (تسعين دن) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کا کنارہ ظاہر ہوتے ہی (عید گاہ) تشریف لے گئے، اور منبر پر بیٹھ کر کبیر لگی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کی اور فرمایا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شہروں کی قطع سالی اور بارش کے اپنے وقت پر نہ برسنے کی شکایت کی اب اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اس سے بارش کے لیے دعا مانگو اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری دعا قبول ہوگی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام قرینیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے مہربان اور بخشش کرنے والا ہے یوم جزاء کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے اللہ! اتمو معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو غنی (بے پرواہ) ہے اور تم فقیر محتاج ہیں۔ ہم پر بارش برسا اور جو چیز کہ تو نازل کرے (یعنی بارش)۔

اس کو ایک مدت دراز تک ہماری مدت اور (اس کے ذریعہ اپنے اپنے مقاصد و مغان تک) پہنچنے کا سبب بنا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اسے بلند اٹھائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بظلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، پھر اپنی پشت مبارک کو لوگوں کی طرف پھیر کر اپنی چادر اپنی بائیں کمر بھری اور اپنے ہاتھ یوں ہی اٹھائے رہے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے (منبر سے) بیٹھ تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ جب ہی اللہ تعالیٰ نے بادل ظاہر فرمائے جو مگر جتنے گئے اور بجلی چمکنے لگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش شروع ہو گئی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد تک نہ آئے پائے تھے کہ تالے پہنے گئے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سایہ (یعنی بارش سے بچنے کے لیے محفوظ مقام) ڈھونڈنے میں جلدی کرتے دیکھا تو ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچلیاں ظاہر ہو گئیں پھر فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول اللہ ہوں۔ (ابوداؤد)

حضرت امام مالک حضرت امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ نماز استقامت کے بعد دو خطبے پڑھنا سنت ہے اور خطبہ کی ابتدا استغفار کے ساتھ کرنی چاہیے جیسے کہ حمید بن کے خطبہ کی ابتدا کبیر کے ساتھ ہوتی ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت امام احمد کے نزدیک خطبہ شروع نہیں ہے صرف دعا و استغفار پر اکتفا کرنا چاہیے۔

حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اصحاب سُنن اربعہ نے حضرت اشق ابن عبد اللہ کنانہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (استسقاء کے لیے) عید گاہ جا کر تمہاری طرح خطبہ نہیں پڑھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر دعا کرتے گریہ و زاری کرتے اور اللہ کی عظمت و بڑائی بیان کرتے رہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی جیسا کہ عید میں پڑھتے تھے۔

نماز استسقاء میں بلند آواز سے قرأت کرنے کا بیان:

امام بخاری عدیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عباد بن جمہ نے اوران سے ان کے چچا (عبد اللہ بن زید) نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے لیے باہر نکلے تو قبلہ رو ہو کر دعا کی۔ پھر اپنی چادر بٹٹی اور دو رکعت نماز پڑھی۔ نماز میں آپ نے قرأت بلند آواز سے کی۔ (صحیح بخاری، ۱۰۲۴)

## بَابُ الْخَوْفِ

﴿یہ باب نماز خوف کے بیان میں ہے﴾

باب مלוۃ الخوف کی مطابقت کا بیان:

اس مطابقت باب الاستقاء کے ساتھ یوں ہے کہ وہ عارض سماوی یعنی عدم ماہ کی وجہ سے ہے اور اس کا دش اختیار ی یعنی جہاد اور کفار سے مقابلہ کرنے سے ہوتا ہے۔

نماز خوف کا بیان:

کفار کے خوف اور دشمن کے مقابل ہونے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے نماز خوف کہتے ہیں۔ خوف کی نماز کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ نیز اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ نماز باقی اور ثابت ہے اگرچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ نماز خوف صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔ نیز بعض حضرات مثلاً حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ نماز حالت سفر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نماز سفر و حضر دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

بحسب اختلاف زمانہ و مقام یہ نماز متعدد طریقوں سے روایت کی گئی ہے چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سواہ طریقوں سے منقول ہے۔ بعض حضرات نے اس سے زائد اور بعض نے اس سے کم کہا ہے لیکن علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں جتنے بھی طریقے منقول ہیں تمام کے تمام معتبر ہیں علماء کے ہاں اختلاف صرف ترجیح اور فوقیت کے بارے میں ہے کہ کسی نے کسی طریقے کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کیا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔

علامہ حنفی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف چار جگہ پڑھی ہے۔ ذات الرقاب، عین نخل، صفنان اور ذی قرد۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز خوف تھی تو حالت سفر میں مگر فقہاء نے اس پر قیاس کرتے ہوئے اس نماز کو حضر میں بھی جائز رکھا ہے۔

نماز خوف پڑھنے کا طریقہ:

(إِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ جَعَلَ الْإِمَامُ النَّاسَ طَائِفَتَيْنِ: طَائِفَةً إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ، وَطَائِفَةً خَلْفَهُ، فَيُصَلِّي بِهَذِهِ الطَّائِفَةِ رُكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ مَضَتْ هَذِهِ الطَّائِفَةُ إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتْ تِلْكَ الطَّائِفَةُ، فَيُصَلِّي بِهِمُ الْإِمَامُ رُكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ وَكَشَّهَتْ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُسَلِّمُوا، وَذَهَبُوا إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ، وَجَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْأُولَى فَصَلُّوا رُكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ وَخَلَدْنَا بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ (۱) لِأَنَّهُمْ لَا يَحْفَظُونَ (۲) وَكَشَّهُوا وَسَلَّمُوا وَمَضُوا إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ، وَجَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْآخَرَى، وَصَلُّوا رُكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِقِرَاءَةٍ (۳) لِأَنَّهُمْ مُسْبِقُونَ (۴) وَكَشَّهُوا وَسَلَّمُوا) وَالْأَصْلُ فِي رِوَايَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ

وَالسَّلَامُ صَلَّی صَلَاحُ النَّحْوِ عَلَی الصَّلَاةِ الَّتِیْ لَنَا ۔ وَأَبُو یُوسُفَ وَإِنَّ الْکُفْرَ فَرَعَتْهَا لَیْ زَمَانًا لَّهُوَ  
مُخْتَصَرٌ عَلَیْهِ بِمَا رَوَيْنَا ۔

ترجمہ

اور جب خوف شدت اختیار کر جائے تو امام لوگوں کے دو گروہ بنائے۔ ایک گروہ کو دشمنوں کے سامنے چھوڑ دے۔ اور پہلے  
گروہ کو اپنے پیچھے ایک رکعت اور دو جہدے نماز پڑھائے۔ پس جب یہ گروہ دوسرے جہدے سے سر اٹھائے تو دشمن کے سامنے  
چلا جائے۔ اور وہ گروہ آجائے پس امام ان کو ایک رکعت، دو جہدے اور تشہد پڑھے اور امام سلام پھیرے اور وہ سلام نہ پھیریں  
بلکہ وہ دشمن کے سامنے چلیں جائیں۔ اور پہلا گروہ آجائے پس وہ نماز ایک رکعت اور دو جہدے فردا فردا پھر قرأت کے پڑھیں  
گئے۔ اس لئے یہ لوگ لاحق ہیں اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر کر دشمن کے سامنے چلیں جائیں گے۔ اور دوسرا گروہ آجائے وہ ایک  
رکعت دو جہدے قرأت کے ساتھ پڑھیں۔ کیونکہ یہ گروہ مسبوق ہے۔ اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ اور اس میں اصل  
حضرت سیدنا محمد بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز خوف کو اسی طرح پڑھا ہے جو ہم نے بیان  
کیا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرمایا ہمارے زمانے اس کی شروعت ختم ہو گئی۔ لیکن ان پر دلائل انہی روایات کی وجہ  
سے قائم ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

نماز خوف ادا کرنے میں مذہب احناف کا بیان:

حضرت سالم ابن عبد اللہ ابن عمر اپنے والد (حضرت عبد اللہ ابن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم  
(ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کے لیے گئے (جب) ہم دشمنوں کے سامنے ہوئے تو ہم  
نے ان (سے مقابل) ہونے کے لیے مصفیٰ باندھ لیں، رسول اللہ ہمیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک جماعت  
آپ کے ساتھ (نماز کے لیے) کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ان لوگوں کے ساتھ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (نماز کی جماعت میں) شریک تھے ایک رکوع کیا اور دو جہدے کئے  
پھر وہ لوگ (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز میں تھے) ان لوگوں کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی (اور  
دشمن کے مقابل کھڑے تھے) جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی وہ آئے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز میں  
شریک ہو گئے) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ہمراہ ایک رکوع اور دو جہدے کئے پھر سلام۔ اور یہ لوگ  
کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنا اپنا ایک رکوع اور دو جہدے کر لیے۔ نافع نے بھی اسی طرح روایت بیان کی ہے۔ مگر انہوں  
نے اتنا اور زیادہ بیان کیا ہے کہ اگر (بین جنگ کی حالت ہو اور) خوف اس سے بھی زیادہ ہو (کہ مذکور بالا طریقہ سے نماز  
پڑھنا ممکن نہ ہو) تو لوگ پیادہ کھڑے کھڑے یا (پیادہ نہ ہو کیس تو) سواری پر اگر (ممكن ہو تو) قبیلہ کی طرف یا (اور اگر ممکن  
نہ ہو تو) کسی بھی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیں حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ نے یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی نقل کئے ہوں گے۔ (صحیح البخاری)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قعدہ جماعت یعنی کئی مرتبہ جماعت کرنا مکروہ ہے خصوصاً جب کہ تمام نمازی حاضر ہوں۔ ایسے ہی یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ فرض نماز نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہوتی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جماعتوں کو الگ الگ دو دو مرتبہ نماز پڑھاتے نیز جماعت کے واجب ہونے کی بھی یہ حدیث دلیل ہے کہ ایسی حالت میں بھی جب کہ دشمن کا لشکر مقابل ہو جماعت نہ چھوڑی جائے۔

حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا طریقے سے نماز خوف کی ادائیگی اس وقت ضروری ہوتی ہے جب کہ سب لوگ ایک ہی آدمی کو امام بنانے پر مصر ہوں۔ اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ ایک امام ایک جماعت کو پوری نماز پڑھائے اور دوسرا امام دوسری جماعت کو پوری نماز پڑھائے۔

حدیث کے الفاظ تمام محل واحد متھم (اور یہ لوگ کھڑے ہو گئے) الخ کی تفصیل و فائدہ علماء حنفیہ میں سے بعض شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ جماعت جو بعد میں آ کر نماز میں شریک ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد دشمن کے مقابلے میں چلی گئی اور پہلی جماعت جو پہلی رکعت میں شریک ہوئی تھی وہاں سے اپنی جگہ یعنی نماز پڑھنے آ گئی اور تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی اس کے بعد پھر دوسری جماعت یہاں آ گئی اور اس نے بھی تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی۔

ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء سے یہی تفصیل اور طریقہ منقول ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہی مسلک ہے۔ اگرچہ تفصیل حدیث میں وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کی گئی ہے اور نہ صراحت کے ساتھ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہ کے مسلک کا ایک جز ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ کر چلی جائے اور دوسری جماعت دوسری رکعت میں آ کر امام کے ساتھ شریک ہو اور اس دوسری جماعت کی موجودگی میں امام اپنی نماز پوری کر کے سلام پھیر دے۔ البتہ حضرت امام اعظم کا پورا مسلک اور ان کا نقل کردہ پورا طریقہ ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس پر موقوف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ مسلک اور ان کی روایت حضرت امام محمد نے اپنی کتاب فلا خا میں نقل کی ہے۔

اس سلسلے میں اتنی بات سمجھ لینا چاہیے کہ نماز خوف کے بارے میں حضرت امام اعظم کا جو مسلک ہے اور انہوں نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ حدیث موقوف سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں عقل کو کوئی دخل نہیں لہذا حدیث موقوف بھی حدیث مرفوع کے درجے میں ہوگی۔

اور پھر یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ بھی ہے کہ صورت مذکورہ میں پہلی جماعت اپنی نماز بغیر قرأت کے لاحق کی طرح پوری کرے اور دوسری جماعت قرأت کے ساتھ پوری کرے جیسا کہ مسبق اپنی نماز قرأت کے ساتھ پوری کرتے ہیں لیکن یہ صورت اس وقت کی ہے جب کہ نماز حالت سفر میں پڑھی جا رہی ہو اور امام مسافر ہو یا نماز دو رکعت والی نماز ہو اور اگر امام مقیم ہو اور نماز چار رکعتوں والی ہو تو دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک جماعت امام کے ساتھ دو دو رکعتوں پڑھے گی۔

لیکن نماز اُترتین رکعتیں والی ہو جیسے مغرب کی تو خواہ سفر ہو یا حضر دونوں صورتوں میں پہلی جماعت امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے گی اور دوسری جماعت ایک رکعت اور ہر جماعت اپنی اپنی نماز مذکورہ بالا طریقے سے پوری کرے گی۔

حدیث کے آخری الفاظ قضا ما علی اقدامہم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز کی رکوع اور جہدہ ترک کر دیں۔ یعنی مذکورہ بالا صورت میں جب کہ لوگ پیادہ کھڑے کھڑے یا سواری پر نماز پڑھیں تو رکوع اور جہدہ سر کے اشارے سے کر لیں نماز خوف کے سلسلے میں مذکورہ بالا طریقہ اگرچہ خلاف قیاس ہے کیونکہ خود حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک چلنا، سوار ہونا اور لڑنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ پھر یہ کہ اس صورت میں نہ صرف یہ کہ گُل کثیر بہت ہوتا ہے بلکہ قبلے سے بھی انحراف ہوتا ہے لیکن چونکہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ میں نماز خوف اور اس کا طریقہ وارد ہو گیا ہے۔ اس لیے اسے مشروع رکھا گیا ہے۔

نماز خوف کا طریقہ اور احکام:

علامہ حصکفی حنفی غلیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ نماز خوف کا طریقہ یہ ہے کہ جب دشمن سامنے ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ سب ایک ساتھ نماز پڑھیں گیتو حملہ کر دیں گے تو ایسے وقت امام جماعت کے دو حصے کرے اور اگر کوئی گروہ اس پر راضی ہو کہ ہم بعد کو پڑھ لیں گے تو اسے دشمن کے مقابل کرے اور دوسرے گروہ کے ساتھ نماز پڑھ لے پھر جس گروہ میں نماز نہ پڑھی اس میں کوئی امام ہو جائے اور یہ لوگ اس کے ساتھ باجماعت نماز پڑھ لیں اور اگر دونوں میں سے بعد کو پڑھنے پر کوئی راضی نہ ہو تو امام ایک گروہ کو دشمن کے مقابل کرے اور دوسرا امام کے پیچھے نماز پڑھے، جب امام اس گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے یعنی پہلی رکعت کے دوسرے جہدے سے سر اٹھا دیتو یہ لوگ دشمن کے مقابل چلے جائیں اور جو لوگ وہاں تھبہ چلے آئیں اب ان کے ساتھ امام ایک رکعت پڑھیا دے تشہید پڑھ کر سلام پھیر دے مگر مقتدی سلام نہ پھیریں بلکہ یہ لوگ دشمن کے مقابل چلے جائیں یا یہیں اپنی نماز پوری کر کے جائیں اور وہ لوگ آئیں اور ایک رکعت بغیر قرات پڑھ کر تشہید کے بعد سلام پھیریں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ گروہ محال نہ آئیں بلکہ وہیں اپنی نماز پوری کر لے اور دوسرا گروہ اگر اپنی نماز پوری کر چکا ہے، نبھا، ورنہ اب پوری کرے خواہ وہیں یا یہاں آ کر اور یہ لوگ قرات کے ساتھ اپنی ایک رکعت پڑھیں اور تشہید کے بعد سلام پھیریں۔ یہ طریقہ دو (۲) رکعت والی نماز کا ہے خواہ نماز ہی دو (۲) رکعت کی ہو، جسے فجر وعید و جمعہ یا سفر کی وجہ سے چار کی دو ہو گئیں اور چار رکعت والی نماز ہو تو امام ہر گروہ کے ساتھ دو (۲) دو (۲) رکعت پڑھے اور مغرب میں پہلے گروہ کے ساتھ دو (۲) اور دوسرے گروہ کے ساتھ ایک پڑھے اگر پہلے کے ساتھ ایک پڑھے، اگر پہلے کے ساتھ ایک پڑھی اور دوسرے کے ساتھ دو تو نماز جاتی رہی۔

(در مختار ج ۱ ص ۹۴ تا ۹۷ ع ۱۵۵ ج ۱ ص ۱۵۵ وغیرہ)

اگر امام مقیم ہو تو نماز خوف کا طریقہ:

قَالَ (وَأَنَّ كَانَ الْإِمَامُ مَقِيمًا صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُولَى رَكَعَتَيْنِ وَبِالْثَّانِيَةِ رَكَعَتَيْنِ) لِمَا رَوَى (أَنَّهُ عَلَيْهِ

الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ صَلَّى الظَّهْرَ بِالطَّائِفِينَ وَكَمَتَيْنِ وَكَمَتَيْنِ) (وَيُصَلِّي بِالطَّائِفَةِ الْأُولَى مِنَ الْمَغْرِبِ وَكَمَتَيْنِ، وَبِالطَّائِفَةِ وَكَمَةً وَاحِدَةً) لِأَنَّ تَنْصِيفَ الرُّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ غَيْرُ مُمَكِّنٍ، فَجَعَلَهَا فِي الْأُولَى أُولَى بِحُكْمِ الشَّيْخِ.

(وَلَا يَقْبَلُونَ فِي حَالَ الصَّلَاةِ، فَإِنْ قَعَلُوا بَعَثَتْ صَلَاتُهُمْ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ خِیَلٌ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْمُنَدَفِ، وَلَوْ جَارَ الْأَدَاءُ مَعَ الْقِتَالِ لَمَّا تَرَكَهَا.

ترجمہ:

اگر امام عظیم ہے تو وہ پہلے گروہ کے ساتھ دو رکعات اور دوسرے گروہ کے ساتھ بھی دو رکعات پڑھے گا۔ کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی نماز دونوں گروہوں کے ساتھ ۲۴ رکعت پڑھی۔ اور پہلے گروہ کے ساتھ مغرب کی ۲ رکعات اور دوسرے کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ کیونکہ ایک رکعت کو نصف کرنا ممکن نہیں۔ اور پہلے گروہ کے سابق ہونے کی وجہ سے اسی ایک رکعت کو ان کے حق میں کر دینا اولیٰ ہے۔

اور وہ حالت نماز میں قتل نہ کریں کیونکہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ خندق کے چار نمازوں سے مشغول کر دیئے تھے۔ لہذا اگر جنگ کے ساتھ نماز کو ادا کرنا جائز ہو تا تو آپ ان نمازوں کو ترک نہ کرتے شرح: اس کی شرح سابقہ عبارت کی تشریح کے ضمن میں تشریح کی ہے۔

حالت سواری میں نماز پڑھنے کا حکم:

(فَإِنْ اشْتَكَ الْخَوْفَ صَلُّوا وَكُنَّا قَرَادَى يُؤْمِنُونَ بِالْوُكُوعِ وَالشُّجُودِ إِلَى أَمْرِ جَبَّةٍ شَاءَ وَإِذَا لَمْ يَقْبِذُوا عَلَى التَّوَجُّهِ إِلَى الْقِبْلَةِ) يَقُولُهُ تَعَالَى (فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا) وَسَقَطَ التَّوَجُّهُ لِلضَّرُورَةِ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُمْ الْمُصَلُّونَ بِجَمَاعَةٍ، وَكُنْصَ بِصَحِيحٍ لَا تَعْدَامُ الْإِتِّحَادُ فِي الْمَكَّانِ.

ترجمہ:

پس شدید خوف کی وجہ سے وہ اکیلے اکیلے سواریوں پر نماز پڑھیں۔ اور رکوع و سجود کا اشارہ کریں جس سمت بھی ممکن ہو جب وہ قبلہ کی طرف متوجہ ہونے پر قادر نہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا" اور ضرورت کی وجہ سے قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ساقط ہو گیا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اور عدم اتحادی مکان کی وجہ سے یہ روایت صحیح نہیں۔

شرح: سواری پر نوافل پڑھنے کے ضمن میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔



## بَابُ الْجَنَازَةِ

﴿یہ باب نماز جنازہ کے بیان میں ہے﴾

باب الجنائز کی ماقبل و باب سے مناسبت:

اس سے پہلے نماز خوف اور اب نماز جنازہ کا بیان شروع کرنا نہایت مناسبت طبعی کے موافق ہے۔ اور پہلی تمام نمازوں کا تعلق اہل حیات کے وہ مختلف احوال جن کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے اور یہ وہ نماز جس کا تعلق اہل حیات سے موت کی طرف ہے۔ حیات کا تقدم واضح ہے۔ لہذا اسی مناسبت سے باب جنازہ کو مؤخر ذکر کیا ہے۔

لفظ جنازہ کا معنی:

علامہ علی بن سلطان محمد القاری مثنیٰ لکھتے ہیں۔ جنازہ جنازہ کی جمع ہے، لفظ جنازہ لغت کے اعتبار سے جم کے زیر اور زبر دونوں کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے لیکن زیادہ فصیح جم کے زیر کے ساتھ ہی ہے۔ جنازہ میت یعنی مردے کو جو تخت پر ہو، کہتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ لفظ جنازہ یعنی جم کے زیر کے ساتھ میت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور جنازہ یعنی جم کے زیر کے ساتھ تابوت اور اس تخت یا چار پائی کو کہتے ہیں جس پر مردہ کو رکھ کر اٹھاتے ہیں، بعض حضرات نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی جنازہ تابوت یا تخت کو کہتے ہیں اور جنازہ میت کو کہا جاتا ہے۔

(شرح الوکالی فی مسائل الہدایہ، ج ۱، ص ۳۲۰، بیروت)

جب کسی شخص کے پاس موت حاضر ہو:

(إِذَا أَخْبِرَ الرَّجُلُ وَجْهًا إِلَى الْفَيْلَةِ عَلَى شَفْوِ الْأَيْمَنِ) اغْتَسَا وَاسْتَحَالَ الْوَضْعَ فِي الْقَبْرِ، لِأَنَّهُ أَشْرَفُ عَلَيْهِ، وَالْمُخَارَفَةُ بِلَدْنِهَا لَا سَلْطَاءُ، لِأَنَّهُ لَيَسْرُ الْخُرُوجُ الرُّوحَ وَالْأَوَّلُ هُوَ السَّنَةُ (وَلَقَدْ الشَّهَادَتَيْنِ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (لَقَدْ آمَوْنَاكُمْ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) وَالْمُرَادُ الَّذِي قُرِبَ مِنَ الْمَوْتِ (لِإِذَا مَاتَ هَذَا لَعْنَةُ وَغَمَضَ عَيْنَاهُ) بِذَلِكَ جَوَى التَّوَكُّلِ، ثُمَّ فِيهِ تَحْسِينُهُ فَيُسْتَحْسَنُ .

ترجمہ

اور جب کوئی شخص موت کے قریب ہو تو اسے دائیں جانب قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔ اس کو قبر میں رکھنے کی صورت پر قیاس کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کیلئے عزت اسی طریقے پر ہے۔ جبکہ ہمارے شہروں میں چت لٹانا اختیار کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ روح نکلنے کی یہی آسان صورت ہے۔ لیکن پہلی صورت سنت ہے۔ اور اس کو شہادتین کی تلقین کی جائے گی۔ کیونکہ نبی کریم

علیہ السلام نے فرمایا تم اپنے فوت ہونے والوں کو "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کی تلقین کرو۔ اور اس حدیث میں فوت ہونے والوں سے مراد وہ ہے جو موت کے قریب ہو۔ جب وہ شخص فوت ہو جائے تو اس کے جڑوں کو باندھ دیا جائے اور اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ یہی وراثت جاری ہے لہذا اس میں فوت ہونے والے کی صورت کو اچھا کرنے کیلئے یہی بہتر ہے۔  
شہادتین میں کلمہ جو حیدر و سرائت دونوں کی تلقین کرنے کا بیان:

مجھ بحار الانوار میں ہے: بسبب التلقین انہ یحضرون الشیطان لیغسد عقدہ، والمراد بلالہ الا اللہ الشہادتین تلقین کا سبب یہ ہے کہ اُس وقت شیطان آدمی کا ایمان بگاڑنے آتا ہے، اور لا الہ الا اللہ سے پورا کلمہ طیبہ مراد ہے۔

(مجمع بحار الانوار تحت لفظ "لقن" مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)  
فتح القدیر میں ہے: المقصود منه التذکر فی وقت تعرض الشیطان۔ تلقین سے مقصود تعرض شیطان کے وقت ایمان یاد دلانا ہے (فتح القدیر، باب الایمان، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھڑ)

اسی طرح تبیین الحقائق اور فتح اللہ مبین وغیرہ میں ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ میرک سے ہے: من کان اخر کلامہ لا الہ الا اللہ المراد مع قرینتہ فانه بمنزلة علم لکلمة الامانة۔ حدیث میں جو فرمایا کہ جس کا پچھلا کلام لا الہ الا اللہ ہو اُس سے مراد پورا کلمہ طیبہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کو یا اس کلمہ ایمان کا نام ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، باب ما یقال عند من حضر الموت، فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لکھنؤ)

دُررِ غرر میں ہے: یلقن بذکر شہادتین عنده لان الاولی لا تقبل بدون الثانية۔ کلمہ طیبہ کے دونوں جوہیت کو تلقین کئے جائیں اس لئے کہ لا الہ الا اللہ بغیر محمد رسول اللہ کے مقبول نہیں۔ (درر شرح غرر ص ۱۳۰، باب الایمان، بیروت)  
غنیۃ ذوی الاحکام میں اس پر تقریر فرمائی، تنویر الابصار میں ہے: یلقن بذکر الشہادتین دونوں شہادتیں تلقین کی جائیں۔ (تنویر الابصار، الدر المختار، باب صلوٰۃ الایمان، مطبوعہ مطبع مجتہائی دہلی)

دُررِ مختار میں ہے: لان الاولی لا تقبل بدون الثانیۃ کہ پہلی یہ دوسری کے مقبول نہیں۔

(در مختار شرح تنویر الابصار، باب صلوٰۃ الایمان، مطبوعہ مطبع مجتہائی دہلی)

المختصر القدوری میں ہے: تلقن الشہادتین پورا کلمہ سکھایا جائے۔ (المختصر للقدوری، باب الایمان، بیروت)

جوہرۃ تنویر میں ہے: لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم لقنوا موتاكم شهادة ان لا اله الا الله وهو صورة التلقين ان يقال عنده في حالة النزوح جهرًا أو هو يسمع لشهادة لا اله الا الله واشهادان محمد رسول الله۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموات کو لا الہ الا اللہ کی شہادت یاد دلاؤ اور اس یاد دلانے کی صورت یہ ہے کہ ان نزع میں اس کے پاس ایسی آواز سے کہو کہ وہ تم سے اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد رسول اللہ

پڑھیں۔ (جو برہنہ، باب الہامیہ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

شرح صفحہ میں علامہ سنوی کی عبارت اس سلسلے میں صاف اور صریح ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: لا الہ الا اللہ کہنے سے ذکر کے دل میں نورِ حقیقت کی بہت تو آگئی مگر اس سے نفع پائی آدابِ شریعت کی بجا آوری پر موقوف ہے۔ اور اس ادب کی بجا آوری کی صورت یہی ہے کہ اس کلمہ والے آقا جو اسے خدائے برتر کے پاس لے کر تبلیغ فرمانے والے ہیں، سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کا ذکر پاک جاری رکھے۔ اس لئے حقیقت پر دلالت کرنے والے کلمہ کو حید کو کہہ لینے کے بعد ضرورت ہے کہ ذکر اہرے آقا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی اثبات کرے تاکہ شریعت کی مضبوط پناہ میں لا کر اپنے نورِ حید کو محفوظ رکھے۔ اسی لئے ذکر کہتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اذکار میں سے کسی بھی ذکر میں مومن کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

خدائے ذکر کے بعد سرکار پروردو بھیجے یا ان کی رسالت کا اقرار کرے، ساتھ ہی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پروردو کی ادائیگی، تقسیم کی بجا آوری، اور سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامنِ پاک سے وابستگی بھی رکھے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدائے برتر عظیم ترین باب اور زریعہ ہیں کہ دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی ان سے وابستگی کے بغیر دستیاب نہ ہوگی۔ اس لئے جو سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر پاک اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامنِ حقانیت سے غافل ہوا وہ تار اور ہار اور اسے دنیا و آخرت کی بھلائی سے محروم کر کے بے تعلقی کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تو خدائے برتر کی جانب مخلوق کے رہبر ہیں، جو اپنے رہبر ہی سے غافل ہوا اسے خدا تعالیٰ تک رسائی کیسے حاصل ہوگی!

فوت ہونے والے شخص کو سنبالنے کا بیان:

جب کوئی شخص قریب المرگ ہو اور اس پر علامات موت ظاہر ہونے لگیں تو اسے قبلہ رخ کر دیا جائے یا اس طور کہ اسے چپ لٹا کر اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کر دیئے جائیں اور سر کو اونچا کر دیا جائے تاکہ وہ قبلہ رخ ہو جائے اور قریب المرگ کو تلقین کی جائے یعنی اس کے سامنے کلمہ اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ یا آواز بلند پڑھا جائے تاکہ قریب المرگ بھی من کر پڑھنے لگے۔ مگر قریب المرگ کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے کیونکہ وہ وقت بڑا مشکل ہے نہ معلوم اس کے منہ سے کیا نکل جائے۔ جب روح نفسِ حشری سے پرواز کر جائے تو اس کے تمام اعضاء درست کر دیئے جائیں اور کپڑے سے اس کا مناس ترکیب سے باندھ دیا جائے کہ کپڑا شھوڑی کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں سرے سر کے اوپر لے جائیں اور گرہ لگا دی جائے تاکہ منہ بند ہو جائے اور منہ کے اندر کوئی کپڑا وغیرہ نہ داخل ہو سکے، آنکھیں بند کر دی جائیں اور ہیر کے دونوں انگوٹھے ملا کر باندھ دیئے جائیں تاکہ دونوں انگلیں پھیلنے نہ پائیں۔

میت کو نہلائے، گفتا نے اور دفن کرنے میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرنی چاہئے۔ جب میت کو غسل دینے کا ارادہ کیا جائے تو پہلے کسی تخت یا بڑے تختہ کو لوہاں یا اگر قی وغیرہ کی صفائی دینی چاہئے۔ تین دفعہ، پانچ دفعہ، یا سات دفعہ چاروں طرف دھونی دے کر میت کو اس پر لٹا دیا جائے اس کے کپڑے اتار کر کوئی کپڑا کہ جس کی لمبائی ڈیڑھ ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ ہو۔ ناف سے لے کر زانو تک ڈال دیا جائے تاکہ ستر چھپا رہے۔

تلقین کے بارے میں احادیث کا بیان:

حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے مردوں (یعنی قریب المرگ) کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تلقین کیا کرو۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے مرنے والوں کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تلقین کیا کرو۔

حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے مرنے والوں کو ان کلمات کی تلقین کیا کرو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَمْدُ لِلَّهِ كُبْرَى سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ازندہ کیلئے یہ دعا پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا بہت عمدہ ہے بہت عمدہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

☆ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ بَلَدِكَ رَسُوْلَكَ .

ترجمہ: یا اللہ! مجھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں شہادت کی موت نصیب فرما۔ (بخاری)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مرنے والے کو (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) کی تلقین کیا کرو۔ (مسلم)

وضاحت: تلقین کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کے پاس کلمہ کا ورد کیا جائے، اسے پڑھنے کا نہیں کہنا چاہئے، کیونکہ وہ حالت نزاع میں ہوتا ہے، اور مرنے والے کوئی غلط بات بھی نکال سکتا ہے۔ یا یہ کہہ دے کہ میں نہیں پڑھتا۔

☆ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مرتے وقت جس کی زبان پر آخری الفاظ (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) ہوں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد)

نیت کی آنکھوں کو بند کرنے کا حکم:

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو سلمہ کے پاس آئے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں آپ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں پھر فرمایا جب روں قحط ہوتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے پیچھے جاتی ہے۔

حضرت شہاد بن اوس بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا جب تم اپنے مردوں کے پاس جاؤ تو ان کی آنکھیں بند کرو اس لئے کہ نگاہ روح کے پیچھے پیچھے جاتی ہے اور صلی بات کو اس لئے کہ فرشتے میت والوں کی بات پر آمین کہتے ہیں۔

## فصل فی الغسل

﴿یہ فصل میت کو غسل دینے کے بیان میں ہے﴾

فصل غسل میت کی مطابقت فقہی کا بیان:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب مصنف زندہ لوگوں سے متعلق احکام سے فارغ ہوئے تو اس کے بعد فوت ہونے کے بعد کے احکام ذکر کریں گے۔ اور کسی بھی شخص کے فوت ہونے کے بعد جو سب سے پہلا کام ہے وہ اسے غسل دینا ہے اسی وجہ سے مصنف نے غسل کی فصل کو مقدم ذکر کیا ہے اس کے بعد اسے کفن دینے کا بیان، اس پر نماز پڑھنے کا بیان، پھر جنازہ اٹھانے کا بیان اور اس کے بعد اس کو دفن کرنے کا بیان یہ تمام فصول ترتیب کے ساتھ بیان کیں تاکہ ترتیب وضع کے مطابق ہو جائے۔ (الہدایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۴۴۳، حنفیہ ملتان)

میت کے وجوب غسل کی اصل کا بیان:

علامہ زبلی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ شیخ ابو نصر بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ کہ غسل میت کے وجوب میں اصل یہ ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دیا اور انہوں نے کہا کہ یہ تمہاری اولاد کیلئے یہی طریقہ ہے۔ اور جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔ اور اس کے بعد بھی مسلمانوں نے اسی طرح کیا۔ اور صاحب درایہ فرماتے ہیں کہ زندہ لوگوں کو واجب ہے کہ وہ فوت ہونے والے کو غسل دیں۔ اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

(نصب الراية، ج ۲، ص ۲۵۵)

میت کو غسل دینے کا بیان:

وَإِذَا أَرَادُوا غُسْلَهُ وَحَمَوْهُ عَلَى سَرِيرٍ لِيَنْصَبَ الْمَاءُ عَنْهُ (وَجَعَلُوا عَلَى عَوْرَتِهِ عِزْلَةً) إِمَامَةً لِرُؤَايَا السُّنَنِ، وَيَتَكَلَّمُ بِسُتْرِ الْعَوْرَةِ الْقَلْبِيَّةِ هُوَ الصَّحِيحُ تَجْسِماً (وَلَوْ عَوْرَتُ الْيَابَةِ) لِيَمْكِنَهُمُ التَّطْيِيفُ. (وَوُضْعُهُ مِنْ غَيْرِ مَضْمُونَةٍ وَلَا اسْتِشْقَاءٍ) لِأَنَّ الْوُضْعَ سَنَةً لِإِغْتِسَالٍ، غَيْرَ أَنَّ إِخْرَاجَ الْمَاءِ مِنْهُ مُتَعَدِّلٌ فَكَيْفَ تَكَانَ (لَمْ يَقْبَضُوا الْمَاءَ عَلَيْهِ) اغْتِيَابًا بِحَالِ الْحَيَاةِ. (وَيَجْمَعُ سَرِيرُهُ وَتَرًا) لِمَا فِيهِ مِنْ تَطْيِيفِ الْمَوْتِ، وَإِلْمَا يُؤْتَرُ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِنَّ اللَّهَ وَتَرِيحُ الْوَتَرِ).

(وَيَقْبَلُ الْمَاءَ بِالسُّنْدُرِ أَوْ بِالْبَحْرِحِ) مُبَالَغَةٌ فِي التَّطْيِيفِ (فَإِنْ لَمْ يَكُنْ قَالَمَاءُ الْقَرَاخِ) لِحُصُولِ أَصْلِ الْمَقْصُودِ (وَيُقْسَلُ رَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ بِالْعَطِيقِ) لِيَكُونَ أَنْفَكًا لَهُ.

ترجمہ

اور جب تم اس کو غسل دینے کا ارادہ کرو اس کو ایک چار پائی (تختہ) پر رکھیں۔ جس سے پانی بہہ جائے۔ اور اس کے ستر پر کپڑا ڈال دیں۔ تاکہ ستر کا واجب مکمل ہو جائے۔ اور آسانی کے پیش نظر صرف عورت غلیظہ پر اکٹافہ کیا جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔ اور اس کے کپڑوں کو اتاریں تاکہ اس کو پاک کرنا ممکن ہو۔ پھر میت کو بغیر کلی و ناک میں پانی ڈالنے کے وضو کرائیں کیونکہ وضو غسل کی سنت ہے۔ کلی و ناک میں پانی ڈالنا اس لئے چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ ان دونوں سے پانی نکالنا حذر ہے پھر میت کی زندگی پر قیاس کرتے ہوئے اس کے جسم پر پانی بہائیں۔ اور تختے پر طاق مرتبہ خوشبو کی دھونی دی جائے۔ اسی میں میت کیسے تعظیم ہے۔ اور طاق مرتبہ اس لئے دی جائے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تر ہے وہ وتر کو پسند کرتا ہے۔

اور پانی کو پیری یا اشنان گھاس کے ساتھ جوش دیا جائے کیونکہ اس طرح صفائی میں زیادہ مبالغہ ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوں تو پھر خالص پانی جو نہ کہ مقصود حاصل ہو جائے۔ جبکہ اس کی داڑھی اور سر کو غسلی کے ساتھ دھویا جائے۔ تاکہ میت کو خوب صفائی حاصل ہو جائے۔

میت کو نہلانے اور کھٹانے کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے مردہ کو نہلانے اور کھٹانے کے احکام و مسائل اور آداب کا علم ہوگا۔ تمام علماء کے نزدیک میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے یعنی اگر کچھ لوگ نہلا دیں گے تو سب کے ذمہ سے فرض ادا ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی شخص میت کو نہ نہلائے تو سب کے سب گناہگار ہوں گے۔

میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔ بعض لوگوں نے نہلا دیا تو سب اس ذمہ داری سے بری ہو گئے۔

(عالمگیری ج 1 ص 147)

نہلانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس تخت پر نہلانے کا ارادہ ہو اس کو تین یا پانچ یا سات مرتبہ دھونی دیں۔ پھر اس پر میت کو لٹا کر ناف سے گھٹنوں تک کسی پاک کپڑے سے چھپا دیں۔ پھر نہلانے والا اپنے ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر پہلے استنجہ کرائے۔ پھر ناز جیسا وضو کرائے۔ مگر میت کے وضو میں پہلے گھٹنوں تک ہاتھ دھونا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا نہیں ہے۔ ہاں کوئی کپڑا بھگو کر دانتوں اور سوزھوں اور نتھنوں پر پھیر دیں۔ پھر سر اور داڑھی کے بال ہوں تو کل خیر دیا پاک صابون سے دھوئیں۔ ورنہ خالی پانی بھی کافی ہے۔ پھر ہاتھیں کر دھ کر سر سے پاؤں تک پیری کے پتوں کا جوش دیا ہوا پانی بہائیں کہ تخت تک پانی پہنچ کر ہاتھیں پھر دھانی کر دھ کر پاؤں تک اس طرح پانی بہائیں۔ اگر پیری کے پتوں کا ابلا ہوا پانی نہ ہو تو سادہ نیم گرم پانی کافی ہے۔ پھر ایک لگا کر ہاتھیں اور زری سے پیٹ سہلائیں اگر کچھ نکلے تو دھو ڈالیں۔ اور غسل کر دھرانے کی ضرورت نہیں۔ پھر آخر میں سر سے پاؤں تک کا نور کا پانی بہائیں پھر اس کے بدن کو کسی پاک کپڑے سے آہستہ آہستہ پونچھ کر سکھادیں۔

(عالمگیری ج 1 ص 149)

اس بارے میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ غسل میت میں نیت شرط ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک شرط ہے اور بعض کے نزدیک شرط نہیں ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ نیت شرط ہے جیسا کہ حضرت شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔  
**حاصل میت:**

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم آپ کی بیٹی (حضرت زینب رضی اللہ عنہ) کو نہلا رہے تھے آپ نے فرمایا تم تین مرتبہ یا پاچ مرتبہ اور اگر مناسب سمجھو (یعنی ضرورت ہو تو اس سے بھی زیادہ اسے پانی اور پیری کے پتوں سے) (یعنی پیری کے پانی میں جوش دے کر اس پانی سے نہلاؤ) (کیونکہ پیری کے پتوں کے جوش دیئے ہوئے پانی سے بہت زیادہ پاکی اور صفائی حاصل ہوتی ہے) اور آخری مرتبہ میں کافور یا یہ فرمایا کہ کافور کا کچھ حصہ (پانی میں) ڈال دینا۔ اور جب تم (نہلانے سے) فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا، چنانچہ جب ہم فارغ ہو گئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی گئی، آپ نے اپنا تہ بند ہماری طرف بڑھا دیا اور فرمایا کہ اس تہ بند کو اس سے بٹھانے سے لگا دو (یعنی اس تہ بند کو اس طرف کھین کے نیچے رکھ دو کہ وہ ننب کے بدن سے لگا رہے) اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے طاق یعنی تین بار یا پاچ مرتبہ یا ریاسات بار غسل دو اور غسل اس کی دائیں طرف سے اور اس کے اعضاء وضو سے شروع کرو۔ حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں گوندہ کران کے پیچھے ڈال دیں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حدیث کے الفاظ اغسلہا ثلاثا او خمساً او اکثر من ذلک اور اغسلہا و ترا ثلاثا او خمساً او سبعاً میں حرف اور تہیب کے لیے ہے تخیر کے لیے نہیں ہے کیونکہ اگر پہلے غسل میں پاکی حاصل ہو جائے تو تین مرتبہ نہلا یا مستحب ہے اور اس سے تجاوز کرنا مکروہ ہے اور اگر پاکی دو یا تین بار میں حاصل ہو تو پھر یا پاچ مرتبہ نہلا یا مستحب ہے یا زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ، سات مرتبہ سے زیادہ نہلا یا منقول نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ نہلا یا مکروہ ہے۔  
**پیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے غسل میت:**

میت کو پیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے نہلانا چاہئے اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ دو دو مرتبہ تو پیری کے پتوں کے پانی سے نہلا یا جائے جیسا کہ کتاب ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے نیز ابو داؤد کی روایت ہے کہ ابن سیرین رحمۃ اللہ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے غسل میت سیکھا تھا۔ وہ پیری کے پتوں کے پانی سے دو مرتبہ غسل دیتی تھیں۔ اور تیسری مرتبہ کافور کے پانی سے غسل دیا جائے۔

کافور پانی میں ملایا جائے یا خوشبو میں؟

شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ کافور اس پانی میں ملایا جائے جس سے میت کو نہلا یا جا رہا ہو

چنانچہ جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے، جب کہ کوئی کہتے ہیں کہ کافور حوط میں یعنی اس خوشبو میں ملایا جائے جس سے میت کو معطر کیا جائے اور میت کے نہلانے اور اس کے بدن کو خشک کرنے کے بعد بدن پر لگایا جائے نیز علماء نے لکھا ہے کہ اگر کافور میسر نہ ہو تو پھر مشک اس کا قائم مقام قرار دیا جاتا ہے۔  
ہیری کے پتوں اور کافور کی خاصیت:

علماء لکھتے ہیں کہ ہیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے میت کو غسل دینے اور میت کے بدن پر کافور ملنے کی وجہ یہ ہے کہ ہیری کے پتوں سے تو بدن کا میل اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے مردہ جلدی مجزائیں نیز ہیری کے پتوں اور کافور کے استعمال کی وجہ سے موذی جانور پاس نہیں آتے۔  
حصول برکت کے لیے بزرگوں کا کوئی کپڑا کفن میں شامل کیا جاسکتا ہے:

نبی کریم ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بندہ صبرِ جزی کے کفن کے ساتھ لگانے کے لیے اس لیے عنایت فرمایا تاکہ اس کی برکت اسے پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کوئی شخص اہل اللہ اور بزرگانِ دین سے اس کے لباس کا کوئی کپڑا موت سے پہلے حاصل کر کے اپنے پاس برکت کے لیے رکھتا ہے یا اسے استعمال کرتا ہے اس طرح موت کے بعد بزرگوں کے لباس سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے ہاں طور کہ ان کا کوئی کپڑا لے کر کفن میں شامل کر دیا جائے لیکن اس سلسلہ میں یہ امر ملحوظ رہے کہ وہ کپڑا کفن کے کپڑوں سے زیادہ نہ ہو۔

اہلِ انبیاؑ میں سے ہر ایک کا مطلب یہ ہے کہ میت کو اس کے دائیں ہاتھ دائیں پہلو اور دائیں پاؤں کی طرف سے نہلا تا شروع کروا کر اس طرح ”مواضع الوضوء منہا میں حر و انوار“ مطلق جمع کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غسل میت میں پہلے اعضاء وضو دھونے چاہئیں اس کے بعد دوسرے اعضاء دھوئے جائیں اور اعضاء وضو سے مراد وہ اعضاء ہیں کہ جن کا دھونا فرض ہے۔ چنانچہ غسلِ میت میں گل اور ناک میں پانی دینا حنفیہ کے نزدیک شروع نہیں بعض علماء نے اس بات کو مستحب کہا ہے کہ میت کو نہلانے والا اپنی انگلیوں پر کپڑا لپیٹ لے اور اس سے میت کے دانتوں کو، تالو، کو، اندر سے دونوں گلوں کو اور نشتوں کو لے، چنانچہ اب یہی معمول ہے۔

صحیح یہ ہے کہ غسل کے وقت میت کے سر پر مسح کیا جائے اور اس کے پاؤں غسل کے بعد نہ دھوئے جائیں بلکہ جب دوسرے اعضاء وضو دھوئے جاتے ہیں تو ان وقت حیروں کو بھی دھویا جائے۔ نیز میت کے ہاتھ پہلے نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل کی ابتداء نہ دھونے سے کرنی چاہئے بخلاف جنبی (ناپاک شخص) کے کہ وہ جب غسل کرتا ہے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ اس لیے دھوتا ہے تاکہ دوسرے اعضاء دھونے کے لیے دونوں ہاتھ پاک ہو جائیں جب کہ میت دوسروں کے ہاتھوں نہلائی جاتی ہے اس لیے اس کے دونوں ہاتھوں کو دھلانے کی حاجت نہیں ہے۔



حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت کی میت ہو تو غسل کے بعد اس کے ہال کھلے ہی رہنے دیئے جائیں انہیں گوندھانہ جائے۔

میت کیلئے گل و ناک میں پانی نہ ڈالنے کا بیان:

غلام فرید الدین عثمان بن علی زلیحی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ لانه لا یسکن اخراج الماء منه فیرکان وبخاف الحنبی فیہما وفی غسل الید فان الحنبی یبداء بغسل یدیه والمیت یبداء بغسل وجهہ۔

اس سے پانی باہر نہیں جاسکا اس لئے یہ دونوں ترک کر دیئے جائیں گے۔ غسل میت اور غسل جب میں ایک فرق مضمضہ واستنشاق کا ہے دوسرے ہاتھ دھونے میں، کیونکہ جب پہلے اپنے ہاتھ دھو بیگا اور میت کا پہلے چہرہ دھویا جائے گا۔

(تبيين الحقائق باب الجمائز، مطبوعہ مطبعة کبریٰ مصریہ مصر ج ۱ ص ۲۳۸)

میت کے جسم پر پانی بہانے کا طریقہ:

( ثُمَّ يُضَجُّ عَلَى شِقْوِ الْأَيْسَرِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ وَالسُّدْرِ حَتَّى يَرَى أَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ إِلَى مَا يَلِي الصَّغْتِ مِنْهُ ، ثُمَّ يُضَجُّ عَلَى شِقْوِ الْأَيْمَنِ فَيُغْسَلُ حَتَّى يَرَى أَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ إِلَى مَا يَلِي الصَّغْتِ مِنْهُ ) ، لِأَنَّ الشَّيْءَ هُوَ الْبَدَاءَةُ بِالْمَتَامِينِ ( ثُمَّ يُغْلِسُهُ وَيُسَيِّدُهُ إِلَيْهِ وَيَمْسَحُ بَطْنَهُ مَسْحًا رَافِقًا ) تَحَرُّزًا عَنْ تَلَوُّيَتِ الْكُفَّينِ .

( لِأَنَّ مَرْجَ مِنْهُ شَيْءٌ غَسَلَهُ وَلَا يُعِيدُ غُسْلَهُ وَلَا وَضُوهُ ) ، لِأَنَّ الْغُسْلَ عَرَقَانَهُ بِالْمَسْحِ وَقَدْ حَصَلَ مَرَّةً ( ثُمَّ يَنْشَفُهُ بِقَوِّبٍ ) عَنِ لَا تَبَلُّأَ أَكْفَانَهُ ( وَيَجْعَلُهُ ) أَيْ الْمَمِيتَ ( لِيُكْفِيَهُ وَيَجْعَلَ الْحَنَوطَ عَلَى رَأْسِهِ وَلِيَحْيِيهِ وَالْكَافُورَ عَلَى مَسَاجِدِهِ ) ، لِأَنَّ الطَّيِّبَ سُنَّةً وَالْمَسَاجِدَ أَوَّلَى بِزَيَادَةِ الْكَرَامَةِ .

( وَلَا يُسْرَحُ شَعْرُ النَّمِيتِ وَلَا لِحْيَتُهُ وَلَا يَقْصَرُ خُفْرُهُ وَلَا شَعْرُهُ ) لِقَوْلِ عَلِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا : عَلِمْتُ تَنْصُوسُونَ مَيْتَكُمْ ، وَلَئِنْ هَلِدِ الْأَشْيَاءَ لِلْمَرْيَةِ وَقَدْ اسْتَعْنَى الْمَيِّتُ عَنْهَا ، وَلِي الْحَيُّ كَانَ تَنْظِيفًا لِاجْتِمَاعِ الْمَوْسَخِ تَحْتَهُ وَصَارَ كَالْحَيَّانِ .

ترجمہ

اور پھر اس کو دائیں کروٹ پر لٹا کر دھویا جائے حتیٰ کہ دیکھ لیا جائے کہ پانی میت کے اس حصہ تک پہنچ گیا ہے جو تختے سے مل ہوا ہے۔ اور سمت یمنی ہے۔ اور ابتداء دائیں جانب سے کرے۔ اس میت کو غسل دینے والا میت کو بٹھائے اور اپنی جانب ہی اس کا ٹکیر لگائے اور میت کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملتا رہے تاکہ کفن کو آلودہ ہونے سے بچائے۔ اگر میت کے پیٹ سے کچھ نکلے تو اس کو دھوئے اور اس کے غسل و وضو کا اعادہ نہ کرے۔ اس لئے کہ غسل دینے کا حکم ہم نے نص سے جانا ہے اور وہ

ایک مرتبہ میں ہو چکا ہے۔ اس کے بعد میت کو کپڑے سے صاف کرے تاکہ کفن نہ بھیجے۔

اور وہ میت کو اس کفن کے کپڑوں میں رکھ دے۔ اور میت کے سر اور اس کی داڑھی پر حنوط لگائے۔ اور اس کے جہدے والے اعضاء پر کافور لگائے۔ اس لئے کہ خوشبو لگانا سنت ہے۔ اور جہدے والے اعضاء اس کی عزت میں زبانتی ہے۔ اور میت کے بالوں اور داڑھی کی کنگھی نہ کی جائے اور نہ اس کے ناخن و بال کاٹے جائیں۔ اس لئے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم کس طرح اپنے فوت ہونے والوں کی پیشانی پکڑ کر کھینچتے ہو۔ حالانکہ یہ چیزیں تو جھاوٹ کیلئے ہیں اور میت جھاوٹ سے بے پردہ ہو چکی ہے۔ اور زندگی میں جب وہ پاک صاف تھا تو اس کے نیچے میل و پچیل جمع ہو جاتی تھی لہذا یہ خفہ کی طرح ہو گیا۔

**حاصل میت کا طریقہ:**

میت کو نہلانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مردہ کا ہاتھ پکڑ کر لیا جائے لیکن رانوں اور تہنی کی جگہ غسل دینے والا اپنے ہاتھ نہ لگائے اور نہ اس پر نگاہ ڈالے بلکہ اپنے ہاتھ میں کوئی کپڑا لپیٹ لے اور جو کپڑا ناف سے زانو تک پڑا ہے اس کے اندر راند رکھلائے۔ پھر اسے وضو کرایا جائے لیکن نہ تو کھلی کرانی جائے اور نہ ناک میں پانی ڈالا جائے اور نہ گھٹے تک ہاتھ دھلائے جائیں۔ بلکہ منہ دھلایا جائے پھر ہاتھ کہنی سمیت، پھر سر کا مسح، پھر دونوں پیروں اور آگرتین دفعہ روئی تر کر کے دانتوں اور مسوڑھوں پر اور ناک کے دونوں سوراخوں میں پھیر دی جائے تو بھی جائز ہے۔ ہاں اگر میت نہانے کی حاجت میں یا حیض و نفاس میں مر جائے تو اس طرح سے نہاد ناک میں پانی پانچا نا ضروری ہے۔

میت کی ناک، منہ اور کانوں میں روئی بھردی جائے تاکہ وضو کراتے اور نہلاتے وقت پانی اندر نہ جائے۔

جب وضو کرا دیا جائے تو سر اور داڑھی کو خٹمی (مگل خیرد) سے یا اور کسی چیز سے جیسے بنس، کھلی اور یا صابون وغیرہ سے مل کر دھویا جائے پھر میت کو بائیں کروٹ لٹا کر بیری کے پتے یا اشنان ڈال کر پکایا ہوا پانی نیم گرم تین دفعہ سر سے پیر تک ڈالا جائے یہاں تک کہ پانی اس کروٹ تک پہنچ جائے تو تھننے سے لگی ہوئی ہے۔ پھر دائیں کروٹ لٹا کر اسی طرح سر سے پیر تک تین دفعہ پانی ڈالا جائے یہاں تک کہ پانی اس کروٹ تک پہنچ جائے جو تھننے سے لگی ہوئی ہے۔

اس کے بعد میت کو اپنے بدن کی ٹھیک لگا کر ڈرا بھلایا جائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملا اور دایا جائے اگر پیٹ سے کوئی پاخانہ وغیرہ نکلے تو اسے پونچھ کر دھو ڈالا جائے۔ لیکن اس صفائی کے بعد پھر دوبارہ وضو اور غسل کی ضرورت نہیں اس کے بعد پھر اس کو بائیں کروٹ پر لٹا کر کافور پڑا ہوا پانی سر سے پیر تک تین مرتبہ ڈالا جائے۔ اگر بیری کے پتے اشنان اور کافور میسر نہ آئے تو سادہ نیم گرم پانی کافی ہے۔ اسی سے اسی طرح تین دفعہ نہلایا جائے۔

نہلانے کے بعد سارے بدن کو کپڑے سے پونچھ دیا جائے اور پھر اس کے سر اور داڑھی پر عطر لگایا جائے اور ماتھے تک ناک، دونوں تھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دیا جائے میت کے بالوں اور داڑھی میں کنگھی نہ کی جائے اور نہ ناخن و بال کترے جائیں۔ اسی طرح جس میت کی خفہ نہ ہوئی ہو اس کی خفہ بھی نہ کی جائے۔ ان تمام چیزوں سے فرغ کر کفن دیا جائے۔

### فصل فی تکفینہ

﴿یہ فصل میت کو کفن دینے کے بیان میں ہے﴾

میت کو کفن دینے کے بیان میں:

(السُّنَّةُ أَنْ يُكْفَنَ الرَّجُلُ فِي ثَلَاثَةِ أَلْوَابٍ لِإِذَا وَ قَمِيصٍ وَ لِقَافَةٍ) لِمَا رَوَى " (أَنَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ كَفَّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَلْوَابٍ بَعْضُ مَحْرُومِيَّةٍ) " وَ لَأَنَّهُ أَكْثَرُ مَا يَلْبَسُهُ عَادَةً فِي حَيَاتِهِ فَكَلَّمَا بَعْدَ مَمَاتِهِ فَإِنْ انْقَضَوْا عَلَى ثَوْبَيْنِ جَزَاءً ، وَ الثَّوْبَانِ إِذَا وَ لِقَافَةً وَ هَذَا كَفَنُ الْكِفَانِيَةِ لِقَوْلِ أَبِي بَكْرٍ : اغْسِلُوا ثَوْبِيْ هَلْتَيْنِ وَ كَفِّنُونِي فِيهِمَا ، وَ لَأَنَّهُ أَذْنَى لِحَاسِ الْأَحْيَاءِ ، وَ الْإِذَا وَ مِنَ الْقَرْنِ إِلَى الْقَدَمِ ، وَ اللَّقَافَةُ كَذَلِكَ ، وَ الْقَمِيصُ مِنَ أَصْلِ الْعُنُقِ إِلَى الْقَدَمِ

ترجمہ

اور مرد کیسے سنت یہ ہے کہ اس کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ کیونکہ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حویہ کے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا ہے۔ کیونکہ زندگی میں اس کے پہننے کی اکثر عادت یہی تھی لہذا وفات کے بعد بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہو جائے۔

اگر وہ دو کپڑوں کا اکتفاء کریں تو بھی جائز ہے جس میں ازار اور لقافہ ہوں گے۔ اور یہ کفن کفافیہ ہے کیونکہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے انہی دو کپڑوں کو دھو کر مجھے ان کا کفن دینا۔ کیونکہ زندوں کا یہی ادنیٰ لباس ہے۔ اور ازار سے لیکر قدم تک ہوتا ہے اور لقافہ بھی اسی طرح ہوتا ہے جبکہ قمیص گردن سے قدم تک ہوتی ہے۔

شرح:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے جو سفید یعنی بھول کی بنی ہوئی روئی کے تھے، نہان میں (سیاہوا) کرتے تھانہ پگڑی تھی۔ (بخاری و مسلم)

لیس فیہا قمیص ولا عمامة (نہان میں کرتے تھانہ پگڑی تھی) کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن میں ان کپڑوں کے علاوہ کرت اور عمامہ بالکل نہ تھا۔

بعض حضرات نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کرت اور عمامہ ان تین کپڑوں میں نہیں تھا بلکہ کرت اور عمامہ ان تین کپڑوں کے علاوہ تھا۔ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن میں پانچ کپڑوں کا ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن میں تین کپڑے تھے لہذا اس جملہ کا یہی مطلب صحیح ہے کہ آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن میں کرتہ و عمامہ باطل نہیں تھا صرف تین کپڑے تھے۔ اس جملہ کے پیش نظر عمامہ کے مسلک میں بھی یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ آیا یہ مستحب ہے کہ کفن میں کرتہ اور عمامہ ہو یا نہ ہو؟ چنانچہ حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کفن میں تین لفافہ ہوں (یعنی صرف تین چادریں ہوں جن میں میت کو لپیٹا جائے) اور ان میں کرتہ و عمامہ نہ ہو۔

جب کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ کفن میں تین کپڑے ہونے چاہئیں (۱) ازرا یعنی لنگی (۲) قیص یعنی کفن (۳) لفافہ یعنی پوٹ کی چادر۔ لہذا حدیث میں قیص کی جگہ فرمائی گئی ہے اس کی تاویل حنفیہ یہ کرتے ہیں کہ سیاہوائیں نہیں تھا بلکہ بغیر سیاہوائیں قیص تھا جس کو کفن کہا جاتا ہے۔

حوالہ حوال کی طرف منسوب ہے اور حوال یمن کی ایک بستی کا نام ہے۔

کفن اجماعاً دینا چاہئے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفنانے تو اسے چاہئے کہ وہ اچھا کفن دے (مسلم)

ابن عدی کی روایت ہے کہ اپنے مردوں کو اچھا کفن دو اس لیے کہ وہ مردے اپنی قبروں میں آپس میں (ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں) بہر حال اچھے کفن سے مراد یہ ہے کہ کفن کا کپڑا پورا پورا بغیر کسی اسراف کے لطیف و پاکیزہ ہو اور سفید ہو خواہ دھلا ہوا ہو یا نیا ہو۔ اچھے کفن سے وہ اعلیٰ و جنتی کپڑوں کے کفن مراد نہیں ہیں جو بعض جاہل دنیا دار ازراہ ناموسی اور تکبر کے استعمال کرتے ہیں بلکہ ایسا کفن سخت حرام ہے۔

علامہ توریشکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اسراف کرنے والوں نے یہ جو طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ بہت زیادہ قیمتی کپڑے کفن میں دیتے ہیں یہ شرعی اعتبار سے ممنوع ہے کیونکہ اس سے مال کا خواہ مخواہ ضائع ہونا لازم آتا ہے۔

کفن پہنانے کا طریقہ:

کفنانے سے پہلے کفن کو تین یا چار یا سات مرتبہ خوب شوکی دھونی دینی چاہئے۔ پھر میت کو اگر وہ مرد ہو تو اس طریقہ سے کفنانا جائے کہ پہلے لفافہ یعنی پوٹ کی چادر بچھائی جائے اس کے اوپر ازرا اس کے اوپر کرتہ، پھر میت کو اس پر لے جا کر پہلے کرتہ پہنایا جائے اور اس کے دونوں ہاتھ سینہ پر نہ رکھے جائیں بلکہ دونوں طرف پھیلا دیئے جائیں اور پھر ازرا لپیٹ دیا جائے پہلے بائیں طرف پھر دائیں طرف، پھر چادر لپیٹی جائے پہلے بائیں طرف پھر دائیں طرف۔

عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چادر ازرا بچھا کر اس پر کرتہ دکھا جائے اور میت کو اس پر لے جا کر پہنایا جائے اور سر کے بالوں کو دو حصے کر کے کرتہ کے اوپر سینہ پر ڈال دیا جائے ایک حصہ دائیں طرف اور ایک حصہ بائیں

طرف۔

اس کے بعد سر بند سر پر اور بالوں پر ڈالا جائے اسے نہ باندھا جائے اور نہ لپیٹا جائے پھر اس کے اوپر ازار اور اس کے بعد لٹافہ یعنی پوٹ کی چادر اسی ترتیب سے یعنی پہلے بائیں طرف سے پھر دائیں طرف سے لپیٹ دی جائے اور پھر سب سے اوپر سینہ بند لپیٹا جائے۔

کفن کے پڑے لپیٹنے کے بعد کسی جگہ سے پھر اور سر کی طرف کفن باندھ دیا جائے اور ایک بندہ سے کمرے کے پاس بھی باندھ دینا چاہئے تاکہ راستہ میں کہیں کھل نہ جائے۔

کفن لپیٹنے کا بیان:

(لَبَدًا أَرَادُوا لَكَ الْكَفْنَ ابْتَدَوْا بِجَانِبِهِ الْأَيْسَرِ فَلْيَقُوْهُ عَلَيْهِ ثُمَّ بِالْأَيْمَنِ) كَمَا فِي حَالِ الْحَيَاةِ وَنَسْطُهُ أَنْ نُسْطَ اللَّفَافَةِ أَوَّلًا ثُمَّ نُسْطَ عَلَيْهَا الْإِزَارُ ثُمَّ نَقْصُ الْمِثْثَ وَنُوضِعَ عَلَى الْإِزَارِ ثُمَّ نَعْتَظِفُ الْإِزَارَ مِنْ قِبَلِ الْيَسَارِ ثُمَّ مِنْ قِبَلِ الْيَمِينِ، ثُمَّ اللَّفَافَةُ كَذَلِكَ (وَأِنْ عَاطَلُوا أَنْ يَنْتَشِرَ الْكَفْنُ عَنْهُ عَقَلُوهُ بِخَوْفٍ) صَيَانَةٌ عَنِ الْكُشْفِ.

ترجمہ:

اور جب وہ کفن لپیٹنے کا ارادہ کریں تو اس کی بائیں جانب سے شروع کریں۔ لہذا بائیں کمریت پر لپیٹ دیں پھر دائیں کو لپیٹ دیں۔ جس طرح حالت حیات میں کیا جاتا ہے۔ اور کفن کو بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے لٹافہ کو بچھایا جائے پھر ازار کو بچھایا جائے اس کے بعد میت کو قیص پہنا کر ازار پر رکھا جائے۔ پھر بائیں جانب سے ازار کو موڑا جائے۔ پھر دائیں جانب سے ایسے ہی لٹافہ کو کیا جائے اور میت کے کفن کے منتشر ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو گروہ سے باندھ دیں تاکہ وہ کھلنے سے بچ سکے۔

کفن پہنانے میں قیصی بیان:

علامہ ہکمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کفن میں مرد کے لئے ازار (تہبند) قیص اور لٹافہ (چادر) مسنون ہے، اور عورت کے لئے درجہ یعنی قیص، تہبند، منڈار (اور حنی)، چادر اور ایک کپڑا انجو پستان اور شکم پر باندھا جائے۔ اور کفن کفایت مرد کے صحیح قول پر تہبند اور چادر۔ عورت کے لئے دو کپڑے اور اور حنی، کفن کفایت سے کم دینا مکروہ ہے۔ اور کفن ضرورت مرد و عورت دونوں کیلئے وہ ہے جو مل جائے۔ کم سے کم اتنا کہ پورے بدن کو بچھالے۔ پہلے چادر بچھائی جائے پھر اس پر تہبند بچھایا جائے اور قیص پہنائی جائے اور تہبند پر رکھا جائے، پھر تہبند لپیٹا جائے پہلے بائیں پھر دایاں، پھر اسی طرح چادر لپیٹی جائے تاکہ دایاں بائیں کے اوپر رہے۔ عورت کو قیص پہنا کر اس کے بال دو حصہ کر کے سینے پر قیص کے اوپر ڈال

دئے جائیں اور اورھنی بال کے اوپر ہو، پھر ویسے ہی کیا جائے جیسے مرد کے بارے میں بیان ہوا۔ اور اگر کفن منتشر ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے تہبند باندھ دیا جائے۔ مراحق (جو بلوغ کے قریب ہو) کا حکم بالغ کی طرح ہے جو مراحق نہیں اسے اگر ایک کفن دیا جائے تو جائز ہے۔ اور تا تمام بچے کو کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے، کفن نہ دیا جائے۔

(در مختار ج ۱، ص ۱۷۱، باب صلوة الجنائز، مطبوعہ مطبعہ نبی دہلی)

عورت کے سنت کفن کا بیان:

(وَتَحْفَنُ الْمَرْأَةُ بِمِثْلِ عَمَسَةِ الْوَابِ دُونَ الْوَأَدِ وَبِعِمَارٍ وَلِقَالَةٍ وَخِرْقَةٍ تَرْتَبُّ فَوْقَ لَدَنِيهَا) لِخَبِيثَةٍ أُمَّ عَطِيَّةٍ "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَى النَّوَالِي عَمَلَنَ ابْنَتَهُ عَمَسَةَ الْوَابِ" وَلَا تَهَا تَخْرُجُ فِيهَا حَالَةَ الْحَبَاةِ فَكَمَا بَعْدَ الْمَمَاتِ .

(ثُمَّ هَذَا بَيَانُ كَفَنِ السُّنَّةِ ، وَإِنْ الْقَصْرُ عَلَى ثَلَاثَةِ الْوَابِ جَازٍ ) وَهِيَ ثَوْبَتَانِ وَبِعِمَارٍ ( وَهُوَ كَفَنُ الْكُفَّانَةِ ، وَخِرْقَةُ أَقْلٍ مِنْ ذَلِكَ .

ترجمہ:

اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے جس میں کرتہ، ازار، اورھنی، لفافہ اور دو پٹی شامل ہیں جس کو اس کی چھاتیوں پر باندھا جائے گا۔ حضرت ابن علیہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہی اس کی دلیل ہے۔ کہ جن عورتوں نے نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دیا ان کو آپ ﷺ نے کفن کے پانچ کپڑے دیے ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ عورت زندگی میں انہی پانچ کپڑوں کے ساتھ رہتی ہے۔ لہذا اسوت کے بعد بھی اس کیلئے ایسا ہی ہو۔

یہ تو کفن سنت کا بیان ہے۔ لہذا اگر تین کپڑوں پر اکتفاء کیا تو بھی جائز ہے۔ اور وہ دو کپڑے، ازار، لفافہ ہیں اور ایک اورھنی ہے۔ اور یہ کفن کفایہ ہے اور اس سے بھی کم کرنا مکروہ ہے۔

شرح:

سنت مرد کے لئے تین کپڑے ہیں ایک تہبند کہ سر سے پاؤں تک ہو، اور کفن گردن کی جڑ سے پاؤں تک، اور چادر کہ اس کے قد سے سر اور پاؤں دونوں طرف اتنی زیادہ ہو جسے لپیٹ کر باندھ سکیں۔ پہلے چادر چھائییں اس پر تہبند، پھر میت مغسول کا بدن ایک کپڑے سے صاف کریں پھر اس پر رکھ کر کفنی پہنا کر تہبند لٹھیں، پہلے بائیں پھر دہنی طرف لٹھیں تاکہ دہنا حصہ بائیں کے اوپر رہے۔ پھر اسی طرح چادر لپیٹ کر اوپر نیچے دونوں جانب باندھ دیں۔

اور عورت کے لئے پانچ کپڑے سنت ہیں، تین بھی مگر مرد و عورت کے لئے کفنی اتنا فرق ہے کہ مرد کی قمیص عرض میں موندھوں کی طرف چہرہ چاہئے اور عورت کا طول میں سینے کی جانب۔ چوتھے اورھنی جس کا طول ڈیڑھ متر یعنی تین ہاتھ ہو۔

پانچواں سینہ بند کر پستان سے ناف بلکہ افضل یہ ہے کہ راتوں تک ہو۔ پہلے چادر اور اس پر تہ بند دستور۔ بچہ اگر کھنی پہنا کر تہ بند پر لٹائیں اور اس کے بال دھوئے کر کے بالائے سینہ کھنی کے اوپر لاکر رکھیں اس کے اوپر اوڑھنی سر سے اڑھا کر بغیر منہ لیے ذال دیں، پھر تہ بند اور اس پر چادر دستور کھینچیں اور چادر اسی طرح دونوں سمت باندھ دیں، ان سب کے اوپر سینہ بالائے پستان سے ناف یا ران تک باندھیں، یہ کفن سخت ہے، اور کافی اس قدر ہے کہ مرد کے لئے دو کپڑے ہوں جبہ بند اور چادر۔ اور عورت کے لئے تین، کھنی و چادر اور تیسرے اوڑھنی، اسے کفن کفایت کہتے ہیں۔ اگر میت کا مال زائد اور وارث کم ہوں تو کفن سخت افضل ہے، اور عکس ہو تو کفن کفایت اولیٰ اور اس سے کمی بخل اختیار جائز نہیں۔ ہاں وقت ضرورت جو میسر آئے صرف ایک ہی کپڑا اگر سر سے پاؤں تک ہو مرد و عورت دونوں کے لئے ہنس ہے۔ جاہل محتاج جب ان کا مورد محتاج مرتا ہے لوگوں سے پورے کفن کا سوال کرتے ہیں، یہ حماقت ہے، ضرورت سے زیادہ سوال حرام اور ضرورت کے وقت کفن میں ایک کپڑا کافی، بس اسی قدر مانگیں اس سے زائد مانگنا جائز نہیں۔ ہاں ان کو بے مانگے جو مسلمان نہ بیٹ ثواب پر یا کفن محتاج کے لئے دے گا اللہ عزوجل سے پورا ثواب پائے گا۔ نابالغ اگر حد شہوت کو پہنچ گیا ہے جب اس کا کفن جوان مرد و عورت کی مثل ہے، اور یہ حکم یعنی حد شہوت کو پہنچنا پسر میں بارہ اور دختر میں نو برس کی عمر کے بعد نہیں رکنا، اور ممکن کہ کبھی اس سے پہلے بھی حاصل ہو جائے جبکہ جسم نہایت قوی اور مزاج گرم اور حرارت جوش پر ہو۔ لڑکوں میں یہ اس کا عورتوں کی طرف رغبت کرنے لگے اور لڑکیوں میں یہ کہ اسے دیکھ کر مردوں کو اس کی طرف میل پیدا ہو۔ جو بچہ اس عمر و حالت کو نہ پہنچیں ان میں بسر مرگ ایک اور دختر کو دو کپڑوں میں کفن دیں تو کوئی حرج نہیں، اور پسر کو دو دختر کو تین دیں تو اچھا ہے۔ اور دونوں کو پورا کفن مرد و عورت کا دیں تو سب سے بہتر اور جو بچہ مردہ پیدا ہو یا کچا گر گیا اسے بہر طور ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے کفن نہ دیں۔ (فتاویٰ رضویہ باب الجنازہ)

مرد کے کفن کردہ کا بیان:

وَلْيُكْفَى الرَّجُلُ بِثَمَرَةٍ إِلَّا قِصَارَ عَلَى قُوبٍ وَاحِدٍ إِلَّا فِي حَالَةِ الضَّرُورَةِ (لَا نَ مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ وَصَّى  
اللَّهُ عَنْهُ حِينَ اسْتَشْهِدَ كَفَّنَ لِي قُوبٍ وَاحِدٍ وَعَلَا كَفَّنَ الضَّرُورَةَ) وَتَكْفِنُ الْمَرْأَةُ اللِّزْعَ أَوْ لَا ثُمَّ يُجْعَلُ  
صَفَرُهَا صَفِيرَتَيْنِ عَلَى صَدْرِهَا فَوْقَ اللِّزْعِ، ثُمَّ الْخِمَارُ فَوْقَ ذَلِكَ تَحْتَ الْإِزَارِ، ثُمَّ الْإِزَارُ ثُمَّ اللَّعَافَةُ.  
قَالَ: وَتُجْعَلُ الْأَكْفَانُ قَبْلَ أَنْ يُلَوَّجَ لَهَا وَتَرَامَ (لَا تَكُنْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَمْرٌ بِإِجْمَاعٍ أَكْفَانِ ابْنِ  
وَتَرَامَ)، وَالْإِجْمَاعُ هُوَ التَّطْيِيبُ، لِذَا فَرَّغُوا مِنْهُ صَلُّوا عَلَيْهِ لِأَنَّهَا قَرِيبَةٌ.

ترجمہ:

اور مرد و ایک کپڑے میں کفن دینے پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔ لیکن جب ضرورت ہو تو جائز ہے کیونکہ جب حضرت مصعب

بن عمیر رضی اللہ عنہ کو کفن دیا گیا تو انہیں ایک ہی کپڑے میں کفن دیا گیا تھا۔ اور یہ کفن ضرورت ہے۔

سب سے پہلے عورت کو کفن پہنائی جائے اس کے بعد اس کے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے کرتی کے اوپر اور سینے پر رکھا جائے۔ اس کے بعد اس کے اوپر اودھنی اور پھر نیچے ازار پہنائی جائے۔

فرمایا: کفنوں کو پہنانے سے پہلے ان کو طاق مرتبہ دھونی دی جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی کو کفن پہنانے سے پہلے اس کو تین مرتبہ دھونی دینے کا حکم تھا۔ اور زہرا رضی اللہ عنہا کو دھونے کا نام ہے۔ لہذا جب اس سے فارغ ہو جائیں تو میت پر نماز پڑھیں۔ اس لئے کہ نماز جنازہ فرض ہے۔

میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے اور کفن کے تین درجے ہیں:

(۱) کفن ضرورت (۲) کفن کفایت اور (۳) کفن سنت

کفن ضرورت :

مرد اور عورت دونوں کے لیے یہ کہ جو میسر آئے اور کم از کم اتنا تر ہو کہ سارا بدن ڈھک جائے یعنی وقت ضرورت جو میسر آئے، اگرچہ صرف ایک ہی کپڑا جو کہ سر سے پاؤں تک ہو مرد اور عورت دونوں کے لیے بس ہے۔

کفن کفایت :

مرد کے لیے : (۱) لفافہ یعنی چادر، (۲) تہبند (ازار) یعنی تہبند۔

عورت کے لیے : (۱) لفافہ یعنی چادر، (۲) ازار یعنی تہبند، (۳) اودھنی یا : ازار کی جگہ کفنی یعنی قمیص۔

کفن سنت :

مرد کے لیے : (۱) لفافہ (چادر)، (۲) تہبند (ازار)، (۳) کفنی (قمیص)۔

عورت کے لیے : (۱) لفافہ (چادر)، (۲) تہبند (ازار)، (۳) کفنی (قمیص)، (۴) اودھنی، (۵) سینہ بند

کفن کی مقدار یعنی ناپ

لفافہ :

لفافہ یعنی چادر جو مرد اور عورت دونوں کے کفن میں ہوتی ہے، اس کی مقدار یہ ہے کہ میت کے قد سے اتنی زیادہ ہو کہ سر اور پاؤں تک پہنچانے (پہننے) کے بعد اوپر اور نیچے دونوں کی طرف سے باندھ سکیں یعنی سر کی طرف اتنی زیادہ ہو کہ سر کی طرف باندھ سکیں اور پاؤں کی طرف بھی اس قدر زیادہ ہو کہ پاؤں کی طرف سے بھی باندھ سکیں

تہبند :

تہبند یعنی ازار جو مرد اور عورت دونوں کے کفن میں ہوتی ہے، اس کی مقدار جاننے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ عام



صور سے تہبند اس چادر کو کہتے ہیں جو کمر میں شلوار یا پاجامہ کی جگہ استعمال ہو، اور اس کا لنگی بھی کہتے ہیں، لیکن میت کے کفن میں جو تہبند یعنی ازار ہوتا ہے، وہ صرف کمر سے لے کر پاؤں تک نہیں، بلکہ سر سے لے کر پاؤں تک ہوتا ہے، البتہ تہبند یعنی ازار کے طور پر استعمال ہونے والی چادر کی مقدار (لہائی) لٹافہ کی چادر سے کم ہوتی ہے یعنی تہبند سر سے لے کر پاؤں تک ہے، لٹافہ کی طرح قد سے زیادہ نہیں ہوتا اسے لٹافہ کے اوپر بچھا دینا چاہیے کمر میں باندھنا یا لیٹنا نہیں چاہیئے کفنی :

کفنی یعنی قمیص جو مرد اور عورت دونوں کے کفن میں ہوتی ہے، اس کی مقدار یہ ہے کہ گردن سے لے کر گھٹنوں کے نیچے قدم تک ہو اس قمیص میں آستین نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس کے اطراف میں سلائی بھی نہیں ہوتی قمیص آگے و پیچھے دونوں طرف لہائی میں برابر (مساوی) ہوتی ہے۔

اوزنمی :

جو صرف عورت ہی کے کفن میں ہوتی ہے، وہ تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز کی ہوتی چاہیئے۔

سیطہ بند :

یہ بھی صرف عورت کے کفن میں ہوتا ہے اس کی مقدار کندھوں کے نیچے سے ناف تک ہے اور بہتر یہ ہے کہ کندھوں کے نیچے سے ران تک ہو۔

کفن پہنانے کا ست طریقہ :

میت کو غسل دینے کے بعد میت کے بدن کو آہستہ اور نرمی کے ساتھ پاکہ کپڑے سے پونچھ لیں تاکہ کفن گیلیا نہ ہو۔ غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت کو فوراً کفن پہنا دینا چاہیئے۔

چار پائی پر پہلے خانہ یعنی بڑی چادر بچھادی جائے اور اس پر تہبند (ازار) یعنی چھوٹی چادر بچھا دی جائے پھر چھوٹی چادر پر کفنی یعنی قمیص اس طرح رکھیں کہ بعض کا نیچے والا حصہ چھوٹی چادر پر بچھا دیا جائے اور قمیص کا اوپر والا حصہ جو میت کے سینے پر رکھا جائے گا، اس کو چار پائی کے سر ہانے کی طرف کر دیا جائے۔

پھر میت کو چار پائی پر قمیص یعنی کفنی پہنا دیا جائے اور قمیص کا وہ حصہ جو چار پائی کے سر ہانے کی طرف کر دیا گیا تھا، جس کو کفن سینے کے وقت چک کر کے اس میں گھلایا گیا تھا اس میں سے میت کے سر کو گزار دیں، پھر قمیص کا وہ حصہ جو چار پائی کے سر ہانے کی طرف کر دیا گیا تھا، وہ حصہ اب میت کے سینے سے قدم تک کریں۔

پھر تہبند (ازار) یعنی چھوٹی چادر کو پہنا جائے اس طرح کہ میت کی بائیں جانب کا حصہ پہلے پینٹیں پھر دائیں جانب کا حصہ پینٹیں، تاکہ دائیں طرف کا حصہ بائیں طرف کے حصہ کے اوپر رہے۔ لٹافہ یعنی بڑی چادر کو بھی مندرجہ بالا طریقہ سے لپیٹ کر سر اور پاؤں کی طرف باندھ دیں، تاکہ کفن کھلنے نہ پائے۔

## فصل فی المنازعات علی الملک

### یہ فصل میت پر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے ﴿

نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ مقدار کون ہے:

(وَأَوْلَى النَّاسِ بِالْمَقْلَةِ عَلَى الْمَيِّتِ السُّلْطَانُ إِنْ حَضَرَ) لِأَنَّ فِي التَّقْدِيمِ عَلَيْهِ أَرْذَاءَ بِهِ (فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَلِالْقَاضِي) لِأَنَّهُ صَاحِبُ وَلَايَةٍ (فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَيَسْتَحَبُّ تَقْدِيمُ إِمَامِ الْحَيِّ) لِأَنَّهُ رَجِيئُهُ فِي خِلَالِ حَيَاتِهِ. قَالَ (ثُمَّ الْوَلِيُّ وَالْأَزْوَاجُ عَلَى التَّرْتِيبِ الْمَذْكُورِ فِي الصَّحَاحِ) .

ترجمہ:

اور لوگوں میں میت پر نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ مقدار سلطان ہے۔ اگر وہ حاضر ہو۔ کیونکہ تقدیم کا وہی زیادہ مقدار ہے۔ اگر سلطان نہ ہو تو پھر قاضی کا حق ہے۔ کیونکہ وہ بھی صاحب ولایت ہے۔ اگر قاضی بھی حاضر نہ ہو تو محلے کے امام کا حق ہے۔ کیونکہ اس کے امام ہونے پر دنیا میں راضی تھا۔ فرمایا اس کے بعد میت کا ولی ہے۔ اور میت کے اولیاء اسی طرح ہوں گے جس طرح نکاح میں ان کا ولایت کا ذکر ہے۔

جنازہ میں حق ولایت کا فقہی معلوم:

علامہ ابن عابدین شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نماز جنازہ میں مقدم سلطان ہے یا اس کا نائب (بہتر یہ کہنا ہے کہ: پھر اس کا نائب، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے پھر قاضی (پھر حاکم شہر کا نائب، پھر قاضی ک۔ نائب۔ ابدال۔۔۔ از زطی۔ شافعی) پھر امام محلہ اور حکام کی تقدیم واجب ہے اور امام محلہ کی تقدیم مستحب ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر جیسا کہ کچھ نہیں میں ہے اور مصنف کی شرح مجمع میں ہے (امام محلہ سے فرادہ کو جو مسجد محلہ کا امام ہو، اس کے اولیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اس کی اقتداء پسند کی تو بعد وفات اس کی نماز جنازہ اسی کو پڑھانا چاہئے۔۔۔ شافعی) درایہ میں ہے کہ امام جامع مسجد (شرح منیہ میں اسے امام جمعہ سے تعبیر کیا۔ شافعی) امام محلہ سے بہتر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی تقدیم بھی استحب الی ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اسے اپنا امام پسند کیا، تو میت اگر جمعہ پڑھنے والا نہیں، جیسے عورت، یا دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے والا اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تو وہ بھی ولی پر مقدم نہ ہوگا۔ شافعی نے کہا اس لئے کہ آگے آ رہا ہے کہ اصل میں حق ولی کا ہے، اس پر حکام اور امام محلہ کی تقدیم تعزیل مذکور کے باعث تھی وہ علت ہی یہاں موجود نہیں۔ پھر ولی جو نکاح کرانے میں مصعب ہونے کی ترتیب کے اعتبار سے ہے تو اگر ولی کے عداوہ کسی ایسے نے نماز پڑھی جسے ولی پر حق تقدم حاصل نہیں اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی پھر پڑھ سکتا ہے اگر چہ قبر، اگر

چاہے۔ یہ اجازت اس کے حق کے سبب ہے، اس وجہ سے نہیں کہ فرض جنازہ ادا نہ ہوا۔ اسی لئے پہلے جو لوگ پڑھ چکے ہوں انہیں ولی کے ساتھ اعادہ کی اجازت نہیں اس لئے کہ نماز جنازہ کی تکرار غیر مشروع ہے۔ (درمختار شرح تنویر الابصار باب صلوة الجنازہ مطبوعہ مطبعہ کتب خانہ دہلی، رد المحتار باب صلوة الجنازہ مطبوعہ ادارۃ المطابع المصریہ مصر)

دوبارہ نماز جنازہ پڑھانے کے بارے میں احکام شرعی:

(لَیْسَ صَلَّی غَیْرُ الْوَلِیِّ اَوْ السُّلْطَانُ اَعَادَ الْوَلِیِّ) بِمَعْنٰی اِنْ خَآءَ لِمَا ذَکَرْنَا اَنَّ الْحَقَّ لِلْاَوْلِیَّاءِ (وَ اِنْ صَلَّی الْوَلِیُّ لَمْ یُکْزَلْ لِاَعْدِ اَنْ یُّصَلِّی بَعْدَهُ) لِاَنَّ الْقَرَضَ یَتَذَكَّرُ بِالْاَوْلٰی وَ التَّغْلِبُ بِهَا غَیْرُ مَشْرُوعٍ، وَ لِهَذَا وَ اَمَّا النَّاسُ فَاِنْ کُنُوْا عَنْ اَخْرِجِهِمْ الصَّلَاةَ عَلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ وَ هُوَ الْیَوْمَ کَمَا وَجَّعَ تَرْجَمَ:

اگر ولی و حاکم اسلام کے سوا اور لوگ نماز جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار حق اولیاء کا ہے اور اگر ولی پڑھ چکا تو اب کسی کو اجازت نہیں کہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو چکا اور یہ نماز بطور نفل پڑھنی شروع نہیں لہذا اہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کے مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر نماز چھوڑ دی حالانکہ حضور آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے جس دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر نماز جنازہ کی تکرار شروع ہوتی تو حرام اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں علماء و صلحاء اور وہ بندے ہیں جو طرح طرح سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں تو یہ تکرار کی مشروعی پر مکمل دلیل ہے پس اس کا اعتبار واجب ہوا۔ (فتح القدیر فصل فی الصلوۃ علی لیت مطبوعہ المکتبہ النوریہ رضویہ سکسر)

لہذا اگر کوئی شخص بے نماز پڑھے دفن کر دیا گیا تو فرض ہے کہ اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھیں جب تک ٹکن غالب رہے کہ بدن بگڑ نہ گیا ہوگا اور نماز جنازہ ایک تو ہر مسلمان کا حق ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، ان میں نماز جنازہ کو بھی ذکر فرمایا، حدیث آگے آ رہی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل مروی از ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوبارہ نماز جنازہ پڑھانے کے عدم جواز پر دلائل:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ انس بن مالک و عبد اللہ بن جابر و سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعدد احادیث ذکر کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "مومن صالح کو پہنچتا یہ دیا جاتا ہے کہ جتنے لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی سب بخش دئے جاتے ہیں۔ اللہ عز و جل حیا فرماتا ہے کہ ان میں کسی پر عذاب کرے۔"

اب اگر حق کا لحاظ کیجئے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق کے برابر تمام جہان میں کس کا ہو سکتا ہے، اور فضل کو دیکھئے تو افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے برابر کس مقبول پر نماز پڑھنی ہو سکتی ہے، ہاں تہر پر نماز پڑھنے سے مانع یہ ہوتا ہے کہ اتنی مدت گزر جائے جس میں میت کا بدن سلامت ہونا منظور نہ رہے، اسی کو بعض روایات میں دفن کے بعد تین دن سے تقدیر کیا، اور صحیح یہ کہ کچھ مدت معین نہیں، جب سلامت و عدم سلامت مشکوک ہو جائے نماز ناجائز ہو جائیگی، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں معاذ اللہ اس کا احتمال نہیں وہ آج بھی یقیناً ایسے ہیں جیسے روز دفن مبارک تھے۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

ان الله حرم على الارض ان تاكل احساد الانبياء۔

جینک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جسم مبارک کھانا۔ اسے امام احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، اور ابویوسف نے روایت کیا۔ ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم دارقطنی اور ابن دبیہ نے صحیح کہا، اور اسے عبد اللہ بن ابی نعیم اور منذری وغیرہم نے حسن کہا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

جب نافع مفلک اور متقی اس درجہ فوت سے موجود ہو تو اگر نماز جنازہ کی نگرانی شرع میں جائز ہوتی تو صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک تمام جہان تمام طبقات کے تمام علماء اور اولیاء و صلحا اور عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس کے ترک پر اجماع کیا معنی، جن میں لاکھوں بندے خدا کے ڈرے اور اب بھی ہیں جنہیں دن رات یہی فکر رہتی ہے کہ جہاں تک مل سکیں وہ طریقہ بجالائیں کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب پائیں، لاجرم تیرہ سو برس کا یہ اجماع کلی دلیل ظاہر ہے کہ تکرار نماز جنازہ جائز نہیں، اس لئے مجبوراً سب باقی ماندہ کو اس فضل عظیم سے محروم ہونا پڑا۔

امام اہل تسلی وانی اور اس کی شرح وانی میں فرماتے ہیں۔

لم یصل غیرہ بعدہ ای ان صلی الولی لم یجز لغيره ان یصلی بعده لان حق المیت یتادی بالفريق الاول

و سقط الغرض بالصلوۃ الاولى فلو فعله الفريق الثاني لكان نقلا و اذا غیر مشروع کم صلی علیہ مرقۃ الخ۔

اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی تو اس کے بعد دوسرے کو پڑھنا جائز نہیں، اس لئے کہ میت کا حق پہلے فریق سے ادا ہو چکا، اور پہلی نماز سے فرض ساقط ہو گیا، اب اگر کوئی دوسرا فریق ادا کرے تو یہ نقل ہوگی اور یہاں نقل مشروع نہیں، جیسے وہ جس کی ایک بار نماز پڑھی چاہیگی ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب الجنازہ)

امام محمد بن طہی ابن امیر الحاج علیہ السلام فرماتے ہیں ہمارے علماء نے فرمایا جب میت پر صاحب حق نماز پڑھ چکے پھر اور کوئی اس پر نماز مشروع نہیں۔ (حلیہ المکملی شرح منیۃ المصلی)

علامہ ابراہیم طہی بن علیہ السلام فرماتے ہیں: اس پر نماز نہ پڑھی جائے کہ ایک میت پر دو بار نماز نہ ہو کہ یہ تا مشروع

ہے۔ (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المسلمی فصل فی الجنائز مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

در شرح غرر و مجمع الانہر شرح ملتی الا بحر میں ہے، فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو گیا اور یہ نماز غلطی طور پر شروع نہیں۔

(الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب الجنائز مطبوعہ احمد کمال الکنندہ دارالسنۃ دت بیروت)

علامہ شی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ جو پہلے پڑھ چکا ہو ولی کے ساتھ بھی اعادہ کا اختیار نہیں رکھتا کہ اس کی تکرار غیر مشروع ہے۔ (در مختار، باب صلوٰۃ الجنائز، مطبوعہ مطبعہ حبیبی دہلی)

### عائبانہ جنازہ

کیا ہر میت پر عائبانہ نماز جنازہ پڑھنا مشروع ہے؟

اہل علم کے اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ عائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں، لیکن جس شخص کی نماز جنازہ ادا نہ کی گئی ہو اس کی عائبانہ نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے، مثلاً کوئی شخص کفار کے ملک میں فوت ہو جائے اور کسی نے بھی اس کی نماز جنازہ ادا نہ کی ہو تو اس کی نماز جنازہ ادا کرنا واجب ہے، لیکن جس شخص کی نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہو تو اس کی عائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا مشروع نہیں، کیونکہ سنت نبویہ میں سوائے نجاشی کے کوئی اور قصہ نہیں ہے، اور نجاشی کی بھی اس کے ملک میں نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی تھی۔

اسی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اس کی عائبانہ نماز جنازہ ادا کی تھی... اور اس کے علاوہ کئی بڑے اور سردار فوت ہوئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے علاوہ کسی اور کی نماز جنازہ ادا نہیں کی۔

اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جس شخص نے اپنے مال سے دینی خدمات سر انجام دی ہوں، یا اس کی علمی خدمات ہوں اس کی عائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے... اور جس کی خدمات نہ ہوں اس کی عائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں کی جائیگی۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں :

مطلقاً عائبانہ نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے، اور یہ ضعیف ترین قول ہے۔

(سوال فی احکام القابر شیخ محمد صالح العنیمین صفحہ نمبر 9)

عائبانہ نماز جنازہ میں اہل حق جیسے کا نظریہ :

ربا عائبانہ نماز جنازہ کا مسئلہ تو اس میں علماء کرام کا بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نجاشی کے علاوہ کسی اور کی عائبانہ نماز جنازہ ثابت نہیں، اور نہ ہی یہ منقول ہے کہ مدینہ سے باہر کسی اور شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عظیم محبت ہونے کے باوجود ان کی نماز جنازہ ادا کی ہو۔

اور اسی طرح خلفاء راشدین کے متعلق بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب ان میں کوئی فوت ہوا تو ان کی عائبانہ نماز جنازہ ادا کی

گئی ہو، لیکن غائب نہ نماز جنازہ کا مقصدی ہونے کے باوجود مسلمانوں سے ایسا کرنا معروف نہیں رہا، جو کہ مسلمانوں کا اپنے بھائیوں کو نفع دینے کی حرص رکھنا ہے، اور خاص کر جس شخص کی عام مسلمانوں کے دلوں میں محبت ہو، یا پھر اس کے ساتھ رشتہ داری یا ایسی محبت جو اس کی نماز جنازہ ادا کر کے صلہ رحمی اور قربت داری اور نیکی واحسان کرنے کو واجب کرتی ہو۔

اسی لیے علماء کرام جیسا کہ ابن تیمیہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کی نماز جنازہ ادا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت میں شامل ہوتا ہے۔

کیونکہ نجاشی کے ملک میں اس کی نماز جنازہ ادا کرنے والا کوئی شخص نہ تھا، میری نظر میں مندرجہ بالا توجیہ کی بناء پر یہ قول قوی معلوم ہوتا ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز پر فقہی تصریحات:

علامہ حلبی لکھتے ہیں۔ نماز جنازہ کی شرائط صحت سے ہے جنازہ کا مصلیٰ کے آگے ہونا۔ اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا کہ مطلقاً کسی غائب پر نماز جائز نہیں۔ (حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی)  
علامہ ہسکلی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جنازہ کا نمازی کے سامنے ہونا شرط نماز جنازہ ہے۔

(درمختار باب صلوة الجنائز مطبع مجتہائی دہلی)

علامہ حسن شرنبلالی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ صحت نماز جنازہ کی شرطوں سے ہے میت کا مسلمان ہونا اور نمازیوں کے سامنے حاضر ہونا۔ (نور الايضاح، فصل فی الصلوة علی المیت)  
(۱) متن ملتقى الابحر میں ہے۔ میت کا کوئی عضو کسی جگہ ملے تو اس پر نماز جائز نہیں، نہ کسی غائب پر جائز ہے۔

(ملتقى الابحر، فصل فی الصلوة علی المیت، بیروت)

مجمع شرح ملتقى میں ہے: امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس مسئلہ میں ہم سے خلاف بھی اس صورت میں ہے کہ میت دوسرے شہر میں ہو اگر اسی شہر میں ہو تو نماز غائب امام شافعی کے نزدیک بھی جائز نہیں کہ اب حاضر ہونے میں مشقت نہیں۔

(مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر، فصل فی الصلوة علی المیت، بیروت)

فتاویٰ خلاصہ میں ہے۔ ہمارے نزدیک کسی میت غائب پر نماز نہ پڑھی جائے۔

(خلاصۃ الفتاوی، الصلوة علی الجنائز اربع تکبیرات، مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ)

غائبانہ نماز جنازہ منع ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوئے، اس دن رسول اللہ ﷺ نے ان کی موت کی خبر دی، آپ عید گاہ کی طرف نکلے آپ نے مسلمانوں کی صفیں بنوائیں اور چار تکبیریں پڑھیں۔  
(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۸۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے بعض جدت پسند لوگوں نے استدلال کرتے ہوئے یہ صرف کہا بلکہ عملی طور پر عاتبانہ نماز جنازہ شروع کر دی ہے۔ حالانکہ اس حدیث کے مطابق جو آپ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی ہے وہ آپ ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہے۔ اور کم علم لوگوں کو یہ پتہ ہی نہیں کہ شریعت کا یہ قانون ہے جو عمل آپ ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہو اس سے عمومی حکم ثابت نہیں ہوتا کیا کوئی شخص یہ کہے گا مرد کیلئے جائز ہے کہ وہ بیک وقت ۹ بیویاں اپنے نکاح میں رکھ سکے ہے کیونکہ ایسا رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ ہرگز نہیں، کیونکہ ۹ بیویاں بیک وقت نکاح میں رکھنا آپ ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہے جو آپ ﷺ کے سوا کسی کیلئے جائز ہی نہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے مشہور امام علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو نجاشی کی موت کی خبر دی اور خصوصاً اس کی عاتبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ کیونکہ عام مسلمانوں کے علم میں اس کا اسلام لانا نہیں تھا تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ تمام مسلمانوں کو اس کے اسلام لانے کی خبر دیں اور تمام مسلمانوں کے ساتھ اس کے حق میں دعا کریں تاکہ اسے مسلمانوں کی دعا کی برکت حاصل ہو۔ اس کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں میں سے کسی کی بھی عاتبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اور نہ ان انصاریوں اور انصاریوں کے مختلف شہروں میں فوت ہوئے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ کے بعد مسلمانوں کا اسی پر عمل رہا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے نجاشی کے سوا کسی کی بھی عاتبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جو شخص جس شہر میں فوت ہو جائے اس شہر کے لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ نجاشی کی روح آپ ﷺ کے سامنے حاضر تھی لہذا آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور آپ کیلئے جنازہ کو اٹھا کر لایا گیا تھا جس طرح بیت المقدس کو آپ کیلئے منکشف کر دیا گیا تھا۔ جب کفار نے بیت المقدس کے متعلق آپ ﷺ سے سوالات کیے تھے۔ اور میں نے امت میں سے کسی کو نہیں پایا جس نے عاتبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہو۔ (شرح ابن بطال ج ۳، ص ۳۳۵، بیروت)

سیکڑوں کی تعداد میں دلائل موجود ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عاتبانہ نماز جنازہ پڑھانا جائز نہیں۔ کیونکہ خود نبی کریم ﷺ کے دور اقدس میں ایسے ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے کہ جن کی نماز جنازہ پڑھانے میں آپ بہت حریص تھے تاہم آپ نے ان کی عاتبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اسی طرح پیر معوضہ کا واقعہ اس پر شاہد ہے کہ وہ صحابہ کرام جو قرآن کے قاری و حافظ تھے اور جن کی شہادت پر آپ ﷺ کو اتارنا پڑھا تھا کہ آپ ﷺ نے مسلسل ایک ماہ نماز فجر میں قنوت نازل پڑھی اور ان کفار کی مذمت کی، لیکن ان شہداء کی عاتبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

اسی طرح حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیکر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کے دور خلافت تک جو کل تیس سال کا عرصہ بنتا ہے کسی ایک خلیفہ یا کسی ایک صحابی سے بھی عاتبانہ نماز جنازہ ثابت نہیں۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطنت سے لیکر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت تک بھی کسی دور میں کسی ملک میں کسی مسلمانوں کے شہر میں کسی گاؤں و دیہات قصبہ میں عاتبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

دور صحابہ کے بعد تابعین کے دور، تبع تابعین کے دور سے لیکر مسلمانوں کے چودہ سو سالہ دور میں کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ کسی نے عاقبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو۔

حالانکہ نماز جنازہ ایک ایسی عبادت ہے جسے اجتماعی عبادت کہا جاتا ہے یہ کوئی ایک شخص نہیں پڑھتا بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اسے پڑھتی ہے۔ جس کیلئے قوی دلائل کی ضرورت ہے جو کہ بالکل منقود ہیں اور عاقبانہ نماز جنازہ پڑھانے والوں کے دلائل بھی غائب ہیں۔

چودھویں صدی کے آخر میں اور پندرھویں صدی کے اوائل میں ایک بدعتی فرقے نے عاقبانہ نماز جنازہ کو اپنے جماعتی مفاد اور چندے کو جمع کرنے کی غرض سے عاقبانہ نماز جنازہ کو گھڑ لیا ہے اس طرح اس فرقے کی جماعت کی شہرت بھی ہوتی ہے اور یہ لوگ عوام کے دلوں میں شہداء کے ساتھ ہمدردی کا اظہار اور لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کر رہے ہیں لہذا ان کی محاذت و مدد کی جائے۔ اور ان لوگوں کا غیر اللہ سے مدد مانگنے کا پاپا ایک مضبوط بہانہ ہے۔

حیران کن بات یہ ہے کہ یہی گروہ اذان سے پہلے یا بعد میں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا بدعت سمجھتا ہے، حالانکہ یہ درود پڑھنا ایک انفرادی عمل ہے جس کیلئے ان لوگوں کو کوئی دلیل نظری نہیں آتی۔ حالانکہ درود و سلام کی اصل تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں موجود ہے۔ ایک وہ مسئلہ جس کی اصل موجود ہو وہ بدعت ہے۔ اور ایک وہ عمل جس کی اصل موجود نہ ہو وہ عین عبادت ہے۔ ان لوگوں کا کیا استدلال ہے۔

بغیر نماز جنازہ کے دفن کیے جانے والے کی نماز کا حکم:

(وَإِنْ ذُنُوبُ الْمُتَوَلَّى كَثُرَتْ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عَلَى قَبْرِهِ) لَأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى عَلَى قَبْرِ  
أَمْرًا مِنْ الْأَنْصَارِ (وَيُصَلِّي عَلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَنْتَسَخَ) وَالْمُعْتَبَرُ فِي مَعْرِفَةِ ذَلِكَ أَكْثَرُ الرَّأْيِ هُوَ الصَّحِيحُ  
لَا يَخْلِفُ الْحَالِ وَالْزَمَانِ وَالْمَعْنَانِ.

ترجمہ

اور اگر میت کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک انصاری عورت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور میت کے پھولنے سے پہلے پہلے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اور اس کی پہچان میں غالب رائے کا اعتبار کیا جائے گا۔ حال، زمان و مکان کے اختلاف کی وجہ سے یہی صحیح روایت ہے۔  
تد فیہن کے بعد قبر پر نماز جنازہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسی قبر پر گزر رہا جس میں بوقت شب مردہ دفن کیا گیا تھا آپ نے پوچھا کہ یہ کب دفن کیا گیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ آج ہی رات میں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے اسے اندھیری رات میں دفن کیا تھا



اس وقت آپ کو چکا، ہمیں اچھا نہیں معلوم ہوا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک کالی عورت تھی جو مسجد (نبوی) میں جھاڑ دیا کرتی تھی یا راوی کہتے ہیں کہ ایک جوان مرد تھا جو جھاڑ دیا کرتا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن اسے غائب پایا تو اس عورت، یا مرد کے بارے میں دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟ بتایا گیا کہ وہ مر گئی یا وہ مر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے کیوں نہیں بتایا گیا؟ تاکہ میں بھی اس کی نماز جنازہ پڑھتا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس عورت یا اس مرد کی موت کوئی اہمیت نہیں دی (کہ جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دی جاتی گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم مقصود تھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا مجھے اس کی قبر بتا دو کہ کہاں ہے؟ آپ کو جب اس کی قبر بتائی گئی تو (آپ وہاں تشریف لے گئے اور) اس کی قبر پر نماز پڑھی اور پھر فرمایا کہ یہ قبریں اپنے مردوں کے لیے تاریکیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں ان قبروں پر میرے نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں روشن کر دیتا ہے (اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں۔)

ایک کالی عورت تھی یا ایک جوان مرد تھا یہ درحقیقت راوی کا شک ہے کہ صحیح طریقہ سے یہ بات یاد نہیں رہی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ ایک کالی عورت تھی جو مسجد میں جھاڑ دیا کرتی تھی یا یہ فرمایا کہ ایک جوان مرد تھا جو جھاڑ دیا کرتا تھا۔

تاریکیوں سے بھری ہوئی قبروں سے مراد صرف وہ قبریں ہیں جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز پڑھنا ممکن تھا۔

اس مسئلہ میں کہ قبروں پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ علماء کا اختلاف ہے چنانچہ جمہور علماء کا فیصلہ تو یہ ہے کہ قبر پر نماز جنازہ پڑھنا مشروع ہے خواہ پہلے اس کی نماز جنازہ واداک کی جا چکی ہو یا نہ ادا کی گئی ہو۔

ابراہیم نخعی، حضرت امام عظیم ابو حنیفہ اور حضرت امام رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ اگر پہلے نماز جنازہ واداک کی جا چکی ہے تو اب قبر پر نماز درست نہیں اور اگر پہلے نماز جنازہ واداک نہ کی گئی ہو تو پھر جنازہ ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہ کی شرط یہ بھی ہے کہ اگر مردہ اپنی قبر میں پھٹ نہ گیا ہو تو نماز درست ہوگی ورنہ تو قبر میں مردہ کے پھٹ جانے کی صورت میں نماز درست نہیں ہوگی۔ قبر میں مردہ کے پھٹ جانے کا اندازہ بعض حضرات نے تین دن متعین کیا ہے یعنی اگر تدفین کو تین دن نہ گزرے ہوں تو سمجھا جائے گا کہ مردہ اپنی قبر میں ابھی پھٹا نہیں ہے اور اگر تدفین کو تین دن یا تین دن سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ مردہ اپنی قبر میں پھٹ گیا ہے۔

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ:

(وَالصَّلَاةُ أَنْ يُحْبِرَ تَكْبِيرَةً يَحْمَدُ اللَّهَ عَظِيمًا ، ثُمَّ يُحْبِرُ تَكْبِيرَةً يُصَلِّيُ فِيهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ثُمَّ يُحْبِرُ تَكْبِيرَةً يَدْعُو فِيهَا لِنَفْسِهِ وَلِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِينَ ثُمَّ يُحْبِرُ الرَّابِعَةَ وَيُسَلِّمُ ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَبَّرَ أَنْ يَقَالَ فِي آخِرِ صَلَاةٍ صَلَاحًا فَسَخَتْ مَا قَبْلَهَا .

( وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ خَمْسًا لَمْ يَتَابِعَهُ الْمُؤْتَمِّمُ ) عِلَالًا لِزُفْرٍ لِأَنَّهُ مَنُوعٌ لِمَا دُونَهُ ، وَيَنْتَظِرُ تَسْلِيمَةَ الْإِمَامِ فِي دَوَائِقِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ .

ترجمہ

اور نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تکبیر کے اس کے ساتھ ہی اللہ کی حمد بیان کرے اور پھر تکبیر کے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے۔ پھر تکبیر کے اور اپنے لئے میت کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا مانگے۔ پھر چوتھی تکبیر کے اور سلام پھیر دے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جو آخری نماز جنازہ پڑھائی تھی اس میں چار تکبیریں کی تھیں۔ لہذا اس سے پہلے والا طریقہ منسوخ ہو گیا۔

اور اگر پانچویں تکبیر کے تو مقتدی ہرگز اس کی اتباع نہ کرے۔ جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ ہماری بیان کردہ روایت کی وجہ سے وہ (پانچویں تکبیر) منسوخ ہے۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق وہ امام کے سلام کا انتظار کرے۔ اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

نماز جنازہ کی گھیرات کے بیان میں:

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں (کی نماز) میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک جنازہ پر انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں تو ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ تو ہمیشہ چار تکبیریں کہا کرتے تھے آج پانچ تکبیریں کیوں کہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے۔ (مسلم)

حضرت زید بن ارقم کے ارشاد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو آپ ابتدائی زمانہ میں پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے یا یہ کہ کبھی کبھی پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

تم علماء کا حقیقہ طور پر یہ فیصلہ ہے کہ نماز جنازہ میں چار ہی تکبیریں ہیں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چار سے زائد تکبیریں بھی مقول ہیں لیکن علماء لکھتے ہیں کہ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار ہی تکبیریں ثابت ہیں لہذا جن روایتوں میں چار سے زائد تکبیریں مقول ہیں وہ منسوخ ہیں اگر حضرت زید رضی اللہ عنہ ان روایتوں کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں تو اس اتفاق اور جماعی فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

فقہ حنفی کے مطابق جنازہ میں چار تکبیرات کے دلائل میں احادیث:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کے جنازہ میں چار تکبیریں کیں۔

حضرت ابو بکر جری کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اسلمی کے ساتھ ان کی بیٹی کی نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے چار تکبیریں کیں اور چوتھی تکبیر کے بعد کچھ دیر خاموش رہے تو دیکھا کہ لوگ صفوں کی اطراف سے سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰہ کہہ رہے ہیں تو سلام پھیرا اور کہا کہ تمہارا خیال ہوگا کہ پانچویں تکبیر کہنے لگا ہوں۔ لوگوں نے کہا ہمیں اس کا خدشہ ہو رہا تھا۔ فرمایا میں ایسا نہیں کرتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار تکبیریں کہہ کر کچھ دیر ٹھہرتے پھر کچھ پڑھ کر سلام پھیرتے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (جنازہ کی نماز میں) چار تکبیریں کیں۔

(سنن ابن ماجہ)

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ:

حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف (طالسی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھی چنانچہ انہوں نے (تکبیر اولیٰ کے بعد) سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ میں نے سورۃ فاتحہ اس لیے پڑھی ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ یعنی اگر تکبیر اولیٰ کے بعد سبحانک اللہم الخ کے بجائے سورۃ فاتحہ پڑھی جائے تو یہ سورۃ فاتحہ سنت (یعنی سبحانک اللہم الخ پڑھنے) کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

محقق امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت نہ کی جائے ہاں یہ نیت ثناء سورۃ فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے چنانچہ نماز جنازہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ نیز مؤطا میں منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔

چونکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کے الفاظ اہا سۃ (یہ سنت ہے) میں سنت سے مراد ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا دین کا ایک مشروع طریقہ ہے لہذا ان کی اس تاویل سے وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔ (مؤطا امام مالک)

وقال العلامة ابن رشد المالکی القرطبی

اختلفوا فی عدد التکبیر فی الصدر الأول اختلافا کثیرا من ثلاث إلى سبع أعنی : الصحابة رضى الله عنهم ، ولكن فقهاء الأمصار على أن التکبیر فی الجنائز أربع ، إلا ابن أبی لیلی و حابر بن رید فإنهما كانا یقولون إنهما خمس وسبب الاختلاف : اختلاف الآثار فی ذلك ، وذلك أنه روى من حدیث أبی هريرة : " أن رسول الله صلى الله علیه وسلم نعى النجاشی فی اليوم الذى مات فیہ ، وخرج بهم إلى المصلی فصف بهم وكبر أربع تكبيرات " وهو حدیث متفق على صحته ، ولذلك أخذ به جمهور فقهاء الأمصار ، وجاء فی هذا المعنی أيضا من : " أنه علیه الصلاة والسلام صلى على قبر مسکينة فکبر علیها أربعاً . " وروى مسلم أيضا عن عبد الرحمن بن أبی لیلی قال : " كان زید بن أرقم یکبر على الجنائز أربعاً ، وأنه کبر على جنازة غمسا ، فسألناه فقال : كان رسول الله صلى الله علیه وسلم یکبرها . " وروى عن أبی خيثمة عن أبیه قال : " كان النبی صلى الله علیه وسلم یکبر على الجنائز أربعاً وغمسا وستا وسبعاً وثمانیا حتى مات النجاشی . " فنصف الناس ورأه ، وكبر أربعاً ، ثم ثبت صلى الله علیه وسلم على أربع حتى توفاه الله . " وهذا فیہ حجة لائحة للجمهور .

حاصل یہ کہ نماز جنازہ میں چار تکبیرات پڑھنا باب الابرہۃ اور جمہور اہل العلم کا اتفاق ہے اور اس پر یہی اتفاق ہے کہ یہ نماز جنازہ میں چار تکبیرات رکن ہیں ان کے بغیر نماز جنازہ صحیح نہیں ہے ، اور یہ بھی یاد رہے کہ اہل العلم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صلاۃ الجنائزہ میں سجدہ ہو جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں رکوع و سجود نہیں ہے اور اگر بالفرض امام صلاۃ الجنائزہ میں بھول جائے مثلاً تیسری تکبیر کے بعد سلام پھیر دے تو دوبارہ صرف چوتھی تکبیر کر دے اور اگر وقت زیادہ گزر گیا ہو تو پھر صلاۃ الجنائزہ دوبارہ پڑھے۔

نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین نہ کرے :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ پڑھتے تو پہلی تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھالیتے پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ پڑھتے تو پہلی تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے :

عن أبی هريرة : " أن رسول الله صلى الله علیه وسلم کبر على جنازة فرقع يديه فی أول تکبيرة ، ووضع الیمنى علی اليسرى " ( أخرجه الترمذی ، والدارقطنی ، والبیہقی )

عن عبد الله بن عباس " أن رسول الله کان یرفعه يديه علی الجنائز فی أول تکبيرة ، ثم لا یعود ، أخرجه الدارقطنی

قطعی۔

امام اعظم آلی حنفیہ رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے، اور اسی طرح علامہ ابن حزم الظاہری اور علامہ الشوکانی کا قول یہی ہے، اور اسی طرح سلف میں سے ابن عباس وابن مسعود وغیرہ ان الثوری و مالک وغیرہم رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے، اور یاد رہے کہ شافعی و حنبلی علماء کبیرات الجبازۃ میں رفع الیدین کے قائل ہیں، اور وہ اس بارے میں بعض صحابہ کے آثار سے استدلال کرتے ہیں

نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ نہیں ہے:

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قراءت (فاتحہ) نہیں کرتے تھے۔

وحدثنی عن مالک عن نافع أن عبد الله بن عمر كان لا يقرأ في الصلاة على الجنائزۃ

یاد رہے کہ یہ روایت محدثین کے یہاں محبت کے نہایت اعلیٰ درجات پر ہے، اور بعض علماء اس کو "سلسلۃ الذہبیہ" کہتے ہیں، اور اصح الاسانید کہتے ہیں، لہذا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب یہی ہے کہ نماز میں قراءت فاتحہ نہیں ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر، ابراہیم نخعی، محمد ابن سیرین، ابو العالیہ، فضالہ ابن عبیدہ، ابو بردہ، عطاء، طاووس، یسویں، بکر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے، (مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ) امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک اور ان کے اصحاب کے نزدیک قراءۃ الفاتحہ نماز جنازہ میں مکروہ ہے۔

جب کہ شافعیہ و حنبلیہ کا مذہب یہ ہے کہ قراءۃ الفاتحہ نماز جنازہ میں واجب ہے اور امام احمد سے ایک روایت استحب کی ہے۔ ابن تیمیہ بھی اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں، امام الشافعی و امام احمد وغیرہ کا استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہ کے عمل سے ہے کہ انہوں نے نماز جنازہ نہ پڑھایا اور اس میں سورت فاتحہ پڑھی

وفی البخاری: یصلی ابن عباس علی جنازۃ فقرأ بفاتحة الكتاب، الخ وبهذا قال الشافعی وأحمد وغيرهم، جاء فی الاحتیاج من کتب الحنفیۃ: فی الصلاة أربع تکبیرات ویرفع یدیه فی الأولى لأهلها تکبیرۃ الافتتاح، ولا یرفع یدیه بعدا ویحمد الله تعالی بعد الأولى. لأن سنة الدعاء البدیۃ بحمد الله. وروی الحسن عن أنس حنیفة أنه یستفتح (ویصلی علی نبیه علیہ الصلاة والسلام بعد الثانیۃ) لأن ذکره علیہ الصلاة والسلام ینبئ ذکره تعالی. ویدعو لنفسه وللمیت وللمؤمنین بعد الثالثة) لأن المقصود منها الدعاء، وقد قدم ذکر الله و ذکر رسوله فینبئ بالمقصود فهو أقرب للإجابة. (ویسلم بعد الرابعة) لأنه لم یبق علیہ شیء فیسلم عن یمینه وعن شماله كما فی الصلاة، ولا قراءة فیها ولا تشهد. انتهى بتصرف۔

جنازہ میں فاتحہ سے متعلق غیر مقلدین کے اعتراضات و جوابات:

استراض 1-

مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔ عن طلحة ابن عبد الله ابن عوف قال صلیبت حنف  
ابن عباس علی جنازة فقراء بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا انها سنة۔

روایت ہے طلحہ ابن عبد اللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے ایک نماز پر نماز پڑھی تو آپ  
نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لئے پڑھی کہ تم جان لو یہ سنت ہے۔  
اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا عمل ہے۔

جواب:

اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت  
میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کو ایصال ثواب  
کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ فقراء کی سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ فقیر تعقیب کی ہے دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی  
پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ بیعت حمد و ثناء پڑھی یا بیعت تلاوت، بیعت دعاء و تلاوت پڑھنا جائز ہم بھی جانتے ہیں۔ چوتھے یہ  
کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ و تابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں  
نے یہ عمل اس لئے کیا تا کہ تم جان لو یہ سنت ہے پتہ چلا کہ صحابہ کرام نہ پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لئے آپ کو  
یہ معذرت کرنا پڑی۔ پوچھیں یہ کہا آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا۔  
یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری ثناء اور دعاء کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو۔ ساتویں یہ کہ بجز سیدنا عبداللہ ابن عباس کے  
کسی صحابی سے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ ہم فصل اول میں عرض کر چکے ہیں۔

چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔ ولم تثبت القراءة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ میں قراءت ثابت نہیں۔ بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں  
ہو سکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

اعتراض 2-

مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس ہے۔ ان النبی صلی سلہ علیہ

وسلم فرأ علی الجدرۃ ففاتحة الكتاب۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پر حسانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

جواب : اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قال ابو عیسیٰ ابن عباس حدیث لیس اسنادہ بذلك القوی ابراہیم ابن عثمان هو ابو شیبہ مکر الحدیث۔

ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناد اقوی نہیں، ابراہیم ابن عثمان منکر الحدیث ہیں۔

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبد اللہ ابن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ غلطی سے ابوداؤد کا نام لے گئے۔ (مرقاۃ) تیسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لئے سورہ فاتحہ پڑھی، یہاں اس کا بیان ہے چنانچہ اس حدیث کی شرح میں ابوہ المصنعات میں ہے۔

واحتمال وادکر ہر جنازہ بعد ان نماز یا پیش بقصد حرک خواندہ باشد چنانکہ آلاں متعارف است۔

یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ سے پہلے یا بعد، جنازہ پر برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جواز یا استحباب ثابت کرنے کے لئے نہایت کمری صحیح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود جو بجا ثابت کرنے کیلئے ایسی مجمل اور منکر و ضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراف 3۔ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔

حدیث شریف میں ہے۔ لا صلوة الا یفاتیحہ الكتاب (بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی) نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورہ فاتحہ نہ ہوتی چاہئے۔

جواب :

اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ میں رکوع جہدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے، تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے نماز کہنا صرف اس لئے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں جیسے وضو قبلہ کو رخ، اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو کبھی آگے نہ رکھا جاتا۔

میت کیلئے دعا و استغفار کرنے کا بیان:

وَالْإِنْسَانَ بِالسَّعْوَاتِ أَسْفَعًا لِّلْمَيِّتِ وَالْبَدَاءِ هُ بِالسَّاعِرِ ثُمَّ بِالصَّلَاةِ سُنَّةِ الدُّعَاءِ ، وَلَا يَسْتَغْفِرُ لِلصَّبِيِّ وَلَكِنْ يَقُولُ : اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا قَرْمًا ، وَاجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا وَذَخْرًا ، وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا مُشَفَّعًا .  
ترجمہ:

اور دعاؤں کا کرنا میت کیلئے بخشش کا سبب ہے۔ اور اس کو ثناء کے ساتھ شروع کرنا پھر درود پڑھنا دعا کی سنت ہے۔ اور وہ بچے کیلئے استغفار نہ کرے بلکہ یوں کہے ”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا قَرْمًا ، وَاجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا وَذَخْرًا ، وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا مُشَفَّعًا“  
شرح:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی جنازہ پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے۔  
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَآثَنَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاحْيِهِ عَلٰى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلٰى الْاِيْمَانِ .

اَللّٰهُمَّ لَا تُخَوِّفْنَا اَجْرَهُ وَلَا تُفْضِلْنَا بَعْدَهُ

اے اللہ! بخش دیجئے ہمارے زندوں کو اور مردوں کو حاضر کو اور غائب کو چھوٹے کو اور بڑے کو مرد کو اور عورت کو یا اللہ! آپ ہم میں سے جس کو زندہ رکھیں تو سلام پر اور موت دیں تو ایمان پر اے اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ فرمائے اور اس کے بعد گمراہ نہ ہونے دیجئے۔ (سنن ابن ماجہ)

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کے شرعی احکام:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میت پر نماز (جنازہ) پڑھو تو میت کو دعا کیلئے خاص کر لو۔ (سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ الصالح، ج ۱، ص ۱۶۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ جب تم کسی مسلمان میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کا جنازہ پڑھ لینے کے بعد اس کیلئے خصوصی طور پر دعا کرو۔ اس سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو لوگوں کو جنازہ کے بعد دعا مانگنے سے منع کرتے ہیں، ان نادانوں کو چاہیے کہ اپنے مردوں کی مخالفت کرنا اگر کوئی ان کا شیوہ ہے تو کرتے رہیں کم از کم دوسروں کو تو اس طرح گمراہی کی پٹیاں نہ پڑھائیں۔ کتنے بڑے فسوس کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے لوگوں کو دعا سے منع کرتے ہیں۔

مبسوط شمس الائمہ نرسہ جلد دوم صفحہ 67 باب غسل الميت میں روایت ہے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک



جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا۔ ان سبقتمولی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء۔

اگر تم مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعائیں تو مجھ سے آگے نہ پڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کرو۔

جو لوگ قبرستان جانا یا قبروں کی زیارت کو شرک و بدعت کہتے ہیں انہیں چاہیے کہ جب ان کا کوئی شخص مر جائے تو اس وقت بھی وہ اسے قبرستان میں دفن نہ کریں کیونکہ جب وہ اسے قبرستان لے جائیں گے تو وہ سوکتا ہے شریک راستے پر چلنے کی وجہ سے وہ سارے کہیں مشرک نہ ہو جائیں۔ اور اپنی اولادوں کو یہ وصیت کر کے جائیں کہ جب ہم مر جائیں تو ہمیں شریک راستے سے بچا کر کہیں تالوں گھروں میں پھینک دینا لیکن قبرستان جیسے شریک راستے کی طرف نہ لیکر نہ چلنا۔

حدیث :

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كثير الدعاء - الحاكم في مستدرک عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما وصححه ورمز الامام السيوطي  
لصححه - دعا بكثرت کر۔ اسے حاکم نے مستدرک میں اور اسے صحیح کہا۔ امام سیوطی نے بھی اس کے صحیح ہونے کا نشانہ  
(رمز) لگایا۔ (المستدرک علی الصحيحین کتاب الدعاء مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حدیث : فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو بکثرت کرے کہ اپنے رب سے ہی سوال کر رہا ہے۔ اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور طبرانی نے معجم اوسط میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ صحیح روایت کیا۔ (مجمع الزوائد بحوالہ اسم الاوسط، باب ما لای العبد عواجز، بیروت)

حدیث : فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اکثر من الدعاء فان الدعاء يرد القضاء المبرم۔ ابو الشیخ عن انس رضي الله تعالى عنه - دعا بکثرت مانگ کر عاقبائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔ اسے ابوالشیخ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (کنز العمال، بحوالہ ابی الشیخ عن انس رضی اللہ عنہ، بیروت)

حدیث : فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لقد بارک اللہ لرجل فی حاجۃ اکثر الدعاء فیہا۔ البیہقی فی الشعب والخطیب فی التاريخ عن جابر رضي الله تعالى عنه - بیشک اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی آدمی کی اس حاجت میں جس میں وہ دعا کی کثرت کرے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں اور خطیب نے تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا (شعب الایمان ذکر فضول فی الدعاء مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث : کثرت دعا سے گھبرا کر دعا چھوڑ دینے والے کو فرمایا: ایسے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لا يزال يستجاب للعبد ما لم يدع باثم او قطعية رحم مالم يستعجل قبل يارسول الله ما لا استعجال يقول قد دعوت فلم ار استجيب لي فيستحسر عند ذلك ويدع الدعاء۔ مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ

عنه واصل الحديث عند الشيخين وابي داود والترمذي وابن ماجة جميعا عنه وفي الباب وغيره۔ ہند کی دعا قبول ہوتی رہتی ہے جب تک کہ کسی گناہ یا قطع رحم کا سوال نہ کرے اور جب تک کہ جلد بازی نہ کرے۔

عرض کیا یا رسول اللہ جلد بازی کیا ہے؟ فرمایا جب بندہ کہنے لگے کہ میں نے باریار دعا کی، قبول ہوتی نظر نہیں آتی، اُس وقت اُکتا کر چھوڑ دے۔ یہ حدیث امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ اور اصل حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ بھی کے یہاں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے موجود ہے اور اس باب میں اس کے علاوہ اور حدیثیں ہیں۔ (صحیح مسلم شریف کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ نور محمد امج الطابع کراچی)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اطلبوا الخير دهركم كله وتعرضوا النفاتح رحمة اللغمان للهِ نفاتح من رحمة يضيف بها من يشاء من عباده۔

ہر وقت ہر گھڑی عمر بھر خیر مانگے جاؤ اور تجلیات رحمت الہی کی تلاش رکھو کہ اللہ عزوجل کے لئے اس کی رحمت کی کچھ تجلیاں ہیں کہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے پہنچاتا ہے۔

(نوادر الاصول الاصل الرابع والاشئون والما یونی طلب الخیر، مطبوعہ دار صادر بیروت)

ابوبکر بن ابی الدنیا فی الفرج بعد الشدة والامام الاجل عارف باللہ سیدی محمد الترمذی فی نوادر الاصول والبیہقی فی شعب الایمان وابونعیم فی حلیۃ الاولیاء عن انس بن مالک وفي الشعب عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وتقدم نحوه للطبرانی فی المعجم الکبیر عن محمد بن مسلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الفتوی الاولی قال العامری حسن صحیح القول وقولی حسن حسن صحیح لحدایت من تعدد طرقہ وقد حسن الشیخ محمد حجازی الشعرانی حدیث المعجم الکبیر۔ اسے ابوبکر بن ابی الدنیا نے "الفرج بعد الشدۃ" میں، امام اجل عارف باللہ سیدی محمد ترمذی نے نوادر الاصول میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں انس بن مالک سے اور شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت کیا۔ اور اسی کے ہم معنی حدیث طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پہلے بیان میں گزر چکی ہے۔ عامری نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

کتاب فقہی عبارات سے نماز جنازہ کے بعد دعا کے عدم جواز پر دلائل ووجہات:

چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض - (۱) وہ نبی پر اتایا دیا ہوا سبق کہ یہ عبادت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب :- یہ دعایت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول و فعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہاء نے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کی بدعت ہے تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔

### بدعت کا مفہوم

بدعت کا معنی:

کسی ایسے قول کو ارد کرنا جس کے کرنے والے اور کہنے والے نے صاحب شریعت کی اتباع نہ کی ہو اور نہ اس کو سابقہ شرعی مثالوں سے اور شرعی قواعد سے مستحکم نہ کیا ہو۔ اس کے حقیقی حدیث میں ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے (المفردات ص ۳۹۰، مکتبہ مرتضائیہ ایران)

ہر وہ بدعت جو ضلالت و گمراہی ہے اس سے مراد وہ بدعت ہے جس کی شریعت میں اصل موجود نہ ہو۔

فقہاء نے بدعت کی کئی اقسام بیان کی ہیں۔ جن میں سے معروف دو اقسام ہیں۔

بدعت کی اقسام: (۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ

(۱) بدعت حسنہ:

وہ بدعت جس کی شریعت میں اصل ہو اور یہ نیا کام یا نیا عمل ہو تو ایسی بدعت کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ ایسی بدعت پر عمل مستحسن بھی ہوتا ہے کہیں واجب بھی ہوتا ہے۔ اس بدعت کا ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق کرنا کہ نماز تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ جب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے اس عمل کو دیکھا تو فرمایا: "نعم البدعة هذه" یہ کیا نئی اچھی بدعت ہے۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۳۳۹) کتب خانہ کراچی

بخاری شریف کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس بدعت حسنہ پر اتفاق کیا ہے۔ وہ نماز تراویح یا جماعت ہے۔

(۱) بدعت حسنہ کا ثبوت:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اون کے کپڑے پہنے ہوئے کچھ دیہاتی حاضر ہوئے، آپ نے ان کی بد حالی اور ان کی ضرورت کو دیکھا پھر آپ نے لوگوں کو ہدایت کرنے کی ترغیب دلائی، لوگوں نے کچھ دیر کی، جس سے آپ کے چہرہ انور پر کچھ احساس کے آثار ظاہر ہوئے، پھر ایک انصاری دروہوں کی قہقہہ لیکر آیا پھر دوسرا آیا اور پھر لانے والوں کا تاننا باندھ گیا، حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے

مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہوگی۔ اور جس نے مسلمانوں میں کسی برے طریقے کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کمی کی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۳۱، فقہی کتب خانہ کراچی)

(۲) بدعت سیئہ:

ہر وہ بدعت جس کی قرآن و سنت، اجماع و قیاس میں کوئی اصل موجود نہ ہو، ایسی ہی بدعت کو بدعت سیئہ کہتے ہیں جسے شریعت نے نکرادیا ہے۔ ایسی بدعت پر عمل کرنا گمراہی ہے۔

اس مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نیا کام بدعت نہیں ہے بلکہ ہر وہ عمل جس کی قرآن و حدیث میں کوئی اصل موجود نہ ہو، وہ بدعت سیئہ ہے۔

بدعت کے مفہام و اقسام:

بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم واجب ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد و جوب پر مشتمل ہو اور اس کی دلیل شریعت میں موجود ہو جیسے ضائع ہونے کے ڈر سے قرآن مجید اور شریعت کی تدوین۔ بے شک ہمارے بعد آنے والوں کے لیے تبلیغ کرنا اجماعاً واجب ہے اور اسے چھوڑ دینا اجماعاً حرام ہے۔ اس طرح کی چیزوں کے وجوب میں اشکاف کرنا درست نہیں ہے۔ دوسری قسم بدعت عرودہ ہے۔ یہ وہ بدعت ہے جس کی دلیل شریعت میں حرام کے قواعد کے مطابق ہو۔ جیسے نکاح اور ایسے نئے خالانہ امور جو کہ قواعد شریعت کے منافی ہوں۔ جیسے جملہ کو عطاء پر فوقیت دینا اور شریعت کے کسی ایسے عہدے پر فائز کرنا جو راسخی طریقے سے اس کے لیے درست نہ ہو اور اس منصب کو اس شخص کے لیے درست قرار دیا جائے جو کہ اس کے باب کے لیے تھا اور وہ بذات خود اس منصب کا اہل نہ ہو اور تیسری قسم بدعت مستحبہ ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد و احتیاج پر مشتمل ہو اور شریعت میں اس کی حمایت میں دلائل موجود ہوں جیسا کہ نماز تراویح اور امر صحابہ کے خلاف (مصلحت و خیر کے پیش نظر) حکمرانان وقت، قاضیوں اور اہم منصب داروں کی تصویریں کو آویزاں کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شمار مصالح اور شرعی مقاصد لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں کی عظمت ڈالنے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے صحابہ کے زمانے میں صحابہ کے دین اور سابقہ المعجز ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے بھر نظام درہم برہم ہو گیا اور وہ زمانہ گزر گیا اور نیا زمانہ آ گیا اس زمانہ میں لوگ تصویروں کے بغیر کسی کی عظمت نہیں کرتے تھے لہذا تصویروں کی حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا۔ یہاں تک کہ متعلقہ مصلحتیں حاصل ہو گئیں اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود جو کی روٹی اور نمک کھاتا کرتے تھے جبکہ اپنے عاملین کے لئے آدمی بکری روزانہ مقرر کر دیتے تھے کیونکہ اگر دوسرے عاملین بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے جس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود تھے تو وہ عوام الناس کی نظروں میں گر جاتے اور لوگ ان کا احترام نہ کرتے اور ان کی مخالفت پر اتر آتے لہذا یہ ضرورت

محسوس ہوئی کہ کسی دوسرے کو کسی اور شکل میں نظام کی حفاظت کے لیے تیار کیا جائے اور اسی طرح جب آپ شام گئے تو آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ پردہ کئے ہوئے اور پردہ لٹکا ہوئے تھے اور ان کے پاس خوبصورت سواری اور اعلیٰ رعب دار کپڑے تھے اور آپ اس طرح چلے آتے جس طرح بادشاہ پیش آتے تھے پھر اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہم ایسے علاقے میں ہیں جہاں ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ لہذا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے احوال کو بہتر جانتے ہو کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے کہ نہیں اور اگر ضرورت ہے تو یہ بہتر ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسروں کے نظائر (Precedents) سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ائمہ کے احوال اور امور سلطنت، زمانے، شہر و بلاد، صدیوں کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس طرح انہیں حسن معاملات اور حسن سیاسیات میں تنوع کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ احوال پرانے نہ ہو جائیں اور بعض اوقات یہ مصلحتیں واجب ہو جاتی ہیں اور چوتھی قسم بدعت مکروہ کی ہے اور یہ وہ ہے جو شریعت اور اس کے قواعد میں سے دلائل کراہت پر مشتمل ہو جیسے بعض فضیلت والے اور بابرکت ایام کو عبادات کے لئے مخصوص کرنا۔ اس کی مثال وہ روایت ہے جسے امام مسلم اور دیگر نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے اور اسی رات کو قیام کے لئے شخص کرنے کو منع کیا ہے۔ اور اسی طرح اس باب میں محدود و مندوبات کو زیادہ کرنا جیسے نمازوں کے بعد تہتیش یا تسبیح کرنا یا بے پھران کو سو بار کیا جائے اور اسی طرح زکوٰۃ فطر کے لیے ایک صاع دینا آیا ہے پھر اسے دس صاعاں بنا دیا جائے یہ اس وجہ سے ہے کہ ان امور میں زیادتی شارع پر جرات اور اس کی بے ادبی ہے۔ پس عظیم لوگوں کی شان یہ ہے کہ اگر انہیں کسی امر سے رد کیا جائے تو وہ رک جائیں کیونکہ اس حکم سے سر تابی سوائے ادب ہے۔ لہذا واجب میں زیادتی یا واجب پر زیادتی سخت منع ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ اعتقاد پختا ہے کہ واجب اور اس پر زیادتی دونوں واجب ہیں۔ جیسا کہ امام مالک نے مثال کے چھ (روزوں کو) ملانے سے منع کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ سمجھا جائے کہ یہ بھی رمضان میں سے ہیں اسی طرح امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوا پھر اس نے فرض نماز ادا کی اور ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تاکہ دو کعتیں (نفل) پڑھے۔ تو اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ تو اپنے فرض اور نفل میں فرق کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی وجہ سے ہم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے تو پھر اسے آقا علیہ السلام نے فرمایا اے ابن خطاب اللہ تعالیٰ نے تجھے درست پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ ہم سے پہلے لوگوں نے نفل کو فرض کے ساتھ ملا دیا انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ یہ تمام واجبات میں سے ہیں اور یہ شریعت میں تغیر ہے جو کہ امتعا ہر حرام ہے اور پانچویں قسم بدعت مباح ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی دلیل شریعت کے قواعد و ضوابط میں ایاحت کے اصولوں کے مطابق ہو جیسا کہ آنا چھاننے کے لیے چھلنی کا استعمال کرنا اور آجاریں پہنی چیز جو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایجاد کی تھی اتخاذ المختاخذ للددقیق یعنی آنا چھاننے کے لئے چھلنی کا استعمال کیونکہ زندگی میں لوگوں کی طبیعت میں نرمی ہونا اور اس کی اصلاح کرنا مباحات میں سے ہے اور اس

کے تمام وسائل بھی سماج میں سے ہیں۔ (انقرانی، انور البروق فی انور الفروق، 205 - 202 : علاء جمال الدین محمد بن کرم ابن منکور الافرنجی رحمۃ اللہ علیہ (الترغی 711ء))

بدعت کا گمراہ نہ معلوم:

جس طرح بدعتیہ لوگوں نے بدعت کا مفہوم معاشرے میں مشہور کر رکھا ہے، اگر اسے تسلیم کر لیا جائے، تو ان گمراہ لوگوں کے مدارس، ان کی تنظیمات، ان کی جماعتیں، ان کے جلسے، ان کے استقبال پر دو گرام سالانہ تقریبات، جماعت کیلئے ایکشن، جماعت کیلئے امیر کا یا صدر کا انتخاب، انصافی کتابیں، فہم قرآن کو روز سالانہ اجتماع قرآن کلاس کو روز، سالگرہ کے پروگرام اسی طرح گویا ان کے شب و روز بدعت سیلے کے گڑھے میں گر جائیں گے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی خود ساختہ بدعت کے مطابق سو فیصد تو یہ خود بدعتی ثابت ہو جائیں گے، ان لوگوں نے دوسروں کو بدعت سے کیا پتا ہے جو خود بدعتی ہیں۔

نام نہاد بدعت کو مٹانے والے:

دور حاضر میں کچھ لوگوں نے خود فریبی میں آکر بدعت کو مٹانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے حالانکہ ان بچاروں کو خود معلوم ہی نہیں کہ بدعت کیا چیز ہوتی ہے۔ بس انتہائی گھبراتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعتی دوزخی ہے۔ ہم نے پوچھا؟ کہ تم لوگ بدعت سے کیا مراد لیتے ہو کہا، جو چیز نبی کریم ﷺ کے دور میں نہ ہو بعد میں ایجاد کر لی گئی ہو وہ بدعت ہے اور گمراہی ہے، ہم نے کہا ذرا یہ بتاؤ کہ نبی کریم ﷺ کے دور اقتدار میں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں قرآن مجید پر اعراب لگا ہوا تھا۔ کہا نہیں، تو ہم نے کہا کہ کیا قرآن کو اعراب سے پڑھنا بھی بدعت و گمراہی ہوا۔ کیونکہ تمہارے نزدیک ہر وہ عمل جو نبی کریم ﷺ کے دور میں نہ ہو وہ بدعت اور گمراہی ہے تو پھر کیا آپ لوگ قرآن پر لگا اعراب کو دنیا سے ختم کرو گے کیونکہ وہ بدعت ہے۔ ہمارے اس سوال پر تاہم نہاد تبلیغ کرنے والا مبلغ جہنوت و پریشان ہو گیا۔

اعتراض :- (2) نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے کہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب :- یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز بیچگانہ میں دعا ہے۔ نماز استجارہ۔ نماز کسوف اور نماز استقامت۔ سب دعا کے لیے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں ہے اکثر واللہ دعا عار یا دہ مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ دعا ہے تیسرے اس لیے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز نہ پڑھی اور ولی نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا وصال مبارک و دشمن کو ہوا اور دشمن شریف چہار شنبہ کو (شامی کتاب الصلوٰۃ باب الامت) اور ان دوروں میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک محدثین اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کہ ولی تھے نہ پڑھی تھی۔ پھر جب آخرون حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ لی۔ اب تا قیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب صلوٰۃ

الجنائزہ بحث ومن احق بالامامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ ادا ہو گئی۔ یہ دوبارہ نمازیں کسی مورعی ہیں؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا ہے۔  
اعراض :- (3) چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہذا یہ دعا بھی حرام ہے۔  
جواب :-

یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لیے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع در نہ نہیں۔ تو بتاؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں کیونکہ یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیار کی قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لیے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں۔ اس قدر خیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی جگہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ لے جانے اور غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل و کفن دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے ہوئے جاویں اور فوراً پھینک کر آ جاویں۔ تیسرے اس لیے کہ ہم پہلے باب میں حوالے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کو تعزیت کرنا۔ ان کو تسلی و تشفی دینا جائز بلکہ مست ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے لیے جائز ہے۔ چوتھے اس لیے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف دوشنبہ کو اور دفن چہار شنبہ کو ہوا۔ علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وهذه السنة باقية الى الان لم يدفن خليفه حتى يولي غيره۔

یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کر دی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی آ خر میں ملے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد فوراً نقش اٹھالی جائے تو یہ شخص دعا پوری نہ کر سکے گا کہ اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہذا دعا بعد جنازہ میں مسبق نمازیوں کی بھی ریاعت ہے۔ اگر اس کے لیے ایک غیر محسوس تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس لیے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جسے کہ جسے دفن کا انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو قبل جمعہ ہی دفن کر لے یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے۔ کفر ہے معاذ اللہ۔  
اعراض :- (4) نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

لا یقوم داعی الہ نماز کے بعد دعا کے لیے نہ کھڑا رہے نہ خیرہ کھڑی اور محیط میں ہے۔ لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الحنازہ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ کھڑا رہے۔  
عائگیری میں ہے۔

لا یدعوا بعدہ فی ظاہر المذہب۔ اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں۔  
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

ولا یدعوا للیمت بعد صلوۃ الحنازہ ولانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوۃ الحنازہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کے مشابہ ہے۔

کشف العطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعا۔ "نماز کے بعد دعا کے لیے کھڑا نہ رہے۔  
جامع الرموز میں ہے۔

ولا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الحنازہ لانہ یشبہ الزیادۃ۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

ابن حامد سے مروی ہے۔ ان الدعاء بعد صلوۃ الحنازہ مکروۃ۔ نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔  
ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔  
جواب:-

اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی، اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی لیے نماز جنازہ جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔ تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحیثیت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یہ وجہ اس لیے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرام کے قول و فعل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، کشف العطاء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں حرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے۔ لہذا شبہ الزیادۃ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ یعنی اس دعا سے ڈھکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا ڈھکا ہو۔ وہ یہ ہی ہے کہ صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو



حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن) تو اس سے یہ لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عائشہؓ کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

ولیس بعد التکبیر الرابعة قبل السلام دعاء۔ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعائیں۔

یعنی نماز جنازہ میں پہلے تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔ چنانچہ بدائع کفایہ میں ہے۔ لیس بعد التکبیر الرابعة قبل السلام دعاء ابو بکر ابن حاتم کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قیدی کی عبارت ہے۔ جو معتزلی وغیر معتزلی ہے۔

نماز جنازہ میں بعد طے والا جنازہ کہے پڑھے:

(وَلَوْ كُنَّ الْإِمَامُ تَكْبِيرَةً أَوْ تَكْبِيرَتَيْنِ لَا تَكْبِيرُ إِلَّا هُنَّ تَكْبِيرٌ أَحْمَدُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَصَحْبِهِ وَقَالَ أَبُو يُونُسَ: تَكْبِيرٌ وَحِينَ تَحْضُرُ لِأَنَّ الْأَوَّلَى لِلْإِفْتِاحِ، وَالْمَسْنُونُ يَأْتِي بِهِ. وَلَهُمَا أَنْ كُلُّ تَكْبِيرَةٍ قَائِمَةٌ مَقَامَ وَحَدَةٍ، وَالْمَسْنُونُ لَا يَتْلُو بِمَا فَاتَهُ إِذْ هُوَ مَسْنُونٌ، وَلَوْ كَانَ حَاجِبًا لَكُنَّ تَكْبِيرًا مَعَ الْإِمَامِ لَا يَنْتَظِرُ الْقَائِمَةَ بِالْإِتِّفَاقِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَلَكِ .

ترجمہ:

اور اگر امام نے ایک یا دو تکبیریں کہی ہیں تو آنے والا اس وقت تک تکبیر نہ کہے حتیٰ کہ امام اس کے آنے کے بعد کوئی دوسری تکبیر کہے۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ آتے ہی رہ جانے والی تکبیر کہے گا۔ کیونکہ پہلی تکبیر افتتاح کیلئے ہے۔ جس کو مسبوق ضرور لاتا ہے۔ جبکہ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ہر تکبیر رکعت کے قائم مقام ہے۔ اور مسبوق وہاں سے شروع نہیں کرتا جہاں سے وہ فوت ہوئی کیونکہ یہ مسنون ہو گیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص شروع میں ہی حاضر تھا لیکن اس نے امام کے ساتھ تکبیر نہ کی تو وہ بالاتفاق امام کی دوسری تکبیر کا انتظار نہ کرے۔ کیونکہ مد رک کے مرتبے میں شمار ہوگا مسبوق ولاحق کی نماز جنازہ کا طریقہ:

۱۔ اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا کہ امام پہلی تکبیر کہ چکا تو انتظار کرے اور جب امام دوسری تکبیر کہے یہ اس کے ساتھ تکبیر کہہ کر نماز میں شامل ہو جائے اور جب امام سلام سے فارغ ہو جائے تو وہ مسبوق جنازہ اٹھنے سے پہلے اپنی فوت شدہ تکبیر کہہ لے اور اگر وہ اس وقت آیا جب امام دو یا تین تکبیریں کہہ چکا ہے جب بھی انتظار کرے اور جب امام تکبیر کہے اس وقت یہ تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے اور فوت شدہ تکبیروں کو امام کے سلام کے بعد ادا کرے، اگر امام کی تکبیر کا انتظار نہ کیا اور فوراً شامل ہو گیا تب بھی اس کی نماز درست ہے لیکن امام کے تکبیر کہنے سے پہلے جو کچھ ادا کیا اس کا اعتبار نہیں۔

۲. اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا جب امام چاروں تکبیریں کہہ چکا ہے اور ابھی سلام نہیں پھیرا تو اس صبح یہ ہے کہ تکبیر کہہ کر نماز میں شامل ہو جائے اور امام کے سلام کے بعد جنازہ اٹھنے سے پہلے تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر سلام پھیر دے کیونکہ وہ چھوٹی تکبیر میں شامل سمجھا جائے گا۔

۳. مسبوق کو اگر اپنی بقیہ تکبیریں کہنے میں یہ خوف ہے کہ درود یا دعا وغیرہ پڑھنے میں اتنا وقت گئے گا کہ لوگ جنازے کو کندھے پر اٹھالیں گے تو صرف تکبیریں کہہ لے اور دعا وغیرہ چھوڑ دے اور جب تک جنازہ کندھوں پر نہ رکھا جائے تکبیریں نہ چھوڑے پوری کر لے اور اگر جنازہ کندھے پر رکھنے تک اس کی تکبیریں پوری نہ ہوئی تو باقی کو چھوڑ دے۔

۴. اگر مسبوق کو یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کون سی تکبیر ہے تو وہ بھی وہی مسنون ذکر پڑھے اور اگر کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے یہ امام کی کون سی تکبیر ہے تو بلترتیب ازکار ادا کرے یعنی پہلے شام پھر درود پھر دعا پڑھے۔

۵. لاحق یعنی شروع شامل ہونے کے بعد جس کی بعض تکبیریں درمیان میں رہ گئیں مثلاً پہلی تکبیر میں امام کے ساتھ شامل ہوا پھر کسی وجہ سے دوسری اور تیسری تکبیر رہ گئی تو وہ امام کی چھوٹی تکبیر سے پہلے ان دونوں کو کہہ لے پھر چھوٹی تکبیر امام کے ساتھ کہے۔

امام کا میت کے سینے کے مقابل کھڑے ہونے کا بیان:

لَا تَقُومُ إِلَيْهِ يُصَلِّي عَلَى الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ بَعْدَ الدُّعَاءِ الصَّغِيرِ لِأَنَّهُ مَوْضِعُ الْقَلْبِ وَلِهَذَا نُورُ الْإِيمَانِ فَكُنْ فِي الْقِيَامِ هُنْدَةً إِشَارَةً إِلَى الشَّفَاعَةِ لِإِيمَانِهِ وَعَنِ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَقُومُ مِنَ الرَّجُلِ بَعْدَ دُعَائِهِ وَيَمْنُ الْمَرْأَةَ بَعْدَ دُعَائِهِ وَسَطَهَا لِأَنَّ أَمْسًا رَجَسِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَعَلَّكَ كَذَلِكَ وَقَالَ: فَعَوَّ السُّنَّةُ فَلَمَّا تَأَوَّلَهُ أَنِّي جَنَازَتُهَا أَمَّ تَكُنْ مُتَعَوِّذَةً لِمَحَالِّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُمْ.

ترجمہ:

اور نماز پڑھانے والا خواہ مرد کی نماز ہو یا عورت کی نماز ہو وہ سینے کے برابر کھڑا ہو۔ کیونکہ یہی دل کی جگہ ہے اور اسی میں ایمان کا نور ہے۔ لہذا اس کے سامنے کھڑا ہونا یا اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ شفاعت ایمان کی وجہ سے ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ سے ایک روایت ہے کہ مرد کے جنازے میں سر کے برابر کھڑا ہو۔ اور عورت کے درمیان میں کھڑا ہو۔ کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہی سنت ہے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت کی تاویل یہ ہے کہ عورت کا جنازہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فحش والا نہ تھا۔ لہذا آپ عورت کے جنازے اور لوگوں کے درمیان حائل ہو جاتے۔

نماز جنازہ میں امام کا میت کے سامنے کھڑے ہونے میں فقہ شافعی وحنفی کا بیان:

حضرت سرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ایک عورت کے جنازہ کی نماز پڑھی جو حالت نفاس میں انتقال کر گئی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے جنازہ کے درمیان کھڑے ہوئے تھے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت نافع رحمۃ اللہ جن کی کنیت ابو غالب ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جنازہ (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر کے جنازہ) کی نماز پڑھی، حضرت انس (جو امام تھے) جنازہ کے سر کے سامنے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی پھر لوگ قریش کی ایک عورت کا جنازہ لے کر آئے اور کہا اے ابو جہزہ! (یہ انس کی کنیت ہے) اس جنازہ کی نماز پڑھا دیجئے چنانچہ حضرت انس تخت (کہ جس پر جنازہ تھا) کے درمیانی حصہ کے سامنے کھڑے ہوئے (اور نماز پڑھائی یہ دیکھ کر) علاء بن زیاد نے کہا کہ کیا آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نماز جنازہ میں) اسی طرح کھڑے ہوتے دیکھا ہے جیسا کہ آپ اس عورت کے جنازہ کے درمیان اور مرد کے جنازہ کے سر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے؟ یعنی کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نماز جنازہ پڑھاتے وقت عورت کے جنازہ پر اس کے درمیانی حصہ کے سامنے اور مرد کے جنازہ پر اس کے سر کے سامنے کھڑے ہوتے تھے؟ حضرت انس نے فرمایا ہاں! ابو داؤد نے بھی اس روایت کو کچھ زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں فقام حیاں وسط السریہ کے بجائے فقام عند عجیزۃ المرأة (عورت کے جنازہ پر اس کے کولہ کے قریب کھڑے ہوئے) کے الفاظ منقول ہیں۔ (ترمذی و ابی داؤد)

حضرت امام شافعی کا مسلک تو یہ ہے کہ عورت کے جنازہ کی نماز میں امام میت کے کولہوں کے سامنے کھڑا ہو اور مرد کے جنازہ کی نماز میں میت کے سر کے سامنے کھڑا ہو، چنانچہ عورت کی نماز جنازہ کے بارے میں تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے جب کہ مرد کی نماز جنازہ کے بارے میں وہ اپنا مسلک ایک دوسری حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ امام میت کے سینہ کے سامنے کھڑا ہو کر خواہ مرد کا ہو یا عورت کا جنازہ ہو۔ اس حدیث کے بارے میں حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میت کے سینہ کے سامنے کھڑے ہونے کی منافی نہیں کیونکہ انسانی جسم اعضاء کے اعتبار سے دراصل سینہ ہی وسط ہے یا اس طور کہ سینہ کے اوپر سر اور ہاتھ ہیں اور سینہ کے نیچے پیٹ اور پاؤں ہیں اور ان سب کے درمیان سینہ ہے، نیز یہ احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع پر سینہ کے سامنے کولہوں کی طرف تھوڑا سا مائل کھڑے ہوں گے اور چونکہ یہ دونوں حصے یعنی سینہ اور کولہ آپس میں بائیں قریب قریب ہیں اس لیے راوی نے یہ گمان کر لیا ہو کہ آپ کولہوں کے سامنے کھڑے تھے۔

حشی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور حضرت امام ابو یوسف کی روایت بھی یہ ہے کہ عورت کی جنازہ کی نماز میں امام میت کے کولہوں کے سامنے کھڑا ہو۔ واللہ اعلم۔

سواری کی حالت میں نماز جنازہ پڑھنے کا بیان:

(قَبَان صَلَّوْا عَلٰی جَنَازَةٍ وَكَبَّارًا أَجْزَلُ نَعْمَ) لِمِ الْقِيَاسِ لِأَنَّهُا ذَهَابَةٌ. وَلِیَ الْأَمْرِ حَسَنًا: لَا تُجْزِئُهُمْ لِأَنَّهُا صَلَاةٌ مِنْ وَجْهِ لَوْ جُودَ التَّخْرِیمَةُ فَلَا يَجُوزُ تَرْكُهَا مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ أَحْيَا طَارَ وَلَا تَأْسَ بِالْأَذَانِ لِمِ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّ التَّقْلَمَ عَنْهُ الْوَلِيُّ قَبْلَ تِلْكَ لِنَهْيِهِ بِتَقْدِيمِ غَيْرِهِ. وَلِیَ بَقِیَةِ النَّسْخِ: لَا تَأْسَ بِالْأَذَانِ: أَيْ الْإِعْلَامِ، وَهُوَ أَنْ يَعْلَمَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا يَقْضُوا حَقَّهُ

ترجمہ:

اگر لوگوں نے حالت سواری میں نماز جنازہ پڑھی تو برطابق قیاس ان کی نماز جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ دعا ہے۔ جبکہ بطور احتسان یہ جائز نہیں ہے کیونکہ تحریر کے پائے جانے کی وجہ سے یہ سن وجہ نماز ہے اس لئے احتیاطاً طائر کے بغیر اس کا ترک جائز نہیں ہے۔

اور نماز جنازہ کی اجازت میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ امام ہونا ولی کا حق ہے لہذا وہ دوسرے مقدم کو ترک کرے تو بے اپنا حق اس کے سپرد کر سکتا ہے۔ اور ہر ایک کے بعض شخصوں میں یہ لکھا ہے کہ نماز جنازہ میں اذان یعنی اعلان میں کوئی حرج نہیں۔ اور اعلان یہ ہے کہ کچھ لوگ دوسروں کو مطلع کر دیں تاکہ وہ میت کا حق ادا کریں۔

شرح:

سواری پر چلتے ہوئے نماز جنازہ کے متعلق اگر قیاس پر نظر رکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ نماز جنازہ سواری پر جائز ہونی چاہیے اس لیے کہ وہ اصل نماز نہیں بلکہ دعا ہے اور دعا ہر حالت میں جائز ہے اس کے لیے سواری یا پہلے یا بعد کو کوئی قید نہیں ہے، اس کے برخلاف احتسان کا تقاضا یہ ہے کہ سواری کی حالت میں نماز جنازہ نہ ہو اس لیے کہ نماز جنازہ میں تکبیر تحریر وغیرہ پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی حیثیت نماز کی آہ ہے لہذا اس پر فرض نماز کے احکامات جاری کرنے چاہئیں اور بلا قدر سواری پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے اس مسئلہ میں بھی احتسان قیاس کے مقابلہ میں قوی ہے لہذا احتسان ہی کو ترجیح دی گئی ہے۔

کیا ایک ہی قبر میں خاوند اور بیوی کو دفن کرنا جائز ہے؟

اکثر شافعی فقہاء اور حنبلیہ کا مسلک یہی ہے کہ ایک ہی قبر میں ایک سے زیادہ میت دفن کرنا جائز نہیں لیکن اگر ضرورت پیش آجائے کہ شہداء کی کثرت ہو، یا پھر کوئی وبا پھیل جائے، یا آگ لگنے یا عرق ہونے کی بنا پر زیادہ افراد مر جائیں اور ہر ایک

کو علیحدہ قبر میں دفن کرنا مشکل ہو جائے تو اس وقت ایک ہی قبر میں دو یا تین افراد کو دفن کرنا جائز ہے، لیکن مرد کے ساتھ عورت کو زیادہ شدید ضرورت کے بغیر دفن کرنا صحیح نہیں، اور اگر ایسی حالت پیش بھی آجائے تو دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ بنائی جائیگی۔ حضرت چربین عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے مقتولوں میں دفن کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں جمع کرتے اور فرماتے ان میں میں زیادہ قرآن کے یاد ہے؟ جب ان میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو لحد میں پہلے اسے اتارتے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں روز قیامت ان کی شہادت دوں گا، اور انہیں ان کے خون اور کپڑوں میں ہی دفن کرنے کا حکم دیا، نہ تو انہیں غسل دیا گیا اور نہ ہی ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی" (صحیح بخاری حدیث نمبر، 1343)

ہشام بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنگ احد والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ہمارے لیے ہر ایک شخص کے لیے علیحدہ قبر کھودنا بہت شدید مشکل ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زیادہ گہری کھودو اور اچھی طرح کھود کر ایک قبر میں دو دو اور تین تین شخص دفن کر دو" صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لحد میں اتارنے میں مقدم کس کریں؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے زیادہ قرآن یاد کیا ہو" راوی کہتے ہیں کہ میرے والد ایک قبر میں تین افراد میں تیسرے تھے۔ (سنن نسائی حدیث نمبر (2010) یہ الفاظ نسائی شریف کے ہیں، سنن ترمذی حدیث نمبر (1713) سنن ابوداؤد حدیث نمبر (3215)

ام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"بغیر کسی ضرورت ایک ہی قبر میں دو مرد اور دو عورتیں دفن کرنا جائز نہیں، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی بیان کیا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں، اور اکثر کی عبارت یہ ہے کہ: ایک قبر میں دو کو دفن نہیں کیا جائیگا، معصفت کی عبارت جیسی عبارت ہی بیان کی ہے، اور ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ ایک ہی قبر میں دو افراد کو دفن نہ کرنا مستحب ہے لیکن اگر کوئی ضرورت پیش آجائے اور کسی دبا یا انہدام اور غرق وغیرہ کی بنا پر اصوات کی تعداد زیادہ ہو جائیں اور ہر شخص کو ایک قبر میں دفن کرنا مشکل ہو تو پھر دو یا تین یا اس سے زائد افراد کو مذکورہ حدیث کی بنا پر ایک قبر میں حسب ضرورت دفن کرنا جائز ہے۔

ہمارے اصحاب کا کہنا ہے: تو اس حالت میں قبلہ کی جانب پہلے افضل شخص کو مقدم کیا جائیگا، اور اگر مرد، بچہ اور عورت جمع ہو جائیں تو سب سے پہلے مرد کو اور پھر بچے کو اور پھر عورت کو رکھا جائیگا۔

ہمارے اصحاب کا کہنا ہے: اور باپ کو والد ہونے کی حرمت کے پیش نظر بیٹے پر مقدم کیا جائیگا، چاہے بیٹا افضل ہو، اور ماں کو بیٹی پر مقدم کیا جائیگا، اور عورت اور مرد کو ایک ہی قبر میں جمع کیا جاسکتا، لیکن شدید قسم کی ضرورت کے پیش نظر ایسا کیا

جا سکتا ہے، اور اس وقت دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ بنائی جائیگی، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور مرد کو پہلے قبر میں رکھا جائیگا چاہے وہ بیٹائی کیوں نہ ہو" (المجموع للنووی (5، 247)

اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ: ایک قبر میں ایک شخص سے زیادہ افراد کو دفن کرنا صرف مکروہ ہے، مالکیہ کا مسلک یہی ہے، اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ملتی ہے، (الانصاف (2، 551) شرح الخرش (2، 134) و در دوسرے علماء عدم کراہت کا مسلک رکھتے ہوئے کہتے ہیں: ایسا کرنا صرف افضلیت کو ترک کرنا ہے۔ شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں۔

"میرے نزدیک رائج والہ عالم درمیان قول ہے، اور وہ کراہت کا قول ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے، لیکن اگر پہلا شخص قبر میں دفن ہو چکا ہو، اور اپنی قبر میں غر اور استقرا پا چکا ہو تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، تو اس وقت دوسرا شخص اس میں داخل نہیں کیا جائیگا، لیکن بہت شدید ضرورت کے وقت ایسا ہو سکتا ہے۔ (الشرح الممتع (5، 369) جماعت والی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھائی جائے:

(وَلَا يُصَلَّى عَلَى مَيِّتٍ فِي مَسْجِدٍ جَمَاعَةٍ) يَقُولُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ " (مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا أَجْرَ لَهُ) " وَلَا تَنْهَى لَدَاؤِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَلَا تَنْهَى تَلْوِيْثَ الْمَسْجِدِ، وَلَيْسَ إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ اشْتَرَاكَ الْمَشَافِخَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ.

ترجمہ

اور کسی بھی مسجد جس میں جماعت ہوتی ہو اس میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کیلئے کوئی ثواب نہیں۔ کیونکہ مسجد اداے فرض کیلئے بنائی گئی ہے۔ اور یہ بھی وجہ ہے کہ اس میں مسجد کے آلودہ ہونے کا احتمال ہے۔ اور جب بیت مسجد سے باہر ہو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھنے کا مسئلہ:

ہدایہ میں لکھا ہے کہ مسجد میں جو جماعت پڑھ گاندے کے لیے بنائی گئی ہو جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص مسجد میں میت پڑھنا پڑھے گا تو اسے ثواب نہیں ملے گا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے خواہ جنازہ اور نمازی دونوں مسجد میں ہوں خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو اور سب نمازی یا تھوڑے نمازی مسجد کے باہر ہوں۔ ہاں البتہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مکروہ نہیں ہے جب کہ جنازہ مسجد سے باہر رکھا ہوا ہو۔ پھر اس کے بعد کراہت کے بارے میں بھی علماء کے اختلافی اقوال ہیں بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ کراہت تحریمی ہے۔ جب کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ کراہت تنزیہی ہے۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (اور ان کا جنازہ ان کے مکان سے بیعت میں دفن کے لیے لایا گیا) تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لاؤ تاکہ میں بھی نماز پڑھ سکوں لوگوں نے اس سے انکار کیا (کہ مسجد میں جنازہ کی نماز کیسے پڑھی جاسکتی ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیضا کے دونوں سمتیں اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی ہے۔ (مسلم)

سمیل کے بھائی کا نام سہیل تھا اور ان دونوں کی ماں کا نام بیضا تھا۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ مختلف یہ ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک تو اس حدیث کے پیش نظر جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ حضرت امام اعظم کی دلیل بھی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر صحابہ نے اس بات سے انکار کر دیا کہ سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں لایا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھتے ہوں بلکہ مسجد ہی کے قریب ایک جگہ مقرر تھی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ اس کے علاوہ ابوداؤد میں ایک حدیث بھی ایسی مضمون منقول ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اسے ثواب نہیں ملے گا۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں سمیل اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ پڑھی ہے تو اس کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ ایسا آپ نے عذر کی وجہ سے کیا کہ اس وقت یا تو بارش ہو رہی تھی یا یہ کہ آپ احکاف میں تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ہی میں نماز جنازہ ادا فرمائی، چنانچہ ایک روایت میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ احکاف میں تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی۔

یہاں میں اجمال کے اعتبار کا حکم شرعی:

(وَمَنْ اسْتَهْلَ بِتِلْكَ الْوَلَاةِ سَعَى وَعَسَلَ وَسَلَى عَلَيْهِ) لَقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إِذَا اسْتَهْلَ الْمَوْلُودُ صَلَى عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَسْتَهْلْ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ) - وَلَا تَلْ لَاسْتِهْلَالٍ دَلَالَةُ الْحَيَاةِ فَتَحَقَّقْ فِي حَقِّهِ سُنَّةُ الْمَوْتَى (وَإِنْ لَمْ يَسْتَهْلْ أَفْرِجْ فِي عِرْقِهِ) حِكْمَةٌ لِيُنْصَحَ أَكْبَرُ (وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ) لِمَا رَوَيْنَا، وَيُصَلَّ فِي غَيْرِ الظَّاهِرِ مِنَ الرُّوَايَةِ لِأَنَّهُ نَفْسٌ مِنْ وَجْهِ، وَهُوَ الْمَعْنَى

ترجمہ

اور جس بچے نے پیدا ہونے کے بعد روتے ہوئے آواز نکالی۔ اسے غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی

جائے گی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب بچہ رونے کی آواز نکالے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اور اس نے رونے کی آواز نہ نکالی تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ اس کا روناس کی زندگی کی دلیل ہے۔ لہذا اس کے حق میں فوت ہونے والوں کا طریقہ ثابت ہو گیا۔ اور جو بچہ نہ رویا ہوا ہے نبی آدم کی عزت کے پیش نظر ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔ اسی حدیث کی بناء کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ جبکہ غیر ظاہر الروایۃ کے مطابق اس کو غسل بھی دیا جائے۔ کیونکہ من وجہ تو وہ بھی جان ہے اور اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

شرح:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اتمام) بچہ کی نہ تو نماز پڑھی جائے اور نہ اسے کسی کا وارث قرار دیا جائے اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہو بشرطیکہ پیٹ سے باہر آتے وقت اس کی آواز نہ نکلے (یعنی اس وقت اس میں زندگی کے آثار نہ پائے جائیں جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے) اس روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے مگر ابن ماجہ نے اپنی روایت میں لا یورث نقل نہیں کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حکم جنازہ میں بچے کو خیر کے تابع کیا جائے گا:

(وَإِذَا مَسِيَ صَبِيٌّ مَعَ أَحَدِ آبَائِهِ وَمَاتَ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ) (لَا أَنْ يَغُفَّرَ بِإِسْلَامِهِ وَهُوَ يَتِيمٌ) (لَا تَصَحُّ إِسْلَامُهُ أَوْ يَتِيمٌ) (أَوْ يُسْلِمَ أَحَدُ آبَائِهِ) (لَا تَصَحُّ عَنْهُ الْآبَوْنِ دِينًا) (وَأَنْ لَمْ يُنْسَبْ مَعَ أَحَدِ آبَائِهِ صَلَّى عَلَيْهِ) (لَا تَصَحُّ تَبَوُّهُ الْكَلْبُ لِحُكْمِهِ بِإِسْلَامِهِ كَمَا فِي الْقَبِيضِ).

ترجمہ:

اور جب کوئی بچہ اپنے والدین میں سے کسی ایک ساتھ قیدہ ہوا اور پھر وہ مر گیا تو اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔ کیونکہ وہ بچہ اپنے والدین کے تابع ہے۔ مگر جب وہ سمجھداری کی حالت میں اقرار کرے۔ لہذا اس کا اسلام احتساباً درست ہوگا۔ یا اس کے والدین میں کسی ایک نے اسلام قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ دین کے اعتبار سے والدین میں بہترین دین والے کے تابع ہے اور اگر اس بچے کے والدین میں سے کوئی ایک بھی قیدہ ہوا تو تب اس پر جنازہ پڑھا جائے گا۔ کیونکہ دارالاسلام کے تابع ہونا اس کے حق میں ظاہر ہو گیا۔ لہذا اسلام کا حکم دیا جائے گا۔ جس طرح قیدہ کے بارے میں ہوتا ہے۔

شرح: اگر کسی شخص کے والدین میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا نجوی ہو تو اس شخص کا نکاح اور ذبیحہ حلال ہے اور وہ شخص کتابی ہوگا۔ حالانکہ قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ نجوی جو جانب حرمت ہے اس کا اعتبار کیا۔ لیکن علمائے احناف فرماتے ہیں کہ یہاں اس شخص کو کتابی کے تابع کیا جائے گا کیونکہ نجوی کتابی سے زیادہ شر (برا) ہے لہذا ایسا کتابی کے تابع ہوگا کیونکہ اگر اس کے بچپن پر حکم لگایا جائے تو "کل مولود علی فطرۃ" کے مطابق بھی اسے خیر کے تابع کرنا چاہیے۔



مسلموں اپنی کافریت کو غسل و کفن اور دفن بھی کرے گا:

(وَإِذَا مَاتَ الْكَافِرُ وَلَهُ وَلِيٌّ مُّسْلِمٌ فَإِنَّهُ يَغُسُّهُ وَيُكْفِنُهُ وَيُدْفِنُهُ) بِذَلِكَ أَمَرَ عَلِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي حَقِّ أَبِيهِ أَبِي طَالِبٍ، لَكِنْ يَغُسُّ غُسْلَ التَّوْبِ النَّجِسِ وَيُلَفُّ فِي خِرْقَةٍ وَتُحْفَرُ حُفْرَةً مِنْ غَيْرِ مُرَاعَاةِ سُنَّةِ التَّكْفِينِ وَاللَّحْدِ، وَلَا يُوضَعُ فِيهَا بَلَّ يُلْقَى.

ترجمہ

اور جب کوئی کافر شخص فوت ہوا تو اس کا ولی اس کو غسل و کفن دے اور اسے دفن بھی کرے۔ کیونکہ حضرت علیؓ امر تھیں رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے حق میں اسی طرح حکم دیا گیا تھا۔ مگر اس کو غسل اس طرح دیا جائے جس طرح کسی نجس کپڑے کو دھویں جاتا ہے۔ اور سنت کفن و لحد کی رعایت کیے بغیر اسے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے۔ اور نہ ہی اس میں رکھ جائے بلکہ اس میں ڈال دیا جائے۔

کافریت کے کفن و غسل کا حکم:

علامہ حصکلی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مسلمان اپنے قرابت دار جیسے ماموں (کافر یا ضلی کو) غسل و کفن دفن کرے ہر مرد تو اسے کسی گڑھے میں کتے کی طرح دبا دے (ضرورت کے وقت) تو اگر اس کا کوئی اور قرابت دار ہے تو بہتر یہ ہے کہ انھیں دے دے (بغیر رعایت سنت کے غسل اور کفن دفن کرے) تو کسی ناپاک کپڑے کی طرح دھوئے اور کسی چھتڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں ڈال دے۔ (در مختار، باب صلوۃ الحائز، مطبع محنتانی دہلی)

علامہ سید محطادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اسے کسی ناپاک کپڑے کی طرح دھوئے اور کسی معمولی کپڑے میں کفن دے کچھ گڑھے میں مردار کی طرح ڈال دے تاکہ حق قرابت کی رعایت ہو جائے یا قرابت دار اس کے مل مذہب کو دے دے اور خود در سے جنازہ کے پیچھے چلا جائے، اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مردہ کو غسل کے لئے کسی کونڈے میں اسے نہ کرے۔ نہ کوئی رشتہ و قریبی کسی تو کتے کی طرح کسی گڑھے میں ڈال دے گا۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل السلطان حق صلوۃ)

## فصل فی حمل الجنازۃ

﴿یہ فصل جنازہ اٹھانے کے بیان میں ہے﴾

جنازے کی چار پائی اٹھانے کا بیان:

(وَاِذَا حُمِلُوا الْمَيِّتَ عَلَى سَرِيرِهِ اَخْلَوْا بِقَوْلِهِمِ الْاَتَمَّ) بِذَلِكَ وَرَكَعَتِ الشُّنَّةُ، وَفِيهِ تَكْبِيرُ الْجَمَاعَةِ وَزِيَادَةُ الْاِكْرَامِ وَالصَّيَاةِ، وَلَقَدْ الشَّالِيُّ: الشُّنَّةُ اَنْ يَحْمِلَهَا رَجُلَانِ: يَضَعُهَا السَّابِقُ عَلَى اَصْلِي عُنُقِهِ، وَالسَّابِي عَلَى اَعْلَى صَدْرِهِ، لِأَنَّ جِنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ هَكَذَا حُمِلَتْ: فَلَمَّا كَانَ ذَلِكَ لَا زِيَادَةَ الْمَكْرُحَةِ.

ترجمہ:

اور جب لوگ میت کو چار پائی پر اٹھائیں تو اس کے چار پایوں کو پکڑ لیں۔ سنت میں یہی طریقہ بیان ہوا ہے۔ اسی میں جماعت کی کثرت ہے اور اسی میں میت کی عزت میں اضافہ ہے۔ اور حفاظت ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ میت کو دو مرد اٹھائیں۔ پہلا آدمی جنازہ کو اپنی گردن کی ہڈ پر رکھے جبکہ دوسرا شخص اس کو اپنے سینے پر رکھ لے۔ اس لئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ بھی اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے تھا کہ فرشتوں کا ہجوم اس میں زیادہ تھا۔

شرح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ مومن ہونے کی حیثیت سے (یعنی فرمانِ شریعت پر عمل کرنے کی غرض سے) اور طلبِ ثواب کی خاطر جائے اور جنازہ کے ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ پڑھے اور اس کی تدفین سے فراغت پائے تو وہ شخص دو قیراطِ ثواب لے کر واپس ہوتا ہے جس میں سے ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے اور جو شخص صرف جنازہ کی نماز پڑھ کر آ جائے اور تدفین میں شریک نہ ہو تو وہ ایک قیراطِ ثواب لے کر واپس ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیثِ سعد کی سند میں ضعف کا بیان:

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام نووی شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ترجیح (یعنی بندوں کا جنازہ اٹھانے) افضل ہے۔ اس عمودین کے بارے میں جو امام شافعی علیہ الرحمہ کے موقف کی حدیث بیان کی گئی ہے۔ امام الحرمین کہتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ضعیف ہے۔ اور امام نووی علیہ الرحمہ نے کہا یہ شاذ اور مردود ہے۔ (ابن السیہ شرح

الہدایہ، ج ۳، ص ۵۱۵، تھانیہ لبنان

جنازہ کو جلدی کر دیر مانی چال کے ساتھ لیکر چلنا:

(وَيَسْتَفْشُونَ بِهِ مُسْرِعِينَ دُونَ الْعَقَبِ) "لَآئِنَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ جَمِنَ سَيْلٌ عَنْهُ قَالَ: مَا قُلُونَ الْعَقَبِ" (وَإِذَا سَلُّوا إِلَى قَبْرِهُ يَكُونُ أَنْ يَجْلِسُوا الْقَبْلَ أَنْ يَوْضَعَ عَنْ أَغْصَانِ الرُّجَالِ) لَآئِنَّ لَذَلِكَ تَقَعُ الْحَاجَةُ إِلَى السَّاعُونَ وَالْيَقَامِ أَمَّا كُنْ مِنْهُ

ترجمہ:

اور دوڑنے کے سوا جنازہ کو جلدی لیکر چلیں۔ کیونکہ جس وقت رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: دوڑنے کے سوا (جلدی لیکر چلیں)۔ اور جب اس کی قبر تک پہنچ جائیں تو جنازہ اتارنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ جنازہ میں مدد کی ضرورت پر جکتی ہے۔ اور حالت قیام میں مدد زیادہ کی جاسکتی ہے۔

جنازہ لے کر جلدی چلنا چاہئے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنازہ لے کر جلدی چلو، کیونکہ اگر وہ جنازہ نیک (آدی کا) ہے تو (اس کے لیے) بھلائی ہے لہذا اسے نکلیں اور بھلائی کی طرف (جلد) پہنچاؤ اور اگر وہ ایسا نہیں ہے تو برا ہے لہذا اسے (جلد سے جلد) اپنی گردنوں سے اتار کر رکھ دو۔ (بخاری و مسلم)

جنازہ لے کر جلدی چلو کا مطلب یہ ہے کہ جب دفن کرنے کے لیے جنازہ کو لے کر چلو تو جلدی جلدی چلو، آہستہ آہستہ قدم نہ اٹھاؤ لیکن جلدی سے دوڑنا مراء نہیں ہے بلکہ متوسط چال مراد ہے کہ قدم جلد جلد اٹھیں اور پاس پاس رکے جائیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ لے کر چلنے کی چال معمولی چال سے تو بڑھی ہوئی ہو اور دوڑنے سے کم ہو۔

اگر وہ جنازہ نیک آدی کا ہے اور چلنے چلنے کا قاعدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ تم جس شخص کا جنازہ لے کر چل رہے ہو اگر اس کی زندگی اچھے احوال اور اچھے اعمال کے ساتھ گزری ہے تو اسے جلد جلد لے کر چلو تاکہ وہ آخرت کے ثواب اور حق تعالیٰ کی رحمت تک جلد سے جلد پہنچ جائے اور اگر وہ جنازہ کسی ایسے شخص کا ہے جس کی زندگی برے احوال اور برے اعمال کے ساتھ گزری ہے تو بھی جلد جلد چلو تاکہ برے کو جلد اپنے کاندھوں سے اتار دیکو۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب جنازہ تیار کیا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ جنازہ نیک بخت (آدی کا) ہوتا ہے تو اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ (مجھے میری منزل کی طرف) جملہ نے چلو اور اگر بد بخت (آدی کا) جنازہ ہوتا ہے تو اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ ہائے افسوس! مجھے کہاں لے جاتے ہو! جنازہ کی اس آواز کو سوائے انسان کے ہر چیز سن سکتی ہے، اگر انسان اس آواز کو سن لے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے یا

مر جائے۔

نیک بخت یعنی مومن جب مرتا ہے اور اس کا جنازہ تیار ہو جاتا ہے تو چونکہ جنت کی نعمتیں اور حق تعالیٰ کی رحمتیں دیکھتا ہے اس لیے اپنے آپ کو جلدی لے چلنے کے لیے کہتا ہے اس کے برخلاف جب بد بخت انسان موت کی گود میں پہنچ جاتا ہے اور اس کا جنازہ تیار کیا جاتا ہے تو چونکہ وہ عذاب کو سامنے دیکھتا ہے اس لیے واذا نکرتا ہے اور اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ مجھے عذاب کی طرف کیوں لے جا رہے ہو۔

علماء لکھتے ہیں کہ مردہ اس وقت حقیقتاً کلام کرتا ہے اگرچہ اس کی روح نکل چکی ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ انسان اس کی آواز کی سماعت نہیں کر سکتا جب کہ دوسری مخلوقات اس کی آواز سنتی ہیں، اور یہ چیز کوئی غیر ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ مردہ اپنی قبر میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے۔

جنازہ کے پیچھے چلنا بہتر ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنازہ متبوع ہے اور وہ شخص تابع نہیں جو اس سے آگے بڑھ گیا۔ (ترمذی، ابوداؤد، مابن ماجہ)

جنازے کو اٹھانے کا طریقہ:

لَا تَقْبَلُوا السَّجْدَ أَنْ تَضَعَ مَقَامَكُمْ الْجَنَازَةَ عَلَى بَيْتِكُمْ ثُمَّ مَوْعَرَهَا عَلَى بَيْتِكُمْ ثُمَّ تَقْلَعُهَا عَلَى بَيْتِكُمْ ثُمَّ مَوْعَرَهَا عَلَى بَيْتِكُمْ لِيَقَارَوا لِلتَّكْوِينِ ، وَهَذَا فِي خَالَةِ التَّوَابِ

ترجمہ:

اور جنازے کو اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اور وہ میت کو اگلے سرے سے اپنے دائیں کندھے پر رکھے اور پھر اس کے پچھلے سرے کو اپنے دائیں کندھے پر رکھیں اور پھر اس کے پچھلے سرے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے اور پھر دائیں جانب کو ترجیح دیتے ہوئے۔ اور اسی طرح بار بار کرنے کی صورت میں ہوگا۔

جنازہ کو کاغذ یا میت کے حق کی ادائیگی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شخص جنازے کے ساتھ جائے اور اٹھائے اس کو پس تحقیق ادا کیا حق اس کا جو اس پر تھا۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے تحقیق روایت کی شرح السنہ میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذ کا جنازہ دو کلڑیوں کے درمیان اٹھایا۔



## ﴿یہ فصل میت کو دفن کرنے کے بیان میں ہے﴾

۔ میت کے کیلئے قبر بنانے کا بیان:

(وَيُخْفَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ، يَقُولُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "وَاللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِبَعِيرِنَا" ) (وَيُدْخَلُ الْمَمِيتُ) مِمَّا يَلِي الْقَبِيلَةَ عِلَاقًا لِلشَّافِعِيِّ، فَإِنَّ عِنْدَهُ يُسَلُّ سَلًّا لِمَا رَوَى "أَنَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامُ سَلًّا سَلًّا، " وَلَكِنَّا أَنَّ جَانِبَ الْقَبِيلَةِ مَعْظَمُ الْإِدْخَالِ مِنْهُ، وَاصْطَرَبَتْ الرِّوَايَاتُ فِي إِدْخَالِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

ترجمہ

اور قبر لحد بنائی جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہمارے لئے لحد ہے۔ اور دوسروں کیلئے شق ہے۔ اور میت کو اس طرف سے داخل کیا جائے جو قبیلہ سے مل ہوئی ہو۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک میت کا پانچویں کی طرف داخل کیا جائے۔ کیونکہ یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح حل کر کے داخل کیے گئے۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ جانب قبلہ معظم ہے۔ لہذا اس کی طرف سے داخل کرنا مستحب ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو قبر میں داخل کرنے میں مروی روایات میں اضطراب ہے۔

شرح:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لحد یعنی بغلی قبر، ہمارے لیے ہے اور شق (یعنی صندوقی قبر) دوسروں کے لیے ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، اور امام احمد نے اس روایت کو جریر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے)۔

علماء نے اس حدیث کے کئی معنی بیان کیے ہیں لیکن زیادہ صحیح معنی یہ ہیں کہ لحد یعنی بغلی قبر ہم انبیاء کی جماعت کے لیے ہے اور شق یعنی صندوقی قبر جماعت انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لیے جائز ہے گویا لحد کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بغلی قبر کی سب جماعت انبیاء علیہم السلام کی طرف کر کے اس کی فضیلت اور اولیت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔

قبر شق کی تعریف:

شق کی تعریف یہ ہے کہ قبر کے بیچ میں شہر کی طرح ایک لمبا گڑھا کھودا جائے جس کے دونوں کنارے کچی اینٹوں یا کسی اور چیز سے بنادیں اور اس میں میت کو رکھ کر اوپر سے چھت کی طرح بند کر دیں۔ ایسا ہی معراج الدردریہ میں ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، الفصل السادس فی القبر و الدفن، نورانی کتب خانہ پشاور)

قبر لحد کی تعریف:

لحد قبر میں قبہ کی طرف بنائے گئے اس گھرے کو کہتے ہیں جس میں مردہ رکھا جاتا ہے جس قبر میں ایسا گڑھا بنایا جاتا ہے اسے بغلی قبر کہتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغلی قبر بنانا مستحب ہے۔

حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قبر میں لحد بنانا سنت ہے بشرطیکہ کوئی مجبوری نہ ہو یعنی اگر زمین نرم ہو اور لحد بنانے سے قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر قبر میں لحد نہ بنائی جائے بلکہ صندوقی قبر بنائی جائے۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۲، بیروت)

حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنی اس بیماری میں کہ جس میں ان کی وفات ہوئی فرمایا کہ مجھے دفن کرنے کے لیے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنا جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیا گیا تھا۔ (مسلم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ارشاد مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنے کا مطلب یہ ہے میری لحد کو کچی اینٹوں سے بند کرنا۔ علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی لحد کو نو اینٹوں سے بند کیا گیا تھا۔ میت کو جانب قبلہ قبر میں داخل کیا جائے:

علامہ حصکلی خلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مستحب یہی ہے کہ میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں لے جائیں۔

(در مختار، باب صلوة الجنازہ، مطبع مجبائی دہلی)

علامہ ابن ہمام خلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ میت کو قبر میں اتارنے سے متعلق روایات میں اضطراب ہے۔ چنانچہ درج ذیل روایات بیان کی جاتی ہیں۔

میت کو قبر میں کس طرح اتارا جائے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (قبر میں اتارتے وقت) سر کی طرف اتارا گیا۔ (شافعی)

اس کی صورت یہ تھی کہ جنازہ قبر کے پائنتی رکھا گیا پھر آپ کو مبارک کی طرف سے اٹھا کر قبر میں اتارا گیا چنانچہ حضرت امام شافعی کے ہاں میت کو اسی طریقہ سے قبر میں اتارا جاتا ہے۔

احناف کے نزدیک اس سلسلہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ جنازہ قبر کے قبلہ والی جانب رکھا جائے اور وہاں سے میت کو اٹھا کر قبر میں رکھا جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میت کو اسی طریقہ سے قبر میں اتارا کرتے تھے جیسا کہ اگلی حدیث سے واضح ہوگا۔

جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طریقہ سے قبر میں کیوں اتارا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حجرہ شریفہ میں اتنی وسعت نہ تھی کہ آپ کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اتارا جاتا کیونکہ آپ کی قبر حجرہ کی دیوار سے ملی ہوئی ہے حنفیہ کی طرف سے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر میں اتارنے کی کیفیت مضطرب منقول ہے یعنی یہاں اس روایت میں تو یہ بتایا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سر کی طرف سے قبر میں اتارا گیا تھا جب کہ ابوداؤد کی ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر میں قبلہ کی طرف اتارا گیا تھا سر کی طرف سے نہیں اٹھایا گیا تھا نیز اسی طرح کی روایت ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے۔ لہذا جب ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا تو دونوں حدیثیں ساقط ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کسی میت کو رکھنے کے لیے) قبر میں اترے، آپ کے لیے چراغ جلادیا گیا چنانچہ آپ نے میت کو قبلہ کی طرف سے پکڑا (اور اسے قبر میں اتارا) اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تو (خوف خدا سے) بہت رونے والا اور قرآن کریم بہت زیادہ پڑھنے والے تھے (اور ان دونوں چیزوں کے سبب سے تم رحمت و مغفرت کے مستحق ہو) یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور شرح السنہ میں ہے کہ اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں۔

اس روایت کے بارے میں امام ترمذی کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے نیز اس بارے میں حضرت جابر اور حضرت یزید بن ثابت کی روایتیں بھی منقول ہیں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رات کے وقت مردہ کو دفن کرنا مکروہ نہیں جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے یہ حدیث احناف کے مسلک کی دلیل ہے ان کے ہاں میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے اتارنا سنت ہے۔

(فتح القدیر، بتصرف ج ۳، ص ۴۴۲، بیروت)

تیسرے سو برس بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجسام مبارک صحیح تھے:

1934ء میں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حذیفہ بن یمان، اور عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں عراق میں اکھاڑی گئیں، اور انہیں دوسری جگہ منتقل کیا گیا، میں نے اس کا طویل قصہ پڑھا ہے کہ وہ دونوں بادشاہ کی خواب میں ظاہر ہوئے، اور انہیں 1300 برس بعد بھی قبروں سے نکالے جانے پر ان کے چہرے کھل گئے۔

کیا قبروں کو اکھاڑنا جائز ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ اصل تو یہی ہے کہ جائز نہیں، اس کی دلیل مندرجہ ذیل عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے: عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: میت کی ہڈی تو ٹوٹا اسی طرح ہے جیسے زندہ کی کی توڑی

جائے۔ (سنن ابوداؤد حدیث نمبر 3207)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میت کو حرمت حاصل ہے، لہذا مسلمان شخص زندہ ہو تب بھی اسے حرمت حاصل ہے، اور اگر فوت ہو جائے تب بھی، اگر ایسے ہی ہے تو پھر کسی ظاہری مصلحت کے بغیر قبر اکھاڑا جائز نہیں، اور یہ شرعی حاکم کے اوپر ہے اور وہی اس مصلحت کو مقرر کر سکتا ہے۔ (الشیخ خالد المشیقہ)  
مسلمانوں کی قبروں کی تعظیم و ادب کرنے کا حکم:

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جیک آدی کو آسم کی چکاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے، اسے مسلم و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۰۳، ابوداؤد)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قبروں پر بیٹھنا اور ان کو روندنا مکروہ ہے لہذا بعض لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے قبرستان میں اپنے کسی عزیز و متعلق کی قبر تک پہنچنے کے لیے درمیان کی قبروں کو بلا تکلف روندتے ہوئے چلتے ہیں یہ انتہائی غلط بات ہے۔ ہاں ضرورت و حاجت کے وقت مثلاً قبر کھودنے کے لیے یا میت کو دفن کرنے کے لیے قبروں پر پاؤں رکھ کر چلنا جائز ہے۔ قبرستان میں ننگے پاؤں چلنا مستحب ہے قبر کے نزدیک یا قبر کو کھینچنا یا کر سونا مکروہ ہے قبروں کے پاس استنجا کرنا تو انتہائی کراہت کی بات ہے، قبرستان آنے جانے کے بارے میں ہر وہ چیز مکروہ جو محمود یعنی سنت سے ثابت نہیں اس بارے میں صرف قبروں پر جانا اور وہاں کھڑے کھڑے دعا مانگنا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنت البقیع تشریف لے جاتے تو وہاں یہ فرماتے دعا (السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون واسبال اللہ لی ولکم العقیہ)۔ یعنی اے مومنین کے گھر تھہ پر سلامتی ہو، اے مومنو! انشاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے اس دعا فیت مانگتا ہوں۔

(فتح القدیر، ج ۳، ص ۳۳۱، بیروت)

میت کو قبر میں داخل کرنے سے متعلق نقلی استدلال کا واقعہ:

ہمارے گاؤں ”جنگ مستبکا“ میں ایک شخص کا وصال ہوا اس وقت ہم اپنے گاؤں میں کریم سعدی پڑھتے تھے۔ دوران طالب علمی ہمارے گاؤں کے سادہ لوح استاد محترم نے کریم سعدی کے اس شعر

تکبر ممکن زینہار اے پسر کہ روزے ز دستش در آنی بسر

استدلال کرتے ہوئے ہمیں یہ حکم دیا کہ میت کو قبر میں سر کے بل اتارنا چاہیے۔ اتفاق سے ہم جنازہ پڑھنے کے بعد جب قبرستان سید علی شاہ علیہ الرحمہ گئے تو دیکھا کہ لوگوں نے قبر کو اس طرح تیار کیا ہے کہ میت کو سر بانے کے جانب سے پاؤں کے



بل اتارا جائے گا۔ ہم نے لوگوں کو بتایا کہ مسئلہ اس طرح کہ انسان کے سر کے بل آئے گا۔ انہوں نے ہم سے خاصیت کی حتیٰ کہ اس وقت نماز عصر کے بعد کا وقت تھا ہم مسئلہ دریافت کرنے کیلئے اسی وقت ولی کامل پیر سید ولی محمد شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت وضو فرما رہے تھے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پاؤں کے بل یعنی سرہانے کی جانب سے قبر میں اتارا گیا۔ تب ہمیں لفظی استدلال سے متعلق غلطی کا احساس شرمندگی کے ساتھ اس لئے ہوا کہ ہم بڑے وثوق اور بڑی سختی سے لوگوں سے عمل کروانا چاہتے تھے۔ (ابن صادق رضوی غنی عنہ)

حالانکہ میت کو قبر میں سر کی جانب سے اتارنا یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک ہے اور ان کی دلیل یہ ہے۔

حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد کو جنازہ میں سے سر کی طرف سے نکالا (یعنی انہیں سر کی طرف سے قبر میں اتارا) اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔ (ابن ماجہ)

مردہ کو قبر میں اتارنے کے بارے میں حضرت امام شافعی کا مسلک بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ حدیث ان کے اسی مسلک کی دلیل ہے احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یا تو یہ ضرورت پر یا پھر یہ کہ بیان جواز پر محمول ہے۔ میت کو قبر میں رکھنے والا کیا کہے:

(لَمَّا دُفِنَ لِي لَعْنَةُ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَنِي قَارَانَ) بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ (كَذَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حِينَ وَضَعَ أَمَّا دُجَانَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الْقَبْرِ (وَوُجِّهَهُ إِلَى الْقَبْرِ) بِمِلَّةِ أَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَكُنْهُلُ الْمُغْدَةِ) لِيُفَوِّعَ الْأَمْنُ مِنَ الْإِنْتِخَارِ (وَيُسَوَّى اللَّيْنُ عَلَى اللَّعْنَةِ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جُعِلَ عَلَى قَبْرِهِ اللَّيْنُ

ترجمہ:

جب کسی میت کو قبر میں رکھا جائے تو رکھنے والا یہ کہے: "بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ" کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں رکھتے ہوئے یہی کہا تھا۔ اور اس کو قبل کی طرف متوجہ کرے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے۔ اور کفن کی گرہوں کا کھول دے اس لئے کہ اب کفن کے اختصار کا خوف ختم ہو چکا ہے۔ اور لحد پر کچی اینٹیں برابر کر دی جائیں۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر کچی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت کیا پڑھا جائے؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میت کو قبر میں اتارتے تھے تو یہ فرماتے دعا (بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ)۔ اس میت کو ہم اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے حکم کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر قبر میں اتارتے ہیں اور ایک روایت میں وہ علی مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ کے بجائے وہ علی

سنۃ رسول اللہ ﷺ ہے (یعنی یہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر منقول ہے اور ایک دوسری روایت میں اس کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر نقل کیا گیا ہے۔) (احمد ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے دوسری روایت (جس میں ملتے کے بجائے سڑ ہے) نقل کی ہے۔  
عورت کی قبر پر پردہ کرنے کا حکم:

(وَيُسَجَّى قَبْرُ الْمَرْأَةِ بِشَوْبٍ عَنِّي يُجْعَلُ اللَّيْنُ عَلَى اللَّحْدِ وَلَا يُسَجَّى قَبْرُ الرَّجُلِ) (لَا مَبْنَى خَالِهِنَّ عَلَى الشَّعْرِ وَمَبْنَى خَالِ الرَّجَالِ عَلَى الْإِنْكِشَافِ .  
(وَبُكْرَةُ الْأَجْرُ وَالْعَصَبُ) (لَا تَهْمُ إِلَّا حُكَامُ الْبِنَاءِ وَالْقَبْرِ مَوْضِعُ الْيَلْبَى ، ثُمَّ بِالْأَجْرِ يَخُونُ أَثَرُ النَّارِ فَتُكْرَهُ تَقَاوُلًا) (وَلَا بَأْسَ بِالْقَصَبِ) وَلَى الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ، وَيُسْتَحَبُّ اللَّيْنُ وَالْقَصَبُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جُعِلَ عَلَى قَبْرِهِ طَنْ مِنْ لَقَبٍ .

ترجمہ:

اور عورت کی قبر پر پردہ کیا جائے حتیٰ کہ اس کی قبر پر کچی اینٹیں لگا دی جائیں۔ جبکہ مرد کی قبر پر پردہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ پردے کا حکم صرف عورتوں کی حالت پر لازم ہے۔ جبکہ مرد کی حالت کشف پر مبنی ہے۔

اور کچی اینٹیں اوکھڑی لگانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں عمارت کو مضبوط کرنے کیلئے ہیں۔ جبکہ قبر گھنے کی جگہ ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ کچی اینٹ میں آگ کا اثر ہوتا ہے۔ لہذا ایرانی کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔ جبکہ بانس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ اور جامع صغیر میں کچی اینٹ اور بانس کے استعمال کو مستحب کہا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر بانس کا ایک گٹھا استعمال ہوا ہے۔

مشائخ بخارا کے نزدیک کچی قبریں بنانے کا سبب:

علامہ ابن عابدین شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ علاؤ نے کچی اینٹوں اور اوکھڑی کے تختوں کو مکروہ کہا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب میت کے گرد ہوا، اور اگر اس کے اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ یہ درندے سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، مشائخ بخارا نے فرمایا کہ ہمارے دیہات میں کچی اینٹیں مکروہ نہیں کیونکہ زمین کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت ہے۔ (ردالمحتار باب صلوة الجنائز، دار احیاء التراث العربی بیروت)

لحد میں کچی اینٹ مکروہ ہے جبکہ میت سے متصل ہو اس کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں، اور مستحب کچی اینٹ اور بانس ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں، کتاب الصلوة، منشی نولکشور لکھنؤ)

علامہ ابن نجیم مصری شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ امام سرخسی نے اس حکم کو اس سے معید کیا ہے کہ زمین پر تری اور نرمی

غالب نہ ہو۔ اگر ایسی ہوتو پکی اینٹ اور لکڑی لگانے میں کوئی حرج نہیں، جیسے اس بناء پر لوہے کا تابوت لگانے میں حرج نہیں (بحر الرائق، کتاب الحنائن، مفصل السلطان، احق بصلوٰۃ ابیہ ایم سعید کمپنی کراچی)

امام اسماعیل زہد نے اس کی رخصت دی ہے کہ کھد میں کچی اینٹوں کے پیچھے پکی اینٹیں لگائی جائیں، اور اس کی وصیت بھی فرمائی تھی، مثلاً: بخارائے فرمایا ہے کہ اگر ہماری زمین میں پکی اینٹ لگائیں تو مکروہ نہ ہوگا اس لیے کہ زمین نرم ہے تو جہاں بھی زمین نرم ہو، پکی اینٹ اور اسی طرح لکڑی کے تختے لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ (کشف الغطاء، ج ۱، ص ۵۵)

قبر کو کوبان نہ بنانے کا بیان:

(لَمْ يَهَالِ التُّرَابَ وَيُسَمِّ الْقَبْرَ وَلَا يُسَطِّحُ) "أَيُّ لَا يُرَبِّعُ" "لَا تَلَا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ تَرْبِيعِ الْقُبُورِ" "وَمَنْ شَاهَدَ قَبْرَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَخْبَرَهُ اللَّهُ مُسْتَمًّا."

ترجمہ:

پھر مٹی ڈالتے ہوئے قبر کو کوبان نہ بنادی جائے۔ جبکہ سطح نہ بنائی جائے۔ (چوکور نہ بنائے) اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے قبر کو پتھر بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اور جس نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کو نور کو دیکھا اس نے شہادت دی کہ وہ کوبان نہ ہے۔

اعلم ملاح کے نزدیک اونٹ کی کوبان کی طرح قبر بنانی چاہیے:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سفیان ثمار سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کو دیکھا جو اونٹ کے کوبان کی طرح تھی۔ (بخاری)

حضرت امام مالک، حضرت امام احمد، اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے نہ صرف یہ کہ اس حدیث کو بلکہ اس کے علاوہ اور بھی صحیح احادیث کو اپنے اس مسلک کا مدلل قرار دیا ہے کہ قبر کو اونٹ کے کوبان کی طرح اٹھی ہوئی بنانا مسطح بنانے سے افضل ہے جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک قبر مسطح بنانا افضل ہے۔

قبر کو زیادہ اونچا بنانے کی کراہت کا بیان:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابوالہیاج اسدی (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت علی کریم اللہ وجہ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس کام پر معمور نہ کروں جس کام پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معمور کیا تھا؟ اور وہ کام یہ ہے کہ تم جو بھی تصویر دیکھو اسے چھوڑ دو نہیں بلکہ اسے مٹا دو اور جس قبر کو بلند دیکھو اسے برابر کرو۔ (مسلم)

علماء نے لکھا ہے کہ اپنے پاس تصویر کا رکھنا حرام ہے اور اسے مٹا دینا واجب ہے نیز اس کے سامنے بیٹھنا جائز نہیں ہے، جس قبر کو بلند دیکھو اسے برابر کرو۔ کا مطلب یہ ہے کہ قبر اگر زیادہ اونچی اور بلند بنائی گئی ہو تو اسے اتنی نیچی کر دو کہ زمین کی سطح سے قریب ہو جائے صرف اس کا نشان باقی رہے جس کی مقدار ایک بالشت ہے کیونکہ مسنون یہی ہے چنانچہ کتاب ازہار میں علماء کا یہ قول لکھا ہوا ہے کہ قبر کو بقدر ایک بالشت کے بلند کرنا مستحب ہے اور وہ اس سے زیادہ مکروہ ہے نیز ایک بالشت سے زیادہ قبر کو زیادہ اونچا بنانے کی کراہت صرف ایک بالشت کی بقدر باقی رہنے دینا مستحب ہے۔

## باب الشہید

## ﴿یہ باب شہید کی نماز کے بیان میں ہے﴾

باب شہید کی مطابقت کا بیان:

مصنف علیہ الرحمہ نے احکام الموتی کے بعد باب الشہید ذکر کیا ہے کیونکہ موتی کی تدفین و تحنن کے کلی احکام ذکر کر دیے گئے ہیں اور شہید کے احکام سابقہ بیان کردہ بعض احکام سے مختلف ہیں۔ جو ان احکام میں سے شہید کے ساتھ خاص ہیں۔ لہذا عمومی احکام کے بعد خصوصی احکام کا بیان کرنا عین ترتیب علمی کے موافق ہے کیونکہ عموم ہمیشہ مقدم جبکہ خصوص ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ احکام الموتی کلی احکام اور شہید کے احکام استثنائی احکام ہیں اور استثناء ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے۔ لہذا باب الشہید کو مؤخر ذکر کیا ہے۔

شہداء کی حیات برزخی کا بیان:

حضرت سروق (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی: (وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ) 3۔ آل عمران (169): جو لوگ خدا کی راہ میں جہاد میں مارے گئے ہیں ان کو ہم مردہ خیال نہ کر دیکلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ (ان شہداء) کی دو جہیں سبز رنگ کے پرندوں کے قلب میں ہیں ان کے (رہنے) کے لئے عرش الہی کے نیچے (ہنزلہ گھوٹلوں) کے قد میں لٹکائی گئی ہیں وہ (روحیں) بہشت میں سے جہاں سے ان کا مٹی چاہتا ہے میوے کھاتی ہیں پھر ان قدیوں میں جا کر بیرا کرتی ہیں تب پروردگار ان (شہداء) کی طرف جھانکتا ہے فرماتا ہے کہ کیا تم کو کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم کس چیز کی خواہش کریں دو آنچلیک ہم بہشت میں سے جہاں سے ہمارا مٹی چاہتا ہے میوے کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تین مرتبہ یہی معاملہ کرتا ہے: (یعنی تین بار ان سے یہی سوال کرتا ہے) اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں پوچھے جانے والے سے چھوڑا نہیں جانے گا (یعنی جب وہ یہ جانتے ہیں کہ پروردگار کی مراد یہ ہے کہ ہم کسی خواہش کا اظہار کریں) تو وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری بس یہی خواہش ہے تو ہماری رگوں کو ہمارے جسموں میں واپس کر دے (اور ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے) تاکہ ہم ایک بار اور تیری راہ میں مارے جائیں) جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی (حتمین) خواہش و حاجت نہیں ہے (کیونکہ انہوں نے جس خواہش کا اظہار کیا ہے اس کو پورا کرنا اللہ کے ارادہ اور مصلحت کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ ان کو پہلی ہی بار میں جو عظیم ثواب اور عظیم اجر ملا ہے اور اسی وجہ سے ان کی کوئی

حاجت و خواہش نہیں ہے اگر وہ دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو وہی اجر و انعام انہیں دوبارہ ملے گا اور اس کی انہیں حاجت ہی نہیں ہے کیونکہ شہید کا اجر و ثواب ایک ہی ہے جو انہیں حاصل ہے (تو ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ ان سے پوچھنا چھوڑ دیتا ہے۔ (مسلم)

کسی کے ذہن میں اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ ترجمہ میں بین القوسین عبارت کے مطابق اگر دوسری بار میں بھی پہلی ہی بار جیسا ثواب ملے تو پھر ان شہداء کی خواہش کا کیا فائدہ کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں واپس کر کے دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ ہم دوبارہ خدا کی راہ میں مارے جائیں۔

علماء نے اس کا جواب لکھا ہے کہ اس خواہش کے اظہار سے اس کی مراد حقیقت میں اپنی روحوں کو جسموں میں واپس کئے جانے کی درخواست کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے ان انعامات و کرامات کا شکر ادا کرنا ہے جس سے ان کو نوازا گیا گویا اپنی اس خواہش کے ذریعے وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے ہمیں اپنی جنتیں عطا کی ہیں اور ہمیں جن عظیم درجات سے نوازا ہے اور ان کی وجہ سے ہم پر جو تیرا شکر ادا کرنا واجب ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ایک مرتبہ پھر دنیا میں واپس جائیں اور تیری راہ میں اپنی جان قربان کر دیں۔

یا پھر وہ اپنی خواہش کا اظہار اپنے گمان کے مطابق کرتے ہوں کہ ہم چونکہ دوسری مرتبہ میں اور زیادہ مستعدی بہت اور جان ثاری کے فزوں تر جذبے کے ساتھ خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کریں گے اس لئے کیا عجب کہ دوسری مرتبہ میں ہمیں اور زیادہ بہتر اور کامل تر جزا ملے لیکن نظام قدرت اور جاری معمول چونکہ اس کے خلاف ہے اور حق تعالیٰ کے حکم میں یہ بات ہے کہ ان کو دوسری مرتبہ میں وہی اجر ملے گا جو پہلی مرتبہ مل چکا ہے اور اس کی انہیں حاجت نہیں ہے تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

علماء نے یہ لکھا ہے کہ شہداء کی ارواح کو پرندوں کے قالب میں رکھنا ان ارواح کی عزت و توقیر اور گریہ کی بنا پر ہے جیسا کہ جواہرات کو ان کی حفاظت و احتیاط کے لئے صندوق میں رکھا جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ مقصد ہوتا ہے کہ ان ارواح کو ان کے دنیوی جسم کے بغیر اس صورت (یعنی پرندوں کے قلب میں جنت میں داخل کیا جائے، چنانچہ وہ ارواح ان پرندوں کے قالب میں جنت کے مرغزاروں میں سیر کرتی ہیں، وہاں کی فضاؤں میں گھومتی ہیں جنت کی پاکیزہ ترین خوشبوؤں اور کیف آور ہواؤں سے لطف اندوز ہوتی ہیں، وہاں کے انوار و برکات کا مشاہدہ کرتی ہیں، وہاں کی نعمتوں اور لذتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور ان کو صرف ان ہی چیزوں کے ذریعہ حمد و ثناء کی خوش طبعی و آسودہ خاطرگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ حق جل مجدہ کے مقرب ملائکہ کے قرب و جوار کی عظیم ترین سعادت بھی میسر ہوتی ہے جو بجائے خود سب سے بڑی نعمت اور نعمت و انبساط کا سبب ہے چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے کہ: (یرزقون فرحین بما آتہم اللہ من فضله)۔

وہ رزق دیئے جاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے ان کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس میں خوش ہیں۔

اس موقع پر یہ بات بطور خاص ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اس حدیث سے تنازع (آداگون) کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جو لوگ تنازع کے قائل ہیں ان کے نزدیک تنازع اس کو کہتے ہیں کہ اس عالم میں روح کا کسی قالب و بدن میں لوٹنا گویا ان کے نزدیک کسی قالب و بدن میں روح کے لوٹنے کا نظریہ آخرت سے متعلق نہیں ہے اور یہ یوں بھی ممکن نہیں ہے کہ ان کے نزدیک آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ آخرت کے منکر ہیں۔

ایک بات اور اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جنت مخلوق ہے اور موجود ہے۔ جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے۔

شہید کی تعریف و احکام:

(الشَّهِيدُ مَنْ قُتِلَ الْمَشْرُكُونَ، أَوْ وَجَدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهِ قَتْلٌ، أَوْ قُتِلَ الْمُسْلِمُونَ ظُلْمًا وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَّةٌ لِقَتْلِهِمْ وَلَا يُسَلُّ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى هَذَا أَوْ أُحْمَدُ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِهِمْ "رَأْسُهُمْ يَكُونُ بِهِمْ وَيَدَانِهِمْ وَلَا تُسَلُّوهُمْ" فَكُلُّ مَنْ قُتِلَ بِالتَّحْدِيدِ ظُلْمًا وَهُوَ ظَاهِرٌ بَالِغٌ وَلَمْ يَجِبْ بِهِ عَوَضٌ مَالِيٌّ فَهُوَ فِي مَعْنَاهُمْ كَقَتْلِهِمْ بِهِمْ.

وَالْمُرَادُ بِأَكْثَرِ الْجَرَاحَةِ لِأَنَّهَا دَلَالَةُ الْقَتْلِ، وَكَذَا خُرُوجُ الدِّمِ مِنْ مَوْضِعٍ غَيْرِ مَعْنَاهُ كَالْعَيْنِ وَنَحْوِهَا.

وَالشَّاهِدُ يُخَالِفُنَا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ السَّيْفُ مَحْذُورٌ لِلذُّنُوبِ فَاغْنَى عَنِ الشَّفَاعَةِ، وَلَنْ يَقُولَ: الصَّلَاةُ عَلَى الْمَيِّتِ لِإِظْهَارِ كَرَامَتِهِ، وَالشَّهِيدُ أَوْلَى بِهَا، وَالظَّاهِرُ عَنِ الذُّنُوبِ لَا يَسْتَغْنِي عَنِ الدُّعَاءِ كَالنَّبِيِّ وَالصَّبِيِّ.

ترجمہ:

شہید وہ شخص ہے جس کو مشرکین نے قتل کیا یا مسرکہ سے ملا اس حال میں کہ اس پر اثر پایا جاتا ہے۔ یا اس کو مسلمانوں نے ظلم کے طور پر قتل کر دیا ہو۔ اور اس کے قتل پر دیت واجب نہ ہوئی ہو۔ تو اس کو کفن دیا جائے اور اس کی نماز پڑھی جائے گی۔ اور اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس طرح قتل ہونے والا شخص شہداء واحد کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے شہداء واحد کے بارے میں فرمایا ان کو غسل نہ دو بلکہ ان کو ان کے زخموں اور خونوں کے ساتھ لیٹ دو۔ لہذا ہر وہ شخص جو ظلم سے وجہ کے آگے ساتھ قتل کیا گیا اور بالغ ہو اور اس قتل کی وجہ سے مالی عوض بھی واجب نہ ہوا ہو تو وہ بھی شہداء واحد کے حکم میں ہے۔ لہذا اس کو انہی کے حکم میں لایق کر دیا جائے گا۔

اور اثر سے مراد زخم ہے جس کی دلالت قتل پر ہے۔ اور اسی طرح غیر متاد جگہ سے خون کا خارج ہونا جس طرح آنکھ اور اس کی شکل چیزیں ہیں۔

اہم شافعی علیہ الرحمہ نے نماز میں ہنم سے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ گوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔ ہذا اس نے شفاعت سے بے پرواہ کر دیا ہے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ میت پر نماز پڑھنا اس کی عکالت کا اظہار ہے۔ اور شہید تو اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ اور گناہوں سے پاک ہونے والا بھی دعا سے مستغنی نہیں ہوتا جیسے نبی (علیہ السلام) اور جس طرح کوئی بچہ ہے۔

شرح:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہداء سے اسلحہ اور زائد لباس اتارنے کا حکم دیا اور خون اور کپڑوں سمیت دفن کرنے کا حکم دیا۔ (ابن ماجہ)

شہید کا معنی و مفہوم:

شہید کا لغوی معنی ہے گواہ، کسی کام کا مشاہدہ کرنے والا۔ اور شریعت میں اس کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کرتے ہوئے اپنی جان قربان کرنے والا، میدان جہاد میں لڑتے ہوئے یا جہاد کی راہ میں گامزن یا دین کی دعوت و تبلیغ میں، اور جس موت کو شہادت کی موت قرار دیا گیا ہے ان میں سے کوئی موت پانے والا ہے۔

الحرب والی بیات یا دیکھتی میں قتل ہونے والے کا حکم:

(وَمَنْ قُتِلَ أَهْلُ الْحَرْبِ أَوْ أَهْلُ الْبَيْتِ أَوْ لِقَاعُ الطَّرِيقِ فَبِأَيِّ حَقٍّ قُتِلُوا لَمْ يُغْسَلْ) (لأنَّ شُهَدَاءَ أُحُدٍ مَا كَانَ كُلُّهُمْ قَبِيلَ السَّيْفِ وَالسَّلَاحِ -

(وَإِذَا اسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِّلَ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ) وَقَالَ: لَا يُغْسَلُ، لِأَنَّ مَا وَجَبَ بِالْجَنَابَةِ مَقْطُوعٌ بِالْمَوْتِ وَالنَّائِي لَمْ يَجِبْ لِلشَّهَادَةِ. وَلَئِنْ حَبِيبَةَ أَنَّ الشَّهَادَةَ عَرَفَتْ مَبَازِعَ غَيْرَ رِغْبَةٍ فَلَا تَرْفَعُ الْجَنَابَةَ. وَلَقَدْ صَحَّ أَنَّ عَنَظْمَةَ لَمَّا اسْتُشْهِدَ جُنُبًا غَسَلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْخَالِصُ وَالْقَسَاءُ إِذَا طَهَّرْنَا وَكُنَّا قَبْلَ الْإِنْقِطَاعِ فِي الصُّبْحِ مِنَ الرُّوَايَةِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الصَّبِيُّ لَهْمَا أَنَّ الصَّبِيَّ أَحَقُّ بِهَذِهِ الْكِرَامَةِ. وَلَهُ أَنَّ السَّيْفَ كَفَى عَنْ الْقَتْلِ فِي حَقِّ شُهَدَائِهِ أُحُدٍ وَصَفٍ كَوْنُهُ طَهْرَةً، وَلَا ذَنْبَ عَلَى الصَّبِيِّ لَقَدْ يَكُنْ فِي مَعْنَاهُمْ -

ترجمہ:

اور جس شخص کو اہل حرب، اہل بیات یا ذاکوں نے خواہ کسی بھی چیز سے قتل کیا ہو تو اسے بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ

شہداء احد سارے کے سارے تلوار واسلحہ سے قتل ہونے والے نہ تھے۔

اور اگر کوئی شخص حالت جنابت میں شہید ہوا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو غسل جنابت کی وجہ واجب ہوا ہے وہ موت کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور دوسرا غسل شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہوا۔ جبکہ امام اعظم کی دلیل یہ ہے۔ کہ شہادت غسل میت کے وجہ کو مانع ہے۔ غسل واجب سے حکم کو ختم کرنے والی نہیں ہے۔ لہذا وہ جنابت کو دور نہیں کر سکتی۔ اور صحیح روایت کے مطابق حضرت حظلہ رضی اللہ عنہ جب حالت جنابت میں شہید ہوتے تھے تو فرشتوں نے ان کو غسل دیا تھا۔ اسی بنیاد پر حائض و نفاس والی کا اختلاف ہے۔ جبکہ وہ پاک ہو جائیں۔ اور اسی طرح انقطاع سے پہلے کا حکم ہے۔ یہی روایت صحیح ہے۔ اور اسی اختلاف پر بچہ ہے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ بچہ تو اس کرامت کا زیادہ حقدار ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک شہداء احد کے حق میں غسل سے روکنے والی تلوار کافی ہے۔ کیونکہ تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔ جبکہ بچے پر تو کوئی گناہ ہی نہیں۔ لہذا وہ شہداء احد کے حکم میں نہ ہوا۔

حضرت حظلہ کی شہادت سے جنابی شہید کے غسل کا استدلال:

ابو عامر راہب کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا مگر اس کے بیٹے حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جم اسلام کے نیچے جہاد کر رہے تھے۔ حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اپنی تلوار سے اپنے باپ ابو عامر راہب کا سر کاٹ کر لاؤں مگر حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بیٹے کی تلوار باپ کا سر کاٹے حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر انتہائی جان بازی کے ساتھ لڑتے ہوئے قلب لشکر تک پہنچ گئے اور کفار کے سپہ سالار ابو سفیان پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ابو سفیان کا فیصلہ کر دے کہ اچانک پیچھے سے شہاد بن الاسود نے جھپٹ کر وار کر دیا اور حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے حظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ جب ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ جنگ احد کی رات میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ سوئے تھے۔ غسل کی حاجت تھی مگر دعوت جنگ کی آوازاں کے کان میں پڑی تو وہ اسی حالت میں شریک جنگ ہو گئے۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے جو فرشتوں نے اس کو غسل دیا اسی واقعہ کی بنا پر حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل الملائکہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (مدارج ج 2 ص 123)

لفظ غسل کے معنی ہیں "نبھلایا گیا" یہ حضرت حظلہ کی صفت ہے، حضرت حظلہ کو غسل اس لیے کہا جاتا ہے کہ انتقال



کے بعد انہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عروہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حظلہ کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ ان کا کیا حال تھا؟ (یعنی جب وہ گھر سے نکلے تو کیا کام کر رہے تھے) انہوں نے جواب دیا کہ وہ حالتِ ناپاکی میں تھے اور (نہانے کے وقت) اپنے سر کا ایک ہی حصہ دھوپا پئے تھے کہ اتنے میں انہوں نے صداسنی (کہ جہاد کے لیے بلایا جا رہا ہے، چنانچہ وہ اسی حالت میں گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے اور (غزوہ احد میں) جامِ شہادت نوش فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں نے دیکھا کہ فرشتے انہیں نہلا رہے تھے۔“

حضرت حظلہ رضی اللہ عنہ کے غسل سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ شہید جب حالتِ جنابت میں شہید ہوا تو اسے غسل دیا جائے گا۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس حالت میں بھی شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے جنابت کی وجہ سے واجب ہوئے غسل کو موت نے ساقط کر دیا ہے۔

شہید کے غسل وغون کا حکم:

(وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيدِ دُمُهُ، وَلَا يُزَوَّجُ عَنْهُ جَنَابُهُ، وَلَا دَوْنُهُ، وَتُغَسَّغُ عَنْهُ الْقُرُوءُ وَالْحَقَنُ وَالْقُلْسُوءَةُ وَالسَّلَاحُ وَالْعُفْثُ) لِأَنَّهَا كَسَتْ مِنْ جَنَسِ الْكُفَنِ (وَيُزِيلُونَ وَيَقْضُونَ مَا هَاءُ وَ) اِنْمَا لِلْكُفَنِ

ترجمہ:

اور شہید کے خون کو نہ دھویا جائے اور اس سے کپڑوں کو اتارا جائے۔ اس کی دلیل وہی روایت ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور شہید سے روٹی، پوشین، ہتھیرا اور موزوں کا دور کر دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ اشیاء کفن کی جنس سے ہی نہیں ہیں۔ البتہ کفن سنت کو پورا کرنے کیلئے جس قدر چاہیں بڑھائیں یا کم کریں۔

شرع: ایران کی شان ہوگی کہ وہ قیامت کے دن اسی حالت میں اٹھائے جائیں گے۔

ارتناث کی تعریف و احکام کا بیان:

قَالَ (وَمَنْ أُرْتُغِ غُسْلٌ) وَهُوَ مَنْ صَارَ عَقْلًا فِي حُكْمِ الشَّهَادَةِ لِكُلِّ مَرَاتِلِي الْحَيَاةِ لِأَنَّ بِلَيْكٍ يَحِفُّ أَمْرُ الْعَلَامِ فَلَمْ يَحْنُ فِي مَتْنِ شَهَادَةِ أُخِيْدَ (وَلَا زَيْفَاتٌ) أَنَّ مَا كَلَّ أَوْ فُشِرَتْ أَوْ بَنَامَ أَوْ يُدَاوَى أَوْ يُنْقَلُ مِنَ الْمَعْرُكَةِ حَيًّا) لِأَنَّهُ نَالَ بَعْضَ مَرَاتِلِي الْحَيَاةِ.

وَشَهَادَةُ أُخِيْدَ مَا تَرَا عَطَافِي وَالْكَاسُ فُلْمَ يَقْبَلُوا عَوَاقِبَ مِنْ نَقْصَانِ الشَّهَادَةِ، إِلَّا إِذَا حُمِلَ مِنْ مَضْرَبِهِ كَمَا لَا تَكْفَاةَ الْغُيُورُ، لِأَنَّهُ مَا نَالَ حَيَاتًا مِنَ الرَّحْمَةِ، وَلَوْ آوَاهُ لِنَسْطَا أَوْ عَمَتَا كَانَ مَرْتَبًا لِمَا بَيْنَا (وَلَوْ بَقِيَ عَنَّا حَتَّى مَضَى وَفَتْ صَلَاةً وَهُوَ يُقْبَلُ فَهُوَ مُرْتَبٌ) لِأَنَّ بِلَيْكَ الصَّلَاةَ صَارَتْ

ذُنَّابِیْ ذِیْمِیْہِ وَهُوَ مِنْ اَحْکَامِ الْاِخْتِاَعِ۔

كَالَ : وَهَذَا مَرْوُیٌّ عَنْ اَبِیْ یُوسُفَ ، وَلَوْ اَوْصَى یَسُیْعُ مِنْ اُمُورِ الْاٰخِرَةِ كَانَ اَرْثًا لَّا عِنْدَ اَبِیْ یُوسُفَ لِاَنَّهُ اَرْثُفَاقٌ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا یُكْرَهُ لِاَنَّهُ مِنْ اَحْکَامِ الْاُمُوَاتِ ۔

ترجمہ:

فرمایا: اور جس شخص نے ارث کو پایا تو اسے غسل دیا جائے گا۔ اور مرحمت وہ شخص ہے جو زندگی کے فوائد حاصل کرنے کی وجہ سے حکم شہادت میں پراپنا ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر ظلم کا اثر بھی تو ہلکا ہوا ہے۔ لہذا وہ شہداء احد کے حکم میں نہ ہوگا ارث اسے کہتے ہیں۔ جو کھائے، پئے، سوئے، اس کی دوا کی جائے یا اسے محرک سے منتقل کر لیا جائے۔ کیونکہ اس نے زندگی کے کچھ فوائد حاصل کر لئے ہیں۔

جبکہ شہداء احد تو یہ اس ہی میں دم توڑ گئے حالانکہ یہ الہ نہیں پیش کیا مگر انہوں نے نقصان شہادت کی وجہ سے اس کو قبول نہ کیا۔ مگر ان کو قتل کا وہ اس وجہ سے اٹھایا گیا تھا تا کہ گھوڑے نہ روئے ڈالیں۔ لہذا اس نے سکون سے کچھ حاصل نہ کیا اور اگر اسے کسی بڑے یا چھوٹے خیمے میں جگہ ملی تو اس نے ارث پالیا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر وہ وقت نماز تک زندہ اس طرح رہا کہ وہ کچھ بوجھ رکھتا ہے جب بھی وہ ارث پانے والا ہے ہوگا کیونکہ یہ نماز اس کے ذمہ میں قرض ہوگئی۔ اور زبہدوں کے احکام میں بھی یہی ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا: یہ روایت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے کی بیان کی گئی ہے۔ اور اگر آخر دی معاملات میں سے کسی چیز وصیت کی جب بھی وہ ارث پانے والا ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی راحت ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ ارث نہیں۔ اس لئے بیعت ہونے والے لوگوں کے احکام میں سے ہے۔

شرح:

ہدایہ کی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن محمود الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ وَتَوَلَّیْہِ (وَمَنْ اَرْثَیْ) هُوَ مِنْ قَوْلِکَ ثَبُوتٌ وَتِلْکَ اُمُّیْ خَبْرٌ وَتِلْکَ اُمُّیْ طَافِرٌ وَتَوَلَّیْہِ (وَلَوْ اَوْصَى یَسُیْعُ مِنْ اُمُورِ الْاٰخِرَةِ) اِنْ سَاقَیْہِ اُمُورِ الْاٰخِرَةِ لِاَنَّهُ اِذَا اَوْصَى یَسُیْعُ مِنْ اُمُورِ الدُّنْیَا یُعْصَلُ بِالْاِثْقَاقِ ۔

مدد قضا میں ملنے والے کا بیان:

(وَمَنْ قَبِلَ لِیْ عَدَاوَةٍ صَاحِبِ غُصْلٍ وَصَلَّى عَلَیْہِ) لِاَنَّهُ بِاِذْنِ نَفْسَہِ لِابْقَاعِ حَقِّ مُسْتَحَقِّ عَلَیْہِ ، وَشَہْدَاءُ اَحَدٍ یَذَلُّوْا اَنْفُسَہُمْ لِانْصَاعِ مَرْضَیَّۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَلَا یَلْزَمُہُمْ ۔

(وَمَنْ قَبِلَ مِنَ الْبَغَاۃِ اَوْ قَطَعَ الطَّرِیْقَ لَمْ یُصَلَّ عَلَیْہِ) لِاَنَّ عَلَیْہِ رِضَیَ اللّٰہِ عَنْہُ لَمْ یُصَلَّ عَلَیْ الْبَغَاۃِ ۔

ترجمہ:

اور جس شخص کو حد یا قصاص میں قتل کیا گیا اسے غسل بھی دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنی جان کو ایسے حق کی خاطر پیش کیا جو اس پر واجب تھا۔ اور شہداء واحد نے اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ رضہ کیلئے پیش کیا ہے لہذا ان کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

اور اہل بغات، ڈاکوؤں میں سے جو شخص قتل کیا گیا اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

**قصاص کا فقہی مہموم:**

اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو آ زاد غلام کے بدلے غلام عورت کے بدلے عورت اس بارے میں حد سے نہ بڑھو جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور اللہ کا حکم بدل دیا، اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نصری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک سو دو حق مجبوریت میں لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی نصری کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کر دیا تھا اور اگر دیت لی جائے تو دو دینی دینت یعنی دو سو حق مجبور لی جاتی تھی پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹایا اور عدل و مساوات کا حکم دیا، ابو حاتم کی روایت میں شان نزول یوں بیان ہوا ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال و قتال ہوا تھا اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی عٹائی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آواز قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے قرآن فرماتا ہے آیت (انفس بانفس) پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آ زاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے جس پر (انفس بانفس والعین بالعین) نازل ہوئی پس آ زاد لوگ سب برابر ہیں جان کے بدلے جان لی جائے گی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جب کہ ایک آ زاد انسان نے ایک آ زاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائے گا اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہو گا اور جو کوئی جان لینے کے قصد سے دوسرے کو قتل کرے گا وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخمیوں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس آیت کو آیت (انفس بانفس) سے منسوخ بتلاتے ہیں۔

ائمہ فقہ کے نزدیک غلام کے قصاص کا مسئلہ:

امام ابو حنیفہ امام ثوری امام ابن ابی لیلیٰ اور داؤد کا مذہب ہے کہ آ زاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی

قتل کیا جائے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت سعید بن جبیر حضرت ابراہیم نخعی حضرت قتادہ اور حضرت حکم کا بھی یہی مذہب ہے، حضرت امام بخاری، علی بن مدینی، ابراہیم نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوری کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو کھلا کرے ہم بھی اس کی ناک کاٹ دیں گے اور جو اسے خسی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے، لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں آزاوغلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم نہیں۔ آیا مسلمان کا فر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ حدیث (لا یقتل مسلم بکافر) مسلمان کا فر کے بدلے قتل نہ کیا جائے، اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے کہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو، لیکن تاہم صرف امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کا فر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

متعدد قاتلوں سے قصاص لینے میں فقہی مذاہب کا بیان:

چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کسی ایک نے ل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر مٹا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے اس فرمان کے خلاف آپ کے زمانہ میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اعتراض نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمد سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کیے جائیں۔ حضرت معاذ حضرت ابن زبیر عبد الملک بن مروان زہری ابن سیرین حبیب بن ابی ثابت سے بھی یہ قول مروی ہے، ابن المنذر فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہ رضی اللہ عنہم اختلاف ہوا تو اب مسئلہ فور طلب ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے، اگر وہ دیت پر رضی ہو گیا ہے تو قاتل کو مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کر دے، میل و محبت نہ کرے۔

امام مالک کا مذہب جمہور مذہب اور امام ابو حنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی اور امام احمد کا ایک روایت کی رو سے یہ

مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیتے پر راضی ہوتا اس وقت جائز ہے جب خود قتل بھی اس پر آمادہ ہوا لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

**بغاوت کی لغوی تعریف:**

بغاوت انہی سے مشتق ہے اور اپنی لغوی طور پر کبھی طلب کے لئے آتا ہے اور کبھی تعدی (ظلم و زیادتی) کے لئے۔ اصطلاح فقہاء میں بغاوت سے مراد ایسی حکومت کے احکام کو نہ ماننا اور اس کے خلاف مسلح خروج کرنا ہے جس کا حق عکرائی قانون کے مطابق قائم ہوا ہو۔

علامہ ابن فارس لکھتے ہیں۔

بَغَى: الْبَغَاءُ وَالْفُتُورُ وَالْبَاءُ، أَصْلَانِ: أَحَدُهُمَا طَلَبُ الشَّيْءِ، وَالثَّانِي: جَنْسٌ مِنَ الْفَسَادِ... وَالْأَصْلُ الثَّانِي: يَقُولُهُمْ بَغَى الْمَرْحُومَ، إِذَا تَرَامَى إِلَى فِسَادٍ... ثُمَّ يَشْتَقُّ مِنْ هَذَا مَا يَعْدَهُ، فَلْيَبْغَى الْفَاجِرَةَ... وَمِنْهُ أَنْ يَبْغَى الْإِنْسَانُ عَلَى الْآخَرِ... وَإِذَا تَحَاكَمَ ذَا بَغْيٍ فَلَا بُدَّ أَنْ يَفْعَلَ مِنْهُ فِسَادٌ... وَالْبَغْيُ: الظُّلْمُ... ابن فارس، معجم مقاییس اللغة (مادة بغى) 144: (ابن منظور لسان العرب) (مادة بغى) 75، 78، 14

بغی کا مادہ ب، غ اور ی ہے اور اس کی اصل دو چیزیں ہیں۔ پہلا معنی کسی چیز کا طلب کرنا ہے جبکہ دوسرے معنی کے مطابق یہ فساد کی ایک قسم ہے۔ دوسرے معنی کی مثال دیتے ہوئے اہل زبان کا کہنا ہے: بغی الجرح، ورم فساد کی حد تک بڑھ گیا یعنی بہت زیادہ خراب ہو گیا۔ اسی سے اس نوعیت کے دیگر الفاظ مشتق ہوتے ہیں مثلاً بغی بری عورت کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ شرم و حیا کی حدیں پھیلا گئی کہ بدکاری کی مرتکب ہوتی ہے۔ اور اسی مادے سے بغی کا معنی ایک انسان کی طرف سے دوسرے پر ظلم و زیادتی ہے۔ جب بغاوت کسی شخص کی عادت بن جائے تو اس سے فساد خود بخود جنم لیتا ہے: اور (اسی لیے) بغی ظلم کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

علامہ ابن قیم حنفی (970ھ) بغاوت کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

البغاة جمع باغ، من بغى على الناس ظلم واعتدى، وبغى سعى بالفساد، ومنه الفرقة الباغية لأنها عدلت عن القصد.... وفرة باغية خارجة عن طاعة الإمام العادل. (ابن نجيم، البحر الرائق، 150: 5)

ابغاة باغی کی جمع ہے۔ بغی علی الناس کا معنی ہے: اس نے لوگوں پر ظلم اور زیادتی کی ہے۔ بغی کا معنی یہ بھی ہے کہ اس نے فساد پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ اور اسی سے فرقہ باغیہ ہے اس لئے کہ وہ راہ راست سے ہٹ گیا ہے۔۔۔ اور فرقہ باغیہ کا معنی مسلم ریاست (2) کی اتھارٹی تسلیم نہ کرنے والا گروہ ہے۔

صاحب ہدایہ میں بیان کردہ مسئلہ کے بارے میں ہم بتاتے چلیں کہ ایسے شخص کو جسے قصاص یا حد میں قتل کیا گیا ہو اسے

غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ اس کے ساتھ کسی قسم کا منفرد سلوک نہ کیا جائے بلکہ دیگر جنازہ کی طرح اس کے احکام و حقوق ہیں۔

## بَابُ الْكَعْبَةِ فِي صَلَاةِ الْكَافِرِ

﴿یہ باب کعبہ میں نماز پڑھنے کے بیان میں ہے﴾

باب کعبہ میں نماز پڑھنے کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب کعبہ میں نماز پڑھنے کے احکام کے بارے میں ہے۔ اور کعبہ مسجد حرام کا نام ہے۔ اور اس میں نماز پڑھنا تمام نمازوں کے طریقہ سے مختلف ہے۔ کیونکہ ہر طرح کی نماز جہات اربعہ میں سے کسی جانب ضرور ہوتی ہے۔ جبکہ کعبہ میں نماز پڑھنا اس سے اس لئے مختلف ہے کہ اس میں جس طرف چاہے توجہ کرتے ہوئے نماز پڑھ سکتا ہے۔ لہذا اسی وجہ سے اس کی جس کے اختلاف کی وجہ سے تمام نمازوں سے اس کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نماز قلیل ہے۔ اور جنازہ کے بعد اس کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نص سے ثابت ہے کہ کعبہ میں جو داخل ہوا اس کیلئے امن کی ضمانت ہے اور اسی طرح قبر میت کیلئے ضامن ہے۔

(البنائے شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۵۶۳، حنفیہ لبنان)

کعبہ میں فرض و نفل نماز کے جواز کا بیان:

(جَدَّارَةُ قَرَضَها وَنَفَلُها) حِكْمًا لِلشَّافِعِيِّ فِيْهَا. وَلَمَّا لِكِ فِي الْقُرْآنِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى فِي حَزْوِ السَّعْيَةِ يَوْمَ الْفَتْحِ، وَلَئِنْهَا صَلَاةٌ أَسْجَعَتْ قَرَأَ عَلَيْهَا لَوْ جُودَ اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ لِأَنَّ اسْتِقْبَالَهَا لَيْسَ بِفَرْطٍ.

ترجمہ:

کعبہ میں فرض و نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا ان دونوں میں اختلاف ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ کا فرض نماز میں اختلاف ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔ اور یہ ایسی نماز تھی جس میں تمام شرائط جمع ہوئیں۔ اس لئے کہ استقبال قبلہ پایا کیونکہ سارے قبلہ استعجاب شرط نہیں ہے۔

کعبہ میں فرض و نفل پڑھنے میں امام شافعی کے اختلاف میں اس کا بیان:

علامہ ابن ہمام حنفی اور علامہ ابن محمود الباہر قلی علیہما الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ قول ”حِكْمًا لِلشَّافِعِيِّ فِيْهَا“ سہو ہے۔ کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کعبہ میں نماز کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ”(أَنْ طَهَّرَا بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْمُكَافِرِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ)“ کہہ دیا ہے کہ اس میں کاتب کا سہو ہے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک کعبہ میں نماز جائز ہے۔ اور فقہاء شوافع ہیں کہ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ اس میں کاتب کا سہو ہے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک کعبہ میں نماز جائز ہے۔ اور فقہاء شوافع

میں سے کثیر فقہاء نے اس جواز کو اپنی کتب میں لکھا ہے۔ جبکہ اس مسئلے کا اختلاف ہمارے فقہاء میں سے کسی نے بھی اپنی کتاب میں نہیں لکھا۔ (فتح القدیر، ج ۳، ص ۳۵۵، تالیف شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۲۸، بیروت) علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اس لفظ ”خَلَّافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيهِمَا“ میں کاتب کا سوہ ہے۔ کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک کعبہ میں فرض و نفل پڑھنا جائز ہے۔ اور فقہ شافعی کی کتابوں ”وجیز، خلاصہ، الہادی اور ذخیرہ وغیرہ میں اسی طرح لکھا ہے۔ اور ہمارے علماء نے اس کی تردید نہیں کی۔ (البنائے شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۵۶۳، حنفیہ بلقان) فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ کا کعبہ میں نماز پڑھنے کا بیان:

امام بخاری و مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے روز) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ ابن زید، عثمان ابن طلحہ جی اور بلال ابن رباح رضی اللہ عنہم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور حضرت بلال یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اندر سے دروازہ بند کر لیا (تا کہ لوگ جہوم نہ کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر تک اندر (دعا وغیرہ میں مشغول رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب کہ وہ یا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خانہ کعبہ سے باہر آئے تو پوچھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (خانہ کعبہ کے اندر) کیا کر رہے تھے؟ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ایک ستون آپ کے ہائیں طرف تھا، دوداہنی طرف تھے تین پیچے تھے ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ ستون تھے (اور اب تین ستون ہیں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی مگر اس سے پہلے اس مضمون کی حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ جو حدیث گزری ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی تھی۔ لہذا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اسی طرح ہوگی کہ یہ کیا جائے گا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ یہ حضرات خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا مانگتے ہوئے دیکھ کر حضرت اسامہ بھی کسی دوسرے کونہ میں جا کر دعا میں مشغول ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کونہ میں کھڑے تھے وہاں سے حضرت اسامہ تو دور تھے مگر حضرت بلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی تھے اس لیے حضرت بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور چونکہ حضرت اسامہ اول تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قاصد پر تھے دوسرے وہ خود بھی نماز میں مشغول تھے، پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز بھی جلد ہی پڑھ لی تھی۔ اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔



پھر اس کے علاوہ یہ بھی منقول ہے کہ بیت اللہ کی دیواروں سے تصویریں مٹانے کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو پانی لانے کے لیے باہر بھیج دیا تھا اس لیے ہو سکتا ہے کہ جس وقت وہ باہر گئے ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمرے میں نماز پڑھ لی ہو۔ بہر حال حضرت اسامہ اور حضرت بلال دونوں نے اپنے علم و مشاہدہ کے مطابق خبر دی ہے اور بہر صورت ان کی گزارش کو ثابت کرنا ہی عمار ہے اس کی نفی نہیں۔

حضرت سیدنا ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو عثمان بن طلحہؓ کو بلایا، انھوں نے (کعبہ کا) دروازہ کھول دیا، پھر نبی ﷺ اور بلال اور اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہؓ گھر گئے، اس کے بعد دروازہ بند کر لیا گیا، پھر آپ ﷺ اس میں ٹھوڑی دیر رہے، اس کے بعد سب لوگ نکلے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں کعبہ کی طرف جلدی سے بھاگا اور بلالؓ سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔ میں نے کہا کس مقام میں؟ انھوں نے کہا دونوں ستونوں کے درمیان۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں مجھ سے یہ بات رہ گئی کہ ان سے پوچھتا کہ آپ ﷺ نے کس قدر نماز پڑھی۔ (بخاری، رقم، ۲۹۶)

کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کا بیان:

البتہ اس بارے میں علماء کا یہاں اختلاف ہے کہ خانہ کعبہ میں رات و دن کے کسی بھی حصہ میں خواہ اوقات مکروہہ کیوں نہ ہوں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس حدیث کی بناء پر خانہ کعبہ میں ہر وقت کوئی بھی نماز خواہ وہ طواف کی دو رکعتیں ہوں یا دوسری نماز ہو پڑھی جاسکتی ہے۔

حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں صرف طواف کی دو رکعتیں کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر اوقات مکروہہ میں کوئی بھی نماز جائز نہیں ہے اوقات کی حرمت اور کراہت کے سلسلے میں مکہ کا حکم بھی دیگر شہروں کی طرح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقات کی حرمت و کراہت کا حکم اور ان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب عام ہیں ان میں کسی جگہ اور کسی شہر کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ فلاں جگہ تو ان اوقات میں نماز پڑھنی جائز ہے اور فلاں جگہ ناجائز ہے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں جس وقت چاہے نماز پڑھی جاسکتی البتہ اوقات مکروہہ میں وہاں بھی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اس تاویل سے تمام احادیث میں موافقت اور مطابقت بھی ہو جاتی ہے جو ایک ضروری چیز ہے۔

کعبہ میں نماز پڑھنے سے متعلق فقہی اختلاف کا بیان:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن جب وہ کعبہ کی کسی دیواری طرف چہرہ کر کے نماز پڑھے۔ لہذا سیدنا امام اعظم، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ

کعبہ کے اندر نماز پڑھنا صحیح ہے۔ چاہے وہ فرض نماز ہو یا وہ نفل نماز ہو۔ جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک کعبہ میں صرف نفل نماز صحیح ہے۔ جبکہ فرض واجب اور فحری کتبیں پڑھنا صحیح نہیں۔ اور اسی طرح طواف کی دو رکعتیں بھی صحیح نہیں۔

بعض غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ کعبہ میں کوئی فرض و نفل صحیح نہیں۔ جبکہ جمہور کے نزدیک حضرت جلال رضی اللہ عنہ والی روایت دلیل ہے کہ جب اس میں نفل پڑھنا صحیح ہے تو فرض پڑھنا بھی صحیح ہوگا۔ کیونکہ حالت سواری میں فرض و نفل کے جائز ہونے یا نہ ہونے میں فرق ہے۔ لیکن جب نماز زمین پر پڑھی جائے تو اس کے فرض و نفل میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ (شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۳۹، ہندی کتب خانہ کراچی)

کعبہ میں باجماعت نماز پڑھنے کا بیان:

( فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فِيهَا فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ كَهْزَةً إِلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ جَاوِزٌ لِأَنَّهُ مُتَوَجِّهٌ إِلَى الْقِبْلَةِ ، وَلَا يَتَعَقَّدُ إِمَامَةً عَلَى الْخَطَا بِخِلَافِ مِثَالَةِ النَّحْرِيِّ ( وَمَنْ جَعَلَ بَيْنَهُمْ كَهْزَةً إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ لَمْ تَجْزُ صَلَاتُهُ ) لِتَقْلِيهِ عَلَى إِمَامِهِ .

ترجمہ:

اگر امام نے کعبہ میں جماعت کرائی اور بعض مقتدیوں نے اپنے امام کی پشت کی طرف پشت کی تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ مقتدی جامب قبلہ متوجہ ہیں۔ اور وہ اپنے امام کی غلطی پر بھی جانے والا نہیں۔ جبکہ تحری میں ایسا نہیں۔ اور اقتداء کرنے والوں میں سے اگر کسی مقتدی نے امام کے چہرے کی طرف پشت کی تو اس کی نماز جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ امام سے آگے بڑھ گیا۔

شرح:

علامہ ابن محمود الباہرقی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وَقَوْلُهُ ( فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فِيهَا ) الصَّلَاةُ بِالْجَمَاعَةِ فِي حَوْفِ الْكَعْبَةِ لَا يَحِلُّ عَنْ وَجْهِ أَرْبَعَةٍ : إِمَّا أَنْ يَكُونُوا وَجْهَهُ إِلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ ، أَوْ إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ .  
وَالْأَوَّلُ وَالثَّالِثُ خَائِزٌ بِأَلَا تَكْرَاهِيَهُ ، وَالثَّانِي بِكَرَاهِيَةِ الرَّابِعِ لَا يَحُوزُ . وَأَمَّا جَوَازُ الْأَوَّلِ فَطَاهِرٌ . وَأَمَّا جَوَازُ الثَّانِي فَلَوْ جُودَ الْمُتَابِعَةُ وَانْقِصَاءُ الْمَتَابِعِ وَهُوَ التَّقَدُّمُ عَلَى الْإِمَامِ . وَأَمَّا كَرَاهِيَتُهُ فَلَيْسَ بِهِ بِعَابِدِ الصُّورَةِ بِالْمُقَابَلَةِ فَيَنْبَغِي أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْإِمَامِ سُرَّةَ تَحَرُّزٍ عَنْ ذَلِكَ . وَأَمَّا جَوَازُ الثَّالِثِ فَلَمَّا ذَكَرَهُ فِي الْكِتَابِ أَنَّهُ مُتَوَجِّهٌ إِلَى الْقِبْلَةِ وَلَا يَتَعَقَّدُ إِمَامَةً عَلَى الْخَطَا .

فَيَسَّرَ وَهَذَا لَيْسَ بِكَافٍ لِأَنَّ مَنْ جَعَلَ ظَهْرَهُ إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ وَهُوَ الْوُجْهَةُ الرَّابِعَةُ مُتَوَجِّهٌ إِلَى الْقِبْلَةِ وَلَا يَتَعَقَّدُ إِمَامَةً عَلَى الْخَطَا وَمَعَ ذَلِكَ لَا تَحُوزُ صَلَاتُهُ ، وَكَانَ الْوَاجِبُ أَنْ يَقُولَ وَهُوَ غَيْرُ مُتَقَدِّمٍ عَلَيْهِ .

وَالْحَوَاتِ أَنَّهُ لَمَّا عَلَّلَ عَدَمَ الْحَوَازِ فِي الْوُجْهِ الرَّابِعِ بِالتَّقَدُّمِ عَلَى الْإِمَامِ دَلَّ عَلَى أَنَّهُ مَانِعٌ فَانْقَضَرَ عَلَى ذِكْرِهِ  
مِنَ الْأَوَّلِ اعْتِمَادًا عَلَى أَنَّهُ يُفْهَمُ مِنَ الثَّانِي .

وَقَوْلُهُ ( بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ النَّحْوِيِّ ) يَعْنِي إِذَا صَلَّوْا فِي لَيْلَةٍ مُطْلَمَةٍ فَحَمَلَ بَعْضُهُمْ ظَهْرَهُ عَلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ وَهُوَ  
يُحْسِنُ ، فَإِنَّهُ لَا نَحْوَرُ صَلَاتُهُ لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ إِسْمَاعِيلَ عَلَى الْخَطِّ ، وَقَدْ مَرَّ فِي بَابِ شُرُوطِ الصَّلَاةِ ، وَقَدْ ظَهَرَ وَجْهُ  
عَدَمِ خَوَارِ الْوُجْهِ الرَّابِعِ مِنْ هَذَا . وَكَمَا إِذَا كَانَ عَلَى بَعْضِ الْإِمَامِ أَوْ يُسَارِهِ فَهُوَ أَيْضًا جَائِزٌ . وَهُوَ ظَاهِرٌ .

مصنف کا قول کہ اگر امام نے کعبہ میں جماعت کرائی تو اس کا کعبہ کے اندر جماعت کرنا چار وجوہات سے خالی نہیں ہے۔  
(۱) مقتدی کا چہرہ امام کی پشت کی جانب ہوگا۔ (۲) مقتدی کا چہرہ امام کے چہرے کی طرف ہوگا۔ (۳) مقتدی کی پیٹھ امام کی  
پشت کی جانب ہوگی (۴) مقتدی کی پیٹھ امام کے چہرے کی طرف ہوگی۔

پہلی صورت اور تیسری صورت بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ جبکہ دوسری صورت کراہت کے ساتھ جائز ہے اور چوتھی  
صورت جائز نہیں۔ پہلی صورت کے جواز کی دلیل ظاہر ہے جبکہ دوسری صورت کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ امام کے متابعت پائی  
جاری ہے۔ اور افتقائے ممانعت بھی پائی جاری ہے۔ اور وہ امام کا مقدم ہونا ہے۔ اور کراہت کی دلیل یہ ہے کہ تصویب کی  
عبادت کا اشتباہ پایا جا رہا ہے۔ لہذا وہ اپنے اور اس کے درمیان سترہ قائم کرے تاکہ اس اشتباہ سے بچا جائے۔

اور تیسری صورت کے جواز کی دلیل وہی ہے جو کتاب (ہدایہ) میں مذکور ہو چکی ہے۔ کہ اس کا قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ہے  
اگرچہ اسے امام کی غلطی کا علم نہ ہو۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دلیل کافی نہیں ہے کیونکہ اس کی پیٹھ امام کے چہرے کی طرف ہے۔ اور چوتھی وجہ صورت میں  
اگرچہ اس کا متوجہ الی القبلہ اور امام کی غلطی کا علم نہ ہونا پایا جا رہا ہے لیکن عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ وہ امام سے تقدیم کرنے والا  
نہ ہو۔

اور چوتھی صورت میں جو عدم جواز کی علت بیان کی گئی ہے وہ امام سے مقدم ہونا ہے۔ اور یہی دلیل ممانعت ہے۔ اور اسی  
سے پہلی پر اعتقاد کیا جائے گا کیونکہ اسی سے دوسری صورت بھی جائز ہوگی۔

اور مصنف کا قول ”بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ النَّحْوِيِّ“ یعنی جب انہوں نے اندھیری رات میں نماز پڑھی۔ اور ان میں سے بعض  
نے اپنی پشت امام کی طرف کی۔ اور وہ جانتا ہے کہ امام غلطی پر ہے تو اس کی نماز جائز نہیں اور یہ شرائط کے باب میں گذر چکا  
ہے۔ اور چوتھی صورت کے عدم جواز پر یہی دلیل ظاہر ہو چکی ہے۔ اور اگر وہ امام کے دائیں یا بائیں جانب ہوا تو جائز ہے اور  
اسکی دلیل ظاہر ہے۔

جب امام مسجد حرام میں لوگوں کو نماز پڑھائے:

(وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَتَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ وَصَلُّوا بِصَلَاةِ الْإِمَامِ ، فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ أَقْرَبَ إِلَى الْكَعْبَةِ مِنَ الْإِمَامِ جَازَتْ صَلَاتُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي حَاجِبِ الْإِمَامِ ، لِأَنَّ الْقَلَمَ وَالشَّعْرَ إِنَّمَا يَظْهَرُ حَيْثُ اتَّحَادَ الْحَاجِبِ

ترجمہ:

اور جب امام نے مسجد حرام میں: جہاں یس لوگوں نے کعبہ کے گرد حلقہ بنایا اور انہوں نے امام کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس جو شخص کعبہ کی طرف امام سے بھی زیادہ قریب ہو تو اس کی نماز جائز ہے اگرچہ وہ جانب نہ تھا۔ کیونکہ تقدم و تاخر اتحاد جانب کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔

خانہ کعبہ کو اندر نماز پڑھنے کے مسائل:

۱۔ خانہ کعبہ کے اندر اور باہر یعنی مسجد الحرام میں ہر نماز فرض و نفل پڑھنا بلا کراہت صحیح ہے خواہ اکیلا پڑھے یا جماعت سے اور خواہ بغیر سترے کے ہو اور وہاں نمازی کے آگے سے گزرتا معاف ہے، خانہ کعبہ کی سمت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے اگر خانہ کعبہ کے اندر جماعت سے نماز پڑھیں اور امام کے گرد مضیں بنائیں تو کعبے کی طرف منہ کرنے میں جماعت والوں کے منہ جدا جدا طرف کو ہوں گے پس جس مقتدی کی پیٹھ امام کے منہ کی طرف ہوگی اس کی نماز جائز نہیں ہوگی کیونکہ وہ شخص امام سے آگے ہوگا اور جس مقتدی کا منہ امام کو منہ کی طرف ہو اور امام اور مقتدی کے درمیان کوئی سترہ (آڑ) نہ ہو تو اس کی نماز جائز مگر مکروہ ہوگی اور اگر سترہ (کپڑا وغیرہ لٹکایا) ہو تو مکروہ نہ ہوگی اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں سب میں نماز بلا کراہت جائز ہوگی۔

۲۔ اگر امام نے خانہ کعبہ سے باہر مسجد الحرام میں نماز پڑھی اور جماعت کے لوگ خانہ کعبہ کے گرد حلقہ بانہ کر کھڑے ہوں اگر امام کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے تو سب کی نماز درست ہے صرف اس شخص کی نماز درست نہیں ہوگی جو امام کی سمت میں امام سے آگے ہو یعنی امام کی پیدائش کعبہ شریف کے قریب ہو اور امام ہی کی سمت میں کھڑا ہو اور اگر وہ شخص جو امام کی یہ نسبت خانہ کعبہ سے زیادہ قریب ہے امام کی سمت میں نہیں ہے بلکہ کسی دوسری سمت میں ہے تو اس کی نماز درست ہو جائے گی کیونکہ وہ حکام امام کے پیچھے ہے اور امام۔ آگے پڑھنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ دونوں کی جہت ایک ہی ہو، اگر مقتدی اس رکن (کوٹے) کی سیدھ میں ہے جو امام کی جانب میں ہے اور امام سے زیادہ کعبہ شریف کے قریب ہے تو احتیاطاً اس کی نماز فاسد ہوگی۔

۳۔ اگر امام خانہ کعبہ کے اندر کھڑا ہو اور کوئی مقتدی امام کے ساتھ اندر بھی ہو اور باقی مقتدی کعبہ کے باہر ہوں اور دروازہ کھلا ہوا ہو تاکہ مقتدی امام کے رکوع و سجود وغیرہ کا حال معلوم کر سکیں تو نماز بلا کراہت جائز ہے اور اگر دروازہ بند ہو لیکن کوئی

کبیر کہنے والا آواز پچھتا جائے تب بھی اقتدار مست ہے اور اگر امام اکیلا خان کعبہ کے اندر ہو اس کے ساتھ مقتدی کوئی نہ ہو تو مکروہ ہے کیونکہ خانہ کعبہ کا اندرونی فرش قد آدم سے زیادہ بلند ہے۔

کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ حَازَتْ صَلَاتُهُ عِلَالًا لِلشَّافِعِيِّ لِأَنَّ الْكَعْبَةَ هِيَ الْعَرْصَةُ، وَالْهَوَاءُ إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ عِنْدَنَا ذُوْنُ الْبِنَاءِ لِأَنَّهُ يُنْقَلُ: أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ صَلَّى عَلَى نَجْدٍ أَوْ عَلَى قُبَيْسٍ حَازَ وَلَا بِنَاءَ بَيْنَ يَدَيْهِ، إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِمَا فِيهِ مِنْ تَرْكِ التَّعْظِيمِ، وَقَدْ وَدَّ النَّهْيُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ:

اور جس شخص نے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک کعبہ میدان اور آسمان تک قضاء حق کا نام ہے کسی عمارت کا نام نہیں۔ کیونکہ وہ نخل کی جالکتی ہے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کسی شخص نے البقیس پہاڑ پر نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔ حالانکہ اس کے سامنے عمارت (کعبہ) ہی نہیں۔ لیکن مکروہ اس لئے ہے کہ اس میں تعظیم کا ترک ہے۔ اور اس سے نبی کریم ﷺ منع کیا ہے۔

شرح:

علامہ ابن عساکر الباری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ وَقَوْلُهُ (وَمَنْ صَلَّى عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ) أَيْ عَلَى سَطْحِهَا، وَلَعَلَّهُ اخْتَصَرَ لَفْظَ الظَّهْرِ لِيُزَوِّدَ لَفْظَ الْحَدِيثِ بِوَ عَلَى مَا ذُكِرَ لَمَّا ذُكِرَ أَنَّ مَنْ صَلَّى عَلَى سَطْحِ الْكَعْبَةِ (حَازَتْ صَلَاتُهُ عِنْدَنَا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ سُرَّةٌ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَحْزُرُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُرَّةٌ بَنَاءً عَلَى أَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي جَوَازِ التَّوَجُّهِ إِلَيْهَا لِلصَّلَاةِ الْبِنَاءُ.

وَعِنْدَنَا أَنَّ الْفِيلَةَ هِيَ الْكَعْبَةُ وَالْكَعْبَةُ هِيَ الْعَرْصَةُ وَالْهَوَاءُ إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ، وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالْبِنَاءِ لِأَنَّهُ يُنْقَلُ: أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ صَلَّى عَلَى أَبِي قُبَيْسٍ حَازَتْ صَلَاتُهُ وَلَا شَيْءَ مِنْ بِنَاءِ الْكَعْبَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَدْ عَلَى أَنَّهُ لَا مُعْتَبَرٌ بِالْبِنَاءِ.

وَقَوْلُهُ (إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ) اسْتِثْنَاءٌ مِنْ قَوْلِهِ حَازَتْ صَلَاتُهُ، وَتَذَكُّيرٌ الصَّغِيرِ بِتَأْوِيلِ فِعْلِ الصَّلَاةِ وَأَدَائِهَا (لِمَا فِيهِ) أَيْ فِي التَّعَلُّي عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ (وَمَنْ تَرَكَ التَّعْظِيمَ وَقَدْ وَدَّ النَّهْيُ عَنْهُ) قِيلَ أَيْ عَنْ تَرْكِ التَّعْظِيمِ، وَقِيلَ عَنْ أَدَاءِ الصَّلَاةِ عَلَى ظَهْرِهَا.

وَرَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ: (نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الصَّلَاةِ فِي سَبْعَةِ مَوَاطِنَ الْمَحْزُورَةِ،

وَالْمَرْبُوعَةُ، وَالْمَقْبُورَةُ، وَالْحَقَامُ، وَقَوْلُ عِزِّ الطَّرِيقِ، وَمَعَاطِينُ الْبَابِلِ، وَقَوْلُ ظَهْرِ نَيْبِ اللَّهِ الْخَرَامِ)۔

اور مصنف کا قول جس نے کعبہ کی پیٹھ یعنی چھت پر نماز پڑھی۔ شاید مصنف نے 'ظہر' کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ حدیث میں یہی لفظ وارد ہوا ہے۔ جو حدیث ذکر ہو چکی ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ جس نے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی تو اس کی نماز ہمارے نزدیک جائز ہے خواہ اس کے سامنے سر نہ بھی ہو۔

جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ سرہ کے بغیر اس کی نماز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ بنائے صلوٰۃ کیلئے سرے کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور ہمارے نزدیک اس کا قبلہ ہی کعبہ ہے اور وہ فضاء سے لیکر آسمان تک ہے۔ اور عدم نقل کی وجہ سے بناء کا اعتبار نہ ہوگا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر ابو جیس پہاڑ پر نماز پڑھی جائے تو جائز ہے۔ اور اس میں بنائے کعبہ کی کوئی چیز نہیں۔ لہذا اس کی دلالت اس بات ہے کہ بناء کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور مصنف کا قول مگر یہ کہ مکروہ ہے۔ یہ قول "جَاؤُتْ صَلَاتُہُ" سے استثناء ہے۔ اور اس میں ضمیر مذکر کی اس لئے لائے ہیں۔ کہ اس کی تاویل فصل نماز اور اوائے نماز سے کی گئی ہے۔

اور کعبہ کی چھت پر بلند ہونے کی وجہ سے اس کی تعظیم کا ترک لازم آئے گا۔ جبکہ اس کے ترک تعظیم کے بارے میں نبی وارد ہوئی ہے۔ جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نبی اس کی تعظیم کے ترک کے بارے میں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اس کی چھت پر نماز کی آدابگی کے بارے میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے (1) جہاں گوبر یعنی کوڑا کرکٹ ڈالے ہیں (2) قصاب خانہ میں (جہاں جانوروں کو ذبح کرتے ہیں) (3) قبرستان میں، (4) چلنے راستہ میں (5) حمام میں (نہانے کی جگہ) (6) اونٹوں کے باڑے میں (7) بیت اللہ کی چھت پر۔

(ترمذی، السنن، أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية ما يوصل إلى فيه، 375 : 1، رقم 346)

(عنا یہ شرح الہدایہ ص ۳۴، میرور:)

فقد خشي اسلامی تعظیفات کی بھی ترجمان ہے۔

معروف نقشبات خان خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں (شرعی احکام میں) اللہ کی کتاب پر عمل کرتا ہوں جب وہ احکام مجھے کتاب الہی میں مل جائیں، اور جو احکام مجھے قرآن میں نہیں ملتے تو پھر سنت رسول اللہ ﷺ اور ان کے آثار پر عمل کرتا ہوں جو شجرہ راویوں سے متحول ہو کر شجرہ راویوں میں پھیل چکے ہیں، اور اگر کتاب الہی اور حدیث نبوی (دونوں) میں نہیں پاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے اقوال میں سے جسے چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور

جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں (البتہ حضرات صحابہ کے قول سے باہر نہیں جاتا کہ) سارے صحابہ کے قول کو چھوڑ کر دوسرے کے قول کو اختیار کر لوں۔

اور جب نوبت ابراہیم نخعی، عاصم، محمد بن سیرین، حسن بصری، عطاء اور سعید بن مسیب (رحمہم اللہ) وغیرہ متعدد حضرات تابعین کے نام شمار کئے) تک پہنچتی ہے تو ان حضرات نے اجتہاد کیا لہذا مجھے بھی حق ہے کہ ان حضرات کی طرح اجتہاد کروں۔ یعنی ان حضرات کے اقوال پر عمل کرنے کی پابندی نہیں کرتا بلکہ ان ائمہ مجتہدین کی طرح خدائے ذوالجلل کی بخشی ہوئی اجتہادی صلاحیتوں کو کام میں لاتا ہوں اور اپنے فکر و اجتہاد سے پیش آمدہ مسائل کو حل کرتا ہوں۔

(ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد ادج ۱۳ ص ۳۶۸، بیروت)

خطیب بغدادی کی اس عبارت کے ساتھ ہماری شرح ہدایہ اپنے اختتام کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نصیب فرمائے آمین۔  
دعائے کلمات:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں۔ جس نے مجھ جیسے گناہگار بندے کو یہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ آج ۲۹ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ بروز پیر بعد نماز عصر بمطابق یکم اگست ۲۰۱۱ء فیوضات رضویہ فی تشریحات ہدایہ کی دوسری جلد مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بوسیلہ نبی کریم ﷺ دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ہدایہ کی بقیہ کتاب کی شرح بھی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یہاں پر میں خاص طور پر اپنے استاذی المکرم جامع العقول والفقول حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبد العظیم سیالوی صاحب مدظلہ العالی، شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور کا شکر گزار ہوں جنہوں نے شرح ہدایہ کی پہلی جلد شائع ہونے کے بعد میری رہنمائی فرمائی اور مولانا مفتی محمد اکبر ساقی صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے علامہ عینی علیہ الرحمہ کی شرح ”البنائے فی شرح الہدایہ“ مہیا کی۔ اور میرے وہ دوست و احباب جنہوں نے عربی عبارات کی تصحیح کی اور میرے ساتھ تعاون کیا اللہ تعالیٰ ان سب کو اعظم عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ میرے والد گرامی مرحوم کی بخشش فرمائے۔ اور اس کتاب کے ناشر، قارئین اور تمام مسلمانوں کیلئے میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب پر حق واضح فرمائے اور اس کی اتباع نصیب فرمائے اور ہم پر باطل واضح فرمائے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی اکرمہ اللہ الامم ﷺ۔

الحمد لله تمت کتاب الصلوٰۃ من الہدایہ بعون الله تعالى وينظر رسول الله ﷺ

(محمد لیاقت علی الرضوی الحنفی)

﴿الساکن چک مستیکا بھاو لنگر ۲۹، شعبان المعظم ۱۴۳۲، یکم اگست ۲۰۱۱ء، بروز پیر﴾

# ابوالعلا مکی الدین جہانگیر تصانیف، ترجمہ، شرح و تخریج کی ہوئی کتب

15



3



8



فتوت بہائیی تاریخ بنیادی

جمال السنہ

تفسیر قرآن مجید و مفسرین



## سبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006